عون الخبیر

شرح الفوز الکبیر فی اصول التفسیر

تالیف حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح

شارح

شیخ المفسرین والمحدثین

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی مدظلہ العالی

بانی مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

ناشر ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم فاروق گنج ● گوجرانوالہ

عون الخبير
شرح
الفوز الکبیر فی اصول التفسیر
تالیف
حضرت امام
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
تقریر
شیخ المفسرین و المحدثین
حضرت مولانا
صوفی عبدالحمید خان سواتی
بانی مدرسہ نصرۃ العلوم، جامع مسجد نور گوجرانوالہ
ناشر
ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم
فاروق گنج، گوجرانوالہ

طبع اول

نام کتاب	....	عون الخبیر شرح الفوز الکبیر فی اصول التفسیر
تالیف	....	حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ
شارح	....	حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی مدظلہ
تعداد	....	۵۰۰/ پانچ سو
مطبع	....	زاہد بشیر پرنٹنگ پریس لاہور۔
کمپوزنگ	....	مولانا محمد نوید ساجد Mob: 0345-6493687
قیمت	....	روپے
ناشر	....	ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم فاروق گنج گوجرانوالہ
تاریخ طبع	....	نومبر ۲۰۰۵ء

ملنے کے پتے

۱) .... ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم، فاروق گنج، گوجرانوالہ

۲) .... مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

۳) .... اسلامیہ کتب خانہ، اڈا گامی، ایبٹ آباد

۴) .... مکتبہ مجیدیہ، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان

۵) .... مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ

۶) .... مکتبہ سید احمد شہیدؒ، اردو بازار، لاہور

۷) .... مکتبۃ الحسن، حق سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

فہرست کتاب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ابتدائیہ

از محمد فیاض خان سواتی

مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ۔

حامداً ومصلیاً امابعد!

الفوز الکبیر علم اصول تفسیر میں حضرت امام ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی ایک اہم ترین کتاب ہے جو عرصہ دراز سے مدارس اسلامیہ کے نصاب تعلیم میں داخل ہے اور اسے طلباء کرام کو سبقاً سبقاً پڑھایا جاتا ہے چند سال قبل والد محترم مفسر قرآن، استاذ المحدثین، فلسفہ ولی اللہی کے ممتاز ترجمان حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی مدظلہ فاضل دارالعلوم دیوبند ودارالمبلغین لکھنؤ ونظامیہ طبیہ کالج حیدر آباد دکن، بانی مدرسہ نصرۃ العلوم وجامع مسجد نور گوجرانوالہ نے طلباء کرام کو پڑھاتے ہوئے جو تقریر ارشاد فرمائی تھی، اسے مدرسہ نصرۃ العلوم شعبہ حفظ وناظرہ کے صدر مدرس حضرت قاری محمد عبداللہ صاحب مدظلہ نے بڑی محنت وچاہت سے ٹیپ ریکارڈ میں محفوظ کیا جسے طلباء کرام کے استفادہ کے لئے ہم نے شائع کرنے کا پروگرام بنایا اس لئے کہ الفوز الکبیر کی کوئی تفصیلی اور قابلِ قدر شرح ابھی تک اردو زبان میں شائع نہیں ہوئی یا کم از کم ہمارے علم میں نہیں ہے۔

ان ریکارڈ شدہ کیسٹوں کو ہمارے محترم بزرگ الحاج لعل دین صاحب نے صفحہ قرطاس پر منتقل کیا اور اس کے ساتھ ساتھ سرخیوں کے عنوانات بھی قائم کئے پھر والد محترم مدظلہ نے اس سارے مسودہ پر نظر ثانی فرمائی اور کئی مقامات میں حذف وترمیم واضافہ بھی کیا ہے۔ کمپوزنگ کے بعد مدرسہ نصرۃ العلوم کے فاضل ومدرس مولانا عبدالرحیم مروت صاحب نے اس کی پروف ریڈنگ کی اور پھر مدرسہ نصرت العلوم کے ایک دوسرے فاضل ومدرس مولانا زرنبی خان صاحب نے اس کے متن کا

الفوز الکبیر کے مختلف نسخوں سے تقابل کیا، چند مقامات میں سبق کے دوران ریکارڈنگ نہ ہو سکی تھی جس کی بناء پر مسودہ ادھورا تھا اسے بندہ فقیر نے اپنے قلم سے لکھ کر اس میں شامل کیا ہے تاکہ شرح مکمل ہو جائے۔

اب اسے اللہ تعالیٰ کی رضا، قرآن کریم کی خدمت اور طلباء کرام کے اجتماعی علمی فائدہ کی خاطر طبع کرایا جا رہا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت میں کسی بھی پہلو میں حصہ لینے والے تمام احباب کا نہ صرف ہم شکریہ ادا کرتے ہیں بلکہ دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت ان کی اس کوشش کو آخرت کے لئے ذخیرہ بنا دے۔ اور اس کتاب کو طلباء علومِ دینیہ کے لئے نافع بنا دے۔ آمین!

آخری گزارش :

کتاب میں اگر کوئی علمی یا پروف ریڈنگ کی فروگزاشت ہو تو خیر خواہی کی نیت سے نشاندہی کرنے والے کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا جائے گا اور اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ ہم نے کتاب کے حجم میں طوالت کے خوف سے الفوز الکبیر کا عربی متن ہر درس کے آغاز میں مستقلاً نہیں درج کیا کیونکہ دورانِ درس مکمل عربی متن اور اس کا ترجمہ آ گیا ہے جس سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔

احقر محمد فیاض خان سواتی

مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم

۱۳ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ بمطابق

۲۳ فروری ۲۰۰۵ء۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

(شخصیت اور کردار)

ازقلم: مولانا محمد فیاض خان سواتی مہتمم مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ

نام ونسب :

امام ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام احمد ہے جو کہ ولی اللہ کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ کی کنیت ابو محمد اور ابوالفیاض یا ابوالفیض ہے۔ قطب الدین بشارتی نام ہے۔ آپ کا تاریخی نام عظیم الدین ہے اور آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے جیسا کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں۔ ''سلسلہ نسب ایں فقیر با میر المومنین عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب می رسد'' (الامداد فی ماثر الاجداد) شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب والد کی طرف سے تیس واسطوں سے امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک اور والدہ کی طرف سے سلسلہ نسب امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔ تو اس لحاظ سے آپ عربی اور فاروقی النسب ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے احمد بن عبدالرحیم بن وجیہ الدین شہید بن معظم بن منصور دہلوی رحمۃ اللہ علیہ......الخ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سید نہیں تھے۔ ان کے نام کے ساتھ جو ابتداء میں شاہ کا لفظ لکھا جاتا ہے، وہ برصغیر کی اصطلاح کے مطابق تصوف اور سلوک والے حضرات پر لکھا جاتا ہے۔

ولادت :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سلطان اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے چار سال قبل ۴ شوال ۱۱۱۴ھ بمطابق ۲۱ فروری ۱۷۰۳ء بروز بدھ بوقت طلوع آفتاب اطراف دہلی میں (یو، پی کے ضلع مظفر نگر کے قصبہ) پھلت میں ہوئی جو کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ننھیال تھا۔

ابتدائی تعلیم :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں "جب میری عمر پانچ سال کی ہوئی تو فقیر مکتب میں داخل ہوا۔ ساتویں برس والد بزرگوار نے نماز پڑھوائی اور روزہ رکھنے کی تلقین فرمائی۔ اس سال ختنہ کی رسم بھی ادا ہوئی۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ اسی سال کے آخر میں میں نے قرآن عظیم (حفظ) کیا۔ دس سال کی عمر میں شرح ملا جامی پڑھی اور عام مطالعہ کی راہ میرے لئے کھل گئی۔ چودھویں برس میں میری شادی کردی گئی اور اس معاملے میں والد بزرگوار نے بڑی عجلت سے کام لیا۔ پندرہ برس کا تھا تو میں نے اپنے والد کے دست مبارک پر بیعت کی اور تصوف کے اشغال میں لگ گیا اور اس میں خاص طور پر نقشبندی مشائخ کے طریق کو اپنا مقصود بنایا۔ اسی سال تفسیر بیضاوی کا ایک حصہ پڑھا۔ اس سال والد بزرگوار نے وسیع پیمانے پر کھانے کا انتظام کیا اور خواص وعوام کو دعوت دی اور اس موقع پر مجھے درس دینے کی اجازت دی۔ الغرض اپنی عمر کے پندرہویں سال اپنے ملک کے دستور کے مطابق جو ضروری علوم وفنون تھے، میں ان سے فارغ ہوگیا۔ سترہ سال کا تھا کہ حضرت والد رحمت حق سے جاملاقی ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد فقیر بارہ سال تک دینی اور علوم عقلیہ کی کتابیں پڑھاتا رہا اور ہر علم میں فکر وغور جاری رکھا۔ (الجزء اللطیف)

اخلاق وعادات :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو قدرت نے ابتدا ہی سے حکیمانہ مزاج اور مومنانہ اخلاق کا حامل بنایا تھا۔ چنانچہ آپ بچپن ہی سے نرم خو، بردبار، منکسر المزاج، خوش اخلاق، سنجیدہ، ستودہ صفات، سیر چشم، محنتی، پاکیزہ اطوار، فیاض، متقی، پرہیزگار، ملنسار اور متوکل علی اللہ تھے۔ اسی وجہ سے شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی ساری اولاد میں سے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سب سے زیادہ چاہتے تھے۔ اکثر اوقات خلوت وجلوت میں انہیں اپنے پاس بٹھاتے تھے اور بڑے پرلطف لہجے میں فرمایا کرتے تھے کہ اے میرے بیٹے! میرے دل میں بے اختیار یہ بات پیدا ہوئی ہے کہ ایک ہی دفعہ تمام علوم وفنون تمہارے دل میں ڈال دوں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جوانی بے داغ تھی۔ آپ کے مزاج میں عام جوانوں کی طرح تندی وتیزی

نہیں تھی۔ حکیمانہ ژرف بینی اور عالمانہ کردار جوانی میں ہی پیدا ہو چکا تھا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو والد کی پاکیزہ تربیت نے سیر چشم، مستغنی المزاج اور متوکل علی اللہ بنا دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ بیک وقت ایک حکیم، نکتہ شناس، صوفی باصفا، ایک مفسر، ایک محدث، ایک فقیہ، ایک بے مثال صاحب طرز ادیب، انشا پرداز، شاعر، سیاست دان، معقولی، مفکر، معاشیات کے ماہر، عمرانیات کے رمز آشنا، تاریخ کے غواص، مدبرانہ ذہن کے مالک، مجتہدانہ بصیرت کے حامل اور ایک کامل واکمل انسان تھے۔

اولاد :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دو شادیاں کیں۔ ان کی پہلی بیوی سے ایک لڑکا محمد دہلوی پیدا ہوا جس کی وفات ۱۲۰۸ھ میں ہوئی (نزہۃ الخواطر) اسی لڑکے کی وجہ سے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کنیت ابو محمد کرتے تھے (الارشاد فی مہمات الاسناد) پہلی بیوی کی وفات کے بعد دوسری بیوی سے شادی کی اور اس کے بطن سے چار صاحبزادے اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئی۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے بڑے صاحبزادے جو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ان کے جانشین بھی ہوئے، وہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۷ شوال ۹۔ ۱۲۳۸ھ بمطابق ۱۸۲۴ء ہیں۔ دوسرے صاحبزادے شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۶ شوال ۱۲۳۳ھ بمطابق ۱۸۱۷ء ہیں اور تیسرے صاحبزادے شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۹ رجب ۱۲۳۰ھ بمطابق ۱۸۱۴ء ہیں اور چوتھے صاحبزادے شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۶ محرم ۱۲۲۷ھ ہیں اور ایک صاحبزادی امۃ العزیز ہیں۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصیات :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے جن خوبیوں اور خصوصیات سے نوازا تھا، ان خصوصیات کو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مختلف تصانیف میں تحدیث نعمت کے طور پر ذکر فرمایا ہے......

۱) شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو قائم الزمان بنایا گیا۔

۲) آپ کو مجدد دین قویم بنایا گیا۔

۳) آپ کو خلعت فاتحیت عطا کی گئی۔ اور آخری دور کا آغاز آپ کے ہاتھ سے کرایا گیا۔

۴) وصی ہونے کی وجہ سے آپ اللہ تعالیٰ کی مرضیات کی تکمیل کے لئے آلۂ جارحہ بنائے گئے۔

۵) آپ نے احکام شریعت کے اسرار و مصالح بیان فرمائے، شاہ صاحب خود فرماتے ہیں ''ان تمام کے رموز و اسرار کا بیان ایک مستقل فن ہے جس کے بارے میں اس فقیر سے زیادہ دقیق بات کسی اور سے نہیں بن آئی ہے۔ اگر کسی کو اس فن کی عظمت و بلندی کے باوجود میرے بیان میں شبہ گزرے تو اسے شیخ عزالدین ابن عبدالسلام المتوفی ۶۶۰ھ کی کتاب قواعد کبریٰ دیکھنی چاہیے جس میں انہوں نے کس قدر زور مارا ہے مگر پھر بھی وہ اس فن کے عشر عشیر تک نہیں پہنچ پائے''۔ (الجزء اللطیف)۔

۶) آپ کو سلوک طریقت الہام کیا گیا اور آپ نے وہ طریق پیش کیا جو صوفیاء کے غلو سے پاک اور جادہ شریعت کا پابند تھا۔

۷) آپ نے سب سے پہلے علمائے معاصرین کی مخالفت کے باوجود قرآن کریم کا بلند پایہ ترجمہ کیا۔

۸) آپ نے حدیث کی حیثیات کا تعین کیا اور درس حدیث میں تحقیق کی بنیاد ڈالی۔

۹) آپ کو الجمع بین المختلفات کا خصوصی علم دیا گیا۔

۱۰) آپ کو جامعیت بخشی گئی۔

۱۱) آپ کو حکمت عملی یعنی تعبیر معاشیات، سیاسیات و عمرانیات کے شرعی اصول وضوابط سمجھائے گئے اور کتاب و سنت و آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کو تطبیق دینے کی توفیق بخشی گئی۔

۱۲) شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''مجھے ایک ملکہ عطا کیا گیا جس کی بدولت میں تمام عقائد و اعمال، اخلاق و آداب کے متعلق یہ تمیز کر سکتا ہوں کہ دین حق کی اصلی تعلیم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہے۔ وہ کیا ہے اور وہ کون سی باتیں ہیں جو بعد میں دین حنیف کے ساتھ چسپاں کر دی گئیں اور کس بدعت پسند فرقہ کی تحریف، غلو و افراط یا تہاون و تفریط کا نتیجہ ہیں''۔

۱۳) آپ کو علم المصالح والمفاسد اور علم الشرائع والحدود دونوں دیے گئے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں ''یہ وہ علم شریف ہے جس کے متعلق بیان کرنے اور اس کے اصولوں کو واضح کرنے نیز مسائل کی تطبیق میں مجھ پر کسی نے سبقت نہیں کی''۔

۱۴) آپ نے قدیم علمائے اہلِ سنت کے عقائد کو دلائل و براہین کی روشنی میں اس طرح ثابت کیا اور انہیں اس طرح معقولیوں کے شکوک وشبہات سے پاک کیا کہ اب ان پر مزید بحث کی گنجائش نہیں رہ گئی۔

۱۵) آپ کو کمالات اربعہ ابداع ،خلق ، تدبیر اور تدلی (تجلی) کی حقیقت اور نفوس انسانیہ کی استعداد کا خصوصی علم عطا کیا گیا۔ مندرجہ بالا دونوں علوم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے کسی عالم کو نہیں دیے گئے اور نہ کسی نے ان پر کما حقہ کلام کیا ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دس بادشاہوں کا زمانہ پایا ہے :

۱۔ اورنگزیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ ۲۔ شاہ عالم بہادر شاہ اول ۳۔ معز الدین جہاں دار شاہ ۴۔ فرخ سیر ۵۔ رفیع الدرجات ۶۔ رفیع الدولہ ۷۔ محمد شاہ رنگیلا ۸۔ احمد شاہ ۹۔ عالم گیر ثانی ۱۰۔ شاہ عالم ثانی۔

دارالحدیث کا قیام :

مسلمان بادشاہوں کے دور حکومت میں جبکہ قاضی ومفتی ہونا ہی علماء کے لئے باعث افتخار تھا، فقہ، اصول فقہ، صرف ونحو، منطق ومعانی، فلسفہ وتاریخ وغیرہ کو چھوڑ کر بھلا علم حدیث وتفسیر کی طرف کون توجہ کرتا؟ شیخ عبدالحق محدث دہلوی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۰۵۲ھ اور بعض دیگر حضرات نے اپنے طور پر علم حدیث کی ترویج واشاعت کی، لیکن سب سے پہلے باقاعدہ اور منظم طور پر علم حدیث وتفسیر کی اشاعت کا نظم مدرسہ رحیمیہ دہلی سے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی میں کیا گیا اور باقاعدہ صحاح ستہ اور حدیث کی دیگر مرکزی کتب خصوصاً موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم دی جانے لگی جس سے تمام برصغیر کے علماء وعوام نے استفادہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج برصغیر پاک وہند اور دیگر قریب کے دیار میں حدیث کا سبق پڑھنے والے طالب علم کی سند حدیث بحیثیت استاد حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تک لازماً پہنچ جاتی ہے۔

مجدد :

ہر صدی میں کوئی نہ کوئی مجدد دین پیدا ہوا ہے جس نے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے انسانوں کی

رہبری کی ہے اور اسلام کی تبلیغ ونشر واشاعت کے لئے سر توڑ کوششیں کی ہیں جس کی پاداش میں انہیں سخت سے سخت مشقتیں اور صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑی ہیں اور قید و بند سے دوچار ہونا پڑا ہے اور طرح طرح کے طعن و تشنیع کا سامنا کرنا پڑا ہے تو اس لحاظ سے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بارہویں صدی ہجری کے مجدد اور حکیم الامت ہیں حکیم الامت کی تعریف حکماء یہ کرتے ہیں من اتقن العلم والعمل بقدر الطاقة البشرية جو بشری طاقت کے مطابق علم اور عمل میں کامل ہو۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے صحیح مصداق تھے جنہوں نے مسلمانوں کو ان کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے اور اسلام کی سربلندی کی خاطر آخر دم تک سامراج کے مقابلہ میں سینہ سپر رہے۔ برصغیر پاک و ہند میں اسلام کے نام لیوا انہی کی قربانیوں اور کوششوں کی بدولت آج دم مار رہے ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو گرانقدر تجدیدی کارنامے سرانجام دیے ہیں وہ رہتی دنیا تک امت مسلمہ کے لئے مشعل راہ ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ذات کے بارے میں اپنی مایہ ناز کتاب تفہیمات الٰہیہ ص ۱۱۰،۱۱۲ جلد ا میں ''وصی'' اور ''مجدد'' ہونے کا اشارہ فرمایا ہے۔

تدریس :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، اصول تفسیر، اصول حدیث، منطق و کلام، سلوک و تصوف، طب و فلسفہ، لغت و معانی، ہندسہ و حساب، علم الحقائق و فن خواص اسماء و آیات اور صرف و نحو غرضیکہ ہر فن کی بیشتر اور مرکزی کتابیں سبقاً سبقاً پڑھیں اور پھر ان میں مکمل دسترس حاصل کی۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عمر کے سترہویں سال شاہ عبدالرحیم نے ۱۲ صفر ۱۱۳۱ھ بمطابق ۱۷۱۸ء میں انتقال فرمایا۔ شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ نے مرض الموت کے دوران شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بیعت و ارشاد کی اجازت بھی دی اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر مکمل اطمینان اور بھروسہ کرتے ہوئے دوبار یہ جملہ ارشاد فرمایا يده كيدي (اس کا ہاتھ میرے ہاتھ کی طرح ہے) والد کی وفات کے بعد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کم و بیش بارہ سال تک مدرسہ رحیمیہ کی مسند تدریس کو رونق بخشی اور طلباء و عوام کو علوم و فنون سے روشناس کرایا۔

حج :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۱۴۳ھ بمطابق ۱۷۳۱ء کو حج وزیارت سے مشرف ہوئے اور تقریباً دو سال حجاز مقدس میں رہے اور رجب ۱۱۴۵ھ بمطابق ۱۷۳۲ء کو اپنے وطن دہلی واپس ہوئے (الجزء اللطیف) شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حج سے واپس آکر دہلی میں تدریس وتبلیغ، اصلاح وتذکیر کے فرائض تقریباً تہائی صدی انجام دیے۔

وفات :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ بمطابق ۱۷۶۲ء کو اکسٹھ سال تین ماہ پچیس دن کی عمر میں ہوئی اور دہلی میں مہندیوں کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

تکمیل تعلیم :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ظاہری علوم مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، کلام، منطق وغیرہ کی تعلیم تو اپنے والد محترم سے پائی تھی جنہوں نے اکثر کتب اپنے بھائی ابوالرضا محمد المتوفی ۱۱۰۱ھ سے اور کچھ اعلیٰ کتابیں میر زاہد ابن قاضی اسلم ہروی المتوفی ۱۱۱۱ھ سے پڑھی تھیں۔ میر زاہد معقولات کے متبحر عالم تھے لیکن فقہ میں ان کو بہت کم دسترس تھی۔ شاہ صاحب نے علم حدیث میں سے مشکوٰۃ المصابیح، شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کچھ حصہ بخاری شریف کا اس دور کے امام محمد افضل المعروف بہ حاجی سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھا۔ اس کے بعد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۱۴۳ء کو حدیث کی تکمیل کے سلسلہ میں حرمین شریفین گئے اور وہاں زیادہ تر مدینہ منورہ میں ہی قیام پذیر رہے اور شیخ ابوالطاہر الکروی المدنی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۱۴۵ھ سے حدیث کی تعلیم واجازت حاصل کی۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حجاز کے بیشتر محدثین کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہہ کیا اور حدیث کی اجازت حاصل کی لیکن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سب سے بڑا استاذ جس سے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو معنوی مناسبت پیدا ہوئی، وہ شیخ ابوالطاہر رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے۔ شیخ ابوالطاہر بھی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تبحر علمی، ذکاوت وشرافت کے معترف تھے۔ چنانچہ وہ فرماتے تھے۔ یسند عنی اللفظ و کنت اصحح المعنی منه (الیانع الجنی) وہ (شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ) ہم سے لفظ کی سند لیتا

ہے اور ہم اس سے معنیٰ کی تصحیح کرتے ہیں۔ شیخ ابوالطاہر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد شیخ ابراہیم کردی المتوفی ۱۱۰۱ھ سے علمی استفادہ کیا جو کہ شافعی المسلک تھے۔ اور شاہ صاحب زیادہ تر اپنے والد شاہ عبدالرحیم سے مستفید ہوئے جو کہ حنفی المسلک تھے۔ حسن اتفاق سے شیخ ابراہیم کروی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ عبدالرحیم کی ذہنیت متقارب تھی کیونکہ دونوں کا سلسلہ تلمذ جلال الدین دوانی المتوفی ۹۲۸ھ تک پہنچتا ہے۔ بنا بریں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو شیخ ابوالطاہر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت بہت موافق آئی۔ اسی لئے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ ابوالطاہر کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شیخ ابوالطاہر سلف صالحین کے تمام اوصاف مثلاً تقویٰ، عبادت، علمی شغف اور بحث و تمحیص میں انصاف پسندی سے متصف تھے۔ جب آپ سے کسی مسئلہ کے بارہ میں رجوع کیا جاتا تو جب تک پورا غور و فکر اور کتابوں سے اس کی تحقیق نہ کر لیتے بیان نہ فرماتے۔ آپ اس قدر رقیق القلب تھے کہ جب بھی کوئی اس طرح کی حدیث پڑھتے تو آنکھیں پرنم ہو جاتیں۔ لباس وغیرہ میں کوئی تکلف نہ برتتے اپنے تلامذہ اور خدام سے بھی تواضع سے پیش آتے۔

تصانیف :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ۲۸ سالہ تصنیفی دور میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ آپ کی تصانیف کی تعداد پچاس سے بھی بڑھی ہوئی ہے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن (فارسی)، الفوز الکبیر (فارسی)، فتح الخبیر (عربی) فی قوانین الترجمہ (فارسی)، تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء (عربی)، المسویٰ شرح موطا (عربی)، مصفی شرح موطا (فارسی)، اربعون حدیثاً مسلسلۃ بالاشراف فی غالب سندہا (عربی) الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین (عربی) النوادر من احادیث سید الاوائل والاواخر (عربی) الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین (عربی)، الارشاد الی مہمات علم الاسناد (عربی)، تراجم البخاری (عربی)، شرح تراجم بعض ابواب البخاری (عربی) انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ واسانید وارثی رسول اللہ (فارسی) حجۃ اللہ البالغہ (عربی)، البدور البازغہ (عربی)، انصاف فی بیان سبب الاختلاف (عربی) عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید (عربی)، السر المکتوم فی اسباب تدوین العلوم (عربی)، اتحاف النبیہ فی مایحتاج الیہ المحدث والفقیہ (عربی و فارسی) قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین (فارسی)، المقالۃ الوضیہ فی النصیحہ والوصیہ

(فارسی)،حسن العقیدہ (عربی،جس کا اردو ترجمہ والد محترم حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی نے کیا ہے اور ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم نے اسے شائع کیا ہے)،المقدمۃ السنیہ (عربی)،فتح الودود فی معرفۃ الجنود (عربی) مسلسلات (عربی) رسالہ عقائد بصورت وصیت نامہ (فارسی) جس کا اردو منظوم ترجمہ سعادت یار خان نے تصنیف رنگین کی صورت میں کیا ہے۔

التفہیمات الالٰہیہ (عربی وفارسی)،فیوض الحرمین (عربی)،القول الجمیل (عربی)،ہمعات (فارسی)،سطعات (فارسی)،لمحات (عربی)،لمعات (فارسی)،الطاف القدس (فارسی،جس کا اردو ترجمہ والد محترم حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی نے کیا ہے اور ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم نے اسے شائع کیا ہے)،ہوامع شرح حزب البحر (فارسی)،الخیر الکثیر (عربی)،شفاء القلوب (فارسی) کشف الغین فی شرح الرباعیتین (فارسی) زہراوین (سورہ بقرہ وآل عمران کی تفسیر)،فیصلہ وحدۃ الوجود والشہود (مکتوب مدنی عربی، جسے ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم نے شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب دمغ الباطل کے ساتھ شائع کیا ہے)۔

سرور المحزون (فارسی)،ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء (فارسی)،انفاس العارفین (فارسی)، امداد فی ماثر الاجداد (فارسی)، النبذۃ الابریزیہ فی اللطیفہ العزیزیہ (فارسی)،العطیۃ الصمدیۃ فی الانفاس المحمدیہ (فارسی) انسان العین فی مشائخ الحرمین (فارسی)، الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف (فارسی)

مکتوبات مع مناقب ابی عبداللہ وفضیلت ابن تیمیہ (فارسی) مکتوب المعارف معہ ضمیمہ مکتوب ثلاثہ (فارسی)،مکتوبات فارسی مشمولہ کلمات طیبات (از ابوالخیر ابن احمد مرادآبادی) مکتوبات عربی مشمولہ حیات ولی (از حافظ رحیم بخش دہلوی)،شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات (از خلیق احمد نظامی)۔

اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم (عربی)،نظم صرف میر (فارسی، جسے ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم نے "صرف ولی اللٰہی" کے نام سے شائع کیا ہے)۔ دیوان اشعار (عربی) جمع وترتیب شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ وشاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ)،اس کے علاوہ رسالہ دانش مندی (فارسی، اس رسالہ کو بھی ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم نے تکمیل الاذہان از شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ

شائع کیا ہے)، وغیرہ کتب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار اور شہرہ آفاق ہیں اور بعض تذکرہ نگاروں نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتب کے سلسلہ میں ان کی کتاب ذکر المیمون اور رسالہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان کتب کے علاوہ بعض کتب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہیں جو حقیقت میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف نہیں ہیں بلکہ بعض فرقوں نے اپنے مفاد کی خاطر وہ کتب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کی ہیں جیسا کہ قرۃ العین فی ابطال شہادۃ الحسین، جنت العالیہ فی مناقب المعاویہ، تحفۃ الموحدین، بلاغ المبین، قول سدید، اشارہ مستمرہ، رسائل اوائل اور فیما یجب حفظہ للناظر وغیرہ کتب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہیں اور ان میں سے اکثر کتب کو غیر مقلدین نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

قاتلانہ حملہ:

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے گیارہ سو برس کے بعد سرزمین ہندوستان میں قرآن کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ لیکن جب اس کی اشاعت ہوئی تو تہلکہ مچ گیا۔ کٹ ملاؤں نے سمجھ لیا کہ ہماری روزی کی عمارت ڈھادی گئی۔ اب جہلاء کبھی قابو میں نہیں آئیں گے اور ہر بات پر بحث کرنے کو تیار ہو جایا کریں گے تو وہ کفر کا فتویٰ دینے کے بعد شاہ صاحب کے جانی دشمن ہو گئے۔ اور قتل کرنے پر تل گئے۔ ان کے اشارے پر چند بدمعاش شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تاک میں رہنے لگے۔ اس سازش کا آپ کو وہم وگمان بھی نہ تھا۔ ایک روز شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ عصر کی نماز مسجد فتح پوری میں پڑھ رہے تھے۔ ابھی آپ نے سلام پھیرا ہی تھا کہ دروازے پر شور وغل کی آوازیں آنے لگیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آوارہ گردوں کی ایک جماعت حملہ آور ہونا چاہتی ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ فقط چند خدام تھے۔ اور یہ جماعت بڑی تعداد میں تھی۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے چاہا کہ کھاری باؤلی والے دروازے سے نکل جائیں مگر انہوں نے اس طرف آکر گھیر لیا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک چھڑی تھی آپ نے حملہ آوروں سے دریافت کیا کہ آخر آپ لوگ میرے قتل کے درپے کیوں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ تو نے قرآن کا ترجمہ کر کے عوام کی نگاہ میں ہماری وقعت برباد کر دی اگر یہی حالت رہی تو ہماری آئندہ نسلوں کو کوئی ذرہ برابر وقعت نہیں دے گا۔ آپ نے نہ صرف ہمیں برباد

کیا ہے بلکہ ہماری اولاد کو بھی تباہ کر دیا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کی عام نعمت کو چند افراد یا ان کی اولاد کے لئے خاص کر دیا جائے؟ کچھ ردوقدح رہی۔ قریب تھا کہ وہ کوئی اقدام کریں کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خدام نے تلواریں سونت لیں اور وہ اوباش جوان ملاؤں کے ساتھ تھے، تلواریں دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے اور آپ سلامت گھر پہنچ گئے۔ (حیاۃ ولی)

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب قرآن کا ترجمہ کیا تو شیعہ حکام کو بھی یہ بات ناگوار گزری کہ عوام قرآن سے واقف ہوں۔ دہلی میں (متعصب شیعہ) نجف علی خان کا تسلط تھا جس نے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے پہنچے اتروا کر ہاتھ بیکار کر دیے تھے تاکہ وہ کوئی کتاب یا مضمون نہ تحریر کر سکیں اور اسی نے مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کو شہید کروا دیا تھا اور شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی قلمرو سے نکال دیا تھا۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی بصیرت، احمد شاہ ابدالی کو حملہ کی دعوت :

جب ہندوستان پر طوائف الملوکی نے اس کا شیرازہ بکھیر دیا تھا تو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی بڑی دردمندانہ اپیل کی تھی اور اس کارِ خیر میں ہاتھ بٹانے کے لئے دیگر بااثر امراء سے بھی خط و کتابت کی تھی۔ احمد شاہ ابدالی نے پانی پت کی آخری لڑائی میں مرہٹوں کے دانت کھٹے کر دیے تھے۔ اور ان کی ساری قوت کو پاش پاش کر کے رکھ دیا تھا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے احمد شاہ ابدالی کو لکھا کہ............

''عصرِ حاضر میں آپ سے زیادہ طاقت ور اور پرشوکت کوئی اور بادشاہ موجود نہیں۔ آپ پر ہندوستان کی جانب قصد کرنا واجب ہے تاکہ مرہٹوں کی قوت ٹوٹے اور ناتواں مسلمان سکھ کا سانس لیں''۔ (شاہ ولی اللہ اور ان کے سیاسی مکتوبات)

اور ایک دوسری جگہ شاہ صاحب، احمد شاہ ابدالی کو تحریر فرماتے ہیں کہ............

''میں اس سیہ کاری سے خدا کے حضور پناہ مانگتا ہوں جو نادر شاہ سے سرزد ہوئی۔ وہ مسلمانوں کا صفایا کر کے مرہٹوں اور جاٹوں کو زندہ سلامت چھوڑ کر لوٹ مار کر کے چلتے بنے اور نتیجہ میں قوت کفار کو فروغ حاصل ہوا۔ اسلامی لشکر زیروزبر ہوا اور سلطنت دہلی بازیچہ اطفال بن کر رہ گئی''۔ (شاہ ولی اللہ

کے سیاسی مکتوبات)۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود کو حنفی بتایا ہے۔اس سلسلہ میں ان کی تصانیف سے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں..........

۱) "من جملہ ان کے ایک بڑا مسئلہ تقلید اور عدم تقلید کا ہے۔اس امت کے تمام وہ علماء جن کو قابل استناد سمجھا جاسکتا ہے اس پر متفق ہیں کہ یہ چار مذہب (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) جو آج کل اسلامی دنیا میں مروج ہیں اور ہر ایک مذہب کے مسائل و احکام مدون صورت میں محفوظ اور موجود ہیں ان کی تقلید کرنا جائز ہے۔اس تقلید میں کئی ایک مصالح ہیں۔خصوصاً آج کے زمانے میں جبکہ ہمتیں بہت ہی پست ہوگئی ہیں، لوگوں پر ہوائے نفسانی کا بھوت مسلط ہے اور ہر ایک اپنی ہی سمجھ اور اپنی ہی رائے پر نازاں ہے"۔(حجۃ اللہ البالغہ)

۲) جاننا چاہیے کہ ان چاروں مذہبوں کے اختیار کرنے میں ایک بڑی مصلحت ہے اور روگردانی کرنے میں بڑا افساد ہے"۔(عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید)

۳) مجھ کو پہچان کرادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حنفی مذہب میں ایک بہت اچھا طریقہ ہے وہ بہت موافق ہے اس طریقہ سنت سے جو تنقیح ہوا زمانہ بخاری اور اس کے ساتھ والوں کے"۔(فیوض الحرمین)

۴) پھر کھلا ایک نمونہ اس سے ظاہر ہوئی کیفیت و تطبیق سنت کے ساتھ فقہ حنفیہ کے اخذ کرنے سے ایک کے قول ثلثہ یعنی امام اعظم (ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) اور صاحبین (ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ و محمد رحمۃ اللہ علیہ) سے اور کشف ہوئی تخصیص ان کی عمومات کی اور ان کے مقاصد کا وقوف اور اختصار"۔(فیوض الحرمین)۔

۵) "جب ایک عامی انسان ہندوستان اور ماوراء النہر میں رہنے والا ہو جہاں کوئی عالم شافعی اور مالکی اور حنبلی اور ان کی کتب مذہبیہ میسر نہ آسکتی ہوں تو اس پر واجب ہے کہ صرف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی تقلید کرے اور ان کے مذہب سے علیحدہ ہونا اس کے لئے حرام ہے کیونکہ وہ اس وقت شریعت کی رسی ہی اپنی گردن سے اتار کر مہمل و بے کار رہ جائے گا"۔(الانصاف فی بیان سبب الاختلاف)۔

۶) ایک رسالہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی آل واولاد کے لئے بطور وصیت فارسی نثر میں لکھا تھا جس کا منظوم ترجمہ سعادت یار خان رنگین نے اپنی کتاب ''تصنیف رنگین'' کی صورت میں کیا ہے جس کے باب ''بیان رسومات خلق'' میں رنگین صاحب رحمۃ اللہ علیہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے بارے میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا منظوم ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں.........

میرا مذہب ہے مذہب حنفی
سب پہ روشن ہے یہ جلی و خفی
چاروں مذاہب کو جانتا ہوں حق
لیکن بھاتا ہے مجھ کو اس کا نسق

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وطن ہندوستان میں چونکہ فقہ حنفی کو بے حد فروغ حاصل تھا اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد اور چچا بھی حنفی مسلک پر کاربند تھے اور ہندوستان کے لوگوں کے دلوں میں فقہ حنفی نے اس قدر ترقی، وسعت اور ہر دلعزیزی حاصل کر لی تھی گویا کہ یہ ان کا قومی مذہب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی بذریعہ الہام یہ بات بتائی گئی کہ وہ فروعات (فقہی مسلک) میں اپنی قوم کی مخالفت نہ کریں۔ (فیوض الرحمٰن)

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ چونکہ مجتہد منتسب تھے (مجتہد منتسب اسے کہتے ہیں جو اصول میں کسی کا تابع ہو اور فروع میں خود مختار ہو) اس لئے انہوں نے بعض مسائل میں ترجیح دی جس کو نہ سمجھتے ہوئے بعض نافہم افراد نے ان پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی حالانکہ ایسی ترجیحات تو، توضیحات، تشریحات اور تفہیمات کے سلسلہ میں ہوتی ہیں نہ کہ عقیدہ و مسلک میں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ وہی ہے جو اکابر و اسلاف کا ہے۔ اس بارے میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود تصریح فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں.........

''آگاہ رہو میں بری اور بیزار ہوں ہر ایسی بات سے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کی کسی آیت کے خلاف ہو یا سنت قائمہ کے خلاف ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا ان زمانوں کے علماء کے اجماع اور متفق علیہ خیالات کے خلاف ہو جن کے بارے میں بہتری کی خبر دی گئی ہے اور مسلمانوں کی سوادِ

اعظم یا جس کو جمہور مجتہدین نے اختیار کیا ہو۔اگر اس قسم کی کوئی چیز میری تصانیف وتحریرات وغیرہ میں آ گئی ہو تو وہ خطاء ہی قرار دی جائے گی۔اللہ رحم فرمائے اس پر جو ہم کو ہماری اس کوتاہی سے بیدار کرے گا''۔(حجۃ اللہ البالغہ ص ۹)

ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسا معیار ہے جس کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور گمراہیوں سے بچنے کا یہی طریق ہے۔اسی اصول پر خود شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض شذوذ کو ترک کیا گیا ہے اور بڑے بڑے علماء مجتہدین، اصحاب بصیرت کی آراء شاذہ کو رد کر دیا گیا ہے امام ابن ہمام، امام ابن تیمیہ، امام قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور گزشتہ ادوار کے تمام عبقری اور نابغہ حضرات کی آراء کو مسلک و مذہب نہیں بنایا گیا۔ان آراء سے صرف علمی و تحقیقی طور پر استفادہ کیا گیا ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا پروگرام :

۱) **وسئلونی ماذا حکم اللہ فی ھذہ الساعۃ قلت فک کل نظام** (فیوض الحرمین)۔
اور لوگوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے؟ میں نے جواب دیا تمام نظاموں کو توڑ دیا جائے۔یہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک تاریخی خواب ہے۔

۲) اس کے بعد سب سے پہلے فکر کو پاک کرنا ضروری ہے یعنی ایمان اور توحید کا پاکیزہ عقیدہ اختیار کرنا رسالت اور قیامت پر یقین اور اسی عقیدہ پر مسکین نوازی کی بنیاد قائم کرنا۔

۳) تعلیم کو جبری اور لازمی بنانا۔

۴) ارتکازِ دولت (CONCENTRATION OF WEALTH) کو رد کرنا۔

۵) تعیش کے اسباب کو مٹانا یا کم سے کم کرنا۔

۶) تقشّف (POVERTY) اور رفاہیت بالغہ (LUXURY) کو ختم کرنا اور حالت متوسط کا قیام۔خوراک، رہائش، لباس، صحت، تعلیم کے لئے ایک متوسط حالت قائم کرنا جس میں ہر طبقہ کے لوگ شریک ہو سکیں۔

۷) مال کے جمع اور خرچ کے قانون (حلال وحرام) کی پابندی کرنا۔

۸) تعیش والے پیشے اور حرام پیشوں کو ختم کرنا اور ممنوع قرار دینا اور تمام جائز اور مفید پیشوں کی

حوصلہ افزائی کرنا اور پیشوں کی صحیح تقسیم کرنا۔

۹) اپنی جائز ضروریات زندگی سے زائد اثاثہ، جائیداد اور مال کو رفاہ عامہ کے کاموں پر خرچ کرنے کیلئے جماعت کے نام منتقل کرنا۔

۱۰) جدید دنیا نے جن چیزوں میں مادی لحاظ سے ترقی کی ہے اپنے ماحول اور حالات کے مطابق ان سے استفادہ کرنا۔

۱۱) مسلمانوں میں جب تک جہاد کا جذبہ رہے گا وہ ہر میدان میں غالب و فاتح رہیں گے۔ (حجۃ اللہ البالغہ)۔

امام ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے پیش کردہ نظام اجتماعیت واقتصادیات، معاشیات یا نظام اخلاق وسیاسیات سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تمام فلسفہ کو پیش نظر رکھا جائے۔ صرف بعض چیزوں کو اختیار کر لینے سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تمام انبیاء کے آسمانی شرائع کو بالعموم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن کریم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ثابتہ اور اجتماعیات وسیاسیات میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کو مثال کے طور پر پیش کیا ہے اور اس پورے نظام کو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مایہ ناز کتب ازالۃ الخفاء، الخیر الکثیر، بدور بازغہ میں اور سب سے مکمل طریق پر تمام نظام کو حجۃ اللہ البالغہ میں پیش کیا ہے۔

مغربی جمہوریت :

بعض حضرات نے لمبی تاویلات کے ذریعہ کھینچ تان کر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریروں سے مغربی جمہوریت مستنبط کرنے کی کوشش کی ہے جو کہ سراسر زیادتی ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن و سنت وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم ومحدثین کے فرامین وارشادات کے مطابق جو کامل نظام پیش کیا ہے، یہ انسانی زندگی کے ہر ہر شعبہ پر محیط ہے خواہ معاشرتی ہو یا اقتصادی، معاشی ہو یا سیاسی، اخلاقی ہو یا انقلابی، انفرادی ہو یا اجتماعی، غرضیکہ ہر پہلو کو اجاگر کرتا ہے۔ کارل مارکس کا نظام جسے غریب نوازی اور مسکین پروری کا نظام خیال کیا جاتا ہے اور جو اپنی ناکامی کی منزلوں کو چھو چکا ہے جس کا عینی ثبوت روس میں اس کی ریاستوں کا آزاد ہونا ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نظام اس نظام کے ساتھ

مطابقت رکھتا ہے اور یہ مغربی جمہوری نظام ہے اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے داعی ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ کارل مارکس مئی ۱۸۱۸ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۸۳ء میں فوت ہوا۔ اس کا اشتراکی مینی فیسٹو (MENIFESTO OF SOCIALISM) ۱۸۴۷ء میں شائع ہوا اور اس کی قائم کردہ پہلی انٹرنیشنل کانفرنس کا اجلاس ۱۸۶۴ء میں منعقد ہوا جس پر اس کے پروگرام کا پہلی مرتبہ تعارف کرایا گیا۔ اس حساب سے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پہلی انٹرنیشنل کانفرنس سے ایک سو دو سال پیشتر اور مارکس کے اعلان اشتراکیت کی اشاعت سے پچاسی برس قبل وصال فرما چکے تھے پھر کیونکر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا پیش کردہ نظام اشتراکی نظام سے مطابقت رکھ سکتا ہے اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے داعی ہو سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح سمجھ نصیب فرمائے، آمین۔

احقر

محمد فیاض خان سواتی

مہتمم مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ

۱۳ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ بمطابق ۲۳ فروری ۲۰۰۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ الفوزالکبیر

آلاء اللہ علی ھٰذا العبد الضعیف............... لقن النبی صلی اللہ علیہ وسلم القرآن القرن الاول۔ (الفوزالکبیر فی اصول التفسیر ص اطبع نور محمد اصح المطابع کارخانہ تجارت کتب آرام باغ فریدروڈ کراچی)۔

نام کتاب :

اس کتاب کا نام ''الفوزالکبیر فی اصول التفسیر'' ہے۔جیسا کہ کتاب کے نام سے ہی واضح ہے۔اس میں قرآن کی تفسیر کے بارے میں آپ کو اصول سمجھائے جائیں گے۔جس طرح علوم میں حدیث ایک الگ فن ہے۔فقہ الگ فن ہے،اسی طرح تفسیر بھی الگ فن ہے۔تو اس مختصر سی کتاب میں قرآن کریم کی تفسیر سے متعلق اصول بیان کئے گئے ہیں۔

مصنف اور آپ کا خاندان :

یہ کتاب امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کی تصنیف ہے۔آپ کی پیدائش دہلی سے کم وبیش نوے میل دور مظفر نگر قصبہ پھلت میں اپنے ننھیال کے گھر ہوئی۔آپ دہلی میں رہتے تھے۔آپ کے والد اور دادا بھی دہلی کے رہنے والے تھے۔آپ کے دادا شیخ وجیہ الدین رحمہ اللہ اورنگزیب عالمگیر کی فوج میں حوالدار تھے۔بڑے نیک آدمی تھے،ہر روز چار پارے قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔ان کے بیٹے شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ بلند پایہ فقیہ،محدث اور تصوف وسلوک کے ماہر بزرگ تھے۔عالمگیر بادشاہ نے جن پانچ سو علماء کو فتاوٰی عالمگیری کی تدوین پر مامور کیا تھا ان میں شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ کا نام بھی شامل تھا۔

عالمگیر ایک اچھا بادشاہ تھا جس کی سلطنت بلخ سے لے کر برما تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے اس ملک کے قانون کے لئے فتاویٰ عالمگیری مرتب کرایا۔ مرتبین کی اس جماعت کے سربراہ ملا نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ تھے جنہوں نے چھ جلدوں پر محیط فتاویٰ عالمگیری ترتیب دیا۔ اس فتاویٰ میں وضو، طہارت سے لے کر عبادات اور معاملاتِ حکومت وغیرہ سب چیزیں آ گئیں۔ اور یہی اس ملک کا قانون قرار پایا۔ اس قسم کا قانون کسی دور میں ترکی میں بھی رائج تھا۔ اب طالبان بھی کوشش کر رہے ہیں کہ افغانستان میں اسی قسم کا اسلامی قانون نافذ ہو جائے مگر دنیا بھر کی کافر طاقتیں اس کو پسند نہیں کرتیں۔

امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شاہ عبدالرحیم دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند تھے۔ آپ بارہویں صدی کے مجدد تھے جبکہ گیارہویں صدی کے مجدد شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ مجدد نہ تو نبی ہوتا ہے اور نہ ہی معصوم عن الخطاء ہوتا ہے، البتہ اللہ تعالیٰ اس کو اتنا فہم، ادراک، علم اور صلاحیت بخشتا ہے کہ وہ امت میں پھیلی ہوئی بدعات اور گمراہیوں کو دور کر کے دین کو اصلی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے اختتام پر ایک مجدد پیدا کرتا رہے گا۔ مجدد الدین جو دین کی تجدید کرے گا۔ تجدیدِ دین سے مراد دین میں کوئی نئی چیز پیدا کرنا نہیں بلکہ دین میں پیدا ہو جانے والی بدعات اور رسومات وغیرہ کو دور کرنا اور اصلی دین کو پکڑنے کی تلقین کرنا مراد ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف :

بارہویں صدی کے مجدد شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ کشف و کرامات عظیم المرتبت انسان تھے۔ آپ مجتہد منتسب کے درجے میں تھے۔ آپ نے اپنے دور میں دین کی بہت خدمت کی۔ آپ نے سب سے پہلے قرآن پاک کا فارسی زبان میں ترجمہ لکھا، حاشیہ لکھا اور حدیث کی شرح لکھی۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے فقہی مسائل بھی سمجھائے۔

آپ کی معرکۃ الآراء تصنیف حجۃ اللہ البالغہ جیسی عظیم کتاب ہے۔

اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ آپ نے صحاح ستہ کی ساری کتابوں میں منتخب احادیث کی مختصر طور پر شرح قلمبند کی۔ دوسرے شارحین کے طریقے سے ہٹ کر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کی شرح اپنے مخصوص حکیمانہ انداز میں کی ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہر حدیث میں پائے جانے والے اصول

اور حکمت کی بات سمجھائی ہے جو ہر مسلمان کو ہر وقت کام دے سکے۔ چنانچہ پہلے حصے میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس حکمت کا ذکر کیا ہے جس پر اسلام کی پوری عمارت کھڑی ہے اور دوسرے حصے میں حدیث کی شرح لکھی ہے۔

یہ بڑی عظیم کتاب ہے ہمارے ہاں اصولِ تفسیر کا یہ رسالہ، حجۃ اللہ البالغہ اور چھوٹے بچوں کو حضور علیہ السلام کی سیرت کا چھوٹا رسالہ "سرور المحزون" بھی پڑھایا جاتا تھا۔ یہ رسالہ میں نے بھی کئی دفعہ پڑھایا ہے۔ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت ہے۔ کسی پرانے بزرگ نے اسے عربی زبان میں تحریر کیا۔ پھر اس کا فارسی زبان میں ترجمہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا۔ یہ پہلے اور دوسرے درجے کے بچوں کو پڑھایا جاتا تھا۔ پتہ نہیں آجکل ہے یا نہیں مگر پہلے تو پڑھاتے تھے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً پچاس ساٹھ کتابیں لکھی ہیں۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سیرت لکھی ہے۔ خلافت اسلامیہ کے موضوع پر شاہ صاحب نے بہت کچھ لکھا ہے۔ اس کے علاوہ بھی شاہ صاحب نے حکمت کی بہت سی کتابیں لکھی ہیں جو بڑی مشکل اور دقیق ہیں اور ان کو سمجھنے کے لئے بڑی محنت کرنی پڑتی ہے۔ اب یہ زیرِ درس رسالہ اصولِ تفسیر کے موضوع پر لکھا گیا ہے۔

تفسیرِ قرآن کی ضرورت :

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس کی تشریح یا وضاحت کو تفسیر کہتے ہیں۔ دوسری کتابوں کی وضاحت کو شرح، بیان یا تبیین کے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے جبکہ قرآن کی وضاحت کو تفسیر کا نام دیا گیا ہے۔ تو اس رسالہ الفوز الکبیر میں اس بات کا ذکر ہے کہ قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے کون سی چیزوں کی ضرورت ہے۔

ظاہر ہے کہ ہر چیز کو سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ سمجھے بغیر کسی بات پر عمل ممکن نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر کسی زمیندار آدمی نے دوسرے ہم پیشہ آدمی کو خط لکھا مکتوب الیہ وہ خط لے کر جامع مسجد میں آ گیا تاکہ کسی طالبعلم سے پڑھوا سکے۔ طالبعلم نے سارا خط پڑھا جس میں ایک بات یہ بھی تھی کہ مجھے کہی وہولہ کی ضرورت ہے، فلاں آدمی کے ہاتھ بھیج دینا۔ اس شخص کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا چیز مانگ رہا ہے۔ کئی طالبعلموں نے اس کو کَہِیَ وَھُوَلَہٗ ہی پڑھا۔ حقیقت میں کہی وہولہ بیلچہ کی قسم کا ایک آلہ

ہوتا ہے جس سے گھاس وغیرہ کھودتے ہیں اور خط لکھنے والے زمیندار کو اس کی ضرورت تھی۔

یہ مثال بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بعض باتیں دقیق ہوتی ہیں جنہیں خصوصی طور پر سمجھنا پڑتا ہے۔ اسی طرح قرآن کو سمجھنے کے لئے بھی بعض اصولوں کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے جو اس کتاب زیرِ درس میں سمجھائے گئے ہیں۔ یہ اصول زبان کے لحاظ سے بھی ہوتے ہیں، مسئلے مسائل اور فن کے لحاظ سے بھی۔ بہر حال سمجھنے کے لئے کسی قاعدہ قانون کی ضرورت پڑتی ہے۔ جب تک آپ صَرف کے صیغے یاد نہیں کریں گے آپ کو لفظ کی سمجھ نہیں آئے گی۔ پھر جب تک آپ کو ان قوانین کا علم نہیں ہوگا جن سے فاعل یا مفعول وغیرہ کے اعراب کا پتہ چلتا ہے تو آپ کو الفاظ کی ترکیب وغیرہ سمجھ میں نہیں آئے گی۔ پھر اگر آپ کو متعلقہ قانون کا علم ہے تو پھر منطق کے لحاظ سے دیکھنا ہوگا کہ یہ لفظ کلی ہے یا جزی ہے، اور معانی کے لحاظ سے اس میں کیا خوبی ہے اور اس کی فصاحت و بلاغت کیسی ہے۔ کسی بات کو مکمل طور پر سمجھنے کے لئے ان سب چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

زیرِ درس کتاب اصول تفسیر سے متعلق ہے اس میں وہ قوانین بیان کئے گئے ہیں جن کے ذریعے قرآن کریم کی تفسیر اور اس کو سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس بارے میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مثلاً دسویں صدی کے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے دو جلدوں میں ''اتقان فی علوم القرآن'' کے نام سے بڑی اچھی کتاب لکھی ہے۔ اور بھی لوگوں نے چھوٹی بڑی کئی کتابیں لکھی ہیں۔ مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''التحریر فی اصول التفسیر'' لکھی ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی'' نامی کتاب لکھی ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مختصر سا رسالہ لکھا ہے مگر یہ سب کتابوں پر بھاری ہے۔ اگر اس میں بیان کردہ باتوں کو ضبط کر لیا جائے تو قرآن کو سمجھنے میں بڑی آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور پھر لمبی لمبی کتابوں کے مطالعہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ تفسیر کے ان علوم وفنون کے علاوہ خود قرآن میں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم تابعین اور ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے علوم بھی ہیں اور قرآن کریم کو اچھے طریقے سے سمجھنے کے لئے ان کو بھی سامنے رکھنا پڑتا ہے۔

قرآن پاک کی تفسیر کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔ کوئی عقلی انداز سے تفسیر کرتا ہے تو کوئی نقلی انداز سے، کوئی روایت سے تفسیر کا حق ادا کرتا ہے تو کوئی درایت سے، اور کوئی ساری چیزوں کو ملا کر تفسیر

کرتے ہیں، تاہم ان سب کا مقصد یہی ہے کہ ایسے اصول بتلا دیئے جائیں کہ آدمی قرآن کے صحیح فہم کی طرف چلا جائے اور کسی ممکنہ غلطی سے بچ جائے۔ ویسے تو انسانوں کے کلام کو سمجھنے کے لئے بھی محنت کی ضرورت ہوتی ہے مگر بادشاہوں کے بادشاہ اور قادرِ مطلق اللہ تعالیٰ کے کلام کو سمجھنے کے لئے تو بہت زیادہ محنت اور احتیاط کی ضرورت ہے۔ بہر حال الفوز الکبیر دینی مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔ اس میں بڑی اچھی باتیں ہیں مگر تھوڑی سی مشکل ضرور ہے لہٰذا اس کو ضبط کرنے کے لئے محنت کرنی پڑے گی۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علمی کاوش :

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ۱۱۱۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۷۶ھ میں وفات پا گئے۔ عمر بھی کوئی زیادہ نہیں بلکہ ساٹھ سال کے لگ بھگ ہی پائی ہے۔ ان کی ساری کتابیں بڑی اہم ہیں۔ آپ خود بھی مجتہد تھے اور اسلام کی حکمت کو خوب جانتے تھے۔ انہوں نے قرآن پاک کو آسان کرنے میں بہت کچھ کیا، اور یہ کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

شاہ صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور پھر دوسرے شیوخ سے فیض حاصل کیا۔ تجوید اور قرات شیخ عبداللہ جیسے بزرگ سے پڑھی ۔ پھر عرب جا کر ابو طاہر کورانی یا کردی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھی۔ آپ وہاں ڈیڑھ سال رہے، دو دفعہ حج کیا اور پھر واپس دہلی آ گئے۔

زیر درس رسالہ فارسی زبان میں لکھا تھا کیونکہ اس زمانے میں برصغیر کی سرکاری زبان فارسی تھی۔ پھر تیرہویں صدی کے آغاز میں مصر کے ایک عالم محمد منیر دمشقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو عربی میں منتقل کیا۔ یہ وہی ترجمہ ہے جو کہ یونیورسٹیز اور دینی مدارس میں پڑھایا جاتا ہے۔ تاہم اس کا فارسی ایڈیشن بھی دستیاب ہے۔

حمد وثنا :

اصولِ تفسیر میں یہ رسالہ لکھتے وقت شاہ صاحب آغازِ تحریر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے کرتے ہیں۔ اس کے بعد کہتے ہیں (آلاء اللہ الآ اِلاّ الــیٌ اس کی جمع آلاء آتی ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کے انعامات علی ھٰذا العبد الضعیف اس کمزور ناتواں بندے پر بہت ہیں۔ ھٰذا کا مشارٌ الیہ خود شاہ ولی

اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں یعنی اللہ کے اس کمزور بندے شاہ ولی اللہ پر اللہ تعالیٰ کی اتنی نعمتیں ہیں لا تعد و لا تحصٰی جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اس حقیقت کو آپ قرآن میں بھی پڑھتے رہتے ہیں۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان ہر چیز تمہارے لئے مسخر کر دی ہے۔

وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً ؕ ۝ (لقمان : ۲۰)۔ اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۝ (النحل: ۵۳)۔ اور تمہیں پہنچنے والی تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آتی ہیں۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۝ (ابراہیم : ۳۴)۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔ احصٰی کا معنٰی گن کر محفوظ کر لینا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ مادی نعمتوں میں انسان کا اپنا وجود آتا ہے، پھر بال بچے، مکان، کاروبار، انواع و اقسام کی اشیائے خورد و نوش اللہ تعالیٰ کی ان گنت نعمتیں ہیں۔

فہمِ قرآن کی نعمت :

مگر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ واجلها التوفيق لفهم القرآن العظيم۔ ان میں سب سے بڑی نعمت قرآنِ عظیم کو سمجھنے کی توفیق ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر کی ہے۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ ہم اس کو سمجھ کر اس سے جس قدر استفادہ حاصل کریں گے، اللہ تعالیٰ اسی قدر ہم سے راضی ہوگا اور ہمارا اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہوگا اور اس کا قرب نصیب ہوگا۔ اللہ کا کلام بڑا وسیع ہے اور اس پر کوئی بھی حاوی نہیں ہو سکتا۔ اس کا جتنا فہم کسی کو نصیب ہو جائے وہ اللہ کا احسان ہے۔ اسی لئے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے عام احسانات ہی اتنے ہیں جو شمار نہیں کئے جا سکتے مگر ان میں سب سے بڑا احسان اور بڑی نعمت کتاب اللہ کو سمجھنے کی توفیق ہے۔

تبلیغِ قرآن کا احسان :

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد لکھتے ہیں: ومنن صاحب النبوة والرسالة عليه الصلوٰة والسلام على احقر الامة كثيرة امت کے اس حقیر آدمی پر صاحبِ نبوت و رسالت یعنی حضور خاتم

النبیین ﷺ کے بہت سے احسانات ہیں۔

منن جمع ہے منة کی، مَنَّ یَمُنُّ یعنی احسان۔ آپ قرآن میں بھی یہ لفظ پڑھتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو خطاب کر کے فرمایا: یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا یہ لوگ آپ پر احسان جتلاتے ہیں کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ آپ ان سے کہہ دیں کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ جتلاؤ۔ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ (الحجرات: ۱۷) بلکہ درحقیقت یہ تو تم پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان قبول کرنے کی توفیق بخشی۔ دوسری جگہ ہے اے ایمان والو! لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى (البقرة: ۲۶۴) اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور اذیت پہنچا کر باطل نہ کر لو۔

امت پر پیغمبر اسلام کے بھی بہت سے احسانات ہیں کیونکہ نبی اور رسول ہونے کے ناطے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانات کا واسطہ آپ ہیں۔ علم، شریعت، دین معرفت الٰہی جیسی بڑی بڑی نعمتیں حضور علیہ السلام کی وساطت سے ہی لوگوں تک پہنچی ہیں۔ یہ سب انعامات آپ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن پاک کی معرفت آئی ہیں۔ اسی لئے شاہ صاحب کہتے ہیں کہ امت کے اس حقیر بندے پر اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول کے بھی بہت سے احسانات ہیں۔

دیکھیں شاہ صاحب نے پہلے اپنے آپ کو عبدِ ضعیف یعنی کمزور بندہ کہا اور پھر اپنے آپ کو امت کے حقیر آدمی سے تعبیر کیا۔ یہ آپ کی عجز و انکساری کی انتہا ہے۔ آپ نے یہ نہیں کہا کہ میں یہ ہوں، مَیں وہ ہوں یا میں نے یوں سمجھا ہے بلکہ اپنے آپ کو کمزور اور حقیر بندہ کہا کیونکہ عاجزی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ ہمارے اسلاف میں اکثر کا یہی طریقہ رہا ہے، مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے آپ کو احقر الانام یعنی حقیر تر آدمی کہا کرتے تھے۔ ہمارے شیخ مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تحریر کے آخر میں لکھا کرتے تھے ننگِ اسلاف یعنی اسلاف کو بدنام کرنے والا آدمی حسین احمد۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اپنی بات اس طرح شروع کیا کرتے تھے بندہ محمود یوں عرض کرتا ہے۔ حقیقت میں یہ سب بلند مرتبہ لوگ تھے مگر عاجزی کا اظہار کرتے تھے۔ اس کے برخلاف آپ مولانا مودودی مرحوم کی تحریریں پڑھیں۔ وہ کہتے ہیں کہ "میں نے یہ سمجھا ہے" یا "میرے علم میں یہ بات آئی ہے" یا

''میرے نزدیک یوں ہے'' وغیرہ۔

بہر حال شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امت کے اس حقیر فرد پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی بہت سے احسانات ہیں۔ واعظمها تبليغ الفرقان الكريم اور ان میں سب سے بڑا احسان قرآن کریم کی تبلیغ ہے۔ ظاہر ہے کہ شاہ صاحب نے تبلیغ واشاعت قرآن کا پورا پورا حق ادا کیا، آپ قرآن پاک کا درس دیتے تھے۔ آپ نے قرآن پاک کا ترجمہ اور دیگر کتابیں بھی لکھیں تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سمجھ سکیں۔ چنانچہ آپ کی اس سعی سے علماء، طلباء اور عوام الناس نے برابر استفادہ کیا ہے۔ چونکہ یہ سارا سلسلہ پیغمبر علیہ السلام کی تعلیم کے نتیجہ میں آگے بڑھا۔ لہٰذا یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا احسان شمار ہوتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا اللہ کے رسول نے آپ کو قرآنِ پاک کی کوئی خاص بات بھی عنایت کی ہے تو آپ نے فرمایا کہ مجھے بھی قرآن کی وہی بات دی گئی ہے جو عام لوگوں کو بتلائی گئی ہے۔ قرآن تو وہی ہے الا فهم اوتى رجل مومن البتہ اللہ تعالیٰ کسی مومن کو جو قرآن کا فہم عطا کر دیتا ہے، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن کا فہم عطا کیا ہے تو یہ اس کا احسان ہے گویا اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم یہ ہے کہ اس نے اپنی کتاب کو سمجھنے کی توفیق بخشی۔ اور پیغمبر علیہ السلام کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ہمیں قرآن کی تبلیغ کی توفیق ملی تاکہ ہم حضور علیہ السلام کے منشا اور آپ کے طریقے کے مطابق قرآن کی تعلیم کو آگے پہنچا سکیں۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ آگے فرماتے ہیں لقن النبى صلى الله عليه وسلم القرآن القرن الاول نبی علیہ السلام نے قرنِ اول کے لوگوں کو قرآن پاک کی تلقین کی یعنی ان کو سکھلایا۔ تلقین کا معنیٰ سکھلانا ہوتا ہے۔ اسی لئے حدیث میں آتا ہے کہ قریب المرگ آدمی کو کلمے کی تلقین کرو یعنی اس کو سکھلاؤ تلقین کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسے کلمہ پڑھنے کے لئے کہو کیونکہ یہ بڑا تلخی کا وقت ہوتا ہے اور ایسے آدمی کو کلمہ پڑھنے کا حکم دینا اس کے لئے نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔ لہٰذا تلقین کا معنیٰ یہ ہے کہ قریب المرگ آدمی کے پاس بیٹھ کر خود اتنی آواز سے کلمہ پڑھو کہ وہ سن کر سمجھ سکے اور وہ بھی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے لگے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے من كان اخر كلامه لا اله الا الله دَخَلَ الجنة جس شخص کا دنیا میں آخری کلام لا الٰــــه الا الله ہو گیا، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ گویا تلقین کا معنیٰ سکھلانا

ہے۔

الغرض ! شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے قرنِ اول کے لوگوں کو قرآن پاک سکھایا۔ قرن سے مراد صدی بھی ہوتا ہے اور جماعت بھی۔ اللہ کے نبی نے جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کو قرآن پاک کی تعلیم دی۔ تئیس سالہ دور میں جوں جوں قرآن پاک نازل ہوتا رہا حضور علیہ السلام اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو سکھاتے رہے اور کاتبانِ وحی کو تحریر بھی کرواتے رہے۔

وهم ابلغوه للقرن الثاني.................. برحمتك ياأرحم الراحمين۔(ص ا)۔

ربط درس :

''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر'' کے مصنف شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بات کا آغاز اس طرح کیا ہے کہ اس ضعیف بندے پر اللہ تعالیٰ کے ان گنت انعامات ہیں جن میں سے سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ اس نے فہمِ قرآن کی توفیق بخشی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس بندہ ناچیز پر حضور علیہ السلام کے بھی بہت سے احسانات ہیں جن میں سے سب سے بڑا احسان تبلیغِ قرآن کا ہے۔ اللہ تعالیٰ خالق اور مالک ہونے کی حیثیت سے محسن ہے جبکہ پیغمبر اسلام نبوت و رسالت کی وجہ سے محسنِ انسانیت ہیں۔ اور پھر یہ کہ امت میں سے علماء، صلحاء اور اولیاء نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات میں سے وافر حصہ پایا ہے۔ اس لئے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حقیر بندے پر حضور علیہ السلام کے احسانات بہت زیادہ ہیں اور ان میں بڑا احسان ''تبلیغ الفرقان الکریم'' یعنی قرآن پاک کی تعلیمات کو آگے پہنچانے کا ہے۔

تبلیغِ قرآن :

آگے اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قرآن قرن اول یعنی اپنے زمانے کے لوگوں کو سکھایا جو آپ کے اصحاب کہلائے۔ اور پھر'' وهم ابلغوه للقرن الثاني '' اور پھر انہوں نے اسے قرنِ ثانی تک پہنچایا۔ مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن پاک کی تعلیم براہِ راست نبی علیہ السلام سے حاصل کی۔

پھر انہوں نے تابعین تک اور انہوں نے تبع تابعین تک قرآن پہنچایا۔" وھٰکذا " یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا۔"حتی بلغ حظ ھٰذا الفقیر " یہاں تک کہ اس کا ایک حصہ اس فقیر تک پہنچا۔ آپ نے اپنی سند قرآن بھی بیان کی ہے جو امام حفص رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جا کر مل جاتی ہے۔ انہوں نے قرآن پاک کی تعلیم اپنے دادا شیخ عبداللہ سے حاصل کی جو اس زمانے کے بڑے صالح اور صاحب استطاعت بزرگ تھے۔"من روایتہ و درایتہ" شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن پاک کی تعلیم روایت اور درایت دونوں طریقوں سے حاصل کی۔ روایت ایک شیخ سے دوسرے تک سلسلہ اور درایت سے مراد اس کی سمجھ بوجھ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کے محض الفاظ ہی ایک نے دوسرے شیخ تک نہیں پہنچائے بلکہ ان الفاظ کا جو مطلب پہلوں نے سمجھا وہ دوسروں کو بھی سمجھایا۔ سلسلہ رواۃ کے یہ سب لوگ مستند تھے۔

درود شریف کا تحفہ :

اللہ تعالیٰ اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا تذکرہ کرنے کے بعد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ کے نبی پر درود شریف پڑھا ہے۔"اللھم صل علی ھٰذاالنبی الکریم سیدنا و مولانا وشفیعنا افضل صلواتك"۔ اے اللہ! رحمت کاملہ نازل فرما "علی ھٰذا النبی الکریم" اس نبی کریم پر۔ ھٰذا کا مشارٌ الیہ مذکور سابق ہے یعنی اس نبی کریم پر جن کے ذکر خیر میں بیان ہوا کہ انہوں نے یہ قرآن قرنِ اول کو پڑھایا اور پھر قرنِ اول والوں نے قرنِ ثانی والوں کو سکھایا اور اسی طرح یہ سلسلہ چلتے چلتے ہم تک پہنچا۔ وہی نبی کریم سیدنا جو ہمارے سردار ہیں۔ ومولانا اور ہمارے آقا ہیں۔ مولا کا معنی آقا بھی آتا ہے اور غلام بھی۔ تاہم یہاں آقا مراد ہے۔ صاحبِ قاموس نے اس لفظ کے پچیس معانی لکھے ہیں۔

اے اللہ! اپنی رحمت کاملہ نازل فرما اس نبی کریم پر "وشفیعنا" جو ہمارے سفارشی بھی ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قیامت کو ہماری سفارش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام نبیوں سے زیادہ درجہ شفاعت عطا فرمایا ہے۔ ہر نبی کو اللہ نے محدود شفاعت عطا فرمائی ہے جبکہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے شفاعت کبریٰ بھی نصیب فرمائی ہے جو کسی دوسرے نبی کو نہیں ملی۔ یہ شفاعت

میدانِ حشر میں بندوں کا حساب کتاب شروع کرنے کے لئے ہوگی۔

قیامت کے روز جب سارے لوگ میدانِ حشر میں جمع ہوں گے تو وہاں سخت گرمی، تپش، پیاس اور ہجوم ہوگا۔ اس دن سب لوگ جمع ہوکر آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے کہ آپ سفارش کریں کہ اللہ تعالیٰ حساب کتاب شروع کرے تاکہ یہ تلخی دور ہو۔ مگر وہ انکار کردیں گے۔ پھر دوسرے انبیاء کے پاس جائیں گے مگر سب یہی کہہ کر انکار کردیں گے کہ مجھ سے فلاں کوتاہی ہوگئی تھی اس لئے میں اللہ کے دربار میں پیش ہونے سے ڈرتا ہوں۔ اگر اس نے میری کوتاہی کا مؤاخذہ کرلیا تو کیا جواب دوں گا؟ آخر میں لوگ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے جو اس کام کا بیڑا اٹھانے کے لئے تیار ہوجائیں گے۔ آپ مقامِ محمود پر سجدہ ریز ہوجائیں گے جیسا کہ قرآن میں موجود ہے۔ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا○ (بنی اسرائیل : ۷۹)۔ امید ہے کہ آپ کا پروردگار آپ کو مقامِ محمود پر کھڑا کردے گا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوکر لوگوں کے حق میں سفارش کریں گے اور آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔ احادیث میں تفصیل موجود ہے کہ مقامِ محمود ایک بلندترین مقام ہے جو اللہ کی مخلوق میں سے صرف ایک انسان کو نصیب ہوگا اور اللہ کے نبی نے فرمایا کہ وہ میں ہوں گا۔

اس مقام پر فائز ہوکر اللہ کے نبی سجدہ ریز ہوجائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی تعریف ایسے کلمات کے ساتھ کریں گے جو اللہ تعالیٰ اسی وقت آپ کو الہام کرے گا۔ پھر رب تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا۔ اِرْفَعْ رَأْسَكَ يَا مُحَمَّدُ!" ۔ اے محمد! اپنا سر اٹھائیں۔ آپ سفارش کریں آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔ آپ سوال کریں آپ کو عطا کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ حضور علیہ السلام اپنی امت کے جہنم میں جانے والے لوگوں کے لئے چار مرتبہ سفارش کریں گے جو درجہ بدرجہ جہنم سے نکل کر جنت میں چلے جائیں گے۔ اسی لئے درود شریف میں شفیعنا کا لفظ آیا ہے کہ ہمارے سفارشی نبی پر افضل صلواتك اپنی رحمت کاملہ نازل فرما۔

وایمن برکاتك اور اپنی برکتوں میں سے بڑی ہی امن والی برکات اپنے نبی پر نازل فرما۔ برکت سے مراد ایسی زیادتی ہوتی ہے جس میں تقدس کا مفہوم پایا جائے جیسے فرمایا "فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ○ (المؤمنون : ١٤)۔ بابرکت ہے وہ اللہ جو سب سے بہتر خالق ہے۔ یہ اس کی

برکات ہیں اور معجزات میں ایسی ہی برکات کا ظہور ہوتا ہے۔ تھوڑا سا کھانا تھا، حضور ﷺ نے دعا فرمائی تو وہ کھانا ایک ہزار آدمیوں کو کفایت کرنے کے بعد بھی بچ گیا۔ مطلب یہ ہے کہ برکت سے مراد ایسی زیادتی ہوتی ہے جس میں تقدس کا مفہوم پایا جائے۔

وعلی الہ مولا کریم! آپ کی آل پر رحمت نازل فرما۔ آل میں حضور علیہ السلام کے خاندان والے بھی آتے ہیں اور آپ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن بھی اس لفظ میں شامل ہیں۔ خاندان سے وہ لوگ مراد ہیں جن کے متعلق اللہ کے نبی نے فرمایا اِنَّ الصَّدَقَةَ لَاتَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَّ لَالِاٰلِ مُحَمَّدٍ یعنی زکوٰۃ وصدقات محمد اور آپ کی آل پر حرام ہیں۔ اور اس فہرست میں یہ پانچ خاندان آتے ہیں یعنی آلِ علی، آلِ عباس، آلِ حارث، آلِ عقیل اور آلِ جعفر۔ یہ خاندان اسلام لانے سے پہلے بھی حضور علیہ السلام کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ اور پھر ایمان لانے کے بعد تو یہ مزید قریب ہو گئے۔ البتہ جو لوگ ایمان نہیں لائے تھے وہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ تعاون کرتے تھے۔

نصِ قرآنی میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو بھی آل کہا گیا ہے۔ لہٰذا وہ بھی آل کے زمرہ میں آتی ہیں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس اللہ کے فرشتے بیٹے اسحاق علیہ السلام کی بشارت لے کر آئے تو آپ کی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے کبرسنی کی وجہ سے اس پر تعجب کا اظہار کیا۔ مگر فرشتوں نے کہا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ رَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکٰتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ ط ○ (ھود : ۷۳)۔ کیا تم اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہو۔ اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہیں تم پر اے اہلِ بیت۔ سورۃ احزاب میں اللہ نے حضور ﷺ کی بیویوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اپنے گھروں میں پابند رہو اور زمانہ جاہلیت کی طرح کھلے عام نہ پھرو۔ نماز اور زکوٰۃ ادا کرو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا○ (آیت : ۳۳)۔ یہاں بھی ازواجِ پاک کے لئے اہل البیت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جو کہ ازواج النبی کو اہل بیت میں شامل کرنے کی حتمی دلیل ہے۔

وَاَصْحَابِہٖ اور اے اللہ اپنی رحمتیں حضور علیہ السلام کے اصحاب کرام پر بھی نازل فرما۔ حضور علیہ السلام پر ایمان لانے والے اور سارے معاملات میں آپ کے ساتھ شریک رہنے والے اصحاب کے ساتھ

حسنِ ظن رکھنا اور آپ کے آل اور اصحاب کو پیشواء اور مقتداء ہادی اور راہنما سمجھنا ضروری ہے۔ جو شخص ان کی شان میں ذرا بھی گستاخی یا بے ادبی کرے گا وہ عند اللہ معتوب ہوگا۔ خطرہ ہے کہ ایسے شخص کا خاتمہ بالخیر نہ ہو۔ اگر ان کی کوئی ناگوار بات بھی سامنے آئے تو اسے نظر انداز کر دینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم سب اصحاب کے لئے ترضی کریں اور جب بھی کسی کا ذکر آئے تو یوں کہیں رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔

حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ میں اور میرے اہلِ بیت اور اصحاب کرام سب حوضِ کوثر پر اکٹھے ہوں گے۔ اصحاب میں خلفائے راشدین خاص طور پر ہمارے مقتداء، پیشوا، ہادی اور راہنما ہیں، ان میں سے کسی کے بارے میں بھی بدگمانی نہیں کرنی چاہیے۔

وعلماء امته اجمعین۔ اے اللہ! آپ کی یہ رحمتیں صحابہ کرام کے تابع ہو کر علمائے امت پر بھی ہوں۔ یاد رہے کہ علمائے امت سے مراد علمائے حق ہیں، ختم پڑھ کر روٹیاں پھاڑنے والے جو حلال حرام جائز ناجائز کی تمیز سے بھی عاری ہوں۔ وہ علماء مراد نہیں جنہوں نے حق و صداقت کو مقدم رکھا اور پیٹ کو پیچھے رکھا جیسے امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تلامذہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم سب بزرگ علمائے حق ہیں۔ علماءِ امت سے مراد علماء سوء نہیں ہیں جس طرح کہ پیروں میں بھی پیرانِ سوء بھی ہوتے ہیں۔ حلال حرام سب کھا لیا اور فتویٰ حکومت کی مرضی کے مطابق دے دیا۔ لوگ جائیں جہنم میں، ان کا کام تو بن ہی جاتا ہے۔ وہ تو جاگیر، مال اور پنشن کے خواہشمند ہوتے ہیں مگر علماء حق کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے رسول کی اطاعت ہوتی ہے، وہ کسی بادشاہ، صدر، امیر، وزیر کا لحاظ نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ حق بات کہتے ہیں اے اللہ! اپنی رحمت نازل فرما حضور علیہ السلام کی امت کے تمام علماء حق پر۔

جب نبی کا ذکر ہو تو صلوٰۃ وسلام، خالی صلوٰۃ یا خالی سلام پڑھنا درست ہے البتہ دونوں کو ملا کر صلوٰۃ وسلام کے الفاظ استعمال کرنا افضل ہے جیسے علیہ الصلوٰۃ، علیہ السلام یا علیہ الصلوٰۃ والسلام کہنا سب درست ہے۔ اس طریقے سے جب کسی فرشتے کا نام آئے تو اس کے ساتھ بھی علیہ السلام کہنا چاہیے۔ جیسے جبرئیل علیہ السلام

یا میکائیل علیہ السلام نبی اور ملائکہ دونوں معصوم ہوتے ہیں اگرچہ دونوں کی جنس الگ الگ ہے۔

ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ صلوٰۃ وسلام انبیاء اور ملائکہ علیہم السلام کے ساتھ آنی چاہیے اور اصحاب کرام کے ساتھ ترضی یعنی رضی اللہ عنہ کہنا یا لکھنا چاہیے۔ البتہ صحابہ کرام کے بعد کوئی کتنا بھی بلند مرتبت محدث فقیہ استاد یا بزرگ، عالم یا مفسر ہو سب کے لئے رحمۃ اللہ علیہ یا رحمہ اللہ ہی کہنا چاہیے۔ یہ طریق کار ہے۔

اے اللہ ان سب پر اپنی رحمتیں نازل فرما یا ارحم الراحمین۔ اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے، رحم کا مادہ خود اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور یہ صفت اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق میں رکھی ہے۔ حتی کہ انسان، جانور، چرند، پرند سب میں یہ مادہ پایا جاتا ہے۔ اور ہمیں حکم بھی یہی دیا گیا ہے کہ تم زمین پر رہنے والے کمزوروں اور ضعفاء پر رحم کرو تا کہ بلندیوں میں رہنے والا خدا تعالیٰ تم پر رحم کرے۔ اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمُکُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ۔ (ترمذی)

کرو مہربانی تم اہلِ زمین پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

بہر حال اگرچہ صفت رحم اللہ نے ساری مخلوق میں رکھی ہے مگر سب سے بڑھ کر رحم کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

اما بعد! فیقول الفقیر ولی اللہ بن عبدالرحیم ...... الی ...... وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت وھو حسبی ونعم الوکیل۔ (ص ۱)

اما بعد یعنی اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد۔ اس میں حمد وصلوٰۃ محذوف ہے۔ بعض اوقات ظاہر بھی کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں "بعد از حمد وصلوٰۃ" یعنی اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنے اور حضور خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کے بعد **فیقول الفقیر ولی اللہ بن عبدالرحیم** فقیر ولی اللہ ابن عبدالرحیم کہتا ہے۔ شاہ صاحب نے اپنے لئے عاجزی کے طور پر فقیر اور محتاج کا لفظ استعمال کیا ہے جیسا کہ قبل ازیں اپنے لئے عبد ضعیف بھی استعمال کر چکے ہیں یہ فقیر ولی اللہ ابن عبدالرحیم آپ کا نام تو احمد تھا اور ولی اللہ لقب تھا۔ آپ عبدالرحیم کے بیٹے تھے۔ **عاملھما اللہ تعالیٰ بلطفہ العظیم** اللہ تعالیٰ

ان دونوں باپ بیٹا کے ساتھ لطف عظیم کا معاملہ کرے۔ شاہ صاحب کے والد گرامی بھی بڑے پائے کے بزرگ تھے۔ ان کا مختصر تعارف میں نے کل کرا دیا تھا۔

کہتے ہیں لما فتح اللہ علی بابًا من فھم کتابہ المجید جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنی کتاب مجید کے فہم کا دروازہ کھول دیا یعنی قرآن مجید کو سمجھنے کی توفیق مرحمت فرما دی، ظاہر ہے کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی ممکن ہے، اپنی مرضی سے تو آدمی کچھ نہیں کر سکتا۔ اگر اللہ محروم رکھنا چاہے تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ یا پھر اگر فہم ہوتا بھی ہے تو یہودیوں کی طرح معکوس ہوتا ہے اور وہ اس طرح کہ تھوڑی سی عربی پڑھ کر قرآنِ پاک کی تفسیر کرنا شروع کر دی۔ عجیب بات ہے ایک شخص کو ڈھیلا پکڑ کر استنجا کرنا تو آتا نہیں مگر قرآن کی تفسیر کرنے بیٹھ جاتا ہے۔

بہر حال شاہ صاحب کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فہم قرآن کا دروازہ کھول دیا اردت ان اجمع و اضبط بعض النکات النافعۃ تو میں نے ارادہ کیا کہ بعض ان نفع بخش نکات کو جمع اور ضبط کر دوں التی تنفع الاصحاب جو ساتھیوں کے لئے نفع بخش ثابت ہوں فی رسالۃ مختصرۃ اس مختصر رسالہ میں۔ رسالہ پیغام کو بھی کہتے ہیں، قاصد کو بھی اور چھوٹی کتاب کو بھی۔ تو شاہ صاحب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے فہم قرآن کی توفیق بخشی تو میں نے ارادہ کیا کہ اس کی باریک باتوں کو ایک کتابچہ کی صورت قلمبند کر دوں تاکہ دیگر ساتھی بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔ والمرجو من لطف اللہ اور میں اللہ تعالیٰ کے لطف و مہربانی سے امید رکھتا ہوں الذی لا انتہاء لہٗ کہ اللہ تعالیٰ کے اس لطف و کرم سے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اور امید یہ رکھتا ہوں ان یفتح لطلبۃ العلم بمجرد فھم ھٰذا القواعد شارعًا واسعًا فی فھم معانی کتاب اللہ کہ وہ قرآن پاک کے طالب علم کے لئے اللہ کی کتاب کے معانی سمجھنے کے لئے اس اکیلے رسالے کے قواعد کو سمجھنے سے ہی ان پر کتاب اللہ کے معانی سمجھنے کے لئے ایک وسیع شاہراہ کھول دے۔

یعنی میں نے اس کتابچہ میں قرآن فہمی کے ایسے قواعد و ضوابط جمع کر دیئے ہیں کہ جن کے مطالعہ کے بعد طالب علم کے لئے قرآن فہمی کی عظیم شاہراہ کھل جائے گی۔ و ان کانوا یصرفون عمرھم فی مطالعۃ التفاسیر اگرچہ طالب علم تفاسیر کے مطالعہ میں عمر کا ایک حصہ بھی صرف

کردیں۔ ویقرؤن علی المفسرین اور مفسرین کے سامنے پڑھنے میں بھی کافی وقت لگادیں۔ وعلی انهم اقل قلیل فی هٰذا الزمان اگرچہ اس دور میں اس قسم کے لوگ بالکل تھوڑے ہیں۔ فلم یتحصل لهم بهٰذا الضبط والربط تو پھر بھی وقت کا اتنا بڑا حصہ خرچ کرنے کے باوجود طلباء کو قرآن فہمی کا وہ ادراک حاصل نہیں ہوگا جو اس مختصر کتابچہ کے اصول وضوابط کے مطالعہ کے بعد حاصل ہوسکے گا۔

آگے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ وسمیتها: بالفوز الکبیر فی اصول التفسیر اور میں نے اس کتابچہ کا نام الفوز الکبیر فی اصول التفسیر تجویز کیا ہے۔ الفوز الکبیر قرآن پاک کا لفظ ہے جس کا معنیٰ بڑی کامیابی ہے۔ سورۃ البروج میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے لئے جنت کے انعامات کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے۔ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ۝ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ بہرحال شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مختصر رسالہ میں بڑی کارآمد باتیں سمجھادی ہیں جس نے طلبا کو لمبی لمبی کتابوں سے بے نیاز کردیا ہے۔

وما توفیقی الا باللہ اور نہیں ہے میری توفیق مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ علیه توکلت میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں وهو حسبی وہی میرے لئے کافی ہے ونعم الوکیل اور وہ بہتر کارساز ہے۔

ومقاصد الرسالة منحصرة فی خمسة ابواب......الی ...... وحفظ تفاصیل هٰذه العلوم، والحاق الاحادیث والأثار المناسبة لها وظیفة المذکر والواعظ۔ (ص ا تا ۲)۔

مضامین رسالہ :

ومقاصد الرسالة منحصرة فی خمسة ابواب اور اس رسالہ کے مقاصد پانچ ابواب پر مشتمل ہیں۔

ـــ الباب الاول ـــ

پہلا باب

قرآن پاک کے پانچ علوم :

(فی العلوم الخمسة التی بینها القرآن العظیم بطریق التنصیص)

(ان پنجگانہ علوم کے بیان میں جن کو قرآن عظیم نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے)

نص کا معنیٰ کسی علم کو صراحت کے ساتھ بیان کرنا آتا ہے۔ اور آگے نص کی بھی کئی اقسام ہیں جیسے عبارۃ النص ، اشارۃ النص ، دلالۃ النص اور اقتضاء النص ۔ یہاں پر نص سے مراد دلالۃ النص ہے یعنی یہ باب اول قرآن پاک کے ان علوم خمسہ کے بیان میں ہے جن کو پڑھ کر عام لوگ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں اور ان پر عمل بھی کر سکتے ہیں۔ ان پانچ علوم کو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے باب اول میں بیان کیا ہے۔

جملہ علوم قرآن :

یاد رہے کہ اس باب میں بیان کردہ پانچ علوم قرآن پاک کے جملہ علوم نہیں ہیں حجۃ اللہ میں ان کو عمدہ علوم قرآن سے تعبیر کیا ہے یعنی عام لوگوں کے فہم کے اعتبار سے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جملہ علوم قرآن کو سات حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اور یہ وہ علوم ہیں کہ جن کو عام لوگ نہیں سمجھ سکتے بلکہ وہ اونچی سطح کے لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں جو علوم وفنون سے فارغ التحصیل اور حکمت کو جانتے ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہ سات کلیات حسب ذیل ہیں۔

۱) الٰہیات :۔ اس سے مراد مابعد طبیعات ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کے اسماء اور متعلقہ چیزیں آتی ہیں۔

۲) تکوینیات :۔ کائنات کے اندر موجود چیزوں کو تکوینیات کہا جاتا ہے۔ اس میں عناصر، معدنیات، انسان، حیوانات وغیرہ ساری چیزیں آتی ہیں۔

۳) شرعیات :۔ اس میں شرائع اور احکام سے تعلق رکھنے والی باتیں آتی ہیں مثلاً عبادات، معاملات، اخلاق، سیاسیات وغیرہ۔

۴)تدبیر منزل:۔ اس میں کسی معاشرے کے باہمی تعلقات کا ذکر ہوتا ہے۔

۵)مجادلہ یا بحث مباحثہ:۔غیر مسلموں کے ساتھ دلائل کے ساتھ بحث مباحثہ کرنا۔اس کو مستقل فن بھی شمار کیا جاتا ہے۔

۶)معاد:۔ اس میں آخرت سے متعلقہ امور آتے ہیں۔

۷)قصص اور واقعات:۔اس میں انبیاء علیہم السلام اور دیگر لوگوں اور قوموں کے حالات، واقعات ہیں جن کو قرآن پاک نے بیان کیا ہے۔

میں نے عرض کیا کہ قرآن کریم کے جملہ علوم تو سات ہیں مگر اس رسالہ کے باب اول میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ نے جن علوم خمسہ کا ذکر کیا ہے ان کو قرآن نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور ایک کم علم آدمی بھی ان کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

علوم خمسہ کا بیان :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں لیعلم ان معانی القرأن المنطوقة لاتخرج عن خمسة علوم خوب جان لینا چاہیے کہ قرآن پاک کے بیان کردہ معانی ان پانچ علوم سے باہر نہیں ہیں۔مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک کے تمام مضامین کا تعلق ان پانچ علوم میں سے کسی نہ کسی علم کے ساتھ ہوگا۔اگر کسی ایک آیت یا سورۃ کا تعلق کسی ایک علم کے ساتھ ہے تو دوسری سورۃ یا آیت دوسرے علم میں سے ہوگی،علیٰ ہٰذا القیاس۔بہر حال قرآن پاک کے معانی ومطالب ان پانچ علوم سے خارج نہیں ہیں۔لفظ منطوقہ نطق سے ہے یعنی بولے ہوئے اور مطلب ہے بیان کردہ۔

علم الاحکام :

۱) علم الاحکام:احکام جمع ہے حکم کی جس کا معنیٰ کسی چیز کو مضبوط کرنا آتا ہے۔قرآن پاک جن پانچ علوم پر مشتمل ہے ان میں پہلا علم،علم الاحکام ہے جس میں ہر قسم کے احکام پائے جاتے ہیں۔من الواجب منجملہ ان کے احکام میں واجب بھی ہوتے ہیں۔اور واجب کی تعریف یہ ہے ماثبت بدليل ظنيٍ جو ظنی دلیل سے ثابت ہو۔البتہ فرض وہ حکم ہوتا ہے ماثبت بدليل قطعيٍ جو کہ قطعی دلیل سے

ثابت ہو۔ظاہر ہے کہ فرض کو واجب پر ایک درجہ اہمیت حاصل ہے۔عام طور پر محدثین کرام فرض اور واجب کو ایک ہی حکم جانتے ہیں اور دونوں پر عمل کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔البتہ اتنا فرق ہے کہ فرض کا منکر کافر ہو جاتا ہے اور فرض پر عمل نہ کرنے والا فاسق ہوتا ہے۔البتہ واجب کا منکر کافر تو نہیں ہوتا بلکہ فسق کے حکم میں آتا ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احکام واجب بھی ہوتے ہیں **والمندوب** اور مستحب بھی ہوتے ہیں۔اور یہ ایسے احکام ہوتے ہیں کہ ان پر عمل کر لیا جائے تو باعث ثواب ہوتا ہے اور چھوڑ دینے پر آدمی گنہگار نہیں ہوتا، نہ اس سے باز پرس ہوگی۔

والمباح اور بعض احکام مباح بھی ہوتے ہیں۔ایسے احکام پر عمل کرنا عامل کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے، وہ چاہے تو عمل کر لے، چاہے تو چھوڑ دے۔

والمکروہ اور بعض احکام مکروہ کے زمرہ میں آتے ہیں۔اور مکروہ کا درجہ حرام سے کم تر ہوتا ہے۔آگے مکروہ دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔(۱) مکروہ تحریمی یہ تو حرام کے قریب ہوتا ہے۔ البتہ (۲) مکروہ تنزیہی یہ ناپسندیدہ کام ہوتا ہے اور اس پر عمل کرنا خلاف اولیٰ ہوتا ہے۔

والحرام اور بعض احکام بعض چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں۔اور حرام وہ کام ہوتا ہے جو قطعی دلیل سے ثابت ہو اور اس کو حلال جاننے والا کافر ہو جاتا ہے۔البتہ اگر وہ حرام کو حلال تو نہیں سمجھتا مگر ملوث ہو جاتا ہے تو وہ فاسق سمجھا جاتا ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ احکام **ومن قسم العبادات** یا تو عبادات کی قسم میں سے ہوں گے یعنی عبادات میں بعض فرض ہیں، بعض واجب اور بعض مستحب۔ پھر جس قسم کی عبادت ہوگی، اس پر اسی نوع کا حکم جاری ہوگا۔

او من قسم المعاملات یہ احکام معاملات پر بھی لاگو ہوں گے۔اور معاملات میں خرید و فروخت، قرض اور ادھار، باہمی تعاون، کسی خاص پیشے کا اختیار کرنا وغیرہ آتا ہے۔گویا معاملات کے سلسلے میں بھی فرض، واجب، مستحب، مباح، مکروہ، حرام وغیرہ کے احکام نافذ العمل ہیں۔

او من تدبیر المنزل فرمایا یہ احکام تدبیر منزل سے متعلق بھی ہو سکتے ہیں۔اور اس سے

مراد گھریلو معاملات ہیں جو کہ ایک مستقل فن بھی ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تدبیر منزل چار معاملات پہ محیط ہے یعنی (۱) نکاح (۲) اولاد (۳) خادم مخدوم اور (۴) باہمی تعاون۔ اور علم الاحکام میں ان معاملات سے متعلق احکام بھی موجود ہیں جن پر عمل درآمد اپنے اپنے درجے کے مطابق آتا ہے۔

او من سیاسة المدنیة شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم الاحکام کا تعلق ملکی سیاست کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ ملکی سیاست چونکہ اجتماعیت سے تعلق رکھتی ہے لہٰذا اس میں عام لوگوں کی بھلائی کے لئے بہت سے امور انجام دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ منجملہ ان کے نظم و نسق اور امن و امان کا قیام، انصاف کی فراہمی، ظلم و زیادتی کا انسداد، تعلیمی ضروریات کی تکمیل اور کمزور طبقات کی اعانت وغیرہ اس مد میں آتے ہیں اس مقصد کے لئے ملک کا حاکم بھی ہونا چاہیے جو یہ سارے امور انجام دینے کا ذمہ دار ہو۔ اس کی پوری تفصیلات آپ حجۃ اللہ البالغہ میں پڑھ سکتے ہیں جہاں یہ باتیں باب باندھ کر سمجھائی گئی ہیں۔

آگے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں و تفصیل هٰذا العلم منوط بذمة الفقیه یعنی علم الاحکام سے متعلقہ علوم کی تشریح اور تفصیل بیان کرنا فقیہ کی ذمہ داری ہے۔ نوط کا لغوی معنیٰ لٹکا دینا یا معلق کر دینا ہے، تاہم مطلب یہی ہے کہ ان علوم کے سمجھنے میں پیش آمدہ رکاوٹوں کو فقیہ حضرات ہی دور کر سکتے ہیں۔ فقیہ کا لغوی معنیٰ قانون دان ہوتا ہے۔ مطلق قانون دان تو غیر مسلم، کافر، مشرک، مرزائی اور رافضی بھی ہو سکتا ہے مگر اصلاً فقیہ سے مراد اسلام کا وہ اہلِ ایمان قانون دان ہے جو پیدائش سے لے کر موت تک پیش آنے والے تمام معاملات از قسم نکاح، طلاق، رہن، بیع، وراثت اور دیگر معاملات پر گہری نظر رکھتا ہو۔ بہر حال شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان علوم کی تفصیل فقیہ سے ہی معلوم کی جا سکتی ہے۔

علم المخاصمة :

۲) وعلم المخاصمة : شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن عظیم کے علوم خمسہ میں پہلا نمبر تو علم الاحکام کا ہے جس کی مختصر تشریح بیان کر دی گئی ہے۔ اور دوسرے نمبر پر علم المخاصمہ، مجادلہ، یا

بحث مباحثہ ہے۔ والرد علی الفرق الضالۃ الاربع جس کے ذریعے چار گمراہ فرقوں کا رد مطلوب ہوتا ہے۔اور وہ فرقے ہیں من الیھود، والنصارٰی والمشرکین والمنافقین یعنی یہودی، عیسائی، مشرک اور منافق۔

بنیادی طور پر تو گمراہ فرقے یہی ہیں اور انہی کو زیر بحث لایا جاتا ہے باقی چھوٹے فرقے انہی چاروں فرقوں کی ذیلی شاخیں ہیں۔ گویا ان چار گمراہ فرقوں کے ساتھ بحث مباحثہ کر کے ان کا رد کرنا بھی قرآن کا ایک موضوع ہے۔

یہودی اپنی نسبت تورات کی طرف کرتے ہیں جو کہ بلا شبہ آسمانی کتاب ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی۔ مگر آپ کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد یہودیوں نے اس کتاب میں ردوبدل کر دیا۔ بہت سے اصل احکام کو اس میں سے نکال کر بعض باتیں اپنی طرف سے داخل کر دیں اور اس طرح وہ کتاب الٰہی میں تحریف کے موجب بنے۔ اسی طرح عیسائی بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی مقدس کتاب انجیل کو بگاڑ کر عیسائی بن گئے۔ یہ دونوں فرقے اہلِ کتاب کہلاتے ہیں۔ اور ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے۔ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (آل عمران : ۷۱) اے اہلِ کتاب! تم جانتے بوجھتے حق اور باطل کو آپس میں کیوں ملاتے ہو اور حق بات کو چھپاتے ہو۔ آگے چل کر اللہ نے فرمایا کہ ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو تلاوت کرتے وقت اپنی زبانوں کو اس طریقے سے موڑتے ہیں کہ تم اسے کتاب کا ہی حصہ سمجھو حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہوتا۔ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ج وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ (آل عمران : ۷۸) اور اس طریقے سے وہ اللہ پر جھوٹ کہتے ہیں حالانکہ وہ اپنی اس کذب بیانی کو خوب جانتے ہیں۔

تیسرا گمراہ فرقہ مشرکوں کا ہے۔ نزولِ قرآن کے زمانے میں عرب کے خطے میں ان کی اکثریت تھی۔ ابتداء میں تو یہ لوگ دینِ ابراہیمی پر ہی تھے۔ توحید پر ایمان رکھتے تھے اور ان کے دوسرے اعتقادات بھی درست تھے۔ گویا شروع میں یہ امۃ واحدۃ ایک ہی ملت پر تھے۔ پھر جب اختلاف شروع ہوا تو انہوں نے طرح طرح کے عقیدے بنا لئے اور اس طریقے سے کوئی مومن بن

گئے اور کوئی مشرک بن گئے حتی کہ حضور علیہ السلام کی بعثت سے پانچ سو سال قبل تک پورا عرب شرک میں ڈوب چکا تھا اور کوئی اکادکا آدمی ہی صحیح دین پر قائم تھا۔

چوتھا گروہ منافقوں کا ہے ان کے آگے دو حصے ہیں یعنی اعتقادی منافق اور عملی منافق۔

نزول قرآن کے زمانے میں اعتقادی منافق تھے اور ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ج (النساء : ۱۴۵) بے شک منافق دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔ یہ لوگ بظاہر کلمہ پڑھتے تھے، اسلام کے دوسرے احکام پر بھی عمل کرتے تھے، مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، زکوٰۃ ادا کرتے تھے اور جہاد میں بھی شریک ہوتے تھے مگر دراصل ان کے باطن میں کفر ہی بھرا ہوا تھا۔ حقیقت میں نہ تو یہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان رکھتے تھے اور نہ ہی پیغمبر کی رسالت کو مانتے تھے۔ یہ کافروں کی بدترین قسم ہے۔

اور دوسری قسم کے منافق عملی منافق کہلاتے ہیں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، پیغمبر کی رسالت اور قیامت پر ایمان تو رکھتے ہیں مگر ذاتی مفاد کی خاطر یا قوم اور برادری کی خاطر غلط رسوم کو نہیں چھوڑتے اور نت نئی بدعات کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں۔ یہ عملی منافق ہیں بہرحال منافق کی بعض علامات بھی بیان کی گئی ہیں کہ اس کا ظاہر اور باطن مساوی نہیں ہوتا، جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، وعدہ کرتا ہے تو خلاف ورزی کرتا ہے۔ اور جھگڑا کرتا ہے تو گالی گلوچ پر اتر آتا ہے۔ ان دونوں اقسام کے منافقین کا ذکر قرآن میں موجود ہے اور علم الاحکام میں ان کا رد بھی موجود ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **وتبیان هٰذا العلم منوط بذمة المتکلم** لفظ تبیان لفظ بیان کا مبالغہ ہے یعنی علم مخاصمہ کی تشریح وتفسیر متکلم کے ذمہ ہے۔ گمراہ فرقوں کی تردید علمِ کلام والے حضرات کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کی تمام کتابوں میں ان گمراہ فرقوں کی حقیقت بیان کرکے ان کا رد کیا گیا ہے۔

علم تذکیر بآلاءاللہ :

۳) **وعلم التذکیر بآلاء اللّٰہ:** قرآن پاک کے علوم خمسہ میں تیسرا نمبر **علم التذکیر بآلاء اللّٰہ** یعنی اللہ تعالیٰ کے انعامات کے پیش نظر نصیحت کرنے والا علم۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو بے شمار

نعمتوں سے نوازا ہے۔اور پھر تمام مخلوقات میں سے سب سے زیادہ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کی ہیں۔اوران کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے من بیان خلق السمٰوٰت والارضین ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کی تشریح میں بیان فرمائی ہے۔آسمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے بہت سے مفادات وابستہ کرر کھے ہیں جن میں چاند اور سورج کی روشنی اور گرمی ،ہوائیں ،بارش وغیرہ شامل ہیں۔اسی طرح اللہ نے زمین کو پیدا کر کے اس میں پہاڑ ،دریا ،معدنیات ،نباتات پیدا کر دیں جن سے انسان فائدہ اٹھاتے ہیں۔خود انسان کا وجود بہت بڑی نعمت ہے۔پھر اس کے ساتھ آنکھ ،کان ناک ،منہ اور جسم کی پوری مشینری اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان پر احسان جتلاتے ہوتے فرمایا۔خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرہ : ٢٩) زمین کی ہر چیز کو تمہارے فائدے کے لئے پیدا کیا۔ان سب چیزوں کو سامنے رکھ کر جو نصیحت کی جاتی ہے وہ تذکیر بآلاء اللہ کہلاتی ہے اور اس کا بھی مکمل علم قرآن میں موجود ہے۔

فرماتے ہیں کہ انعاماتِ الٰہیہ کا ایک شعبہ تو آسمانوں اور زمین کی تخلیق ہے اور ایک شعبہ والھام العباد ماینبغی لھم اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں پر الہام ہے جو اس نے اپنے انبیاء کی معرفت بذریعہ وحی کیا یا بعض کے دلوں پر القا کیا اور اس الہام کے ذریعے اپنی مخلوق کو نیک و بد حلال اور حرام ،توحید اور شرک ،سنت اور بدعت سے روشناس کر دیا۔ظاہر ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے وگرنہ لوگ حق و باطل سے بے بہرہ رہ کر اندھیرے میں ہی ٹکریں مارتے رہتے۔غرضیکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے بیان کے لئے اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر الہام بھی ایک شعبہ ہے۔

اسی طریقے سے ومن بیان صفات اللہ سبحانہ الکاملۃ اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کا بیان بھی تذکیر بآلاء اللہ کا ایک حصہ ہے اور علومِ قرآن میں شامل ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں اپنی بہت سی صفات کا تذکرہ بھی کیا ہے جیسے خالق ،مالک ،مدبر ،مصور ،عالم الغیب والشہادۃ ،رحمان ،رحیم ، قدوس ،سلام ،جبار ،قہار ،عزیز ،فاطر وغیرہ وغیرہ۔گویا ان صفات کو بیان کرنا بھی اللہ کی نعمتوں کے ذریعے نصیحت کرنے کا ایک شعبہ ہے۔

علم تذکیر بایام اللہ :

۴) وعلم التذکیر بایام اللہ علوم پنجگانہ کا چوتھا شعبہ ان تاریخی واقعات کا بیان ہے یعنی بیان الوقائع التی اوجدھا اللہ سبحانہ وتعالٰی من جنس تنعیم المطیعین و تعذیب المجرمین جن میں اللہ تعالٰی نے اپنے بعض نیک بندوں اور قوموں کو انعامات سے نوازا، یا بعض بدخصلت اور سرکش افراد اور اقوام کو دنیا میں ہی سزا کا نشانہ بنایا۔ قرآن پاک میں ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں جو علم التذکیر بایام اللہ کا حصہ ہیں۔ انعام یافتہ مطیعین میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام، فرعون کی بیوی آسیہ اور جملہ انبیاء کرام علیہم السلام شامل ہیں جبکہ سزا سے دوچار ہونے والے مجرمین میں قوم فرعون جو پانی میں غرق ہوئی۔ قوم لوط جن کی بستی الٹ دی گئی اور اوپر سے پتھروں کی بارش کی گئی، قوم عاد اور ثمود جنکو زلزلے اور چیخ نے آدبایا اور قوم موسیٰ جن کی شکلیں مسخ کردی گئیں۔ غرضیکہ اس قسم کے واقعات بھی تذکیر بایام اللہ میں آتے ہیں اور یہ بھی قرآنی علوم کا ایک حصہ ہیں۔

علم تذکیر بالموت :

۵) علوم قرآن کے پنجگانہ علوم کا پانچواں شعبہ وعلم التذکیر بالموت ومابعدہ موت اور اس کے بعد پیش آنے والے حالات وواقعات کے ذریعے نصیحت کرنے کا علم ہے۔ موت اور بعد کے حالات آپ کو قرآن پاک میں بھی ملیں گے اور احادیث میں تو ان کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔ ان واقعات اور حالات کا تعلق من الحشر والنشر قیامت والے دن قبروں سے نکلنے اور میدان حشر میں جمع ہونے کے ساتھ تھا والحساب والمیزان پھر اس مقام میں تمام جنوں اور انسانوں کا حساب کتاب ہوگا، ان کے اعمال نامے تولنے کے لئے میزان قائم ہوگا، والجنۃ والنار، پھر اس حساب کتاب کے نتیجے میں ہر ایک کے لئے جنت یا دوزخ کا فیصلہ ہوگا۔ یہ سارے حالات موت کے بعد ہر ایک کے ساتھ پیش آنے والے، جو اس دنیا سے جاچکے ہیں ان پر قبر اور برزخ کے حالات وارد ہوچکے ہیں اور باقیوں کو اپنے اپنے وقت پر ان حالات سے گزرنا پڑے گا۔ ان چیزوں کو بیان کرکے نصیحت

کرنے کا علم بھی علوم خمسۃ القرآن کا ایک حصہ ہے۔ تذکیر بآلاء اللہ، تذکیر بایام اللہ اور تذکیر بالموت ومابعدہ کو ملا کر تذکیرات ثلاثہ بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی ان تین شعبوں کے ذریعے بھی نصیحت کی جاتی ہے اور ان سب کا ذکر قرآن میں بکثرت موجود ہے۔

آخر میں شاہ صاحب فرماتے ہیں وحفظ تفاصيل هٰذا العلوم ان علوم کی تفاصیل کی حفاظت یعنی ان کو یاد اور ضبط کرنا۔ والحاق الاحاديث والأثار المناسبة لها اور احادیث اور مناسب آثار کو بھی ان علوم کے ساتھ جوڑنا وظيفة المذكر والواعظ نصیحت کرنے والوں اور واعظین کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو آیات قرآنی اور ان سے متعلقہ احادیث اور آثار کو جوڑ کر نصیحت کریں۔ یاد رہے کہ حدیث سے مراد حضور نبی کریم ﷺ کا قول، فعل یا تقریر مراد ہے جبکہ آثار سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا ان کے بعد والوں کے اقوال اور افعال ہوتے ہیں۔

خلاصہ کلام :

شاہ صاحب رحمہ اللہ پہلے وضاحت فرما چکے ہیں کہ علم الاحکام کی وضاحت فقیہ کی ذمہ داری ہے، علم المخاصمۃ کی تشریح متکلمین کی ذمہ داری ہے جبکہ تذکیرات ثلاثہ کی تشریح وتفصیل ناصحین اور واعظین پر موقوف ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وعظ ونصیحت کرنا ہمارے دین کا ایک حصہ ہے۔ اللہ نے اپنے نبیوں کو حکم دیا ہے۔ فَذَكِّرْ إِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ○ (الاعلیٰ : ۹) آپ ان کو نصیحت کرتے رہیں، شاید کہ یہ نصیحت ان کے لئے نفع بخش ثابت ہو۔ واعظ کا معنیٰ بھی ناصح ہی ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اب یہ ناصحین کا کام ہے کہ وہ لوگوں کی ان باتوں کے ذریعے نصیحت کریں تاکہ کتاب اللہ کے فہم میں آسانی پیدا ہو۔

وانما وقع بیان ھٰذہ العلوم علی اسلوب ...... الی ...... کما ھو قاعدۃ الادباء المتاخرین بل نشر کل ماھم القاؤہ علی العباد، تقدم او تاخر۔ (ص۲)۔

اسلوب بیان علوم خمسہ :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ قرآن پاک کے اسلوبِ بیان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں وانما وقع بیان ھٰذہ العلوم علی اسلوب تقریر العرب الاول قرآن پاک کے متذکرہ علوم کا بیان انتہائی دور کے عربوں کے اسلوب پر ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں وہی زبان استعمال کی ہے جو نزولِ قرآن کے زمانے میں عربوں میں رائج تھی۔ لاعلیٰ اسلوب تقریر المتاخرین ان علوم میں بعد میں آنے والے علم اصول، علم معانی یا دوسرے لوگوں کا اسلوب بیان اختیار نہیں کیا گیا۔ پرانے دور کے عربوں کا اکثر کاروبار زبانی چلتا تھا کیونکہ ان میں پڑھے لکھے لوگ بہت کم ہوتے تھے۔ جہاں کہیں ان کے بیانات ہوتے تھے وہ یا تو مکتوبات کی صورت میں ہوتے تھے یا ان کے خطبات ہوتے تھے۔ قرآن کا اپنا بیان ہے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۝ (یوسف : ۲) ہم نے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔ لہٰذا اس اسلوب کو برقرار رکھا گیا ہے۔ قرآن کے اولین مخاطبین عرب لوگ ہی تھے۔ عجم کے لوگوں نے بعد میں اپنی اپنی زبان میں اس کے تراجم کئے۔ بعد والے تو اپنے اپنے اسلوب کے مطابق کسی بات کو ابواب میں تقسیم کرتے ہیں پھر مختلف مسائل کی تقدیم وتاخیر کا خیال رکھتے ہیں جیسے پہلے طہارت کے مسائل بیان کئے جائیں، پھر نماز کے اس کے بعد زکوٰۃ اور رمضان وغیرہ کے مسائل کا ذکر ہو۔ ایسا تو خطبات میں ہوتا ہے کہ پہلے ایک مسئلہ بیان ہوا، پھر اس کی وضاحت کے لئے دوسرا اور تیسرا مسئلہ بیان ہوگیا۔ ایسا تو تقدیم وتاخیر کو ملحوظ رکھ کر کیا جاتا ہے کہ پہلے یہ بات بیان ہو، اس کے بعد فلاں اور اس کے بعد فلاں کی باری آئے گی۔ قرآن کا اسلوب بیان ایسا نہیں ہے۔

فلم یلتزم فی ایات الاحکام اختصار لہٰذا آیات واحکام میں اس اختصار کو پیش نظر نہیں رکھا گیا۔ یختارہ اھل المتون جیسا کہ متن نویسوں کا طریقہ ہے۔ ولا تنقیح القواعد من قیود غیر ضروریۃ اور نہ ہی غیر ضروری قیود کی تنقیح کا التزام کیا گیا ہے۔ کما ھو صناعۃ

الاصولیین جیسا کہ اصول والوں کا قاعدہ ہے۔

واختار سبحانه وتعالیٰ فی آیات المخاصمة الزام الخصم بالمشهورات المسلمة اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آیاتِ مخاصمہ میں مجادلہ کا اتمام عوام وخواص کے نزدیک مسلمہ مشہور اقوال و الخطابیات النافعة اور نفع بخش خطابات کے ذریعے کیا ہے۔

لاتنقیح البراهین علی طریق المنطقیین اور دلائل کی ترتیب میں منطقیوں کے طریقے کو اختیار نہیں کیا جیسا کہ کوئی کتابی چیز ہوتی ہے بلکہ وعظ ونصیحت کے طریقے سے باطل فرقوں کا رد کیا ہے۔منطقیوں کا طریقہ تو یہ ہے کہ وہ بحث ومباحثہ کے لئے اصول وقواعد مقرر کرتے ہیں یا زیر بحث معاملہ کو مختلف اجزاء میں تقسیم کرتے ہیں۔آیات مجادلہ میں ایسا طریقہ اختیار نہیں کیا گیا ہے۔

ولم یراع مناسبة فی الانتقال من مطلب الی مطلب اور ایک مسئلہ سے دوسرے مسئلہ کی طرف جانے میں مناسبت کی رعایت بھی نہیں رکھی گئی کہ اس مضمون یا مسئلہ کے بعد لازماً فلاں مضمون یا مسئلہ بیان ہونا چاہیے کما هو قاعدة الادباء المتاخرین جیسا کہ بعد میں آنے والے ادیبوں کا قاعدہ ہے کہ ایک مقصد سے دوسرے مقصد کی طرف جانے سے قبل تمہید باندھتے ہیں یا کچھ مزید باتیں شامل کرتے ہیں۔علمِ مباحثہ میں یہ اسلوب بھی اختیار نہیں کیا گیا۔

بل نشر کل ماهم القاؤه علی العباد، تقدم او تاخر بلکہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو بندوں کے لئے اہم قرار دیا ہے،اسے اپنے بندوں پر ڈال دیا ہے یعنی تقدیم وتاخیر کا لحاظ کئے بغیر مخلوق کے لئے جس بات کو ضروری سمجھا ہے اسے بیان کر دیا ہے۔

وعامة المفسرین یربطون کل آیة من آیات المخاصمة ......الی ......فلزم ان نشرح هٰذه العلوم بوجه لایستلزم مؤونة ایراد القصص الجزئیة۔(ص۲تا۳)۔

رابطِ مضمون :

اصول تفسیر کے ضمن میں مصنف الفوز الکبیر الامام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پانچ علوم جن کو قرآن پاک نے بطور تنصیص بیان کیا ہے ان میں علم الاحکام اور علم المخاصمہ تو علیحدہ علیحدہ

گروپ ہیں۔اور باقی تین علوم یعنی علم تذکیر بآلاء اللہ ، علم تذکیر بایام اللہ اور علم تذکیر بالموت ومابعدہٗ تذکیرات ثلاثہ کہلاتے ہیں اور یہ تینوں ایک گروپ میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ قرآن پاک فلسفیوں یا ادبا قسم کے خاص لوگوں کے لئے ہی نازل نہیں ہوا بلکہ اس میں عام انسانیت کے لئے لائحہ عمل ہے لہٰذا اس کے مخاطبین ہر استعداد اور ہر ذہن کے لوگ ہیں جن میں کم استعداد والے، متوسط استعداد والے، اعلیٰ استعداد والے اور عامۃ الناس ہیں۔ لہٰذا قرآن پاک کے علوم سے عام لوگ بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ قرآن پاک نے ان علوم کا تنصیص کے طریقے پر یعنی صراحۃً ذکر کیا ہے۔ قرآن پاک نے منطقی لوگوں کا اسلوب بھی اختیار نہیں کیا جو ہر بات کو دلائل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور نہ ہی تہذیب والوں اور متون والوں کا طریقہ اختیار کیا ہے جو کسی چیز کو بیان کرتے وقت کسی تعریف کی حد بیان کرتے ہیں، پھر اس کے ذاتیات اور عرضیات بیان کرتے ہیں اور بعض قیود لگاتے ہیں اور پھر ان کی توجیہ بیان کرتے ہیں کہ یہ کیوں لگائی گئی ہیں۔

اس کے برخلاف قرآن پاک نے پرانے عرب لوگوں کے اسلوبِ بیان کو اختیار کیا ہے۔ پرانے عرب لوگ یا تو اشعار کے ذریعے کسی کی مدح یا قدح کرتے تھے یا کوئی تاریخی واقعہ بیان کرتے تھے یا پھر وہ خطبہ کے ذریعے اہم باتیں بیان کر دیتے تھے، وہ اس بات کا قطعاً لحاظ نہیں رکھتے تھے کہ کون سی بات پہلے کرنی ہے اور کون سی بعد میں اور پھر ان میں ربط کیسے ہو بلکہ وہ اہم باتیں بلا تکلف اور بلا لحاظ تقدیم و تاخیر بیان کر دیتے تھے۔ قرآن پاک نے بھی قدیم عربوں کا اسلوبِ بیان ہی اختیار کیا ہے۔ آپ کوئی سورۃ اٹھا کر دیکھ لیں، کہیں بھی تقدیم و تاخیر کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا گیا بلکہ ہر اہم بات کو بلا تکلف بیان کر دیا ہے۔ عرب کے شہری اور دیہاتی لوگ عربی زبان پر خوب عبور رکھتے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو اس کے اولین مخاطبین عربوں ہی کی زبان میں انہی کے اسلوب کے مطابق نازل فرمایا۔ علوم قرآن کی تفہیم کے ضمن میں امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے یہ باتیں بطور تمہید بیان کی ہیں۔

عام مفسرین کا طریقہ تفسیر :

اس کے بعد شاہ صاحب رحمہ اللہ نے عام مفسرین کے طریقہ تفسیر قرآن پر تنقید کی ہے اور اسے غیر ضروری قرار دیا ہے۔ اور علوم قرآن کو سمجھنے کے لئے اصولِ تفسیر کو اپنے مخصوص انداز کے مطابق سمجھایا

ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں مشہور تفاسیر ابن جریر، ابن کثیر، خازن، درمنثور وغیرہ نئی اور پرانی تفاسیر موجود ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علماء کی تفاسیر بھی ہیں۔ کچھ چوتھی صدی ہجری میں لکھی گئیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر چھٹی صدی میں لکھی گئی۔ علم تصوف اور سلوک سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی تفاسیر بھی ہیں۔ احکام کے بارے میں ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر احکام القرآن بھی ہے جو صوفیاء کے امام تھے۔ یہ ساری تفسیریں اپنی اپنی جگہ پر بڑی اہم ہیں۔ عام تفاسیر درمنثور، خازن اور ابن جریر لمبی تفسیریں ہیں ابن جریر چوتھی صدی کے امام، محدث اور مؤرخ ہے۔

ان سب تفاسیر کا تجزیہ کرتے ہوئے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **وعامة المفسرين يربطون كل اية من ايات المخاصمة و ايات الاحكام بقصة** کہ عام مفسرین کا طریق کار یہ ہے کہ وہ علم مخاصمہ اور علم الاحکام سے متعلقہ ہر آیت کو کسی واقعہ کے ساتھ مربوط کرتے ہیں۔ **ويظنون ان تلك القصة سبب نزولها** اور گمان کرتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہ واقعہ ہے، صاحب خازن اپنی تفسیر میں ایک آیت نقل کرتے ہیں، پھر اگر کوئی اشکال ہے تو اس کو حل کرتے ہیں اور پھر لکھتے ہیں کہ فلاں واقعہ اس آیت کا سبب نزول ہے اور اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں۔ درمنثور کا بھی یہی طریقہ ہے کہ وہ ہر آیت کے ساتھ اس سے متعلق واقعہ لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ آیت اس قصہ کے ساتھ مربوط ہے۔

یہ بات تو پہلے بیان ہو چکی ہے کہ علم مخاصمہ سے مراد چار گمراہ فرقوں یہود، نصاریٰ، مشرک اور منافق کے ساتھ بحث مباحثہ سے متعلق جو آیات قرآن پاک میں نازل ہوئی ہیں وہ آیات مخاصمہ کہلاتی ہیں۔ اور جو آیات حلال حرام، مکروہ مباح سے متعلق ہیں وہ آیات احکام کہلاتی ہیں۔

ان دونوں قسم کی آیات سے متعلق شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر مفسرین نے ہر ایک کو کسی خاص واقعہ کے ساتھ منسلک کیا ہے، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا نظریہ یہ ہے کہ تفسیر کا یہ طریقہ اصلاً درست نہیں ہے کہ کسی آیت کو کسی قصہ کے ساتھ مربوط کر دیا جائے۔ ہاں اگر حضور علیہ السلام کے اپنا زمانہ مبارک میں یا اس سے قبل کوئی واقعہ پیش آیا ہو جس کا اشارہ بھی آیت میں موجود ہو تو ایسے واقعہ کو تو سبب نزول آیت قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی واقعہ کو کسی آیت کے ساتھ مربوط کرنا قطعاً درست

نہیں ہے۔مگر ہر آیت کے نیچے ایک دو واقعات بطور سبب نزول درست نہیں ہے۔اس طریقے سے کہیں ساٹھ واقعات کا ذکر ہے، کہیں ڈیڑھ صد واقعات لکھے گئے ہیں اور کہیں تو ان گنت واقعات کا ذکر ہے، یہ بالکل ہی صحیح نہیں ہے۔ان میں بعض متضاد واقعات بھی ہیں جن کو پڑھ کر ذہن پریشان ہو جاتا ہے اور قصے کہانیوں کے علاوہ قاری کے کچھ پلے نہیں پڑتا۔

نزول قرآن کے اصلی اسباب :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ طریقہ تفسیر کا رد کرتے ہوئے نہایت اچھے پیرائے میں بات سمجھائی ہے۔آپ نے کسی مفسر کو برا بھلا نہیں کہا بلکہ کہتے ہیں کہ ان کے علم کی رسائی اسی حد تک تھی لہٰذا انہوں نے اس طریقے سے کام انجام دے دیا۔والمحقق کہتے ہیں کہ تحقیق شدہ قول یہ ہے ان **القصد الاصلی من نزول القران تھذیب نفوس البشریة** کہ نزول قرآن کا اصلی سبب انسانی نفوس کی تہذیب ہے۔تہذیب دراصل چھانٹنے کو کہتے ہیں۔درخت کو چھانٹ کر اس کی زائد شاخیں کاٹ دی جاتی ہیں تو وہ بہت خوبصورت نظر آتا ہے اور پھل بھی اچھا دیتا ہے۔اسی طریقے سے نفوس بشریہ کی تہذیب یہ ہے کہ ان سے باطل نظریات کو نکال لیا جائے تاکہ وہ شائستہ اور مہذب انسان بن جائیں۔تو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نزول قرآن کا ایک سبب تو انسانی نفوس کی تہذیب ہے اور دوسرا سبب یہ ہے **ودمغ العقائد الباطلة** کہ انسانی نفوس سے باطل عقائد از قسم کفر، شرک، الحاد اور شک وغیرہ کو دور کر دیا جائے۔اور ساتھ ساتھ اعمالِ فاسدہ از قسم حرام، مکروہ، ناجائز کو بھی مٹا دیا جائے۔

دراصل نفوس بشریہ کی تہذیب یہ ہے کہ انسان کی روح، اس کا دل اور اس کی قوتیں پاک ہو جائیں، اس میں سے غلط چیزیں نکل جائیں اور اچھی چیزیں آجائیں۔کفر، شرک اور بدعقیدگی دور ہو کر اس کی بجائے ایمان، توحید اور اخلاص آجائے۔برے اعمال چوری، ڈاکہ، بدکاری، دھوکہ فریب سے آدمی بچ جائے۔اور نیکی کی بات اور عبادت کی بات آجائے۔تہذیب سے مراد انسانی نفوس کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر آخرت کی نعمتوں سے مستفید ہو سکیں۔لوگ ملاءِ اعلیٰ کی جماعت میں شریک ہو سکیں اور بالآخر انہیں جنت میں داخلہ مل جائے۔خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔**فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ** ط (آل عمران : ۱۸۵) جو شخص دوزخ کی آگ سے بچا

لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا، وہ کامیاب ہو گیا۔

بزرگانِ دین لوگوں کی تہذیب نفس ہی تو کرتے ہیں۔ وہ لوگوں کو برے اعمال سے تائب کرا کے نماز، روزہ، ذکر اذکار، مالی قربانی، احسان اور تلاوت وغیرہ کی تعلیم دیتے ہیں۔ پھر جو آدمی اس راستہ پر چل کر شائستگی حاصل کر لیتا ہے وہ حظیرۃ القدس میں پہنچ جاتا ہے۔ گویا قرآن پاک کے نزول کا ایک سبب تہذیب نفس ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآنی آیات کے نزول کا تیسرا سبب **ونفی الاعمال الفاسدۃ** برے اعمال کی نفی ہے یعنی اللہ نے آیات احکام اس لئے نازل فرمائی ہیں کہ انسانوں کو ان کے برے اعمال سے روک دیا جائے۔ چنانچہ **فوجود العقائد الباطلۃ فی المکلفین سبب لنزول اٰیات المخاصمۃ** چنانچہ مکلّف انسانوں میں باطل عقائد کا پایا جانا آیاتِ مخاصمت کے نزول کا سبب ہے۔ جیسا کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدا میں فرمایا تھا کہ گمراہ فرقے چار قسم کے ہیں یعنی یہود، نصاریٰ، مشرک اور منافق جنہوں نے باطل عقیدے اختیار کر لئے ہیں ان باطل عقائد کی موجودگی ہی آیات مخاصمت کا سبب ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک میں ایسی بہت سی آیات جن میں ان گمراہ فرقوں کی قباحت کو ظاہر کر کے ان سے نفرت دلائی گئی اور اسلام کے خلاف ان کے شبہات اور اعتراضات کو دلائل کے ساتھ رفع کیا گیا ہے۔ اسی لئے فرمایا ہے کہ آیات مخاصمت کے نزول کی وجہ باطل عقائد کا رد ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **ووجود الاعمال الفاسدۃ وجریان المظالم فیما بینھم سبب لنزول اٰیات الاحکام** اور لوگوں میں برے اعمال کا وجود اور آپس میں ظلم و ستم کی گرم بازاری آیات احکام کے نزول کا سبب ہے مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں برے اعمال مثلاً چوری، ڈاکہ، بدکاری، فتنہ و فساد، قتل و قتال، غارتگری، دھوکہ فریب، شراب نوشی، جوابازی، حق تلفی وغیرہم برے اعمال ہیں جن کے ذریعے لوگ ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کا مال چھینتے ہیں، آبروریزی کرتے ہیں۔ تو ان مظالم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آیاتِ احکام نازل فرمائی ہیں۔ چنانچہ قتل کے بدلے میں قصاص اور دیت کا قانون دیا ہے۔ چوری کے لئے قطع ید کی سزا مقرر کی،

ڈاکوؤں کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمت سے کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ بدکاری کے لئے رجم اور سو کوڑوں کی سزا مقرر کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مختلف قسم کے جرائم کو مختلف سزائیں مقرر کر کے روکنے کی کوشش کی ہے۔ لہٰذا یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ آیات احکام کا نزول متذکرہ برے اعمال اور پھر اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مظالم کے پیش نظر ہوا ہے نہ کہ پرانے مفسرین کے ہر آیت کے ساتھ بیان کردہ کسی قصہ کی بنا پر ہوا ہے۔ وہ قصے کہانیاں تو ختم ہو گئیں مگر آیات قرآنی تو ختم نہیں ہوئیں ان کا حکم تو قیامت تک نافذ العمل ہے۔ لہٰذا کسی خاص واقعہ کو کسی آیت کے ساتھ مربوط نہیں کیا جا سکتا۔

وعدم تیقظهم بماعدا ذکر الاء الله وایام الله ووقائع الموت ومابعده سبب لنزول آیات التذکیر شاہ صاحب رحمہ اللہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر لوگ تذکیرات ثلاثہ (**تذکیر بالاء الله، تذکیر بایام الله** اور **تذکیر بالموت ومابعده**) کے واقعات کے ذکر کے بغیر اپنی خوابِ غفلت سے بیدار نہیں ہوتے، عبرت حاصل نہیں کرتے اور نصیحت نہیں پکڑتے تو سمجھ لو کہ تذکیرات کی آیات ایسے ہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ چنانچہ جب ایسے لوگوں کے سامنے ان آیات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی لامتناہی نعمتوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ان کو تاریخی واقعات یاد دلا کر عبرت دلائی جاتی ہے اور موت اور اس کے بعد پیش آنے والے حالات سے آگاہ کیا جاتا ہے تاکہ انہیں کچھ شرم آئے اور وہ کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکل کر ایمان و توحید کی روشنی میں آجائیں۔ ایسے لوگوں کو آیات تذکیر کے ذریعے یاد کرایا جاتا ہے کہ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی ہر چیز کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ ﴿وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً﴾ (لقمان: ۲۰) اور تم پر ظاہری اور باطنی تمام نعمتیں پوری کر دی ہیں۔ اللہ نے مختلف سورتوں میں سابقہ نافرمان قوموں عاد، ثمود، قوم نوح، قوم لوط اور قوم شعیب کی بداعمالیوں اور پھر ان پر نازل ہونے والی سزا کا ذکر کر کے خوابِ غفلت میں سوئے ہوئے لوگوں کو جگانے کا اہتمام کیا ہے۔ اسی طریقے سے موت کی تلخیوں، عالم برزخ اور قیامت کے دن کی ہولناکیوں کا ذکر کر کے لوگوں کو عبرت دلانے کا انتظام کیا ہے تاکہ جو لوگ ان تذکیرات کے بغیر نصیحت نہیں پکڑتے، وہ اللہ کے انعامات کو یاد کر کے یا نافرمان قوموں کے حال اور آخرت کے انجام سے ڈر کر ہی عبرت حاصل کر لیں۔ غرضیکہ شاہ

صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیات تذکیر کے نزول کا سبب ان لوگوں کی عدم بیداری ہے، نہ کہ خاص واقعات جن کا ذکر بعض مفسرین نے اپنی اپنی تفسیروں میں کیا ہے۔

خلاصہ کلام :

اس تقریر کے بعد شاہ صاحب رحمہ اللہ اپنے اس کلام کا خلاصہ یوں بیان کرتے ہیں **وما تکلفوا من خصوصیات القصص الجزئیة لامدخل لها یعتد به** کہ بعض مفسرین نے جن جزوی واقعات کی خصوصیت کا ذکر کیا ہے ان کو ان آیات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ **الا فی بعض الأیات** سوائے ان بعض آیات کے **حیث وقع التعریض فیها** جن میں اشارہ پایا جاتا ہے **لواقعة من وقائع وجدت فی زمنه صلی اللہ علیه وسلم او قبل ذٰلك** ان واقعات میں سے کسی واقعہ کی طرف جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک یا اس سے قبل پیش آیا ہو۔ **ولایزول مایعرض لسامع من الانتظار عند سماع ذٰلك التعریض الابسط القصة** اور ایسا اشارہ سننے والا اس واقعہ کی تفصیل جاننے کے لئے مسلسل انتظار میں رہتا ہے۔ لہٰذا جہاں تک معلوم ہو ایسے واقعہ کو تفسیر آیت کرتے وقت ضرور بیان کرنا چاہیے۔ ان کے علاوہ باقی سارے متذکرہ واقعات بے جا ہیں اور قرآن کا سمجھنا ایسے واقعات پر موقوف نہیں ہے۔

آخر میں شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں **فلزم ان نشرح هٰذه العلوم بوجه** لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ ہم مذکورہ علوم خمسہ کی تفسیر اس طریقہ سے بیان کریں **لا یستلزم مؤونة ایراد القصص الجزئیة** کہ جزوی واقعات کو بیان کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑے کہ یہ آیت فلاں واقعہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے یہاں پر بہت ہی اچھی بات سمجھا دی ہے۔ یہ چیز آپ کو کسی تفسیر میں یا کسی حکمت کے تحت نہیں ملے گی ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو خوب ذہن نشین کر لیں۔

(فصل)

قد وقع فی القرآن المجید المخاصمة مع الفرق الاربع الضالة : المشرکین والمنافقین، والیهود، والنصارٰی..... الی ..... واما جمھور المشرکین فیرتکبونھا، ویتبعون النفس الامارة فیھا۔(ص۳)۔

ربطِ مضمون :

امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآنِ پاک نے علومِ خمسہ کو صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے انہوں نے عام مفسرین کے طریقہ تفسیر پر تنقید فرمائی ہے کہ وہ کسی آیت قرآنی کا شانِ نزول کسی خاص واقعہ کو قرار دیتے ہیں جس کو آپ درست تسلیم نہیں کرتے۔اس ضمن میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات سمجھائی ہے کہ قرآن پاک کی کسی آیت کو کسی واقعہ پر موقوف کرنا مذکورہ آیت کو سمجھنے کے لئے درست راستہ نہیں ہے۔صاحب خازن اور درمنثور وغیرہ نے اپنی اپنی تفسیروں میں ایسے بہت سے واقعات نقل کئے ہیں جن میں سے کچھ صحیح بھی ہیں اور کچھ غلط بھی ہیں مگر ان واقعات کو آیت کا شانِ نزول تسلیم کرنا ہر گز درست نہیں ہے۔بلکہ قرآنی آیت کی اصلی غرض انسانی نفوس کی تہذیب،عقائد باطلہ کو مٹانا اور اعمالِ فاسدہ کو دور کرنا ہے۔نیز تہذیب نفس اس طریقے سے ہوتی ہے کہ انسان کے دل، دماغ، روح اور نفس میں پاکیزگی آجائے اور گندے عقائد اور گندے اعمال مٹ جائیں۔جب مکلّف لوگوں میں غلط عقائد کا دور دورہ ہوگا تو سمجھا جائے گا کہ آیاتِ مخاصمت ایسے ہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔اور جن انسانوں میں اعمالِ فاسدہ اور مظالم کی بہتات ہوگی تو سمجھ لینا چاہیے کہ احکام کی آیتیں انہی لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔اور اگر کچھ لوگ الاءاللہ، ایام اللہ اور موت اور اس کے بعد کے حالات کا ذکر کیے بغیر نصیحت نہیں پکڑتے اور خوابِ غفلت سے بیدار نہیں ہوتے تو سمجھا جائے گا کہ تذکیراتِ ثلاثہ کی آیات انہی لوگوں کو عبرت دلانے کے لئے نازل ہوئی ہیں۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نزولِ قرآن کے زمانے میں گمراہ فرقے چار ہی تھے یعنی مشرک، منافق، یہودی اور عیسائی۔باقی چھوٹے چھوٹے فرقے انہی کے ماتحت آتے ہیں۔پہلا گمراہ

فرقہ مشرکوں کا ہے جس میں ہنود، صابی، مجوسی وغیرہ مشرکین شامل ہیں۔ یہودی اہلِ کتاب تھے مگر انہوں نے اپنی کتاب تورات میں تغیر وتبدیل کر دیا تھا اور اپنی نسبت تحریف شدہ بگڑی ہوئی کتاب کی طرف کرنے لگے۔ یہ لوگ حضور خاتم النبین ﷺ کی نبوت کو تسلیم نہیں کرتے تھے عیسائی اپنی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ پر نازل ہونے والی کتاب انجیل کی طرف کرتے تھے۔ اصلی انجیل میں مسیح علیہ السلام کی صحیح صحیح تعلیمات موجود تھیں۔ یہ تعلیمات عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے کچھ عرصہ بعد تک قائم رہیں مگر پھر وہ بھی بگڑ گئیں۔ عیسائیوں نے اس کتاب میں تغیر وتبدل کر دیا۔ پھر انہوں نے ابنیت کا عقیدہ نکال لیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ اسی طرح حضرت مریم کے بارے میں بھی غلط عقیدے قائم کر لیے۔ اس وجہ سے عیسائی بھی بگڑ گئے۔

چوتھا فرقہ منافقین کا ہے۔ نزول قرآن کے زمانے میں تو اعتقادی منافق تھے جن کا علم حضور علیہ السلام کو بذریعہ وحی ہو جاتا تھا، اور ان کی کارگزاری کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ اطلاع دے دیتا تھا۔ موجودہ دور میں صرف عملی منافقوں کا پتہ چلتا ہے جن کے قول وفعل میں واضح تضاد نظر آتا ہے۔ ایسے منافقوں سے دنیا بھری پڑی ہے۔ عملی منافقین طلباء، علماء، پیران اور عوام وخواص میں ہر جگہ موجود ہیں۔

آج کے درس میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان چاروں گمراہ فرقوں کا الگ الگ ذکر کر کے ان کا رد کیا ہے۔ فرماتے ہیں **قد وقع فی القرآن المجید المخاصمة مع الفرق الاربع الضالة** قرآن مجید میں چار گمراہ فرقوں کے ساتھ بحث مباحثہ ہوا ہے۔ اور وہ چار فرقے یہ ہیں **المشرکین، والمنافقین والیھود والنصاریٰ** یعنی مشرک، منافق، یہودی اور عیسائی۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں **وھٰذہ المخاصمة علی قسمین** اور یہ مباحثے دو قسموں پر ہیں۔ **الاول** پہلی قسم یہ ہے۔ **ان تذکر العقیدة الباطلة مع التنصیص علی شناعتھا** کہ اللہ تعالیٰ نے کسی باطل عقیدہ اور اس کی صراحت کے ساتھ قباحت کا ذکر کیا ہے کہ دیکھو یہ کیسا غلط عقیدہ ہے۔ **ویذکر انکارھا** اور پھر ایسے باطل عقیدے کا رد کیا ہے کہ یہ نہیں ہونا چاہیے۔ شناعۃ کا معنیٰ برائی یا قباحت۔ گویا اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مختلف مقامات پر کسی عقیدہ باطلہ کا ذکر کر۔۔۔

ساتھ ساتھ اس کی برائی بھی بیان کردی ہے۔ **لا غیر یعنی عقیدہ باطلہ** کے انکار کے علاوہ کوئی بات ذکر نہیں کی۔

فرمایا **والثانی** اور مخاصمت کی دوسری قسم یہ ہے **ان تقرر شبهاتهم** کہ باطل عقیدہ والوں کے شبہات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب لوگوں پر شبہات پڑ جاتے ہیں تو آہستہ آہستہ وہ عقیدے کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ تو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مخاصمت کی دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرقہ باطلہ کے شبہات کا ذکر کیا ہے **ویذکر حلها بالادلة البرهانية** اور پھر ان شبہات کا حل بذریعہ دلائل برہانیہ پیش کیا ہے یہ حل بعض اوقات دلائل برہانیہ یعنی قطعی دلائل کے ساتھ ہوتا ہے جیسے منطقی لوگ کرتے ہیں کہ یہ صغریٰ ہے اور یہ کبریٰ ہے اور یہ حد اوسط ہے اور پھر ان سب کو جوڑ کر نتیجہ اخذ کرتے ہیں اور اس کو قطعی دلیل کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ عقائد باطلہ کا ذکر کر کے اس کا رد قطعی دلائل کے ساتھ کرتا ہے **او الخطابية** یا پھر خطابی دلیل کے ذریعے باطل عقیدے کا رد کیا جاتا ہے۔ خطابی دلیل، قطعی دلیل کے برابر تو نہیں ہوتی بلکہ ناصح، مقرر یا واعظ لوگ مشہورات یعنی عام لوگوں میں پھیلی ہوئی باتوں کو دلیل کے طور پر پیش کر دیتے ہیں۔ ایسی باتیں چونکہ باطل عقیدہ کے خلاف ہوتی ہیں اس لئے وہ باتیں بھی اس عقیدہ کی تردید کا باعث بن جاتی ہیں۔

اس کے بعد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مشرکین کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں **اما المشركون فكانوا يسمون انفسهم حنفاء** مشرک لوگ اپنے آپ کو حنفاء کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ لفظ **حنفاء** جمع ہے **حنيف** کی۔ اس کا لغوی معنیٰ پاؤں کا ایک طرف لگتا آتا ہے۔ بعض اونٹ چلتے وقت اپنا اگلا پاؤں اندر کی طرف یا باہر کی طرف موڑ کر چلتے ہیں، اس فعل کو حنف کہا جاتا ہے اور حنیف اس کو کہتے ہیں جو ایک طرف لگنے والا ہو۔ یہ تو اس لفظ کی مادی مناسبت ہے۔ مشرک لوگ اپنے آپ کو حنیف اس لئے کہتے تھے کہ وہ اپنے زعم میں اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کے پیروکار تھے، اور ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے حنیف اس لئے فرمایا کہ وہ ہر طرف سے کٹ کر صرف اپنے رب تعالیٰ کی طرف لگنے والے تھے۔ اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے۔ **مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○** (آل عمران : ٦٧) ابراہیم علیہ السلام

یہودی یا نصرانی نہیں تھے لیکن وہ حنیف (سب طرف سے کٹ کر ایک طرف لگنے والے) اور مسلمان (اللہ کے فرمانبردار) تھے۔

غرضیکہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشرکینِ عرب اپنے آپ کو حنیف کہتے تھے حالانکہ وہ حنیف نہیں تھے۔ وہ مسلمانوں کو صابی یعنی بے دین کہتے تھے کیونکہ انہوں نے اپنا آبائی دین چھوڑ کر حضور علیہ السلام کا پیش کردہ دینِ توحید قبول کر لیا تھا۔ حقیقت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروکار ہی صحیح دینِ ابراہیمی پر تھے اور حنیف کہلانے کے حقدار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حکم دیا ہے حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ط ○ (الحج : ۳۱) تم سارے کے سارے ہر طرف سے کٹ کر صرف ایک اللہ کی طرف لگنے والے بن جاؤ اور اس کے ساتھ شرک کرنے والے نہ بنو۔ الغرض! مشرکین اپنے آپ کو حنیف کہتے تھے و کانوا یدعون التدین بالملة الابراهیمیة اور ملت ابراہیمی کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعویٰ کی تردید فرمائی ہے کہ یہ لوگ حنیف نہیں ہیں بلکہ مشرک ہیں اور مشرک حنیف نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ اپنا ایمان بگاڑ چکا ہے۔ اللہ نے قرآن میں فرمایا کہ یہ مشرک لوگ ابراہیم علیہ السلام کے دین پر نہیں ہیں بلکہ حقیقت میں اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ط ○ (آل عمران : ۶۸) ابراہیم علیہ السلام کے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ کا اتباع کیا، اور یہ نبی (محمدؐ) ہیں اور وہ لوگ ہیں جو آپ پر ایمان لائے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور کے ڈیڑھ ہزار سال بعد تک لوگ دینِ ابراہیمی پر ہی تھے۔ پھر جب عمرو ابن لحی کا زمانہ آیا تو عرب میں بت پرستی رائج ہوگئی۔ یہ شخص کسی بیرونی ملک میں گیا جہاں اس نے بتوں کی پوجا ہوتے دیکھی۔ اس کو یہ بات پسند آگئی چنانچہ وہاں سے بت لے آیا اور اس کی پوجا شروع کر دی حتیٰ کہ حضور علیہ السلام کی بعثت سے تقریباً ساڑھے چار سو سال قبل ہر گھر میں بت پرستی ہونے لگی۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشرکین اپنے دعویٰ حنیفیت میں جھوٹے ہیں کیونکہ حقیقت یہ ہے وانما یقال الحنیف لمن تدین بالملة الابراهیمیة کہ حنیف اس کو کہا جاتا ہے جو

ابراہیم علیہ السلام کا دین اختیار کر کے ان کی ملت کا پیروکار رہو۔ و التزم شعارها اور ملتِ ابراہیمی کے شعار کا التزام کرتا ہو۔ شعار کا معنی علامت ہوتا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ حنیف کہلانے کا وہ شخص حقدار ہے جو ملت ابراہیمی کا پیروکار ہو اور آپ کی ملت کی خصوصی علامات کی تعظیم کرتا ہو۔ و شعارها اور ملت ابراہیمی کے شعار کی تفصیل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان فرمائی ہے۔ حج البیت الحرام بیت اللہ شریف کا حج کرنا۔ و استقبالہٗ فی الصلوٰۃ اور نماز پڑھتے وقت بیت اللہ شریف کی طرف رخ کرنا۔ و الغسل من الجنابۃ اور جنابت کا غسل کرنا۔ اصل دینِ ابراہیمی میں غسل جنابت ضروری تھا مگر بعد میں مشرک اس سے منحرف ہو گئے۔ و الاختتان اور ختنہ کرنا بھی ملت ابراہیمی کا شعار ہے۔ سب سے پہلے اللہ کے حکم سے ابراہیم علیہ السلام نے ختنہ کیا اور پھر سارے مسلمانوں نے کے لئے ضروری ہو گیا اور ملت کا شعار بن گیا۔ و سائر خصال الفطرۃ اور طہارت حاصل کرنے کے لئے ساری خصلتیں شعار ملت ابراہیمیہ میں داخل ہیں۔ ان میں ناخن تراشنا، استنجاء کرنا، غیر ضروری بالوں کی صفائی داڑھی بڑھانا اور مونچھیں گھٹانا پورے جسم کو پاک رکھنا وغیرہ شامل ہیں۔

و تحریم الاشهر الحرم اور حرمت والے مہینوں کا احترام کرنا بھی ملت ابراہیمیہ کا شعار ہے۔ اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ اللہ کے نزدیک سال کے بارہ مہینے ہیں جن میں چار حرمت والے ہیں یعنی رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم زمانہ جاہلیت میں بھی ان مہینوں کی تعظیم کی جاتی تھی اور لڑائی بھڑائی بالکل بند کر دی جاتی تھی۔ سفر کے تمام راستے محفوظ ہو جاتے تھے، لوٹ مار بند کر دی جاتی تھی اور لوگ بلا خوف و خطر سفر کر سکتے تھے۔ غرضیکہ ان چار حرمت والے مہینوں کا احترام بھی ملتِ ابراہیمیہ کے شعار میں داخل ہے۔ و تعظیم المسجد الحرام اور مسجد حرام کی تعظیم کرنا بھی ملت ابراہیمیہ کا شعار ہے۔ و تحریم المحرمات النسبیۃ و الرضاعیۃ اور جو رشتے اللہ تعالیٰ نے نکاح کے لئے حرام کئے ہیں، ان کی حرمت کو برقرار رکھنا بھی ملت ابراہیمیہ کے شعار میں داخل ہے۔ اللہ کا فرمان ہے۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ...... الآیۃ (النساء : ۲۳) حرام قرار دی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں، تمہاری پھوپھیاں، تمہاری خالائیں، بھتیجیاں اور بھانجیاں۔ اور حرام قرار دی گئی ہیں تمہاری دودھ پلانے والی مائیں اور تمہاری دودھ شریک بہنیں، اور

تمہاری بیویوں کی مائیں، اور تمہاری عورتوں کی بیٹیاں تمہارے زیر پرورش بچیاں جن عورتوں کے ساتھ تم نے صحبت کی ہے۔ اور تمہارے نسبی بیٹوں کی بیویاں اور دو بہنوں کی یکجائیگی۔ بعض باطل عقیدے والے مجوسی وغیرہ تو اپنی ماؤں بہنوں تک کو حلال سمجھتے تھے اور ان سے نکاح کر لیتے تھے مگر ملت ابراہیمیہ میں مذکورہ رشتے خواہ وہ نسبی ہوں اور رضاعت کے اعتبار سے، سب حرام قرار دے دیئے گئے۔ ان رشتہ کی عورتوں سے عدم نکاح بھی ملت ابراہیمیہ کی علامت ہے۔

والذبح في الحلق عام جانور کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر حلق میں ذبح کرنا بھی ملت ابراہیمیہ کے شعار میں داخل ہے۔ بھیڑ، بکری، گائے، بھینس کو زمین پر لٹا کر اس کے حلق پر چھری چلائی جاتی ہے۔ والنحر في اللبة اور اونٹ کو کھڑا کرکے اور ایک گھٹنہ باندھ کر اس کے سینے میں نیزہ یا تلوار ماری جاتی ہے جس سے اس کا خون بہہ جاتا ہے اور پھر وہ زمین پر گر پڑتا ہے۔ اس کو نحر کرنا کہتے ہیں۔ والتقرب بالذبح والنحر خصوصًا في ايام الحج اور ذبح اور نحر خصوصاً حج کے دنوں میں محض اللہ کا تقرب اور اس کی رضا کے لئے کرنا بھی ملت ابراہیمیہ کا شعار ہے۔

وقد كان في اصل الملة الوضوء اور ابراہیم علیہ السلام کی اصلی ملت میں طہارت حاصل کرنے کے لئے وضو کرنا بھی ایک شعار تھا۔ والصلاة اور نماز بھی شعارِ ملتِ ابراہیمیہ میں داخل ہے والصوم من طلوع الفجر الى غروب الشمس طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک روزہ رکھنا بھی ملت ابراہیمیہ کے شعار میں داخل ہے۔ والصدقة على اليتامى والمساكين اور یتیموں اور مسکینوں پر صدقہ کرنا بھی شعار ملت ابراہیمیہ کا حصہ ہے۔ والاعانة في نوائب الحق اور حقیقی مشکلات اور مصائب میں مبتلا ہونے پر لوگوں کی اعانت کرنا۔ کسی علاقے میں طوفان آجائے، زلزلہ آجائے، چوری ڈاکہ وغیرہ کی وجہ سے مال ضائع ہو جائے، کہیں ٹریفک کا حادثہ پیش آجائے تو ایسے مواقع پر ضرورت مندوں کی مادی اعانت کرنا بھی ملت ابراہیمیہ کے شعار میں داخل ہے۔ وصلة الارحام مشروعة قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا بھی ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کا حصہ تھی۔ وكان التمدح بهذه الافعال شائعاً فيما بينهم اور مذکورہ افعال کو انجام دینے والوں کی مشرک لوگ ایک دوسرے کی مدح کیا کرتے تھے۔ یعنی شعار ملت ابراہیمیہ کی پاسداری کرنے والوں کو عزت

کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس معاملہ میں وہ لوگ حضور علیہ السلام کی بعثت سے پہلے ایک دوسرے کی مدح سرائی کیا کرتے حتی کہ خود نبی علیہ السلام کی بھی تعریف کرتے تھے۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تمام افعال ملت ابراہیمیہ میں داخل تھے ولکن جمھور المشرکین کانوا یترکونها مگر اکثر مشرک لوگ ان افعال کو ترک کر چکے تھے۔ حتی صارت ھذہ الافعال کان لم تکن شیئاً یہاں تک کہ یہ امور نہ ہونے کے برابر رہ گئے تھے یعنی قابلِ ذکر ہی نہ رہے تھے۔ آج بھی ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ بعض دیہاتی لوگ نماز سے بالکل عاری ہیں اور ان کو بڑی مشکل سے نماز کی اہمیت سے آگاہ کرنا پڑتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نزولِ قرآن کے زمانہ تک عرب کے مشرکین ملت ابراہیمیہ کے دعویدار ہونے کے باوجود ملت کے شعار کو ترک کر چکے تھے گویا ان کے نزدیک ان شعار کی کوئی حیثیت ہی نہ تھی۔

وقد کان تحریم القتل والسرقة والزنا والربوا والغصب ایضًا ثابتًا فی اصل الملة نیز قتل ناحق، چوری، بدکاری، سودخوری اور حق تلفی کی حرمت بھی ابراہیم علیہ السلام کی اصل ملت میں ثابت تھی۔ وکان انکار ھذہ الاشیاء جاریًا فی الجملة اور فی الجملہ ان امور پر ان کے ہاں نفرت بھی پائی جاتی تھی۔ واما جمھور المشرکین فیرتکبونها اس کے باوجود مشرکین کی اکثریت ان افعال شنیعہ کا ارتکاب کرتی تھی جیسا کہ بے عملی میں بالعموم ایسا ہی ہوتا ہے۔ ویتبعون النفس الامارة فیها اور ان افعال میں نفس امارہ کا اتباع کرتے تھے اور خواہشات نفسانی کو ہی مقدم رکھتے تھے۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے شعار ملت ابراہیمیہ کو یہاں تفصیل کے ساتھ ذکر کر دیا ہے تاہم عام طور پر شعار ابراہیمی میں حج کرنا، نماز میں قبلہ رخ ہونا، توحید کو ماننا اور ختنہ وغیرہ ہی شمار کیے جاتے ہیں۔ مشرکین عرب ان تمام شعار کو بگاڑ چکے تھے۔

وقد كانت عقيدة اثبات الصانع سبحانه وتعالىٰ، وانه هو خالق السمٰوات والارضين ...... الى ...... وكانوا ينحتون من الحجر والصفر، وغير ذلك صوراً يتخذ ونها قبلة التوجه الى تلك الارواح، حتى يعتقد الجهال شيئاً فشيئاً تلك الصور معبودة بذواتها، فيتطرق بذالك خلط عظيم۔ (ص۳ تا۴)۔

ربط مضمون :

گزشتہ درس میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے چار گمراہ فرقوں کے ساتھ مخاصمت کا ذکر فرمایا تھا کہ قرآن پاک میں یہ بحث مباحثہ دو طریقوں پر کیا گیا ہے۔ اول یہ کہ عقیدہ باطلہ کا تصریح کے ساتھ ذکر کر کے اس کی قباحتیں بیان کی گئی ہیں۔ اور دوسرا یہ کہ فرقہ ہائے باطلہ کے شکوک وشبہات کا تذکرہ کر کے ان کا حل دلائل برہانیہ یا خطابیات کے ذریعے پیش کیا گیا ہے۔ پھر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مشرکین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اپنے آپ کو حنیف اور ملت ابراہیمیہ کے پیروکار کہتے تھے حالانکہ وہ ملت ابراہیمیہ کے شعار کو اختیار نہیں کرتے تھے پھر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ملت ابراہیمیہ کے شعار بھی گنوائے ہیں جن میں بڑے بڑے بیت اللہ شریف کی تعظیم اور اس کا حج، نماز کے وقت استقبال کعبہ، غسل جنابت، تقرب الی اللہ کے لئے قربانی، روزے اور صدقہ وغیرہ ہیں۔ مگر جمہور مشرکین ان شعار سے دست بردار ہو چکے تھے۔ ملت ابراہیمیہ میں قتل ناحق، چوری، زنا، سود وغیرہ حرام قرار دیا جا چکا تھا مگر اکثر مشرکین ان افعال قبیحہ کے مرتکب تھے، لہٰذا وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹے تھے، حنیف نہیں بلکہ مشرک تھے۔

شرک اور مشرک :

اب آج کے درس میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شرک کی تعریف اور اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ **وقد كانت عقيدة اثبات الصانع سبحانه وتعالىٰ** مشرکین کے نزدیک صانع یعنی ہر چیز کو بنانے والے اللہ تعالیٰ کے اثبات کا عقیدہ مسلم تھا۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے اس کی صفت صانع کا ذکر کیا گیا۔ بعض اوقات رب تعالیٰ کو خالق اور فاطر کی صفات کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے اور

تینوں الفاظ ہم معنی ہیں یعنی بنانے والا یا پیدا کرنے والا۔تو شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نزولِ قرآن کے دور کے مشرکین میں اللہ تعالیٰ کی ذات کی موجودگی کا عقیدہ ثابت تھا، وہ مانتے تھے کہ کوئی ایسی ذات موجود ہے جس کے قبضہ قدرت میں پوری کائنات کا نظام ہے۔اور وہ یہ بھی عقیدہ رکھتے تھے وانه هو خالق السمٰوات والارضين کہ وہ ذات خداوندی تمام آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والی ہے۔ومدبر الحوادث العظام وہ یہ بھی مانتے تھے کہ بڑے بڑے حوادثات کی تدبیر کرنے والی بھی وہی ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔وانه قادر علی ارسال الرسل اور یہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کو بھیجنے پر بھی قادر ہے۔ وہ اپنی حکمت اور مشیت کے مطابق اپنے رسول مبعوث کرتا رہتا ہے۔وجزاء العباد بمايعملون وہ اپنے بندوں سے ان کے کردہ اعمال کا بدلہ بھی لیتا ہے۔وانه مقدر للحوادث قبل وقوعها اور یہ بھی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ حوادثات کے واقع ہونے سے پہلے ان کو مقدر کرتا ہے۔ چنانچہ اس کی مقرر کردہ تقدیر کے مطابق ہی ہر قسم کے حوادثات ظاہر ہوتے ہیں۔وعقیدۃ ان الملٰئکة عباده المقربون وہ یہ بھی عقیدہ رکھتے تھے کہ فرشتے اللہ کے مقرب بندے ہیں۔المستحقون للتعظيم اور وہ تعظیم کے مستحق ہیں۔ایضًا ثابتةٌ فيما بينهم یہ بھی ان کے درمیان ثابت تھا یعنی تمام مذکورہ عقائد پر مشرکین کا پختہ عقیدہ تھا۔آیاتِ قرآنی سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان عقائد کا انکار نہیں کرتے تھے۔مثلاً جب ان سے پوچھا جاتا مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ط (لقمان : ٢٥) آسمان وزمین کس نے پیدا کیے ہیں تو وہ کہتے اللہ نے۔وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ط ○ (العنکبوت : ٦٣) اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان سے پانی کون نازل کرتا ہے جس سے مردہ زمین زندگی پاتی ہے؟ تو وہ کہیں گے اللہ ہی کرتا ہے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے تمہارا وجود کس نے پیدا کیا تو کہتے ہیں اللہ نے۔ جب پوچھا جاتا ہے کہ پہاڑ کس نے کھڑے کئے ہیں تو جواب آتا ہے، اللہ نے۔

غرضیکہ مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ کے مقرب بندے اور اللہ اور مخلوق کے درمیان فیض رسانی اور تعمیل احکام کے لئے واسطہ سمجھتے تھے ويدل علٰى ذالك اشعارهم اور اس بات پر مشرکین

کے کہے ہوئے اشعار بھی دلالت کرتے تھے یعنی ان کے اشعار سے بھی ان کے اس عقیدہ کا پتہ چلتا تھا۔

وَقَدْ كان وقع لجمهور المشركين في هذه العقائد شبهات كثيرة مگر ان عقائد سے متعلق جمہور مشرکین میں بہت سے شبہات واقع ہو چکے تھے۔ ناشئة من استبعاد هذه الامور اور یہ شکوک وشبہات بایں وجہ پیدا ہوئے تھے کہ ان امور کے انجام دینے میں استبعاد پیدا ہو چکا تھا وعدم الفتها اوران کے ساتھ الفت رغبت نہیں رکھتے تھے۔ البتہ اصل عقائد تو ان کے درمیان مسلم ہی تھے۔

گمراہی کے اسباب :

وكان ضلالهم الشرك والتشبيه والتحريف اور مشرکین کی گمراہی ان امور میں تھی کہ وہ شرک، تشبیہ اور تحریف کرنے لگے تھے وانكار المعاد، واستبعاد رسالته صلى الله عليه وسلم وقوع قیامت اور جزا سزا کے عمل کا انکار اور حضور نبی کریم ﷺ کی رسالت سے بُعد بھی ان کی گمراہی کا سبب تھی۔ وہ رسول کی رسالت کے عوامل سے ہی ناواقف تھے۔ دو ہزار سال سے عرب میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا تھا۔ وہ نبی کو مافوق البشر ذات سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ جو شخص ہماری طرح کھاتا پیتا ہے، سودا سلف لاتا ہے، گلیوں بازاروں میں پھرتا ہے، بیوی بچے رکھتا ہے، وہ کیسے نبی ہو سکتا ہے؟ نبی تو ایسی ذات ہونی چاہیے جو ان انسانی لوازمات سے مبرا ہو۔ چونکہ وہ نبی کی ان چیزوں سے مانوس نہیں تھے لہٰذا انہوں نے ان چیزوں کو بعید از قیاس سمجھ کر انکار کر دیا تھا۔

وشيوع الاعمال القبيحة ان میں برے اعمال از قسم شراب نوشی، جوا بازی اور سود خواری وغیرہ بھی جاری ہو چکے تھے والمظالم فيما بينهم اوران کی آپس میں ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی، لڑائی جھگڑا، حق تلفی وغیرہ امور بھی ان کی گمراہی کا سبب تھے۔ وابتداع الرسوم الفاسدة رسوم باطلہ کا اجرا بھی ان کی گمراہی کا سبب تھا۔ جس طرح ہمارے ہاں عرس، میلے اور شادی غمی کی بری رسومات جاری ہو چکی ہیں، ان مشرکین میں بھی موجود تھیں۔ واندراس العبادات ان کی طرف سے کی جانے والی اصلی عبادات مٹ چکی تھیں یا ان کی شکل وصورت بگڑ چکی تھی۔ اور بدعات جاری ہو چکی

تھیں۔اصل عبادات کا تصور تو ان میں تھا مگر انہوں نے اپنی مرضی سے تغیر وتبدل کرلیا تھا۔ یا عبادات کو بالکل ہی چھوڑ بیٹھے تھے۔ آپ صحابی رسول حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے متعلق پڑھتے سنتے رہتے ہیں کہ ان کا پیشہ لوٹ مار اور ڈاکہ زنی تھا اسلام قبول کرنے سے کچھ عرصہ قبل یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر عبادت میں لگ گئے۔ غرضیکہ ان میں اصل عبادت کا تصور تو تھا مگر طریقہ باقی نہیں رہا تھا۔ ان سے پوچھا گیا کہ تم نماز پڑھتے وقت رخ کس طرف کرتے تھے تو کہنے لگے، جدھر خدا تعالیٰ رخ پھیر دیتا تھا، ادھر ہی کر لیتے تھے۔ رات کو دیر تک نماز پڑھتے رہتے اور آخر میں جا کر لیٹ جاتے جیسا کہ کمبل پڑا ہوا ہو۔ نماز کا کوئی طریقہ یاد نہیں رہا تھا کہ کتنی رکعتیں پڑھنی ہیں اور ان میں کیا پڑھنا ہے۔ غرضیکہ اصل عبادات کے طریقہ سے عدم واقفیت بھی مشرکین کی گمراہی کا ایک سبب تھی۔ بہرحال شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مشرکین کی گمراہی کے یہ اسباب بیان کئے ہیں۔

(۱) شرک (۲) تشبیہ (۳) تحریف (۴) معاد کا انکار (۵) رسالت کا استبعاد (۶) اعمال قبیحہ کا ارتکاب (۷) آپس میں ظلم وزیادتی (۸) رسوم فاسدہ کا اجراء (۹) اصلی عبادات سے انحراف۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے گمراہی کے مذکورہ بالا ہر سبب کی تھوڑی تھوڑی حقیقت سمجھائی ہے۔ زیادہ تفصیل میں تو نہیں گئے کیونکہ اس چھوٹے سے رسالہ میں مختصر طور پر یہی بیان کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس کتابچہ کا اصل مقصد تو فہم قرآن کے ضمن میں موٹے موٹے اصول بیان کرنا ہے۔ زیادہ تفصیلات دوسری کتابوں میں پڑھی جا سکتی ہیں۔

شرک کی تعریف :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **والشرك ان يثبت لغير الله سبحانه وتعالىٰ شيئاً من الصفات المختصة به** شرک یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی دوسری ذات کے لئے کوئی ایسی صفت ثابت کی جائے جو حق تعالیٰ سبحانہ کے ساتھ خاص ہے۔ بعض صفات خالق اور مخلوق میں مشترکہ ہیں۔ مثلاً رحیم وکریم کی صفت اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھی بولی جاتی ہے اور اس کا اطلاق پیغمبر علیہ السلام کی ذات اور عام مخلوق پر ہوتا ہے۔ ان صفات کا منبع تو ذات باری تعالیٰ ہی ہے مگر اس نے ان کا کچھ حصہ بندوں کو بھی عطا کیا ہے بلکہ رحم وشفقت کا مادہ تو اللہ تعالیٰ نے چرندوں اور پرندوں تک کو عطا کر دیا ہے۔ رؤف،

رحیم، کریم، عزیز، حکیم وغیرہ خدا تعالیٰ کی صفات ہیں اور یہی صفات حضور نبی کریم ﷺ میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اللہ نے خود اپنے نبی کے متعلق فرمایا ہے۔ وَبِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ○ (التوبہ: ۱۲۸) یعنی وہ مومنوں کے لئے شفیق اور نہایت مہربان ہے۔ خالق اور مخلوق میں انہی مشترک صفات کی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص بڑا رحمدل ہے، کریم ہے شفقت و محبت سے پیش آتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ تاہم جب کسی مشترک صفت کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر کیا جاتا ہے تو اس سے وہ حالت مراد ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ لائق ہے۔ اور جب ایسی صفت کا اطلاق کسی بندہ پر کیا جاتا تو اس سے ایسی حالت مراد لی جاتی ہے جو بندہ کے لائق ہے۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ کی **صفاتِ مختصہ** میں سے کوئی صفت کسی مخلوق کے لئے ثابت کی جائے گی تو اسی کا نام شرک ہے خواہ اس صفت کا اطلاق کسی نبی، ولی، پیر، بزرگ یا عام آدمی پر کیا جائے، ایسا کرنے والا شخص مشرک ہوگا۔

﴿ صفاتِ مختصہ ﴾

۱) کن فیکون :

آگے شاہ صاحب رحمہ اللہ نے خدا تعالیٰ کی **صفاتِ مختصہ** کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے **كالتصرف في العالم بالارادة الذي يعبر عنه بكن فيكون** جیسا کہ کائنات میں ارادہ کے ساتھ تصرف کرنا جس کو **کن فیکون** کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ کائنات میں تغیر وتبدل کرنا چاہتا ہے، کوئی چیز پیدا کرنا چاہتا ہے، یا کسی چیز کو معدوم کرنا چاہتا ہے تو وہ کہتا ہے ''ہو جا'' تو وہ چیز ''ہو جاتی ہے''۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے جو مخلوق میں سے کسی میں نہیں پائی جاتی جو آدمی یہ صفت کسی مخلوق میں ثابت کرے گا وہ شرک کا مرتکب ہوگا۔ بغیر اسباب مہیا کئے کسی چیز کو معرضِ وجود میں لے آنا، اللہ تعالیٰ کی **صفتِ مختصہ** ہے جو کسی دوسری مخلوق انسان، جن، فرشتے میں نہیں پائی جاتی۔

۲) ذاتی علم :

او العلم الذاتي من غير اكتساب بالحواس ایسا ذاتی علم جس کا اکتساب حواس کے

ذریعے نہ ہو۔علم کا حصول حواسِ ظاہرہ یا باطنہ کے ذریعے ہی ہوسکتا ہے۔مثلاً حواس ظاہرہ میں سے آنکھیں دیکھتی ہیں، کان سنتے ہیں، زبان بولتی ہے اور اعضاء کام کرتے ہیں تو کسی چیز کا علم حاصل ہوتا ہے۔ نیز حواس باطنہ میں سے عقل، خیال، وہم، قوتِ متصرفہ وغیرہ حصولِ علم کا ذریعہ ہیں۔مگر ذاتی علم سے وہ علم مراد ہے جو مذکورہ حواسِ ظاہرہ یا باطنہ میں سے کسی بھی ذریعہ سے حاصل نہ کیا گیا ہو۔اور ایسا علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو حاصل ہے۔ایسا علم کسی پیر، فقیر، ولی، نبی کو حاصل نہیں اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ علیمِ کل ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ذاتی علم کی مزید وضاحت کرتے ہیں کہ وہ ایسا علم ہے جو نہ تو حواس کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ودلیل العقل اور نہ ہی وہ کسی عقلی دلیل کا محتاج ہوتا ہے۔عقل بھی حصول علم کا ایک ذریعہ، آلہ یا واسطہ ہے۔مگر اللہ تعالیٰ کو ایسے کسی واسطہ یا ذریعہ کی بھی ضرورت نہیں ہے۔وہ بغیر کسی واسطہ کے ہر چیز کو جانتا ہے۔والمنام بعض چیزیں خواب کے ذریعے بھی معلوم ہو جاتی ہیں والالہام بعض چیزیں الہام کے ذریعے بھی معلوم ہوسکتی ہیں۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام نبی اور غیر نبی دونوں کی طرف ہوسکتا ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کوئی بات دل میں ڈال دیتا ہے۔ نبی کا خواب تو سچا ہوتا ہے مگر عام لوگوں کا خواب محض قرینہ ہوتا ہے۔مگر اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے۔اس کا علم ذاتی ہے، لہٰذا اسے کسی خواب یا الہام کے ذریعے بھی حصولِ علم کی ضرورت نہیں۔ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ج (الحشر: ۲۲) وہ ہر ظاہر و باطن کو جاننے والا ہے۔اسی چیز کو علمِ غیب کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ط ○ (النمل: ۶۵) آسمانوں اور زمین میں کوئی بھی سوائے اللہ کی ذات کے غیب نہیں جانتا۔

الغرض! شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذاتی علم ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی صفاتِ مختصہ میں سے ہے۔جو مذکورہ بالا ذرائع ونحو ذٰلك یا اسی طرح کے کسی دوسری ذریعہ سے حاصل نہ ہوا ہو۔

۳)شفایابی :

او الایجاد لشفاء المریض کسی مریض کے لئے شفا ایجاد کرنا یعنی بیمار کو بغیر دوائی کے صحت یاب کردینا بھی اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے۔یہ اختیار بھی مخلوق میں سے کسی کو حاصل نہیں۔اگر

کوئی شخص کہتا ہے کہ فلاں حکیم، ڈاکٹر، پیر یا بزرگ کسی مریض کو شفایاب کر دیتا ہے، تو وہ مشرک بن جاتا ہے کیونکہ حقیقی شفا تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اللہ کے نبی نے مریض کے حق میں شفا کی جو دعا سکھلائی ہے اس میں یہی الفاظ ہیں وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَاشِفَآءَ اِلَّا شِفَآءُكَ مولا کریم! مریض کو شفا بخش کیونکہ حقیقی شفا دینے والا تو ہی ہے اور تیری شفا کے بغیر کوئی شفا نہیں ہے۔ غرضیکہ شفایابی بھی اللہ جل مجدہٗ کی صفت مختصہ ہے۔

۴) لعنت اور رحمت رسانی :

اوالـلـعـن لشـخـص والسخط علیـه کسی شخص پر اس طور لعنت کرنا یا اس پر ناراضگی کا اظہار کرنا حتـی یـقـدر علیه الرزق جس کے نتیجے میں اس کی روزی تنگ ہو جائے اویمرض یا وہ بیمار ہو جائے اویشقی لذالك السخط یا اس ناراضگی کی وجہ سے وہ شخص بدبختی کا شکار ہو جائے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے جو کسی مخلوق میں نہیں پائی جاتی۔ حضرت ایوب علیہ السلام اللہ کے پاک نبی تھے مگر اللہ کی مشیت اسی میں تھی کہ وہ اٹھارہ سال تک سخت ترین بیماری میں مبتلا رہے۔

۵) رزق کی تنگی اور فراخی :

نیز یہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے او الرحمة لشخص کہ وہ کسی شخص پر اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق مہربانی فرمادے۔ حتـی یبسـط له الرزق جس کے نتیجے میں اس کی روزی میں کشادگی آجائے۔ ویصح بدنه اور اس کا جسم صحت یاب ہو جائے ویسعد اور سعادت مندی حاصل کرلے۔

دنیا میں اس قسم کے اکثر واقعات مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں کہ کوئی شخص خوب کھاتا پیتا تھا پھر اللہ نے اس پر روزی تنگ کر دی۔ اس کے بعد پھر کبھی اس کو رزق میں فراخی حاصل ہوگئی۔ قرآن میں آتا ہے۔ اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ط (الرعد : ۲۶) اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں فراخی عطا کرتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے روزی تنگ کر دیتا ہے۔

٦)صحت اور بیماری :

اسی طرح صحت اور بیماری بھی اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ وہ صحت مند کو بیمار اور بیمار کوصحت مند کرنے پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی بات کا اعتراف کیا تھا۔ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ۝ (الشعرآء : ۸۰) جب میں بیمار ہوتا ہوں تو اللہ تعالیٰ ہی شفا بخشتا ہے۔ ایوب علیہ السلام کی طویل بیماری کے بعد جب انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس کی دعا قبول کی فَكَشَفْنَا مَابِهِ من ضُرٍّ پس ان کی تکلیف کو رفع کر دیا۔

۷)سعادت اور شقاوت :

اسی طرح سعادت اور شقاوت بھی اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۝ (الدھر : ۳۱) وہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں ڈال کر شقی بنا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت سے نواز کر سعادت مند کر دیتا ہے۔

مرکز اختیارات :

مطلب یہ ہے کہ لعنت رسانی یا رحمت رسانی یا دوسرے لفظوں میں ضرر رسانی یا نفع رسانی کلی طور پر اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ وہ جس پر چاہے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے یا جس کو چاہے تکلیف میں مبتلا کر دے۔ یہ اس کی حکمت اور مشیت پر مبنی ہوتا ہے۔ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (الانعام : ۱۹) اگر اللہ تعالیٰ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں۔ اور اگر وہ کوئی بھلائی پہنچا دے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ بہر حال شاہ صاحب رحمہ اللہ نے یہ بات سمجھائی ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ کو کسی مخلوق میں ثابت کریگا تو وہ شرک کا مرتکب ہوگا۔

شرک کی اصل بنیاد :

اس کے بعد شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ان عوامل کا ذکر کیا ہے جن میں مشرکین عرب شرک کا ارتکاب کرتے تھے۔ فرماتے ہیں ولم یکن المشرکون یشرکون احدًا فی خلق الجواھر

مشرک لوگ جواہر یعنی عناصر کے پیدا کرنے میں کسی کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہراتے تھے۔ وہ یہ عقیدہ نہیں رکھتے تھے کہ مخلوق میں سے کوئی بھی معدنیات وغیرہ پیدا کرنے پر قادر ہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا فقط اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ہے۔ **وتدبیر الامور العظام** وہ بڑے بڑے کاموں کی تدبیر میں بھی کسی کو شریک نہیں بناتے تھے بلکہ حقیقی مدبر الامر اللہ تعالیٰ کو ہی مانتے تھے۔ **ولا یثبتون لاحد قدرة علی الممانعه اذا ابرم اللّٰہ سبحانه وتعالٰی امرًا** ان کے عقیدے میں یہ بات بھی داخل نہیں تھی کہ جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کسی کام کا فیصلہ کر دیتا ہے تو کوئی دوسری ذات اس میں رکاوٹ بھی ڈال سکتی ہے۔

وانما کان اشراکھم فی الامور الخاصة ببعض العباد البتہ امور خاصہ میں مشرکین کا شرک بعض بندوں کے ساتھ اسی طریقے سے ہوتا تھا۔ **وکانوا یظنون ان الملك علی الاطلاق جل مجده شرف بعض العباد بخلعة الالوهية** کہ وہ گمان کرتے تھے کہ مطلق بادشاہ یعنی اللہ رب العزت نے اپنے بعض بندوں کو الوہیت کی خلعت بخش دی ہے یا ان پر الوہیت کی چادر ڈال دی ہے اور ان کو بعض اختیارات سونپ دیئے ہیں۔ **ویؤثرون رضاهم وسخطهم علی سائر العباد** جس کی بنا پر مشرک لوگ عام بندوں کی نسبت الوہیت کی خلعت یافتہ بندوں کی رضامندی اور ناراضگی کو باقی بندوں پر ترجیح دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ان خاص بندوں کی خوشنودی ہماری حاجت روائی میں زیادہ مؤثر ثابت ہوگی۔ مشرک اپنے اس گمان کے ثبوت میں دنیا کے بادشاہوں کی مثال پیش نظر رکھتے تھے اور کہتے تھے **کما ان ملکاً من الملوك عظیم القدر یرسل عبیده المخصوصین الی نواحی المملکة** کہ جس طرح کوئی عظیم القدر بادشاہ اپنے خاص بندوں کو اطراف مملکت میں بھیجتا ہے۔ **ویجعلهم متصرفین فی الامور الجزئیة الی ان یصدر عن الملك حکم صریح** اور جن تک بادشاہ کی طرف سے کوئی صریح حکم نہ آجائے وہ ان بندوں کو جزوی امور میں بااختیار بنا دیتا ہے۔ **فلا یتوجه الی تدبیر الامور الجزئیة** اور خود ان جزوی امور کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ **ویفوض الیهم امور سائر العباد** اور عام لوگوں کے معاملات ان خاص بندوں کے سپرد کر دیتا ہے۔ موجودہ دور کی اصطلاح میں بادشاہ کے ایسے خاص نائبین کو حاکم یا گورنر کہہ

سکتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جب صدر مملکت کسی شخص کو کسی علاقے کا حاکم یا گورنر مقرر کرتا ہے تو بعض جزوی امور میں اس کو اختیارات بھی تفویض کرتا ہے جن کو گورنر صاحبان مقامی طور پر نمٹانے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے مشرکین کا یہ گمان تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے خاص بندوں کو بعض اختیارات تفویض کر رکھے ہیں جنہیں وہ اپنی صوابدید کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔ اسی بنا پر ان کا عقیدہ تھا۔ ویقبل شفاعتهم فی امور من یخدمهم ویتوسل بهم کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کے ماتحت ملازمین اور ان کے متوسلین کے حق میں ان کی سفارش قبول کرتا ہے۔

اسی بنا پر فیقولون بوجوب التقرب بعباد الله سبحانه المخصوصین المذکورین وہ کہتے تھے کہ اللہ کے خاص مذکورہ بندوں کا تقرب حاصل کرنا ضروری ہے۔ لیتیسر لهم قبول الملك المطلق تاکہ بادشاہ مطلق کی قبولیت حاصل کرنا ان کے لئے آسان ہو جائے۔ وتقبل شفاعتهم للمتقربین بهم فی مجاری الامور اور مختلف کاموں کے اجرا میں اللہ تعالیٰ اپنے مقربین کی سفارش کو قبول کرتا ہے۔

وکانوا یجوزون بملاحظة هذه الامور ان یسجد لهم انہی امور کے پیش نظر وہ اللہ کے ان خاص بندوں کے سامنے سجدہ ریزی کا جواز پیدا کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کو پیر، فقیر یا بزرگ کوئی بھی نام دیا جا سکتا ہے۔ ان کو اللہ کے ہاں اپنا سفارشی سمجھتے ہوئے ان کے سامنے سجدہ کرتے تھے۔ ویذبح لهم اور ان کی رضا جوئی کے لئے جانور ذبح کرتے تھے ویحلف بهم اور ان کے نام کی قسمیں کھاتے تھے۔ ویستعان بهم فی الامور الضروریة بقدرة کن فیکون اور بوقت ضرورت ان سے مدد طلب کرتے تھے کن فیکون کے طریقہ پر گویا کہ ان کی ضرورت فوراً پوری ہو جائیگی اور اس مقصد کے لئے مزید اسباب کی ضرورت نہیں ہوگی۔ غرضیکہ مشرکین کا عقیدہ یہ تھا کہ قادر مطلق ان بزرگوں کے وسیلہ سے ہماری بات سنتا اور قبول کرتا ہے۔

ان کے ان بزرگوں کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد وکانوا ینحتون من الحجر والصفر وغیر ذٰلك صُوَرًا یتخذونها قبلة التوجه الی تلك الارواح پھر وہ ان کی روحوں کو توجہ کا مرکز بنانے کے لئے ان کے پتھر پیتل یا دیگر اشیا کے مجسمے یا بت تراش لیتے تھے اور ان بتوں،

مجسموں یا تصویروں کو سامنے رکھ کر ان سے حاجت براری کرتے تھے۔

یہ سلسلہ کچھ عرصہ تک اسی طرح چلتا رہا حتی یعتقد الجهال شیئاً فشیئاً تلك الصور معبودة بذواتها یہاں تک کہ جب جاہلوں کا دور آیا تو انہوں نے ان مجسموں کو بذاتہ معبود سمجھ لیا اور ان سے براہِ راست مشکل کشائی اور حاجت روائی کرنے لگے فیتطرق بذلك خلط عظیم اور اس طریقے سے عقیدہ میں بہت خلط ملط پیدا ہو گیا اور یہ سمجھنا مشکل ہو گیا کہ ان مجسموں یا بتوں کی پوجا کی جارہی ہے یا ان بزرگوں کی روحوں کی جن کے یہ مجسمے بنائے گئے ہیں۔ آگے فرع میں قرآن پاک نے جگہ جگہ امتیاز کر کے بتلایا ہے کہ مشرک لوگ کن کن مقامات پر کیا کیا عقیدہ رکھتے تھے۔

بہر حال اس درس میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شرک کی وضاحت کرتے ہوئے بتلایا کہ مشرکین عرب کے ہاں شرک کی ابتدا کس طرح ہوئی اور پھر اس کو کیا بنا دیا گیا۔ آگے تشبیہ، تحریف اور انکار معاد کی تشریح بھی آرہی ہے۔

والتشبیه عبارة عن اثبات الصفات البشریة لِلّٰہِ تبارك وتعالٰی، فکانوا یقولون ...... الی ...... وقد وقع التمسك فی تلك المخاصمة بمسلماتهم من بقایا الملّة الحنیفیة لیتحقق الالزام (ص۵تا۶)۔

ربطِ مضمون :

گزشتہ سبق میں شرک کا مفہوم سمجھا دیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ مختصہ میں سے کسی صفت کو غیر اللہ کے لئے ثابت کرنا شرک کہلاتا ہے۔ دراصل شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مشرکین عرب کی گمراہی کے اسباب بیان کر رہے ہیں جن میں سے پہلا سبب شرک ہے۔ آج کے درس میں شاہ صاحب نے گمراہی کے دیگر اسباب میں سے تشبیہ اور تحریف کا ذکر کر کے ان کی کچھ تفصیلات بیان کی ہیں۔

حجابات ثلاثہ :

شاہ ولی اللہ دہلوی ؒ نے انسانوں کی گمراہی کے اسباب میں حجاباتِ ثلاثہ کو بھی شامل کیا ہے آپ کے فلسفہ کے مطابق انسانوں میں پایا جانے والا پہلا حجاب حجابِ طبع ہے جو کہ مادی حجاب ہے اور اس میں کھانا پینا، پہننا، شادی کرنا، بچے پیدا کرنا اور زندگی گزارنے کے لئے لوازماتِ زندگی مہیا کرنا شامل ہے۔ اکثر لوگوں کی پوری زندگی انہی امور کی انجام دہی میں گزر جاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے حالانکہ حصول معرفت کے لئے اس حجاب کو توڑنا ضروری ہے۔

حجاب کی دوسری قسم حجاب رسم ہے۔ جو شخص طبعی حجاب سے ذرا باہر ہو جاتا ہے تو وہ اپنے ماحول میں قوم، برادری اور ملکی معمولات کی طرف دیکھتا ہے کہ لوگوں کو کن امور کی ادائیگی میں برتری اور عزت حاصل ہوتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ لوگ کون کونسی رسوم کی ادائیگی کو ضروری سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے انہیں قوم اور برادری میں عزت حاصل ہوتی ہے۔ ان عوامل میں شادی اور بیاہ کی مختلف رسوم، فوتیدگی کے رسم و رواج اور مختلف قسم کی تقریبات کا انعقاد ہوتا ہے جن کو انجام دینے والا اپنے ماحول میں سرخرو سمجھا جاتا ہے جب کہ ان رسوم کی عدم ادائیگی کی بنا پر قوم اسے کمتر آدمی سمجھتی ہے۔ چنانچہ اکثر و بیشتر لوگ اسی حجابِ رسم میں مبتلا ہو کر زندگی کے اصل مقصد کو بھلا بیٹھتے ہیں۔

حجاب سوءِ معرفت :

شاہ صاحب کے فلسفے کے مطابق حجاب کی تیسری قسم حجاب سوءِ معرفت ہے۔ جو آدمی حجابِ طبع اور حجاب رسوم سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے وہ بالعموم حجاب سوءِ معرفت میں پھنس کر اصلی کامیابی کی منزل سے محروم رہ جاتا ہے۔ شاہ صاحب ؒ فرماتے ہیں کہ حجاب سوءِ معرفت کی دو صورتیں ہیں۔ اس کی وجہ سے انسان یا تو شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے اور یا پھر تشبیہ کا شکار ہو جاتا ہے۔ شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت مختصہ کسی مخلوق میں ثابت کی جائے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ خالق ہے، علیم کل ہے، نافع اور ضار ہے، **مدبر السمٰوٰت والارض** ہے۔ اگر ان میں سے کوئی

صفت کسی بندے میں ثابت کی جائے تو یہ شرک ہوگا۔اس کے برخلاف اگر مخلوق کی کوئی صفت اللہ تعالیٰ کی ذات میں ثابت کی جائے تو اس کو تشبیہ کہتے ہیں۔مثال کے طور پر صاحبِ اولاد ہونا انسان کی صفت ہے۔جو آدمی یہی صفت اللہ تعالیٰ میں ثابت کرتا وہ تشبیہ میں مبتلا ہوکر گمراہی کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔مثلاً عیسائیوں کا عقیدہ ہے قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝ (الکھف : ۴) اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو بیٹا بنالیا ہے۔ حالانکہ بیٹا بنانا انسان کی صفت ہے مگر خدا تعالیٰ میں ثابت کرکے تشبیہ کا ارتکاب کیا گیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان انسانی لوازمات سے پاک ہے،اس کا نہ کوئی حقیقی بیٹا ہے،نہ مجازی۔وہ تو غنی ہے اسے ان چیزوں کی کیا ضرورت ہے۔اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ (الاخلاص : ۲،۳) اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔وہ نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا ہے۔عیسائی اسی غلط عقیدہ کی وجہ سے تشبیہ میں مبتلا ہوئے ہیں۔ظاہر ہے کہ اگر اللہ کا بیٹا ثابت کیا جائے تو پھر اس کی بیوی بھی ماننا پڑے گی اور اس طریقے سے انسان کی ساری صفات خدا تعالیٰ میں ماننا ہوں گی اور یہی تشبیہ ہے جو کفر ہے اور جس کی وجہ سے آدمی حجاب سوءِ معرفت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ ہر عیب اور نقص سے پاک اور منزہ ہے۔غرضیکہ جو آدمی حجاب سوءِ معرفت سے بھی بچ نکلا وہ کامیاب ہوکر حظیرۃ القدس میں پہنچ جائے گا۔

عقیدہ تشبیہ :

اب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عقیدہ تشبیہ کی وضاحت فرمائی ہے۔والتشبیہ عبارۃ عن اثبات الصفات البشریۃ لِلّٰہِ تبارك وتعالٰی فرماتے ہیں کہ تشبیہ عبارت ہے انسانی صفات کو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرنے سے۔مثلاً کھانا، پینا، پہننا، مکان بنانا، سونا، جاگنا، شادی کرنا، اولاد ہونا وغیرہ صفاتِ بشریہ ہیں۔اگر یہی صفات اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کے لئے ثابت کی جائیں گی تو ایسا کرنے والا عقیدہ تشبیہ میں مبتلا ہوکر کافر ہو جائے گا۔چنانچہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نزولِ قرآن کے زمانے کے مشرکین کے عقیدہ تشبیہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔فکانوا یقولون ان الملائکۃ بنات اللہ وہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔اللہ نے اس عقیدے کا قرآن میں کئی مقامات پر رد کیا ہے،اور اس سلسلہ میں آگے بہت سی آیات کا حوالہ دیا ہے۔مثلاً اَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ۝

(الطّور : ۳۹) کیا اللہ کے لئے بیٹیاں اور تمہارے لئے بیٹے ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰی ۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰی ۝ (النجم : ۲۱،۲۲) کیا تمہارے لئے بیٹے ہیں اور اس (اللہ) کے لئے بیٹیاں ہیں؟ یہ تو کھوٹی تقسیم ہے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اللہ جو خالق، مالک اور بلند ترین ذات ہے اس کے لئے گھٹیا چیز (بیٹیاں) ثابت کرتے ہیں، اور اپنے لئے اعلیٰ چیز یعنی بیٹے پسند کرتے ہیں۔ اور مشرک لوگوں کا یہ بھی عقیدہ تھا **وانه يقبل شفاعة عباده وان لم يرض بها** کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی سفارش قبول کرتا ہے اگر چہ وہ اس پر راضی نہ ہو۔ مطلب یہ کہ اللہ کو اپنے بندوں کی سفارش طوعاً و کرھاً قبول کرنی پڑتی ہے۔ اور اس پر دنیا کے بادشاہوں کو بطور دلیل پیش کرتے تھے۔ **كما ان الملوك يفعلون مثل ذٰلك بالنسبة الى الامراء الكبار** جیسا کہ بادشاہ اپنے کبار امراء کے معاملہ میں کرتے ہیں اور انہیں اپنے وزیروں یا گورنروں کی بات ماننی پڑتی ہے کیونکہ بادشاہ کو خطرہ ہوتا ہے کہ اگر اس کی بات نہ مانی تو کہیں مجھے نقصان نہ پہنچا دے۔

دنیا کے ملوک تو اس معاملہ میں مجبور ہو سکتے ہیں اور انہیں اپنا اقتدار بچانے کے لئے اپنے امراء، وزراء وغیرہ کی سفارش ماننی پڑتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ تو بے نیاز اور احکم الحاکمین ہے جس کی بادشاہی میں ذرہ برابر بھی کمی کا سوچا بھی نہیں جا سکتا، لہٰذا وہ اپنے کسی مقبول ترین بندے کی بھی سفارش قبول کرنے پر مجبور نہیں ہوتا۔ اگر یہ عقیدہ تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ مختارِ کل تو نہ ہوا بلکہ محتاج بن گیا، العیاذ باللہ۔ اس طریقے سے مشرک لوگ گویا اللہ کو دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کرتے تھے جو کہ درست نہیں ہے۔ **وكانوا يقيسون علمه تعالىٰ وسمعه وبصره الذى يليق بجناب الالوهية على علمهم وسمعهم وابصارهم لقصور اذهانهم** وہ لوگ اپنے ذہنوں کی کجی کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے علم اس کی سماعت اور اس کی بصارت کو اپنے علم، سماعت اور بصارت پر قیاس کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ جس طرح ہم علم حاصل کرتے ہیں، کسی چیز کو سنتے اور دیکھتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی علم حاصل کرتا ہے، سنتا ہے اور دیکھتا ہے۔ ان کا یہ عقیدہ بھی باطل تھا۔ اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی اور کلی ہے جبکہ مخلوق کا علم عطائی اور جزوی ہے۔ اللہ تعالیٰ سنتا ہے اور دیکھتا ہے مگر اس طریقے سے نہیں جس طریقے سے انسان سنتے اور دیکھتے ہیں۔ انسانوں کو تو سننے کے لئے کانوں کی اور دیکھنے کے لئے

آنکھوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ تو بے نیاز اور ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔ وہ سنتا ہے مگر اسے ہماری طرح کانوں کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ دیکھتا ہے مگر ہماری طرح آنکھوں کا محتاج نہیں ہے۔ اس کی سماعت اور بصارت بے کیف ہے ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح سنتا اور دیکھتا ہے جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔ البتہ جب مشرک لوگ خدا تعالیٰ کی سماعت اور بصارت کو اپنی سماعت اور بصارت پر قیاس کرتے ہیں **فیقعون فی القول بالتجسیم و التحیز** تو پھر وہ تجسیم اور تحیز کے قول میں پڑ جاتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ بھی انسانوں کی طرح سنتا ہے ان کی طرح دیکھتا ہے تو پھر اس کے کان اور آنکھیں بھی ہونی چاہییں جو اس کے جسم کو ثابت کرتی ہیں، نعوذ باللہ۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ عقیدہ تجسیم سے پاک ہے۔ اللہ کی جسامت ثابت کرنا بدترین قسم کا کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانا ہی کافی ہے اس کی ذات کسی مخلوق کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اگر خداوند تعالیٰ کا جسم مان لیا جائے تو پھر اس کے لئے مکان یا جگہ کی بھی ضرورت ہوگی۔ ہم مادی جسم ہیں تو ہمیں بیٹھنے یا رہنے کے لئے مکان کی ضرورت ہے کیونکہ بغیر مکان کے نہ بیٹھ سکتے ہیں، نہ کھڑے ہو سکتے ہیں اور نہ کوئی کام کاج کر سکتے ہیں۔ یہ ساری غلطیاں اس وقت وارد ہوں گی جب عقیدہ تشبیہ میں مبتلا ہو کر مخلوق کی صفات خدا تعالیٰ میں ثابت کی جائیں گی۔ الغرض! مشرکوں کی گمراہی کا ایک سبب ان کا تشبیہ کا عقیدہ تھا۔

ملت ابراہیمیہ :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے گمراہی کی تیسری وجہ تحریف بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں، **و بیان التحریف** اور عقیدہ تحریف کی حقیقت یہ ہے **ان اولاد اسماعیل علیہ الصلوٰۃ و السلام کانوا علی شریعۃ جدہ الکریم** کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر قائم تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام دونوں باپ بیٹا صاحب شریعت بلند پایہ رسول تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے اسحاق علیہ السلام کی طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بھی بارہ بیٹے تھے۔ پھر حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد فلسطین، مصر اور شام کے علاقہ میں پھیلی جبکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد عرب کی سرزمین میں اور آگے کوہستان کے پرلے کنارے تک پھیل گئی۔

کعبۃ اللہ کی تعمیر نو :

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ان کی والدہ کی معیت میں کعبۃ اللہ کے قریب لاکر چھوڑ دیا۔ سیلاب آنے کی وجہ سے اس وقت تک بیت اللہ شریف تو مسمار ہو چکا تھا، البتہ وہاں ایک ٹیلہ سا باقی تھا اسی کے قریب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی ہاجرہ اور بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کے حکم پر اور اسی کے بھروسے پر چھوڑ کر چلے گئے۔ ماں بیٹا کے پاس چند یوم کے گزارہ کے لئے پانی کا ایک مشکیزہ اور خوراک کے طور پر کچھ کھجوریں یا ستو تھے۔ جب پانی کا مشکیزہ ختم ہو گیا تو مائی صاحبہ کو بچے کی زندگی کی فکر لاحق ہو گئی۔ بچہ پیاس کے مارے بلکنے لگا۔ بچے کو تڑپتا دیکھ کر اماں ہاجرہ پانی کی تلاش میں ادھر ادھر دوڑنے لگیں۔ قریب ہی واقع کبھی صفا پہاڑی پر جاتیں اور کبھی مروہ پہاڑی کا چکر لگاتیں مگر وہاں تو پانی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اس دوران میں کم سن بچہ اسماعیل علیہ السلام اس بے آب وگیاہ زمین میں لیٹا ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔ عین اس وقت جبرئیل علیہ السلام نے اپنا پر مارا تو بچے کے قریب ہی پانی کا چشمہ جاری ہو گیا جو آب زمزم کے نام سے آج تک مخلوقِ خدا کو سیراب کر رہا ہے۔

یہ ماں بیٹا اسی پانی کے قریب گزر اوقات کر رہے تھے کہ قبیلہ جرہم کے کچھ لوگوں کا وہاں سے گزر ہوا۔ انہوں نے وہاں پر پانی کا چشمہ پا کر اسی مقام پر آباد ہو جانے کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت ہاجرہ نے ان کو اس شرط پر آباد ہونے کی اجازت دے دی کہ آبِ زمزم پر قبضہ ہمارا ہی برقرار رہیگا اور نئے آباد کار اس پانی پر قابض نہیں ہو سکیں گے۔ بہر حال قبیلہ جرہم کے آنے سے کعبۃ اللہ کے قریب آبادی بڑھنا شروع ہو گئی جو بعد میں مکہ کے نام سے موسوم ہوئی۔ اسی دوران میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام نے کعبۃ اللہ کی اصل بنیادوں پر اللہ کے حکم سے بیت اللہ شریف دوبارہ تعمیر کیا اور لوگوں کو حج کرنے کی دعوت دی۔

عرب میں شرک کا آغاز :

جب اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو ان کی شادی اسی قبیلہ جرہم میں ہی ہو گئی اور آپ کی اولاد مختلف قبائل میں تقسیم ہو کر دور دور تک پھیلتی چلی گئی۔ اس زمانے میں اولاد اسماعیل صحیح دین ابراہیم پر

تھی۔ وہ توحید کے قائل تھے۔ نماز پڑھتے تھے اور زکوۃ ادا کرتے تھے۔ نئی نئی نسلیں آتی رہیں قبائل پھیلتے رہے اور اسی طریقے سے ڈیڑھ ہزار سال کا عرصہ گزر گیا۔ حتی جاء عمرو بن لحی یہاں تک کہ عمرابن لحی کا دور آیا۔ یہ ازدی قبیلے کا آدمی تھا اور یہ قبیلہ زمانہ جاہلیت میں عربوں کا ملوک قبیلہ مانا جاتا تھا۔ یہ شخص کہیں سفر پر شام کے علاقے میں گیا۔ وہاں اس نے کچھ مجسمے بنے ہوئے دیکھے جو اسے پسند آئے اور سب سے پہلے یہ شخص وہ مجسمے شام سے حجاز لے آیا۔ عام لوگوں نے ان مجسموں کو بڑی حیرت کی نگاہ سے دیکھا پھر ان کو کعبۃ اللہ کے اندر لا کر رکھ دیا گیا۔ اول اول لوگ ان مجسموں سے بیماری کے دوران شفا طلب کرتے تھے اور ان کے گرد عبادت بھی کرتے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ ان کی باقاعدہ پوجا شروع ہوگئی حتی کہ لات، منات، عزیٰ اور ہبل جیسے بتوں کا زمانہ آ گیا۔

تحریف کی مختلف صورتیں :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جب عمرو بن لحی کا دور آیا فوضع لهم اصناما تو اس نے بت یا مجسمے لا کر رکھ دیئے۔ وشرع لهم عبادتهم اور ان کی عبادت کا طریقہ مقرر کر دیا۔ من بحيرة وسائبة وحام واستقسام بالازلام وما اشبه ذٰلك اور بحیرہ، سائبہ، حام، استقسام بالازلام اور ایسے ہی دوسرے امور کے ذریعے لوگوں میں تحریف کا عمل شروع ہو گیا۔

بحیرہ ایسے جانور کو کہا جاتا تھا جو مشرک لوگ اپنے کسی بت کے نام پر نامزد کر کے اسے کھلا چھوڑ دیتے تھے۔ وہ جہاں چاہتا تھا چرتا تھا اور جس چیز کو چاہتا منہ مارتا مگر کوئی اس کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنتا تھا۔ اس کی علامت یہ ہوتی تھی کہ اس کے کان میں سوراخ کر دیتے یا کان کا کچھ حصہ بالکل ہی کاٹ دیتے تھے اور وہ بت کے نام پر نامزد ہو کر مقدس جانور بن جاتا تھا اور نہ اس کا دودھ استعمال کیا جاتا تھا۔ سائبہ ایسے جانور کو کہتے تھے جو کسی معبود باطل کے نام پر نامزد کر کے چھوڑ دیا جاتا تھا۔ ہندوؤں کے ہاں گائے مقدس جانور ہے۔ وہ بھی بعض اوقات ایسا ہی کرتے ہیں اور کسی گائے کو کسی باطل معبود کے نام پر نامزد کر کے کھلے عام چھوڑ دیتے ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی یہ شرکیہ فعل بعض مسلمانوں میں بھی جاری ہو گیا ہے وہ بھی کسی جانور کو کسی قبر والے کے نام پر نامزد کر کے چھوڑ

دیتے ہیں وہ جو چاہے کھاتا پھرتا ہے مگر کسی قبر والے کی نیاز ہونے کی وجہ سے اس سے کوئی بھی تعرض نہیں کرتا۔

غیر اللہ کی نیاز کا مشاہدہ ہم نے خود بھی کیا تھا بہت پرانا واقعہ ہے کہ گکھڑ سے ٹانگے پر سوار ہوکر گوجرانوالہ آرہے تھے راستے میں راہوالی کے مقام سے ایک پہلوان آدمی بمعہ ایک عدد بکرے کے ٹانگے پر سوار ہوگیا۔ ہم نے پوچھا پہلوان جی، یہ بکرا کہاں لے جارہے ہو؟ کہنے لگا، یہ داتا کی نیاز ہے، لاہور لے کے جارہا ہوں۔ میں نے سمجھایا کہ اس کو داتا کی نیاز نہ کہو بلکہ اللہ کی نیاز کرو اور ثواب داتا صاحب کو پہنچاؤ تاکہ تم کو بھی ثواب ہو۔ وہ کہنے لگا، چھوڑو جی، اللہ کیا اور داتا کیا، ایک ہی بات ہے۔ غرضیکہ معبودان باطلہ کے نام پر نامزد کرنے کی ریت بہت پرانی ہے جو آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی برابر چل رہی ہے۔

حام اس جانور کو کہتے تھے جو اپنی پشت محفوظ کر لیتا تھا۔ اور اس کی صورت یہ تھی کہ جس جانور کی جفتی سے ایک مقررہ تعداد میں بچے پیدا ہو جاتے تھے اس کو مقدس خیال کر لیا جاتا تھا۔ پھر وہ کسی معبود باطل کے نام پر نامزد کر دیا جاتا اور اس پر سواری کرنا ممنوع قرار پاتا تھا۔ گویا اس جانور نے اپنی پشت محفوظ کر لی ہے۔

جوئے کے تیر :

مشرکین کے ہاں شرک کی ایک چوتھی قسم **استقسام بالازلام** یعنی جوئے کے تیروں کے ذریعے قسمت آزمائی کا طریقہ تھا۔ ان کے تھیلے میں بہت سے تیر ہوتے تھے۔ کسی تیر پر **نعم** کسی پر **لا** کا لفظ لکھا ہوتا تھا اور بعض تیر خالی ہوتے تھے۔ جب کبھی کوئی سفر درکار ہوتا یا کوئی اہم کام درپیش ہوتا تو مشرک لوگ ان تیروں کے ذریعے معلوم کرتے کہ آیا مذکورہ سفر یا کام ان کے لئے مفید ثابت ہوگا یا غیر مفید۔ اور پھر اس طریقے سے حاصل ہونے والے نتیجہ کے مطابق وہ مطلوبہ سفر یا کام انجام دیتے یا اس کو غیر مفید سمجھتے ہوئے رک جاتے یا پھر اسے کسی آمدہ وقت کے لئے مؤخر کر دیتے۔ چنانچہ وہ جوئے کے تیروں والے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر کوئی ایک تیر نکالتے اگر وہ تیر نعم کے لفظ والا نکلتا تو اس کا یہ مطلب لیتے کہ یہ سفر یا کام ان کے لئے مفید ہے لہٰذا وہ کر گزرتے۔ اور اگر تھیلے سے نکالے جانے والے تیر پر

لا کا لفظ لکھا ہوتا تو مطلوبہ سفر یا کام کو غیر مفید سمجھتے ہوئے اسے انجام دینے کا ارادہ ترک کر دیتے۔ اور اگر نکالے جانے والے تیر پر کوئی لفظ نہ لکھا ہوتا یعنی خالی تیر نکلتا تو اس کا مطلب یہ لیتے کہ فی الحال یہ سفر یا کام مؤخر کر دینا چاہیے اور اس کے لئے پھر کسی وقت قسمت آزمائی کرنی چاہیے۔

جوئے کے ان تیروں کے ذریعے قسمت آزمائی یا تقسیم کا ایک اور طریقہ بھی رائج تھا۔ بالعموم قحط سالی کے زمانہ میں ایسا کرتے تھے کہ دس آدمی مل کر ایک اونٹ خریدتے، اس کو نحر کر کے اس کا گوشت دس برابر حصوں میں تقسیم کر کے ڈھیریاں لگا دیتے۔ ان کے پاس دس تیر ہوتے تھے۔ ان میں سے سات تیروں پر ایک سے لے کر سات تک نمبر لکھے ہوتے اور تین تیر خالی ہوتے۔ وہ دس تیر ایک تھیلے میں ڈالتے اور پھر اونٹ کا ہر حصہ دار تھیلے میں ہاتھ ڈال کر ایک ایک تیر نکالتا۔ جس شخص کے ہاتھ میں جس نمبر کا تیر آ جاتا وہ گوشت کے اتنے حصے لے جاتا اور جس کے ہاتھ خالی تیر آتا وہ محروم رہ جاتا۔ اس طریقے سے بعض حصے داروں کو زیادہ حصہ مل جاتا اور بعض محروم رہ جاتے۔ اس عمل کو تیروں کے ذریعے تقسیم کا عمل کہا جاتا۔ یہ جوئے کی ایک بدترین قسم تھی جو مشرکوں میں سخاوت کی علامت سمجھی جاتی تھی اور جو آدمی ایسے کام میں شریک نہیں ہوتا تھا اسے معاشرے میں بخیل آدمی سمجھا جاتا تھا۔ جوئے کی ان چاروں صورتوں کو اللہ نے سورۃ مائدہ میں حرام قرار دیا ہے۔

وما اشبہ ذٰلك اور اس قسم کی دوسری شرکیہ خرافات بھی عرب کے مشرکین میں رائج تھیں جو عمرو ابن لحی نے جاری کی تھیں۔ یہ بھی تحریف ہی کا ایک حصہ تھا کہ مشرکوں نے خانہ کعبہ کے اندر حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مجسمہ رکھا ہوا تھا اور ان کے ہاتھ میں جوئے کے تیر پکڑائے ہوئے تھے اور اس طرح جوئے کے مروجہ طریقے ان کی طرف منسوب کرتے تھے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ادھر سے گزر ہوا تو آپ نے فرمایا، خدا لعنت بھیجے ان مشرکوں پر۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تو کبھی ایسی جاہلانہ حرکت نہیں کی تھی۔ یہ تحریف تھی جیسا کہ آج کل بھی اہلِ بدعت ہر شرکیہ کام کو بزرگوں کی طرف منسوب کر کے اسے دین کا حصہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور جو آدمی اس کی مخالفت کرے اسے وہابی یا بے دین ہونے کا طعنہ دیتے ہیں، العیاذ باللہ!

وقد وقعت هذه الحادثة قبل بعثته صلى الله عليه وسلم بثلاثمائة سنة تقريباً

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شرک کے آغاز والا حادثہ سرزمین عرب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے تقریباً تین سو سال قبل پیش آیا۔ بعض مورخین نے چار سو یا ساڑھے چار سو سال کا ذکر بھی کیا ہے۔

وکان الجهلة يتمسكون في هذه الباب بآثار آبائهم اور اس سلسلہ میں مشرک لوگ اپنے آباؤ اجداد کے آثار کے ساتھ وابستگی کا دعویٰ کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ ہمارے باپ دادا ایسا ہی کرتے آئے ہیں، لہٰذا ہم بھی انہی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے یہ افعال انجام دے رہے ہیں۔ اس بات کی شہادت خود قرآن پاک نے بھی دی ہے کہ جب ان سے کہا جاتا کہ اس چیز کا اتباع کرو جو اللہ نے اپنی آخری کتاب قرآن میں نازل فرمائی ہے تو وہ جواب دیتے بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا ط اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآءُ هُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ○ (البقرہ : ۱۷۰) کہ ہم تو اس چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا۔ اگرچہ ان کے باپ دادا بے عقل اور ہدایت سے محروم ہی کیوں نہ ہوں۔ وكانوا يعدون ذلك من الحجج القاطعة اور اس طریقے سے مشرک لوگ اپنے آباؤ اجداد کے عمل کو اپنے لئے حجت قاطعہ سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک اس سے بڑی کوئی دلیل نہیں تھی کہ ان کا فلاں بزرگ اسی طرح کرتا رہا ہے۔

یہاں پر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شرک، تشبیہ اور تحریف کی وضاحت مختصر طور پر کی ہے۔ مزید تفصیلات بڑی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

بعث بعد از موت :

مشرکین عرب کی ایک خرابی یہ بھی تھی کہ وہ مرنے کے بعد جی اٹھنے کو بعید از قیاس سمجھتے تھے جو کہ ان کی گمراہی کی ایک وجہ تھی۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وقد بين الانبياء السابقون الحشر والنشر انبیاء سابقین حضرت ہود، صالح، داؤد، سلیمان علیہم السلام نے بھی اپنی اپنی اقوام کو حشر نشر کے متعلق خبردار کیا تھا۔ اور انہیں بتایا تھا کہ ایک وقت آنے والا ہے جب اللہ تعالیٰ تمام فوت شدگان کو دوبارہ زندہ کر کے اپنے سامنے کھڑا کرے گا اور پھر ان سے زندگی بھر کے اعمال کا محاسبہ بھی کرے گا۔

لكن ليس ذلك البيان بشرح وبسط مثل ماتضمنه القرآن العظيم مگر ان کا یہ بیان اس قدر مفصل نہیں تھا جس قدر شرح و بسط کے ساتھ قرآن پاک نے بعث بعد موت، حساب کتاب اور

جزا وسزا کا مسئلہ بیان کیا ہے۔ ولـذالك ماكان جمهور المشركين مطلعين عليه یہی وجہ ہے کہ مشرکین کی اکثریت کو اس مسئلہ سے واقفیت نہیں تھی۔ سابقہ کتب سماویہ تورات اور انجیل میں زیادہ تر احکام ہی تھے اور قیامت کا ذکر بھی تھا مگر اتنی تفصیل کے ساتھ نہیں تھا جو قرآن نے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ قرآنِ پاک کا ایک تہائی حصہ صرف وقوعِ قیامت اور مابعد میں پیش آنے والے حالات پر مشتمل ہے اور اس کے ہر جزو کے بارے میں مکمل راہنمائی کی گئی ہے مگر مشرکین اس پر مطلع نہ ہونے کی وجہ سے و کانوا یستبعدونه حشر نشر کو بعید از قیاس جانتے تھے۔

وهٰؤلاء الجماعة وان اعترفوا بنبوة سيدنا ابراهيم وسيدنا اسماعيل بل بنبوة سيدنا موسىٰ عليهم السلام ايضًا اور مشرکین کی یہ جماعت سیدنا ابراہیم، سیدنا اسماعیل بلکہ سیدنا موسیٰ علیہم السلام کی نبوت کو بھی تسلیم کرتے تھے۔ لكن كانت الصفات البشرية التى هى حجاب لجمال الانبياء الكامل تشوشهم تشويشًا مگر صفات بشریہ جو کہ جمال انبیاء علیہم السلام میں مکمل حجاب ہوتی ہیں، وہ ان لوگوں کو تشویش میں مبتلا کر دیتی تھیں۔ وہ کہتے تھے کہ ہم ان کو نبی تو تسلیم کرتے ہیں مگر یہ نبی ہو کر انسانوں والے کام کیسے کرتے ہیں؟ یہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح کھاتے پیتے ہیں، کام کاج کرتے ہیں، بیوی بچے رکھتے ہیں، تنگی اور آسائش کے حالات ان پر بھی وارد ہوتے ہیں، ان کے زعم کے مطابق نبی کوئی ایسی ہستی ہونی چاہیے جو انسانی صفات کا حامل نہ ہو۔ بلکہ انسان سے بالا ہستی ہونی چاہیے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے متعلق کہتے تھے۔ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِىْ فِى الْاَسْوَاقِ ط ○ (الفرقان : ۷) یہ کیا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ مگر اللہ نے ان کے اس باطل زعم کی تردید فرمائی اور واضح فرما دیا وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ ط ○ (الفرقان : ۲۰) اے پیغمبر! ہم نے آپ سے قبل جتنے بھی رسول بھیجے ہیں، وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ گویا آپ کی صفت کوئی انوکھی صفت نہیں ہے جس پر مشرکین اعتراض کرتے ہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مشرکین کا یہ اعتراض ان کی کج فہمی کی وجہ سے تھا ولم يعرفوا

حقيقة تدبير الله عزوجل الذی هو مقتضی بعثة الانبياء دراصل وہ اللہ تعالیٰ کی اس حکمت کو نہیں پہچانتے تھے جو انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا تقاضا کرتی تھی۔ وہ اس بات کو نہیں سمجھتے تھے کہ انسانوں کی ہدایت کے لئے کسی انسان ہی کا نبی ہونا ضروری ہے۔ انسانوں کی راہنمائی کے لئے فرشتوں کا نبی ہونا مناسب نہیں کیونکہ فرشتے تو مادیت سے پاک ہیں، وہ پیدائشی طور پر کامل ہوتے ہیں اور انہیں کھانے پینے یا انسانوں کی طرح دوسری ضروریات زندگی کی ضرورت نہیں ہوتی، لہٰذا فرشتے انسانوں کے مقتدا اور ان کے لئے نمونہ نہیں بن سکتے۔ نبی تو انسان ہی ہونا چاہیے جو اپنے ہم نوع انسانوں کی راہنمائی کر سکے۔ چنانچہ نبی میں بھی تمام لوازماتِ بشریہ پائے جاتے ہیں البتہ اللہ تعالیٰ اسے بذریعہ وحی ایسا علم عطا فرماتا ہے جو اسے باقی انسانوں سے ممتاز کر دیتا ہے۔ نبی معصوم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو صغائر کبائر سے محفوظ رکھتا ہے، اسی لئے وہ انسانوں کے لئے قابل اقتداء ہوتا ہے۔

اسی غلط فہمی کی بنا پر فکانوا يستبعدون ذلك وہ نبی کے انسان ہونے کو بعید از قیاس تصور کرتے تھے۔ لما الفوا المماثلة بين الرسول والمرسل کیونکہ وہ رسول اور مرسِل کے درمیان مماثلت سے مانوس تھے۔ ان کا خیال تھا کہ قاصد بھی ویسا ہی ہونا چاہیے جیسا اس کو بھیجنے والا ہے۔ گویا وہ رسول اور خدا تعالیٰ میں کوئی فرق نہیں رکھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کھانے پینے سے پاک ہے اور بیوی، بچوں سے مجرد ہے اس کا رسول بھی انہی صفات کا حامل ہونا چاہیے۔ اس بنا پر فكانوا يوردون شبهات واهية غير مسموعة۔ وہ نہایت کمزور اور ناقابل سماعت شبہات کا اظہار کرتے تھے كما قالوا فيهم جیسا کہ ان میں سے بعض کہتے تھے كيف يحتاجون الى الشراب والطعام وهم انبياء وہ نبی ہو کر کھانے پینے کے کیسے محتاج ہو سکتے ہیں؟۔ وهلا يرسل الله سبحانه وتعالىٰ الملائكة؟ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو نبی بنا کر کیوں نہیں بھیج دیتا۔ ولم لاينزل الوحى على كل انسان على حدته ؟ اللہ تعالیٰ ہر شخص پر الگ الگ وحی کیوں نہیں بھیج دیتا؟ اگر اس شخص (نبی) پر وحی آتی ہے تو ہم پر کیوں نہیں آتی؟ ہمارے پاس بھی وحی آئے اور ہمیں براہِ راست کتاب دے، تو پھر ہم مانیں گے کہ واقعی یہ منزل من اللہ تعالیٰ ہے مگر وہ لوگ یہ بات نہیں سمجھتے تھے کہ ہر انسان اس قابل نہیں ہوتا کہ اس پر وحی نازل ہو۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہوتا ہے۔ جس شخص میں وحی حاصل

کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے اس کو خدا تعالیٰ وحی سے نوازتا ہے۔ وعلی ھذا الاسلوب اور وہ لوگ اسی قسم کے دیگر شبہات کا اظہار کرتے تھے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں وان کنت متوقفاً فی تصویر حال المشرکین و عقائدھم واعمالھم اے مخاطب! اگر تمہیں اس دور کے مشرکین کے مذکورہ حالات کی تصویر کشی یعنی ان کے عقائد اور ان کے اعمال کو تسلیم کرنے میں توقف ہو توفانظر الی حال العوام والجھلة من اھل الزمان تو موجودہ زمانے کے عوام اور جہلاء کا حال دیکھ لو۔ خصوصًا من سکن منھم باطراف دار الاسلام خصوصًا ان کو جو دار الاسلام یعنی دہلی کے اطراف میں دیہاتی رہتے ہیں۔ ان کے اس حال سے اندازہ لگا لو کیف یظنون الولایة وما ذا یتخیل ایھم منھا کہ ولایت کے متعلق کیا گمان کرتے ہیں اور یہ کہ ان کے خیال میں ولایت کیا چیز ہے۔ ومع انھم یعترفون بولایة الاولیاء المتقدمین علاوہ ازیں یہ بھی کہ وہ گزشتہ زمانے کے اولیاء کو تو مانتے ہیں۔ یعدون وجود الاولیاء فی ھٰذا الزمان من قبیل المحال مگر موجودہ زمانے میں اولیاء کے وجود کو امر محال سمجھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم نے تو ان میں کرامت والی کوئی بات نہیں دیکھی۔ حالانکہ کرامت کا ظاہر ہونا ولایت کے لئے شرط تو نہیں ہے۔ ولایت تو ایمان، تقویٰ اور شرائع کی پابندی کا نام ہے۔ اگر کسی میں یہ چیزیں موجود ہیں تو وہ اللہ کا ولی ہے خواہ عمر بھر اس سے کوئی کرامت نہ ظاہر ہوئی ہو۔ بعض بزرگوں سے اللہ نے خارق عادت چیزیں بھی ظاہر کرائی ہیں جو نمایاں ہیں۔ مگر بعض سے ساری عمر کوئی کرامت ظاہر نہیں ہوئی۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے چاروں صاحبزادے اللہ کے ولی تھے۔ ان میں شاہ عبدالقادر اگرچہ شاہ عبدالعزیز سے چھوٹے تھے مگر صاحبِ کرامت تھے۔ البتہ شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین اور سب سے چھوٹے شاہ عبدالغنی سب بلند پایہ عالم، نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔ ساری عمر دین کی نشر و اشاعت میں گزری اور سارے ہی بلاشبہ ولی اللہ تھے اگرچہ صاحب کرامت نہیں تھے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ آپ جب نوکر سے کتابیں اٹھوا کر درس میں لاتے تھے تو شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ سبق نہیں پڑھاتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے شاہ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ بھی اللہ کے ولی تھے مگر ان سے بھی کوئی کرامت ظاہر نہیں ہوئی۔

بہر حال شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مشرکین عرب سابقہ انبیاء کو تو مانتے تھے مگر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کا انکار کرتے تھے بالکل اسی طرح جس طرح موجودہ دور کے جہلا سابقہ اولیاء کو تو مانتے ہیں مگر موجودہ زمانے کے اولیاء اللہ کا انکار کرتے ہیں۔ اور اس کی بجائے **ویذهبون الى القبور والآثار** وہ قبروں اور آستانوں پر جاتے ہیں۔ **ویرتکبون انواعًا من الشرك** اور وہاں جا کر طرح طرح کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ **وکیف تطرق الیهم التشبیه والتحریف؟** اور تشبیہ اور تحریف کے عقیدہ نے ان مشرکین کی طرف کیسے راہ پایا کہ انہوں نے احکام اور مسائل کو تبدیل کر دیا؟ **ففی الحدیث الصحیح** صحیح حدیث میں اس کی نشاندہی کی گئی ہے اور وہ یہ کہ **لتتبعن سنن من کان قبلکم** تم بھی اپنے سے پہلے گزرنے والے لوگوں کی پیروی کرو گے **حذو النعل بالنعل** جس طرح ایک جوتا دوسرے جوتے کے ساتھ سائز اور شکل وصورت میں بالکل برابر ہوتا ہے اسی طرح تم بھی پہلے لوگوں کے ساتھ بالکل مشابہت اختیار کرو گے۔ جس طرح وہ شرک، تشبیہ اور تحریف میں مبتلا ہوئے تم بھی انہی باتوں میں مبتلا ہو گے۔ لوگوں نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا، حضور! کیا پہلے لوگوں سے یہود ونصاریٰ مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا، ہاں! وہی مراد ہیں، وہی تم سے پہلے گزرے ہیں۔ پھر شاہ صاحب رحمہ اللہ تجزیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں **وما من آفة من هذه الآفات الا و قوم من اهل هذا الزمان واقعون فی ارتکابها** چنانچہ پرانے زمانے کی آفات میں سے کوئی آفت ایسی نہیں ہے جو موجودہ زمانے کے لوگوں میں نہ پائی جاتی ہو۔ یہ بھی انہی آفات کا ارتکاب کر رہے ہیں جن کا ارتکاب پچھلے لوگ کرتے تھے **معتقدون مثلها** اور یہ بھی وہی اعتقاد رکھتے ہیں جو پہلے لوگ رکھتے تھے۔ ان کا عقیدہ بھی انہی کی طرح کا ہے۔ **عافانا الله سبحانه من ذٰلك** اللہ تعالیٰ ہمیں ان ساری مصائب سے عافیت میں رکھے اور ہم شرکیہ اور بدعقیدگی کی دوسری باتوں میں ملوث نہ ہوں۔

وبالجملة اور خلاصہ کلام یہ ہے۔ **فان الله سبحانه وتعالی برحمته بعثه صلی الله علیه وسلم فی العرب** کہ اللہ تعالیٰ سبحانہ وتعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رحمت سے عرب کی سرزمین میں مبعوث فرمایا۔ **وامره باقامة الملة الحنیفیة** اور آپ کو ملت ابراہیمیہ کے قیام کا حکم

دیا۔ ملت ابراہیمیہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے یعنی ہر طرف سے ہٹ کر ایک خدا کی طرف لگنے والے دین کو قائم کرنے کا حکم دیا۔ اور یہ بھی حکم دیا **وخاصمهم في القرآن العظيم** کہ مشرکین کے ساتھ قرآن میں بیان کردہ حقائق کے ساتھ بحث مباحثہ کریں۔ **وقد وقع التمسك في تلك المخاصمة بمسلماتهم** اور اس مخاصمت میں مشرکوں کے ہاں تسلیم شدہ حقائق کو پیشِ نظر رکھیں، ان مسلمات سے دلیل پکڑیں **من بقايا الملة الحنيفية** جو ملت حنیفیہ میں سے ابھی تک ان کے ہاں تسلیم شدہ ہیں۔ **ليتحقق الالزام** تاکہ ان پر الزام ثابت ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جب مشرک لوگ ملت ابراہیمیہ کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ملت ابراہیمیہ کی بعض چیزیں ابھی تک ان کے ہاں مانی جاتی ہیں تو پھر آپ انہی حقائق کو بحث مباحثہ کے وقت ان کے سامنے رکھیں تاکہ ملت ابراہیمیہ سے انحراف کا جو الزام ان پر عائد ہوتا ہے، وہ ثابت ہو جائے۔ اور وہ شرکیہ افعال کے ارتکاب کا کوئی جواز پیش نہ کر سکیں۔

فجواب الاشراك اولاً: طلب الدليل ونقض التمسك بتقليد الآباء ...... الى ...... وثانياً: بيان موافقة اهل الكتب الالهية في الاخبار به۔ (ص : ٦)۔

ربط مضمون :

پہلے شاہ صاحب رحمہ اللہ نے مشرکین کی گمراہی کے اسباب اجمالاً بیان کئے کہ ان میں شرک، تشبیہ، تحریف، رسولوں کا استبعاد اور بعث بعد الموت کا استبعاد پایا جاتا تھا، نیز ان میں بہت سے گناہ بھی پائے جاتے تھے جو ان کی گمراہی کے اسباب تھے۔ اب صاحبِ کتاب نے ہر ایک خرابی کا الگ الگ تجزیہ کیا ہے۔ آپ نے سمجھایا ہے کہ مشرکین کے ساتھ کس طریقے سے بحث مباحثہ کرنا چاہیے۔

شرک کا جواب :

ردِ شرک کے متعلق فرماتے ہیں **فجواب الاشراك اولاً طلب الدليل** مشرکین کے شرک کا جواب یہ ہے کہ سب سے پہلے ان سے شرک کرنے کی دلیل طلب کی جائے کہ وہ کس بنا پر شرک

کا ارتکاب کرتے ہیں۔اس بات پر قرآن نے بھی ان کو چیلنج کیا ہے۔ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ (البقرہ : ۱۱۱)

اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو کوئی دلیل پیش کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ خود ہی اعلان فرما رہا ہے۔ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لا لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ لا (المومنون : ۱۱۷) جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو بھی پکارتا ہے، اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ان کے پاس تو محض سنی سنائی باتیں ہیں۔یا پھر وہ اپنے آباؤ اجداد کی تقلید کو ہی بطور دلیل پیش کرتے ہیں حالانکہ یہ کوئی دلیل نہیں ہے۔اللہ نے فرمایا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ○ (البقرہ : ۱۷۰) اگر ان کے آباؤ اجداد بے عقل ہوں تو کیا پھر بھی وہ انہی کی تقلید کرتے رہیں گے۔وہ تو یہی کہتے تھے بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا ○ (لقمٰن ـ ۲۱) ہم تو اسی چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔یہی بلا دلیل اندھی تقلید ہے جو گمراہی کا باعث ہے۔فرمایا! کہ مشرکوں سے اولاً ان کے شرک کی دلیل طلب کی جائے۔اور اس کے ساتھ ونقض التمسك بتقليد الآباء ان کے آباؤ اجداد کی تقلید کو عقلی اور نقلی دلائل کے ساتھ توڑا جائے کہ اندھی تقلید کرنا تو کوئی عقلمندی کی بات نہیں ہے۔

وثانیاً اور تردید شرک کے لئے دوسری بات یہ ہے کہ عدم التساوی بين هٰؤلاء العباد وبينه تبارك وتعالى کہ بندوں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے درمیان عدم مساوات ثابت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ خالق اور مالک ہے، وہ علیم کل اور قادرِ مطلق ہے جبکہ بندے اس کے محتاج ہیں۔لہٰذا ان میں کوئی مساوات نہیں ہے۔

مشرک لوگ اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ بندوں میں اور بندوں کی صفات اللہ جل شانہٗ میں ثابت کرتے ہیں جو کہ قطعاً غلط ہے۔وہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ثابت کرتے ہیں اور اولاد اپنے والدین کے مساوی ہوتی ہے۔مگر اللہ اور بندوں کے درمیان تو کوئی مساوات نہیں ہے۔الغرض! پہلی بات یہ ہے کہ بندوں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی مساوات نہیں اور پھر واختصاصه عز وجل باستحقاق اقصى غاية التعظيم بخلاف هٰؤلاء العباد۔ اللہ تعالیٰ کی ذات انتہائی تعظیم کی مستحق ہے جبکہ یہ بندے تو ایسی تعظیم کے لائق نہیں ہیں۔عبادت سے مراد انتہائی درجے کی تعظیم ہے جو بندے اپنے

پروردگار کے لئے خاص کرتے ہیں۔ اور یہ اسی کا حق ہے۔ دوسری کتابوں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مستحق عبادت وہ ذات ہوتی ہے جس میں خلق اور تدبیر کی صفات پائی جائیں۔

اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْئٍ (الزمر۔۶۲) ہر چیز کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہے۔ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ۔ (السجدۃ۔۵) آسمان سے لے کر زمین تک کی تدبیر تو وہی کرتا ہے۔ جبکہ یہ صفات ان دیگر معبودوں میں ہرگز نہیں پائی جاتیں، لہٰذا ان کی غایت درجہ کی تعظیم کیسے ہوسکتی ہے جو کہ فقط اللہ وحدہٗ لاشریک کے لئے روا ہے۔

وثالثاً شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مشرکین کے ساتھ مخاصمت کا تیسرا نقطہ یہ ہے بیان اجماع الانبیاء علی ھٰذہ المسئلۃ کہ ان کے سامنے بیان کیا جائے کہ اس مسئلہ پر تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ نہ اس کی صفتِ مختصہ میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ ہی کوئی انسانی صفت اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بھی واضح کردیا ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ○ (الانبیاء۔۲۵) ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ لہٰذا میری ہی عبادت بجالاؤ۔

وَرابعاً اور شرک کی تردید کے لئے چوتھا نقطہ یہ ہے بیان شناعۃ عبادۃ الاصنام کہ بتوں کی عبادت کی قباحت بیان کی جائے اور ان پہ واضح کیا جائے وَسقوط الاحجار من مراتب الکمالات الانسانیۃ کہ پتھر کمالات انسانیہ سے خالی ہیں۔ یہ جو تم نے پتھر، لکڑی، چاندی یا پیتل کے بت بنائے ہوئے ہیں اور جن کے سامنے تم سجدہ کرتے ہو اور ان کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر ان سے حاجات طلب کرتے ہو، یہ تو جامد اور بے جان چیزیں ہیں جن میں انسانی کمالات کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ ان کو توڑ دو، پھینک دو، ایک جگہ سے دوسری جگہ اٹھا کر لے جاؤ، یہ تو بے چارے بے بس ہیں۔ جنہیں ہر حرکت کے لئے تمہاری مدد کی ضرورت ہے، وہ تو عقل وشعور سے تہی دست اور انسانیت کے درجے سے بھی کم تر ہیں۔ فکیف بمرتبۃ الالوھیۃ۔ لہٰذا یہ بے جان چیزیں الوہیت کے مرتبہ پر کیسے فائز ہوسکتی ہیں؟ شاہ صاحب فرماتے ہیں وَھذا الجواب مسوق لقوم یعتقدون

الاصنام معبودین لذاتھم یہ جواب ان لوگوں کے لئے جو اصنام کو اپنی ذات میں معبود ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ تو بہت ہی گھٹیا قسم کے لوگ ہیں جو جمادات کو معبود سمجھے بیٹھے ہیں۔ البتہ بعض ایسے ہیں جو اصنام کو قبلہ معبود سمجھتے ہیں یعنی ان کو سامنے رکھ کر اصل معبود کا تصور کرتے ہیں۔ یہ لوگ بھی شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔

وجواب التشبیہ مشرکین کے عقیدہ تشبیہ کے متعلق بحث مباحثہ کے لئے شاہ صاحب نے یہ لائحہ عمل تجویز کیا ہے۔ اولاً طلب الدلیل سب سے پہلے انہی سے عقیدہ تشبیہ کی دلیل طلب کی جائے کہ وہ بندوں کی صفات اللہ تعالیٰ میں کیسے ثابت کرتے ہیں۔ ونقض التمسك بتقليد الآباء اوران کے آباؤ اجدا کی تقلید کا رد کیا جائے۔ ان سے پوچھا جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد کیسے ثابت کرتے ہیں اور آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کیسے روا ہے جبکہ ان کے آباؤ اجداد عقل وشعور اور ہدایت سے عاری ہوں۔

وثانیاً اور دوسرا نقطہ شاہ صاحب یہ فرماتے ہیں بیان ضرورۃ المجانسۃ بین الوالد والولد کہ والد اور اولاد کا آپس میں ہم جنس ہونا ضروری ہے۔ وھی مفقودۃ اور یہ چیز اللہ اور مخلوق کے درمیان ناپید ہے۔ اللہ تعالیٰ تو مادیت سے پاک ہے جبکہ انسان اور ساری شرکیہ چیزیں مادی ہیں۔ لہٰذا بندوں کی صفات اللہ تعالیٰ میں ثابت نہیں کی جاسکتیں۔

وثالثاً اور عقیدہ تشبیہ کے رد کے لئے تیسری بات یہ ہے بیان شناعۃ اثبات ماھو مکروہ ومذموم عند انفسھم للہ تبارك وتعالیٰ جو چیزیں خود مشرکوں کے نزدیک بھی مکروہ اور مذموم ہیں ان کی قباحت کو بیان کیا جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے کیسے ثابت کرتے ہیں۔ جیسے اللہ نے فرمایا ہے۔ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ○ (الصّٰفّٰت۔۱۴۹) کیا تمہارے رب کے لئے بیٹیاں ہیں اور تمہارے لئے بیٹے ہیں۔؟ یہ بدبخت اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں پسند کرتے ہیں جو اگر خود ان کی طرف منسوب کی جائیں تو ان کا منہ کالا ہو جاتا ہے۔ اور اس کو زندہ درگور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس چیز کو اپنے لئے برا خیال کرتے ہیں، وہ اللہ کی ذات کے لئے کیسے ثابت کرتے ہیں؟ شاہ صاحب فرماتے ہیں وَھذا الجواب مسوق لاجل قوم اعتاد والمقدمات المشھورۃ

والمتوهمات الشعرية یہ جواب ان لوگوں کے لئے ہے جومشہور قصے کہانیوں یا شعروشاعری کے توہمات میں مبتلا ہیں مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے مزاج اس قدر بگڑ چکے ہیں کہ حقیقت کوتسلیم کرنے کی بجائے لوگوں میں پائی جانے والی کہانیوں کا سہارا لیتے ہیں یا پھر اشعار میں کہی گئی غلط ملط باتوں کو دلیل بناتے ہیں۔فرمایاو اکثرهم علٰى هذه الصفة اوران میں سے اکثر لوگ اسی صفت کے حامل ہیں یعنی وہ قصے کہانیوں اور شعروشاعری پر انحصار کر کے شرکیہ افعال کوترک کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

وجواب التحريف اس کے بعد شاہ صاحب عقیدہ تحریف کے حاملین کیلئے یہ جواب بتلاتے ہیں بیان عدم نقله عن آئمة الملة یعنی جن مقاصد کوتم حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہو۔ وہ توان بڑے اماموں سے منقول ہی نہیں ہیں۔ اور اگر انہوں نے ایسی کوئی بات کی ہےتو اس کا ثبوت پیش کرو۔ چنانچہ بحث مباحثہ کرتے وقت یہ بات واضح کرنی چاہیے کہ وبيان ان ذٰلك كله اختراع و ابتداع غير معصوم یہ ساری باتیں اختراع ہیں من گھڑت اور ابتداع یعنی نئی ہیں اور انبیاء کے علاوہ یہ باتیں جن اشخاص کی طرف منسوب کی جاتی ہیں وہ معصوم نہیں ہیں بلکہ ان سے بھی غلطی سرزد ہوسکتی ہے لہٰذا ایسی باتوں کوعقیدے کا جزو بنالینا کسی طرح بھی قرین قیاس نہیں ہے یہ تحریف کا جواب بھی ہوگیا۔

وجواب استبعاد الحشر والنشر شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حشر نشر کے بعید از قیاس ہونے کا جواب اس طرح ہے۔

اولاً :القياس على احياء الارض پہلی بات یہ ہے کہ بعث بعد الموت اور حشر نشر کو زمین کی دوبارہ زندگی پر قیاس کیا جائے۔ خشک سالی کے دوران زمین مردہ ہو جاتی ہے اور اس کی ہریالی ختم ہو جاتی ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ بارش برساتا ہےتو اس مردہ زمین میں دوبارہ زندگی آتی ہے۔ اس میں روئیدگی آتی ہے۔ اور سبزہ اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ کیا یہ روئیدگی کوئی سائنس دان انجینئر ڈاکٹر یا کوئی فلاسفر پیدا کرتا ہے؟ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ ہی زمین کو دوبارہ زندگی بخشتا ہے اور وہ پھل، پھول، اناج، چارہ اور سبزہ اگانے لگتی ہے۔ وما اشبه ذلك اور اسی قسم کی روزمرہ مشاہدہ میں آنے والی

دوسری چیزوں کو بھی عقیدہ حشر نشر پر دلیل بنایا جاسکتا ہے۔ یہ سب چیزیں بغیر کسی فاعل کے خود بخود تو نہیں پیدا ہو جاتیں بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ ہی اپنی قدرت تامہ کے ساتھ اگاتا ہے۔ اور یہ عقیدہ رکھنا کہ ہر چیز خود ہی معرضِ وجود میں آرہی ہے اور اس کے پیچھے کام کرنے والی کوئی قدرت نہیں ہے۔ یہ بات عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔

مشرک لوگ یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ اگر واقعی قیامت آنے والی ہے جب ہر چیز تہ و بالا ہو جائے گی، مردے زندہ ہوں گے اور حساب کتاب کی منزل سے گزریں گے تو وہ قیامت آتی کیوں نہیں؟۔ تو اسی کا جواب یہ ہے کہ ہر چیز اپنے وقت پر آتی ہے۔ کسی چیز کو قبل از وقت لانا کسی مخلوق کے بس میں نہیں ہے۔ دن اور رات اپنے اپنے وقت پر آتے ہیں۔ سورج اور چاند مقررہ پروگرام کے مطابق اپنے اپنے وقت پر طلوع اور غروب ہوتے ہیں۔ سرما، گرما، بہار اور خزاں کے موسم اپنے وقت پر آتے ہیں۔ اور کسی کی مجال نہیں جو ان امور میں تقدیم و تاخیر کر سکے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قیامت کا بھی ایک وقت مقرر کر رکھا ہے جس کا علم اس ذاتِ خداوندی کے علاوہ کسی کو نہیں ہے۔ جب وہ وقت آئے گا تو ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر قیامت برپا ہو جائے گی اور پھر حشر نشر، حساب کتاب اور جزا و سزا کا سارا سلسلہ عمل میں آجائے گا۔

وتنقيح المناط الذی هو شمول القدرة۔ اور حشر نشر کی تنقیح مناط یہ ہے کہ ہر چیز قدرتِ خداوندی میں شامل ہے۔ **وامكان الاعادة** اور اس کا اعادہ بھی ممکن ہے۔ جب کوئی چیز ختم ہو جاتی ہے تو اس کو لوٹانا قدرت خداوندی میں شامل ہے جیسا کہ روزمرہ مشاہدات سے ثابت ہے۔

وثانياً اور دوسری بات یہ ہے **بيان موافقة اهل الكتب الالهية فی الاخبار به** ان امور کی خبر دینے میں اہلِ کتاب بھی موافق ہیں۔ تمام کتب سماویہ میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، وہ جو چاہے اور جب چاہے اپنی قدرت کاملہ کو عمل میں لاسکتا ہے۔ کسی چیز کو فنا کرنے یا کسی چیز کو ظاہر کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کو اسباب یا وسائل کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ اس کے لئے تو لفظ کن کہنا ہی کافی ہے اور مطلوبہ کام فوراً ہو جاتا ہے۔ لہٰذا مشرکین کو استبعاد حشر نشر کے مسئلہ میں بھی متردد نہیں ہونا چاہیے۔

یہاں پر لفظ تنقیح المناط کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے تنقیح المناط، تخریج المناط اور تحقیق المناط یہ اصطلاحات ہیں جو عام طور پر استنباطِ مسائل کے لئے فقہ میں استعمال ہوتی ہیں۔ ان کو اچھی طرح سمجھ کر نوٹ کر لینا چاہیے کہ ان کا ذکر آگے بھی بہت دفعہ آئے گا۔

۱) تنقیح مناط :

تنقیح کا لفظی معنی چھانٹنا اور مناط کا معنی دارومدار آتا ہے، تو تنقیح مناط کا معنی ہوگا استنباط یا اجتہاد کے ذریعے علت کے مجموعہ اوصاف میں سے کسی ایسے وصف کو متعین کرنا جس پر کسی مسئلہ میں حکم کا مدار ہے۔ مثال کے طور پر افطارِ عمد (روزہ رکھ کر عمداً توڑ دینا) میں کفارے کی علت افطار ہے۔ اگر کوئی شخص روزہ رکھ کر اور پھر جان بوجھ کر توڑ دیتا ہے اس پر کفارہ یہ لازم آتا ہے کہ وہ ایک غلام آزاد کرے یا دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے، اس کفارے کی علت افطار ہے کیونکہ روزہ توڑنے کی وجہ سے اس پر کفارہ لازم آیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ مبارک کا یہ واقعہ آپنے اکثر پڑھا یا سنا ہوگا کہ ایک اعرابی شخص نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، اللہ کے نبی! مجھ سے یہ غلطی ہوگئی ہے کہ میں نے روزے کی حالت میں بیوی سے مباشرت کر لی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا کفارہ ادا کرو۔ اس مسئلہ میں کفارے کی علت نفس جماع نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو نسیان کے ساتھ بھی روزہ ٹوٹ جاتا اور کفارہ لازم آتا مگر ایسا نہیں ہے بلکہ یہ فعل عمداً کرنے پر روزہ ٹوٹا ہے اور کفارہ لازم آیا ہے۔ وہ اعرابی بذات خود بھی کفارے کی علت نہیں ہے کیونکہ وہ تو ہر وقت موجود ہے مگر اس کا روزہ قائم ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ کفارے کی علت افطار عمد ہے۔ اس طریقے سے کفارے کی علت تلاش کرنے کا نام تنقیح مناط ہے۔ یہ علت یا تو نص سے معلوم ہوتی ہے یا استنباط سے یا مجموعہ اوصاف میں سے اجتہاد کر کے کوئی وصف متعین کرنے سے معلوم ہوتی ہے اور اسی عمل کا نام تنقیح مناط ہے۔

۲) تخریج مناط :

جس مسئلہ میں کسی وصف کا علت ہونا شارع علیہ السلام سے صراحتاً ثابت نہ ہو، اس مسئلہ میں علت

کا تعین استنباط کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ اس عمل کو تخریج مناط کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر بار برداری کے لئے استعمال ہونے والے گھریلو گدھوں کا گوشت کھانا حرام ہے مگر اس حرمت کی علت معلوم نہیں ہے۔ حدیث میں صرف اسی قدر آتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرما دیا ہے۔ گویا اس حرمت کی علت پیغمبر ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ اجتہاد یعنی غور وفکر کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ گھریلو گدھوں کی حرمت کی علت ان کا استعمال ہے۔ یعنی اگر ان گدھوں کو حلال قرار دے کر ان کا گوشت کھانا شروع کر دیا گیا تو ان کے ذریعے ہونے والے بار برداری کے کام میں رکاوٹ آئے گی، لہٰذا ان کے گوشت کو حرام قرار دے کر ان کو ذبح ہونے سے بچا لیا گیا ہے۔ موجودہ دور مشینری کا دور ہے جس میں نقل وحمل اور بار برداری کے لاتعداد ذرائع معرضِ وجود میں آچکے ہیں لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ گھریلو گدھوں کی حرمت کی علت اب باقی نہیں رہی، مگر حقیقت یہ ہے کہ بار برداری کے لئے گدھوں، خچروں، گھوڑوں اور اونٹوں وغیرہ کی ضرورت اس ترقی یافتہ دور میں بھی موجود ہے، دنیا میں ایسے پہاڑی یا صحرائی خطے موجود ہیں جہاں پر جدید ترین ذرائع نقل وحمل بھی کام نہیں دیتے، ایسے مقامات پر گدھوں وغیرہ سے اب بھی بار برداری کا کام لیا جاتا ہے، گویا استعمال کی علت اب بھی موجود ہے۔

اسی طرح قتل عمد میں کفارے کی علت عدوان ہے۔ یہ علت جہاں بھی پائی جائے گی وہاں کفارہ لازم آئے گا۔ غرضیکہ ایسے مسائل میں علت کا تعین تخریجِ مناط کہلاتا ہے۔

۳) تحقیق مناط :

جزیات میں نظر وفکر کے ساتھ علت کی پہچان کرنا تحقیق مناط کہلاتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی مقدمہ میں گواہی قبول کرنے کی علت عدل ہے چنانچہ جس فرد یا افراد پر حکم لگانا مقصود ہے ان میں اس علت کو غور وفکر کر کے تلاش کیا جائے گا۔ جس فرد میں یہ علت پائی جائے گی، اس پر حکم لگایا جائے گا۔

یا مثلاً شراب کی حرمت کی علت خمر یعنی نشہ ہے۔ مگر جزیات میں اس علت کی تلاش فکر ونظر کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ جیسے بھنگ، چرس اور ہیروئن وغیرہ میں دیکھیں گے کہ ان اشیاء میں نشہ کی علت پائی جاتی ہے یا نہیں۔ پھر جن اشیاء میں نشہ کی علت پائی جائے گی ان کی حرمت ثابت ہو جائے گی

اس عمل کا نام تحقیق مناط ہے۔

وجواب استبعاد ارسال الرسل ...... الی...... وابتلاء هم بالبخل والحرص وغیر ذٰلك۔ (ص ۷)

ربط اسباق :

مشرکین کے اسبابِ گمراہی میں سے شرک، تشبیہ اور تحریف کی تھوڑی وضاحت ہو چکی ہے ان کی گمراہی کا ایک اور سبب استبعاد ارسال رسل میں تھا۔ ان کے زعم میں جو انسان ہے وہ رسول نہیں ہو سکتا۔ وہ کہتے تھے جو شخص ہماری طرح کھاتا پیتا ہے، بیوی بچوں والا ہے، ہماری طرح دنیوی کاروبار انجام دیتا ہے، وہ ہماری ہدایت کے لئے کیسے مبعوث ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب تو خود اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں متعدد مقامات پر دیا ہے۔ آج کے سبق میں شاہ صاحب رحمہ اللہ نے استبعاد رسالت کا جواب اپنے طریقے پر دیا ہے۔

استبعادِ رسالت کا پہلا جواب، (انسان رسول) :

فرماتے ہیں وجواب استبعاد ارسال الرسل اور مشرکین کی طرف سے انسانوں کی رسالت کو بعید از قیاس خیال کرنے کا جواب اس طرح ہے۔

اولاً : ببیان وجودها فی الامم المتقدمة۔ پہلی بات یہ ہے کہ سابقہ امتوں میں انسانوں کے رسول مبعوث ہونے کی وضاحت کی جائے۔ خود قرآن پاک کا بیان ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالاً نُوحِیْ اِلَیْهِمْ (الانبیاء : ۷) آپ سے پہلے ہم نے نہیں رسول بھیجے مگر مرد جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔ نبی کا انسان ہونا کوئی انوکھی اور نئی بات تو نہیں ہے۔ سابقہ امتوں میں بھی اللہ تعالیٰ انسانوں کو ہی رسول بنا کر بھیجتا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی وضاحت کرنے کا حکم دیا۔ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعاً مِّنَ الرُّسُلِ (احقاف : ۹)۔ اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ میں کوئی انوکھا رسول تو نہیں ہوں جس طرح پہلی امتوں کی طرف رسول آتے رہے ہیں

اسی طرح میں بھی اس آخری امت کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ مجھ سے پہلے اللہ کے بہت سے رسول گزرے ہیں جیسے نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، زکریا علیہ السلام، داؤد علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام، ھود علیہ السلام، لوط علیہ السلام، صالح علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام وغیرہم مگر میرا رسول ہونا ان مشرکین کو کیوں بعید از قیاس نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ بنی نوع انسان میں سے مردوں کو رسول بنایا ہے، کسی عورت کو اس منصب پر فائز نہیں کیا۔ البتہ بعض عورتوں کو صدیقیت کے مرتبے تک پہنچایا ہے، رسول نہیں بنایا رسالت کو اللہ تعالیٰ نے مردوں کے لئے مختص فرمایا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کا یہ اعتراض بھی دہرایا ہے۔ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا اور کافر لوگ آپ کے متعلق کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے سچے رسول نہیں ہیں۔ اس اعتراض کا جواب بھی اللہ نے خود فرما دیا۔ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِندَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ۔ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے۔ نیز وہ بھی جن کے پاس کتاب کا علم ہے۔ چنانچہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ بھی رسول کی رسالت سے واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ رسول ہمیشہ انسان ہی ہوتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جن لوگوں کے پاس اس سے پہلے اللہ کا کلام پہنچا ہے وہ تو رسولوں کے انسان ہونے کو تسلیم کرتے ہیں، تم کافر اگر اس کا انکار کرتے ہو تو اس کا نتیجہ بھی تمہیں ہی بھگتنا ہوگا۔ یہ پہلی بات کا جواب ہو گیا کہ رسول ہمیشہ انسانوں میں سے ہی مبعوث ہوتے رہے ہیں۔

دوسرا جواب (رسالت بعبادت وحی) :

وثانیاً : شاہ صاحب رحمہ اللہ نے استبعاد رسالت سے متعلق دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ استبعاد رسالت کے شبہ کو اس طریقے سے رفع کیا جائے۔ **دفع الاستبعاد ببیان ان الرسالة ههنا عبارة عن الوحی۔** یعنی اس بات کی وضاحت کی جائے کہ اس مقام پر رسالت وحی الٰہی سے عبارت ہے۔ اللہ تعالیٰ جس انسان کو رسالت کے منصب کے لئے منتخب فرماتا ہے اس پر وحی نازل فرماتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی بات کی تعلیم دی۔ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ ○ آپ ان مشرکین کو کہہ دیں کہ میں بھی تمہارے جیسا انسان ہی ہوں۔ قوم قبیلے والا ہوں، بیوی بچے ہیں، کھاتا پیتا ہوں مگر مجھ میں خصوصیت یہ ہے کہ یوحی الیّ مجھ پر وحی نازل کی جاتی ہے جو تم پر

نہیں ہوتی۔اور یہ وحی فرشتے کے ذریعے نازل ہوتی ہے۔وتفسیر الوحی بما لایکون محالاً اور وحی کی تشریح اس طریقے پر کی جائے جو محال نہ ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَايَشَآءُ (الشوریٰ : ۵۱) کسی انسان کے لائق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے براہِ راست کلام کرے۔اللہ تعالیٰ کی شان بہت بلند ہے جبکہ انسان بالکل ناتواں اور کمزور ہیں۔انسان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تجلی کو برداشت کر سکے، اس لئے اللہ تعالیٰ ہر آدمی کے ساتھ کلام نہیں کرتا بلکہ یا تو وحی کے ذریعے پیغام پہنچاتا ہے یعنی مطلوبہ پیغام کا تعلق پیغمبر کے قلب کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے۔وہ پیغام نبی کے دل میں القا ہو جاتا ہے جسے وہ آگے لوگوں کے سامنے بیان کر دیتا ہے۔نیز اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان کلام کی دوسری صورت یہ ہے اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ کہ اللہ تعالیٰ پردے کے پیچھے سے کلام کرتا ہے کیونکہ انسان میں اتنی قوتِ برداشت ہی نہیں ہے کہ تجلی الٰہی کو برداشت کر سکے۔اس کی واضح مثال موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ملتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف میں یہ واقعہ بیان فرمایا ہے۔وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے وعدے کے وقت (کوہِ طور) پر آئے اور ان کے پروردگار نے ان سے کلام کیا قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، مولا کریم! میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے جواب دیا لَنْ تَرٰىنِيْ موسیٰ! تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گا۔البتہ پہاڑ کی طرف دیکھو، اگر وہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو پھر تو بھی مجھے دیکھ سکے گا۔فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا۝ پھر جب پروردگار نے پہاڑ پر تھوڑی سی تجلی ڈالی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے۔فَلَمَّآ اَفَاقَ پھر جب افاقہ ہوا قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ پروردگار! تیری ذات پاک ہے میں اپنی اس غلط فرمائش پر توبہ کرتا ہوں۔

وحی کی آواز گھنٹی کی آواز کی مانند ہوتی ہے۔جب حضور ﷺ پر وحی کا نزول ہوتا تھا، تو آپ کی حالت متغیر ہو جاتی تھی، آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور آپ پر عجیب وغریب کیفیت طاری ہو جاتی۔یہ صورت حال دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ پر پردہ ڈال دیتے تھے۔پھر جب وحی کی کیفیت دور ہو جاتی تو حضور ﷺ نازل شدہ کلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سنا دیتے۔بعض اوقات پیغمبر علیہ السلام پر انسلاخ بھی ہوتا تھا۔

یعنی آپ مادیت سے الگ ہو کر ملکیت کی طرف جاتے تھے۔ اس وقت بھی آپ کی ظاہری کیفیت تبدیل ہو جاتی تھی۔ بہر حال خلاصۂ کلام یہ ہے کہ وحی کا نزول انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے اور ہر شخص پر وحی کا نزول ممکن نہیں۔

رویت الٰہی :

غرضیکہ اس جہان میں کوئی شخص ان مادی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا، بلکہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اپنے انبیاء کے ساتھ پردے کے پیچھے سے کلام کرتا ہے۔ البتہ اگلے جہان میں جا کر اہلِ جنت کو اللہ تعالیٰ کی رویت نصیب ہوگی۔ وہاں پہنچ کر انسانی حواس ظاہرہ اور باطنہ بہت طاقتور ہو جائیں گے، ان میں برداشت کا مادہ پیدا ہو جائے گا تو جنتیوں کو حسبِ مراتب رویت الٰہی نصیب ہوگی۔ کسی کو دن میں ایک دفعہ یہ سعادت حاصل ہوگی، کسی کو دو دفعہ اور بعض کو ہفتے میں ایک دفعہ دیدارِ الٰہی نصیب ہوگا، علیٰ ہٰذا القیاس جتنی کسی شخص میں صلاحیت ہوگی اس کے مطابق اللہ کا دیدار نصیب ہوتا رہے گا۔ البتہ کافروں کو یہ سعادت حاصل نہیں ہو سکے گی۔ اس دن ان کو سب سے زیادہ افسوس اس بات کا ہوگا کہ وہ دیدارِ الٰہی سے محروم رہ جائیں گے۔ جس کی وہ حسرت کریں گے۔ اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے۔ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝ (المطففین : ۱۵) خبردار! بے شک یہ لوگ اس دن اپنے رب سے حجاب میں رکھے جائیں گے۔

یہاں تو ہم فرشتوں اور جنات کو بھی نہیں دیکھ سکتے۔ فرشتے تو اللہ تعالیٰ کی لطیف مخلوق اور مجرد ہیں تاہم جنات تو مادی چیز ہیں۔ البتہ قیامت کو سب کچھ نظر آئے گا۔ اللہ کا فرمان ہے فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ۝ (ق : ۲۲) آج ہم نے تمہارے پردے کھول دیئے ہیں پس آج تمہاری نظر بہت تیز ہے۔ آج ہر وہ چیز نظر آرہی ہے جو اس مادی جہان میں پردہ غیب میں تھی۔ یہ بالکل ایسے ہی ہوگا جیسے انسان کی موت کے وقت اس سے غیب کا پردہ اٹھا لیا جاتا ہے۔ اور ملک الموت اسے اپنے سامنے نظر آنے لگتا ہے۔ یاد رہے کہ اس وقت کا ایمان لانا غیر معتبر ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایمان بالغیب ہی معتبر ہے۔ اب جبکہ پردہ اٹھ چکا تو ایمان بالغیب نہ رہا، لہٰذا ناقابلِ قبول ہو گیا۔ ان تمام امور میں ہم اللہ تعالیٰ کے فرمان، قرآنِ پاک کی تعلیم اور پیغمبر علیہ السلام

پر مکمل ایمان رکھتے ہیں۔

تیسرا جواب (مصلحت کلیہ) :

وثالثاً : شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ استبعادِ رسالت سے متعلق مشرکین کے اعتراض کا تیسرا جواب یہ ہے بیان عدم ظهور المعجزات التي يقترحونها لمصلحة كلية کہ ان کے مطلوبہ معجزات کا ظاہر نہ ہونا اللہ تعالیٰ کی مصلحت کلی کے مطابق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین کی طرف سے یہ مطالبہ کہ جس قسم کا معجزہ وہ طلب کریں، فوراً ظاہر ہو جائے۔ یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ يقصر علمهم عن ادراكه مشرکین کا ناقص علم اللہ تعالیٰ کی مصلحت کلی کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

وكذالك عدم موافقة الحق لهم في تعيين شخص يقترحون بنبوته اور اسی طریقے سے مشرکین کو یہ بھی اعتراض تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے متعین کردہ شخص کو نبوت و رسالت کے لئے کیوں نہیں نوازتا۔ وہ کہتے تھے کہ نبوت و رسالت کے لئے کیا یہ نادار آدمی ہی رہ گیا تھا مکے اور طائف میں بڑے بڑے مالدار اور صاحب حیثیت لوگ موجود تھے، ان کو نبوت کے لئے کیوں نہ منتخب کیا۔ ان کا اشارہ طائف کے بڑے مالدار آدمیوں یا مکے کے بڑے سرداروں کی طرف تھا۔ حالانکہ یہ بھی مصلحت کلی کے خلاف تھا جس کو وہ لوگ سمجھنے سے قاصر تھے۔

وكذالك لم يجعل الرسول ملكاً اور اسی طریقے سے مشرکین کو یہ بھی اعتراض تھا کہ کسی فرشتے کو رسول کیوں نہیں بنایا گیا؟ ولم يوحى الى كل واحد منهم اور یہ بھی کہ ان میں سے ہر شخص پر براہِ راست وحی کیوں نہیں کی گئی۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں فليس كل شيءٍ من ذٰلك الا للمصلحة الكلية کہ مطلوبہ مطالبات میں سے کوئی بھی چیز مصلحت کلیہ کے خلاف نہیں ہو سکتی جبکہ مشرکین کے تمام مطالبات کلی مصلحت کے خلاف ہیں۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے مصلحت کلیہ کے الفاظ اپنی تحریرات میں اکثر استعمال کئے ہیں۔ بعض مقامات پر مصلحت کلیہ کی بجائے رائے کلیہ کی اصطلاح استعمال کی ہے چنانچہ جہاں پر ملکی نظام کی بات کرتے ہیں تو رائے کلی یا رائے جزوی کے الفاظ لائے ہیں۔ رائے کلی سے مراد ایسی تجاویز ہوتی ہیں جن کے نفاذ میں معاشرے کے عام لوگوں کا مفاد وابستہ ہو، جبکہ رائے جزوی سے مراد ایسی تجویز ہوتی

ہے جس سے کسی خاص فرد یا طبقہ کو فائدہ پہنچتا ہو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی رائے کلی ہی پسندیدہ امر ہے جس میں سب کی بہتری مقصود ہو، جزوی رائے کے نفاذ سے ہمیشہ نظام میں خرابی ہی پیدا ہوتی ہے۔

واقعات کا تکرار :

شاہ صاحب رحمہ اللہ یہ بھی فرماتے ہیں ولما كان اكثر من بعث اليهم مشركين اور اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کی طرف جب بھی اپنے انبیاء مبعوث فرمائے ان کی اکثریت مشرک تھی۔ اثبت هذه المضامين في سور كثيرة باساليب متعدده وبتاكيدات بليغة اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان مضامین کو بہت سی سورتوں میں متعدد طریقوں اور مکمل تاکیدات کے ساتھ ثابت فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک ایک نبی کی بعثت، اس کی تبلیغ، اقوام کی طرف سے ردعمل اور پھر ان پر آنے والے عذاب وثواب کا تذکرہ مختلف عنوانات کے تحت کیا ہے۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے قرآن پاک کے جن علوم پنجگانہ کا ذکر کیا ہے، ان میں تذکیر بایام اللہ کے عنوان سے ایسے ہی واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ ولم يتحاش من اعادتها مرات كثيرة اور اللہ تعالیٰ نے ایسے واقعات کو بار بار بیان کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ قرآن پاک میں چھیالیس/۴۶ مرتبہ سے زیادہ کیا ہے۔ حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت یعقوب وغیرہم علیہم السلام کا ذکر قرآن میں متعدد بار ہوا ہے۔ اکثر لوگ نا سمجھ ہوتے ہیں اس لئے بار بار کے تکرار سے بات ان کے ذہن میں آجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کبھی کوئی بات مثال دے کر سمجھائی ہے، کبھی عوامی انداز میں بات کی ہے اور کبھی مخاطبین کے فہم کو مدنظر رکھ کر بات سمجھائی ہے تاکہ کسی طریقے سے بات مخاطبین کی سمجھ میں آجائے۔ اسی لئے شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی واقعہ کا بار بار ذکر کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

نعم هكذا ينبغي ان تكون مخاطبة الحكيم المطلق بالنسبة الى هؤلاء الجهلة والكلام في مقابلة هؤلاء السفهاء بهذا التاكيد ہاں، ان جاہلوں کے لئے حکم مطلق یعنی اللہ تعالیٰ کا خطاب اسی نوعیت کا ہونا چاہیے تھا کیونکہ ان بے عقلوں کے مقابلہ میں ان کو شدید

تاکیدات کی ضرورت تھی۔ ذٰلك تقدیر العزیز الحکیم (یٰسین : ۳۸) غالب اور علم والے پروردگار کا یہی انداز ہے۔ اس نے اپنی قدرت تامہ اور حکمت بالغہ کے مطابق ہی تمام امور انجام دیئے ہیں۔

یہودیوں کی گمراہی کے اسباب :

اس کے بعد یہودیوں کی خرابی کا ذکر کرتے ہوئے شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں و کان الیھود قد آمنوا بالتوراۃ اور یہودی تورات کو تو مانتے تھے یعنی اپنی نسبت توراۃ کی طرف کرتے تھے۔ و کانت ضلالتھم تحریف احکام التوراۃ مگر ان کی گمراہی کی وجہ تورات کے احکام میں تغیر و تبدل کرنا تھی۔ تحریفاً لفظیاً او معنویاً یہودی یہ تحریف لفظی بھی کرتے تھے اور معنوی بھی کرتے تھے۔

ان کے علاوہ یہودیوں کی گمراہی کا ایک سبب و کتمان آیا تھا یہ تھا کہ وہ تورات کی آیتوں کو چھپا جاتے تھے۔ جو حکم ان کی مرضی کے خلاف ہوتا تھا، اس کو عوام الناس پر ظاہر ہی نہیں کرتے تھے۔ والحاق مالیس منھا بھا افتراء منھم اور بعض ایسی چیزوں کا تورات کے ساتھ الحاق کر دیتے تھے جو فی الحقیقت اس میں نہیں ہوتی تھیں۔ ایسی باتیں وہ اپنی طرف سے گھڑ کر کتاب کا حصہ بنا دیتے تھے۔

وتساھلاً فی اقامۃ احکامھا تورات کے احکام کے نفاذ میں سست روی بھی ان کی گمراہی کی ایک وجہ تھی۔ اس کی واضح مثال زانی کے لئے رجم کا حکم ہے۔ یہودی رجم والی آیت کو چھپا دیتے تھے اور اپنی طرف سے گھڑ کر تورات کا یہ حکم پیش کرتے تھے کہ زانی کی سزا یہ ہے کہ اس کا منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کر دو اور گلیوں بازاروں میں پھرا کر اس کی رسوائی کر دی جائے۔ اس طریقے سے وہ تورات کے احکام کو تبدیل کر دیتے، بعض احکام کو چھپا دیتے اور بعض اپنی طرف سے افترا کر کے کتاب کا حصہ ظاہر کرتے۔

ومبالغۃ فی التعصب بمذاھبھم ان کے مذاہب کے درمیان تعصب میں مبالغہ آرائی۔ واستبعاد رسالۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم اور ہمارے نبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی

رسالت کا استبعاد۔ وسوء الادب اور آپ ﷺ کے حق میں بے ادبی والطعن بالنسبة الیه صلی الله علیه وسلم اور حضور علیہ السلام کی طرف نسبت پر طعن وملامت بل بالنسبة الی حضرة الحق تبارك وتعالٰی ایضاً بلکہ خود اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف نسبت پر بھی ایسا ہی ردعمل ظاہر کرنا۔ وابتلاء هم بالبخل والحرص وغیر ذالك اور ان کا بخل اور حرص ولالچ میں مبتلا ہو جانا وغیرہ یہ سب یہودیوں کی گمراہی کے اسباب تھے۔

استبعادِ رسالت میں یہودی اور عیسائی دونوں گروہ برابر ہیں۔ یہودی اپنی کتابوں کی پیش گوئیوں کے مطابق اللہ کے آخری نبی کی آمد کے منتظر تھے۔ ان کا خیال تھا کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کی طرح اللہ کا نبی آخر الزمان بھی خاندانِ بنی اسحاق میں سے ہوگا۔ مگر جب وہ بنی اسماعیل میں سے آگئے تو یہودیوں نے حسد کی آگ میں جل کر آپ کی نبوت کا ہی انکار کر دیا۔ اور آج تک اسی تعصب میں مبتلا ہیں۔ اسی طرح عیسائیوں نے بھی تسلیم نہیں کیا۔ وہ قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ محمد ﷺ کا کلام مانتے ہیں۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کو اللہ کا آخری نبی تسلیم نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ آپ عربوں کے ایک لیڈر تھے، اس سے زیادہ آپ کی کوئی حیثیت تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

واما التحریف اللفظی فانهم کانوا یرتکبونهٗ فی ترجمة التوراة وامثالها لافی اصل التوراة ...... الی ...... وکان ارتکز من هذا القبیل فی خاطرهم کثیر من التاویلات الفاسدة الماخوذة من ابائهم واجدادهم، فازال القرآن هٰذه الشبهات علی وجه اتم۔ (ص ۷ تا ص ۹)۔

تورات میں تحریف :

گزشتہ سبق میں یہودیوں کی گمراہی کے کئی اسباب کا ذکر کیا گیا تھا جن میں سے پہلا سبب یہ بیان کیا گیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب تورات میں تحریف کے مرتکب ہوتے تھے۔ اب تحریف دو قسم کی ہو سکتی ہے یعنی لفظی اور معنوی۔ اس سلسلہ میں شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ واما التحریف اللفظی جہاں تک لفظی تحریف کا تعلق ہے۔ فانهم کانوا یرتکبونه فی ترجمة التوراة وامثالها

یہودی لوگ تورات کے ترجمہ وغیرہ میں تحریف کرتے تھے۔ لافی اصل التوراۃ نہ کہ تورات کے اصل متن میں۔ مطلب یہ ہے کہ تورات کا متن تو قائم رکھتے تھے مگر اس کا مفہوم بیان کرنے میں اصل احکام کو بدل دیتے تھے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں ھذا الحق عندالفقیر یعنی اس ناچیز کے نزدیک یہی بات صحیح ہے۔ آپ فرماتے ہیں وھو قول ابن عباس حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ نظریہ درست نہیں بلکہ حقیقت کے خلاف ہے کیونکہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ یہودی تورات میں لفظی اور معنوی دونوں طرح کی تحریف کرتے تھے۔ اس کی کئی مثالیں سامنے آ چکی ہیں۔ تورات کے نسخوں میں اللہ کے آخری نبی کی آمد کی پیشین گوئیوں میں آپ کا نام فارقلیط تھا جو احمد کا ہم معنیٰ ہے۔ اور حضور علیہ السلام کا اسم گرامی بھی ہے، لہٰذا یہودیوں نے بعد والے نسخوں میں احمد کی بجائے شفیع لکھ دیا۔ اس طرح حضور علیہ السلام کے فتح مکہ کے ضمن میں اصل تورات میں دس ہزار قدسیوں کی آمد کا ذکر تھا۔ چونکہ فتح مکہ کے موقعہ پر نبی علیہ السلام کے ساتھ فی الواقعہ دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت تھی اور یہ تعداد تورات کی پیش گوئی پر پورا اترتی تھی، لہٰذا یہودیوں نے بعد والے تورات کے نسخوں میں دس ہزار کی بجائے لاکھوں قدسیوں کا لفظ لکھ دیا تاکہ تورات کی پیش گوئی اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق نہ آ سکے۔ یہ یہودیوں کے تعصب اور تورات میں تحریف لفظی کی بدترین مثالیں ہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں والتحریف المعنوی تاویل فاسد اور تحریف معنوی تو بہر حال فاسد تاویل ہے۔ یحمل الایۃ علی غیر معناھا یعنی کسی آیت کو اس کے اصلی معنیٰ کی بجائے کوئی دوسرے معانی پہنائے جائیں۔ فرماتے ہیں بتحکم وانحراف عن الصراط المستقیم ایسا کرنا سینہ زوری اور سیدھے راستے سے انحراف کے مترادف ہے۔

بہر حال یہودیوں کی طرف سے ان کی اپنی کتاب توراۃ میں معنوی تحریف کی بھی کئی مثالیں موجود ہیں جن کے ذریعے انہوں نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے متعلق آیات کو غلط معانی پہنا کر اپنی ضد اور تعصب کا اظہار کیا ہے۔ اس قسم کی معنوی تحریف کی مثالیں ہمارے اس دور میں موجود

ہیں جو قادیانیوں نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ انجام دی ہیں۔ وہ بظاہر کلمہ طیبہ لَآاِلٰـهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ کو تسلیم کرتے ہیں مگر درپردہ وہ محمد سے مراد غلام احمد قادیانی لیتے ہیں کیونکہ اس کی اپنی لاف زنی ہے کہ اللہ نے قرآن میں میرا نام محمد بھی رکھا ہے اور رسول بھی رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کلمہ طیبہ میں یا آیات قرآنی میں جہاں بھی محمد ﷺ کا نام آیا ہے اس سے مراد وہ محمد ہیں جو مکہ میں پیدا ہونے والے عبدالمطلب کے پوتے، عبداللہ اور آمنہ کے فرزند، ہاشمی خاندان کے فرد اور اولادِ اسماعیل علیہ السلام میں افضل ترین شخصیت ہیں۔ مگر مرزائیوں نے اسے غلام احمد قادیانی پر محمول کر کے بدترین قسم کے کفر کا ارتکاب کیا ہے۔ یہی معنوی تحریف ہے جس کے مرتکب یہودی بھی ہوئے ہیں۔

تحریف معنوی کی پہلی مثال :

آگے شاہ صاحب رحمہ اللہ نے تحریف معنوی کی کئی ایک مثالیں بیان کی ہیں۔ فمن جملة ذٰلك ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ قد بین الفرق بین المتدین الفاسق والکافر الجاحد فی کل ملة شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دیندار فاسق آدمی اور صریح کافر کا فرق ہر ملت میں واضح ہو چکا ہے۔ فسق کا لفظی معنیٰ خروج عن الاطاعت ہے۔ اور فاسق سے مراد ایسا شخص ہوتا ہے جو دین کو سچا تسلیم کرنے کے باوجود اس کے احکام پر عمل نہیں کرتا۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کو فرض جانتے ہوئے بھی عمل پیرا نہیں ہوتا تو ایسا شخص متدین فاسق کہلائے گا۔ دوسرا وہ شخص ہے جو سرے سے دین کے کسی حکم کو مانتا ہی نہیں۔ عبادات کی ادائیگی، حلال و حرام میں تمیز، وقوعِ قیامت اور جزا و سزا کے سارے عمل کو محض مولویوں کی باتیں قرار دیتا ہے تو ایسا آدمی صریح کافر ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں قسم کے اشخاص کا فرق ہر مذہب و ملت میں واضح کر دیا گیا ہے۔ واثبت العذاب الشدید والخلود للکافر اور کافر آدمی کے لئے آخرت میں سخت عذاب اور دوزخ میں ہمیشہ رہنا بھی ثابت کر دیا گیا ہے۔ اور یہ حکم ابراہیم علیہ السلام اور آپ سے پہلے یا بعد والی تمام ملتوں کے لئے یکساں ہے۔ وجوز خروج الفاسق من النار بشفاعة الانبیاء اس کے برخلاف ایک فاسق آدمی کے لئے انبیاء علیہم السلام کی سفارش کی بنا پر دوزخ سے خروج کو جائز قرار دیا گیا ہے تاہم دیندار فاسق کو اپنی بدعملی کی سزا بہرحال دوزخ میں بھگتنا ہوگی جس کے بعد ہی انبیاء کی سفارش سے وہ دوزخ سے باہر آسکیں

گے۔حتیٰ کہ سچے دل سے توحید کو ماننے والا ہر کلمہ گو آدمی دوزخ سے نکل سکے گا۔مگر اپنی اپنی بدکرداری کے مطابق سزا کاٹنے کے بعد۔دوزخ میں رکھ کر ان کا تزکیہ ہوگا۔آہستہ آہستہ پاک ہوکر دوزخ سے نکالے جائیں گے۔جنت کے قریب آئیں گے اور پھر درمیان میں بڑی بڑی منازل طے کر کے جنت میں داخلہ کی اجازت مل سکے گی۔

واظهر في تقرير هذا المعنى اسم المتدين في كل ملة بتلك الملة اور اس تقریر کے ذریعے ہر ملت میں اس ملت کے موافق متدین آدمی کا نام ظاہر کیا گیا ہے۔البتہ کافر آدمی کی جانچ پڑتال کا پیمانہ مختلف ہے اور اسی کے مطابق اس سے سلوک کیا جائے گا۔والبت في التوراة هذه المنزلة لليهودي والعبري تورات میں یہ مرتبہ یہودیوں اور عبریوں (قدیم عبرانی بولنے والے یہودی) کے لئے ثابت کیا ہے۔وفي الانجيل للنصراني اور انجیل میں یہی حکم عیسائیوں کیلئے تھا۔وفي القرآن العظيم للمسلمين اور قرآن پاک میں مسلمانوں کے لئے بھی یہی پیمانہ مقرر کیا گیا ہے۔یعنی آخری امت میں سے بھی جو شخص توحید و رسالت اور وقوع قیامت پر ایمان رکھتا ہے مگر بے عمل ہے، وہ ابدی جہنمی نہیں ہوگا بلکہ دوزخ میں اس کی بدعملی کا تزکیہ ہو جانے کے بعد اسے وہاں سے نکال لیا جائے گا۔امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں اس موضوع پر باب ہی اس طرح باندھا ہے ان اهل التوحيد لا يخلدون في النار یعنی توحید کو ماننے والے ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے۔اور پھر دوزخ سے خروج بھی کئی اسباب کی بنا پر ہوگا۔مثلاً سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام سفارش کریں گے۔پھر امتیوں میں سے کامل الایمان لوگ اور شہداء بھی سفارش کریں گے۔اس کے علاوہ ان لوگوں کے انجام دیئے گئے بعض باریک کام بھی ان کی سفارش کا ذریعہ بن جائیں گے۔تاہم ان کو اپنی اپنی معصیت کے موافق کم عرصہ یا زیادہ عرصہ دوزخ میں گزارنا ہوگا۔

ومناط الحكم الايمان بالله واليوم الآخر اور اس حکم کا مدار اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لانے پر والانقياد لنبي بعث اليهم اور اس نبی کی اطاعت پر جو ان کی طرف مبعوث ہوا والعمل بشرائع الملة اور ملت کے قوانین پر عمل کرنے پر واجتناب المنهيات من تلك الملة اور اس ملت کے ممنوعہ امور سے اجتناب کرنے پر رکھا گیا ہے۔لاخصوص فرقة من الفرق

لـذاتھا اور یہ کسی فرقہ کی ذاتی خصوصیت نہیں ہے۔ گویا کسی بھی ملت کے متدین فاسق کے دوزخ میں اس کی بے عملی کی سزا کاٹ کر رہائی کا اصول کسی خاص فرقہ یہودی، عیسائی وغیرہ کے لئے مختص نہیں کیا گیا بلکہ کسی بھی ملت کا شخص مذکورہ شرائط پر پورا اترتا ہے، وہ اس رعایت کا مستحق ہے۔

فحسب الیھود ان الیھودی والعبری یدخلان الجنة البتة۔ البتہ یہودیوں نے یہ گمان کرلیا کہ صرف یہودی اور عبری فرقے ہی جنت میں داخل ہوسکیں گے۔ وتنفعھم شفاعة الانبیاء ان کو ان کے نبیوں کی شفاعت فائدہ پہنچائے گی۔ اسی بناپر قرآن پاک نے ان کا یہ بیان نقل کیا ہے۔ وَ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً (البقرہ : ۸۰) انہوں نے کہا کہ ہم صرف چند دن دوزخ میں رہیں گے جتنے دن بچھڑے کی پوجا کی تھی، اس کے بعد ہمیں وہاں سے نکال لیا جائے گا۔ تورات میں بھی موجود ہے کہ ابراہیم علیہ السلام دوزخ کے دروازے پر کھڑے ہوں گے اور وہ کسی ختنہ شدہ یہودی کو دوزخ میں نہیں گرنے دیں گے، خواہ اس کا ایمان بھی صحیح نہ ہو اور نبی کے انقیاد کا جذبہ بھی موجود نہ ہو۔ دیگر گمراہ فرقے بھی اسی زعم میں مبتلا ہیں۔ شرک کرنے والے اور بدعات کو رواج دینے والے بھی یہی امید لگائے بیٹھے ہیں کہ حضور علیہ السلام سفارش کر کے ہمیں دوزخ سے نکال لیں گے اگرچہ ہمارا ایمان بھی مشکوک اور اعمال بھی صحیح نہ ہوں۔ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کے نبی کی محبت ہی کافی ہے۔ رافضیوں کے نزدیک امام حسین رضی اللہ عنہ کا ماتم کرلینا ہی ان کا ذریعہ نجات ہے امام حسین رضی اللہ عنہ ان کو جہنم سے نکال لیں گے، یہ سب ویسے ہی باطل فرقے ہیں۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ فرقے اسی باطل زعم میں مبتلا ہیں۔ ولو لم یتحقق مناط الحکم اگرچہ مدار حکم ان پر ثابت نہ ہوتا ہو۔ ولو کان مؤمناً باللہ بوجہ غیر صحیح اور اگرچہ خدا تعالیٰ پر ان کا ایمان بھی صحیح طریقے پر نہ ہو۔ ولو لم یکن لہ حظ من الایمان بالآخرة اور اگرچہ ایمان بالآخرت پر ان کے ایمان میں کچھ حصہ نہ ہو۔ وبرسالة النبی المبعوث الیہ اور ان کی طرف مبعوث ہونے والے نبی کی نبوت و رسالت پر بھی ایمان نہ رکھتے ہوں۔ وھذا غلط صرف وجھل محض شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گمراہ فرقوں کا یہ گمان بالکل غلط اور محض جہالت ہے۔

اس کی مثالیں آج ہمارے دور میں بھی عام ہیں۔ ایمان صحیح نہیں ہے، اس میں شرک کی ملاوٹ ہے یا تشبیہ کا قائل ہوگیا ہے مگر زعم یہی ہے کہ وہ جنت میں ضرور جائے گا۔ ایسے لوگ حجاب سوء معرفت میں مبتلاء ہیں اور ان کا ایمان قطعاً معتبر نہیں ہے، نہ ان کو نجات مل سکتی ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں نبی سفارش نہیں کریں گے اور نہ کسی کی سفارش مقبول ہوگی۔ دراصل یہودیوں نے تورات میں تحریف کر کے غلط معنیٰ نکالے اور پھر ان کو تورات میں داخل کر دیا اور اب اسی پر اعتقاد رکھتے ہیں۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **ولما كان القرآن العظيم مهيمناً على الكتب السالفة** قرآنِ پاک سابقہ کتب سماویہ کا محافظ ہے۔ پہلی کتابوں کے تمام صحیح مضامین قرآن مجید میں محفوظ کر دیئے گئے ہیں اور غلط باتوں کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ پہلی کتابوں میں مدار ایمان بھی موجود تھا مگر یہودیوں نے اسے نکال کر نجات کو صرف اپنے فرقے تک محدود کر دیا کہ یہودیوں اور عبرانیوں یا نام نہاد مسلمانوں کو نجات کا پروانہ حاصل ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ قرآن کریم تمام کتب سابقہ کا محافظ و مبیناً لمواضع الاشكال فيها اور ان میں موجود اشکال کو بھی واضح کرنے والا ہے كشف الغطاء عن هذه الشبهة على وجه اتم لہٰذا اس نے اس شبہ کا بھی مکمل طور پر پردہ چاک کر دیا ہے اور بات کی وضاحت کر دی ہے۔ **بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓــَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ** ○ (البقرہ : ۸۱) جس نے برائی کمائی اور اس کی برائی نے اس کو گھیر لیا تو یہی لوگ دوزخ والے ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ برائی کا احاطہ کسی عمل سے نہیں ہوتا کیونکہ عمل تو ایک محدود چیز ہے جس کا ارتکاب ہاتھ، پاؤں یا دیگر انسانی اعضاء کے ساتھ ہوتا ہے۔ حقیقت میں برائی کا احاطہ عقیدے کی خرابی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اگر عقیدے میں شرک یا تشبیہ کی ملاوٹ ہے یا بالکل ہی منکر ہوگیا ہے تو برائی اس کے سب جسم پر حاوی ہو جاتی ہے۔ اور برائی کے گھیر لینے کا یہی مطلب ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہودیوں کی طرف سے تحریف کی ایک مثال بیان کی ہے کہ کس طریقے سے وہ صرف اپنے آپ کو نجات یافتہ سمجھتے ہیں اگرچہ ان پر مدارِ حکم ثابت نہیں ہوتا۔

تحریف معنوی کی دوسری مثال :

یہودیوں کی طرف سے تورات میں تحریف معنوی کی دوسری مثال اس طرح بیان کی گئی ہے۔شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ومن جملة ذلك ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔انه قد بين في ملةٍ احكاماً تناسب مصالح ذلك العصر کہ ہر دور میں ملت کے احکام اس دور کی مناسبت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔زمانے کے حالات کے مطابق اگر کسی ملت میں کوئی چیز حلال تھی تو دوسری ملت میں اس دور کی مناسبت سے وہ چیز حرام قرار دے دی گئی۔یا اگر کوئی چیز پہلی ملت میں حرام تھی تو دوسری میں حلال قرار دے دی گئی۔ایسے احکام دائمی نہیں ہوتے بلکہ زمانے کے حالات کے مطابق بدلتے رہتے ہیں۔یہودیوں پر حلال جانوروں کی چربی اور اونٹ کا گوشت حرام قرار پایا تھا۔جس کی وجہ سے یہودی سخت مشکل میں پڑ گئے۔انہیں گوشت کی بوٹیوں سے چربی کو چن چن کر الگ کرنا پڑتا تھا۔یہودیوں کیلئے یہ حکم دائمی نہیں تھا بلکہ اس دور کی مصلحت کے مطابق تھا۔اللہ نے فرمایا ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ (الانعام : ۱۴۷) یہ ان کی سرکشی کی جزا تھی۔چنانچہ بعد میں یہ حکم اٹھالیا گیا۔اب اس آخری امت کے لئے حلال جانوروں کی چربی اور اونٹ کا گوشت حلال ہے۔ہر ملت میں اس قسم کے احکام مصالح وقت کے مطابق آتے تھے۔ایسے احکام کا نفاذ وقت کے نبی کی نبوت تک کے عرصہ کے لئے ہوتا تھا۔جب دوسرا نبی آتا تھا تو حکم میں دور کی مصلحت کے مطابق تبدیلی آجاتی تھی۔اصل مدار تو ایمان اور انقیاد ہے۔جو بھی نبی آتا تھا اس کے احکام کی اطاعت ضروری تھی اور اس طریقے سے احکام نافذ اور منسوخ ہوتے رہتے تھے۔

اس کے برخلاف یہودیوں نے یہ عقیدہ بنالیا تھا کہ ایک دفعہ نافذ ہونے والا کوئی بھی حکم دائمی اور ناقابلِ تنسیخ ہوتا ہے۔یہودیوں نے اس معاملہ میں بھی ٹھوکر کھائی۔حکم میں مداومت کا جو لفظ آتا تھا، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے ظاہری مداومت مراد تھی نہ کہ حقیقی۔مطلب یہ تھا کہ جب تک یہ نبی تم میں موجود رہے گا، یہ حکم نافذ رہے گا مگر یہودیوں نے اسے ابدی دوام پر محمول کرلیا اور اس طریقے سے وہ تورات کے متن میں معنوی تحریف کے مرتکب ہوئے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کو مختلف طریقوں سے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔آپ نے

حجۃ اللہ البالغہ میں یہ مسئلہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جہاں کسی نبی کی امت کے لئے ہمیشہ روزے رکھنے کا ذکر آتا ہے تو اس کا انکار نہیں کرنا چاہیے ایسی امت کے لئے یہی حکم مناسب تھا کیونکہ ان میں بہیمیت کا مادہ بہت زیادہ تھا جس کو فرو کرنے کے لئے ہمیشہ روزے رکھنے کا حکم دیا گیا۔ کسی امت کو کم روزے رکھنے اور کم نمازیں پڑھنے کا حکم تھا۔ پھر آخری امت کے لیے ایک ماہ کے روزے مقرر ہوئے کیونکہ ان میں بہیمیت زیادہ نہیں ہے۔ سال بھر میں ایک ماہ کے روزے بھی بہیمیت کو توڑنے اور شیطان کی سواری سے بچنے کے لئے کافی ہیں۔

وقد سلك في التشريع مسلك عادات القوم اور قوانین شریعت کی تشکیل میں متعلقہ قوم کی عادات کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ وامر بالاخذ بها اور ان کو ان قوانین پر سختی سے عمل کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ وادامة الاعتقاد والعمل عليها تاكيداً ایسے احکام پر مداومت کا اعتقاد اور ان پر عمل کرنے کی تاکید کی گئی تھی۔ وبحصر الحقيقة فيها اور حقیقت کو اسی کے اندر محصور کر دیا جاتا تھا۔ والمراد ان الحقيقة محصورة فيها في ذلك العصر وذلك الزمان اور اس دور اور اس زمانے میں حقیقت ان احکام کے اندر محصور تھی یعنی یہ احکام ہمیشہ کے لئے نہیں ہوتے تھے بلکہ اس دور کے لئے ہوتے تھے۔ والمراد هنالك الادامة الظاهرية لا الا دامة الحقيقية اور اس سے مراد ظاہری مداومت ہوتی تھی نہ کہ حقیقی مداومت۔ حقیقی مداومت تو ناقابل تنسیخ اور ہمیشہ کیلئے ہوتی ہے۔ مگر ظاہری مداومت اس زمانے کے نبی کی نبوت تک کے عرصہ کے لئے نافذ العمل اور قابل عمل ہوتی ہے۔ يعني مالم يات نبي آخر ولم يكشف الغطاء من وجه النبوة یعنی جب تک دوسرا نبی نہیں آجاتا اور چہرہ نبوت سے پردہ نہیں ہٹا لیا جاتا، نازل شدہ حکم نافذ رہتا ہے۔ گویا نبی کا دنیا میں آجانا ہی کافی بلکہ جب تک نبی خود اپنی نبوت کا اعلان نہ کرے سابقہ حکم نافذ سمجھا جاتا ہے۔ وهم حملوا ذلك على استحالة نسخ اليهودية مگر یہودیوں نے اس کا یہ مطلب اخذ کیا کہ یہودیت ناقابل تنسیخ ہے۔ یہ بھی ان کی ایک خرابی تھی۔

ومعنى وصية الاخذ بتلك الملة اور ملت یہودیت کو پکڑے رکھنے کی وصیت فی الحقيقة وصيته بالايمان والاعمال الصالحة درحقیقت ایمان اور اعمالِ صالحہ کی وصیت تھی۔

ولم تعتبر خصوصية تلك الملة لذاتها نہ کہ ملت یہود یہ کی ذاتی خصوصیت۔ اس کے برخلاف وھٰؤلاءِ اعتبروا الخصوصية ان لوگوں نے خصوصیت کا غلط اعتبار کرکے فظنوا یہ گمان کرلیا ان يعقوب عليه الصلوٰة والسلام وصى اولاده باليهودية کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی۔ حالانکہ آپ کی وصیت توحید یعنی صرف ایک خدا کی عبادت کرنے اور اعمالِ صالحہ انجام دینے کی وصیت تھی۔

تیسری مثال :

ومن جملة ذٰلك یہودیوں کی طرف سے تحریف فی التورات کے متعلق شاہ صاحب رحمہ اللہ نے یہ تیسری مثال بھی بیان فرمائی ہے۔ ان الله عزوجل شرف الانبياء وتابعيهم في كل ملة بلقب المقرب والمحبوب اللہ تعالیٰ نے ہر ملت میں نبیوں اور ان کے پیروکاروں کو مقرب اور محبوب کا خطاب دیا ہے۔ مقرب سے مراد یہ ہے کہ اس خطاب کے حامل لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوگا اور یہ ملاء اعلیٰ کی جماعت کے قریب حظیرۃ القدس میں ہوں گے۔ جہاں اللہ تعالیٰ کی خصوصی تجلیات کا نزول ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں بھی ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آلِ عمران : ۳۱) اے پیغمبر! آپ اپنے مخاطبین سے کہہ دیں کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میرا اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا۔ گویا کہیں مقرب کا لفظ استعمال ہوا ہے اور کہیں محبوب کا تاہم وذم الذين ينكرون الملة بصفة المبغوض اور ملت کا انکار کرنے والوں کی مبغوض کی صفت سے مذمت کی گئی ہے۔ یعنی ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے غضب اور لعنت کے مستحق ہوں گے۔

وقد وقع التكلم في هذا الباب بلفظ شائع في كل قوم اور ان خطابات میں ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن کا استعمال ہر قوم میں عام تھا۔ فلا عجب ان يكون قد ذكر لفظ الابناء مقام المحبوبين اور کچھ عجب نہیں کہ یہودیوں کی ملت میں محبوب کی جگہ بیٹے کا لفظ استعمال کیا گیا ہو جس کا یہودیوں نے غلط مطلب اخذ کیا اور تحریف فی التورات کے مرتکب ہوئے۔ اسی بنا پر یہودی کہتے تھے نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (المائدہ : ۱۸) یعنی ہم اللہ کے بیٹے اور اسکے محبوب

ہیں۔مگر اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اگر ایسی بات ہے قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ تو پھر اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے گناہوں پر سزا کیوں دیتا ہے؟ مقرب بیٹوں کو کون سزا دیتا ہے، تم اپنے دعوے میں جھوٹے ہو۔دراصل تورات میں بیٹے کا لفظ مجازاً محبوب کے معنیٰ میں استعمال کیا گیا ہے۔مگر یہودیوں نے اسے حقیقی بیٹے پر محمول کرلیا۔ فظن اليهود ان ذٰلك التشريف دائر مع اسم اليهودی والعبری والاسرائيلی اس سے یہودیوں نے گمان کرلیا کہ یہ عزت وشرف صرف یہودی، عبری اور اسرائیلی ناموں کے ساتھ مخصوص ہے۔ولم يعلموا انه دائر على صفة الانقياد والخضوع وتمشية ماأراد الحق سبحانه ببعثة الانبياء لاغير اور وہ یہ نہ جان پائے کہ اس سے مکمل اطاعت، عاجزی اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات کے مطابق اس کے مبعوث کردہ انبیاء کے راستے پر چلنے کے سوا کچھ مراد نہیں ہے۔وكان ارتكز من هذا القبيل فی خاطرهم كثير من التاويلات الفاسدة الماخوذة من ابائهم واجدادهم اور اس قسم کی بہت سی تاویلات ان کے دلوں میں راسخ ہوگئی تھیں جو وہ اپنے آباؤ اجداد سے اخذ کرتے چلے آئے تھے۔فازال القرآن هذه الشبهات علی وجه اتم مگر قرآن پاک نے سابقہ کتب کے نگران ہونے کے ناطے ایسے تمام شبہات کی تردید کردی ہے۔

اما کتمان الآیات فھو انھم کانوا یخفون بعض الاحکام والآیات لیحافظوا علی جاہ شریف او لاجل ریاسۃ یطلبونہ، وکانوا یحذرون ان یضمحل اعتقاد الناس فیھم ویلاموا بترک العمل بتلک الآیات ...... الٰی ...... وبالجملۃفان شئت ان تری انموذج الیھود فانظر الی علماء السوء من الذین یطلبون الدنیا، وقد اعتادوا تقلید السلف، واعرضوا عن نصوص الکتاب والسنۃ، وتمسکوا بتعمق عالم وتشددہ واستحسانہ، فاعرضوا عن کلام الشارع المعصوم، وتمسکوا باحادیث موضوعۃ وتاویلات فاسدۃ کانت سبب ھلاکھم (ص۹ تا۱۱)۔

کتمانِ آیات :

یہودیوں کی مختلف خرابیوں کا ذکر ہو رہا ہے۔گزشتہ درس میں ان کی طرف سے تورات میں لفظی اور معنوی تحریف کرنے کا انداز مثالیں دے کر سمجھایا گیا تھا۔اب آج کے درس میں ان کی طرف سے کتمانِ آیات کا تذکرہ ہے کہ وہ کس طریقے سے اُن آیات کو چھپا جاتے تھے جنکی وجہ سے ان کے مفاد پر زد پڑتی تھی۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے اما کتمان الآیات جہاں تک آیات الٰہی کو چھپانے کا تعلق ہے فھو انھم کانوا یخفون بعض الاحکام والآیات وہ اس طرح سے ہے کہ یہودی بعض احکام اور آیات کو مخفی رکھتے تھے،لوگوں کے سامنے ظاہر نہیں کرتے تھے لیحافظوا علی جاہٍ شریفٍ تاکہ وہ اپنے مرتبے اور عزت کی حفاظت کرسکیں۔اگر وہ مخفی احکام اور آیات کو لوگوں کے سامنے ظاہر کردیتے تو معاشرے میں رسوا ہو جاتے اور لوگ یہ پوچھنے میں حق بجانب ہوتے کہ قبل ازیں ان کو کیوں چھپا کر لوگوں کو ان پر عمل کرنے سے روکے رکھا۔چونکہ یہ لوگ یہودیت کے دینی راہنما ہوتے تھے،کوئی پوپ ہوتا تھا،کوئی بڑا پادری،کوئی چھوٹا پادری اور کوئی سردار ہوتا ہے،بعض کو جاگیریں ملی ہوئی تھیں۔اور بڑے بڑے گرجوں کے نگران ہوتے تھے،جس کی وجہ سے وہ معاشرے میں بڑے باعزت سمجھے جاتے تھے۔اندریں حالات مخفی آیات کو ظاہر کرنے میں ان کی پارسائی کا بھانڈا پھوٹ سکتا تھا اور وہ عہدے اور عزت واحترام سے محروم ہوسکتے تھے،لہٰذا وہ بعض آیات کو چھپا رکھنے میں ہی عافیت سمجھتے تھے۔

کتمان آیات کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی تھی او لاجل ریاسة یطلبونها یہ سرکردہ لوگ کسی عہدے یا منصب کے امیدوار ہوتے تھے اور آیات کو ظاہر کر دینے کی صورت میں وہ متعلقہ منصب کے نااہل قرار پا سکتے تھے، لہٰذا وہ ان آیات اور احکام کو لوگوں سے مخفی ہی رکھتے تھے۔ وکانوا یحذرون ان یضمحل اعتقاد الناس فیهم انہیں یہ بھی خوف رہتا تھا کہ اظہار آیات کی صورت میں لوگوں کا اعتقاد ان پر کمزور ہو جائے گا کیونکہ لوگوں کو پتہ چل جائے گا کہ ان کا فلاں پادری اب تک غلط فتویٰ دیتا رہا ہے، لہٰذا کوئی اسے عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھے گا۔ ویلاموا بترك العمل بتلك الآيات اور متعلقہ آیات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے لوگ ان کو ملامت کریں گے۔

پہلی مثال :

جس طرح گزشتہ دروس میں شاہ صاحب رحمہ اللہ نے یہودیوں کی طرف سے تحریف فی الکتاب کی مثالیں بیان کی ہیں، اسی طرح اب کتمانِ آیات کی بھی مثالیں بیان کرتے ہیں۔ فمن جملة ذٰلك من جملہ ان کے ایک مثال یہ ہے ان رجم الزانی مذکور فی التوراة کہ زانی کو سنگسار کرنے کا حکم تورات میں موجود تھا مگر سرکردہ یہودی آیت رجم پر عمل درآمد نہیں کرتے تھے۔ وکانوا یترکونه لاجماع احبارهم علی ترك الرجم وہ اس آیت پر عمل درآمد اس لئے ترک کر چکے تھے کیونکہ ان کے بڑے بڑے پیر اور مولوی اس کے ترک پر متفق ہو چکے تھے۔ ابتداء میں یہودیوں کا طریق کار یہ تھا کہ اگر کوئی کمزور آدمی زنا کا ارتکاب کرتا تو اسے رجم کی سزا دی جاتی اور اگر کوئی بڑا آدمی اس جرم میں ملوث ہو جاتا تو اس کے رعب و دبدبہ اور اثر و رسوخ کی وجہ سے اسے رجم نہ کرتے۔ پھر کچھ عرصہ بعد یہودی علماء نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہمارا یہ طریق کار قابل اعتراض ہے، لہٰذا زانی کے لئے کوئی ایسی سزا تجویز کرنی چاہیے جو ہر چھوٹے بڑے، ادنیٰ، اعلیٰ، امیر، غریب سب کے لئے یکساں ہو۔ چنانچہ واقامة الجلد انہوں نے اس جرم کی سزا کوڑے مارنا وتسحيم الوجه مقامه منہ کالا کرنا مقرر کر دیا۔ گویا انہوں نے بدکاری کی سزا سنگساری کی بجائے کوڑے مارنا اور روسیاہی مقرر کر دیا۔ ویکتمون ذٰلك مخافة الفضيحة اور رجم والے اصل حکم کو رسوائی کے ڈر سے چھپانے لگے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس کتمان کو ظاہر کر دیا، یہودی علماء ذلیل و رسوا ہوئے اور زانی کو رجم کیا گیا۔ یہ صحیح

احادیث میں موجود ہے۔

یہودیوں کی اس تمام تر غلط حرکت کے باجود رجم کی آیت آج بھی تحریف شدہ تورات میں موجود ہے۔تورات کے تراجم اردو، فارسی، انگریزی، عربی مختلف زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں۔آپ کے یہاں کتب خانہ میں موجود اردو ترجمہ میں یہ آیت اب بھی موجود ہے کہ ''جو شخص پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے گا وہ جان سے مارا جائے گا''۔ یہ رجم ہی تو ہے جس کو یہودی لاکھ کوشش کے باوجود ختم نہیں کر سکے۔

دوسری مثال :

ومن جملة ذٰلك کتمانِ آیات کی دوسری مثال شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ یوں بیان کرتے ہیں انهم كانوا يؤولون آيات بشارة هاجر واسماعيل عليهما الصلاة والسلام ، ببعثة نبي في اولادهما کہ یہودی لوگ ان آیات کی غلط تاویل کرتے تھے جن میں حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور اسماعیل علیہ السلام کے متعلق بشارت تھی کہ ان کی اولاد میں سے نبی آخرالزمان مبعوث ہوگا۔ وفيها اشارة بوجود ملة يتم ظهورها وشهرتها في ارض الحجاز اور ان آیات میں یہ اشارہ بھی موجود تھا کہ ھاجرہ اور اسماعیل کی اولاد میں سے ایک ملت کا ظہور ہوگا جس کی شہرت سرزمین حجاز میں ہوگی۔ وتملئ بها جبال عرفة من التلبية اور اس ملت کی تلبیہ یعنی لبیک لبیک کی آوازوں سے عرفات کی پہاڑیاں بھر جائیں گی اور گونج اٹھیں گے۔ ويقصدون ذٰلك المواضع من اطراف الاقاليم اور اطرافِ عالم سے لوگ ان مقامات کا قصد کریں گے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی سارہ (جو ان کی چچا زاد تھیں) کو لے کر مصر پہنچے تو شاہ مصر نے اپنی ایک لونڈی جو مظلوم شہزادی تھی جس کا نام ہاجرہ تھا حضرت سارہ کو دے دی۔ انہوں نے اسے اپنے خاوند کی خدمت میں پیش کر دیا اور ابراہیم علیہ السلام نے اس سے نکاح کر لیا۔ اور اس سے اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان دونوں ماں بیٹا کو ارضِ حجاز میں مکہ میں آباد کیا۔ ان کے آگے بارہ بیٹے ہوئے اور اس طرح ارضِ حجاز میں ایک ملت اٹھی۔ اللہ کے حکم سے ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے بیت اللہ شریف کو از سر نو تعمیر کیا، لوگوں کو بیت اللہ کا حج کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ اس وقت سے لے کر آج

تک ہر سال ہزاروں لاکھوں انسان بیت اللہ شریف کے حج کے لئے آتے ہیں۔ میدانِ عرفات میں وقوف کرتے ہیں جن کی تلبیہ کی صداؤں سے عرفات کی پہاڑیاں گونج اٹھتی ہیں۔ وھی ثابتة في التوراة الى الآن اور یہ ساری باتیں آج تک تورات میں ثابت ہیں۔

یہ ساری بشارتیں تورات میں موجود تھیں مگر یہودیوں نے ان کی غلط تاویلات کیں۔ دراصل یہودی نبی آخر الزمان کی بعثت کے تو قائل تھے اور اپنی کتابوں کی پیش گوئیوں کے مطابق وہ ان کی آمد کے منتظر بھی تھے مگر توقع یہ رکھتے تھے کہ چونکہ اس سے پہلے ہزاروں انبیاء حضرت اسحاق اور یعقوب علیہما السلام کے خاندان میں سے آئے ہیں، اللہ کا آخری نبی بھی انہی کی اولاد میں سے ہوگا۔ مگر جب اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا اعلان کیا تو یہودی حسد کی آگ میں جل گئے کیونکہ آپ حضرت اسحاق علیہ السلام کی بجائے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ اسی حسد کی بنا پر یہودیوں اور عیسائیوں نے آج تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت کو تسلیم نہیں کیا۔ وہ آپ کو عربوں کا قائد تو تسلیم کرتے ہیں مگر نبی ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے تورات کی متعلقہ آیات کی غلط تاویلات کیں تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو ثابت نہ کیا جا سکے۔

وكانوا يؤولونها بان ذٰلك اخبار بوجود هذه الملة اور یہودی ان آیات کی تاویل یہ کرتے تھے کہ ان میں اسی ملت کے ظاہر ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ وانه ليس فيه امر بالاخذ بها مگر اس پر عمل کرنے کا حکم نہیں ہے۔ مزید برآں وكانوا يقولون ملحمة كتبت علينا وہ یہ بھی کہتے تھے کہ اس امت کے غلبے اور شہرت سے مراد ایک لڑائی ہے جو ہم پر مسلط کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ لڑائی میں شور و شر، نعرے بازی اور عام شہرت اور کسی فریق کا غلبہ ہوتا ہے، اس لئے وہ ملت آخرہ کی بشارت کو محض ایک لڑائی پر محمول کرتے تھے۔ اس طریقے سے یہودی لوگ آخری نبی اور آخری ملت کا انکار، اس پر عمل درآمد سے انکار جیسی غلط تاویلیں کرتے تھے۔ ولما كان هذا تاويل ركيكاً فلا يسمعه احد چونکہ یہ تاویل بالکل بودی اور کمزور تھی لہٰذا کوئی بھی اس کو سننے کے لئے تیار نہ تھا۔ ولا يكاد يصح عند احد اور نہ ہی یہ کسی کے ہاں صحیح تھی۔ كانوا يتواصون باخفائه ولا يجوزون اظهاره لكل عام وخاص ایسی بے معنیٰ تاویل کے پیش نظر یہودی اس کو مخفی رکھنے کی وصیت کرتے

تھے اور اس کو ہر عام وخاص کے سامنے ذکر کرنے کو مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ قرآن پاک نے ان کے اس راز کی پردہ دری اس طرح کی ہے أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ (البقرہ : ٧٦) وہ آپس میں ایک دوسرے کو کہتے تھے کہ کیا تم ایسی چیز بیان کرتے ہو جو اللہ نے تم پر ظاہر کی ہے تاکہ وہ تمہارے پروردگار کے ہاں تمہارے ساتھ جھگڑا کر سکیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہودی حقیقت کو اچھی طرح جانتے اور پہچانتے تھے اور غلط تاویلات کر کے انکار کر دیتے تھے، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ما اجھلھم تعجب ہے کہ یہ لوگ کس قدر جاہل تھے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کیف تحمل منة الله سبحانه وتعالٰی علی هاجر واسماعیل بهذه المبالغة کس طرح محمول کیا جائے گا اللہ تعالیٰ سبحانہٗ وتعالیٰ کا وہ احسان جو اس نے حضرت ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام پر اس مبالغے (زور وشور) کے ساتھ کیا ہے وذکر هذه الامة بهذا التشريف اور اس آخری امت کا اس عزت واحترام کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ علی ان لا یکون فیه حث وتحریض وترغیب فی الاخذ بالتدین بها اگر اس میں آخری ملت کو بطور دین پکڑنے کی ترغیب وتحریص اور برانگیختگی نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس شان وشوکت کے ساتھ حضرت ہاجرہ، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور آخری امت کا ذکر کیا ہے، یہی اس بات کی دلیل ہے کہ اس ملت کو بطور دین اختیار کرنا ضروری ہے۔ اس نتیجے کے علاوہ اسے کسی دوسری بات پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ سبحانك هذا بهتان عظيم اللہ تعالیٰ کی ذات ہر عیب ونقص سے پاک ہے اور یہودیوں کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے محض اس آخری ملت کا ذکر کیا ہے اور اس کو اختیار کرنے کا حکم نہیں دیا، بہت بڑا بہتان ہے۔

آگے فرمایا اما الافتراء اور یہودی لوگ افترا یعنی جھوٹ باندھنے کے جرم میں بھی ملوث تھے۔ فالسبب اور اس کا سبب یہ تھا فیه دخول التعمق والتشدد علی احبارهم و رهبانهم کہ ان کے پیروں اور مولویوں میں تعمق اور تشدد داخل ہو چکا تھا۔ تعمق کا معنیٰ بال کی کھال اتارنا ہے یعنی سخت نکتہ چینی کرنا اور تشدد کا معنیٰ سختی کرنا۔ اسی طرح تعصب بھی بڑی خصلت ہے اور یہ سب چیزیں یہودی علماء میں پیدا ہو چکی تھیں جس کی وجہ سے وہ افترا کے مرتکب ہوتے تھے۔ آپ کو یاد ہونا چاہیے کہ

تعصب سے مراد جانبداری یا غلط بات کی حمایت کرنا آتا ہے۔اپنے خاندان، برادری یا مولوی کی بات کو دوسروں کے مقابلے میں بلاوجہ ترجیح دینا تعصب کہلاتا ہے، جو کہ ایک بری خصلت ہے اس کے مقابلے میں تصلب فی الدین کی اصطلاح ہے جس سے دین میں پختگی اور اس کے اصولوں پر اقامت مراد ہوتی ہے۔جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین رحمہم اللہ دین اسلام پر قائم رہے ہیں اور جیسا کہ اچھے لوگ آج بھی دین کے اصولوں کو سینوں سے لگائے بیٹھے ہیں۔یہ پسندیدہ اور محبوب امر ہے۔

بہر حال تعمق، تشدد اور تعصب کی بیماری علماء میں داخل ہو چکی تھی۔ اس کے علاوہ

والاستحسان یعنی استنباط بعض الاحکام لادراك بعض المصلحة فیه بدون نص الشارع ان میں استحسان یعنی بعض احکام میں نص شرعی کے بغیر کسی مصلحت کی خاطر استنباط کرنے کی خصلت بھی پیدا ہو چکی تھی۔اگر شارع کی نص موجود ہو تو مجتہد غور وفکر کر کے مسئلہ کا استنباط کر سکتا ہے۔مگر جہاں نص ہی موجود نہ ہو اور محض کسی مولوی وغیرہ کے قول کو سامنے رکھ کر کسی مسئلہ میں استنباط کرنا تو محض گمراہی کی بات ہے۔جو کہ یہودی علماء میں پھیل چکی تھی۔**وترویج الاستنباطات الواهیة** اور اس طرح کمزور استنباط ان میں رائج ہو چکے تھے۔**فالحقوا اتباعه بالاصل** چنانچہ انہوں نے ان کمزور استنباطات اور ان کے اتباع کو اصل کے ساتھ شامل کر لیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اصل فریضہ تو رہ جاتا ہے اس پر عمل درآمد کی پرواہ نہیں کی جاتی اور خودساختہ جعلی چیزوں پر سختی سے عمل کیا جاتا ہے۔اس کی مثالیں آج ہمارے معاشرے میں موجود ہیں۔زکوٰۃ وصدقات کی پرواہ نہیں مگر پیرانِ پیر کی گیارھویں یا میت کے تیجے، چالیسویں وغیرہ چھوٹنے نہیں پاتے۔نماز، روزہ کی پرواہ نہیں مگر پیر کے آستانے پر حاضری ضروری سمجھتے ہیں۔یہ چیزیں تعمق کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔اللہ کے بندو! پہلے فرائض کو پورا کرو اور اس کے بعد دوسری چیزوں کی طرف آؤ کیونکہ بناوٹی چیزیں اصل کے ساتھ مل کر اصل سے زیادہ ضروری سمجھی جانے لگتی ہیں۔پھر اگر کوئی بدعات کے فروغ سے منع کرنے کی کوشش کرے تو اس کی بات کو وہابی کا خطاب دے کر رد کر دیا جاتا ہے۔العیاذ باللہ!

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہودی لوگ صرف اسی پر بس نہیں کرتے تھے بلکہ **وكانوا یزعمون ان اتفاق سلفهم من الحجج القاطعة** وہ یہ گمان کرتے تھے کہ جن باتوں پر ان کے

اسلاف کا اتفاق ہو گیا ہے وہ ان کے لئے قطعی حجت کا درجہ رکھتی ہیں، حالانکہ ان کا یہ گمان بھی غلط ہے کیونکہ قطعی دلیل تو نص سے حاصل ہوتی ہے اور محض بزرگوں کے متفق علیہ اقوال قطعی دلائل نہیں بن سکتے۔ خاص طور پر جبکہ ان کا اصل بھی موجود نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ فلیس لھم فی انکار نبوۃ عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام مستند الا اقوال السلف کہ یہودیوں کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے انکار کے لئے بزرگوں کے اقوال کے علاوہ کوئی مستند دلیل نہیں تھی۔

یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا اور پھر یہودیوں اور نصاریٰ نے مل کر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کو ماننے سے انکار کر دیا۔ یہ لوگ ویسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کارہائے نمایاں کی تعریف کرتے ہیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا نبی اور رسول اور قرآن پاک کو اللہ کا کلام تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ وکذالک فی کثیر من الاحکام اور اکثر احکام میں وہ یہی وطیرہ اختیار کرتے تھے۔ وہ لوگ وحی الٰہی اور نص قطعی کو چھوڑ کر اپنے مولوی کی بات کو پتھر پر لکیر سمجھ کر مانتے تھے۔ افترا کا یہی سلسلہ ان میں جاری تھا۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں واما التساھل فی اقامۃ احکامھا کہ یہودیوں کی گمراہی کا ایک سبب احکامات الٰہی کی تعمیل میں سستی، کاہلی اور کوتاہی بھی تھا، اس کے علاوہ وارتکاب البخل والحرص کنجوسی اور لالچ بھی ان میں پیدا ہو چکا تھا۔ فظاھر انہ مقتضی النفس الامارۃ اور ظاہر ہے کہ انسان کا نفس امارہ اسے اس چیز پر اکساتا ہے۔ ولا یخفی انھا تغلب الناس الا من شاء اللہ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نفس امارہ لوگوں پر غالب ہے، سوائے اس کے جس کے بارے میں اللہ چاہے۔ قرآنِ پاک میں اس بات کو بیان کیا گیا ہے۔ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ (یوسف : ۵۳) بے شک نفس برائی کا بہت حکم دیتا ہے سوائے اس کے جس پر میرا پروردگار رحم فرمائے۔ بالعموم آدمی نفسانی خواہشات کی طرف ہی جاتا ہے اور نفس اس کو تسلی دیتا ہے کہ کرتے رہو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور پھر اس کے خود ساختہ فوائد بتا کر لوگوں کو برے اعمال پر عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں الا ان ھذہ الرذیلۃ قد تلونت فی اھل الکتاب بکیفیۃ اخریٰ کہ یہ بری خصلتیں اہلِ کتاب میں ایک دوسری کیفیت کے ساتھ رنگین

یعنی مرغوب ہو چکی تھیں۔ چنانچہ کانوا یتکلفون تصحیحها بتاویل فاسد وہ ان بری عادات کو غلط تاویل کے ذریعے صحیح ٹھہرانے کا تکلف بھی کرتے تھے۔ وہ لوگوں کو کہتے تھے کہ یہ بہت اچھی چیز ہے ،اس کو جاری رکھو۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی رذیل خصلت تساہل ،بخل اور حرص کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی اور یہ نفس امارہ کا تقاضا تھا جو پورا ہو رہا تھا۔ وکانوا یظھرونهٔ فی صورۃ التشریع اور یہودی اس کو اس صورت میں ظاہر کرتے گویا کہ یہ شریعت کا حکم ہے۔ لہٰذا اسے انجام دیتے رہنے کی تلقین کرتے تھے۔

استبعادِ رسالت کے اسباب :

یہ بات پہلے بھی بیان ہو چکی ہے کہ یہودی لوگ حضور علیہ السلام کی رسالت کو بھی بعید از قیاس خیال کرتے تھے۔ یہ بھی ان کی روحانی بیماری اور گمراہی کا ایک سبب تھا۔ اب یہاں پر شاہ صاحب وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ وہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو کیوں مستبعد خیال کرتے تھے۔ فرماتے ہیں واما استبعاد رسالة نبینا صلی اللہ علیه وسلم جہاں تک ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی استبعادِ رسالت کا تعلق ہے فسببه اختلاف عادۃ الانبیاء واحوالهم تو اس کا سبب مختلف انبیاء علیہم السلام کے عادات و احوال میں اختلاف تھا۔ سارے نبیوں کے حالات یکساں تو نہیں رہے ہیں مثلاً فی اکثار التزوج والاقلال کثرت و قلت ازواج کا معاملہ ہی لے لیں بعض انبیاء علیہم السلام نے زیادہ عورتوں سے نکاح کیے ہیں اور بعض نے کم عورتوں کو اپنے حرم میں داخل کیا ہے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سات بیویاں تھیں، یعقوب علیہ السلام نے بھی متعدد ازواج سے نکاح کیے۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی بیویاں تو بہت زیادہ تھیں۔ غرضیکہ نکاح کرنے کے معاملہ میں بھی مختلف انبیاء کی عادات مختلف رہی ہیں۔ وما اشبه ذٰلك اور اسی طرح کے دوسرے معاملات میں بھی اختلاف رہا ہے۔

واختلاف شرائعهم اسی طرح نبیوں کی شریعتوں میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ کسی نبی کی شریعت میں کوئی چیز حلال ہے تو دوسری شریعت میں حرام قرار دے دی گئی۔ یا اگر پہلے حرام تھی تو دوسرے نبی کی شریعت میں حلال قرار پائی۔

تعدد ازواج کی مصلحت :

واختلاف سنة الله في معاملة الانبیاء اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ معاملہ کرنے میں خود اللہ تعالیٰ کا دستور بھی مختلف رہا ہے۔ اس حقیقت سے لاعلمی کی بنیاد پر ہی بعض لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعدد ازواج پر اعتراض کرتے ہیں۔ بعض عیسائی تو یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ نکاح نہ کرتے تو آپ کی حیثیت سب سے نمایاں ہوتی۔ ان لوگوں کے اعتراض کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اللہ کے نبی نے زندگی کے پچاس اہم سال صرف ایک ہی بیوی کے ساتھ گزارے۔ اور ساری اولاد اسی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئی۔

وہ بیوہ عورت تھی، نکاح کے وقت عمر چالیس سال تھی جبکہ حضور علیہ السلام کی عمر پچیس سال تھی۔ اگر آپ کے مزاج میں تعیش کا مادہ ہوتا تو آپ عالم شباب میں متعدد نکاح کر سکتے تھے جو کہ عربوں میں معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ مگر آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ بڑھاپے میں پہنچ کر متعدد نکاح کیے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب میں اس کی مصلحت بھی بیان کر دی ہے۔ آپ نے زندگی میں کل گیارہ نکاح کیے جن میں سے صرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دوشیزہ تھیں اور باقی ساری عورتیں مطلقہ تھیں یا بیوہ تھیں۔ آپ کی دو بیویاں آپ کی زندگی ہی میں وفات پا گئیں۔ جبکہ نو آپ کی وفات کے وقت موجود تھیں۔ ان کے علاوہ بعض لونڈیاں بھی تھیں۔ شاہ مصر کی عطا کردہ لونڈی ماریہ قبطیہ کے بطن سے آپ کا ایک بیٹا بھی پیدا ہوا جو سولہ ماہ کی عمر میں فوت ہو گیا۔ تعدد ازواج کی ایک مصلحت مختلف قبائل میں پائی جانے والی منافرت کو کم کرنا تھا۔ چنانچہ آپ نے بعض مخالف ترین خاندانوں میں نکاح کیے۔ مثلاً آپ نے ابوسفیان کی بیٹی ام حبیبہ کو اپنی زوجیت میں لیا۔ نیز خیبر کے یہودی سردار حی ابن اخطب کی بیٹی صفیہ بھی آپ کے نکاح میں آئی۔ بعض دوسرے خاندانوں میں بھی اسی مصلحت کے تحت نکاح کیے جس سے بلاشبہ منافرت میں کمی واقع ہوئی اور اسلام کی اشاعت میں بہتر ماحول میسر آیا۔ خود اللہ تعالیٰ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا تھا کہ آپ مختلف خاندانوں کی عورتوں سے نکاح کریں تاکہ اسلام کی اشاعت میں تیزی آئے۔ چنانچہ ازواجِ مطہرات اسلام کی تبلیغ کا کوئی موقعہ اور محل ہاتھ سے نہیں جانے دیتی تھیں۔ ہر ام المومنین کا گھر سکول یا کالج کی حیثیت اختیار کر گیا تھا جہاں سے ہزاروں مرد و زن اسلامی تعلیمات

سے مستفید ہوتے رہے۔

آپ کو یہ بھی علم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے تعدد ازواج کا حکم محض نفسانی خواہش کی تکمیل کے لئے ہی نہیں دیا تھا بلکہ اس میں بعض پابندیاں بھی عائد کردی تھیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے یہ شرط عائد کر دی تھی کہ اگر آپ کسی خاندانی عورت سے نکاح کرنا چاہیں تو ایسی عورت کی ہجرت بھی ثابت ہونی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خواہش کے باوجود اپنی چچازاد ام ہانی سے نکاح نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی حکم دیا تھا کہ موجود بیویوں کو ہی برقرار رکھیں اور ان کی جگہ دوسری بیویاں نہ کریں۔

آخری نبی کی بنی اسماعیل سے بعثت :

وبعثة النبی من ولد اسماعیل ، ولقد کان جمھور الانبیاء من بنی اسرائیل یہودیوں میں استبعادِ رسالت کا ایک سبب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے بعثت بھی تھا، حالانکہ سابقہ اکثر انبیاء (تقریباً چار ہزار) بنی اسرائیل یعنی حضرت اسحاق اور یعقوب علیہما السلام کی اولاد میں سے تھے، بنی اسماعیل میں سے ان کے بعد صرف حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بھیجا۔ **و امثال ذٰلک** استبعادِ رسالت سے متعلق بعض دیگر مثالیں بھی موجود ہیں۔

نبوت بمنزلہ اصلاح نفوس عالم :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **والاصل فی ھذہ المسألة ان النبوة بمنزلة اصلاح نفوس العالم** اور اسی مسئلہ میں بنیادی بات یہ ہے کہ نبوت کا مقصد دنیا جہان کے لوگوں کی اصلاح ہوتا ہے۔ اللہ کا نبی وحی کی تعلیمات کے ذریعے لوگوں کی تربیت کرتا ہے اور ان کی بری خصلتوں کو ان سے دور کرتا ہے۔ لوگوں میں طہارت، اخبات، سماحت اور عدل جیسی اچھی صفات پیدا کرتا ہے۔ بہر حال شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبوت کا ایک فریضہ تو اصلاح نفوس عالم ہوتا ہے۔

اور دوسری چیز **وتسویة عاداتھم وعباداتھم** ان کی عادات اور عبادات کی درستگی ہوتا ہے۔ معاشرے میں پیدا ہونے والی بری رسوم ورواج کو اللہ کا نبی درست کرتا ہے۔ اور اگر عبادات

میں کوئی خرابی آ گئی ہو تو اس کو بھی ٹھیک کرتا ہے۔ بعض اوقات عبادات میں نئی نئی چیزیں داخل ہو جاتی ہیں۔ اللہ کا نبی ایسی چیزوں کی نشان دہی کر کے لوگوں کو اصل دین کی طرف راغب کرتا ہے۔ نبوت کا مقصد تو یہ ہوتا ہے لا ایجاد اصول بر و اثم نہ کہ نیکی و بدی کے اصول کا ایجاد کرنا۔ وہ الگ مسئلہ ہے۔ نبی اپنی طرف سے کوئی چیز ایجاد نہیں کرتا بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے۔ یعنی ہر بات کے اصول منجانب اللہ ہوتے ہیں۔

ولکل قوم عادة فی العبادات ہر قوم کی عبادات میں کچھ عادات اور معمولات ہوتے ہیں۔ مختلف عبادات اور ان کے مختلف طور طریقے ہوتے ہیں۔ وتدبیر المنزل ان کے خانگی معاملات یعنی نکاح، اولاد، مالک مملوک، خادم مخدوم، باہمی تعاون، اقربا اور اغیار کے ساتھ حسن سلوک وغیرہ جیسے امور تدبیر منزل میں شمار ہوتے ہیں اور یہ بھی مختلف اقوام کے مختلف ہوتے ہیں والسیاسة المدنیة اور سیاست مدنیہ بھی معاشرے کا حصہ ہے۔ اس میں نظم و نسق اور عدل و انصاف کا قیام آتا ہے جو کہ ایک باقاعدہ حکومت کے ذریعے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ برائی کی بیخ کنی اور معاشرے کے غلط کار لوگوں کو برائی سے روکنا بھی حکومت کی ذمہ داری میں آتا ہے۔ پھر اس حکومت کے پاس فوج اور پولیس ہو جو بیرونی سرحدوں کی حفاظت اور اندرونی امن و امان کی ضمانت ہو، حکومت کے وزیر اور مشیر ہو، ان کا عملہ ہو، عدالتیں ہوں جو انصاف فراہم کر سکیں۔ اس چیز کو سیاست مدنیہ کا نام دیا گیا ہے۔ اس مقصد کے لئے بھی مختلف اقوام اور مختلف ممالک میں مختلف سیاسی نظام رائج ہیں۔ اس سب چیزوں کی اصلاح نبی کے فرائض میں شامل ہوتی ہے۔ جس کو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اصلاح نفوس عالم کا نام دیا ہے۔

فاذا حدثت النبوة فی اولٓئك القوم، لاتفنی تلك العادة بالمرة جب کسی قوم میں نبوت کا احیاء ہوتا ہے تو ان بری عادات و اطوار کو یکدم ختم نہیں کر دیا جاتا۔ ولا تستأنف ایجاد عادة اخری اور نہ ہی کوئی دوسری عادت فوری طور پر ایجاد کی جا سکتی ہے۔ بل یمیز النبی من العادات ما کان علی القاعدة موافقًا لما یرضی اللہ سبحانہ وتعالٰی فیبقیه بلکہ مروجہ عادات میں سے اللہ کا نبی اس عادت کو علیحدہ کرتا ہے جو اس قانون اور قاعدہ کے موافق ہوتی جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا۔ پھر پیغمبر اس عادت کو باقی رکھتا ہے۔ وما کان منھا بخلاف ذلك فیغیرہ بقدر

الضرورة اوران میں سے جو عادت مرضیاتِ الٰہی کے خلاف ہوتی ہے، اس کو حسب ضرورت تبدیل کر دیتا ہے۔ چنانچہ ہمارے پیغمبر نبی آخر الزمان نے یہی کیا کہ معاشرے میں مروج اچھی باتوں کو باقی رکھا اور بری خصلتوں کو نکال دیا۔ والتذکیر بآلاء الله ایضاً یکون علی هذا الاسلوب کما یکون شائعاً فیما بینهم فیألفونها اور تذکیر بآلاء اللہ اور تذکیر بایام اللہ بھی اسی طریقے پر کی جاتی ہے جو ان میں رائج ہو اور جس سے وہ مانوس بھی ہوں۔

فاختلف شرائع الانبیاء بهذه النکتة اسی نکتہ پر آکر انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں باہم مختلف ہوگئی ہیں۔ ومثل هذا الاختلاف کاختلاف الطبیب اس اختلاف کی مثال اس طبیب کی مثال سے سمجھی جاسکتی ہے۔ اذا دبر امر المریضین کہ جب وہ مختلف الحال مریضوں کی تدبیر کرتا ہے۔ فیصف لاحدهما دواءً بارداً وغذاء بارداً تو ان میں سے ایک مریض کے لئے سرد دوائی اور سرد غذا تجویز کرتا ہے۔ ویامر الاخر بدواء حار وغذاء حار اور دوسرے مریض کے لئے گرم دوائی اور گرم خوراک کا حکم دیتا ہے۔ طبیب کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ مریض کے جسم کی حالت اور مقامی موسم کو مد نظر رکھتے ہوئے علاج کرتا ہے۔ وغرض الطبیب فی الموضعین واحد اور دونوں مواقع پر طبیب کا مقصد ایک ہی ہوتا ہے۔ وهو اصلاح الطبع وازالة المفسد لاغیر اور وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ مریض کی طبیعت کی اصلاح ہو اور ان مفسد چیزوں کا ازالہ ہو جن کی وجہ سے مرض لاحق ہوا۔ وقد یصف فی کل اقلیم دواء وغذاء علی حدة بحسب عادة الاقلیم اور یہ بھی ہے کہ طبیب کسی ملک کے لوگوں کے لئے ان کے حسب عادت دوا اور غذا تجویز کرتا ہے۔ ویختار فی کل فصل تدبیراً موافقاً بحسب طبع الفصل نیز وہ ہر موسم میں اس موسم کے مناسب حال علاج کی تدبیر کرتا ہے۔

وهکذ الحکیم الحقیقی جل مجده لما اراد ان یعالج من ابتلی بالمرض النفسانی اسی طریقے سے جب حکیم حقیقی اللہ مجدہٗ الکریم نے لوگوں کی نفسانی امراض کا علاج کرنے کا ارادہ کیا۔ ویقوی الطبع والقوة الملکیة ویزیل المفسد اور اس نے لوگوں کی تقویت طبع، قوتِ مالکیہ کی مضبوطی اور مفسد چیزوں کا ازالہ کرنا چاہا اختلفت المعالجة بحسب اختلاف اقوام

کل عصر تواس نے ہر دور کی قوم کے حسب حال علاج بھی مختلف طریقے سے کیا۔اس سلسلہ میں واختلاف عاداتھم ومشھوراتھم ومسلماتھم مختلف لوگوں کی عادات ان کی مشہور باتوں اور ان کے ہاں تسلیم شدہ چیزوں کو بھی مدنظر رکھا۔چونکہ یہودیوں نے عرصہ دراز سے دوسرے خاندان سے نبی کو مبعوث ہوتے نہیں دیکھا تھا اس لئے وہ حضور علیہ السلام کی رسالت کو بعید از قیاس تصور کرنے لگے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وبالجملة فان شئت ان ترى انموذج اليهود فانظر الى علماء السوء من الذين يطلبون الدنيا غرضیکہ اگر تم موجودہ زمانے میں یہودیوں کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہو تو ان علماء سوء کی طرف دیکھ لو جو محض دنیا کے طالب ہیں۔ان کا مقصد محض پیسہ کمانا ہے۔جو خواہ مردے کی تجہیز و تکفین یا رسم قل اور رسم چالیسویں یا ویسے ہی ختم پڑھ کر حاصل ہو۔وقد اعتادوا تقليد السلف وہ سلف کی تقلید کے عادی ہو چکے ہیں۔اور کہتے ہیں کہ ہمارے بزرگ جو کچھ کہہ گئے ہیں ہم اسی کا اتباع کریں گے۔اگر کسی عمل میں نقصان ہوتا بھی نظر آئے تو محض پیر سائیں کے حکم کی تعمیل میں تکلیف اٹھانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔اور اپنے مطاع کی تقلید کو مقدم رکھتے ہیں۔ واعرضوا عن نصوص الكتاب والسنة اور کتاب وسنت کی نصوص سے اعراض کرتے ہیں۔اس کی بجائے وتمسكوا بتعمق عالم وتشدده واستحسانه اورانہوں نے اپنے عالم کے تعمق، تشدد اور استحسان کو اختیار کیا ہے۔فاعرضوا عن كلام الشارع المعصوم پس وہ معصوم شارع کے کلام سے بے پرواہ ہو گئے ہیں۔وتمسكوا باحاديث موضوعة وتاويلات فاسدة اور انہوں نے من گھڑت احادیث اور ان کی فاسد تاویلات کو اختیار کر لیا ہے۔ایسے بے نصیب لوگ صحیح حدیث کی بجائے موضوع حدیثوں کو لے لیتے ہیں اور ان کی غلط تاویل کر کے نصوص سے محروم ہو جاتے ہیں۔شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کانت سبب هلاكهم کہ یہی چیز ان کی ہلاکت کا سبب بنتی ہے۔اس قسم کے علماء آپ کو ہر ملک، ہر شہر اور ہر قوم میں ملیں گے۔آپ ان کو پنجابیوں، پٹھانوں، سندھیوں اور بلوچیوں میں ہر جگہ موجود پائیں گے۔

اما النصاریٰ فکانوا مؤمنین بعیسی علیه الصلوٰة والسلام، وکان من ضلالتهم انهم یزعمون ان لِلّٰه سبحانه وتعالیٰ ثلاث شعب متغایرة بوجه متحدة بآخر، ویسمون الشعب الثلاثة اقانیم ثلاثة ...... الی ...... ان فارقلیط یلبث فیکم مدة من الدهر ویعلم العلم، ویطهر الناس ویزکیهم ولا یظهر هذالمعنی فی غیر نبیناصلی الله علیه وسلم واما ذکر عیسی فهو عبارة عن اثبات نبوته، لاان یسمیه: الله، او :ابن الله۔ (ص ۱۱ تا ۱۳)۔

ربطِ مضمون :

اب تک گمراہ فرقوں کے ساتھ بحث مباحثہ کا بیان ہو رہا تھا سب سے پہلے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مشرکین کی گمراہی کی مختلف باتوں کا ذکر کر کے ان کے جوابات دیئے۔ پھر کافی تفصیل کے ساتھ یہودیوں کے غلط عقائد اور گمراہی کا تذکرہ ہوا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بتلایا کہ یہودیوں میں کیا کیا خرابیاں پائی جاتی تھیں۔ اور ان کے ساتھ بحث مباحثہ کے لئے کون سا طریقہ اختیار کرنا چاہیے ان کے غلط عقائد کے جوابات بھی دیئے گئے۔

نصاریٰ کی اصلیت :

اب آج کے سبق میں مصنف کتاب شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے نصاریٰ کی اصلیت، ان کی خرابیاں اور برے عقائد کا ذکر کر کے حقیقت کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ نصاریٰ بھی اہلِ کتاب میں شامل ہیں کیونکہ کتاب الٰہی انجیل کے حاملین ہیں۔ یہ لوگ عرب میں تو یمن اور نجران وغیرہ کی طرف ہی زیادہ تر آباد تھے، تاہم شام اور دوسرے ممالک میں ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

نصاریٰ جمع ہے نصرانی کی جس کا معنی مدد کرنے والا آتا ہے۔ ابتدا میں یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری کہلاتے تھے، جو آپ پر ایمان لائے اور آپ کے لائے ہوئے دین کی تبلیغ اور ہر حکم کی تعمیل پر کمربستہ رہتے تھے۔ قرآنِ پاک نے اس بات کا ذکر یوں کیا ہے۔ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ ط قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ (الصف :

۱۴)۔جس طرح عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے حواریوں سے کہا کہ اللہ کے راستے میں میرا کون مددگار ہے تو حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں۔مسیح علیہ السلام کے حواری بھی اصحابِ رسول کی طرح تعداد میں کم تھے مگر نہایت مخلص لوگ تھے۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں کو خدا کا پیغام، دین کی اشاعت اور لوگوں کے عقائد کی اصلاح کے لئے جدھر بھی روانہ کرتے وہ اپنا فریضہ پورے طریقے سے ادا کرتے تھے۔ اس طرح یہ لوگ اللہ کے دین کے مددگار ہونے کی حیثیت سے نصاریٰ کہلائے۔ اور پھر سارے عیسائیوں کے لئے یہی نام مشہور ہو گیا۔البتہ بعد میں جا کر ان کے عقائد سے اصل باتیں نکل گئیں اور غلط باتیں شامل ہو گئیں، پہلے والا ایمان اور خلوص باقی نہ رہا بلکہ صرف نام ہی رہ گیا۔اب موجودہ عیسائی تحریف شدہ انجیل کے ماننے والے ہیں، اور نصاریٰ کہلاتے ہیں۔جس طرح یہودی لوگ آسمانی کتاب تورات پر ایمان کے دعوے کے باوجود حقیقت سے دور جا چکے ہیں، اسی طرح عیسائی بھی صحیح لوگ نہیں ہیں کیونکہ نہ تو یہ توحید پر صحیح طریقے سے ایمان رکھتے ہیں اور نہ ہی اللہ کے سارے نبیوں کو مانتے ہیں۔یہودیوں کی حالت یہ ہے کہ وہ نہ تو عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا نبی تسلیم کرتے ہیں اور نہ ہی حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ماننے کے لئے تیار ہیں۔اس طرح نصاریٰ بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا نبی اور رسول تسلیم نہیں کرتے۔اور آپ کے متعلق ان کی کتابوں میں جتنی پیش گوئیاں موجود ہیں، ان کی ایسی غلط تاویلیں کرتے ہیں تاکہ وہ اللہ کے آخری نبی پر صادق نہ آئیں۔مگر ان کی تاویلات ایسی بودی اور کمزور ہیں جو عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہیں۔اس کے باوجود وہ اپنی ہٹ دھرمی پر آج تک اڑے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے متعلق غلط عقیدہ :

اب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کے غلط عقائد کا پردہ فاش کرتے ہوئے فرماتے ہیں، اما النصاری نصاریٰ کا حال یہ ہے فکانوا مؤمنین بعیسی علیه الصلوٰة والسلام کہ وہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تو ایمان رکھتے تھے، ان کو اللہ کا نبی تسلیم کرتے تھے، وکان من ضلالتھم انھم یزعمون ان لِلّٰهِ سبحانهٗ وتعالی ثلث شعب مگر ان کی گمراہی یہ تھی کہ وہ گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی تین شاخیں ہیں۔متغایرة بوجه متحدة بآخر جو ایک لحاظ سے تو الگ الگ ہیں مگر ایک لحاظ سے متحد

بھی ہیں۔ ویسمون الشعب الثلاثة اقانیم ثلاثة ان تین شاخوں کو وہ اقانیم ثلاثہ کا نام دیتے تھے۔ اقانیم جمع ہے اقنوم کی جس کا معنیٰ وجود کا آتا ہے۔ گویا ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے تین وجود یا تین شاخیں ہیں۔

باپ :

احدھا : الاب ان میں سے ایک شاخ باپ کی ہے۔ نصاریٰ اللہ تعالیٰ کو باپ مانتے ہیں۔ وذٰلك بازاء المبدأ للعالم اور یہ بایں وجہ کہ وہ پوری کائنات کی ابتدا کرنے والا ہے۔ ظاہر ہے کہ عالم کی ابتدا تو اللہ تعالیٰ کی طرف ہی منسوب ہوتی ہے۔

بیٹا :

والثانی : الابن، وھو بازاء الصادر الاول نصاریٰ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی تین شاخوں میں سے دوسری شاخ بیٹے کی ہے جس کو صادر اول کے مقابلہ میں مانا جاتا ہے۔

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو ذات بحت ہے اور وراء الوراء ہے۔ یہ ذات حواس، علم اور عقل ہر چیز سے بالا ہے۔ پھر اس کے بعد کائنات میں جو چیز سب سے پہلے ظاہر ہوئی ہے اس کو صادر اول سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور تغیر و تبدل سے منزہ ہے۔ اس میں کسی قسم کا کوئی تعین نہیں ہوتا بلکہ اجمال ہوتا ہے اور یہ ساری چیزوں پر محیط ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں عیسائی لوگ ابن کا لفظ اطلاق کرتے ہیں۔ اس کے بعد تیسرے درجے میں اللہ تعالیٰ کی احدیت ہوتی ہے اور چوتھے درجے میں واحدیت آتی ہے۔ اس کو ملا کر تعین ہوتا ہے۔ اس درجے میں ساری چیزیں ملی جلی ہوتی ہیں۔ اس طرح پانچواں اور چھٹا درجہ آتا ہے۔ تو آشیانہ تعمیر ہوتا ہے۔ اور ساتویں درجے میں چل کر مادی جہان کا تصور قائم ہوتا ہے۔

بہر حال صادر اول اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو سب سے پہلے ظاہر ہوئی اور عیسائی لوگ اسی صفت خداوندی کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے دوسرے اقنوم ابن کا اطلاق کرتے ہیں۔ وھو معنی عام شامل لجمیع الموجودات شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ عام معنی ہے۔ اس میں کسی

خاص چیز کا تعین نہیں ہوتا بلکہ کائنات کی تمام اشیا اس میں شامل ہوتی ہیں۔

روح القدس :

والثالث: روح القدس: نصاریٰ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا تیسرا اقنوم یا جزو روح القدس ہے۔ وھو بازاء العقول المجردۃ اور اس کا تصور ایسا ہی ہے جیسا کہ فلاسفہ کے نزدیک عقل مجرد ہوتا ہے۔ ان کے ہاں عقلِ اول سے لے کر عقل عاشر تک ساری چیزیں سرزد ہوتی ہیں۔ یہ سب مجرد چیزیں ہوتی ہیں جن کو یہ روحِ مجرد سے تعبیر کرتے ہیں۔ البتہ اہلِ حق بزرگانِ دین ان کو ملائکہ تصور کرتے ہیں کیونکہ ملائکہ بھی مجرد ہی ہوتے ہیں تو اس طریقے سے نصاریٰ کے نزدیک اللہ کا تیسرا جزو روح القدس ہے۔ ملائکہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں بلند تر ہستی ہیں جو انبیاء علیہم السلام پر وحی لانے کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے ہیں۔ لہٰذا وہ بھی روح القدس میں شمار ہوتے ہیں۔ روح القدس کی عام اصطلاح کے مطابق تو اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں روح القدس سے مراد ملاء اعلیٰ کی پوری جماعت ہے۔ ان کے آگے تین گروہ ہیں۔ جب یہ تینوں گروہ حظیرۃ القدس میں کسی معاملہ پر غور فکر کرتے ہیں اور پھر ان کا کسی ایک معاملہ پر اتفاق ہو جاتا ہے تو اس کو تائید روح القدس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چونکہ ملاء اعلیٰ کی جماعت کا سردار تو جبریل علیہ السلام ہی ہے، اسی لئے روح القدس کا اطلاق عام طور پر جبریل علیہ السلام پر کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے کہ ہم نے ان کو واضح نشانیاں عطا کیں۔ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ط (البقرہ : ۲۵۳) اور روح القدس کے ساتھ ان کی تائید فرمائی۔ آپ جدھر بھی جاتے تھے جبریل علیہ السلام ان کی تائید کرتے تھے۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی شاعرِ اسلام حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو فرماتے کہ مشرکوں کو ان کے اشعار کا جواب دو روح القدس تمہارے ساتھ ہیں، وہ تمہاری تائید کریں گے۔

وکانوا یعتقدون ان اقنوم الابن تدرع بروح عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام وہ اعتقاد رکھتے تھے ابن کے اقنوم نے عیسیٰ علیہ السلام کی روح کا لباس پہن لیا ہے یعنی تصور الابن بصورۃ روح عیسٰی گویا جزو ابن کو عیسیٰ علیہ السلام کی روح پر محمول کر لیا۔ کما ان جبریل علیہ السلام یظھر

بصورۃ الانسان جیسا کہ اللہ کے مقرب فرشتہ جبریل علیہ السلام انسانی صورت میں بھی ظاہر ہو جاتا تھا، اسی طرح نصاریٰ خیال کرتے ہیں کہ دوسرا اقنوم ابن روحِ عیسیٰ کی شکل میں متشکل ہو کر آیا تھا۔

جبریل علیہ السلام انسانی شکل میں :

جبریل علیہ السلام کے انسانی شکل میں آنے کے کئی واقعات احادیث سے ثابت ہیں۔ آپ عام طور پر حضور علیہ السلام کے ایک خوبصورت دراز قد اور وجیہہ صحابی حضرت دحیہ ابن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آپ کے پاس آتے تھے۔ یہ صحابی مدینے سے دور قبیلہ کلب میں رہتے تھے، مشہور آدمی تھے، شہر میں ان کی پہچان تھی، کبھی کبھی نبی علیہ السلام کی خدمت میں ظاہر ہوتے تو صحابہ ان کو شناخت کر لیتے۔ یہی دحیہ کلبی ہیں جن کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قیصر روم کے پاس اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا اور بادشاہ نے ان کی بڑی عزت افزائی کی تھی۔

بہر حال حضرت جبریل علیہ السلام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بعض اوقات دحیہ کلبی کی صورت میں آتے اور لوگ انہیں دحیہ ابن خلیفہ کلبی ہی سمجھتے۔ پھر جب وہ کچھ دیر بیٹھ کر چلے جاتے تو حضور علیہ السلام خود صحابہ رضی اللہ عنہم کو بتاتے کہ جسے تم دحیہ کلبی سمجھ رہے ہو، یہ جبریل علیہ السلام تھے۔

الغرض! نصاریٰ گمان کرتے تھے کہ جس طرح جبریل انسانی شکل میں آجایا کرتے تھے اسی طرح دوسرا اقنوم ابن یعنی بیٹے کی شکل میں متشکل ہو کر آ گیا تھا۔ ویزعمون ان عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ وہ یہ بھی گمان کرتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام خود اللہ ہیں، وانہ ابن اللہ ایضاً اور وہ اللہ کے بیٹے بھی ہیں۔ وانہ بشر تجری علیہ الاحکام البشریۃ والالٰھیۃ معاً اور آپ انسان بھی ہیں جن پر احکام بشریہ اور احکامِ الٰہیہ بیک وقت جاری ہوتے ہیں۔ احکامِ الٰہیہ سے مراد غیر معمولی باتیں معجزات وغیرہ ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے تھے۔ وکانوا یتمسکون فی ھٰذا الباب ببعض نصوص الانجیل حیث وقع فیہ لفظ الابن اس سلسلے میں وہ انجیل کی بعض نصوص سے دلیل پکڑتے تھے جہاں انجیل میں ابن کا لفظ وارد ہوا ہے۔ وقد نسب الی نفسہ بعض الافعال الالٰھیۃ اور جہاں عیسیٰ علیہ السلام نے ان افعال کی نسبت اپنی طرف کی ہے۔ حالانکہ وہ تو معجزہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے مگر بندے کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے۔ اسی غلط فہمی کی بنا پر عیسائی

کہتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام خود اللہ ہیں اور ان پر الوہیت اور بشریت والے دونوں قسم کے احکام جاری تھے۔ اس طریقے سے نصاریٰ اقانیم ثلاثہ یعنی باپ، بیٹا اور روح القدس کے قائل ہو گئے۔

لفظ ابن کے متعلق غلط عقیدہ :

اب شاہ صاحب رحمہ اللہ نے نصاریٰ کے ان باطل عقائد کا شق وار جواب دیا ہے والجواب علی الاشکال الاول فرماتے ہیں کہ نصاریٰ کے پہلے اشکال یعنی عیسیٰ علیہ السلام کا بعض افعال الٰہیہ کو اپنی طرف منسوب کرنے کا جواب یہ ہے علی تقدیر تسلیم اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے انہ کلام عیسیٰ لیس فیہ تحریف کہ عیسیٰ علیہ السلام نے جو کلام اپنی طرف منسوب کیا ہے، یہ آپ ہی کا کلام ہے اور اس میں نصاریٰ نے از خود کوئی تحریف بھی نہیں کی۔ تو پھر بھی یہ بات سمجھ لینی چاہیے ان لفظ الابن کان فی الزمان القدیم بمعنی المحبوب و المقرب و المختار کہ قدیم زمانے لفظ ابن، محبوب، مقرب اور مختار (منتخب) کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔ کما یدل علیہ کثیر من القرائن فی الانجیل جیسا کہ خود انجیل میں موجود بہت سے قرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن سے مراد محبوب، مقرب یا مختار ہے، نہ کہ بیٹا۔ خدا کے بارے میں تو بیٹے کا تو تصور ہی غلط ہے۔ اس کا نہ تو کوئی حقیقی بیٹا ہے جو کسی عورت کے بطن سے ہو اور نہ ہی کوئی مجازی بیٹا ہے جو کسی ضرورت کے تحت بنا لیا گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ تو بے نیاز ہے وہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔ اللہ نے قرآن میں بھی واضح فرما دیا ہے۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۙ ۝ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ اللہ بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی کو جنا ہے، اور نہ وہ کسی سے جنا گیا ہے۔ جہاں تک ابن سے مراد مختار یا منتخب ہے تو اللہ کے سارے نبی ہی منتخب ہوتے ہیں۔ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ۝ (ص : ۴۷) سارے نبی نیک لوگوں میں سے ہمارے منتخب بندے ہوتے ہیں۔ اللہ کے نبی عام لوگوں سے بلند تر اور بڑی خصوصیات کے مالک ہوتے ہیں۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں وجواب الاشکال الثانی دوسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ ابن کا لفظ انہ علی سبیل الحکایۃ حکایت کی بنیاد پر استعمال ہوا ہے۔ کما یقول رسول ملک من الملوک جیسا کہ کسی بادشاہ کا ایلچی کہتا ہے۔ یا فلان قد غلبنا الملک الفلانی اے

فلاں، ہم نے فلاں بادشاہ پر غلبہ حاصل کر لیا ہے۔ وقد اخذنا قلعة كذا اور ہم نے فلاں قلعہ چھین لیا ہے۔ قاصد اس فعل کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے حالانکہ خود اس نے تو کچھ نہیں کیا ہوتا۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام نے جو بعض احکام اپنی طرف منسوب کئے ہیں وہ تو علی سبیل حکایت ہیں۔ والمعنى في الحقيقة راجع الى الملك بلکہ قاصد کی طرف سے مذکورہ فعل اصل بادشاہ کی طرف راجع ہوتا ہے۔ جس کا وہ قاصد ہے۔ یعنی اس کے بادشاہ نے کسی دوسرے بادشاہ پر غلبہ حاصل کر لیا ہے یا کوئی قلعہ سر کر لیا ہے۔ وانما هو ترجمان محض اور قاصد کی حقیقت تو بادشاہ کے ایک ترجمان محض کی ہے۔

وایضاً یحتمل اور ایک یہ بات بھی احتمال رکھتی ہے کہ ایسی جو باتیں انجیل میں مذکور ہیں یا عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زبان سے ان کا اظہار کیا ہے۔ ان يكون طريق الوحي الیٰ عیسیٰ علیه الصلوٰة والسلام انطباع المعانى فى لوح نفسه من قبل العالم الاعلى حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی وحی کا طریقہ اس طرح ہو کہ عالم بالا سے آنے والے معانی آپ کے نفس کی تختی پر منطبع ہو جاتے ہیں یعنی جبرائیل علیہ السلام کی وساطت کے بغیر وحی کے الفاظ عیسیٰ علیہ السلام کے لوحِ نفس میں بھر جاتے ہوں۔ اور اگر عیسیٰ علیہ السلام ان کو اپنے الفاظ میں بیان کریں تو اپنی طرف ہی منسوب کریں گے۔ لہٰذا یہ بھی امکان ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پر نزول وحی کا طریقہ ہی ایسا ہو لا تمثل جبريل بالصورة البشرية اور ایسی صورت میں جبریل علیہ السلام انسانی شکل میں متشکل ہو کر وحی نہ لاتے ہوں۔ والقاء الكلام اور اس طریقے سے وحی کے الفاظ القاء کر دیئے جاتے ہوں۔ فربما يجرى بسبب هذا الانطباع منه عليه الصلاة والسلام كلام مشعر بنسبة تلك الافعال الى نفسه اور عین ممکن ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی لوحِ نفس پر الفاظ وحی منقش ہو جانے کی وجہ سے ہی آپ ان کی نسبت اپنی طرف کرتے ہوں۔ والحقيقة غير خفية اور حقیقت بھی مخفی نہیں ہے۔

وبالجملة خلاصۂ کلام یہ ہے فقد رد الله سبحانه وتعالیٰ هذا المذهب الباطل کہ اللہ تعالیٰ نے اس باطل مذہب کا رد فرمایا ہے۔ وقرر ان عیسیٰ عبدالله وروحه المقدس نفخ في رحم مريم الصديقة اور یہ حقیقت پختگی کے ساتھ واضح کر دی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا بندہ اور

اس کی طرف سے مقدس روح ہے۔ جو حضرت مریم صدیقہ کے گریبان میں جبریل نے آکر پھونک دی تھی۔ جس سے حضرت مریم کے رحم میں بچہ متعین ہوا، اور اس طریقے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ وایدہ اللہ سبحانہ بروح القدس اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے روح القدس کے ساتھ اس کی تائید کی۔ ونظر الیہ بالعنایۃ الخاصۃ المرعیۃ فی حقہ اور اس کے حق میں اللہ نے عنایت خاصہ کی جو رعایت رکھی تھی، اس کی طرف توجہ فرمائی۔

تقویم بمقابلہ اتحاد :

وبالجملۃ اور خلاصۂ کلام یہ ہے لو ظھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ فی الکسوۃ الروحیۃ التی ھی من جنس سائر الارواح فرض کرو اگر اللہ تعالیٰ روحانی لباس میں ظاہر ہو جو کہ تمام ارواح کی جنس سے ہے۔ وتدرع بالبشریۃ اور پھر وہ بشریت کا لبادہ اوڑھ لے۔ **فھو لا ینطبق لفظ الاتحاد علی ھذا المعنی عند التدقیق والامعان الابتسامح** تو گہری نظر اور باریک بینی کی رو سے ان معانی میں لفظ اتحاد منطبق نہیں ہوتا اگرچہ بہت کوشش کی جائے یعنی اس معنی کو صحیح نہ رہنے دیا جائے واقرب الالفاظ لھٰذا المعنی التقویم اور اس معنی کے قریب تر لفظ تقویم ہے، نہ کہ اتحاد۔

تقویم کا معنیٰ کسی چیز کو خاص طور پر ٹھہرانا یا مقرر کرنا آتا ہے۔ جبکہ اتحاد دوسری چیز ہے، لہٰذا اس پر تقویم ہی کا لفظ اطلاق ہوسکتا ہے۔ ومثلہ (تعالی اللہ عما یقولون الظالمون علوًا کبیرًا) اور اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ کلام ہے۔ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ○ (بنی اسرائیل : ۴۳) اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اور بلند ہے ان باتوں سے جو کہ یہ لوگ کہتے ہیں۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے من گھڑت عقیدہ روحانیت کا بھی رد فرمایا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہنے والے بھی پکے کافر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کر آنے، نیز تینوں میں ایک، یہ سارے عقائد کفریہ ہیں۔

موجودہ دور میں افراط کا نمونہ :

وان شئت ان تری انموذجاً لھذا الفریق اگر تم اس فرقہ کا نمونہ دیکھنا چاہو فانظر الیوم الی اولاد المشائخ الاولیاء تو آج کے مشائخ اولیاء کی اولاد کو دیکھ لو۔ ما ذا یظنون بآباء ھم کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کے متعلق کیا گمان کرتے ہیں۔ فتجدھم قد افرطوا فی اجلالھم کل الافراط تو تم ان کو اپنے بزرگوں کی تعظیم میں بہت زیادہ افراط کرتے ہوئے پاؤ گے۔اسی افراط کی وجہ سے ان میں بہت سے غلط عقائد داخل ہوگئے ہیں۔اسی طرح عیسائیوں نے بھی عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں افراط کرنے کی وجہ سے اپنے عقائد بگاڑ لئے۔اللہ تعالیٰ کا قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ۝ (الشعراء : ۲۲۷)اور عنقریب ظالم لوگ جان لیں گے کہ وہ کس کروٹ پر پلٹتے ہیں۔

وایضاً فمن ضلالۃ اولٓئک انھم یجزمون انہ قد قتل عیسی علیہ الصلاۃ والسلام اور نصاریٰ کی گمراہی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ گمان کرتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا گیا ہے۔اللہ نے قرآن میں اس کا بھی رد فرمایا ہے۔ وفی الواقع انہ وقع اشتباہ فی قصتہ دراصل انہیں عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں اشتباہ پیدا ہوگیا تھا۔جب لوگ آپ کو سولی پر لٹکانے کے لئے لے جارہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکان کے روشندان سے نکال کر آسمان پر اٹھالیا تھا۔فلما رفع الی السماء ظنوا انہ قد قتل اور جب آپ کو آسمان کی طرف اٹھالیا گیا تو انہوں نے گمان کیا کہ آپ کو قتل کر دیا گیا ہے حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام کی بجائے ان کے ایک اور ہم شکل کو یہودیوں نے پھانسی پر لٹکا دیا۔ اس معاملہ میں وہ خود بھی شبہ میں پڑ گئے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے یا کسی دوسرے شخص کو ویروون ھذا الغلط کابراً عن کابر بہر حال وہ عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی غلط روایت نسلاً بعد نسلاً نقل کرتے رہے۔فازال اللہ سبحانہ ھذہ الشبھۃ فی القرآن العظیم مگر اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کا ازالہ قرآن پاک کے ذریعے کردیا۔فقال پس ارشاد ہوا وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (النساء : ۱۵۷) نہ تو انہوں نے آپ کو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ یہ بات ان کے لئے مشتبہ کردی گئی۔

وما ذكر في الانجيل من مقولة عيسىٰ اور انجیل میں اس واقعہ سے متعلق عیسیٰ علیہ السلام کا جو مقولہ مذکور ہے فمعناه اخبار بجرأة اليهود و اقدامهم على قتله اس سے مراد یہودیوں کی جرات اور اقدام قتل کی خبر دینا ہے۔ وان كان الله سبحانه وتعالىٰ ينجيه من هذه المهلكة اگر چہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سانحہ قتل سے نجات عطا کردی۔ واما مقولة الحوارين اور جہاں تک حواریوں کے مقولہ کا تعلق ہے فمنشأها وقوع اشتباه تو اس کا منشا یہ ہے کہ ان کو اشتباہ ہو گیا و عدم اطلاع على حقيقة الرفع الذى لاتألفه الاذهان والاسماع نیز وہ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کی حقیقت سے مطلع نہ تھے جس سے ان کے اذہان اور کان اب تک مانوس نہ تھے۔

ومن ضلالتهم ايضاً اور نصاریٰ کی گمراہی کی ایک وجہ یہ تھی انهم يقولون ان فارقليط الموعود هو عيسىٰ روح الله الذى جاء هم بعد قتل کہ وہ کہتے تھے کہ قتل ہونے کے بعد فارقلیط موعود یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی روح ان کے پاس آئی تھی۔ ووصاهم بالتمسك بالانجيل اور انہیں انجیل کو مضبوطی سے تھامے رکھنے کی وصیت کی تھی۔ ويقولون انه وصى عيسى واخبرهم بان المتنبئين يكثرون اور کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو یہ بھی خبر دی کہ میرے بعد کثرت سے مدعیان نبوت ہوں گے۔ فمن سماني فاقبلوا كلامه والا فلا پس جو میرا نام لے گا ان کی بات کو قبول کرنا اور اس کے علاوہ کسی کی بات نہ ماننا۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں فبين القرآن العظيم ان بشارة عيسىٰ انما تنطبق على نبينا عليه الصلاة والسلام کہ قرآن پاک سے واضح ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی یہ بشارت ہمارے نبی خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہے۔ لاعلى الصورة الروحانية لعيسىٰ نہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کی روحانی صورت پر جیسا کہ عیسائیوں کا غلط عقیدہ ہے۔

خود قرآن پاک نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دو فرائض کا تذکرہ کیا ہے پہلا یہ کہ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ (آل عمران :۴۶) آپ بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے اور ان کو اللہ کا پیغام پہنچانے پر مامور تھے۔ اور دوسرا فریضہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان کے مطابق یہ تھا کہ میں اپنے

سے پہلے آنے والی کتاب کی تصدیق کرتا ہوں۔ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ ط (الصف : ٦) اور میں اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جس کا نام احمد ہوگا۔ احمد عربی کا لفظ ہے اور اس کا معنی تعریف والا نبی ہے۔ عبرانی زبان میں تورات کے اندر یہ لفظ فارقلیط آیا ہے جس کا معنی بھی تعریف والا ہی ہے۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کی فارقلیط موعود کی پیشین گوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر حرف بحرف صادق آتی ہے۔ اور فارقلیط موعود سے عیسیٰ علیہ السلام کی روحانی صورت ہرگز مراد نہیں ہے۔

لانهٗ قال في الانجيل کیونکہ انجیل میں آپ نے یہ بھی کہا ہے ان فارقليط يلبث فيكم مدة من الدهر کہ فارقلیط تم میں ہمیشہ رہے گا ويعلم العلم اور وہ لوگوں کو علم سکھائے گا ويطهر الناس اور لوگوں کو پاک کرے گا ويزكيهم اور ان کا تزکیہ کرے گا۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں ولا يظهر هذا المعنى في غير نبينا صلى الله عليه وسلم اور یہ معنی ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے سوا کسی دوسری شخصیت میں ظاہر نہیں ہوتا۔ واما ذكر عيسى فهو عبارة عن اثبات نبوته اور عیسیٰ علیہ السلام کا جو کچھ ذکر ہے وہ ہمارے نبی آخر الزمان کی نبوت کے اثبات سے عبارت ہے۔ لا ان يسميه الله او ابن الله نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ یا اللہ کا بیٹا کہا ہے۔ نصاریٰ کی یہ غلط تاویلات ہیں۔

واما المنافقون فهم علی قسمین :

۱) قوم یقولون الکلمة العلیا بالسنتهم ، وقلوبهم مطمئنة بالکفر ویضمرون الجهود الصرف فی انفسهم ، قال تعالٰی فی حقهم :(ان المنافقین فی الدرك الاسفل من النار)...... الی ...... هٰذا ما تیسیر لی فی هٰذا الکتاب من بیان عقائد الفرق الضالة المذکورة وتقریرا جوبتها، وهٰذا القدر کاف فی فهم معانی آیات المخاصمة ان شاء الله تعالٰی۔ (ص۱۳تاص۱۴)۔

ربط درس :

الفوز الکبیر کے پہلے باب میں ان علوم خمسہ کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں عام لوگوں کے اذہان کی سطح کے مطابق ذکر کیے ہیں۔ان میں سے ایک علم علمِ مخاصمہ ہے جس کے تحت اللہ نے چار گمراہ فرقوں مشرکین ، یہود، نصاریٰ اور منافقین کا ذکر کر کے ان کی گمراہی کے تھوڑے تھوڑے اسباب بھی بیان کئے ہیں جن کی وجہ سے ان کے عقائد میں بگاڑ پیدا ہوا۔ چونکہ کتاب زیر درس ایک مختصر رسالہ ہے، اس لئے زیادہ تفصیل تو نہیں بیان کی جا سکی، تاہم ہر بات کو اختصار کے ساتھ واضح کر دیا گیا ہے۔ زیادہ تفصیلات بڑی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

منافقین کا بیان :

گمراہ فرقوں میں سے تین فرقوں یعنی مشرکین ، یہود اور نصاریٰ کا تھوڑا تھوڑا بیان ہو چکا ہے۔اب آج کے درس میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے چوتھے فرقہ ضالہ منافقین کا ذکر کیا ہے۔نفاق کا لفظ دراصل نافق سے نکلا ہے جس کا معنی جنگلی چوہے کا بل میں داخل ہونا اور نکلنا آتا ہے۔یربوع گوہ کو کہتے ہیں۔ جو ایک قسم کا جنگلی چوہا ہوتا ہے جس کی چربی اور کھال بڑی کارآمد چیزیں ہیں۔اس گوہ کے کئی سوراخ ہوتے ہیں۔ جب شکاری اس کو پکڑنے کے لئے ایک سوراخ کھودتے ہیں تو یہ دھوکہ دے کر دوسرے سوراخ میں گھس جاتا ہے۔ وہ سوراخ کھودتے ہیں تو اگلے سوراخ میں پہنچ جاتا ہے۔اس طرح وہ شکاریوں کو دھوکہ دیتا رہتا ہے۔منافق کا بھی یہی حال ہے، اس کی زبان پر کچھ ہوتا ہے اور دل

میں کچھ اور ہوتا ہے اور اس طریقے سے وہ دوسروں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ نے قرآن میں فرمایا۔ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ○ (البقرہ : ۹) وہ اللہ تعالیٰ اور اہلِ ایمان کو دھوکہ دیتے ہیں مگر حقیقت میں وہ اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں مگر سمجھتے نہیں۔

منافقوں کی دو قسمیں :

اب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ منافقوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں و اما المنافقون فهم علی قسمین اور جو طبقہ منافقین ہے وہ دو اقسام پر ہیں۔

اعتقادی منافق :

۱) قوم یقولون الکلمة الطیبة بالسنتهم ایک گروہ وہ ہے جن کی زبانوں پر کلمہ علیا، کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہوتا ہے۔ بظاہر وہ توحید و رسالت پر ایمان رکھتے ہیں۔ وقلوبهم مطمئنة بالکفر مگر ان کے دل کفر کے ساتھ ہی اطمینان پکڑتے ہیں۔ جس طرح وہ بظاہر ایمان لانے سے پہلے معبودانِ باطلہ کی پرستش کرتے تھے، لات، مناۃ، عزیٰ وغیرہ کو نذر و نیاز پیش کرتے تھے، ان سے استعانت طلب کرتے تھے، ان کے دلوں میں اب بھی وہی کچھ ہے، صرف زبان سے کلمہ توحید و رسالت ادا کرتے ہیں۔ ویضمرون الجحود الصرف فی انفسهم اور صاف انکار کو اپنے نفسوں میں مخفی رکھتے ہیں۔ اسی بنا پر قال تعالیٰ فی حقهم اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا ہے۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ (النساء : ۱۴۵) منافق لوگ جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔ یہ اعتقادی منافق ہیں جو کہ منافقوں کی بدترین قسم ہے۔

اعتقادی منافقوں کے بارے میں صرف حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ہی پتہ چلتا تھا۔ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے بتلا دیتا تھا کہ یہ اعتقادی منافق ہیں اور یہ فلاں سازش کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ایسے منافقوں کی پہچان نہیں ہوتی تھی۔

عملی اور اخلاقی منافق :

اب بعد والے سارے منافق عملی اور اخلاقی منافق ہیں۔ ان کے متعلق شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (ب) **وطائفة دخلوا فی الاسلام بضعف** ان میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو کمزوری کے ساتھ اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ اگر پورے اطمینان کے ساتھ صحیح طریقے سے اسلام میں داخل ہوتے تو منافقین کے زمرہ میں شمار نہ ہوتے۔ ان منافقین کا حال یہ ہے **فمنهم من يتبعون عادة قومهم ويعتادون موافقتهم** ان میں بعض وہ ہیں جو اپنی قوم اور برادری کی عادات اور رسم ورواج کا اتباع کرتے ہیں، اور انہیں کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں۔ **ان آمن القوم آمنوا** اگر برادری ایمان لاتی ہے تو وہ بھی ایمان لے آتے ہیں۔ **وان كفروا كفروا** اور اگر قوم کفر کا شیوہ اختیار کرتی ہے۔ تو وہ بھی قوم ہی کے ہم نوا ہیں، اور انہیں کے ساتھ کفر پر جمے ہوئے ہیں۔ گویا بعض منافق وہ ہیں جو قومیت اور برادری کے تعصب میں مبتلا ہیں۔ **ومنهم من هجم على قلوبهم اتباع لذات الدنيا الدنيئة** ان میں سے بعض وہ ہیں کہ حقیر دنیا کی لذات کے اتباع نے ان کے دلوں میں گھر کر لیا ہے۔ **هجم** کا معنیٰ ہجوم کر آنا، زبردستی داخل ہو جانا آتا ہے۔ **بحيث لم يترك فى القلب محلاً لمحبة الله ومحبة الرسول** وہ اس طریقے سے دنیا کی لذات میں پھنس چکے ہیں کہ دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے لئے کوئی جگہ نہیں چھوڑی۔ **او تملك قلبهم الحرص على المال والحسد والحقد ونحو ذلك** یا ان کے دلوں پر مال کی حرص، حسد اور کینہ چھایا ہوا ہے۔ وہ مال کی حرص میں اس قدر بڑھ چکے ہیں کہ حلت وحرمت کی تمیز ہی ختم ہوگئی ہے۔ ان کو مال چاہیے خواہ رشوت کے راستے سے آئے، سود کا پیسہ ہو، چوری اور فراڈ کے ذریعے حاصل ہو یا کسی دوسرے کسب ضارہ کے ذریعے کمایا گیا ہو۔ دنیا کا مال ہر جائز یا ناجائز طریقے سے حاصل کرنے کی خواہش کے علاوہ ان کے دلوں میں حسد کا مادہ بھی پیدا ہو چکا ہے۔ اگر کسی دوسرے شخص کو کوئی نعمت میسر آتی ہے تو یہ لوگ جل بھن کر کباب ہو جاتے ہیں کہ یہ نعمت ان کی بجائے ہمیں ملنی چاہیے تھی۔ اور پھر اسی بنا پر ان کے دلوں میں بھی کینہ عداوت اور دشمنی کے جذبات جنم لیتے ہیں۔ جو مزید تباہی کا باعث بنتے ہیں۔ الغرضیکہ دنیا کی محبت نے ان کے دلوں میں اسی قسم کی کئی دوسری قباحتیں بھی پیدا کر دی ہیں۔ یہ عملی اور اخلاقی

منافق ہیں۔اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے حتی لا یخطر ببالھم حلاوۃ المناجاۃ کہ ان کے دلوں میں مناجات کی حلاوت کا خیال تک نہیں آتا۔ وہ کبھی سوچتے تک نہیں کہ انہیں اپنے پروردگار کے سامنے عجز و نیاز مندی کا اظہار بھی کرنا چاہیے، اس کے سامنے دعا کے لئے ہاتھ پھیلانے چاہئیں اور اپنی غلطیوں، کوتاہیوں اور گناہوں کی معافی طلب کرنی چاہیے۔ دنیا کے دھندوں میں الجھ کر وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مناجات کرنے کی حلاوت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ولا برکات العبادات اور اگر کسی وقت اپنے پروردگار کی عبادت بھی کرتے ہیں تو وہ ان برکات سے محروم رہتے ہیں جو عبادت کی اصل روح ہیں۔ کبھی کبھار نماز بھی پڑھ لیتے ہیں، کبھی ایک آدھ روزہ بھی رکھ لیا، صدقہ خیرات بھی کیا۔ مگر ان چیزوں کا حقیقی نتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔ اور ان پر عبادات کی برکات کا نزول نہیں ہوتا بلکہ وہ محروم ہی رہتے ہیں۔

ومنھم من شغفوا بامور المعاش واشتغلوبھا بعض ان میں سے عملی اور اخلاقی منافق وہ ہیں جو معاشی معاملات میں ہی مشغول رہتے ہیں انہیں ہر وقت ضروریات زندگی اور پھر ان کے حصول کی فکر ہی دامن گیر رہتی ہے۔ اور وہ ان امور میں ہمہ وقت اس قدر مصروف رہتے ہیں حتی لایتوقع منھم الاھتمام بامر ا المعاد وتفکرھم لذلک۔ یہاں تک کہ ان سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ انہیں آخرت کے معاملات کا اہتمام اور ان پر غور وفکر کرنے کی بھی کبھی فرصت ملے گی نہ معاشی معاملات سے فرصت ہوگی اور نہ انہیں یہ سوچنے کا موقع ملے گا کہ ان کی موت بھی واقع ہونے والی ہے، پھر ان کو اللہ کی عدالت میں حاضر ہو کر اپنی دنیاوی کارکردگی کا حساب دینا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں جزا وسزا کی منزل بھی آنے والی ہے۔ منافق لوگ ایسی سوچ و بچار اور اس کے اہتمام سے بالکل عاری ہیں۔

عملی منافقوں کے شبہات :

ومنھم من یخطر ببالھم ظنون واھیۃ وشبھات رکیکۃ فی رسالۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم اور منافقین میں سے بعض ایسے ہیں کہ ان کے دلوں میں حضور خاتم النبیین ﷺ کی رسالت و نبوت کے بارے میں کمزور گمان اور رکیک شبہات کھٹکتے رہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ

واقعی اللہ کا پیغمبر ہے تو ہماری طرح کھاتا پیتا کیوں ہے، اس کے بیوی بچے کیوں ہیں اور یہ دنیا کے کام کیوں انجام دیتا ہے۔ اسی قسم کی بیہودہ باتیں اور غلط خیالات ان کے دلوں میں جاگزیں رہتے ہیں۔ وان لم یبلغوا درجة یخلعون بها ربقة الاسلام اگرچہ وہ اس درجے تک نہیں پہنچتے کہ اسلام کی رسی کو اپنے گلے سے اتار پھینکیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے دلوں میں رسالت سے متعلق شکوک و شبہات اور بدگمانیاں تو پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ مگر ابھی اس حد تک نہیں پہنچے کہ اسلام کی رسی کو اتار دیں ویخرجون منه بالکلیة اور اسلام سے بالکل ہی خارج ہو جائیں، ابھی یہ نوبت نہیں آئی، لہٰذا وہ ارتداد کی بجائے نفاق تک ہی محدود رہتے ہیں۔ ومنشا تلك الشكوك جريان الاحكام البشرية على حضرة نبينا صلى الله عليه وسلم اور ان شکوک وشبہات کی وجہ ان کے نزدیک حضور نبی کریم ﷺ پر بشری احکام کا اجرا ہے کہ عام انسانوں کی طرح ان پر بھی خوشی وغمی کے مواقع کیوں آتے ہیں۔ ان کو بھی فتح وشکست کا سامنا کیوں کرنا پڑتا ہے، یہ بیمار کیوں ہوتے ہیں، زخمی کیوں ہوتے ہیں، ان کو بخار کیوں آتا ہے، ان کے جسم میں پھوڑے پھنسیاں کیوں نکلتی ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ جس شخص پر تمام بشری لوازمات عائد ہوتے ہیں، وہ پیغمبر کیسے ہوسکتا ہے۔ یہی ان کی بھول تھی کہ وہ پیغمبر خدا کی حیثیت کو سمجھنے سے قاصر تھے۔

منافقوں کے شبہات کی ایک وجہ وظهور ملة الاسلام فی سورة غلبة الملوك على اطراف الممالك اردگرد کے ممالک میں اسلام کا غلبہ بھی تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ پیغمبر کے لئے ملکوں پر حکومت کرنا ان کی شان کے منافی ہے انہیں تو صرف خدا کا پیغام پہنچانا چاہیے اور دین کی تبلیغ سے واسطہ ہونا چاہیے۔ حکومت کرنا تو دنیا داروں کا کام ہے، نبی کو تو کسی ملک پر چڑھائی نہیں کرنی چاہیے اور نہ اسے فتح کر کے اپنی عمل داری میں داخل کرنا چاہیے۔ وما اشبه ذالك اور اسی قسم کے دوسرے شکوک وشبہات تھے جس کی وجہ سے منافق لوگ سچے دل سے ایمان لانے کی بجائے نفاق میں پڑے ہوئے تھے۔

قوم اور برادری کی طرف داری :

ومنهم من حملتهم محبة القبائل والعشائر على ان يبذلوا الجهد البليغ فی

نصرتهم و تقويتهم و تائيدهم اور منافقوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ انہیں اپنے قبائل اور خاندانوں کی محبت آمادہ کرتی ہے کہ وہ ان کی مدد، تقویت اور تائید میں پوری پوری کوشش کریں۔ وان كان فيه على خلاف اهل الاسلام اگرچہ ان کی یہ طرفداری اہلِ اسلام کے خلاف ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی قوم، برادری اور قبیلہ کی طرفداری کو اسلام کے قوانین پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور انہیں اس بات کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی کہ ان کی اس ناجائز طرفداری سے اسلام اور اہلِ اسلام کو کس قدر نقصان پہنچ رہا ہے۔ ويتهاونون في امر الاسلام عند هذه المقابلة یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی برادری کے مقابلہ میں اسلام کے احکام پر عمل کرنے میں سستی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ وهذا القسم من نفاق العمل و نفاق الاخلاق نفاق کی یہی قسم عملی اور اخلاقی نفاق ہے۔

منافقوں کی پہچان :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہر دو قسم کے منافقین کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں ولا يمكن الاطلاع على النفاق الاول بعد حضرة الرسول صلى الله عليه وسلم کہ پہلی قسم یعنی اعتقادی منافقوں کی اطلاع حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ مبارک کے بعد ہونا ممکن نہیں ہے۔ فان ذالك من قبيل علم الغيب کیونکہ اس کا تعلق غیب کے ساتھ ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ زمانہ نبوت میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو وحی کے ذریعے مطلع کرتا تھا تو معلوم ہو جاتا تھا کہ فلاں فلاں آدمی منافق ہے اور وہ فلاں سازش میں شریک ہے۔ جب نبوت کا دروازہ بند ہو گیا تو وحی کی آمد کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا، لہٰذا اب کسی پر قطعیت کے ساتھ نفاق کا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ منافقوں کی نشاندہی کر دیتا تھا۔ اس کی بہترین مثال مسجد ضرار والا واقعہ ہے۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بھی کیا ہے منافق لوگوں نے مسجد ضرار کے نام پر نفاق کا اڈا قائم کیا تھا، اور ان کی دعوت پر حضور علیہ السلام نے اس مسجد میں نماز پڑھنے کی حامی بھی بھر لی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقوں کی سازش سے مطلع فرما دیا اور اس مسجد میں جانے سے منع فرما دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مشرک باپ کو یہی بات سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ يَـٰٓأَبَتِ إِنِّى قَدْ جَآءَنِى مِنَ ٱلْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَٱتَّبِعْنِىٓ أَهْدِكَ صِرَٰطًا سَوِيًّا ۝ (مریم : ۴۳) اے باپ! میرے پاس وحی کے

ذریعے علم آیا ہے، جو تیرے پاس نہیں آیا، لہٰذا میرا اتباع کرو، میں تمہاری صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کروں گا۔ مگر باپ نے وحی کے علم کی قدر نہ کی اور جہنم رسید ہو گیا الغرض! شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد چونکہ وحی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ اور اعتقادی منافقوں کے متعلق اطلاع ہونا غیب سے تعلق رکھنے والی بات ہے ولا یمکن الاطلاع علی ماارتکز فی القلوب اور اب دلوں میں جمع ہونے والے خیالات کی اطلاع ممکن نہیں ہے۔ گویا اب کسی پر اعتقادی نفاق کا قطعی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

عملی منافقوں کی علامات :

والنفاق الثانی کثیر الوقوع لاسیمافی زماننا اور دوسری قسم کے منافق یعنی عملی اور اخلاقی منافق تو ہمارے اس زمانے میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ ہر گروہ اور طبقے میں عملی اور اخلاقی منافق موجود ہیں۔ یہ عام لوگوں میں بھی ہیں، سیاستدانوں، تاجروں، مولویوں، حکام اور پیروں میں بکثرت موجود ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو اپنے زمانے بارہویں صدی کی بات کرتے ہیں اور اب تو پندرہویں صدی جاری ہے۔ اب تک تو ایسے منافقوں کی تعداد بہت زیادہ ہو چکی ہے یہ لوگ دل سے تو توحید و رسالت پر ایمان رکھتے ہیں اور وقوع قیامت اور جزائے عمل پر بھی ان کا ایمان ہے، وہ قرآن کو اللہ کا کلام تسلیم کرتے ہیں مگر ان کے قول و فعل میں تضاد ہے۔ وہ مانتے ہوئے بھی بے عمل ہیں۔ والیہ الاشارۃ فی الحدیث اور اس بات کا اشارہ حدیث میں موجود ہے۔ اللہ کے نبی نے فرمایا وثلاث من کن فیہ کان منافقاً خالصاً جس شخص میں یہ تین علامتیں پائی جائیں سمجھ لو کہ وہ خالص منافق ہے۔ اذا حدث کذب جب بات کرے تو جھوٹ بولے واذا وعد اخلف اور جب کسی کے ساتھ کوئی وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے۔ واذا خاصم فجر اور جب کسی سے جھگڑا کرے تو گالی گلوچ پر اتر آئے۔ بعض احادیث میں منافقوں کی کچھ مزید خصلتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ تاہم اب دوسری قسم کے منافق ان نشانیوں سے ہی پہچانے جا سکتے ہیں ان پر قطعی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

مومن اور منافق میں امتیاز :

اس کے بعد شاہ صاحب رحمہ اللہ منافق اور مومن کے درمیان امتیاز کرنے کے لئے ایک اصول بتلاتے ہیں۔ وھم المنافق بطنه منافق آدمی اپنے پیٹ کی فکر کرتا ہے یعنی وہ پیٹ پروری کے لئے مال اکٹھا کرنے کی فکر میں ہی رہتا ہے۔ وھم المومن فرسه اور مومن اپنے گھوڑے کی فکر کرتا ہے۔ یعنی وہ اللہ کی رضا کی خاطر جہاد کے لئے ہمیشہ کمربستہ رہتا ہے۔ اور اس مقصد کے لئے اپنا گھوڑا بھی تیار رکھتا ہے، تاکہ جب بھی ضرورت پڑے وہ سامانِ ضرب وحرب کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہوکر جہاد میں شریک ہوسکے۔ الی غیر ذلك من الاحادیث اس کے علاوہ بھی احادیث نبوی میں مومن اور منافق کی علامات واضح کی گئی ہیں۔ وقد بین الله سبحانه وتعالیٰ اعمالھم واخلاقھم فی القرآن العظیم اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بھی منافقوں کے اعمال اور اخلاق کو بیان کر دیا ہے۔ وقد ذکر من احوال الفریقین اشیاء کثیرة اور دونوں قسموں کے منافقوں کے خصائل کی بہت سی چیزیں ذکر کر دی ہیں۔ لتحترز الامه منها تاکہ عام لوگ ان علامات کو پہچان کر منافقوں سے بچ سکیں۔

منافقوں کا نمونہ :

شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں وان شئت ان تری انموذجاً من المنافقین اگر اس دور میں تم منافقوں کا نمونہ دیکھنا چاہو فانطلق الی مجلس الامراء تو حکام وقت کی مجلسوں میں چلے جاؤ۔ وانظر الی مصاحبیھم اور پھر ان حکام کے مصاحب یعنی درباریوں اور ہم نشینوں کو دیکھ لو۔ موجودہ دور کی اصطلاح میں صدر یا وزیر اعظم یا وزیر اعلیٰ کے وزیروں، مشیروں اور ہم نشینوں کو ایک نظر دیکھ لو۔ ان حاشیہ برداروں کا کام یہ ہے یرجحون مرضیھم علی مرضی الشارع یہ حاشیہ بردار اپنے وزیر اعظم اور وزیر اعلیٰ کی خواہشات کو شارع علیہ السلام کے حکم پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کا کام صرف اپنے بڑے کی ہاں میں ہاں ملانا ہے خواہ اس میں شریعت اور صاحب شریعت کے احکام وفرامین کی مخالفت ہی کیوں نہ ہوتی ہو۔

منافقوں کے مختلف گروہ :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضور علیہ السلام کے زمانے اور اس دور کے منافقین کا تجزیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں لا فرق عند الانصاف انصاف کی رو سے ہر دو قسم کے منافقین میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بین من سمع کلامه صلی الله علیه وسلم بلاواسطة وسلك مسلك النفاق منافقوں کا ایک گروہ وہ ہے جنہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں آپ کا کلام براہِ راست سنا مگر اس کے باوجود نفاق کی راہ پر چل نکلے۔ وبین من حدثوا فی هٰذا الزمن وعلموا حکم الشرع بطریق الیقین دوسرا گروہ وہ ہے کہ جن کے سامنے موجودہ زمانے میں نبی علیہ السلام کا کلام بیان کیا گیا اور انہوں نے آپ کے احکام کو یقینی طور پر سمجھ لیا۔ ثم آثروا خلاف ذلك مگر پھر بھی آپ کے احکام کی خلاف ورزی کی۔ واقدموا علی مخالفته اور اس کی مخالفت پر پیش قدمی کی۔ فرمایا، ان دو قسم کے منافقین میں کوئی فرق نہیں۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں وعلی هٰذا القیاس جماعة من المعقولیین اور اسی طریقے پر معقولیین کی جماعت بھی ہے۔ معقولیین سے مراد زیادہ پڑھنے پڑھانے والے عقلیات کے ماہر، منطقی اور فلسفی لوگ ہیں جو بالعموم معاملات کی جزیات سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ وہ صرف معقولات ہی پڑھتے ہیں اور ان کو دینیات کی جزیات یعنی قرآن، حدیث اور فقہ وغیرہ سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، نہ ہی وہ ان کو جانتے ہیں۔ تمکنت فی خاطر هم شکوك و شبهات ان کے دلوں میں شکوک وشبہات پختہ ہو چکے ہیں۔ حتی جعلوا المعاد نسیا منسیاً یہاں تک کہ انہوں نے آخرت کے حساب کتاب اور جزا وسزا کے مسئلہ کو بھولی بسری بات بنا دیا ہے اور اس مسئلہ میں کبھی غور و فکر کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔ فهٰؤلاء انموذج المنافقین یہی منافقوں کا نمونہ ہے۔

خلاصہ کلام :

اعتقادی اور عملی منافقوں کی مختلف قسمیں، ان کے اسباب اور ان کا حکم قانون اور اصول کی صورت میں سمجھانے کے بعد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وبالجملة کہ خلاصہ کلام یہ ہے اذا

قـرأت القـرآن کہ جب تم قرآن پاک کی تلاوت کرو اور آیات مخاصمت کو پڑھنے کا موقعہ ملے فلا تـحسـب ان الـمخاصمة كانت مع قوم انقرضوا تو یہ نہ گمان کرو کہ یہ بحث مباحثہ صرف انہی لوگوں کے ساتھ تھا جو پہلے گزر چکے ہیں۔ بـل الواقع انه مامن بلاء كان فيما سبق من الزمان الا وهـو مـوجـود اليوم بطريق الانموذج فی الواقع گزشتہ زمانے میں کوئی ایسی مصیبت نہیں آئی تھی مگر وہ موجودہ زمانے میں بھی بطور نمونہ موجود ہے۔ بـحـكـم الـحديث جیسا کہ حدیث شریف میں خبردار کر دیا گیا "لتتبـعن سنن من قبلكم" تم بھی اپنے سے پہلے لوگوں کے نقشِ قدم پر ہی چلو گے۔ جس طرح وہ خوشی اور غمی کے معاملات میں ریاکاری اور اسراف کے مرتکب ہوتے تھے، اسی طرح تم بھی وہی کچھ کرو گے۔ تم بھی پہلے لوگوں کی طرح لہو ولعب، پتنگ بازی، کھیل تماشے اور عیش پرستی میں مبتلا ہو گے۔ فـالـمقصود الاصلى بيان كليات تلك المفاسد لہٰذا اصلی مقصود ان مفاسد کی کلیات بیان کرنا ہے۔ لا خـصـو ص تـلـك الـحكـايـات نہ کہ ان حکایات کی خصوصیات بیان کرنا۔ یہ آپ کو خود دیکھنا ہوگا کہ متذکرہ علامات کہاں کہاں پائی جاتی ہیں اور ان کے لئے کیا حکم ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ آخر میں فرماتے ہیں هٰـذا مـا تيسـر لـى فى هٰذا الكتاب من بيان عـقائد الفرق الضالة المذكورة کہ اس کتاب میں گمراہ فرقوں کے عقاید وتقرير اجوبتها اور ان کے جوابات کے بیان میں مجھ سے یہی ممکن ہو سکا ہے۔ وهـذا الـقـدر كـاف فى فهم معانى آيـات الـمـخاصمة ان شاء الله اور آیات مباحثہ کے معانی ومفہوم سمجھنے کے لئے انشاء اللہ اسی قدر کافی ہے۔

قرآن پاک کے علوم خمسہ میں مخاصمہ کے ضمن میں شاہ صاحب نے چار گمراہ فرقوں مشرک، یہود، نصاریٰ اور منافقین کا ذکر کیا۔ پھر فرداً فرداً ان کے اسباب ضلالت بیان کئے اور ان کے عقائد میں پائے جانے والے شکوک وشبہات کے جواب دیئے۔ غرضیکہ علوم خمسہ میں سے ایک علم کا بیان یہاں ختم ہوا۔ پہلے باب کی اگلی فصل باقی چار علوم کے مباحث پر مبنی ہے۔

آپ اچھی طرح جان لیں کہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ کی یہ کتاب عام کتابوں کی طرح نہیں ہے۔ جن سے آپ مانوس ہیں بلکہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ کا اپنا طور طریقہ، فلسفہ اور حکمت ہے جس پر

انہوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ آپ جوں جوں ان کتابوں کو پڑھیں گے سمجھ آتی رہے گی۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ قرآن میں کہیں کہیں تھوڑا تھوڑا حاشیہ بھی لکھا ہے جو کہ مختصر ہونے کے باوجود اپنے اندر مفہوم ومعنی کا وسیع میدان رکھتا ہے۔ اس کو پڑھنے سے بعض ایسے ایسے رموز کھلتے ہیں جو بڑی بڑی تفسیروں کے مطالعہ سے بھی حل نہیں ہوتے۔ آپ کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ اور بعض دیگر کتب عبارت کے لحاظ سے مشکل ہیں جن کو سمجھنے کے لئے گہرے علم کی ضرورت ہے خاص طور پر حکومتی معاملات سے متعلق آپ کی تحریرات بڑی قیمتی ہیں۔ آپ نے حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک سے لے کر خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے کے نظام حکومت پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ مگر افسوس کہ موجودہ دور میں تو سارا نظام ہی الٹ پلٹ ہو چکا ہے۔

(فصل فی بقیة مباحث العلوم الخمسة)

(علوم خمسہ کے باقیماندہ مباحث کے بارے میں فصل)۔

لیعلم ان المقصود من نزول القرآن تهذيب طوائف الناس من العرب والعجم والحضر والبدو، فاقتضت الحكمة ...... الى ...... لمخالطة اليهود العرب فى قرون كثيرة، لا القصص الشاذة غير المألوفة، ولا اخبار المجازاة بين فارس والهنود، وانتزع من القصص المشهورة جملاً تنفع فى تذكيرهم، ولم يسرد القصص بتمامها مع جميع خصوصياتها۔ (ص۱۵ تا ص۱۶)۔

مقصد نزول قرآن :

مصنف کتاب الفوز الکبیر شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کا آغاز علوم خمسہ کے بیان سے شروع کیا۔ پہلے علوم مخاصمہ کے ضمن میں چار گمراہ فرقوں مشرکین، یہود، نصاریٰ اور منافقین کے اسبابِ ضلالت اور ان کے مناسب جوابات دیئے۔ اب باب اول کی دوسری فصل میں باقی چار علوم قرآن پر بحث کرتے ہیں اور اس سے قبل نزولِ قرآن کا مقصد بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ چنانچہ

فرماتے ہیں لیعلم ان المقصود من نزول القرآن تھذیب طوائف الناس یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ نزولِ قرآن کا مقصد اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں کے مختلف گروہوں کی تہذیب یعنی شائستگی ہے۔ طائف کا معنیٰ مختلف گروہ ہوتا ہے۔ خواہ ان کا تعلق کسی قوم، کسی قبیلے، کسی رنگ ونسل اور کسی خطہ ارضی کے ساتھ ہو۔ اسی لئے شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان عوام الناس کی شائستگی مراد ہے۔ من العرب والعجم والحضر والبدو خواہ وہ عربی ہوں یا عجمی، اور شہری ہوں یا دیہاتی، سب کی تہذیب مقصود ہے۔

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو اس نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمائی اور اسے قیامت تک آنے والی پوری نسل انسانی کے لئے منبع رشد وہدایت بنا دیا۔ اپنے کلام پاک کے متعلق خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ اِنَّـآ اَنْـزَلْـنَـا عَـلَيْكَ الْكِـتٰـبَ لِـلنَّـاسِ بِالْحَقِّ ج (الزمر: ۴۱) اے پیغمبر! بیشک ہم نے یہ کتاب آپ پر نازل کی ہے لوگوں کے لئے حق کے ساتھ۔ دوسرے مقام پر فرمایا وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ (بنی اسرائیل : ۱۰۵) ہم نے قرآن کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور یہ حق کے ساتھ ہی نازل ہوا ہے۔ یعنی اس میں باطل کی امیزش کا شائبہ تک نہیں ہے۔ نیز فرمایا وَاِنَّـهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ○ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْـمُنْذِرِيْنَ ○ (الشعراء : ۱۹۲ تا ۱۹۴) یہ قرآن رب العالمین کی طرف سے اتارا ہوا ہے اس کو روح الامین لے کر اترا ہے۔ آپ کے قلب مبارک پر تاکہ آپ ڈرانے والوں میں ہو جائیں۔ اللہ نے اپنے اس کلام کی حفاظت بھی اپنے ذمے لے رکھی ہے۔ اِنَّـا نَـحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ (الحجر : ۹) بیشک ہم نے اس ذکر کو اتارا ہے اور بیشک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ الغرض! اللہ تعالیٰ کی یہ آخری کتاب ایسی ہے جس میں قیامت تک کوئی بھی تغیر وتبدل نہیں کر سکے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو وقتاً فوقتاً اٹھاتا رہے گا جو اس قرآن میں تغیر وتبدل کرنے کی کوشش کرنے والوں کے منہ پر تھوکیں گے اور کہیں گے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ الغرض! قرآنِ کریم کی ہر چیز محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ ہی رہے گی۔ اللہ نے اس کو بڑے اہتمام کے ساتھ نازل فرمایا ہے اور اس کا مقصد لوگوں کے مختلف گروہوں کی شائستگی ہے۔

تہذیب سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں سے غلط خیالات اور غلط اعتقادات نکال کر ان میں صالح خیالات اور صحیح اعتقادات داخل کر دیے جائیں۔ نجاست کی جگہ پاکیزگی آ جائے، نفاق کی بجائے اخلاص، غرور کی جگہ اخبات خساست کی جگہ سماحت اور ظلم و جور کی بجائے عدل جیسے خصائل پیدا ہو جائیں۔

حکمت الٰہی کا تقاضا :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ مقصد کے حصول کے لئے فاقتضت الحکمة الالٰهیة اللہ تعالیٰ کی حکمت نے تقاضا کیا۔ ان لا یخاطب فی التذکیر بآلاء الله باکثر مما یعلمه اکثر افراد بنی آدم کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کر کے انسانوں کو نصیحت کرنے کے لئے ان نعمتوں سے زیادہ اشیاء کا ذکر نہ کیا جائے جن کو عام طور پر بنی نوع انسان جانتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے صرف وہی چیزیں بیان کی جائیں جن کو عام لوگ جانتے ہیں، ان کے مشاہدہ میں آتی ہیں اور وہ ان سے مستفید ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان دیکھی یا فہم و مشاہدہ میں نہ آنے والے انعامات ان کو کماحقہٗ متاثر نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ان سے نصیحت پکڑنا بھی محال ہے۔

تذکیر بآلاء اللہ :

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں تذکیر بآلاء اللہ کے ضمن میں ایسی ہی عمومی چیزوں کا ذکر کیا ہے جیسے فرمایا اَفَلَا يَنظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ○ کیا یہ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ ان کو کیسے پیدا کیا گیا ہے۔ اونٹ ایک ایسا جانور ہے جس سے عربوں کو ہر وقت واسطہ رہتا تھا، وہ ان پر سواری کرتے تھے، اس سے باربرداری کا کام لیتے تھے، اس کا دودھ کھال، گوشت اور پشم استعمال کرتے تھے۔ گویا عرب لوگ اونٹ سے بہت سے فوائد حاصل کرتے تھے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اونٹ کی تخلیق کا ذکر کر کے اپنی اس نعمت کو یاد دلایا ہے۔

وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ○ کیا وہ آسمانوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ اس کو کیسا بلند کیا گیا ہے۔ جب بھی کوئی اوپر کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھے تو اسے آسمانِ دنیا نظر آتا ہے۔ جہاں سے اللہ

تعالیٰ بارش برسا کر انسانوں اور جانوروں کی خوراک کا انتظام کرتا ہے۔

وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ○ اور پہاڑوں کو کس طرح نصب کیا گیا ہے۔ جس کی معدنیات سے انسان فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ○ (الغاشیہ) اور کیا یہ زمین کی طرف نہیں دیکھتے کہ اس کو کس طرح بچھایا گیا ہے۔ انسانی ضروریات کی تمام چیزیں زمین کے ساتھ ہی وابستہ ہیں۔ اسی سے ہر قسم کی ہریالی، غلہ، پھل اور پھول پیدا ہوتے ہیں۔ اسی پر لوگ گھر بنا کر رہتے ہیں اور اسی پر سفر کرتے ہیں۔ الغرض! اللہ نے انعاماتِ الٰہیہ میں سے انہی چیزوں کا ذکر کر کے لوگوں کو نصیحت کی ہے جن کو وہ اچھی طرح جانتے، پہچانتے اور ان سے مستفید ہوتے ہیں۔ اسی لئے شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ نصیحت کرنے کے لئے لوگوں کو ان کی دیکھی بھالی اور روزمرہ کام آنے والی چیزوں سے خطاب کیا جائے۔ ولم يبالغ في البحث والتفتيش مبالغة زائدة اسی لئے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ خطاب کرتے وقت ایسی زیادہ بحث و تحقیق نہ کی جائے جو عوام الناس کی سمجھ سے ہی بالاتر ہو۔ وسيق الكلام في اسماء الله وصفاته عزوجل بوجه يمكن فهمه چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اسماء پاک اور اس کی صفات کو اس طریقے سے بیان کیا گیا ہے کہ جس کا سمجھنا عام فہم آدمی کے لئے ممکن ہو۔ والاحاطة به بادراك وفطانة خلقت افراد الانسان في اصل الفطرة عليهما اور ایک عام آدمی اپنے اس ادراک اور سمجھ کے ساتھ اسماء و صفات کا احاطہ کر سکے جو اس کی اصلی فطرت میں رکھی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں پیدائشی طور پر جتنا فہم رکھا ہے اسی کے مطابق لوگ بخوبی سمجھ سکیں، اسی لئے اس ضمن میں کوئی مبالغہ نہیں کیا گیا۔ بدون ممارسة الحكمة الالٰهية نہ ہی حکمت الٰہیہ کی باریک باتوں کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ وبدون مزاولة علم الكلام اور علم کلام کی باریک بینیوں سے بھی اجتناب کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر شخص اللہ تعالیٰ کی حکمت کی باریک باتوں اور علمِ کلام والے فلسفی قسم کے لوگوں کی موشگافیوں کو تو نہیں سمجھ سکتا، لہٰذا عام آدمی کے فہم و ادراک کے مطابق ہی بات کی گئی ہے۔

فاثبت ذات المبدأ اجمالاً لان هٰذا العلم سار في جميع افراد بني آدم چنانچہ قرآن پاک میں خدا تعالیٰ کی ذات (مبدا) کو اجمال کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کیونکہ یہ علم بنی نوعِ انسان کے

ہر فرد کی فطرت میں جاری ہے، چنانچہ لوگ اپنے گردوپیش کی ساری چیزوں کو اپنی فطری صلاحیت کے مطابق مشاہدہ کرتے ہیں اور ان کو سمجھتے ہیں۔ **لا ترى طائفة منهم فى الاقاليم الصالحه والامكنة القريبة من الاعتدال ينكرون ذلك** چنانچہ تم متمدن ممالک اور قریب الاعتدال مقامات میں سے کسی گروہ کے لوگوں کو ان کا انکار کرتے ہوئے نہیں دیکھو گے۔ اقالیم جمع ہے اقلیم کی جس کا معنی ملک، سلطنت یا خطہ کے ہوتے ہیں اور صالحہ سے مراد متمدن ہے جہاں انسانی ضروریات کی اکثر اشیاء مکان، لباس، خوراک، سواری وغیرہ دستیاب ہوں۔ ایسے ممالک متمدن کہلاتے ہیں۔ اور جہاں ضروریات زندگی آسانی سے دستیاب نہ ہوں، وہ غیر متمدن علاقے کہلاتے ہیں جیسے جنگل، پہاڑ، صحرا وغیرہ اور دوسری قسم کے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو اعتدال یعنی خط استوا سے قریب ہیں خط استوا سے جتنے دور ہوتے جائیں گے۔ اتنی ہی مشکلات بڑھتی جائیں گی۔ خصوصاً انتہائی شمال اور جنوب میں تو چھ چھ ماہ کی رات اور اتنا لمبا دن ہو جاتا ہے جہاں کھانے پینے، لباس، مکان، سواری وغیرہ جیسی اشیاء بمشکل دستیاب ہوتی ہیں، ہر طرف برف ہی برف انتہا کی سردی، وقت کا عدم احساس وغیرہ غیر متمدن خطوں پر دلالت کرتا ہے۔ غرضیکہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ متمدن اور نیم متمدن خطوں کے لوگ اپنے گردوپیش میں پائے جانے والے انعاماتِ الٰہی اور اللہ تعالیٰ کے اسماءِ پاک اور صفاتِ عالیہ کا اپنی فطری صلاحیت کی وجہ سے انکار نہیں کر سکتے۔

ولما امتنع بالنسبة اليهم اثبات الصفات بطريق تحقيق الحقائق یہ سادہ لوح لوگ صفاتِ الٰہی کو فلاسفہ اور محققین کے طریقے پر عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعے نہیں سمجھ سکتے۔ **مع انهم ان لم يطلعوا على الصفات الالٰهية لم ينالوا معرفة الربوبية التى هى انفع الاشياء فى تهذيب النفوس** علاوہ ازیں اگر لوگ صفاتِ الٰہی پر مطلع نہ ہوں تو معرفتِ ربوبیت کو بھی نہیں پا سکتے جو کہ انسانی نفوس کی شائستگی کے لئے مفید ترین چیز ہے۔ البتہ اگر انسانوں میں فطرتاً ڈالی گئی صلاحیت کے مطابق سوال کرو گے تو وہ فوراً سمجھ جائیں۔ مثلاً آپ پوچھیں کہ آسمان سے پانی کون برساتا ہے؟ اس سے فصلیں کون اگاتا ہے، انسانی زندگی کی بقا کے لئے دیگر لوازمات کون مہیا کرتا ہے، تو سب جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی یہ سب کچھ کرتا ہے جو رب العالمین ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی صفتِ رب

العالمین کو عام لوگ جانتے ہیں۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی بنا پر اقتضت الحکمة الالهية ان يختار شيئاً من الصفات البشرية الكاملة مما يعلمونها حکمت الٰہیہ نے چاہا کہ اللہ تعالیٰ کی سنت ربوبیت کو سمجھانے کے لئے اس کی بشری صفات کاملہ کو اختیار کیا جائے جن کو لوگ بخوبی جانتے ہیں۔ ويجرى التمدح بها فيما بينهم اور جن کے ذریعے وہ آپس میں ایک دوسرے کی تعریف بھی کرتے ہیں۔ مثلاً فلاں آدمی بڑا بہادر ہے، فلاں بڑا سخی ہے یا ہنر مند ہے یا خدمت گزار ہے وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا انہی صفات کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے استعمال کیا جائے۔ فتستعمل بازاء المعانی الغامضة التی لامدخل لعقول البشرية في ساحة جلالها مگر اس ضمن میں صفاتِ الٰہی کے وہ دقیق معانی بیان کرنے سے صرف نظر کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کے جلال وعظمت کی وجہ سے انسانی فہم و ادراک میں نہیں آسکتے۔ وجعل نكتة (لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ) اور اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کے اس قانون کو پیش نظر رکھیں گے کہ وہ بے مثل اور بے مثال ہے۔ اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔ گویا یہ نکتہ ترياقاً للداء العضال من الجهل المركب جہل مرکب کی مستقل بیماری کے لئے تریاق بن جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل اور بے مثال ہے اور اس کی صفات ایسی نہیں ہیں، جیسے انسانوں میں پائی جاتی ہیں۔ ومنع من الصفات البشرية التي تثير الاوهام بجانب العقائد الباطلة في اثبات مثلها اور اللہ تعالیٰ پر ان صفات بشریہ کا اطلاق ممنوع ہوگا جو انسانی اوہام کو اللہ کی مثل ثابت کرنے کے ضمن میں ابھارتے ہوں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے بارے میں بھی وہی تصورات قائم کئے جائیں جو عام انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً کا ثبات الولد اللہ تعالیٰ کے لئے ولدیت کا تصور نہیں کیا جائے گا کہ جس طرح ہر آدمی کسی کا بیٹا اور کسی کا باپ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے منزہ ہے۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ○ نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ وہ کسی سے جنا گیا ہے۔ اگر یہ صفت اللہ تعالیٰ میں ثابت کی جائے (العیاذ باللہ) تو پھر اس کی بیوی بھی ثابت کرنا ہوگی، اس کی کوئی ماں بھی ہوگی، باپ بھی ہوگا۔ اور پھر ان کو تکلیف بھی پہنچتی ہوگی۔ والبكاء لہٰذا ان کے لئے آہ و بکاء اور رونا پیٹنا بھی ثابت ہوگا والجزع اور جزع فزع اور بے صبری کا تصور بھی لانا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم

کے عیب نقص اور ہر قسم کی کمزوری سے پاک ہے، وہ وراء الوراء ہے، اس کی مثل کوئی نہیں ہے۔ لہٰذا ایسی بشری صفات اللہ تعالیٰ پر نہیں بولی جائیں گی جو انسانی اذہان کو باطل عقائد کی طرف لے جاتی ہوں۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وان تاملت بتعمق النظر وجدت الجريان علی مسطر العلوم الانسانية غير المكتسبة وتمييز صفات يمكن اثباتها ولا يقع بها خلل من الصفات التي تثيرها الأوهام الباطلة امراً دقيقاً لا تدركه اذهان العامة اگر تم گہری نظر سے دیکھو گے تو اپنے آپ کو غیر مکتسبہ علوم انسانی (جو ذہنی محنت سے حاصل نہ کئے ہوں بلکہ فطری طور پر انسان میں ڈال دیئے گئے ہوں) پر چلتا ہوا پاؤ گے اور پھر بہت سی باتیں سمجھ میں آئیں گی۔ چنانچہ تم ممکن الاثبات صفات الٰہی جن کی وجہ سے اذہان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا اور انسانی ذہنوں میں باطل توہمات ابھارنے والی صفات الٰہیہ کے درمیان امتیاز پیدا کر سکو گے۔ بہر حال یہ ایک دقیق (گہرا یا باریک) مسئلہ ہے جس کو عام انسانی ذہن نہیں سمجھ سکتے۔

غیر مکتسبہ یعنی فطری طور پر حاصل ہونے والے علوم سے مراد وہ علوم ہیں جو انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کی جبلت میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔ مثلاً آپ کسی نوزائیدہ بچے کے منہ میں انگلی ڈالیں تو وہ فوراً چوسنے لگتا ہے، اسی فطری علم کی بنا پر ہی وہ خوراک حاصل کرنے کے لئے دودھ پینے لگتا ہے حالانکہ ابھی تک اس کو کسی نے دودھ پینے کی تربیت نہیں دی ہوتی۔ تکلیف پہنچتی ہے تو رونے لگتا ہے، خوش ہوتا ہے تو ہنسنا شروع کر دیتا ہے، آواز سنتا ہے تو فوراً متوجہ ہو جاتا ہے۔ یہ سب کچھ غیر مکتسبہ علوم کی بنا پر ہوتا ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مشاہدہ کی بنا پر فلا جرم كان هٰذا العلم توقيفياً تو لامحالہ اللہ تعالیٰ کی صفات پر اس علم کا اطلاق توقیفی سمجھا جائے گا۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے اسماء پاک اور صفاتِ عالیہ جو خود اللہ تعالیٰ یا اس کے پیغمبر نے بتلائے ہیں۔ ہم صرف انہی کو اپنی گفتگو میں بولیں گے اور اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہیں کریں گے۔ مثلاً ضحک کا لفظ خدا تعالیٰ کی ذات پر بولا گیا ہے۔ مگر ہم از خود اس میں فاعل یا مفعول کا غیر توقیفی صیغہ نہیں بول سکتے۔ بس اسی حد تک محدود رہیں گے جس حد تک اللہ تعالیٰ یا پیغمبر اسلام سے سنا ہے۔ اگر ہم کوئی دوسرا یا تیسرا لفظ بولیں گے تو خدا

تعالیٰ کے متعلق غلط اوہام ابھرتے چلے جائیں گے۔ اسی لئے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ولم یؤذن لهم فی التکلم بکل مایشتهون کہ لوگوں کو اس بات کی اجازت نہیں دی گئی کہ وہ ہر من پسند چیز کے ساتھ کلام کرتے چلے جائیں۔

واختار سبحانهٗ وتعالیٰ من آلائه وآیات قدرته جل وعلا ماتساوت فی فهمه الحضر والبدو والعرب والعجم چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات اور نشاناتِ قدرت میں سے ذکر کرنے کے لئے صرف وہی چیزیں منتخب کی ہیں جو ہر شہری اور دیہاتی، عربی اور عجمی کی سمجھ میں اس علمِ توقیفی کے ذریعے آسکیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کی طبیعتوں میں ڈال دیا ہے۔ لہٰذا قرآن پاک میں باریک چیزوں کی بجائے عام سمجھ بوجھ میں آنے والی چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر و لِهذا لم یذکر النعم النفسانیة المخصوصة بالاولیاء والعلماء یوں سمجھ لیں کہ ان نفسانی انعامات کا ذکر نہیں کیا گیا جو اولیاء اللہ اور علماء کرام کے لئے خاص ہوتی ہیں۔ یہ تو اللہ کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں جنہیں خورد ونوش یا آرام وراحت والی چیزیں مطلوب نہیں ہوتیں کیونکہ ان کا تعلق تو براہِ راست اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہوتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ تو کسی کی رسائی ممکن نہیں ہے لہٰذا یہ لوگ اس ذات باری تعالیٰ کی صفات میں ہی منہمک رہتے ہیں۔ ان پر خاص قسم کے واردات آتے ہیں جسے بعض واردات کا اور بعض تجلیات کا نام دیتے ہیں۔ اور ان تجلیات کے نزول سے ان کو بڑا سرور حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسے نفسانی انعامات کا ذکر بھی نہیں کیا گیا۔ جو اولیاء اور علماء کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ولم یخبر بالنعم الارتفاقیة المخصوصة بالملوك اور ایسی اتفاقی نعمتوں کا بھی ذکر نہیں کیا گیا جو بادشاہوں کے ساتھ خاص ہوتی ہیں۔ دنیا میں بادشاہوں کو عام لوگوں کی نسبت کچھ زائد نعمتیں بھی مہیا کی جاتی ہیں۔ وانما ذکر سبحانهٗ وتعالیٰ ماینبغی ذکرهٗ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں صرف انہی نعمتوں کا ذکر کیا ہے جن کی طرف انسان کو فطری طور پر رسائی حاصل ہے۔ مثلاً کخلق السماوات والارضین آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق کی نعمت وانزال الماء من السحاب اور بادلوں سے بارش کا نزول، واخراجه من الارض اور پانی ہی کی زمین سے برآمدگی واخراج انواع الثمار والحبوب والازهار بواسطة الماء اور اسی پانی کے ذریعے مختلف قسم

کے پھلوں، دانوں اور پھولوں کی پیدائش۔ والھام الصناعات الضروریة نیز انسانوں اور حیوانوں کی فطرت میں ضروریات زندگی کا الہام کرنا والقدرة علی فعلھا اور پھر ان کو ان امور کے انجام دینے پر قدرت حاصل ہونا۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جو عام فہم ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کے طور پر متعارف کرایا ہے۔

وقد قرر فی مواضع کثیرة من التنبیه علی اختلاف احوال الناس عند ھجوم المصائب وانکشافھا من الامراض النفسانیة الکثیرة الوقوع اور اکثر مقامات پر مصائب کے آنے اور دور ہونے کے وقت چونکہ لوگوں میں ان کے حالات کی تبدیلی سے اکثر نفسانی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کی پختہ طریقے سے تنبیہ کی گئی ہے۔

تذکیر بایام اللہ :

واختار من ایام اللہ یعنی الوقائع التی احدثھا اللہ سبحانہٗ وتعالی اور ایام اللہ میں سے اللہ تعالیٰ نے ان واقعات کو اختیار کیا ہے جن کو اس نے ظاہر کیا ہے۔ کتنعیم المطیعین وتعذیب العصاة جن میں اس نے فرمانبردار اقوام کو انعامات سے نوازا ہے اور گنہگار اقوام کو سزا دی ہے۔ ما قرع سمعھم اور جن واقعات سے عربوں کے کان کھٹکیں وذکر لھم اجمالا مثل قصص قوم نوح و عاد وثمود اور ان کا مختصر طریقے سے ذکر کیا ہے جیسے قوم نوح، عاد اور ثمود کے واقعات، وکانت العرب تتلقاھا ابا عن جد اور عرب لوگ ان واقعات کو اپنے آباؤ اجداد سے سنتے چلے آرہے تھے اور ان کو پہلے ہی سے جانتے تھے۔ ومثل قصص ابراھیم وانبیاء بنی اسرائیل علیھم السلام اور مثلاً ابراہیم علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے انبیاء کے واقعات فانھا کانت مالوفة لاسماعھم لمخالطة الیھود العرب فی قرون کثیرة کیونکہ عرب یہودیوں کے ساتھ دیرینہ میل جول کی وجہ سے مشرکین عرب بھی ان واقعات کو جانتے تھے اور ان کے کان ان واقعات سے آشنا تھے۔ لا القصص الشاذة غیر المالوفة اللہ تعالیٰ نے غیر مانوس واقعات کا ذکر نہیں کیا۔ ولا اخبار المجازات بین فارس والھنود اور ان خبروں کا ذکر بھی نہیں کیا ہے جن میں فارس اور ہنود کی جزا سزا کا ذکر ہے کیونکہ عام طور پر لوگ ان سے واقف نہیں تھے۔ وانتزع من

القصص المشهورة جملاً تنفع فی تذکیرهم اوران مشہور واقعات میں سے بھی صرف ان جملوں کا ذکر کیا ہے جو نصیحت کرنے کے لئے کارآمد ثابت ہوسکتے ہیں۔ ولم یسرد القصص بتمامها مع جمیع خصوصیاتها اور تمام واقعات کو ان کی تمام چھوٹی بڑی جزیات کے ساتھ بھی ذکر نہیں کیا گیا۔ بلکہ واقعہ کا صرف اتنا حصہ ہی بیان کیا گیا ہے جس سے مخاطبین قرآن نصیحت پکڑ سکیں۔

والحکمة فی ذٰلك ان العوام اذا سمعوا القصص النادرة غایة الندرة، او استقصی بین ایدیهم ذکر الخصوصیات ، یمیلون الی القصص نفسها ...... الی ...... واختصاص اهل الایمان برؤیة الله عزوجل ، وتلون انواع التعذیب من السلاسل والاغلال، والحمیم والغساق والزقوم، وانواع التنعیم من الحور، والقصور، والانهار، والمطاعم الهنیئة، والملابس الناعمة، والنساء الجمیلة، وصحبة اهل الجنة فیما بینهم صحبة طیبة مفرحة للقلوب، فتفرقت هٰذه القصص فی سور مختلفة باجمال وتفصیل بحسب اقتضاء اسلوبها۔ (ص۱۶ تا ص۱۸)

ربط مضمون :

گزشتہ درس میں قرآن پاک کے علوم خمسہ کی تفصیل میں تذکیر بآلاء اللہ کا تذکرہ ہوا یعنی قرآن پاک میں بیان کردہ اللہ تعالیٰ کے اپنی مخلوق پر انعامات کا ذکر ہوا۔ اور اس ضمن میں واضح کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صرف انہی نعمتوں کا ذکر کیا ہے جن سے عوام الناس مانوس تھے اور وہ ان کے روزمرہ مشاہدات اور تجربات میں آتی رہتی ہیں۔ اس سلسلہ میں بعض مخصوص قسم کی نعمتوں کا ذکر نہیں کیا گیا جو اللہ کے خاص بندوں یا بادشاہوں کو نصیب ہوتی ہیں اور عام آدمی کے ادراک میں نہیں آسکتیں۔

اس کے بعد تذکیر بایام اللہ کا بیان ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام کے بہت سے واقعات بیان کئے ہیں اللہ نے ان کی طرف اپنے نبی بھیجے بعض ان پر ایمان لائے اور بعض نے انکار کر دیا اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے والوں کو انعامات سے نوازا اور نافرمانوں کو دنیا میں ہی سزا دی۔ ان

واقعات میں سے بھی اللہ نے قرآن پاک میں انہی کا انتخاب کیا ہے جن سے قرآن کے اولین عرب مخاطبین مانوس تھے اور یہودیوں کے ساتھ دیرینہ میل ملاپ کی وجہ سے وہ اپنے آباؤ اجداد سے ایسے واقعات سنتے آئے تھے۔ اور پھر ان مشہور واقعات میں سے بھی صرف انہی جزیات کا ذکر کیا گیا ہے جن سے لوگوں کی تذکیر منظور ہے۔

خاص واقعات بیان کرنے کی حکمت :

اب آج کے درس میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سابقہ اقوام کے چیدہ چیدہ اور مختصراً بیان کئے گئے واقعات کی حکمت بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں۔ والحکمة فی ذٰلك ان العوام اذا سمعوا القصص النادرة غاية الندرة کہ جب عوام الناس کوئی حد درجے کی عجیب وغریب داستان سنتے ہیں۔ اواستقصی بین ایدیهم ذکر الخصوصیات یا کوئی واقعہ ان کے سامنے اپنی تمام تر خصوصیات کے ساتھ بیان کیا جائے۔ یمیلون الی القصص نفسها تو ان کی طبیعت اس واقعہ کی طرف ہی مبذول ہو جاتی ہے۔ ویفوتهم التذکر الذی هو الغرض الاصلی فیها اور قصہ بیان کرنے کا جو اصلی مقصد نصیحت پکڑنا ہے، وہ ضائع ہو جاتا ہے۔ و نظیر هٰذا الکلام ماقاله بعض العارفین اور اس بات کی مثال کسی عارف کا وہ کلام ہے جس میں کہتے ہیں۔ ان الناس لما حفظوا قواعد التجوید شغلوا عن الخشوع فی التلاوة جب سے لوگوں نے فنِ تجوید کے قواعد وضوابط سیکھے ہیں وہ قرآن پاک کی خشوع کے ساتھ تلاوت سے محروم ہو گئے ہیں۔ ولما ساق المفسرون الوجوه البعيدة فی التفسیر صار علم التفسیر نادراً کالمعدوم اور جب سے مفسرین نے بعید وجوہ میں موشگافی شروع کی ہے اس وقت سے علم تفسیر نادرہ کا وجود نہ ہونے کے برابر رہ گیا ہے۔

قرآن میں مکرر بیان کردہ واقعات :

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں تذکیر بایام اللہ کے ضمن میں بعض واقعات کو بار بار بیان کیا ہے جبکہ بعض دوسرے واقعات کا ایک یا دو دفعہ سے زیادہ ذکر نہیں کیا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

ومما تکرر من القصص قصة خلق آدم من الارض بار بار بیان کردہ واقعات میں سے ایک واقعہ آدم علیہ السلام کی زمین سے تخلیق کا واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اولین انسان کی تخلیق مٹی سے کی جس کے متعلق قرآن کریم میں مختلف آیات میں ذکر کیا گیا ہے جیسے فرمایا اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ط خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ (آل عمران : ۵۹) حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی مثال ہیں جن کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا، پھر فرمایا، ہو جاؤ، تو وہ ہو گیا۔ تخلیق آدم کا واقعہ کہیں اختصار کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ اور کہیں تفصیل کے ساتھ اور اس طرح بعض آیات قرآنی دوسری آیات کی تشریح کرتی ہیں۔ انسانوں کے جد امجد آدم علیہ السلام کی مٹی سے تخلیق کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہر شخص اپنی اصلیت کو پہچان سکے کہ اس کی تخلیق مٹی جیسی حقیر چیز سے ہوئی ہے، لہٰذا اسے اپنے قبیلے، قوم یا رنگ و نسل پر ہرگز فخر نہیں کرنا چاہیے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ارشاد ہے کلکم ابناء ادم وادم من تراب لوگو! تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام کو اللہ نے مٹی سے بنایا تھا۔ وسجود الملٓئکة له آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد فرشتوں کا آپ کے سامنے سجدہ کرنے والا واقعہ بھی بتکرار موجود ہے۔ جب آدم علیہ السلام کا وجود تیار ہو گیا تو اللہ نے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ سب فرشتے سجدہ ریز ہو گئے مگر شیطان نے انکار کر دیا۔ گویا امتناع الشیطان منه والا واقعہ بھی موجود ہے۔ شیطان کا استدلال یہ تھا کہ میں آدم کے سامنے کیوں سجدہ ریز ہو جاؤں جبکہ انا خير منه ج خلقتني من نار وخلقتهٗ من طين ○ (اعراف : ۱۲) میں اس سے افضل ہوں۔ اللہ نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے جس کا شعلہ اوپر کو بلند ہوتا ہے جبکہ آدم کو مٹی سے تخلیق کیا ہے جو پاؤں تلے روندی جاتی ہے۔ وكونهٗ ملعوناً اسی انکار کی بنا پر شیطان کے ملعون ہونے کا ذکر بھی قرآن میں بتکرار آیا ہے۔ وسعيه بعد ذٰلك في اغواء بني آدم پھر اس کی طرف سے اولاد آدم کو اغوا کرنے کی کوشش کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ اس نے کہا تھا کہ مولا کریم! جہاں تک میرا بس چلے گا، مَیں تیرے بندوں کو صراط مستقیم سے بھٹکا کر ہی چھوڑوں گا۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ شیطان نے اپنا گمان سچ کر دکھایا، چنانچہ اکثر لوگ شیطان ہی کے راستے چلتے رہتے ہیں۔ البتہ جو میرے بندے ہیں ان پر شیطان کا اثر نہیں ہو گا۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وقصة مخاصمة نوح وهود وصالح وابراهيم

ولوط و شعیب علیهم السلام واقوامهم فی باب التوحید والامر بالمعروف والنهی عن المنکر اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ انبیاء نوح، ھود، صالح، ابراہیم، لوط اور شعیب علیہم السلام کا اپنی اقوام کے ساتھ توحید اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں بحث مباحثہ بھی قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔ ان انبیاء کی قومیں اللہ کی وحدانیت کی بجائے اپنے خود ساختہ معبودوں کی پوجا کرتی تھیں۔ اور انبیاء کے توجہ دلانے پر وہ لوگ کہتے تھے کہ ہم تمہاری وجہ سے ان بتوں کی پرستش کیوں چھوڑ دیں جن کی پوجا ہمارے آباؤ اجداد کرتے چلے آئے ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے تو لوگ ان کا مزاق اڑاتے اور اپنی من مانیاں کرتے رہتے۔ اس طریقے سے وامتناع الاقوام من الامتثال بشبهات رکیکة مع ذکر جواب الانبیاء ان قوموں کی کمزور شبہات کی بنا پر انبیاء کی دعوت کا انکار بھی قرآن میں موجود ہے۔ اور اس سرکشی اور نافرمانی کے نتیجے میں وابتلاء الاقوام بالعقوبة الالٰهیة لوگوں کا اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ سزا کی آزمائش میں ڈالا جانا۔ وظهور نصرته عزوجل للانبیاء وتابعیهم اور انبیاء علیہم السلام اور ان کے ماننے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد کا ظاہر ہونا بھی قرآن پاک میں بار بار ذکر کیا گیا ہے۔

وقصة موسیٰ مع فرعون و قومه ومع سفهاء بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون اور اس کی قوم اور خود بنی اسرائیل کے بیوقوف لوگوں کے ساتھ بحث مباحثہ ہوتا رہا، قرآن نے اس کا بھی بار بار ذکر کیا ہے۔ مفسرین کے مطابق قرآن پاک میں موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ چالیس مرتبہ سے زیادہ ہوا ہے۔ ومکابرة هٰذه الجماعة حضرته علیه الصلاة والسلام اور اسی قسم کا مکابرہ مشرکین کی جماعت کا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی ہوتا رہا۔ اس کا ذکر بھی قرآن میں بتکرار آیا ہے۔ وقیام الله سبحانه وتعالی بعقوبة الاشقیاء اللہ تعالیٰ نے بعض ناہنجاروں کو سزا میں بھی مبتلا کیا۔ وظهور نصرة نبیه مرة بعد مرة اور پھر اپنے نبی کی بار بار مدد بھی فرمائی۔ اس کا ذکر بھی بتکرار موجود ہے۔

وقصة خلافة داؤد وسلیمان وآیاتهما وکراماتهما حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی خلافت ارضی اور ان کے معجزات اور کرامات کا ذکر بھی قرآن میں کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ

نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو دنیا میں بے مثال حکومت عطا فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے انسانوں، جنوں، پرندوں اور ہوا کو ان کے تابع کر دیا تھا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے آپ کو پرندوں اور جانوروں کی بولی کا علم عطا کیا تھا۔ جنات آپ کے حکم کی سرتابی نہیں کرتے تھے۔ اور مشکل ترین کام بھی انجام دیتے تھے۔ جہاں چاہتے تھے ہوا آپ کو اور آپ کے لشکر کو اٹھا کر ایک ایک ماہ کی مسافت تک صبح وشام لے جاتی تھی۔ یہ سب آپ کی نشانیاں اور کرامات تھیں جو قرآن پاک میں مذکور ہیں۔

ومحنة ایوب و یونس حضرت ایوب اور حضرت یونس علیہما السلام کے مشقت میں ڈالے جانے کے واقعات بھی قرآن پاک میں بار بار آئے ہیں۔ ایوب علیہ السلام اٹھارہ سال تک بیماری میں مبتلا رہے۔ آپ صاحب اولاد اور صاحب مال کثیر تھے۔ آپ کے پاس کاشتکاری کے لئے پانچ سو جوڑی جانوروں کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں دوسرے جانور اونٹ، مویشی، بھیڑ، بکریاں تھیں۔ اللہ نے آپ کو بڑا مال اور دولت عطا کر رکھا تھا۔ اہل وعیال بھی بہت زیادہ تھے۔ مگر جب آزمائش آئی، آپ کو بیماری نے گھیر لیا تو اہل وعیال کھو گئے، مال تباہ ہو گیا، جانور مر گئے۔ صرف آپ کی بیوی نے آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ آپ کی تیمارداری کرتی، کھلاتی پلاتی۔ اس حالت میں بھی اللہ کے نبی اللہ کا شکر ہی ادا کرتے۔ اس کی تعریف وتوصیف ہی بیان کرتے اور کبھی کوئی حرفِ شکایت زبان پر نہ لاتے۔ بالآخر جب آپ آزمائش میں پورے اترے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی جسمانی تکلیف کو رفع کرنے کے لئے آپ کو ایک ٹھنڈے چشمے کے پانی سے نہانے اور اس کا پانی پینے کا حکم دیا۔ حکم کی تعمیل کرنے پر آپ کا مرض جاتا رہا اور جتنے اہل وعیال اور مال ودولت کھو چکا تھا، اس سے دگنے عطا ہو گئے۔

قرآن میں حضرت یونس علیہ السلام پر آنے والی آزمائش کا ذکر بھی بار بار آیا ہے۔ ان سے یہ لغزش ہو گئی تھی کہ وہ قوم سے مایوس ہو کر بستی سے نکل کر کشتی میں سوار ہو گئے حالانکہ ابھی تک خدا کی جانب سے بستی چھوڑنے کا حکم نہیں آیا تھا۔ آپ کو قرعہ کے مطابق دریا میں پھینک دیا گیا جہاں سے آپ کو مچھلی نے نگل لیا۔ آخر اسی حالت میں توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے صحیح سلامت باہر نکال دیا۔ **وظهور رحمة الله سبحانهٗ لهما** اس طریقے سے ان دونوں انبیاء علیہما السلام پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ظہور ہوا۔ یہ پورے قصے قرآن میں موجود ہیں۔

واستجابة دعاء زكريا اوراللہ کے پاک پیغمبر حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ بھی قرآن میں بتکرار بیان ہوا ہے۔آپ کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور انہیں حضرت یحییٰ بیٹا عطا کیا جو اللہ کا برگزیدہ پیغمبر ہوا۔

وقصص سیدنا عیسی العجیبة من تولده بلا اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عجیب و غریب واقعات بھی قرآن میں بار بار ذکر ہوئے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا اور اس میں دیر بھی نہیں لگی۔آپ پر بچپن سے ہی اللہ کے انعامات آتے رہے۔آپ پر ابتلائیں بھی آئیں۔ وتکلمه فی المهد آپ نے گہوارے میں کلام کیا۔ وظهور الخوارق منه آپ سے اور بھی خارق عادت واقعات کا ظہور ہوا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو بعض خاص معجزات عطا کئے تھے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فذكرت هذه القصص باطوار مختلفة، اجمالاً وتفصيلاً بحسب مااقتضاه اسلوب السور کہ یہ تمام واقعات مختلف سورتوں میں ہر سورۃ کے اسلوب کی مناسبت سے کہیں اختصار کے ساتھ اور کہیں تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔

ایک دو مرتبہ بیان کردہ واقعات :

یہ تو ان واقعات کی جھلک تھی جو اللہ نے قرآن پاک میں بار بار بیان کئے ہیں۔ان کے علاوہ ومن القصص التی ذکرت مرة او مرتين فقط بعض واقعات ایسے بھی ہیں جو قرآن میں صرف ایک یا دو مرتبہ بیان ہوئے ہیں۔ان میں رفع سیدنا ادریس اللہ کے نبی حضرت ادریس علیہ السلام کا آسمان پر اٹھائے جانے کا واقعہ ہے۔بعض مفسرین کے مطابق آپ کی دوستی ایک فرشتے کے ساتھ ہو گئی اور آپ کی خواہش کے مطابق فرشتہ آپ کو اپنے پیروں میں چھپا کر چوتھے آسمان پر لے گیا۔ پھر جب آپ کی موت کا وقت آیا تو ملک الموت نے چوتھے آسمان پر ہی آپ کی روح قبض کی۔ واقعہ معراج والی حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حضرت ادریس سے چوتھے آسمان پر ملاقات کا ذکر بھی ملتا ہے۔

ایک ہی دفعہ بیان ہونے والے واقعات میں ومناظرة سیدنا ابراهیم لنمروذ ابراہیم علیہ السلام کا نمرود بادشاہ کے ساتھ بحث مباحثہ کا واقعہ بھی ہے۔جو آپ نے رب تعالیٰ کے بارے میں

کیا تھا اور نمرود لا جواب ہو گیا تھا۔ انہی واقعات میں ورؤیتہ احیاء الطیر پرندوں کو زندہ ہوتے ہوئے مشاہدہ کرنے کا واقعہ بھی ایک ہی دفعہ بیان ہوا ہے۔ وذبح ولدہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خواب کے ذریعے اشارہ پا کر بیٹے اسماعیل علیہ السلام کی گردن پر چھری چلانے کا واقعہ بھی ہے۔

وقصۃ سیدنا یوسف حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بھی سورۃ یوسف میں تفصیل کے ساتھ ایک ہی مرتبہ بیان ہوا ہے۔ اس کے علاوہ وقصۃ ولادۃ سیدنا موسٰی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور فرعون کے قتل سے بچ جانے کا واقعہ والقائہ فی الیم اور آپ کی والدہ کا آپ کو دریا میں بہا دینا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے آپ کی پرورش آپ کی والدہ کے ذریعے ہی کرائی۔ وقتلہ القبطی موسیٰ علیہ السلام کا ایک قبطی آدمی کو قتل کرنے کا واقعہ بھی قرآن میں ایک ہی مرتبہ بیان ہوا ہے۔ بنی اسرائیل کے ایک کمزور آدمی نے موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کی کہ فلاں قبطی آدمی اس سے زیادتی کرتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو مکہ مارا تو اس کا کام تمام ہو گیا۔ فرعون کو پتہ چلا کہ اس کی قوم کے آدمی کو موسیٰ علیہ السلام نے قتل کر دیا ہے۔ تو موسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری اور قتل کا حکم ہو گیا۔ دریں اثنا ایک مومن آدمی نے موسیٰ علیہ السلام کو شاہی فیصلے سے آگاہ کر دیا اور فوراً مصر سے نکل جانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ وخروجہ الی مدین آپ کی مدین کی طرف روانگی وتزوجہ ھناك وہاں پر حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی سے نکاح کرنا۔ پھر بیوی کے ہمراہ مصر کی طرف واپسی کا سفر اختیار کرنا اور راستے میں ورؤیۃ النار علی الشجرۃ درخت پر آگ کا مشاہدہ کرنا وسماع الکلام منھا اور پھر وہاں پر اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونا۔ یہ سب واقعات ایک ہی دفعہ بیان ہوئے ہیں۔

وقصۃ ذبح البقرۃ گائے کے ذبح کرنے کا واقعہ بھی ایک مرتبہ بیان ہوا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے بنی اسرائیل کو کہا تھا کہ مقتول کا پتہ چلانے کے لئے ایک خاص قسم کی گائے ذبح کر کے اس کا ایک ٹکڑا مقتول کو مارو تو وہ تمہیں اپنے قاتل کا پتہ بتا دے گا۔ وقصۃ التقاء موسی والخضر اسی طرح موسیٰ اور خضر علیہما السلام کی خاص ملاقات کا واقعہ بھی ایک ہی بار بیان ہوا ہے۔ اس ملاقات میں موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے بعض حکمت کی باتیں معلوم کی تھیں۔ وقصۃ طالوت وجالوت انہی واقعات میں ایک واقعہ طالوت مومن کا جالوت کافر بادشاہ کو قتل کرنے کا بھی بیان

ہوا ہے۔ وقصة بلقیس ملکہ بلقیس کا تخت لانے والا واقعہ بھی ایک ہی بار بیان ہوا ہے۔ اس کے علاوہ وقصة ذی القرنین ، وقصة اصحاب الکھف مومن بادشاہ ذوالقرنین اور اصحاب کہف کے واقعات بھی ایک ایک مرتبہ ہی قرآن میں ذکر کئے گئے ہیں، وقصة رجلین تحاورا فیما بینھما ان دو آدمیوں کا قصہ کہ ایک مومن اور دوسرا کافر تھا۔ کافر نے اپنے مال سے دو باغات تیار کئے اور ان پر فخر کرنے لگا جبکہ مومن آدمی نے اپنے حصہ کا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ ان دونوں آدمیوں کی بات چیت کا ذکر بھی قرآن میں ایک ہی دفعہ سورۃ کہف میں بیان ہوا ہے۔ وقصة اصحاب الجنة اسی قسم کے باغ والے کئی بھائیوں کا واقعہ سورۃ القلم میں ذکر ہوا ہے۔ ان کا باپ پھل کا ایک حصہ غربا میں تقسیم کر دیتا تھا۔ مگر بیٹوں نے اس کو روکنا چاہا اور صبح سویرے پھل اتارنے کے لئے چلے گئے تا کہ غریب لوگ موقع پر نہ آ جائیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے باغ کو تہس نہس کر دیا۔

وقصة رسل عیسٰی الثلاثة یہ اصحاب قریہ کا واقعہ ہے جو سورۃ یٰسین میں ایک ہی مرتبہ بیان ہوا ہے عیسٰی علیہ السلام نے بستی والوں کے پاس اپنے تین قاصد بھیجے مگر انہوں نے تکذیب کی۔ پھر بستی کے دوسرے کنارے سے آ کر ایک شخص نے مرسلین کی تائید کی اور بستی والوں کو ان کے اتباع کا مشورہ دیا اور خدا تعالیٰ کی عبادت کرنے پر زور دیا۔ والمؤمن الذی قتلهٔ الکفار شھیداً مگر بستی والوں نے مومن آدمی کو قتل کر دیا۔ وقصة اصحاب الفیل اور ہاتھی والوں کا قصہ بھی ایک ہی دفعہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر کیا ہے۔ یمن کا بادشاہ ابرہہ ہاتھیوں کی فوج لے کر خانہ کعبہ کو گرانے کے لئے آیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے لشکر کو راستے میں ہی تباہ کر دیا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ چار آیات کی چھوٹی سی سورۃ الفیل میں یہ واقعہ اجمالاً بیان ہوا ہے۔

آخر میں شاہ صاحب رحمہ اللہ ان تمام واقعات کو بیان کرنے کی غرض یوں فرماتے ہیں فلیس المقصود من ھٰذہ القصص معرفتھا بانفسھا ان واقعات کو ذکر کرنے کا مقصد محض ان واقعات سے واقفیت حاصل کرنا نہیں۔ بل المقصود انتقال ذھن السامع الی وخامة الشرك والمعاصی وعقوبة اللہ تعالیٰ علیھا بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ سننے والے کے ذہن کو شرک اور دیگر معاصی کی خرابیوں کی طرف متوجہ کیا جائے اور ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف عائد کردہ سزاؤں کا ذکر کیا جائے

تا کہ وہ معاصی سے باز آ جائیں۔ نیز یہ بھی مقصود ہے۔ واطمئنان المخلصین بنصرۃ اللہ تعالیٰ کہ اللہ کے مخلص اور نیکوکار بندوں کو اس کی مدد وظهور عنایته عزوجل بهم اور اس کی عنایات کے ظہور کے متعلق یقین حاصل ہو جائے اور وہ مطمئن ہو جائیں۔

تذکیر بالموت و مابعدہٗ :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن پاک کے جن پانچ علوم کا ذکر کیا ہے ان میں علم الاحکام، علم المخاصمہ کے علاوہ تذاکیر ثلاثہ کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے تذکیر بآلاء اللہ اور تذکیر بایام اللہ کا اجمالاً بیان ہو چکا ہے۔ اب تیسری تذکیر کے متعلق فرماتے ہیں۔

وقد ذکر جل شانہٗ من الموت ومابعدہٗ کیفیة موت الانسان کہ رب تعالیٰ نے قرآن پاک میں انسان کی موت اور اس کے بعد کی کیفیت بھی ذکر کی ہے۔ وعجزہ فی تلك الساعة اور اس وقت اس کی عاجزی بھی ذکر کی ہے۔ وعرض الجنة والنار علیه بعد الموت مرنے کے بعد انسان پر جنت اور دوزخ کے پیش کئے جانے کا ذکر ہے۔ وظهور ملائکة العذاب اور یہ بھی کہ مرنے والے عاصی شخص پر عذاب کے فرشتوں کا کیسے ظہور ہوتا ہے۔

علامات قیامت :

ہر شخص منشائے ایزدی کے مطابق دنیا میں آتا ہے اور اپنا مقررہ وقت گزار کر موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے پھر ایک دن قیامت کا بھی آنے والا ہے جب اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کر کے اپنے سامنے کھڑا کرے گا، دنیا کی زندگی کا حساب لے گا اور پھر جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے وقت کا علم کسی کو نہیں دیا۔ البتہ اس کی آمد کی بعض نشانیوں کا ذکر کیا ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وقد ذکر اشراط الساعة من نزول عیسیٰ قرآن میں قیامت کی بعض علامات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ من نزول عیسیٰ حضرت مسیح علیہ السلام کا آسمان سے زمین پر نزول قرب قیامت میں ہی ہوگا۔ وخروج الدجال وخروج دابة الارض وخروج یاجوج وماجوج ان کا خروج بھی علامات قیامت میں سے ہے۔ قربِ قیامت میں دجال کا ظہور ہوگا جو

شعبدہ بازیاں دکھا کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہٹا کر لوگوں کو اپنی خدائی کا اقرار کرا لے گا۔ زمین سے ایک جانور نکلے گا جو لوگوں سے ان کی تکذیب وانکار کے بارے میں بات چیت کرے گا۔ وہ اپنی لاٹھی مار کر بتلا دے گا کہ یہ آدمی مومن ہے اور یہ آدمی کافر ہے عجیب جانور ہوگا سد ذوالقرنین گر پڑے گی اور یاجوج ماجوج اتر کر زمین میں پھیل جائیں گے اور ہر چیز کو تباہ وبرباد کر دیں گے۔ ونفخة الصعق پہلا صور پھونکا جائے گا تو سب پر بیہوشی طاری ہو جائے گی۔ ونفخة القيام والحشر والنشر دوسرا صور پھونکا جائے گا تو سب اٹھ کھڑے ہوں گے۔ پھر حساب کتاب کی منزل آئے گی۔ والسوال والجواب اللہ کی عدالت میں سوال جواب ہوں گے۔ والميزان ہر شخص کے اعمال تولے جائیں گے واخذ صحف الاعمال باليمين والشمال اور لوگوں کی زندگی بھر کے اعمال نامے ان کے دائیں یا بائیں ہاتھ دیئے جائیں گے۔ ودخول المؤمنين الجنة اور مومن آدمیوں کا جنت میں داخلہ ہوگا۔ ودخول الكفار النار اور کافر لوگوں کا جہنم میں داخلہ ہوگا۔ واختصام اهل النار من التابعين والمتبوعين فيما بينهم اہل دوزخ میں سے تابعین اور متبوعین کا آپس میں جھگڑنا۔ مرید نام نہاد پیروں سے کہیں گے کہ دنیا میں تم نے ہمیں گمراہ کیا۔ مگر متبوعین انکار کریں گے اور کہیں گے کہ تم نے اپنی مرضی سے گمراہی کا راستہ اختیار کیا اور پھر برملا کہیں گے کہ اب ہم سب کے سب جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ وانكار بعضهم على بعض ایک دوسرے کی الزام تراشی کا انکار کریں گے ولعن بعضهم بعضاً اور ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔ یہ سب باتیں وقوع قیامت کے ساتھ منسلک ہیں۔

آخرت کی تعذیبات اور انعامات :

واختصاص اهل الايمان برؤية الله عزوجل اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا۔ وتلون انواع التعذيب من السلاسل والاغلال والحميم والغساق والزقوم مجرموں کی سزاؤں کا ذکر کہ ان کے لئے بیڑیاں، طوق کھولتا ہوا گرم پانی اور غساق اور زقوم کے تکلیف دہ کھانے ہوں گے۔ اس کے برخلاف اہلِ ایمان کے لئے وانواع التنعيم من الحور والقصور والانهار مختلف اقسام کی نعمتیں ہوں گی جن میں جنت کی حوریں، عالیشان محلات اور ٹھنڈی میٹھی

نہریں شامل ہیں۔ والمطاعم الھنیئة تازہ بتازہ کھانے۔ والملابس الناعمة فاخرہ لباس والنساء الجمیلة خوبصورت عورتیں ہوں گی۔ وصحبة اھل الجنة فیما بینھم صحبة طیبة اہلِ جنت کی آپس میں پاکیزہ مجلسیں ہوں گی مفرحة للقلوب جو دلوں کو تازگی بخشیں گی۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فتفرقت ھٰذہ القصص فی سور مختلفة باجمال وتفصیل بحسب اقتضاء اسلوبھا یہ سارے واقعات قرآن کی مختلف سورتوں میں ہر سورۃ کی مناسبت سے اختصار یا تفصیل کے ساتھ بیان کر دیئے گئے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا، ان میں سے بعض واقعات بار بار بیان ہوئے ہیں جبکہ بعض کو ایک یا دو دفعہ ہی بیان کر کے چھوڑ دیا گیا ہے۔

(والکلیة فی مباحث الاحکام)

(مباحث احکام کے بارے میں قانون)

انہ صلی اللہ علیہ وسلم بحث بالملة الحنیفیة، فلزم بقاء شرائع تلک الملة، وعدم التغیر فی امھات تلک المسائل سوی تخصیص العموم وزیادة التوقیتات والتحدیدات ونحوھا، واراداللہ سبحانہٗ وتعالی ان یزکی العرب بحضرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ویزکی سائر الاقالیم بالعرب ...... الٰی ...... وھٰذا القسم ایضاً فی الحقیقة من باب التذکیر بایام اللہ، ولٰکن لما توقف حل التعریضات فیه علی سماع القصة میز من سائر الاقسام۔ (ص ۱۸ تا ص ۱۹)

ربطِ مضمون :

صاحب کتاب شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے الفوز الکبیر کا آغاز قرآنِ پاک کے علومِ خمسہ کے ذکر سے کیا۔ اور واضح کیا کہ قرآن پاک کے جملہ مضامین پانچ علوم سے باہر نہیں ہیں۔ ان علوم میں سے آپ نے علم مخاصمہ کے ضمن میں چار گمراہ فرقوں کے گمراہی کے اسباب اور ان کی طرف سے دین اسلام کے متعلق شکوک، شبہات اور اعتراضات کے جوابات دیئے۔ اس کے بعد علم تذکیر بآلاء اللہ، علم تذکیر

بایام اللہ اور علم تذکیر موت و مابعد کا مختصر بیان ہوا۔ اب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے علم الاحکام کے مباحث میں چیدہ چیدہ قوانین بیان کئے ہیں اور مشورہ دیا ہے کہ مفسرین کرام ان قوانین کو مدنظر رکھ کر قرآن پاک کی تفسیر کریں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اصل منشاء کو پاسکیں۔ کیونکہ قرآن پاک میں زیادہ تر انہی قوانین کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

ملت حنیفیہ پر بعثت :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **انہ صلی اللہ علیہ وسلم بعث بالملة الحنيفية** حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو ملت حنیفیہ کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔

ملت حنیفیہ، ملت ابراہیمی اور دین اسلام ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ دین اسلام وہی دین ہے جو سارے انبیاء کا دین رہا ہے، ابراہیم علیہ السلام کا بھی وہی دین تھا اور آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی دین پر مبعوث کیا گیا۔

حنیفیت کی تاریخ دو ادوار میں تقسیم کی جاتی ہے۔ پہلا دور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے زمانے تک محیط ہے۔ اسی دور میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لئے حضرت آدم، حضرت ادریس، حضرت نوح، حضرت ھود اور حضرت صالح علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ یہ صابی دور کہلاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ صابی دین بھی اللہ کے برگزیدہ پیغمبر لے کر آئے تھے اور انہوں نے اس دین کو صحیح طریقے پر اپنی اپنی امتوں کے سامنے پیش بھی کیا۔ اس دین میں بھی توحید، نماز، روزہ اور طہارت جیسے پاکیزہ احکام موجود تھے مگر بعد میں لوگوں نے اس دین میں بگاڑ پیدا کر دیا اور مشرک بن گئے۔

حنیفیت کا دوسرا دور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے۔ آپ حنیفی دور کے بڑے امام ہیں، اسی لئے اللہ نے آپ کو حنیف کا لقب دیا ہے۔ حنیف کا مطلب پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس سے مراد ہر طرف سے کٹ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے اور یہ مطلب سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہی صادق آتا ہے۔ پہلے یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ ملت حنیفی کے موٹے موٹے اصولوں

میں توحید، طہارت، استقبال قبلہ، نماز ختنہ، غسل جنابت وغیرہ شامل ہیں۔

الغرض! شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کو ملت ابراہیمیہ کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔ فلزم بقاء شرائع تلك الملة لہٰذا اس ملت کے طریقوں کا باقی رہنا بھی ضروری ٹھہرا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے پیروکاروں کو ملت ابراہیمیہ پر قائم رہنے کی تلقین فرمائی۔ اہلِ کتاب مسلمانوں کو یہودی یا عیسائی بننے کی دعوت دیتے مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (البقرہ : ۱۲۵) اے پیغمبر ﷺ! آپ ان سے کہہ دیں کہ میں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر ہوں جو کہ مشرک نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ عام حکم بھی دیا حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ (الحج : ۳۱) تم سب کے سب حنیف یعنی صرف ایک اللہ کی طرف رجوع کرنے والے بن جاؤ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

غرضیکہ شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چونکہ نبی آخر الزمان کو ملت ابراہیمی پر مبعوث کیا گیا تھا لہٰذا ضروری تھا کہ ملت ابراہیمیہ کے قوانین کو باقی رکھا جائے۔ وعدم التغير فى امهات تلك المسائل اور اس کے بنیادی مسائل میں کوئی تغیر و تبدل نہ کیا جائے۔ سوی تخصيص العموم کہ کہیں عمومی احکام میں تخصیص کر دی جائے وزيادة التوقيتات والتحديدات ونحوها اگر کسی معاملہ میں اوقات میں کمی محسوس کی گئی ہے تو ان میں زیادتی کر دی جائے۔ یا اگر کہیں تحدید نہیں کی گئی تو وہاں پر حسب ضرورت حد بندی کر دی جائے۔ ایسی معمولی چیزیں تو ہوں گی جن سے ملت کے عام طریقوں میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ البتہ ملت کے اصل قوانین میں تبدیلی نہیں آئے گی۔

واراداللہ سبحانہٗ وتعالى ان يزكى العرب بحضرة النبى صلى الله عليه وسلم ويزكى سائر الاقاليم بالعرب چونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت میں عربوں کے علاوہ پوری دنیا کے لوگوں کا تزکیہ مطلوب تھا۔ اس لئے اس نے چاہا کہ وہ سب سے پہلے عربوں کا تزکیہ کر دے یعنی ان کو ہر قسم نجاست اور ناشائستہ چیزوں اور معاصی سے پاک کر دے کیونکہ وہی لوگ اللہ کے آخری نبی کے اولین مخاطبین تھے اور انہی نے ملت ابراہیمیہ کے اس پروگرام کو اگلی نسلوں تک دنیا کے کونے کونے میں پہنچانا تھا۔ چنانچہ سورۃ الحج : ۷۸ : ليكون الرسول شهيدا عليكم وتكونوا شهداء على

الناس کا ترجمہ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ یوں کرتے ہیں تاکہ اللہ کا رسول تمہارا معلم بن جائے اور تم باقی دنیا کے لوگوں کے معلم کے فرائض انجام دو اور اس طریقے سے ملت ابراہیم کے قوانین کو آئندہ نسلوں تک پہنچاؤ۔ چنانچہ اللہ کے آخری نبی نے اپنے صحابہ کا ایسا تزکیہ کیا کہ جس کی کوئی مثال دنیا میں موجود نہیں ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت، رفاقت، تعلیم اور تربیت نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کندن بنا دیا اور وہ ہر لحاظ سے کامل بن کر ابھرے اور پوری دنیا کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ انہوں نے ایرانیوں، ہندوستانیوں، چینیوں، مصر، شام و روم والوں کا تزکیہ کیا۔ مسلمان جہاں جہاں پہنچے وہاں کے لوگ اسلام کی تعلیمات سے روشناس ہوتے چلے گئے اور اس طرح عربوں کے بعد عجمیوں کا بھی تزکیہ ہونے لگا۔

فلزم ان تکون مادة شریعته صلی الله علیه وسلم علی رسوم العرب و عاداتهم اس لئے ضروری ہوا کہ شریعت محمدیہ کے بیشتر اجزاء عربوں کے رسم و رواج اور ان کے عادات و خصائل سے ماخوذ ہوں۔ حضور علیہ السلام کو ملت ابراہیمیہ کے ساتھ مبعوث کیا گیا اور عرب لوگ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی اولاد میں سے تھے، لہٰذا اس آخری شریعت کے لئے بھی انہی کے رسوم و عادات کو معیار بنایا گیا۔ ان میں پائی جانے والی تمام اچھی عادات کو باقی رکھا گیا اور برے خصائل کو نکال کر تھوڑا بہت تغیر و تبدل کر دیا گیا۔ ابراہیم علیہ السلام بھی حنیف تھے، خود حضور علیہ السلام بھی حنیف تھے لہٰذا آپ کی پوری امت کو بھی حنیف بن کر ہی رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اسی بنا پر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **واذا نظرت الی مجموع شرائع الملة الحنیفیة** اور جب تم ملت حنیفیہ کے مجموعی قوانین پر نظر ڈالو گے۔ **ولا حظت رسوم العرب وعاداتهم** تو انہی کے رسم و رواج اور عادات و اطوار کو ان قوانین میں ملاحظہ کرو گے۔ **وتاملت تشریعه صلی الله علیه وسلم الذی بمنزلة الاصلاح و التسویة تحققت لکل حکم سببا** اور پھر شریعت محمدیہ میں غور کرو گے جو کہ لوگوں کیلئے بمنزلہ اصلاح اور برابر ہے تو ہر حکم کا کوئی نہ کوئی سبب معلوم کر لو گے۔ **وعلمت لکل امر ونهی مصلحة** اور امر و نواہی کے ہر معاملہ میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہی پاؤ گے۔ **وتفصیل الکلام طویل** اس بات کی لمبی وضاحت کی جا سکتی ہے جس کا

یہ مختصر رسالہ متحمل نہیں ہو سکتا۔

غرضیکہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ شریعت محمدیہ کا اصل مادہ عربوں کے رسم و رواج کے مطابق ہے کیونکہ یہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے ان میں اصل حنیفیت کے قوانین موجود تھے مگر ان میں خرابی آ چکی تھی۔ لہٰذا ایسی خرابیوں کو نکالنے اور اچھے امور کو باقی رکھنے کا حکم دیا گیا۔ ایسے امور کی تفصیلات بھی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری کتابوں میں موجود ہیں۔ مثلاً زمانہ جاہلیت میں بھی عرب لوگ اپنے نکاح کسی مجلس میں گواہوں کے روبرو کرتے تھے اور زوجین سے ایجاب وقبول کرایا جاتا تھا۔ اسلام نے اس طریقہ نکاح کو جاری رکھا، البتہ اس میں جو خرابی تھی وہ نکال دی گئی۔ اسی طرح مردوں کی تجہیز و تدفین کا طریقہ بھی اسلام نے وہی قائم رکھا جو اسلام سے پہلے عربوں میں رائج تھا۔ زمانہ جاہلیت میں بھی عرب اپنے مردوں کو قبر کھود کر اس میں دفن کرتے تھے حالانکہ اس وقت بھی اور آج بھی بعض مذاہب مُردوں کو جلا دیتے ہیں۔ اس دور میں بعض لوگ مردے کو جنگل میں چھوڑ آتے تھے تاکہ جنگلی جانور اور پرندے اس کو کھا جائیں جو کہ غیر اخلاقی فعل تھا۔ بہر حال اسلام نے عربوں کے رواج کے مطابق میت کو قبر میں دفن کرنے کا طریقہ ہی جاری رکھا اور دوسرے طریقے ختم کر دیئے۔

فتح مکہ سے پہلے تک خانہ کعبہ کی دیواروں پر بیشمار مجسمے لگائے ہوئے تھے، مشرکوں نے حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی تصاویر بھی بنا رکھی تھی اور ان کے ہاتھوں میں جوئے کے تیر پکڑائے ہوئے تھے۔ حضور علیہ السلام کا ادھر سے گزر ہوا تو فرمایا، خدا کی لعنت ہو ان تصویر کشی کرنے والوں پر، اللہ کے پاک پیغمبروں نے تو کبھی جوا نہیں کھیلا تھا۔ یہ سب کچھ مشرکوں کے خود ساختہ کام ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کے تمام نشانات کو توڑ کر ختم کر دیا اور اصل توحید کو قائم رکھا۔

وبالجملة اور بالجملہ خلاصہ کلام یہ ہے فقد كان وقع في العبادات من الطهارة والصلاة والصوم والزكاة والحج والذكر فتور عظيم من التساهل في اقامتها کہ طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور ذکر جیسی عبادات میں ان کے قیام میں سستی کی وجہ سے بڑا فتور پیدا ہو چکا تھا۔ اس فتور کی دوسری وجہ واختلاف الناس فيها بسبب عدم المعرفة في اكثرها اكثر

امور کی حقیقت سے لاعلمی کی بنا پر لوگوں کا ان عبادات کی ادائیگی میں اختلاف تھا۔ ظاہر ہے کہ قریبی زمانے میں عرب میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا تھا جو لوگوں کو ملت ابراہیم کے اصولوں سے روشناس کراتا اور عبادات کے صحیح طریقہ سے ادائیگی کا درس دیتا، لہٰذا ان میں عدم معرفت اور ادائیگی میں تساہل کا پیدا ہو جانا فطری امر تھا۔ اس دوران میں ودخول تحریفات اهل الجاهلية فيها زمانہ جاہلیت کی خودساختہ تحریفیں بھی ان عبادات میں داخل ہوگئیں، اور اس طریقے سے اصل ملت ابراہیمیہ کا حلیہ ہی بگاڑ دیا گیا۔ فاسقط القرآن عدم النسق منها وسواها حتى استقام امرها۔ پھر جب قرآن نازل ہوا تو اس نے اسلام میں برے طریقے سے داخل ہونے والی چیزوں، جن کی وجہ سے روانی میں فرق آ گیا تھا، ہٹا دیا وسواها اور ان کو برابر کر دیا۔ حتى استقام امرها حتیٰ کہ معاملہ ٹھیک ٹھاک ہو گیا۔

حضور علیہ السلام نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا لوگو! کیا میں نے اللہ کے احکام تم تک پہنچا دیئے ہیں یا نہیں۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا تھا، اللہ کے نبی! آپ نے امانت دین ہم تک پہنچا دی ہے، حق رسالت ادا فرما دیا ہے اور امت کی خیر خواہی فرما دی ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا تھا، اب تم قیامت تک کے لئے ذمہ دار ہو۔

تدبیر منزل میں خرابیاں اور ان کی اصلاح :

وقد كان وقع في تدبير المنزل رسوم ضارة وانواع تعد و عتو۔ عربوں کی تدبیر منزل یعنی ان کے معاشرتی معاملات میں بھی بہت سی نقصان دہ رسومات تعدی اور سرکشی وغیرہ داخل ہو چکی تھیں۔ مثال کے طور پر نکاح تو غیر محرم کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے مگر مشرکین عرب محرم عورتوں کے ساتھ بھی نکاح کرنے لگے تھے۔ ان کے نزدیک حقیقی یا رضاعی ماں، بہن، بیٹی کو نکاح میں لے لینا جائز ہو چکا تھا حالانکہ یہ تو فطرت ہی کے خلاف امر ہے۔ اسلام نے ان بیہودہ رسوم کو ختم کر دیا اور فطری نکاح کے طریقے کو جاری رکھا۔ وہ لوگ عورتوں کا حق کھا جاتے تھے۔ اسلام نے یہ قباحت بھی ختم کی اور حکم دیا کہ ہر شخص اپنا حق وصول کرے، دوسرے کا حق ادا کرے اور کسی کے ساتھ تعدی نہ کرے۔

سیاست مدینہ کے احکام کی تطہیر :

وایضًا اختلتلحکام السیاسة المدنیة اسی طریقے سے ملکی معاملات کے احکام میں بھی خرابیاں پیدا ہو چکی تھی۔ عرب لوگ ملت ابراہیمیہ کے قوانین کو پس پشت ڈال چکے تھے۔ جب نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوئی اور ملت ابراہیمیہ کے قوانین کا از سر نو جائزہ لیا گیا۔ فضبط القرآن العظیم اصولها وحدودها و وقتها تو قرآن پاک نے ملت کے اصل اصولوں، حدود اور اوقات کو ضبط کر لیا اور پھر ان کے حدود و قیود از سر نو متعین کئے کہ فلاں فلاں احکامات اس طریقے سے ادا ہوں گے اور اس طریقے سے مؤخر ہوں گے۔ وذکر من هٰذا الباب انواع الکبائر، وکثیرا من الصغائر اور اس باب میں مختلف قسم کے کبائر اور بہت سے صغائر کا ذکر کیا گیا ہے۔

مسائل عبادات :

وذکر مسائل الصلاة بطریق الاجمال قرآن پاک میں نماز کے مسائل مختصر طریقے پر بیان کئے گئے ہیں۔ وذکر فیها لفظ اقامة الصلاة اور نماز کے لئے اقامة صلاة کا ذکر کیا گیا۔ ففصلها رسول الله صلی الله علیه وسلم بالاذان وبناء المساجد والجماعة والاوقات چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اقامت صلوٰۃ کی تفصیل نماز کے لئے اذان کا طریقہ، تعمیر مساجد، نماز باجماعت اور اقامت نماز کا تعین کر کے اپنی زبان مبارک سے بیان فرما دی ہے۔

وذکر مسائل الزکاة ایضاً بالاختصار قرآنِ پاک میں زکوٰۃ کے مسائل بھی مختصر طریقے پر ہی ذکر کئے گئے ہیں۔ ففصلها صلی الله علیه وسلم تفصیلاً ان کی تفصیل بھی حضور نبی کریم ﷺ نے فرمادی ہے چنانچہ مختلف اموال میں زکوٰۃ کا نصاب مقرر، سونے، چاندی اور نقدی کا نصاب مقرر فرمایا کہ کم از کم کتنے مال پر زکوٰۃ واجب الاداء ہوتی ہے، زرعی پیداوار اور معدنیات پر زکوٰۃ کا نصاب مقرر فرمایا، نیز مختلف اقسام کی زرعی پیداوار کے لئے بھی علیحدہ علیحدہ نصاب متعین فرما دیا ہے۔ اس کے علاوہ زکوٰۃ کے مستحقین کی بھی وضاحت فرمادی ہے۔

پھر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف عبادات کے ساتھ قرآن پاک کی ان سورتوں کی بھی نشاندہی

کی ہے جن میں یہ احکام بیان ہوئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں وذکر الصوم فی سورۃ البقرۃ روزے کا ذکر سورۃ بقرہ میں کیا گیا۔ والحج فیھا وفی سورۃ الحج اور حج کی ادائیگی کا ذکر سورۃ بقرہ کے علاوہ سورۃ حج میں کیا گیا ہے۔ والجھاد فی سورۃ البقرۃ والانفال وفی مواضع متفرقۃ اور جہاد کے مسائل کا بیان سورۃ بقرہ، اور سورۃ انفال اور دیگر متفرق مقامات میں آیا ہے۔ والحدود فی المائدۃ والنور اسلامی حدود وتعزیرات کا ذکر سورۃ مائدہ اور سورۃ نور میں ہے۔

والمیراث فی سورۃ النسآء اور وراثت کے مسائل سورۃ النساء میں بیان ہوئے ہیں والنکاح و الطلاق فی سورۃ البقرۃ والنساء والطلاق وغیرھا اس طریقے نکاح وطلاق کے مسائل سورۃ بقرہ، سورۃ نساء اور سورۃ طلاق وغیرہ میں ذکر دیئے گئے ہیں۔

الغرض! ملت اسلامیہ کی بنیاد عربوں کی ملت حنیفیہ پر ہی رکھی گئی۔ عربوں کے علاوہ کوئی عجمی قوم یا فرد اپنی رسوم وعادات کو ملت کا معیار نہیں بنا سکتا۔

شرعی قوانین کے دیگر ماخذ :

یہ ملت اسلامیہ کے ان قواعد وضوابط کا ذکر ہوا ہے جن کا تعلق پوری امت کے ساتھ ہے۔ اسی لئے شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں واذا عرفت القسم الذی تعم فائدتہ جمیع الامۃ جب آپ نے احکام ومسائل کی اس قسم کو جان لیا جن سے امت کا ہر فرد مستفید ہوتا ہے فھنالك قسم آخر تو قوانین کی ایک اور قسم بھی ہے۔ وذلك مثل انہ کان یعرض علیہ صلی اللہ علیہ وسلم سؤال فیجیب اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی موقع پر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی سوال کیا گیا اور آپ نے اس کا جواب دیا۔ تو اس جواب کو بھی قانونی حیثیت حاصل ہے یعنی سوال کرنے والے نے کیا سوال کیا اور آپ نے کیا جواب دیا اور پھر اس سے کیا ثابت ہوا اور کون کون سے مسائل اخذ ہوئے؟ گویا یہ صورت میں ملت کے احکام کی بنیاد ہے۔

وبذل الانفس والاموال من اھل الایمان فی حادثۃ قوانین ملت اسلامیہ کی ایک یہ قسم بھی ہے کہ کسی حادثہ میں ایمان والوں نے اپنی جانیں اور اموال صرف کئے وامساك المنافقین واتباعھم الھوی اور ایسے موقع پر منافقین کا ایسی قربانی سے رک جانا اور اپنی نفسانی خواہشات کا

اتباع کرنا بھی بعض قوانین کو متعین کرنے کا سبب بن گیا۔ فمدح اللہ سبحانہ المؤمنین وذم المنافقین مع تھدیدھم ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ ایمان کی تعریف اور منافقوں کی مذمت اور انہیں جہنم کی وعید بھی شریعت اسلامیہ میں قانون کا درجہ رکھتی ہے۔

او وقعت الحادثة من قبیل نصرة علی الاعداء و کف ضررھم یا کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی دشمنوں کے خلاف مدد اور اہلِ ایمان کو ان کی ضرر رسانی سے بچالیا۔ فمن اللہ سبحانہ وتعالی علی المؤمنین ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان پر اپنا احسان جتلایا ہے۔ وذکرھم بتلك النعمة اپنی نعمت کا ذکر کیا ہے۔ ایسے واقعہ میں سے بھی شریعت محمدیہ کے کسی قانون کی نشاندہی ہوتی ہے۔ او عرضت حالة تحتاج الی تنبیه وزجر او تعریض او ایماء او امر او نھی یا کوئی ایسی خاص عادت پیدا ہو گئی ہو جس میں مخاطبین کو سخت تنبیہ اور زجر کی ضرورت تھی یا مخالفت یا موافقت مطلوب تھی یا کسی کام کا حکم دینا یا کسی کام سے منع کرنا ضروری تھا۔ فانزل اللہ سبحانہ فی ذٰلك الباب ماکان من ھٰذا القبیل تو ایسے مواقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے مناسب حال احکام نازل فرمائے ہیں جو اس آخری امت کے لئے بمنزلہ قانون کے ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فلا بد للمفسر من ذکر تلك القصص بطریق الاجمال تو مفسر قرآن کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن پاک کے متعلقہ اجزا کی تفسیر بیان کرتے وقت ان واقعات کا مختصر طور پر ذکر کردے۔ اس طرح متعلقہ حکم کو سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی۔

وقد جاء ت تعریضات بقصة بدر فی الانفال چنانچہ غزوہ بدر کے اشارات سورۃ انفال میں آگئے ہیں۔ وبقصة احد فی آل عمران واقعہ احد کی طرف اشارہ سورۃ آل عمران میں ہے۔ وبالخندق فی الاحزاب غزوہ خندق کا اشارہ سورۃ احزاب میں اللہ نے کردیا ہے۔ وبالحدیبیة فی الفتح اور صلح حدیبیہ کا واقع سورۃ فتح میں موجود ہے۔ وببنی النضیر فی الحشر اور بنی نضیر کے ساتھ لڑائی کا ذکر سورۃ حشر میں آیا ہے۔ وجاء ت الحث علی فتح مکة وغزوة تبوك فی براء ة اور فتح مکہ اور غزوہ تبوک پر سورۃ براۃ میں آمادہ کیا گیا ہے۔ والاشارة الی حجة الوداع فی مائدة اور حجۃ الوداع کی طرف اشارہ سورۃ مائدہ میں ہے۔ والاشارة الی قصة

نکاح زینب فی الاحزاب اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کا واقعہ سورۃ احزاب میں مذکور ہے۔

وتحریم السریۃ فی سورۃ التحریم اور حضور علیہ السلام کا اپنی لونڈی کو اپنے اوپر حرام کر لینے کا واقعہ سورۃ تحریم میں مذکور ہے۔ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر تنبیہ فرمائی ہے کہ جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال قرار دیا ہے، آپ اس کو کیوں حرام ٹھہراتے ہیں۔ اس نے یہ بھی سمجھایا ہے کہ اگر آپ نے اپنی بیویوں کی رضائی خاطر حرمت کی قسم کھالی تو اس کا کفارہ ادا کر دیں۔

وقصۃ الافك فی سورۃ النور اور افک کا واقعہ سورۃ نور میں مذکور ہے۔ جہاد کے ایک سفر کے درمیان منافقوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر اتہام لگایا تھا جس کی وجہ سے حضور علیہ السلام، ام المؤمنین اور مخلص مسلمانوں کو سخت پریشانی لاحق ہوگئی۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں دو رکوع نازل فرما کر ام المؤمنین کی بریت فرمائی۔

واستماع الجن تلاوتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سورۃ الجن والاحقاف اور جنات کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے وادی نخلہ میں قرآن پاک سننا اور پھر ایمان لے آنا سورۃ جن اور سورۃ احقاف میں ذکر کیا گیا ہے۔ وقصۃ مسجد الضرار فی براءۃ اور مسجد ضرار کا واقعہ اللہ نے سورۃ براءۃ میں ذکر کیا ہے۔ مسلمانوں کی مسجد قبا کے مقابلہ میں منافقوں نے مسجد ضرار تعمیر کی تاکہ اس کو اڈا بنا کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کی جائیں۔ منافقوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس مسجد میں نماز پڑھنے کی دعوت بھی دی جو آپ نے فوری طور پر قبول تو کر لی مگر جہاد سے واپسی پر فی الواقعہ نماز ادا کرنے کا وعدہ فرمالیا۔ اس دوران میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مسجد ضرار کی سازش سے بذریعہ وحی مطلع کر دیا تو آپ نے وہاں جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ پھر آپ کے حکم سے مسجد ضرار کو گرا دیا گیا اور اس کو کوڑا کرکٹ کی جگہ بنا دیا گیا۔

واشیر الی قصۃ الاسراء فی اول بنی اسرائیل اور واقعہ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ سورۃ بنی اسرائیل کے آغاز میں ذکر کیا گیا ہے اس واقع کی پوری تفصیل احادیث میں موجود ہے کہ کس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے رات کے تھوڑے سے حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ اور پھر ساتوں آسمانوں کی سیر کرائی۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں وھذا القسم ایضاً فی الحقیقۃ من

باب التذكير بايام الله درحقیقت واقعات کی اس قسم کا تعلق بھی تذکیر بایام اللہ کے ساتھ ہی ہے۔
ولكن لما توقف حل التعريضات فيه على سماع القصة ميز من سائر الاقسام مگر چونکہ ان اشارات کا حل اصل واقعہ سننے پر موقوف ہے، اس لئے ان کو باقی اقسام برائے اخذ احکام سے علیحدہ رکھا گیا ہے۔

الباب الثانی

(دوسرا باب)

(فی بیان وجوه الخفاء فی معانی نظم القرآن بالنسبة الی اذهان اهل الزمان، و ازالة ذٰلك الخفاء باوضح بیان) (موجودہ زمانے کے لوگوں کے اذہان کے اعتبار سے قرآن پاک کے معانی کی ترتیب میں خفاء کی وجوہات اور ان کا بالوضاحت ازالہ)...... الی ......
فینبغي لاهل السعادة من الاحباب ان یطلعوا فی مبداالکلام علی حقیقة هٰذه الامور، وشيئ من امثلها، ویکتفوا فی موضع التفسیر باشارة و رمز۔ (ص ۱۹ تا ص۲۰)

ربط مضمون :

الفوز الکبیر فی اصول التفسیر کا پہلا باب ختم ہوا۔ اس باب میں قرآن پاک کے علوم خمسہ کا صراحتاً ذکر ہوا۔ اور چار گمراہ فرقوں مشرکین، یہود، نصاریٰ اور منافقین کے چیدہ چیدہ اسبابِ ضلالت اور ان کے ساتھ بحث ومباحثہ کا طریقہ کار بیان ہوا۔ اب اس دوسرے باب میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن پاک کی مختلف سورتوں اور آیات کے معانی کی ترتیب میں پیش آمدہ خفاء کی وجوہات اور ان کے ازالہ کے لئے قواعد بیان فرمائے ہیں

عربوں کا عربی زبان پر عبور :

خفاء کا لغوی معنی پوشیدہ یا مخفی ہونا آتا ہے۔ جن لوگوں کے سامنے قرآن پاک نازل ہوا تھا، وہ تو فصیح وبلیغ عرب لوگ تھے۔ وہ دیہاتی تھے یا شہری سب کے سب عربی زبان کو خوب جانتے تھے اور

اس کی حفاظت بھی کرتے تھے۔ اس زمانے کے لوگ عربی قواعد، صَرف، نحو وغیرہ سے واقف نہیں تھے مگر ان کا کلام، ان کا خطاب اور ان کے اشعار انتہائی درجے کے درست اور موقع محل کے عین مطابق ہوتے تھے۔ جب لوگ کبھی غلط لفظ نہیں بولتے تھے۔ اگر کوئی شخص ایسی غلطی کر بیٹھتا تھا تو اس کا تمسخر اڑایا جاتا تھا۔ نزول قرآن کے زمانے کے عرب لوگ فطرتاً عربی دان تھے اور ان کو عربی زبان کے سمجھنے میں کسی خفا یا دِقت کا سامنا نہیں پڑتا تھا۔ البتہ شاہ صاحب ﷫ نے بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے قرآن پاک کی مختلف سورتوں اور آیات کے معانی کی ترتیب میں پیش آمدہ صرف ان مشکل الفاظ یا قانونی نکات کا ہی ذکر کیا ہے۔ جن کے سمجھنے میں موجودہ دور کے لوگوں کو دقت پیش آ سکتی ہے۔ چنانچہ اس دوسرے باب میں ایسی ہی مخفی باتوں، ان کے خفاء کی وجوہات اور ان کے ازالہ کے لئے مختصر طور پر قواعد بھی بیان فرما دیئے ہیں۔

عربی زبان اور اس کی فصاحت و بلاغت :

عربی زبان خطہ عرب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دور سے لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک زمانہ تک سترہ سو سال میں بہت ترقی کر چکی تھی۔ اس زبان کی فصاحت و بلاغت دنیا بھر میں مشہور تھی۔ عرب لوگ اپنی زبان پر فخر کرتے تھے۔ خطیب اور شاعر خصوصاً عربی زبان پر فخر کرتے تھے اور شعر و خطابت میں بڑے بڑے مقابلے ہوتے تھے، اس دور میں سال کے مختلف حصوں میں بعض مقامات پر میلے منڈیاں منعقد ہوتی تھیں۔ تاجر لوگ اپنا مال ان منڈیوں میں لاتے اور فروخت کر کے خوب نفع کماتے۔ ان میلوں اور منڈیوں میں نہ صرف اجناس، کپڑے اور دیگر ضروریات زندگی کا سامان دستیاب ہوتا بلکہ جانور، مویشی اور نوع انسانی سے غلام اور لونڈیاں بھی سرِ عام فروخت ہوتیں۔ چونکہ انسانوں کی خرید و فروخت اس زمانے میں دنیا بھر میں عام تھی، اس لئے اسے معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا تھا۔

ان میلوں کی دوسری خاص بات یہ تھی کہ یہاں پر دور دور سے شاعر اور خطیب آتے جو اپنے بزرگوں اور قبیلوں کی مدح کرتے۔ شاعر لوگ اپنا کلام پیش کرتے اور اس طریقے سے مختلف قبائل اور خطوں کے شاعروں اور خطیبوں میں مقابلے ہوتے جن میں وہ فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیتے،

عربی زبان کی وسعت اور ہردل عزیزی کی یہ بھی ایک بڑی وجہ تھی۔ چونکہ قرآن پاک کا نزول عربوں کی زبان، ان کے رسوم اور عادات کے مطابق ہوا تھا، اس لئے انہیں اس کو سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی تھی بلکہ وہ قرآن کے مقصد اور مفہوم کی تہ تک فوراً پہنچ جاتے۔ قریش مکہ کی قرآن کے ساتھ مخالفت ان کی ناسمجھی کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ قرآن کو تسلیم کرنے سے ان کی سیادت چھن جاتی تھی، اس لئے وہ اس کا سرے سے انکار ہی کر دیتے تھے، وہ جانتے تھے کہ اگر انہوں نے قرآن کو اللہ کا برحق کلام تسلیم کر لیا تو پھر اس کے لانے والے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر بھی ایمان لانا پڑے گا اور اس طریقے سے قریش کی سیادت ان کی طرف سے ہٹ کر محمد ﷺ کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ اسی بنا پر شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کے معانی و مفہوم کو سمجھنے میں قریش کو کوئی دقت پیش نہیں آتی تھی کیونکہ وہ تو انہی کی زبان اور انہی کے محاورے کے مطابق نازل ہوا تھا۔ البتہ جس خفاء کا ذکر شاہ صاحب رحمہ اللہ نے کیا ہے وہ بعد میں آنے والے لوگوں کی نسبت سے ہے جن کو کسی سورۃ یا آیت کے معانی سمجھنے میں خفاء پیش آتا ہے۔

نزول قرآن در عربی زبان :

چنانچہ شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں **لیعلم ان القرآن قد نزل بلغة العرب سویاً بغیر تفاوت** جان لیا جائے کہ قرآن پاک نازل ہوا ہے برابر عربوں کی زبان میں بغیر کسی تفاوت کے۔ قرآن کی زبان قریش کے محاورے کے مطابق خالص عربی ہے اور اس میں دوسری زبانوں کے برخلاف کسی بھی دوسری زبان کی کوئی ملاوٹ نہیں ہے۔ **وهم فهموا معنى منطوقه بقريحة جبلوا عليها** لہٰذا وہ قرآن پاک کے بدلے گئے مفہوم کو اپنی فطرتی جبلت کے مطابق خوب سمجھتے تھے۔ **کما قال** جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن پاک کے متعلق فرمایا ہے۔ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○ (الزخرف : ۲) قسم ہے کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن ہر بات کو صاف صاف بیان کرتا ہے جو آسانی سے سمجھ میں آ جاتی ہے۔ **وقال** اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ (یوسف : ۲) ہم نے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو، چنانچہ عرب لوگ اپنی فطری صلاحیت اور زبان دانی کی بنا پر اس کو خوب سمجھتے تھے۔

اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ط (ابراہیم : ۴) ہم نے ہر رسول اس کی قوم کی زبان میں بھیجا تا کہ وہ اچھی طرح بیان کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا کیونکہ اللہ کا پیغمبر اور اس کی قوم عرب تھی۔ اسی طرح عبرانی اور سریانی والی اقوام کی طرف وہی زبان بولنے والے پیغمبر بھیجے اور انہی کی زبان میں کتابیں نازل فرمائیں۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے عرب اقوام کی طرف عربی رسول عربی قرآن دے کر بھیجا تا کہ وہ اپنی قوم کے سامنے ٹھیک ٹھیک وضاحت کر سکے۔ یہ ایک الگ مسئلہ ہے اور اس کو الگ مقام میں بیان کیا جائے گا۔

پیغمبر اسلام کی دوہری حیثیت :

ہمارے پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت سے آپ قومی نبی ہیں کیونکہ آپ کو اپنی قومی زبان میں خطاب کرنا تھا۔ اس لحاظ سے آپ قریش اور عربوں کے قومی نبی (NATIONAI PROFHET) تھے اور آپ کی دوسری حیثیت بین الاقوامی نبی (INTERNATIONAI PROPHET) کی ہے۔ اللہ نے قرآن میں آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ اعلان کر دیں، لوگو! اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف : ۱۵۸) میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ اور میری طرف یہ قرآن اس لئے بھیجا گیا ہے۔ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ تا کہ میں تم کو اور جن جن تک یہ قرآن پہنچے سب کو ڈرا دوں۔ کل کے درس میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ حضور علیہ السلام کی عربوں میں بعثت سے یہ منشا تھی کہ آپ پہلے اپنی قوم عربوں کا تزکیہ کریں اور پھر ان کے ذریعے پوری دنیا کو پاک کر کے انقلاب برپا کر دیا جائے۔ حضور علیہ السلام قومی نبی ہیں، اور قریش عرب کی سعادت آپ پر موقوف تھی۔ لہٰذا عرب لوگ قرآن کو خوب سمجھتے تھے۔ اس لئے ان کو فہم قرآن میں کوئی خفاء پیش نہیں آتا تھا۔ وقال قرآن پاک میں یہ بھی آیا ہے اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ (ھود : ۱۱) یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتوں کو محکم یعنی پختہ بنایا گیا ہے، پھر ان کی تفصیل کی گئی ہے۔ اس تفصیل سے مراد خود قرآن کی تفصیل ہے کیونکہ اگر کسی مقام میں کسی بات کو اجمالاً بیان کیا گیا ہے تو دوسری جگہ تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ اس کے باوجود اگر کسی آیت کو سمجھنے میں دقت پیش آتی ہو تو اللہ کا پیغمبر خود اپنی زبان میں اس کی تشریح بیان کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو اس

کام پر خود مامور فرمایا ہے هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ (آلِ عمران : ۱۳۸) یہ عام لوگوں کے لئے بیان ہے جسے پیغمبر اپنی زبان میں کھول کر بتلا دیتا ہے۔

الغرض! عربوں کو تو اس قرآن کے سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی تھی۔ البتہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بعد والے لوگوں کے لئے ترتیب نزول قرآن میں خفاء کی وجوہات اوران کے ازالہ کا طریقہ بیان کیا ہے۔

متشابہات میں خاموشی کا حکم :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وكان من مرضى الشارع عدم الخوض في تاويل متشابه القرآن شارع علیہ السلام کی مرضی تو یہ تھی کہ قرآن پاک کے متشابہات میں کوئی بات نہ کی جائے کیونکہ عرب لوگ متشابہ آیات کو سن کر بھی کسی شک وشبہ میں نہیں پڑتے تھے۔ لہٰذا ان کو اسی طرح رہنے دیا جائے۔ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی متشابہ اور مقطعات سے متعلق اللہ کے رسول سے بہت کم سوال کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب خطہ عرب سے باہر کے عجمی لوگ اسلام میں داخل ہونا شروع ہوئے تو پھر انہوں نے بعض متشابہات کی وضاحت چاہی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مطلوبہ چیزوں کی وضاحت فرمادی۔ بہر حال پیغمبر اسلام علیہ السلام کی خواہش تھی کہ ایسی چیزوں کے متعلق کرید نہ کی جائے کیونکہ متشابہات کی بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو انسانی فہم سے بلند تر ہوتی ہیں۔ چونکہ انسانی اذہان کی ان تک رسائی نہیں ہوتی لہٰذا ایسی چیزوں کو اسی طرح رکھ کر آگے نکل جانا چاہیے اوران میں غور وخوض کر کے ان کو کریدنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں، چہرے، پنڈلی یا عرش پر بیٹھنے کا ذکر آتا ہے۔ یہ چیزیں از قسم متشابہات ہیں جن کے بارے میں مزید کرید نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ چیزیں ہماری عقل میں نہیں آسکتیں۔

بعض معاملات میں عدم کرید کا حکم :

اور اسی طرح وتصوير حقائق الصفات الالٰهية اللہ تعالیٰ کی ذاتی قدیم صفات کی حقیقت کو معلوم کرنے کی بھی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ اگر اس میں کرید کی جائے گی تو حقائق کی بجائے

ذہن میں غلط معانی بیٹھنے کا احتمال ہے جس سے گمراہی پیدا ہوگی۔ تجربہ شاہد ہے کہ جن لوگوں نے ایسے معاملات میں کلام کیا ہے وہ اکثر و بیشتر گمراہ ہی ہو گئے ہیں جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ اسلام کے اندر بہت سے فرقے در فرقے وجود میں آرہے ہیں۔

وتسمية المبهم اور مبہم یعنی غیر واضح باتوں کے متعلق بھی زیادہ کرید نہ کی جائے بلکہ جتنی بات اللہ کے رسول بتلا دیں اسی پر اکتفا کرنا چاہیے اور ایسے معاملات کو اپنی عقل ناقص کے ساتھ جاننے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ اسی طرح واستقصاء القصص اسی طرح قرآن میں بیان کردہ مختلف واقعات کے متعلق بھی زیادہ کرید نہیں کرنی چاہیے۔ تذکیہ کے لئے جس قدر کوئی قصہ بیان ہو گیا اس کو حاصل کرلو اور آگے بڑھنے کی کوشش مت کرو۔ اگر واقعہ کی جڑ بنیاد تلاش کرنے کی سعی کرو گے تو پھر درمیان میں غلط باتیں بھی آنا شروع ہو جائیں گی۔ وما اشبه ذٰلك اسی قسم کی دوسری باتوں کے متعلق بھی شارع علیہ السلام کی خواہش ہی تھی کہ ان کے متعلق کرید نہ کیا جائے۔ ولهٰذا ما كانوا يسألونه صلى الله عليه وسلم عن شيء من ذٰلك یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام حضور علیہ السلام سے ایسی چیزوں کے متعلق سوال نہیں کیا کرتے تھے۔ پورے قرآن پاک میں کل بارہ یا تیرہ مواقع ایسے ملتے ہیں جن میں يسألونك کا لفظ آتا ہے یعنی اے پیغمبر! صحابہ آپ سے یہ سوال کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ مشرک اور منافق لوگ جو سوال کرتے تھے تو وہ از راہ عناد ایسا کرتے تھے تاکہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو (العیاذ باللہ) نیچا دکھا سکیں البتہ کم علم دیہاتی لوگ حضور علیہ السلام سے سوال کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں بیٹھنے والے صحابہ کرام آپ کے پیچھے نمازیں پڑھنے والے اور سفر و حضر میں آپ کے رفقاء سوال نہیں کیا کرتے تھے بلکہ ضروری بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی بتلا دیتے تھے۔ والذي (دوسرے نسخے میں عبارت اس طرح ہے ولهٰذا رفع في هٰذا الباب شيء قليل) يرفع اليهم في هٰذا الباب شيء قليل اس باب میں براہِ راست بہت کم باتیں ہوتی ہیں۔ یعنی کسی شخص نے آپ سے سوال کیا ہو اور آپ نے اس کا جواب دیا ہو کیونکہ صحابہ کرام کے مسائل بغیر سوال کئے ہی حل ہو جاتے تھے۔

تحقیقات کا دَور :

ولٰکن لما مضت تلك الطبقة وداخلهم العجم لیکن جب صحابہ کرام کا طبقہ گزر گیا اور اسلام مین عجمی لوگ داخل ہونے لگے وترکت تلك اللغة استصعب فهم المراد في بعض المواضع اور پہلی لغت چھوڑ دی گئی تو بعض مواقع میں قرآن پاک کی آیات کا مفہوم سمجھنے میں دشواری آنے لگی۔ اور لوگوں کو ضرورت پیش آتی کہ کسی لفظ کے لغوی معنی، اس کا اصل، مصدر اور اس کی نحوی ترکیب معلوم کی جائے تا کہ آیت کے صحیح مفہوم تک رسائی حاصل کی جا سکے۔ واحتیج الی تفتیش اللغة والنحو وجاء السوال والجواب بین ذٰلك اور لغت اور علم نحو کے ذریعے تحقیق کی ضرورت پیش آئی تو پھر اس سلسلہ میں سوال و جواب بھی آ گئے۔ وصنفت کتب التفسیر اور پھر قرآن پاک کی تفسیر میں کتابیں لکھی گئیں۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ حالات میں فلزم ان نذکر مواضع الصعوبة اجمالاً ہمارے لئے ضروری ہو گیا کہ جہاں جہاں قرآن پاک کے مفہوم کو سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے ان مقامات کا اختصار کے ساتھ ذکر کر دیں۔ ونورد امثلة فيها اور ان میں مثالیں بھی بیان کر دیں لئلا یحتاج عند الخوض الی زیادة بیان تا کہ قرآنی آیات کے مفہوم کو سمجھنے کیلئے غور و خوض کرتے وقت اس سے زیادہ بیان کی ضرورت نہ پڑے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان مشکل مقامات کی اس حد تک وضاحت کر دیں کہ اگر قرآن پاک کو مکمل توجہ اور انہماک کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کا مفہوم آسانی سے سمجھ میں آ جائے اور قاری کو مزید کسی تشریح کی طرف رجوع نہ کرنا پڑے۔ ویقع الاضطرار الی المبالغة في الكشف عن تلك المواضع اور نہ ہی ان مقامات کو زیادہ کھولنے کے لئے زیادہ مبالغہ یعنی طول بیانی کی ضرورت پیش آئے۔ فنقول پس ہم کہتے ہیں:

خفاء کی وجوہات :

اب آگے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ قرآنی آیات کے مفہوم کو سمجھنے میں جو مشکل پیش آتی ہے اس کی

وجوہات بیان کرنے کے بعد مفسرین قرآن کو ضروری ہدایت بھی دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں **ان عدم الوصول الی فہم المراد باللفظ** قرآن پاک کے کسی لفظ کی مراد کا فہم میں نہ آنا **یکون تارۃ بسبب استعمال لفظ غریب** کبھی کبھی غریب لفظ کے استعمال ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ غریب لفظ سے ایسا لفظ مراد ہے جو کہ اگرچہ عربی زبان کا لفظ ہے عربی کی لغت میں موجود ہے۔ عربوں کے محاورے میں شامل ہے مگر اوپرا ہے، کم استعمال ہوتا ہے۔ ایسے لفظ کا مفہوم متعین کرنے کے لئے اس کا لغوی معنی تلاش کرنا پڑیگا اور پھر یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ عرب لوگ اس لفظ کو کس طرح استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں غریب بمعنی نادر الفاظ کے استعمال کے مختلف طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ اس طرح غریب لفظ کی اجنبیت دور ہو جاتی ہے اور وہ فہم کے قریب آجاتا ہے۔ **وعلاجہ نقل معنی اللفظ عن الصحابۃ والتابعین وسائر اھل المعانی** اور اس کا علاج یہ ہے کہ ایسے لفظ کے وہی معنی لئے جائیں جو صحابہ کرام، تابعین عظام اور اہلِ معانی لوگ نقل کرتے ہیں۔

وتارۃ یکون ذٰلک لعدم تمیز المنسوخ من الناسخ اور کبھی کبھی فہم میں خفاء اس لئے بھی پیدا ہو جاتا ہے کہ پڑھنے والے کو ناسخ اور منسوخ آیات کا علم نہیں ہوتا۔ لہٰذا تفسیر بیان کرتے وقت ضروری ہے کہ منسوخ ہونے والی اور منسوخ کرنے والی متعلقہ آیات کی وضاحت کر دی جائے۔

وتارۃ یکون لغفلۃ عن سبب النزول اور کبھی کبھی کسی آیت کی شانِ نزول سے غفلت بھی عدم فہم کا باعث بن جاتی ہے۔ جب تک ان حالات کا علم نہ ہو جن میں کوئی آیت نازل ہوئی، آدمی اس کا صحیح مفہوم نہیں پا سکتا، لہٰذا آیت کے شانِ نزول کا علم ہونا بھی ضروری ہے۔

وتارۃ یکون بسبب حذف المضاف او الموصوف او غیرھا اور بعض اوقات کسی لفظ کے عدم فہم کی یہ وجہ بھی ہوتی ہے کہ اس لفظ کا مضاف، موصوف یا کوئی دوسرا متعلقہ لفظ حذف ہوتا ہے لہٰذا کلام کو سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے۔ مفسر کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسے مقامات کو ذہن میں رکھے اور محذوف لفظ کو معلوم کرے تاکہ عبارت کا مفہوم صحیح طریقے سے سمجھ میں آجائے۔

وتارۃ لابدال شیٔ مکان شیٔ اور کبھی کبھی کسی چیز کا مکان دوسری چیز کے ساتھ تبدیل

کر دینے کی وجہ سے بھی کلام کو سمجھنے میں خفاء آتا ہے۔ او ابدال حرف بحرف یا کسی ایک حرف کا دوسرے حرف میں تبدیل ہو جانا بھی خفاء کا باعث بن جاتا ہے۔ او اسم باسم یا ایک اسم کو دوسرے اسم کے ساتھ تبدیل کر دیتے۔ او فعل بفعل یا ایک فعل کی جگہ دوسرا فعل لانے کی وجہ سے بھی مفہوم کو سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے۔

اولذکر الجمع موضع فرد وبالعکس یا واحد کی بجائے جمع یا اس کے برعکس جمع کی بجائے واحد کا صیغہ استعمال کرنے سے بھی مفہوم کو سمجھنے میں خفاء آجاتا ہے۔ او لاستعمال الغیبة مکان الخطاب یا غائب کا صیغہ خطاب کی جگہ استعمال کرنے سے بھی خفاء آجاتا ہے۔ وتارة بتقدیم ماحقه التاخیر وبالعکس اور کبھی کبھی کسی لفظ کو مؤخر کرنے کی بجائے مقدم کر دیا جائے یا جس لفظ کو پہلے آنا چاہیے تھا اسے بعد میں لایا جائے تو اس سے بھی مفہوم کو پانے میں دشواری آسکتی ہے۔

وتارة بسبب انتشار الضمائر وتعدد المراد من لفظ واحد اور کبھی کبھی مختلف ضمائر میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے اور پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ ضمیر کس اسم کی طرف ہے اور وہ ضمیر کس طرف ہے۔اس سے بھی معانی کے سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے۔بعض اوقات ایک ایک لفظ کے کئی کئی معانی مراد ہوتے ہیں اور ان میں سے کسی معنی کا تعین بھی مشکل امر ہوتا ہے جو مفہوم میں خفاء کا سبب بن جاتا ہے۔

وتارة بسبب التکرار والاطناب اور کبھی کبھی کلام میں تکرار یا طوالت معانی کے تعین میں خفاء کا باعث بن جاتی ہے۔ وتارة بسبب الاختصار والاعجاز اور بعض اوقات کلام میں اختصار اور اس کی فصاحت و بلاغت بھی خفاء کا سبب بن جاتی ہے۔

ومرة بسبب استعمال الکنایة والتعریض والمتشابه والمجاز العقلی اور کبھی کلام میں کنایہ، اشارہ، متشابہ اور مجاز عقلی بھی کلام کے صحیح معانی کے تعین میں حائل ہو جاتے ہیں۔ یہ چاروں اقسام کی اصطلاحات عبارتِ قرآن میں پائی جاتی ہیں۔علمِ معانی والوں کے مطابق یہ ساری الگ الگ چیزیں ہیں جن کو سمجھے بغیر آدمی آیت کے مفہوم کو کما حقہ نہیں پا سکتا۔مثلاً کنایہ یہ ہے کہ کوئی

لفظ استعمال تو موضوع لہٗ کے لئے ہو مگر اسے اس کے لازم کی طرف منتقل کر دیا جائے۔ اس طرح اس کا موضوع لہٗ والا معنی مراد نہیں ہوگا بلکہ لازم والا معنی مراد لیا جائے گا۔ مثلاً کسی شخص کے متعلق کہا جائے کہ وہ کثیر الرماد ہے اس کا لفظی معنی تو یہ ہے کہ وہ شخص لکڑیاں جلا کر کوئلہ بنانے کا کام کرتا ہے مگر اس کا لازمی معنی یہ ہے کہ مذکورہ شخص بڑا مہمان نواز ہے۔ اور یہ مطلب اس طرح اخذ کیا جاتا ہے کہ اس کے چولہے میں بہت زیادہ آگ جلتی ہے کیونکہ اس کے ہاں مہمانوں کی آمد و رفت کثرت سے ہوتی ہے اور ان کی خاطر تواضع کے لئے اسے عام طور پر چولہا جلتے رکھنا پڑتا ہے۔ یا کسی شخص کے متعلق کہا جائے کہ وہ طول النجاد ہے یعنی اس کا تلوار کو لٹکانے والا تسمہ لمبا ہے۔ ظاہر ہے کہ تسمہ اسی کا لمبا ہوگا جس کی تلوار لمبی ہوگی اور لمبی تلوار کی ضرورت لمبے قد والے آدمی کو ہوتی ہے۔ تو گویا اس طریقے طول النجاد سے مراد طویل القامت آدمی لیا جائے گا۔ یہ کنایہ کی مثالیں ہیں۔

اور تعرض سے مراد یہ ہے کہ کسی کلام کا اس کے حقیقی مطلب کی بجائے کوئی دوسرا مطلب لیا جائے۔ مثلاً کوئی شخص آ کر کہتا ہے کہ میں تو آپ کو سلام کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں یا ملاقات کے لئے آیا ہوں تو اس سے اس کی مراد محض حاضری یا سلام نہیں ہوتا بلکہ اس کا مقصد کھانا کھانے یا مالی امداد کا حصول ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض الفاظ یا عبارت متشابہ ہوتی ہے اور اس کا صحیح مفہوم اخذ کرنے کے لئے عبارت کے سیاق و سباق اور بعض دیگر امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ ان متشابہات میں حروف مقطعات بھی آتے ہیں جو قرآن کی بعض سورتوں کے آغاز میں آتے ہیں۔ یا جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں، چہرہ، پنڈلی اور اس کے عرش پر مستوی ہونے کا ذکر قرآن میں موجود ہے مگر ہم اللہ تعالیٰ سے منسوب ان چیزوں کو اپنے اعضاء پر محمول نہیں کر سکتے کہ اس کے ہاتھ، چہرہ یا پنڈلی وغیرہ ایسے ہی ہیں جیسے ہمارے ہیں یا وہ بھی اسی طرح عرش پر بیٹھا ہے جس طرح ہم کسی چیز پر بیٹھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تو ان چیزوں سے پاک ہے لہٰذا ہماری ناقص عقلیں اور اذہان اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان اعضاء و مقام کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ مفسرین ان چیزوں میں کرید کرنے کی اجازت نہیں دیتے بلکہ کہتے ہیں کہ ایسے معاملات کو اسی طرح رہنے دو، ان پر ایمان رکھو اور ان کی کیفیت کو جاننے کی کوشش نہ کرو کہ ایسا کرنے سے گمراہی آئے گی غرضیکہ بعض اوقات قرآن کے متشابہات بھی آدمی کے لئے عدم

تفہیم کا باعث بن جاتے ہیں۔

مجاز لفظی یہ ہے کہ کسی چیز کو کسی ادنی ملابست کی وجہ سے اس کو عقل کی طرف منسوب کر دیا جائے۔مثلاً کوئی شخص کہتا ہے جری النھر یعنی نہر جاری ہوگئی ہے۔مگر حقیقت میں نہر اپنی جگہ قائم ہوتی ہے البتہ اس میں پانی جاری ہو جاتا ہے اور مطلب بھی پانی کا اجرا ہی ہوتا ہے نہ کہ نفس نہر کا اجرا۔ اس طرح نہر اور پانی کے آپس میں ملاپ کی وجہ سے پانی کی بجائے نہر کا اجرا بولا گیا ہے۔یا مثلاً کوئی آدمی کہے کہ نھارہ صائم کہ اس کا دن روزے دار ہے حالانکہ دن کا روزہ نہیں ہوتا بلکہ اس شخص کا دن میں روزہ ہوتا ہے۔یا جیسے کہتے ہیں انبتت ربیع موسم ربیع نے سبزہ اگایا ہے۔حالانکہ سبزہ تو اللہ نے اگایا ہے مگر اگانے کا موسم ربیع ہے۔اسی طرح گویا ایسے الفاظ کو حقیقی معنی پر محمول کرنے کی بجائے اس کے عقلی معنی مراد لیتے ہیں اور یہ مجاز عقلی کہلاتے ہیں،اور ایسی چیزیں بھی عبارت کا صحیح مفہوم سمجھنے میں حائل ہو جاتی ہیں۔

الغرض! شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ قرآن پاک کے معانی کی ترتیب میں خفاء کی وجوہات بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں فینبغی لاھل السعادۃ من الاحباب کہ سعادت مند مفسروں کے لئے ضروری ہے ان یطلعوا فی مبدا الکلام علی حقیقۃ ھٰذہ الامور کہ وہ قرآن پاک کی تفسیر کرنے سے پہلے ان امور کی حقیقت وشیٔ من امثلتھا اور ان کی مثالوں سے آگاہی حاصل کر لیں ویکتفوا فی موضع التفسیر باشارۃ ورمز اور تفسیر بیان کرنے کے مواقع پر صرف اشارہ کرنے پر اکتفا کریں۔

(الفصل الاول: فی شرح غریب القرآن)

واحسن الطرق فی شرح الغریب ماصح عن ترجمان القرآن عبداللہ ابن عباس من طریق ابن ابی طلحة واعتمده البخاری فی "صحیحه" غالباً، ثم طریق الضحاك عن ابن عباس، وجواب ابن عباس عن اسئلة نافع ابن الارزق ...... الٰی ...... والغرض من هٰذه الرسالة سرد تفسیرات السلف بعینها۔ ولتنقیحها ونقدها موضع غیر هٰذا الموضع، ولکل مقام مقال (ص۲۰ تا ص۲۱)۔

ربطِ مضمون :

گزشتہ درس میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے ان وجوہات کا ذکر کیا جو قرآن پاک کے نظم کو سمجھنے میں مشکلات پیدا کرتی ہیں۔ اب آج کے سبق میں شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ان مشکلات کی تھوڑی سی تفصیل بیان کی ہے۔

غرائب القرآن :

الفصل الاول فی شرح غریب القرآن باب دوئم کی یہ پہلی فصل قرآنِ پاک کے غریب الفاظ کی شرح کے بارے میں ہے۔ غریب سے مراد وہ الفاظ ہیں جو غیر مانوس اور راو پراہوں اور عام طور پر استعمال میں نہ آتے ہوں۔ ان کو مشکل یا نادر کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ یہ الفاظ عربی زبان کے ہی ہیں جن کو عرب لوگ جانتے ہیں اور ان کو اپنے محاورے میں استعمال کرتے ہیں، لیکن بعد والے لوگوں کو ان کے سمجھنے میں اشکال پیدا ہوتا ہے۔ اس پہلی فصل میں شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ایسے غرائب القرآن یعنی قرآن کے مشکل الفاظ کی شرح کا طریقہ بیان کیا ہے۔

سلف کا طریقہ تشریح :

شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں واحسن الطرق فی شرح الغریب ماصح عن ترجمان القرآن عبداللہ ابن عباس عن طریق ابن ابی طلحة قرآن پاک کے مشکل الفاظ کی شرح کا بہترین طریقہ وہی ہے جو ترجمان القرآن صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے

ابن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ کی سند کے ساتھ ثابت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ترجمان القرآن کا لقب دیا گیا ہے کیونکہ ان کے حق میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی تھی۔ اَللّٰھُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ القرآن مولا کریم! اس کو دین کی سمجھ اور قرآن کا علم عطا فرما۔ آپ کی دعا کو شرفِ قبولیت حاصل ہوا، اور آپ واقعی قرآن کے عظیم ترجمان بن کر ابھرے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی اس اہلیت کو جانتے تھے اور مشکل الفاظ کی تشریح میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو مستند مانا جاتا تھا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی اور علم میں آپ سے بڑھ کر اور مقدم ہونے کے باوجود حضرت بن عباس رضی اللہ عنہما کی تعریف ان الفاظ میں کیا کرتے تھے۔ نعم ترجمان القرآن عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما قرآن پاک کے بہترین ترجمان یعنی مفسر ہیں۔ آپ اپنی خالہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر اکثر آیا جایا کرتے تھے، اس لئے آپ کو حضور علیہ السلام کے ساتھ شب و روز میں کافی وقت گزارنے کا موقع ملا۔ یہ بالکل نوعمر تھے مگر بارہ تیرہ سال کی قلیل عمر میں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت کچھ سیکھ لیا۔

شرح غریب اللفظ کے تین طریقے :

بہر حال شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غرائب القرآن کی شرح کا بہترین طریقہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے جو ابن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے ساتھ ثابت ہے۔ واعتمده البخاری فی صحیحه غالباً اور غالباً امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی صحیح بخاری میں ابن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت پر ہی اعتماد کیا ہے۔ ثم طریق الضحاك عن ابن عباس غرائب قرآن کی شرح کا دوسرا طریقہ تابعین میں سے حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ انہوں نے بھی یہ طریقہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اخذ کیا ہے۔ وجواب ابن عباس عن اسئلة نافع ابن الازرق مشکل الفاظ کی شرح کا تیسرا طریقہ وہ ہے جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نافع ابن ارزق کے بعض سوالات کے جوابات میں اختیار کیا تھا ابن ارزق خارجی آدمی تھا اس نے قرآنی آیات کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بعض سوالات کئے تھے جن کے آپ کے جواب دیئے اور مشکل الفاظ کا حل

پیش کر دیا۔ان کا ذکر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کیا ہے۔

وقد ذکر السیوطی هٰذه الطرق الثلاث فی "الاتقان" امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ان تینوں طریقوں کا ذکر اپنی کتاب اتقان میں کیا ہے۔علوم قرآن کے بارے میں اتقان تفسیر کی مستند کتاب ہے۔ **ثم ما نقله البخاری من شرح الغریب عن آئمة التفسیر** پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح غریب میں آئمہ تفسیر سے نقل کیا ہے **ثم ما رواه سائر المفسرین من الصحابة والتابعین واتباع التابعین من شرح الغریب** پھر دیگر مفسرین نے صحابہ کرام،تابعین اور تبع تابعین کے حوالہ سے مشکل الفاظ کی شرح بیان کی ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ تشریح :

اس کے بعد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **ومن المستحسن عندی ان اجمع فی الباب الخامس من الرسالة جملة صالحة من شرح غریب القرآن مع اسباب النزول** کہ میرے نزدیک مستحسن بات یہ ہے کہ شرح غریب القرآن کی تمام اچھی باتیں بمعہ ان کے اسباب نزول کے،اس رسالہ "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" کے پانچویں باب میں جمع کر دوں۔ **فاجعلها رسالة مستقلة** پس میں نے اس کو مستقل رسالہ بنا دیا ہے۔ **فمن شاء ادخلها فی هذه الرسالة ومن شاء افردها علی حدة** پس تم میں سے جو شخص چاہے اس کو اس رسالہ کا حصہ بنا لے اور جو چاہے اپنی خواہش کے مطابق الگ کر لے۔ **وللناس فیما یعشقون مذاهب** اور لوگ اسی راستے پر چلتے رہتے ہیں جس سے وہ محبت کرتے ہیں۔بہر حال اس کتاب کے پانچویں باب میں مشکل الفاظ کو جمع کر دیا گیا ہے۔

ومما ینبغی ان یعلم هٰهنا ان الصحابة والتابعین ربما یفسرون اللفظ بلازم معناه جان لیا جائے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام بسا اوقات مشکل لفظ کی تفسیر اس کے لازم معنی کے ساتھ کرتے ہیں **وقد یتعقب المتاخرون التفسیر القدیم** اور بعد والے مفسرین بھی کبھی کبھی قدیم تفسیروں کا تعاقب کرتے ہیں۔ **من جهة تتبع اللغة وتفحص موارد الاستعمال** بلحاظ لغت اور مقامات استعمال کی تفتیش و کرید کرنے میں۔ **والغرض من هٰذه الرسالة سرد**

تفسیرات السلف بعینها اوراس رسالہ کا مقصد سلف کی تفاسیر کو بالکل اسی طرح نقل کرنا ہے۔ وتنقیحها ونقدها موضع غیر هٰذا الموضع اوراس کی تنقیحات اور تنقیدات کے لئے اس مختصر رسالہ کے علاوہ کوئی دوسرا موقعہ ہے۔ ولکل مقام مقال اور ہر بات کے لئے مقام ہوتا ہے جو اسی مقام میں چلتی ہے۔

اس پہلی فصل میں غریب اللفظ کی صرف تمہید ہی بیان ہوئی ہے۔ قرآن پاک کے مشکل الفاظ کی تشریح مذکورہ تینوں طریقوں سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کی ہے، اور شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ اوراس کو کتاب ہٰذا کے پانچویں باب کے طور پر الگ حصہ بنالیا ہے۔

(الفصل الثانی)

(دوسری فصل)

من المواضع الصعبة فی فن التفسیر التی مباحثها واسعة جداً، والاختلاف فیها کثیر، معرفة الناسخ والمنسوخ۔ واقوی الوجوه الصعبة اختلاف اصلاح المتقدمین والمتاخرین ...... الٰی ...... وقد ذکر الشیخ جلال الدین السیوطی فی کتابه الاتقان بتقریر مبسوط کما ینبغی بعض ما ذکره العلماء، ثم حرر المنسوخ الذی فیه رای المتاخرین علی وفق الشیخ ابن العربی فعده قریباً من عشرین آیة۔ وللفقیر فی اکثر تلک العشرین نظر، فلنورد کلامه مع التعقب۔ (ص۲۱ تا ص۲۲)۔

ربط مضمون :

گزشتہ سے پیوستہ درس میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان وجوہات کا ذکر کیا تھا جو قرآن پاک کے نظم میں مشکل الفاظ کے معانی کا ادراک کرنے میں حائل ہوتی ہیں۔ پھر گزشتہ درس میں ان تین طریقوں کا ذکر کیا جن کے مطابق سلف صالحین نے غرائب القرآن کے معانی سمجھانے کی کوشش کی ہے اوراس کے ساتھ اپنا نظریہ بھی پیش کیا کہ وہ اس مسئلہ کا حل کس طرح مناسب سمجھتے ہیں اوراس کے

لئے کیا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ اب آج کے درس میں شاہ صاحب نے یہ بات واضح کی ہے کہ غرائب القرآن کے معانی کے تعین میں سب سے بڑی رکاوٹ قرآن پاک کی ناسخ ومنسوخ آیات کی پہچان ہے۔ اس ضمن میں سلف مفسرین نے پانچ سو یا اس سے بھی زیادہ آیات کا ذکر کیا ہے جبکہ متاخرین صرف بیس منسوخ آیات شمار کرتے ہیں۔ البتہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ یہ ہے کہ قرآن پاک کی کوئی بھی آیت منسوخ نہیں ہے۔ کسی حکم کی مدت کے اختتام یا علت کے دور ہو جانے کی وجہ سے قرآن کا کوئی حکم معطل تو سمجھا جا سکتا ہے، بالکل منسوخ نہیں مانا جا سکتا۔ قرآن پاک قیامت تک کے لئے نافذ العمل ہے لہٰذا جب بھی حالات کا تقاضا ہوگا، اصل حکم پھر نافذ ہو جائے گا۔

عدم نسخ کی امثلہ :

مثال کے طور پر نزول قرآن کے زمانے میں غلامی کا رواج پوری دنیا میں موجود تھا اور کاروبار کا سارا نظام غلاموں پر موقوف ہے۔ جب اسلام آیا تو اس نے بھی غلامی کو یکدم ختم نہیں کر دیا کیونکہ ایسا کرنے سے پورا کاروباری نظام متاثر ہوتا تھا اور معیشت پر برے اثرات پڑنے کا خدشہ تھا۔ اسلام نے اس نظام کو یکدم ختم کرنے کی بجائے اس کے بتدریج خاتمے کی راہ ہموار کر دی اور ساتھ یہ بھی واضح کر دیا کہ اگر غلامی کا یہ پورا نظام کسی وقت ختم بھی ہو جائے تو قرآن کے احکام میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اب غلامی کا دور تو ختم ہو چکا ہے اور اس کے متبادل دوسری چیزیں آگئی ہیں جن پر عمل ہو رہا ہے۔ اب سلف مفسرین نے غلاموں سے متعلق تمام آیات کو منسوخ تصور کر لیا ہے۔

درحقیقت غلامی کی علت ختم ہونے کی وجہ سے متعلقہ آیات پر عمل درآمد رک گیا ہے۔ اگر گردش زمانہ کے ساتھ کبھی پھر ایسے ہی حالات پیدا ہو جائیں تو متعلقہ آیات پر دوبارہ عمل شروع کر دیا جائے گا، لہٰذا ان کو منسوخ نہیں سمجھنا چاہیے۔

آپ آگے یہ اعتراض بھی پڑھیں گے کہ قربِ قیامت میں جب مسیح علیہ السلام کا نزول ہوگا تو آپ جزیے کو موقوف کر دیں گے حالانکہ جزیے کا حکم سورۃ التوبہ میں موجود ہے کہ کفار اور اہلِ کتاب سے جنگ کرو، یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئیں یا جزیہ دینا قبول کر کے اپنے مذہب کے مطابق پوجا پاٹ کرتے رہیں اس سے جزیے کے حکم کا نسخ ثابت کیا جاتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام جزیہ کو

منسوخ نہیں کریں گے بلکہ حدیث میں وہ مدت بیان کر دی گئی ہے جب تک غیر مسلموں سے جذیہ وصول کرنا روا ہے۔ اور یہ مدت مسیح علیہ السلام کے نزول پر ختم ہو جائے گی لہٰذا مسیح علیہ السلام کسی غیر مسلم سے جذیہ قبول نہیں کریں گے۔ یا تو غیر مسلم اسلام قبول کر لیں گے یا پھر ختم کر دیئے جائیں گے۔ دراصل اس وقت اہلِ کتاب یا دیگر غیر مسلموں سے جذیہ ان میں پائے جانے والے اشتباہ کی وجہ سے لینے کا حکم ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب ٹھیک ہے لہٰذا ہم اسی پر کار بند رہیں گے اور اسلامی عمل داری میں امان کی خاطر جذیہ دیتے رہیں گے۔ قیامت کے قریب جب مسیح علیہ السلام کا نزول ہوگا تو سارا اشتباہ دور ہو جائے گا، سورج مغرب سے طلوع ہوگا توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا اور اس طرح اسلام کی حقانیت اور دیگر تمام مذاہب کا ابطال واضح ہو جائے گا۔ اور کسی کے لئے اشتباہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔ اب جذیہ کی مدت ہی ختم ہو چکی ہے، لہٰذا سب کو اسلام قبول کرنا ہوگا یا ختم کر دیئے جائیں گے۔ اس طرح گویا جذیے کی انتہائی مدت پر جذیہ خود بخود ختم ہو جائے گا، لہٰذا اس کو نسخ حکم پر محمول نہیں کیا جائے گا۔

مال غنیمت کی تقسیم کا قانون سورۃ توبہ میں موجود ہے۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ...... القرآن اچھی طرح جان لو کہ مال غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے اور اس کے قرابت داروں کے لئے اور یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تو ہر چیز کا خود مالک ہے، لہٰذا اس کے حصے کا ذکر تو بطور تبرک کیا گیا ہے۔ البتہ بعض کہتے ہیں کہ اللہ کا حصہ مسجد وغیرہ میں لگایا جا سکتا ہے۔ جہاں تک اللہ کے رسول کا حصہ ہے وہ بطور امیر جماعت ہے اور آپ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد وہ بھی ختم ہو گیا۔ البتہ آپ کے قرابتداروں میں پانچ خاندان آلِ علی، آلِ عباس، آلِ جعفر، آل حارث اور آل عقیل رضی اللہ عنہم آپ کے ہمیشہ معاون رہے اسلام قبول کرنے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی لہٰذا ان خاندانوں کا حصہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ قرابتداری کی وجہ سے رکھا گیا تھا۔ اہلِ بیت کے ان پانچ خاندانوں پر صدقہ بھی حرام تھا۔ نبی علیہ السلام کے بعد ان خاندانوں کا آپ کے ساتھ تعاون تھا وہ بھی ختم ہو گیا، لہٰذا مالِ غنیمت میں سے ان کا حصہ بھی منسوخ ہو گیا۔ دراصل ان خاندانوں کی آپ کے ساتھ قرابت اور تعاون کی مدت ہی ختم ہو گئی ہے، لہٰذا ان کا حصہ منسوخ ہو کر

دوسرے مستحقین، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کی مد میں چلا گیا۔ ہاں اگر ان خاندانوں میں سے کسی خاندان کا کوئی فرد، یتیم، مسکین یا مسافر کی مد میں آتا ہے تو وہ بھی مالِ غنیمت میں سے حقدار ہوگا۔ چنانچہ خلفائے راشدین، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر عمل کیا۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کے رسول اور اس کے قرابتداروں کے حصے کا حکم منسوخ نہیں ہوا بلکہ اس کی علت ختم ہوگئی ہے۔ اور علت ختم ہونے سے حکم بھی ختم ہو جاتا ہے۔ الغرض! شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ قرآن پاک کے مشکل الفاظ کے معانی کے تعین میں آیات ناسخ منسوخ کو ایک اہم وجہ قرار دیتے ہیں۔ اور ناسخ منسوخ کی پہچان کے لئے متقدمین اور متاخرین مفسرین کے درمیان ناسخ منسوخ کی اصطلاح کو سب سے قوی وجہ تسلیم کرتے ہیں۔

متقدمین کا نظریہ :

فرماتے ہیں۔ من مواضع الصعبة فی فن التفسیر التی مباحثها واسعة جداً والاختلاف فیها کثیر، معرفة الناسخ والمنسوخ ناسخ اور منسوخ کی پہچان ایک ایسا مشکل مسئلہ ہے جس کے اندر بڑی بڑی بحثیں اور بے شمار اختلافات ہیں۔ واقوی الوجوه الصعبة اختلاف اصطلاح المتقدمین والمتاخرین اور اس سلسلہ میں قوی ترین دشواری متقدمین اور متاخرین مفسرین میں ناسخ منسوخ کی اصطلاح کا اختلاف ہے۔ پھر فرماتے ہیں وما علم فی هٰذا الباب من استقراء کلام الصحابة والتابعین انهم کانوا یستعملون النسخ بازاء المعنی اللغوی الذی هو: "ازالة شیٔ بشیٔ" کہ اس میں صحابہ کرام اور تابعین عظام کے کلام کا تتبع کرنے سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ حضرات نسخ کو اس کے لغوی معنی میں استعمال کرتے تھے اور وہ ہے "کسی چیز کا دوسری چیز کے ساتھ تبدیل کر دینا"۔ جہاں کہیں اسم یا صفت کی تبدیلی ہوئی تو کہہ دیا کہ یہ قید اتفاقی ہے احترازی نہیں ہے، اس کو نسخ کہہ دیا، حالانکہ لا بازاء مصطلح الاصولین مگر یہ اصولیوں کی اصطلاح نہیں ہے جو میں نے تعریف بتلائی ہے کہ پہلے حکم کو دوسرے حکم کے ذریعے کلیتًا اٹھا دیا جائے حتیٰ کہ پہلے حکم پر عمل کرنا ناجائز ہو جائے۔ فمعنی النسخ عندهم ازالة بعض الاوصاف من الآیة بآیة اخری ان کے نزدیک نسخ کا معنی یہ ہے کہ آیت

کی کسی صفت کو دوسری آیت کے ساتھ اٹھا دیا جائے۔ اما بانتهاء مدة العمل یا ازالہ کسی حکم کے عمل کی مدت کا اختتام بھی ہوسکتا ہے۔ او بصرف الکلام عن المعنی المتبادر الی غیر المتبادر یا کسی کلام کے صرف کو اس کے متبادر معانی سے غیر متبادر معانی کی طرف پھیر دینا ہے۔ او بیان کون قید من القیود اتفاقیاً یا کسی قید کو اتفاقی قرار دیا جائے۔ مثلاً دورانِ سفر قرض لینے دینے کی صورت میں فرمایا ان کنتم علی سفر ولم تجدوا کاتباً فرهٰن مقبوضة (البقرہ : ۲۸۳) عام حالات میں لین دین کرتے وقت تحریر کرنے کا حکم دیا۔ اور اگر دورانِ سفر کاتب موجود نہ ہو تو پھر کوئی چیز رہن کر دو۔ تو کہتے ہیں کہ یہ سفر کی قید اتفاقی ہے کیونکہ رہن تو سفر اور حضر دونوں صورتوں میں ہوسکتا ہے۔ او تخصیص عام یا کسی عام حکم کے ساتھ کسی چیز کو خاص کر دیا جائے۔ او بیان الفارق بین المنصوص وما قیس علیه ظاهراً یا منصوص اور منصوص الیہ میں فرق ظاہر کرنے کے لئے او ازالة عادة الجاهلية او الشريعة السابقة یا زمانہ جاہلیت کی کسی عادت یا کسی سابقہ شریعت کا ازالہ ہو۔ فاتسع باب النسخ عندهم پس ان کے نزدیک نسخ کا باب وسیع ہو گیا۔ و کثر جولان العقل هناك اور یہاں پر عقل کی گردش بھی بہت چلتی رہی۔ واتسعت دائرة الاختلاف جس کے نتیجے میں اختلاف کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا۔ ولهذا بلغ عدد الآيات المنسوخة خمسمائة اور اس لئے منسوخ آیات کی تعداد پانچ سو تک جا پہنچی۔ وان تاملت متعمقاً فهي غير محصورة اور اگر آپ زیادہ گہری نظر سے اس پر غور کریں گے تو منسوخ آیات کی تعداد شمار سے باہر نظر آئے گی۔ یعنی پانچ سو سے کہیں زیادہ ہوگی۔

متاخرین کی رائے :

شاہ صاحب رحمہ اللہ کے تجزیہ کے مطابق والمنسوخ باصطلاح المتاخرين عدد قليل متاخرین کی اصطلاح کے مطابق منسوخ آیات کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ لاسیما بحسب ما اخترناه من التوجيه خاص طور پر اس توجیہ کے مطابق جس کو ہم نے اختیار کیا ہے۔ وقد ذكر الشيخ جلال الدين السيوطي في كتابه "الاتقان" بتقرير مبسوط كما ينبغي بعض ما ذكره العلماء اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب اتقان میں لمبی چوڑی تقریر کے بعد

بعض باتیں ذکر کی ہیں جس کو ہمارے علماء نے بیان کیا ہے۔ ثم حرر المنسوخ الذی فیہ رای المتاخرین علی وفق شیخ ابن العربی فعدہ قریباً من عشرین آیۃ پھر متاخرین کی رائے کے مطابق شیخ ابن العربی نے منسوخ آیات کی تعداد صرف بیس شمار کی ہے۔ وللفقیر فی اکثر تلک العشرین نظر اور اس فقیر (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک بیس میں سے بھی اکثر آیات محل نظر ہیں۔ فلنورد کلامہ مع التعقب لہٰذا ہم تعاقب کرتے ہوئے امام سیوطی کے کلام کو بھی وارد کرتے ہیں۔ چنانچہ ہماری تقریر کے مطابق وہ بیس آیات والی بات بھی ختم ہو جائے گی۔ ہماری رائے میں قرآن کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔ لہٰذا ذہنوں میں خلجان ڈالنے اور جھگڑا کرنے والی کوئی بات نہیں رہے گی۔ قرآن کی کسی آیت کی توجیہ تو ہو سکتی ہے مگر اس کو منسوخ تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تجزیہ :

آگے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ سیوطی کی بیس شمار کردہ آیات کا تجزیہ کیا ہے اور مثالیں دے کر سمجھایا ہے کہ ان میں بعض آیات تو معمولی سی توجیہ کے ساتھ ہی نسخ سے بری ہو جاتی ہیں۔ اور آخر میں جو پانچ آیات منسوخ شمار کی ہیں، حقیقت میں وہ بھی نسخ کے معیار پر پوری نہیں اترتیں۔ مطلب یہ ہے کہ سارے کا سارا قرآن محکم ہے۔ اس کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔ پھر اس میں زمانے کا لحاظ بھی ضروری ہے۔ اگر آج کے دور میں بعض احکام پر عمل نہیں ہو سکتا تو عہد اولیٰ اور عہد وسطیٰ میں تو ان پر عمل ہوتا رہا ہے ہو سکتا ہے کہ آگے چل کر پھر ایسے حالات پیدا ہو جائیں جن میں ان احکامات پر عمل کرنا ممکن ہو جائے۔ قرآن پاک تو قیامت تک کے لئے لائحہ عمل ہے۔ اگر پہلے کسی حکم پر عمل نہیں تھا تو بعد میں ہو سکتا ہے۔ بہرحال علماء متاخرین کے نزدیک قرآن کی کوئی بھی آیت یا حکم منسوخ نہیں ہے۔

ہمارے علماء متاخرین بھی اسی بات کے قائل ہیں مگر کھل کر بات نہیں کرتے کہ دوسرے بدنام کریں گے کہ یہ معتزلہ ہو گئے ہیں کیونکہ انہوں نے متقدمین علماء کی تحقیق کو رد کر دیا ہے۔ مولانا حسین علی واں بھچراں والے اور مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بھی دبی زبان سے اس بات کا اظہار کرتے تھے اور توجیہ وغیرہ بتلا دیتے تھے تاکہ صحیح بات بھی سامنے آ جائے اور جمہور علماء کا وقار بھی بحال رہے۔ مولانا

عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر کھل کر کلام کیا ہے، ناسخ منسوخ کے مسئلہ پر بحث کی ہے اور منسوخ شمار کی جانے والی آیات کی توجیہ بیان کی ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ ان میں سے کسی آیت میں بھی نسخ ثابت نہیں ہوتا۔ آپ نے غیر مسلم وارث کی وراثت کے مسئلہ پر خود اپنا ذاتی واقعہ ذکر کیا ہے کہ میں تو مسلمان ہو چکا تھا مگر میری والدہ بدستور غیر مسلمہ تھی۔ اور اس حکم کے مطابق **لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم** یعنی مسلمان کی وراثت غیر مسلم کو اور کافر کی وراثت مسلمان کو نہیں ملتی۔ نسخ کے سلسلہ میں ایک طبقہ علماء نے سورۃ بقرہ کی آیت : ۱۸۰ کو منسوخ قرار دیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ **کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترك خیرا الوصیة للوالدین والاقربین بالمعروف** یعنی اگر تم میں سے کسی صاحب مال کو موت آجائے تو تم پر دستور کے مطابق والدین اور قرابت داروں کے لئے وصیت کرنا ضروری ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ یہ آیت سورۃ النساء کی آیت : ۱۱ کے ساتھ منسوخ ہے جس میں کہا گیا ہے **یوصیکم اللہ فی اولادکم** ...... **القرآن** یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری وراثت کی تقسیم کے لئے تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے۔ چونکہ والدین اور قرابت داروں کے لئے مفصل قانون آچکا ہے لہٰذا والدین اور اقربا کے لئے وصیت کرنے کا قانون منسوخ ہو گیا۔

مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غور کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ مسلمان وارثوں کے لئے وراثت کے مفصل قانون جاری ہونے کے باوجود والدین کے حق میں وصیت والی آیت منسوخ نہیں ہے۔ مولانا کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے جیسے معاملات کے لئے اس آیت کو بحال رکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر میں مر گیا تو میری غیر مسلمہ والدہ کو کون پوچھے گا کیونکہ مسلمان کا وارث غیر مسلمان نہیں ہو سکتا۔ تو فرماتے ہیں کہ اس قسم کے مواقع پر سورۃ بقرہ کی وصیت والی آیت پر عمل درآمد ہو گا اور غیر مسلم والدین یا اقربا کے حق میں وصیت کی جائے گی۔

۱۔ فمن "البقرہ" قوله تعالى: (كتب عليكم اذاحضر احدكم الموت ......
الاية) منسوخة قيل: بآية المواريث، وقيل بحديث: لاوصية لوارث: وقيل بالاجماع حكاه ابن العربي (قلت) بل منسوخة بآية: (يوصيكم الله في اولادكم) وحديث: "لاوصية لوارث" مبين للنسخ ...... الى ...... من آل عمران: (اتقوا الله حق تقاته) قيل: انها منسوخة بقوله (فاتقوا الله مااستطعتم)، وقيل: لا، بل هي محكمة، وليس فيها آية يصح فيها دعوى النسخ غير هٰذه الآية۔ (قلت) حق تقاته في الشرك والكفر، وما يرجع الى الاعتقاد، وما استطعتم في الاعمال، من لم يستطع الوضوء، يتيمم، ومن لم يستطع القيام يصلي قاعداً۔ وهذا الوجه ظاهر من سياق الآية، وهو قوله: (ولا تموتن الا وانتم مسلمون)۔ (ص۲۳ تا ص۲۴)۔

ربطِ مضمون :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ قرآن پاک کے مشکل الفاظ کی شرح میں حائل رکاوٹوں کا ذکر کر رہے ہیں۔ گزشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ اس کی سب سے بڑی وجہ آیاتِ ناسخ منسوخ کی پہچان ہے جس پر متقدمین اور متاخرین مفسرین لمبی چوڑی بحثیں کر چکے ہیں۔ اور اس میں پہلے اور پچھلے مفسرین میں بھی بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ دراصل ناسخ منسوخ آیات کے عدم تعین کی بڑی وجہ اصطلاح ہے جو مختلف طبقات کے مفسرین نے اختیار کی ہے۔ متقدمین مفسرین ناسخ منسوخ کو اس کے لغوی معنوں میں لیتے ہیں جبکہ متاخرین کا نظریہ یہ ہے کسی حکم کی مدت ختم ہو جانے یا اس کی علت دور ہو جانے سے قرآن کا کوئی حکم معطل تو سمجھا جا سکتا ہے، لیکن اس کو منسوخ قرار نہیں دے سکتے۔ اس ضمن میں بعض مثالیں بھی عرض کر دی گئی تھیں۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق متقدمین کی پانچ سو منسوخ آیات کے برخلاف صرف بیس آیات منسوخ قرار دی جا سکتی ہیں۔ مگر شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان بیس میں سے بھی صرف پانچ آیات کو منسوخ قرار دیا جا سکتا ہے۔ آج کے درس میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان بیس آیات پر جرح کا آغاز کیا ہے جو امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے منسوخ تسلیم کی ہیں۔ مگر شاہ

صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق صرف پانچ آیات منسوخ ہیں مگر مزید غور کرنے سے وہ بھی نسخ سے خارج ہو جاتی ہیں۔

سورۃ البقرۃ :

۱۔ فمن البقرة قوله تعالٰی: كتب عليكم اذا حضر احدكم الموت ...... الآية)

منسوخة قيل بآية المواريث بعض کہتے ہیں کہ سورۃ البقرہ کی یہ آیت : ۱۸۰ آیت مواریث کے ساتھ منسوخ ہے، جو کہ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۱ ہے۔ يوصيكم الله في اولادكم ق ...... القرآن اس آیت کریمہ میں اللہ تعالٰی نے میت کے وارثان کے حصے مقرر کر دیئے ہیں۔ جب تک یہ آیت نازل نہیں ہوئی تھی اس وقت تک ضروری تھا کہ آدمی موت سے پہلے اپنے والدین اور دوسرے اقرباء کے لئے اس کے مال میں سے حصہ دینے کی وصیت کر جائے۔ پھر جب وارثان کے حصے مقرر کر دیئے گئے تو یہ وصیت والی آیت منسوخ ہو گئی۔ کیونکہ اب والدین اور دیگر قرابت دار مرنے والے کے ترکہ میں سے حصہ دار بن گئے ہیں۔

سورۃ النساء میں وراثت کے مفصل قوانین ذکر کر دیئے ہیں۔ میت کے ورثاء تین قسم کے ہوتے ہیں۔ پہلے درجے میں ذوی الفروض آتے ہیں جن کے حصے اللہ نے قرآن میں مقرر کر دیئے ہیں مثلاً والدین، میاں، بیوی، بہن، بھائی وغیرہ۔

پھر اگر ذوی الفروض سے مال بچ جائے تو وہ عصبات یعنی میت کی اولاد کو جاتا ہے۔ اور قریبی رشتہ داروں کو جاتا ہے جو باپ کی طرف سے ہوں۔ جمہور فقہاء کے نزدیک تو یہ وراثت کے دو طرح کے حقدار ہی ہیں۔ مگر امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک تقسیم وراثت کا تیسرا درجہ ذوی الارحام بھی ہے، یعنی وہ جو میت کے ماں کی طرف سے رشتہ دار ہیں یعنی نانا، ماموں یا ان کی اولاد وغیرہ۔ اگر مرنے والے کا ترکہ ذوی الفروض اور عصبات کو تقسیم کرنے کے بعد بچ جائے تو وہ ذوی الارحام کو جاتا ہے۔ اور اگر میت کا کوئی بھی وارث نہ ہو تو پھر اس کے وارث سارے مسلمان ہوتے ہیں یا وہ بیت المال میں جمع کر دیا جاتا ہے کہ وہ سارے مسلمانوں کا مشترکہ فنڈ ہوتا ہے۔ بعض احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ جس مرنے والے کا کوئی وارث نہ ہو اس کا ترکہ اس کے گاؤں والوں کو دے دو۔ یہ بھی سارے

مسلمانوں کے حق کی دلیل ہے۔

وقیل بحدیث الاوصیة لوارث: بعض کہتے ہیں کہ وصیت والی آیت اس حدیث کے ذریعے منسوخ ہے جس میں کہا گیا ہے کہ وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں ہے۔ کیونکہ وارث تو خدا کے مقرر کردہ حصص کے مطابق وراثت کا حقدار ہے لہٰذا اس کے حق میں وصیت نہیں کی جاسکتی۔ وصیت دو قسم کی ہوتی ہے، ایک فرض اور دوسری مستحب۔ اگر کسی شخص کے ذمہ قرضہ ہے، اس کے پاس کوئی امانت ہے تو اس کے لئے واجب ہے کہ وہ مرنے سے پہلے اپنے ورثاء کو قرضہ یا امانت کی ادائیگی کی وصیت کر جائے۔ مستحب وصیت یہ ہے کہ ورثاء کے علاوہ اگر وہ کسی کو اپنے مال کا مستحق سمجھتا ہے تو اس کے حق میں زیادہ سے زیادہ ایک تہائی مال تک کی وصیت کرسکتا ہے۔

وقیل بالاجماع اور بعض کہتے ہیں کہ وصیت والی آیت اجماع امت کے ذریعے منسوخ ہے کہ اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ **حکاہ ابن العربی** اس کو امام ابن العربی نے بیان کیا ہے۔ الغرض! یہ وصیت والی آیت کی منسوخی کی توجیہات ہیں۔ ظاہر ہے کہ توجیہہ تو ہر صاحب علم اپنے فہم کے مطابق کرسکتا ہے۔

(قلت) شاہ صاحب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میری تحقیق یہ ہے **بل منسوخة بآیة یوصیکم اللہ فی اولادکم** کہ وصیت والی آیت سورۃ نساء کی آیت **یوصیکم اللہ فی اولادکم** کے ذریعے منسوخ ہے کیونکہ اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حقیقی ورثاء کے حصے مقرر کر دیئے ہیں۔ فرماتے ہیں البتہ حدیث "**لا وصیة لوارث**" **مبین النسخ** کہ حدیث "وارث کے لئے وصیت نہیں ہے" اس حکم کو واضح کرتی ہے۔

۲۔ **قولہ تعالیٰ: (وعلی الذین یطیقونہ فدیة)** امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اس آیت کو بھی منسوخ قرار دیا ہے جو کہ سورۃ البقرۃ کی آیت : ۱۸۴ ہے۔ اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ماہِ رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم نازل فرمایا۔ اور پھر اس آیت میں فرمایا کہ یہ گنتی کے دن ہیں، تم میں جو شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو پس وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کر لے۔ اور جو لوگ اس کی طاقت رکھتے ہیں، اس کا فدیہ ایک مسکین کا کھانا ہے۔ **قیل منسوخة بقولہ: (فمن شھد منکم**

الشهر فليصمه) (البقرہ : ۱۸۵)بعض کہتے ہیں کہ فدیہ والی آیت اس اگلی آیت کے ساتھ منسوخ ہے جس میں واضح طور پر حکم دیا گیا ہے کہ تم میں سے جو کوئی رمضان کا مہینہ پائے، وہ ضرور روزے رکھے۔ وقيل محكمة اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ آیت محکم ہے، منسوخ نہیں ہے۔اور اس کی توجیہہ یہ بیان کرتے ہیں کہ وعلى الذين يطيقونه فدية میں يطيقونهٗ سے پہلے لا مقدر ہے اور معنی یہ بنتا ہے کہ جو روزہ رکھنے کی قوت نہیں رکھتے، وہ فدیہ ادا کریں۔اور فدیہ کیا ہے طعام مسکین یعنی ایک مسکین کا دو وقت کا کھانا یا اس کے بدلے میں نصف صاع گندم یا ایک صاع دیگر اجناس باجرہ، مکئی، چاول وغیرہ۔

(قلت) وعندی وجه آخر : شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک اس کی ایک اور توجیہہ بھی ہے جس کے مطابق یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔آپ کے نزدیک يطيقونهٗ میں ٗہ کی ضمیر روزے کی طرف نہیں بلکہ فدیہ کی طرف لوٹتی ہے جو کہ ایک مسکین کا کھانا ہے۔اور وہ روزے رکھنے کے بعد صدقۂ فطر ہے جو شکرانے کے طور پر ادا کیا جاتا ہے۔اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ اس آیت کے آخری حصہ میں شکرانے کے طور پر تکبیرات عید کا ذکر آیا ہے ولتكبروا الله على ما هدكم ولعلكم تشكرون ○ تو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق آیت کا معنی یہ بنتا ہے کہ تم میں سے جو شخص صدقۃ الفطر کی طاقت رکھتا ہے یعنی وہ صاحب نصاب ہے اور اس نے روزہ بھی رکھا ہے تو اس پر صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے جس طرح نماز عید کی زائد تکبیرات واجب ہیں، اسی طرح روزوں کا فدیہ گھر کے ہر فرد کی طرف سے ایک مسکین کا دو وقت کا کھانا یا اس کی بجائے نصف صاع گندم یا ایک صاع دیگر اجناس میں سے ادا کرنا واجب ہے۔اس صدقہ فطر کی ادائیگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ روزے کی کمی کوتاہی کو معاف کر دیتا ہے اور معاشرے کے غربا کی مدد بھی ہو جاتی ہے۔غرضیکہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی یہ فدیہ والی آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ محکم ہے۔

۳۔ قوله تعالى : (احل لكم ليلة الصيام الرفث ...... الآية) ناسخة لقوله (كما كتب على الذين من قبلكم) کہتے ہیں کہ سورۃ البقرۃ ہی کی آیت : ۱۸۷ جس میں روزہ کی راتوں میں اپنی عورتوں کے ساتھ بے پردہ ہونا حلال قرار دیا گیا ہے، اس سے پہلی آیت : ۱۸۳ کما

کتب علی الذین من قبلکم کے ذریعے منسوخ ہے۔ اسلام میں روزوں کی فرضیت سے پہلے یہود ونصاریٰ بھی روزے رکھتے تھے مگر وہ رات کو ایک دفعہ سو جانے کے بعد دوبارہ اٹھ کر نہ تو کھا پی سکتے تھے اور نہ بیوی کے پاس جانے کی اجازت تھی یہ کام وہ سونے سے قبل کر سکتے تھے۔ دوسرے لفظوں میں ان کو سحری کھانے کی اجازت نہیں تھی۔ جب اسلام میں روزوں کا حکم اور اس کے ساتھ کما کتب علی الذین من قبلکم آیا تو مسلمان بھی اہلِ کتاب کی موافقت میں سونے سے قبل ہی کھا پی لیتے یا بیوی سے تمتع حاصل کر لیتے اور سحری کا اہتمام نہ کرتے لان مقتضاہ الموافقۃ فیما کان علیھم من تحریم الاکل والوطی بعد النوم کیونکہ اہلِ کتاب کے ساتھ موافقت کا یہی تقاضا تھا کہ سو جانے کے بعد کھانے پینے اور مباشرت سے رک جائے۔ پھر جب احل لکم والی آیت نازل ہوئی تو اہلِ کتاب کے ساتھ موافقت والے حکم کو اٹھا کر رات کے وقت کھانے پینے اور مباشرت کو حلال قرار دے دیا گیا۔ ذکرہ ابن العربی اس بات کو امام ابن عربی نے ذکر کیا ہے۔ وحکی قولا آخر اور ایک دوسری بات بھی ہے۔ انہ نسخ لما کان بالسنۃ کہ اس آیت کو سنت کے ذریعے منسوخ کیا گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مسلم اور ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ایک صحابی رات کو تھکے ماندے گھر پہنچے، بیوی سے کھانا طلب کیا، مگر کھانا گھر میں موجود نہیں تھا۔ بیوی کہیں سے کھانا لینے گئی تو اتنے میں صحابی سو چکے تھے۔ اب سونے کے بعد اٹھ کر کھانا کھانے کی اجازت نہیں تھی، لہٰذا انہوں نے اگلے دن کا روزہ بغیر کھائے پیئے رکھا جس کی وجہ سے انہیں مزید مشقت برداشت کرنی پڑی۔ تو کہتے ہیں کہ ان حالات میں احل لکم لیلۃ الصیام والی آیت نازل ہوئی اور رات کے وقت طلوع فجر تک کھانے پینے اور مباشرت کی اجازت دے دی گئی۔ (قلت) اس مسئلہ میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی رائے کا اظہار اس طرح کرتے ہیں معنی کما کتب: التشبیہ فی نفس الوجوب فلا نسخ کہ فرضیت صوم کے لئے کما کتب میں اہلِ کتاب کے ساتھ جو تشبیہ دی گئی ہے، وہ روزے کے وجوب کے بارے میں ہے، یعنی جس طرح پہلے لوگوں پر روزے فرض کئے گئے تھے، اسی طرح اے ایمان والو! تم پر فرض کئے گئے ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ روزہ فرض ہونے میں موافقت ہے نہ اس کی جزئیات یعنی اوقات اکل وشرب یا مباشرت وغیرہ۔ لہٰذا شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ آیت

منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔ البتہ مذکورہ سہولتوں کا حکم جو پہلے نہیں تھا، اس کی اجازت دے دی گئی۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **انما هو تغيير لما كان عندهم قبل الشرع** کہ اس سے لوگوں کی عادت کو بدلنا مقصود تھا تاکہ شریعت محمدیہ سے قبل ان کے پاس جو تھا، اس کو تبدیل کر لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف امتوں پر ان کے حالت کے مطابق روزے فرض کئے۔ بعض قوموں میں بہیمیت کا مادہ بہت زیادہ تھا لہٰذا وہ ہمیشہ روزے رکھتے تھے۔ بعض لوگ بہیمیت کے غلبہ کی وجہ سے ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔ بعض ایک دن روزہ رکھتے اور دو دن افطار کرتے۔ یہ مختلف قوموں کی عادات تھیں۔ جب ہماری امت کی باری آئی تو اس کو سال بھر میں ایک ماہ کے روزے رکھنے کا حکم ہوا تاکہ لوگوں کی بہیمیت میں کمی اور ملکیت میں اضافہ ہو اور تقویٰ کی منزل حاصل ہو سکے۔ بہرحال شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ متذکرہ آیت کے نسخ کا کوئی مسئلہ نہیں ہے بلکہ لوگوں کی عادت کو بدلنا مقصود تھا۔ **ولم نجد دليلاً على ان النبى صلى الله عليه وسلم شرع لهم ذٰلك** اور اس بات کی ہم کوئی دلیل بھی نہیں پاتے کہ نبی علیہ السلام نے فجر تک کھانے پینے اور مباشرت کی اجازت دی ہو۔

ولو سلم فانما كان ذالك بالسنة اور اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ متذکرہ آیت سنت کے ساتھ منسوخ ہے، تو یہ ایک الگ لمبا چوڑا اختلافی مسئلہ ہے کہ آیا کوئی آیت سنت کے ساتھ منسوخ ہو سکتی ہے یا نہیں۔ بہرحال شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کو بھی نسخ سے نکالنے کی کوشش کی ہے۔

۴۔ **قوله تعالى: (يسئلونك عن الشهر الحرام ...... الآية)** (البقرہ : ۲۱۷) لوگ آپ سے حرمت کے مہینوں کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ کیا ان مہینوں میں لڑائی کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب یوں دیا۔ **قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ...... وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ** اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ ان مہینوں میں لڑائی کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ حرمت والے چار مہینے یہ ہیں، رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم یہ مہینے زمانہ جاہلیت میں بھی محترم سمجھے جاتے تھے اور مشرک لوگ اس دوران میں لڑائی سے گریز کرتے تھے کیونکہ ان مہینوں کے احترام کا حکم ملت ابراہیمیہ میں بھی موجود ہے۔

ایک دفعہ ایسا واقعہ پیش آیا کہ مسلمانوں نے تاریخ کی غلط فہمی کی بنا پر حلت والے مہینے کا آخری دن سمجھ کر کفار سے لڑائی کر دی حالانکہ فی الحقیقت وہ حرمت والے مہینے کا پہلا دن تھا۔ اس پر مشرکوں نے مسلمانوں کو بدنام کرنا شروع کر دیا کہ دیکھو، یہ لوگ حرمت والے مہینوں کا بھی احترام نہیں کرتے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ التوبہ کی آیت : ۳۶ کے ساتھ جس میں حکم دیا گیا ہے۔ وقاتلوا المشركين كآفةً یعنی مشرکوں/کافروں کا مکمل صفایا کر دو۔ وہ جس حالت میں ہوں اور جونسا مہینہ بھی ہو، ان کو چھوڑو نہیں۔ اخرجه ابن جرير عن عطاء بن ميسرة اس کو امام ابن جریر رحمہ اللہ نے عطاء ابن میسرہ رحمہ اللہ کے حوالہ سے نکالا ہے۔

(قلت) هٰذه الآية لا تدل علي تحريم القتال ، بل تدل علي تجويزه شاہ صاحب رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ متذکرہ آیت لڑائی کی حرمت پر تو دلالت نہیں کرتی البتہ یہ اس کو جائز قرار دیتی ہے۔ وهي من قبيل تسليم العلة واظهار المانع کیونکہ اس میں تو قتال کی علت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اور پھر اس کے بعد مانع مہینہ کا ذکر کیا گیا۔ تو شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں **فالمعنى ان القتال في الشهر الحرام كبير شديد ولٰكن الفتنة اشد منه، فجاز في مقابلتها** کہ اس کا معنی یہ بنتا ہے کہ حرمت والے مہینوں میں لڑائی کرنا بہت بڑا گناہ ہے مگر فتنہ تو اس سے بھی بڑا گناہ ہے جس میں کفر، شرک اور فساد شامل ہے۔ گویا ایسے فتنے کو ختم کرنے کے لئے قتال جائز ہے۔ وهذا التوجيه ظاهر من سياقها كما لايخفى اور یہ توجیہ اپنے سیاق سے بالکل ظاہر ہے۔ تو گویا اس آیت سے قتال کی حرمت ہی ثابت نہیں ہوتی تو اس کی منسوخی کا سوال کیسے پیدا ہوگا۔ اگر فتنہ موجود ہے، لوگ کفر، شرک، فساد میں مبتلا ہیں تو جنگ جاری ہے، لہٰذا متذکرہ آیت کے نسخ کا قول درست نہیں ہے۔

۵۔ قوله تعالى: (والذين يتوفون ...... الى قوله ...... متاعاً الى الحول ...... الآية) (البقرہ : ۲۴۰) اور تم میں سے جو لوگ وفات دیئے جاتے ہیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جاتے ہیں، وہ اپنی بیویوں کے بارے میں وصیت کر جائیں کہ انہیں ایک سال تک گھر سے نکالے بغیر خرچہ دیا

جائے۔ کہتے ہیں کہ یہ حکم منسوخ ہے اسی سورۃ کی آیت : ۲۳۴ کے ساتھ جس میں ذکر ہے کہ بیوی کی عدت اربعة اشهر و عشراً چار مہینے دس دن ہے بشرطیکہ عورت حاملہ نہ ہو۔ اگر بیوگی کے وقت عورت حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہوگی، خواہ خاوند کی فوتیدگی کے ایک گھنٹہ یا ایک دن کے بعد ہی بچہ ہو جائے۔ البتہ نفاس کا مسئلہ الگ ہے، عورت کی عدت ختم ہوگئی اور وہ نکاح کرسکتی ہے۔ والوصية منسوخة بالميراث اور وصیت کا اختیار قانون وراثت کی رو سے ویسے ہی منسوخ ہے۔ والسكنى باقية عند قوم منسوخة عند آخرين بحديث "ولا سكنى" باقی رہ گیا بیوہ کی رہائش کا مسئلہ دورانِ عدت تو وہ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک حدیث ولا سكنى کے ذریعے منسوخ ہوچکی ہے یعنی بیوہ کو خاوند کے گھر میں رہائش کا بھی کوئی اختیار نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے بیوہ کے لئے ایک سال تک کا خرچہ اور رہائش نہیں ہے بلکہ یہ رعایت صرف دورانِ عدت کے لئے ہے جو بالعموم چار ماہ دس دن تک یا وضع حمل ہوتی ہے۔

(قلت) هي كما قال منسوخة عند جمهور المفسرين شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمہور مفسرین کے قول کے مطابق متذکرہ آیت منسوخ ہے۔ ويمكن ان يقال يستحب او يجوز للميت الوصية اور یہ ممکن ہے کہ ایک سال تک میت کی وصیت کو استحباب پر محمول کیا جائے یا اسے صرف جائز قرار دے دیا جائے نہ کہ لازم۔ اس صورت میں وصیت کا حق قانونی نہیں بلکہ اخلاقی تصور کیا جائے گا۔ اور اگر بطور استحباب اس کو اختیار کیا جائے تو اس کا ثواب ہوگا، نہ کرنے پر گناہ نہیں ہوگا۔ ولا يجب على المرأة ان تسكن في وصية اور نہ ہی عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ وصیت کے مطابق ایک سال تک خاوند کے گھر ہی رہائش رکھے۔ وہ اپنی صوابدید کے مطابق جاسکتی ہے۔ وعليه ابن عباس اور یہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی توجیہہ ہے۔ وهذا التوجيه ظاهر من الآية اور یہی آیت سے ظاہر ہوتا ہے، لہٰذا اس آیت کو منسوخ نہیں کہہ سکتے۔

۲۔ قوله تعالى : (وان تبدوا مافي انفسكم او تخفوه يحاسبكم به الله ...... الآية) (البقرہ : ۲۸۴) جو کچھ تمہارے نفسوں میں ہے، اس کو ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تم سے اس کا محاسبہ کرے

گا۔ بعض کہتے ہیں منسوخة بقوله :لایکلف الله نفساً الا وسعها (البقرہ : ۲۸۶) اللہ تعالیٰ نہیں تکلیف دیتا کسی نفس کو مگر اس کی طاقت کے مطابق۔ اگر اس پہلی آیت کو عام حکم پر محمول کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دل میں ہر قسم کے پیدا ہونے والے وسوسے قابل مؤاخذہ ہیں۔ حالانکہ وسوسے غیر اختیاری ہوتے ہیں اور ان کی وجہ سے تو پھر کوئی آدمی بھی مؤاخذہ سے نہیں بچ سکتا۔ اس لئے وہ کہتے ہیں کہ غیر اختیاری چیز پر انسان کو تکلیف نہیں دی جاتی اور نہ اس کا محاسبہ ہوتا ہے۔ لہٰذا پہلی متذکرہ آیت کو دوسری کے ساتھ منسوخ کہا گیا ہے۔

(قلت) هو من باب تخصيص العام شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس آیت کو منسوخ کہنے کی ضرورت نہیں ہے اس سے دلوں کے وسوسے مراد نہیں ہیں کیونکہ وہ تو غیر اختیاری چیز ہے اور اس کے متعلق حدیث نفس کا ذکر بھی آتا ہے کہ جب تک کوئی شخص کسی وسوسہ کو زبان سے ادا نہیں کرتا یا عمل نہیں کر پاتا اس وقت اس کا مؤاخذہ نہیں ہے۔ چنانچہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی توجیہہ یہ کرتے ہیں کہ دل کی بات کو ظاہر کرنے یا چھپانے سے وسوسے مراد نہیں ہیں بلکہ اس طریقے سے باب تخصیص عام کر دیا گیا ہے جس سے آیت کی عمومیت معلوم ہوتی تھی اس کو خاص کر دیا ہے جیسا کہ آیت کے آخری حصہ میں ثابت ہو گیا ہے کہ دل کی ہر بات مراد نہیں بلکہ انسان کا اخلاص اور نفاق مراد ہے نہ کہ غیر اختیاری وسوسے۔ لہٰذا آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ محاسبہ کرے گا تمہاری اس بدعقیدگی اور نفاق کا جس کو تم ظاہر کرو یا چھپالو۔ البتہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق دل میں غیر اختیاری پیدا ہونے والے وساوس کا مؤاخذہ از خود ہوتا رہتا ہے۔ چلتے چلتے کہیں ٹھوکر لگ گئی، چوٹ آ گئی، کانٹا چبھ گیا، ٹکر لگ گئی تو یہ چیزیں ان وساوس کا کفارہ بنتی رہتی ہیں حتیٰ کہ آدمی دنیا سے جاتے وقت وساوس کے مؤاخذہ سے بری ہو کر جاتا ہے لہٰذا شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ آیت بھی منسوخ نہیں ہے۔

۷۔ من آلِ عمران :(اتقوا الله حق تقاته) (آیت : ۱۰۲) اللہ سے ڈر جاؤ جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ قيل :انها منسوخة بقوله (فاتقوا الله مااستطعتم) بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اس آیت کے ساتھ جس میں کہا گیا ہے اللہ سے ڈر جاؤ جتنی تم طاقت رکھتے ہو۔

وقیل لا، بل هی محکمة اور بعض کہتے ہیں کہ مذکورہ آیت منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔ ولیس فیھا آیة یصح فیھا دعوی النسخ غیر هٰذه الآیة اور اس آیت کے علاوہ کوئی اور آیت بھی نہیں جس سے تنسیخ ثابت ہوتی ہو۔

(قلت) حق تقاته فی الشرك والکفر، وما یرجع الی الاعتقاد شاہ صاحب رحمہ اللہ کی توجیہہ کے مطابق حق تقاته کا حکم کفر اور شرک کے بارے میں آیا ہے، یعنی کفر، شرک اور بدعقیدگی سے اس طرح ڈرو جیسے ڈرنے کا حق ہے کیونکہ کفر و شرک کے لئے کوئی معافی نہیں ہے اور یہ جہنمی ہیں۔ البتہ (قلت) وما استطعتم والا حکم اعمال کی ادائیگی کے لئے ہے۔ جتنی کسی شخص میں عمل کرنے کی طاقت ہوگی، اس سے اسی قدر مؤاخذہ ہوگا، زیادہ نہیں۔ فرماتے ہیں کہ مثال کے طور پر من لم یستطع الوضوء یتیمم جو شخص وضو کرنے پر قدرت نہیں رکھتا اس کو تیمم کر کے نماز پڑھنے کی اجازت ہے ومن لم یستطع القیام یصلی قاعداً اور جو شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا وہ بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے، علیٰ ہذا القیاس۔ وهذه الوجه ظاهر من سیاق ...... الآیة اور یہی توجیہہ آیت کے سیاق سے ظاہر ہوتی ہے۔ (قلت) وهو قوله جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ولا تموتن الا وانتم مسلمون ○ اور کوشش کرو کہ تمہارا خاتمہ اسلام کی حالت پر ہو۔

من النساء :

۸۔ قولہ تعالٰی :(والذین عقدت ایمانکم فاتوھم نصیبھم ...... الآیة) منسوخة بقولہٖ (واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض) ۔ (قلت) ظاھر الآیة ان المیراث للموالی والبر والصلة لمولی الموالات فلا نسخ ...... الٰی ...... قال السیوطی موافقاً لابن العربی :فھذہ احدی وعشرون آیة منسوخة علی خلاف فی بعضھا، ولا یصح دعوی النسخ فی غیرھا۔ والاصح فی آیة الاستئذان والقسمة الاحکام وعدم النسخ، فصارت تسع عشرة۔ وعلی ما حررنا لا۔ یتعین النسخ الا فی خمس آیات (ص ۲۴ تا ص ۲۷)۔

من النساء :

۸۔ قولہ تعالٰی :(والذین عقدت ایمانکم فاتوھم نصیبھم ...... الآیة) (النساء : ۳۳)اور وہ جن کے ساتھ تمہاری قسمیں پوری ہوچکی ہیں، پس ان کو ان کا حصہ دو۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے بہت سے رفقاء مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئے تو اللہ کے نبی نے ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصار کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا تھا۔ اور اس بھائی چارے کو مواخات کا نام دیا گیا۔ مہاجرین اور انصاری بھائیوں کو سگے بھائیوں کی طرح حقوق حاصل ہو گئے تھے حتی کہ اگر کوئی انصاری بھائی فوت ہو جاتا تو اس کی وراثت میں مہاجر بھائی حصہ دار ہوتا تھا۔ اور اگر مہاجر فوت ہو جاتا تو اس کا انصاری بھائی اس کی وراثت سے حصہ پاتا تھا۔ سورۃ نساء کی اس آیت میں یہی حکم دیا گیا تھا کہ اپنے دینی بھائیوں کو اپنی وراثت سے حصہ ادا کرو۔ پھر جب وراثت کے مفصل قوانین نازل ہوگئے تو مواخاتی بھائیوں پر حقیقی قرابت داروں کو ترجیح دی گئی۔ منسوخة بقولہٖ کہتے ہیں کہ منسوخ ہے اس کے ساتھ واولوا الارحام بعضھم اولٰی ببعض فی کتاب اللہ من المؤمنین والمھٰجرین (آیت : ٦) اور قرابت دار بعض زیادہ تعلق رکھتے ہیں بعض کے ساتھ اللہ کی کتاب میں ایمان والوں اور ہجرت کرنے والوں سے چنانچہ سورۃ نساء کی مذکورہ آیت کو سورۃ احزاب کی اسی آیت سے منسوخ

سمجھا گیا ہے۔ اس طریقے سے یرث المهاجری الانصاری والانصاری المهاجری والا سلسلہ ختم ہو گیا۔ مواخاتی بھائی وراثت میں حصہ دار نہیں ہوتے البتہ دیگر معاملات میں ان کی بھائی بندی قائم تھی۔ عام مشہور یہی قول ہے۔

(قلت) شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ظاهر الآية ان الميراث للموالی، والبر والصلة لمولى الموالات فلا نسخ کہ آیت کے ظاہر سے تو یہی معلوم ہوتا ہے مگر آپ اس آیت کو منسوخ نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ وراثت کے حقدار تو بلاشبہ مرنے والے کے قرابت دار یعنی ذوی الفروض، عصبات یا ذوی الارحام ہی ہیں۔ قانون یہی ہے قریب والے رشتہ دار کی موجودگی میں دور والے کو حصہ نہیں ملتا۔ تاہم براور صلہ دینی بھائیوں کا حق ہے جو کہ وراثت کے علاوہ ہے۔ لہٰذا دونوں آیات پر عمل ممکن ہے اور مذکورہ آیت منسوخ نہیں ہے۔

۹۔ قولهٔ تعالٰی: (واذا حضر القسمة ...... الآية) قيل منسوخة وقيل لا ولٰكن تهاون الناس في العمل بها سورۃ النساء کی آیت: ۸ کو بعض نے منسوخ کہا ہے اور بعض نے اس کو محکم مانا ہے پوری آیت اس طرح ہے۔ واذا حضر القسمة اولوا القربى واليتٰمى والمساكين فارزقوهم منه یعنی وراثت تقسیم کرتے وقت اگر قرابت دار اور یتیم مسکین حاضر ہوں تو اس میں سے ان کو بھی کھلا دو۔ ظاہر ہے کہ وراثت کے حقدار تو مرنے والے کے اقربا ہی ہو سکتے ہیں۔ اور ایسے موقع پر جمع ہونے والے غرباء و مساکین تو حقدار وراثت نہیں بنتے لہٰذا ان کو وراثت کے مال میں سے کیسے دیا جا سکتا ہے۔ اس لئے بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ مگر بعض دوسرے کہتے ہیں کہ منسوخ تو نہیں ہے۔ ولٰكن تهاون الناس في العمل بها مگر لوگوں نے اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے موقع پر غرباء و مساکین کو دے دینا وجوبی حکم تو نہیں ہے، اسی لئے کوئی بھی غیر وارث ان کو دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا لیکن ثواب والی بات تو حدیث میں آتی ہے۔ اپنا حصہ وراثت وصول کرنے کے بعد اگر کوئی وارث اپنے حصے میں سے کسی غریب مسکین کو کوئی چیز دے دیتا ہے یا کھانا ہی کھلا دیتا ہے اور ساتھ معذرت بھی کر دیتا ہے کہ اس کے پاس مزید گنجائش نہیں ہے تو ایسا شخص نیکی سے محروم تو نہیں ہوگا بلکہ اللہ تعالٰی سے اجر ہی لے کر لوٹے گا۔

(قلت) شاہ صاحب رحمہ اللہ کہتے ہیں قال ابن عباس :هی محكمة و الامر للاستحباب وهٰذا اظهر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی اس آیت کو محکم تسلیم کیا ہے کیونکہ غرباء کو دینے کا حکم لازمی نہیں بلکہ استحباب کے درجہ میں ہے۔ اور یہ بات واضح ہے، لہٰذا اس آیت کو منسوخ نہیں تسلیم کیا جا سکتا۔ اگر مستحب کام کرتے وقت نیت کر لی جائے کہ مجھے اس کا ثواب مل جائے تو مل جاتا ہے، ورنہ کچھ نہیں۔ اگر کوئی شخص مستحب کام نہیں کرتا تو اس پر کچھ مواخذہ بھی نہیں ہے۔

۱۰۔ قولهٗ تعالٰی :(واللاتی یاتین الفاحشة ...... الآية) منسوخة بآية النور کہتے ہیں کہ سورۃ النساء کی آیت : ۱۵ سورۃ نور کی آیت کے ساتھ منسوخ ہے۔ پوری آیت اس طرح ہے وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ج فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ۝ اور تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کرتی ہیں، پس تم ان پر چار گواہ لاؤ۔ اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں کو روک رکھو گھروں میں یہاں تک کہ وفات دے دے ان کو موت یا بنائے اللہ تعالٰی ان کے لئے کوئی اور راستہ، اور اس کی ناسخ آیت الزانية والزانی فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة (نور : ۲) بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد ان میں سے ہر ایک کو سو درے مارو۔ یہ اللہ نے حد مقرر کر دی کہ اگر زانی جوڑا غیر شادی شدہ ہے تو ان کو سو سو درے مارو اور اگر شادی شدہ ہے تو سنگسار کر دو جبکہ چار مرد عینی گواہ اس جرم کو ثابت کر دیں جو کہ بہت مشکل ہے۔ (قلت) شاہ صاحب رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اس آیت میں لا نسخ فی ذالك یعنی نسخ والی کوئی بات نہیں ہے کہتے ہیں درحقیقت بل هو ممتد الی الغاية پہلی آیت کا حکم اپنی انتہاء کو پہنچ گیا ہے اس آیت میں یہی حکم تھا کہ بدکار عورتوں کو گھروں میں بند رکھو حتی کہ ان کی موت واقع ہو جائے یا اللہ تعالٰی ان کے لئے کوئی دوسرا راستہ کھول دے۔ تو پھر سورۃ نور کی مذکورہ آیت کے ذریعے اللہ تعالٰی نے دوسرا حکم نازل فرما دیا کہ ان پر حد جاری کرو۔ تو گویا پہلا حکم اپنی انتہاء کو پہنچ گیا ہے، اس کو منسوخ نہیں کہا جا سکتا۔

من المائدة :

۱۱۔ قوله تعالٰی :(ولا الشهر الحرام ...... الآية) منسوخة باباحة القتال فيه کہتے ہیں کہ

سورۃ المائدۃ : ۲ یایھا الذین امنوا لا تحلوا شعائر اللہ ولا الشھر الحرام ...... القرآن
اے ایمان والو! اللہ کے شعائر اور حرمت والے مہینوں کی توہین مت کرو، منسوخ ہے اس آیت کے ساتھ جس میں لڑائی کو مباح قرار دیا گیا ہے۔ ''بیشک اللہ تعالیٰ کے ہاں مہینوں کی گنتی بارہ مہینے ہے اللہ کی کتاب میں جس دن اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ یہ دین ہے مضبوط۔ پس نہ ظلم کرو ان مہینوں میں اپنی جانوں پر وقاتلوا المشرکین کافة کما یقاتلونکم کافة (التوبہ : ۳۶) اور لڑو مشرکوں کے ساتھ پورے کے پورے جیسا کہ وہ تمہارے ساتھ لڑتے ہیں پورے کے پورے گویا اب حرمت والے مہینوں کی کوئی استثناء باقی نہ رہی، مشرکوں سے مکمل طور پر ہر حالت اور ہر مہینے میں لڑنے کی اجازت مل گئی جس طرح وہ تم سے لڑتے ہیں، تم بھی ان سے لڑو۔ اس طرح گویا حرمت والے مہینوں میں عدم جنگ کا حکم منسوخ ہو گیا۔

(قلت) شاہ صاحب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کیونکہ لا نجد فی القرآن ناسخاً له ولا فی السنة الصحیحة ہم نہ تو قرآن میں اور نہ سنت صحیحہ میں کوئی ایسا حکم پاتے ہیں جس سے اس آیت کا نسخ ثابت ہوتا ہو۔ کہتے ہیں ولکن المعنی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے ان القتال المحرم یکون فی شھر الحرام اشد تغلیظاً کہ حرمت والے مہینوں میں لڑائی کی حرمت زیادہ شدید ہو جاتی ہے۔ لڑائی کرنا تو ویسے ہی گناہ ہے مگر حرمت والے مہینوں میں اس کا وبال بڑھ جاتا ہے۔ محترم مہینوں میں نیکی کا ثواب بھی زیادہ ہے تو گناہ کا عذاب بھی زیادہ ہے۔ جس طرح مقام کے لحاظ سے بازار میں کیے جانے والے گناہ کی نسبت مسجد میں کیے جانے والے گناہ کا زجر زیادہ ہے۔ غرضیکہ مطلب یہ ہے کہ جو چیز عام مہینوں میں منع ہے، حرمت والے مہینوں میں اس کے ارتکاب کی تغلیظ زیادہ ہوگی۔ اس کا نسخ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا۔ الا ان دماء کم واموالکم حرام علیکم کحرمة یومکم ھٰذا فی شھرکم ھٰذا فی بلدکم ھٰذا لوگو! خوب سن لو، تمہارے خون اور تمہارے مال تم ایک دوسرے پر اس طرح حرام ہیں جس طرح آج (عرفہ) کا دن، یہ (ذی الحجہ) کا مہینہ اور یہ (مکہ) شہر۔

۱۲۔ قولہٗ تعالیٰ : (فان جاء وك فاحکم بینھم اواعرض عنھم ...... الآیة)

منسوخة بقوله:(وان احكم بينهم بما انزل الله) اگر وہ آپ کے پاس آئیں، پس فیصلہ کریں ان کے درمیان یا اعراض کریں ان سے (مائدہ : ۴۲) کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اسی سورۃ کی آیت: ۴۹ کے ساتھ کہ آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں اس چیز کے مطابق جس کو اللہ نے نازل فرمایا ہے یعنی قرآن پاک کے مطابق (قلت) شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں معناہ ان اخترت الحكم فاحكم بما انزل الله ولا تتبع اهواء هم کہ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اختیار دیا تھا کہ یہ آپ کی صوابدید پر ہے کہ آپ اہلِ کتاب کے درمیان تنازعہ کا فیصلہ کریں یا نہ کریں۔ اور اگر آپ فیصلہ کرنا چاہیں تو وحی الٰہی کے مطابق فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ چنانچہ یہودیوں کے زنا کے کیس میں اللہ کے نبی نے وحی الٰہی کے مطابق فیصلہ کیا تھا اور مجرمین کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ بلکہ تورات میں بھی ایسا ہی حکم ثابت ہوگیا، اور یہودی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فیصلہ ماننے پر مجبور ہو گئے۔

۱۳۔ قولهٗ تعالى :(او آخران من غيركم) (المائدة :۱۰۶) منسوخ بقوله (واشهدوا ذوى عدل منكم) کہتے ہیں کہ اسی آیت کا پہلا حصہ آیت کے دوسرے حصے کے ساتھ منسوخ ہے۔ پوری آیت کا ترجمہ اس طرح ہے۔ اے ایمان والو! گواہی تمہارے درمیان جس وقت کہ آجائے تم میں سے کسی کے پاس موت، وصیت کے وقت وہ شخص انصاف والے ہوں تم میں سے، یا دو اور ہوں تمہارے سوا دوسروں سے اگر تم سفر کرو زمین میں اور پہنچ جائے تم کو موت کی مصیبت۔ ان دونوں گواہوں کو روک رکھو نماز کے بعد، پس وہ قسم اٹھائیں اللہ کی اگر تم کو کوئی شک ہو کہ ہم اس قسم کے بدلے کوئی قیمت نہیں خریدنا چاہتے اگرچہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں......الخ۔

(قلت) شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ قال احمد بظاهر الآية کہ امام احمد نے تو یہی کہا ہے جیسا کہ آیت سے ظاہر ہے۔ ومعناها عند غيره: مگر دوسرے کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے او آخران عن غير اقاربكم یا دو دوسرے گواہ بنالو جو تمہارے قرابت داروں میں سے نہ ہوں۔ فيكونوا من سائر المسلمين اور وہ مسلمانوں میں سے کوئی بھی ہو سکتے ہیں۔

سفر کی حالت میں قریب المرگ مسلمان کے وصیت کرنے کا معاملہ ہے۔ ایسی صورت میں

وصیت کے دو عادل گواہ یعنی مسلمان ہونے چاہئیں۔ اور اگر دو مسلمان گواہ نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہونی چاہئیں۔ اور اگر فوجداری کیس ہے تو چار گواہ ہونے چاہئیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہی مطلب لیا ہے کہ اگر دو صاحب عدل مسلمان گواہ موجود نہ ہوں تو دو گواہ ذمیوں سے لے لئے جائیں۔ مگر دوسرے کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے۔ جب یہ واقعہ پیش آیا تھا تو گواہی کو رد کر دیا گیا تھا تو اللہ نے فرمایا کہ ان کی جگہ دوسرے دو آدمی کھڑے ہو کر گواہی دیں کہ کیا معاملہ ہے۔ تو کہتے ہیں کہ پہلی صورت میں اقربا میں سے گواہی لینا ضروری تھا مگر دوسری صورت یہ ہے کہ اگر اقربا نہ ہوں تو غیر اقربا کی گواہی قبول کی جائے اور یہ سارے کے سارے مسلمان ہو سکتے ہیں غرضیکہ یہ آیت بھی منسوخ نہیں ہے۔

من الانفال :

۱۴۔ قولہٗ تعالٰی :(ان یکن منکم عشرون صابرون ...... الآیۃ) منسوخۃ بالآیۃ بعدھا۔

کہتے ہیں کہ یہ آیت اس کے بعد والی آیت کے ساتھ منسوخ ہے۔ سورۃ انفال کی آیت : ۶۵ کا ترجمہ اس طرح ہے۔ اے نبی! آپ ترغیب دلائیں ایمان والوں کو (دشمنوں کے ساتھ) جنگ لڑنے کی۔ اگر تم میں بیس آدمی صبر والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے۔ اور اگر سو صابر مسلمان ہوں گے تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب آئیں گے کہتے ہیں کہ آیت اگلی آیت کے ساتھ منسوخ ہے جس میں ارشاد خداوندی ہے۔ الئٰن خفف اللہ عنکم ...... القرآن یعنی اب اللہ نے تخفیف کر دی ہے تم سے اور وہ جانتا ہے کہ تمہارے اندر کمزوری ہے پس اگر تم میں سو آدمی صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دو سو کفار پر غالب آئیں گے۔ اور اگر ایک ہزار صابر مسلمان ہوں گے تو دو ہزار کافروں پر غالب آئیں گے اللہ کے حکم سے۔

(قلت) کما قال منسوخۃ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جیسا کہ کہا گیا ہے، یہ آیت واقعی منسوخ ہے۔ آغاز اسلام میں چونکہ مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کی خصوصی مدد فرماتے ہوئے انہیں اپنے سے دس گنا دشمنوں سے ٹکر لے لینے کی ترغیب دلائی اور کامیاب کرنے کا وعدہ فرمایا۔ پھر جب مسلمانوں کو قدرے تقویت حاصل ہو گئی تو اپنے سے دگنے دشمنوں کے ساتھ بھی ٹکرا

جانے کا حکم دیا ورنہ مؤاخذہ ہوگا۔ البتہ اگر دشمن کی تعداد مسلمانوں کی تعداد سے دگنی سے بھی زیادہ ہو تو پھر مؤاخذہ نہیں ہوگا۔

من البراءۃ :

۱۵۔ من قولہٗ تعالی :(انفروا خفافاً وثقالاً) منسوخۃ بآیۃ العذر کہتے ہیں کہ سورۃ التوبہ کی یہ آیت نمبر ۴۱ ''اے لوگو! کوچ کرو ہلکے ہو یا بوجھل اور جہاد کرو اپنے مالوں کیساتھ اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں۔ یہ بات بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم جانتے ہو''۔ عذر والی آیت الفتح : ۱۷ کے ساتھ منسوخ ہے۔ وھو قولہٗ (لیس علی الاعمی حرج ...... الآیۃ) یعنی اندھے شخص پر لنگڑے پر اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے۔ وقولہٗ :(لیس علی الضعفاء ...... الآیتین) نیز سورۃ التوبہ کی آیات : ۹۱، ۹۲ میں بھی معذوری کا ذکر ہے کہ نہ ضعیفوں پر، نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر کچھ گناہ ہے جو خرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں پاتے جبکہ وہ خیر خواہی کریں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی۔ اور نہ ان پر کچھ گناہ ہے جو آپ سے پاس سواری کے لئے درخواست لے کر آئے تھے مگر آپ نے کہا تھا کہ میں نہیں پاتا کوئی چیز جس پر تم کو سوار کراؤں تو وہ لوگ اس حال میں واپس ہوئے تھے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اس غم میں کہ نہیں پاتے وہ اس چیز کو جس کو وہ خرچ کریں۔

(قلت) شاہ صاحب رحمہ اللہ کہتے ہیں خفافاً ای مع اقل مایتاتی بہ الجھاد من مرکوب وعبد للخدمۃ ونفقۃ یقنع بھا کہ خفافاً یعنی ہلکے سے مراد یہ ہے کہ جس کے پاس سامان جہاد، سواری، خادم اور توشہ وغیرہ اتنا ہو جس پر قناعت کر سکے۔ وثقالاً مع الخدم الکثیر والمراکب الکثیرۃ اور بوجھل مجاہد سے مراد ایسا آدمی ہے جس کے پاس سامان جہاد بافراط ہو، بہت سے خادم اور سواریاں بھی کثیر ہوں۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے جس قسم کے حالات ہوں، کوئی کم زاد راہ رکھتا ہے اور کوئی زیادہ، تو سب کو جہاد میں شامل ہونا چاہیے۔ فلا نسخ لہٰذا یہ نسخ نہیں ہے۔ اونقول :لیس النسخ متعیناً یا ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ کوئی متعین نسخ نہیں ہے۔ لہٰذا اس آیت کو منسوخ کہنا قطعی طور پر درست نہیں ہے۔

۱۶۔من سورة النور :

قولهٗ تعالٰی :(الزانی لاینکح الا زانیة ...... الآیة) منسوخة بقوله تعالٰی: (وانکحوا الایامی منکم) سورۃالنور کی آیت : ۳ الزانی لاینکح الازانیةً او مشرکةً یعنی بدکار مرد نہیں نکاح کرتا مگر بدکار عورت کے ساتھ یا مشرکہ کے ساتھ۔اور بدکار عورت نہیں نکاح کرتی مگر بدکار مرد یا مشرک کے ساتھ اور حرام قرار دیا گیا ہے یہ ایمان والوں پر کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اسی سورۃ کی آیت : ۳۲ کے ساتھ وانکحوا الایامی منکم والصّٰلحین من عبادکم وامائکم ...... القرآن اور نکاح کرادو تم میں سے جو بے نکاح ہوں اور تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو باصلاحیت ہوں۔

(قلت) شاہ صاحب رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ قال احمد بظاهر الآیة ومعناها عند غیره کہ احمد کا بھی یہی مطلب ہے کہ جس شخص نے زنا کا ارتکاب کیا ہے وہ کسی عفیف عورت کا ہمسر نہیں ہوسکتا،لہٰذا وہ زانیہ کے ساتھ ہی نکاح کرے۔لیکن دوسرے آئمہ کہتے ہیں ان مرتکب الکبیرة لیس بکفٔ الاللزانیة کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب زانیہ کے سوائے ہمسر نہیں بنتا۔ اویستحب له اختیار الزانیة یا اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ زانیہ ہی کے ساتھ نکاح کرے کہ یہ درجہ استحباب میں ہے جیسے کہتے ہیں۔ ''کنند جنس باهم جنس پرواز''۔

زانی مرد زانیہ عورت کے ساتھ ہی رغبت رکھتا ہے۔ وقولهٗ (وحرم ذٰلك) اور اللہ کا یہ فرمان کہ وحرم ذٰلك علی المؤمنین اور حرام قرار دیا گیا ہے یہ ایمان والوں پر اشارة الی الزنا والشرك فلانسخ شاہ صاحب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حصہ آیت میں حرمت کا اشارہ زنا اور شرک کی طرف ہے،نہ کہ نکاح کی طرف۔ واما قوله:(وانکحوا الایامی) اور اللہ کا یہ فرمان کہ تم میں سے جو بے نکاح ہوں ان کے نکاح کرادو،فعام لاینسخ الخاص یہ عام حکم ہے اور عام حکم کسی خاص حکم کو منسوخ نہیں کرسکتا۔لہٰذا اس آیت کو منسوخ کہنا درست نہیں ہے۔مطلب یہ ہے کہ زانی آدمی محصنہ کا کفو بن سکتا ہے،ایسا نکاح جائز ہوگا۔عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتویٰ میں بھی ایسا ہی ہے۔

۱۷۔ قولهٗ تعالٰی :(لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم ...... الآیة) قیل منسوخه ،

وقیل لا ولٰکن تھاون الناس فی العمل بھا سورۃ نور کی آیت : ۵۸ میں پردے کے احکام کا ذکر ہے اور ایمان والوں سے کہا گیا ہے کہ چاہیے کہ اجازت لیں تم میں سے وہ لوگ جو تمہارے غلام ہیں اور جو قریب البلوغ ہیں تم میں سے تین مرتبہ یعنی قبل از فجر، بوقت دوپہر اور بعد از نماز عشاء۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ منسوخ تو نہیں ہے مگر لوگ اس پر عمل کرنے میں سستی کرتے ہیں حالانکہ ان کو پردہ کرنا چاہیے۔

(قلت) شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مذھب ابن عباس انھا لیست بمنسوخۃ کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔ وھٰذا اوجہ واولی بالاعتماد اور یہی توجیہہ زیادہ قابل اعتماد ہے۔

من الاحزاب :

۱۸۔ قولہٗ تعالٰی :(لا یحل لک النساء من بعد ...... الآیۃ) منسوخۃ بقولہ تعالی : (انا احللنالک ازواجک اللاتی ...... الآیۃ) کہتے ہیں کہ سورۃ الاحزاب کی آیت : ۵۲ اس سورۃ کی آیت : ۵۰ کے ساتھ منسوخ ہے۔ اول الذکر آیت کا متن ہے۔ ''اے پیغمبر (علیہ السلام)! اس کے بعد آپ کے لئے عورتیں حلال نہیں ہیں اور نہ یہ کہ آپ تبدیل کریں ان کے بدلے میں دوسری بیویاں اگرچہ ان کا حسن آپ کو زیادہ اچھا لگے''۔ دوسری آیت : ۵۰ کا متن ہے ''اے پیغمبر! بیشک ہم نے حلال قرار دی ہیں آپ کے لئے آپ کی بیویاں جن کے مہر آپ نے ادا کر دیا ہیں''۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مؤخر الذکر آیت نے اول الذکر آیت کو منسوخ کر دیا یعنی آپ کو مزید نکاح کرنے کی اجازت دے دی گئی حالانکہ پہلی آیت کے نزول کے بعد آپ کو اس وقت موجود بیویوں کے مزید نکاح کرنے سے روک دیا گیا تھا۔

(قلت) شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یحتمل ان یکون الناسخ مقدماً فی التلاوۃ وھو الاظھر عندی کہ ممکن ہے کہ دوسری آیت بلحاظ تلاوت پہلی پر مقدم ہو اور میرے نزدیک یہی بات ظاہر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مہر ادا کر کے مزید عورتوں سے نکاح کرنے والی آیت پہلے ہو یعنی پہلے آپ کو اجازت تھی مگر پھر لا یحل والی آیت کے ذریعے وہ اجازت واپس لے لی گئی اور آپ کو

مزید عورتوں سے نکاح کرنے سے منع کر دیا گیا۔

من المجادلة :

۱۹۔ قولهٗ تعالٰی : (اذا ناجیتم الرسول فقدموا ...... الآیة) منسوخة بالآیة بعد ھا۔ (قلت) ھٰذا کما قال کہتے ہیں سورۃ المجادلہ کی آیت : ۱۲ اسی سورۃ کی اگلی آیت : ۱۳ کے ساتھ منسوخ ہے پہلی آیت میں اللہ تعالٰی نے اہلِ ایمان کو حکم دیا کہ اگر وہ نبی علیہ السلام سے علیحدگی میں کوئی بات چیت کرنا چاہیں تو پہلے کچھ صدقہ ادا کر لیا کریں۔ مگر اگلی آیت کے ذریعے صدقہ کی ادائیگی کو منسوخ کر دیا گیا اور نماز و زکوٰۃ کی ادائیگی اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تاکید ہی کی گئی۔ (قلت) ھٰذا کما قال شاہ صاحب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہاں اسی طرح ہے۔ گویا آپ نے ان آیات کو ناسخ منسوخ تسلیم کیا ہے۔

من الممتحنة :

۲۰۔ قولهٗ تعالٰی : (فآتوا الذین ذھبت ازواجھم مثل ما انفقوا) قیل منسوخة بآیة السیف وقیل بآیة الغنیمة وقیل محکم : کہتے ہیں کہ سورۃ الممتحنہ کی آیت : ۱۱ (اگر تمہاری بیویوں میں سے کچھ کافروں کی طرف چلی جائیں، پس تم گرفت کرو تو دو ان لوگوں کو جن کی بیویاں گئی ہیں اس کی مثل جو انہوں نے خرچ کیا ہے۔ اور ڈرو اللہ تعالٰی سے جیسے تم ایمان رکھتے ہو)۔

مسلمانوں کے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ جانے پر بعض ایسے واقعات بھی پیش آئے کہ بعض کافر عورتیں مسلمان ہو کر مدینہ آ گئیں اور بعض مومنہ عورتیں مرتد ہو کر واپس کافروں کے پاس مکہ چلی گئیں۔ ایسی صورت میں ایسی عورتوں سے نکاح اور مہر کی ادائیگی کا مسئلہ پیدا ہوا تو اللہ نے حکم دیا کہ اگر کوئی کافر عورت مسلمان ہو کر مدینہ آ جائے تو مسلمان مرد اس سے نکاح کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ اس کے کافر خاوند کو اس کا ادا کردہ حق مہر وغیرہ کا خرچہ لوٹا دے۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان عورت کافروں کے پاس چلی جائے تو کسی کافر مرد کو اس کے ساتھ نکاح کرنے کے لئے اس عورت کے پہلے مسلمان خاوند کو مہر ادا کرنا ہوگا۔

مسلمان تو اللہ کے حکم کے پابند تھے مگر کافروں کی طرف سے مسلمانوں کو سابقہ نکاح کا مہر ادا کرنے کی کوئی ضمانت نہ تھی۔ لہٰذا اللہ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اگر کافروں کا مال کسی طریقے سے تمہارے پاس آ جائے تو اس میں سے ان مسلمانوں کو مہر کے خرچہ کے طور پر ادا کر دو جن کی بیویاں چلی گئی ہیں۔ وقیل بآیة السیف اور بعض کہتے ہیں کہ پہلی آیت آیۂ سیف کے ساتھ منسوخ ہے یعنی جنگ کی صورت میں جو مال کافروں سے حاصل ہو اس میں سے ان مسلمانوں کو خرچہ ادا کرو جن کی بیویاں چلی گئی ہیں۔ وقیل بآیة الغنیمة اور بعض کہتے ہیں کہ غنیمت والی آیت کے ساتھ منسوخ ہے یعنی غنیمت میں حاصل ہونے والے مال سے متعلقہ مسلمانوں کو ان کے پہلے سے ادا کردہ مہر کے مساوی رقم ادا کر دو۔ وقیل محکمة اور بعض کہتے ہیں یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔ (قلت) الا ظهر انها محكمة شاہ صاحب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ ولكن الحكم فى المهادنة و عند قوة الكفار مگر یہ حکم صلح اور کفار کی قوت کے وقت تک کے لئے خاص ہے۔

من سورة المزمل :

۲۱۔ قولهٗ تعالٰی :(قم اللیل الا قلیلاً) منسوخة بآخر السورة ثم نسخ الآخر بالصلوٰت الخمس) سورۃ المزمل کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر ﷺ کو نماز تہجد کی ترغیب دلاتے ہوئے فرمایا کہ نصف شب یا اس سے کچھ کم و بیش آپ قیام فرمایا کریں۔ ظاہر ہے کہ یہ حکم سارے مسلمانوں کے لئے تھا۔ پھر جب مسلمانوں کی مصروفیات بڑھیں تو اللہ نے ان پر مہربانی فرمائی اور بتلایا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ مسلمانوں میں کچھ بیمار بھی ہوتے ہیں، بعض سفر پر بھی جاتے اور روزی تلاش کرتے ہیں اور بعض جہاد میں مصروف ہوتے ہیں لہٰذا رات کو لمبے قیام کی پابندی ضروری نہیں، جتنا آسانی سے ممکن ہو، اتنا قیام کر لیا کریں۔ بعض کہتے ہیں کہ سورۃ ہٰذا کی اس آخری آیت کے ذریعے لمبے قیام والا پہلا حکم منسوخ ہے۔ اور پھر جب نماز پنجگانہ کی فرضیت کا حکم نازل ہو گیا تو یہ آخری آیت والا حکم بھی منسوخ ہو گیا، اور اب نماز تہجد کو صرف استحباب کا درجہ حاصل ہے، اس کی فرضیت منسوخ ہو چکی ہے۔

(قلت) دعوی النسخ بالصلوات الخمس غیر متجهة شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ نماز پنجگانہ کے ذریعے اس آیت کے نسخ کا دعویٰ مدلل نہیں ہے۔ بل الحق ان اول السورة فی تاکید الندب الی قیام اللیل و آخرھا نسخ التاکید الی مجرد الندب بلکہ حق بات یہ ہے کہ ابتدائے سورۃ میں قیام لیل کے استحباب پر تاکید تھی اور پھر آخری آیت کے ذریعے اس تاکید کو منسوخ کر کے اس استحباب کو غیر مؤکد کر کے باقی رکھا گیا ہے۔

آخر میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ آیات ناسخ منسوخ کے ضمن میں اپنا تجزیہ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ قال السیوطی موافقاً لابن العربی امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے موافق ہی بات کی ہے۔ فھٰذہ احدی و عشرون آیة منسوخة لہٰذا آیات منسوخہ کی کل تعداد اکیس بنتی ہے علی خلاف فی بعضھا حالانکہ ان میں سے بھی بعض کی نسبت اختلاف ہے۔ ولا یصح دعوی النسخ فی غیرھا اور ان کے علاوہ کسی دوسری آیت کے لئے دعویٰ تنسیخ صحیح نہیں ہے۔ والاصح فی آیة الاستئذان والقسمة الاحکام وعدم النسخ البتہ آیت استئذان (نمبر شمار : ۱۷) اور تقسیم وراثت (نمبر شمار : ۹) کے متعلق عدم نسخ صحیح ہے۔ فصارت تسع عشرة چنانچہ اس طرح منسوخ آیات کی تعداد انیس رہ جاتی ہے۔ وعلی ماحررنا لایتعین النسخ الافی خمس آیات اس لئے ہمارے تحریر کے مطابق صرف پانچ آیات ہی کا نسخ ثابت ہوتا ہے۔

(فصل)

وایضاً من المواضع الصعبة معرفة اسباب النزول، ووجه الصعوبة فیها ایضاً اختلاف المتقدمین والمتاخرین۔ والذی یظهر من استقراء کلام الصحابة والتابعین انهم لا یستعملون : ...... الٰی ...... ومن المعلوم ان "سورة براء ة" متاخرة فی السور، وهٰذه الآیة فی تضاعیف القصص المتأخرة، وکانت فرضیة الزکاة متقدمة بسنین، ولٰکن مراد ابن عمر تقدم الاجمال رتبة علی التفصیل۔ (ص ۲۷ تا ص ۲۹)۔

ربط مضمون :

مصنف کتاب الفوز الکبیر امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے قرآن پاک کی تفسیر کے سلسلے میں پہلے علوم پنجگانہ کا ذکر کیا کہ قرآن پاک کا کوئی مضمون ان پانچ علوم یعنی علم الاحکام، علم المباحثہ، علم تذکیر بآلاء اللہ، علم تذکیر بایام اللہ اور علم تذکیر موت وبعدہ سے باہر نہیں ہے۔ پھر آپ نے ہر ایک علم سے تھوڑا تھوڑا متعارف کرایا۔

اس کے بعد شاہ صاحب رحمہ اللہ نے قرآن پاک کے مشکل الفاظ کے معانی سمجھنے میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں ان کا ذکر کیا اور اس سلسلہ میں قرآن کی ناسخ اور منسوخ آیات کا ذکر کیا جو کہ غرائب القرآن کی تفہیم میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس ضمن میں آپ نے متقدمین اور متاخرین مفسرین کے اس اختلاف کا ذکر کیا جو ان کے ہاں ناسخ اور منسوخ کی اصطلاح میں پایا جاتا ہے۔

اب اس درس میں شاہ صاحب رحمہ اللہ نے غرائب القرآن کی تفہیم کی دوسری بڑی دشواری اسباب نزول کی پہچان کا ذکر کیا ہے۔ اس میں بھی بڑی رکاوٹ متقدمین اور متاخرین کی اصطلاح میں اختلاف ہے جس کو آپ نے مثالوں کے ذریعے واضح کیا ہے یہ اور مفسرین کے اختیار کرنے کے لئے لائحہ عمل بھی تجویز کیا ہے۔

وایضاً من المواضع الصعبة معرفة اسباب النزول قرآن پاک کی تفہیم کے سلسلہ

میں مشکل مواقع میں سے ایک موقع آیات کے اسباب نزول کی پہچان بھی ہے۔اس کو مفسرین بالعموم شانِ نزول سے تعبیر کرتے ہیں۔ عام مفسرین کا تفسیر کا طریق کار یہ ہے کہ کوئی آیت لکھی، الفاظ کے معانی لکھے، پھر کوئی حدیث نقل کی اور کہہ دیا نزلت فی کذا کہ یہ آیت فلاں واقعہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔اس بیان سے قاری کا ذہن فوراً اس طرف جاتا ہے کہ مذکورہ واقعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ مبارک، آپ سے پہلے یا بعد میں پیش آیا اور یہ آیت اسی واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی حالانکہ فی الحقیقت ایسا نہیں ہوا۔ ووجه الصعوبة فیها ایضاً اختلاف المتقدمین والمتاخرین یہاں بھی دشواری کی وجہ متقدمین اور متاخرین کا باہمی اختلاف ہے۔ والذی یظهر من استقراء کلام الصحابة والتابعین انهم لا یستعملون "نزلت فی کذا" لمحض قصة کانت فی زمنه صلی الله علیه وسلم وهی سبب نزول الآیة صحابہ کرام اور تابعین عظام کے کلام سے جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ حضرات "نزلت فی کذا" (یہ آیت فلاں بارے میں نازل ہوئی) کی اصطلاح محض کسی ایسے واقعہ کے متعلق استعمال نہیں کرتے تھے جو حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں پیش آیا اور نہ اس واقعہ کو آیت کے نزول کا سبب قرار دیتے تھے۔ بل ربما یذکرون بعض ما صدقت علیه الآیة مما کان فی زمنه صلی الله علیه وسلم او بعدهٗ ویقولون، "نزلت فی کذا" بلکہ بسا اوقات وہ حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک یا بعد میں پیش آنے والے کسی ایسے واقعہ کا ذکر کردیتے جس پر وہ آیت صادق آتی اور کہہ دیتے کہ یہ اسی واقعہ میں نازل ہوئی ہے۔ ولا یلزم هناك انطباق جمیع القیود اور اس پر یہ بھی لازم نہیں آتا تھا کہ متعلقہ آیت کی تمام قیود اس واقعہ پر منطبق کی جائیں بل یکفی انطباق اصل الحکم فقط بلکہ صرف اصل حکم کا انطباق ہی کافی ہوتا ہے۔اس سلسلہ میں متقدمین حضرات کا طریق کار یہ ہوتا تھا۔ وقد یقررون حادثة تحققت فی تلك الایام المبارکة، کہ انہوں نے کسی ایسے حادثہ کا ذکر کیا جو حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں پیش آیا۔ واستنبط صلی الله علیه وسلم حکمها من آیة اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی آیت سے اس کا حکم استنباط کیا۔ وتلا فی ذالك الباب اور اس آیت کو اس سلسلہ میں تلاوت بھی کردیا ویقولون نزلت فی کذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے تھے کہ یہ آیت اس واقعہ میں نازل ہوئی ہے۔

وربما يقولون فی هذه الصورة فانزل الله قولهٗ كذا اور کبھی یوں کہتے کہ اس قسم کی صورت حال میں اللہ تعالیٰ نے اپنا اس طرح کا حکم نازل فرمایا۔ فكانه اشارة الى انه استنباطه صلى الله عليه وسلم اوران حالات میں یہ اشارہ ہوتا تھا کہ حضور علیہ السلام نے یہ حکم استنباط کیا ہے۔

والقاؤها فی تلك الساعة بخاطره المبارك ايضاً نوع من الوحی والنفث فی الروع ایسی گھڑی میں نبی علیہ السلام کے قلب مبارک پر کسی چیز کا القاء ہو جانا بھی وحی ہی کی ایک قسم ہے اور دل میں کوئی چیز ڈالنے کے مترادف ہے۔ فلذلك يمكن ان يقال: فانزلت ایسے موقع پر بھی ممکن ہے کہ متقدمین کہہ دیتے ہوں کہ یہ آیت اس سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔ ويمكن ايضاً ان يعبر فی هذه الصورة بتكرار النزول اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایسی صورت میں اسے نزول کے تکرار کے ساتھ تعبیر کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ پہلی مرتبہ آیت کا نزول واقعی کسی خاص واقعہ سے متعلق تھا، مگر جب اسی آیت کو دوبارہ بطور استحباب پڑھا گیا تو پھر کہہ دیا کہ یہ اس بارے میں نازل ہوئی ہے۔

ويذكر المحدثون فی ذيل آيات القرآن كثيراً من الاشياء ليست من قسم سبب النزول فی الحقيقة اور محدثین آیاتِ قرآنی کے ضمن میں بہت سی ایسی باتیں ذکر کر دیتے ہیں جو درحقیقت آیت کے نزول کا سبب نہیں ہوتیں۔ مثل استشهاد الصحابة فی مناظر اتهم بآية مثال کے طور پر صحابہ کرام کا کسی آیت کے متعلق بحث مباحثہ کرنا اور اس پر دلائل پیش کرنا۔ او تمثيلهم بآية یا کسی آیت کی مثال بیان کرنا۔ او تلاوته صلى الله عليه وسلم آية للاستشهاد فی كلامه الشريف یا حضور علیہ السلام کا اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے کوئی آیت پڑھنا۔ او رواية حديث وافق الآية فی اصل الغرض یا آیت کی اصلی غرض کے موافق کوئی حدیث روایت کرنا۔ او تعيين موضع النزول یا نزول آیت کا محل متعین کرنا۔ او تعيين اسماء المذكورين بطريق الابهام یا اگر کسی واقعہ میں موجود لوگوں کے نام آیت میں مبہم طریقے سے ذکر کئے تھے تو ان کا تعین کر دیا۔ او بيان طريق التلفظ بكلمة قرانية یا آپ کی طرف سے کسی قرآنی کلمہ کا تلفظ بیان کر دینا۔ او فضل سور وآيات من القرآن یا قرآن پاک کی بعض سورتوں یا آیات کی فضیلت کا بیان کر دینا۔ او صورة امتثاله صلى الله علهی وسلم بامر من او امر

القرآن یا حضور علیہ السلام کا کسی قرآنی حکم پر عمل درآمد کا طریقہ بتلا دینا۔ ونحو ذٰلك اور اسی قسم کی دوسری باتوں کا ذکر دینا۔ ولیس شئ من هٰذا فی الحقیقة من اسباب النزول درحقیقت ان میں سے کسی بھی چیز کا تعلق آیت کے اسباب نزول میں سے نہیں ہے بلکہ یہ تو ایسی چیزوں کا بیان ہے جن پر کوئی حکم صادق آتا ہے مگر متاخرین ایسی ساری باتوں پر کہہ دیتے ہیں نزلت فی کذا یا انزلت فی کـــذا یعنی یہ آیت اس واقعہ میں نازل ہوئی۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نہ تو یہ باتیں کسی آیت کے سبب نزول میں سے ہیں۔ ولا یشـرط احـاطة الـمـفسر بهذه الاشیاء اور نہ ہی یہ چیزیں مفسر کے لئے بطور شرط ہیں کہ وہ تفسیر آیت کرتے وقت لازماً ان کا احاطہ کرے۔ انـــمـــا شـــرط المفسر امران اس کے برخلاف کہتے ہیں کہ البتہ مفسر کی شرط کے طور پر دو امور کا پایا جانا ضروری ہے۔

الاول: ماتـعـرض بـه الآيـات مـن الـقـصـص، فلا يتسير فهم الايماء بتلك الآيـات الا بـمـعـرفة تـلـك القصص پہلی بات یہ ہے کہ مفسر متعلقہ آیات میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کرے جس کو جانے بغیر لوگوں کا آیت کو سمجھنا آسان نہ ہو۔ جب تک کوئی مفسر ایسے کسی واقعہ کو بیان نہیں کریگا لوگ آیت کے ٹھیک ٹھیک مفہوم تک نہیں پہنچ سکیں گے لہٰذا ایک بات تو یہ ضروری ہے۔

والثانی: ما يخصص العام بالقصة، او مثل ذٰلك من وجوه صرف الكلام من الـظـاهـر فـلا يتسير فهم المقصود من آيات بدونها اور دوسری بات یہ ضروری ہے مفسر کے لئے کہ اس واقعہ کو بیان کرے جس کے ذریعے عام میں تخصیص پیدا کی گئی ہو یا اس قسم کی دوسری وجوہات کو بیان کرے جو کلام کو ظاہر معانی سے پھیر دیتے ہوں۔ کیونکہ جب تک متعلقہ واقعہ کو معلوم نہ کر لیا جائے مقصود سمجھ میں نہیں آئے گا۔

الغرض! مفسر کے لئے مذکورہ بالا دو شرائط ضروری ہیں۔ اس کے علاوہ ہر واقعہ میں کہہ دینا کہ یہ آیت اس واقعہ میں نازل ہوئی ہے، یہ بات لازم نہیں ہے بہر حال شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے متقدمین کی اصطلاح نزلت فی کذا یا انزلت فی کذا کا مفہوم سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ متاخرین کا طریقہ ہے کہ وہ کسی مذکورہ واقعہ کو بیان کر کے کہہ دیتے ہیں کہ یہ واقعہ بعینہٖ اسی طرح پیش آیا۔ اس میں تعرض یہ آتا ہے کہ اس طریقہ سے خاص خاص واقعات ذکر کرنے سے ذہن پر بوجھ رہتا ہے اور بعض واقعات

کی قیود بھی آج کے حالات کے ساتھ ملتی ہی نہیں۔ اسی لئے شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ چیزیں اصل اسباب نزول میں سے نہیں ہیں۔ لہٰذا مفسر کو اصل مقصد اور غرض کے ساتھ تعلق رکھنا چاہیے اور صرف مذکورہ بالا دو شرائط کی پاسداری کرنی چاہیے، باقی سب زائد چیزیں ہیں۔

ومما ینبغی ان یعلم ان قصص الانبیاء السابقین لاتذکر فی الحدیث الاعلی سبیل القلة اور یہ بات بھی معلوم کر لینا مناسب ہے کہ انبیاء سابقین کے واقعات کو حدیث میں بہت کم ذکر کیا گیا ہے۔ ہمارے ہاں تو تاریخ کی کتابیں یا قصص الانبیاء نامی کتابیں بکثرت ملتی ہیں جن میں انبیاء کرام کے واقعات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے مگر حدیث میں ایسی تفصیلی چیزیں نہیں ملتیں۔ ہاں کوئی خاص واقعہ ہو تو ذکر کر دیا گیا ہے جیسے حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا واقعہ وغیرہ۔ **فالقصص الطویلة العریضة التی تکلف المفسرون روایتها کلها منقولة عن علماء اهل الکتاب الا ماشاء الله تعالی** اور وہ لمبے چوڑے واقعات جن کو مفسرین نے روایت کرنے کا تکلف کیا ہے، وہ سب علماء اہل کتاب سے منقول ہیں الا ماشاء اللہ۔ **وقد جاء فی "صحیح البخاری" مرفوعاً: ولا تصدقوا اهل الکتاب ولاتکذبوهم** اسی لئے صحیح بخاری میں مرفوعاً آیا ہے کہ اہلِ کتاب کی نہ تو تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو۔ اسرائیلی روایات میں سے جو قرآن پاک کے ساتھ مطابقت رکھتی ہیں، ان کی تصدیق کر دو اور جو قرآن پاک کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتیں ان کو جھٹلا دو۔ اور جن امور کے صحیح یا غلط ہونے کے متعلق علم نہ ہو، ان میں خاموشی اختیار کرو، نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو۔

ولیعلم ان الصحابة والتابعین ربما کانوا یذکرون قصصاً جزئیة لمذاهب المشرکین والیهود اور یہ بات بھی معلوم کر لینی چاہیے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام مشرکین اور یہودیوں کے مذاہب کے قصے **وعاداتهم من الجهالات** اور ان کے جہالت کے رسم و رواج کو اس لئے ذکر کرتے ہیں **لتتضح تلك العقائد والعادات** تا کہ ان کے عقائد باطلہ اور غلط عادات واضح ہو جائیں۔ **ویقولون نزلت الآیة فی کذا** اور پھر یہ ذکر کرنے کے بعد کہہ دیتے ہیں کہ یہ آیت اس سلسلہ میں نازل ہوئی۔ **ویریدون بذلك انها نزلت فی هٰذا القبیل** اور مراد ان کی یہ

ہوتی ہے کہ اس قسم کی وہ ساری باتیں مذکورہ آیت کا مصداق بن جائیں گی سواء کان هذا او ما اشبہ او ما قاربہ جو اس کے مساوی ہوں یا اس کے مشابہ ہوں یا اس کے قریب قریب ہوں۔ ویقصدون اظهار تلك الصورة لا بخصوصها ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ واقعہ کی صورت حال کا اظہار ہو جائے نہ کہ کسی واقعہ کی خصوصیت کا۔ بل لا جل ان التصویر صالح لتلك الامور الكلية بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایسے تمام امور کے متعلق ایک صالح نقشہ سامنے آجائے۔ چنانچہ متقدمین متعلقہ واقعہ کا ذکر کر دیتے تھے۔ ولهذا تختلف اقوالهم فی كثير من المواضع یہی وجہ ہے کہ اکثر مقامات میں مفسرین کے مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ وكل يجر الكلام الى جانب اور ہر مفسر کلام کو ایک طرف کھینچتا ہے۔ وفي الحقيقة المطالب متحدة اور درحقیقت مطلب سب کا ایک ہی ہوتا ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مفسر نے آیت کا مطلب کچھ بیان کیا ہے، دوسرے نے کچھ اور بیان کیا ہے مگر غور سے دیکھا جائے تو سب کا متحدہ مطلب یہی سمجھ میں آئے گا والى هذه النكتة اشار ابو درداء حيث قال: لا يكون احد فقيهاً حتى يحمل الآية الواحدة على محاصل متعددة اور حضور علیہ السلام کے جلیل القدر صحابی حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے جس مقام پر فرمایا تھا کہ کوئی شخص اس وقت تک کامل فقیہ نہیں بن سکتا جب تک وہ کسی ایک آیت کو متعدد محملوں پر محمول نہ کر سکے، اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے مطلب یہ کہ ایک فقیہ اور مفسر کے لئے ضروری ہے کہ وہ مختلف امور کی تطبیق کرنا جانتا ہو۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ انصار مدینہ میں سے حضور علیہ السلام کے عظیم المرتبت صحابی ہیں۔ آپ صاحب علم اور دانا آدمی تھے۔ آخر عمر میں شام میں جا کر آباد ہو گئے تھے اور پھر وہیں وفات پائی۔ آپ حکیم الامت کہلاتے تھے۔

وعلى هذا الاسلوب كثيراً ما يذكر في القرآن العظيم صورتان اور اس اسلوب پر قرآن پاک میں جو زیادہ تر ذکر کیا گیا ہے اس کی دو صورتیں ہیں۔ صورة سعيد انسانوں کی ایک صورت سعادت مندی کی ہے۔ يذكر فيها بعض اوصاف السعادة جس میں خوش بختی کے بعض اوصاف ذکر کئے جاتے ہیں۔ وصورة شقي اور دوسری صورت شقاوت کی ہے۔ يذكر

فیھا بعض اوصاف الشقاوۃ جس میں بدبختی کے بعض اوصاف ذکر کئے جاتے ہیں۔ ویکون الغرض من ذٰلك بیان احکام تلك الاوصاف والاعمال اوراس کا مقصدان اوصاف اور اعمال کے احکام بیان کرنا ہوتا ہے۔ لا التعریض بشخص معین نہ کہ کسی خاص شخص کو نامزد کرنا تو سعادت مندی کے جتنے بھی واقعات ذکر ہوں گے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ آیت اس کے بارے میں نازل ہوئی یعنی اس واقعہ میں مذکور اس آیت کا مصداق بن سکتا ہے۔اس طرح شقاوت کے متعلق آمدہ واقعہ میں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ آیت اس بارے میں نازل ہوئی یعنی یہ شخص اس آیت کا مصداق ہے اگرچہ فی الحقیقت اس مخصوص شخص کے بارے میں نہ ہی نازل ہوئی ہو مگر دونوں میں حقیقت تو متحدہ ہے۔ چنانچہ جب ہم کہیں گے کہ فلاں آیت ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ مذکورہ آیت ابوجہل ہی کے کسی فعل شنیع کے جواب میں نازل ہوئی ہو نہیں بلکہ آیت تو کسی اور شقی آدمی کی مذمت میں نازل ہوئی مگر ابوجہل بھی انہی اوصاف کی وجہ سے اس آیت کا مصداق بن گیا ہے۔ مثلاً سورۃ العلق میں ہے اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۝ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ۝ کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جو اللہ کے بندے کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے مطلب یہ ہے کہ جو بھی کسی کو نماز پڑھنے سے روکے گا وہ اس آیت کا مصداق بنے گا۔ کما قال سبحانہٗ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (ووصینا الانسان بوالدیہ احسانا حملته امه کرھا ووضعته کرھاً) ہم نے انسان کو والدین کے بارے میں تاکیدی حکم بھیجا ہے کہ وہ ان کے ساتھ احسان کرے کیونکہ اس کی ماں نے ''تکلیف اٹھا کر اس کا حمل برداشت کیا اور پھر تکلیف اٹھا کر ہی اس کو جنم دیا'' ثم ذکر صورتین سورۃ سعید وصورۃ شقی پھر دونوں صورتیں یعنی سعادت اور شقاوت کا ذکر بھی کر دیا۔ ومثل ذٰلك اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے (واذا قیل لھم ما ذا انزل ربکم قالوا اساطیر الاولین) نزول آیات پر جب شقی لوگوں سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل فرمایا ہے تو جواب دیتے ہیں کہ یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ (وقیل للذین اتقوا ماذا قال ربکم قالوا خیراً) اور جب پرہیزگار لوگوں سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا کہا ہے تو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بہتر اور برحق فرمایا ہے۔ وعلی مثل ھٰذا تحمل آیۃ پھر اسی طریقے سے یہ آیت بھی محمول کی

جائیگی۔ (ضرب الله مثلاً قرية آمنة مطمئنة) اللہ تعالیٰ نے اس بستی کی مثال بیان کی ہے جو امن وسکون کے ساتھ آباد تھی۔ انہیں ہر طرف سے روزی میسر تھی۔ پھر انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کی تو اللہ نے ان پر عذاب ڈال دیا اور وہ بھوک اور قحط میں مبتلا ہو گئے۔ مطلب یہ ہے کہ اس سے مراد صرف مکہ کی بستی ہی نہیں بلکہ اس کا مصداق ہر وہ بستی بنتی ہے جس کے لوگ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کی ناقدری کریں۔

و آیة شاہ صاحب رحمہ اللہ نے یہ آیت بھی بطور نظیر پیش کی ہے۔ (هو الذی خلقكم من نفس واحدة وجعل منها زوجها ليسكن اليها فلما تغشها ...... الآية) خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں ایک جان (آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا۔ پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا تا کہ وہ اس کے پاس سکون پکڑے۔ جب اس نے اس کو ڈھانپ لیا تو اس کو حمل ٹھہرا، اور آگے اولاد ہوئی۔ اور پھر ناشکر گزاری کی باتیں ظاہر ہونے لگیں۔ و آیة اور آگے یہ آیت بھی ملاحظہ کریں۔ قد افلح المؤمنون الذين هم فى صلاتهم خاشعون فلاح پا گئے وہ مومن جو اپنی نمازوں میں عاجزی اختیار کرتے ہیں۔ اور یہ آیت بھی ولا تطع كل حلاف مهين اور نہ بات مانیں آپ ہر قسمیں کھانے والے بے قدرے آدمی کی۔ اس شخص سے مراد صرف ولید بن مغیرہ ہی نہیں جس کا عام طور پر ذکر کیا جاتا ہے بلکہ ان صفات کا حامل ہر ایسا شخص اس آیت کا مصداق ہے۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں ولا يلزم فى هٰذه الصورة ان توجد تلك الخصوصيات بعينها في شخص اس صورت میں یہ ضروری نہیں کہ یہ تمام خصوصیات کسی ایک شخص میں بالکل اسی طرح پائی جائیں بلکہ اس سے ملتی جلتی اور کم وبیش خصوصیات کا حامل آدمی بھی متعلقہ آیت کا مصداق بن جائے گا۔ كما لا يلزم فى قوله جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں بھی ضروری نہیں ہے کہ بعینہٖ مذکورہ صورت ہی پیدا ہو۔ كمثل حبة انبتت سبع سنابل فى كل سنبلة مائة حبة اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی مثال اس دانے کی ہے جو سات خوشے اگاتا ہے اور ہر خوشے میں سو سو دانے ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سات خوشوں اور ہر خوشے میں سو سو دانوں کی تعداد کوئی حتمی تعداد نہیں ہے بلکہ اس کے مساوی یا کم وبیش بھی

ہوسکتی ہے۔ ان توجد حبة بهذه الصفة جس طرح ہر دانے کا اس صفت کا حامل ہونا ضروری نہیں ہے اسی طرح ہر شخص کا ان مکمل صفات کا حامل ہونا ضروری نہیں ہے جو اللہ نے مثال کے طور پر بیان کی ہیں انما المقصود زيادة الاجر لاغير اور اس مثال سے مقصود اجر و ثواب کی زیادتی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، وہ ایک خوشے میں سو سے زیادہ دانے بھی پیدا کرسکتا ہے اور کم بھی ہوسکتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا اجر سات سو گنا یا اس سے بھی زیادہ عطا کرنے پر قادر ہے۔ فان وجدت صورة توافق المذكور في اكثر الخصوصيات او كلها كان من قبيل لزوم ما لا يلزم اور اگر آپ کو ایسی صورت حال پیش آجائے کہ کسی معاملہ میں مثال میں مذکور اکثر یا تمام خصوصیات موجود ہوں تو یہ اتفاق کی بات ہوگی اور لزوم مالا یلزم میں داخل نہیں ہوگی یعنی اس کا یہ مطلب نہیں ہوگا کہ جو چیز لازم نہیں ہے اس کو خواہ مخواہ لازم پکڑا جائے۔ اگر اتفاقاً ایسا ہوگیا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ضروری نہیں ہے۔

وربما تدفع شبهة ظاهرة الورود اور کبھی آیت کو سرسری طور پر پڑھنے سے کوئی شبہ پیدا ہوتا ہے اور اس کو دور کیا جاتا ہے۔ او يجاب من سوال قريب الفهم بقصد ايضاح الكلام السابق یا کسی سابقہ کلام کو واضح کرنے کے لئے قریب الفہم سوال کا جواب دیا جاتا ہے۔ لا لاجل سوال سائل وقع في ذٰلك العصر حالانکہ ایسا نہیں ہوتا کہ واقعی کوئی سائل موجود ہو اور اس نے سوال کیا ہو جس کا جواب دیا گیا ہے۔ بلکہ کلام میں سوال و جواب کی ایسی صورت سامنے آجاتی ہے جو اس زمانے میں پیش آیا ہو۔ وشبهة حدثت بالفعل اور شبہ بالفعل ظاہر ہوا ہو۔ وكثيراً ما يفرض الصحابة في تقرير ذٰلك المقام سوالاً اور بسا اوقات صحابہ کرام ایسے مقام خود کوئی سوال فرض کرکے فيقررون المطلب في سورة الجواب والسوال مسئلہ کو سوال جواب کی شکل میں ذکر کردیتے ہیں۔ وان نظرنا بالتحقيق والتفحص فالكل كلام واحد متسق اور اگر ہم تحقیق اور گہری کرید کے ساتھ غور کریں تو سارا کلام ایک ساتھ جڑا ہوا پائیں گے لايسع نزول بعض عقيب بعض نہ یہ کہ فلاں کلام پہلے نازل ہوا اور فلاں بعد میں بلکہ یہ سارا کلام جملة واحدة منتظمة ایک منظم جملہ کی صورت میں نظر آئے گا۔ ولا يتأتى فك القيود على قاعدة

اور جس میں عائد شدہ قیود کسی قاعدہ کے مطابق فٹ نہیں بیٹھیں گی۔

وقد یذکر الصحابة تقدماً و تاخراً اور بعض اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کلام میں تقدیم و تاخیر کا تذکرہ بھی کر دیتے ہیں والمراد بذلك التقدم و التاخر الرتبی مگر اس سے ان کی مراد تقدم و تاخر مرتبے میں ہوتا ہے۔ کما قال ابن عمر فی آیة جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس آیت کے بارے میں کہا ہے (والذین یکنزون الذھب والفضة ...... الآیة) یعنی جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو عذاب الیم کی بشارت سنا دیں۔ تو ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ ھٰذا قبل ان تنزل الزکاة یہ حکم نزول زکاۃ سے پہلے کا ہے۔ فلما نزلت جعلھا اللہ طھرة للاموال پھر جب زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم نازل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو مالوں کی طہارت کا ذریعہ بنا دیا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ مال کی زکوٰۃ اور دیگر واجبہ حقوق ادا کرنے کے بعد اگر کوئی شخص مال جمع کرتا ہے تو وہ مال پاک ہو چکا ہے لہٰذا اس کو جمع کرنے کی ممانعت نہیں ہے۔ ہاں اگر مال میں سے زکوٰۃ اور دیگر حقوق ادا نہیں کیے۔ اور مال جمع کیا ہے تو ایسا شخص لازماً ماخوذ ہو گا اور وہ پہلی آیت کی زد میں آئے گا۔ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو اسی بات کے قائل ہیں۔ البتہ حضرات ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کا اس میں اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اپنی جائز ضروریات پوری کرنے کے بعد باقی سارا مال خرچ کر دو، لہٰذا جمع کرنے کی نوبت ہی نہیں آئے گی اور نہ کوئی مواخذہ ہو گا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں بھی اس قسم کا اشارہ ملتا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ تمام مالی حقوق ادا کرنے کے بعد کوئی شخص مجھے بتائے کہ کیا اس کے پاس دو درہم بھی فالتو بچتے ہیں یا نہیں۔ یعنی آپ بھی حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی بات سے متفق تھے کہ زکوٰۃ، صدقہ فطر، قربانی، غرباء مساکین کے حقوق، حج و عمرہ اور تقسیم وراثت، جہاد اور تعلیم وغیرہ پر خرچ کرنے کے بعد کتنا مال بچتا ہے جس کو وہ جمع کر کے رکھے گا یا اس مال سے زمین و مکان خریدے گا یا تجارت میں لگائے گا۔ تاہم اس کی ممانعت نہیں ہے بشرطیکہ مال جائز ذرائع سے آیا ہو اور اس کے تمام حقوق بھی ادا کر دیے جائیں۔

بہر حال حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ زکوٰۃ کے احکام نازل ہونے سے پہلے مال جمع کرنے کی ممانعت تھی اور اس پر سخت وعید بھی آئی مگر زکوٰۃ نازل ہونے کے بعد وہ ممانعت ختم ہو گئی۔

ومن المعلوم ان سورۃ البراء ۃ متاخرۃ فی السور اور یہ حقیقت بھی معلوم ہونی چاہیے کہ سورۃ البرات جس میں اموال کے متعلق مذکور احکام نازل ہوئے۔ سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ اس میں غزوہ تبوک کا ذکر بھی ہے جو ۹ھ میں پیش آیا۔ گویا یہ سورۃ ۹ھ یا ۱۰ھ میں نازل ہوئی۔ جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو مالوں کے پاک ہونے کا ذریعہ بنا دیا اور یہ آیت انہی واقعات متاخرہ کے ضمن میں ہے۔ وکانت فرضیۃ الزکاۃ متقدمۃ بسنین اور زکوٰۃ کی فرضیت تو سالہا سال پہلے نازل ہو چکی تھی۔ ولکن مراد ابن عمر تقدم الاجمال رتبۃ علی التفصیل مگر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مراد یہ ہے کہ اجمال رتبہ کے لحاظ سے تفصیل سے مقدم ہے۔

وبالجملۃ فشرط المفسر لا یزید علی نوعین من ھٰذہ الانواع : الاول قصص الغزوات وغیرھا مما وقع فی الآیات الایماء الی خصوصیاتھا، ومالم تعلم تلك القصص لا یتاتی فھم حقیقتھا۔ والثانی: فوائد بعض القیود، وسبب التشدد فی بعض المواضع مما یتوقف علی معرفۃ حال النزول ...... الٰی ...... والذی یری ان تدبر کتاب اللہ متوقف علی حفظہ فمن فاتہ فات حظہ من کتاب اللہ۔ وما توفیقی الا باللہ، علیہ توکلت وھورب العرش العظیم۔ (ص ۲۹ تا ص ۳۱)۔

مفسر کے لئے ضروری شرائط :

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تفسیر قرآن کے سلسلے میں ایک مفسر کے لئے ضروری باتوں کا ذکر کر رہے ہیں۔ اس کا کچھ تذکرہ گزشتہ درس میں بھی ہو چکا ہے۔ اب فرماتے ہیں۔ وبالجملۃ فشرط المفسر لا یزید علی نوعین من ھٰذہ الانواع : ایک مفسر کے لئے ان دو شرطوں کے علاوہ اور کوئی شرط نہیں ہے۔ قرآن پاک کی تفسیر کرتے وقت اس کے پیش نظر صرف دو باتیں ہونا ضروری ہیں۔

پہلی شرط :

الاول قصص الغزوات وغیرھا [illegible] ماء الی خصوصیاتھا پہلی بات یہ ہے کہ جن آیات میں جنگوں یا دیگر اسفار از قسم حج، عمرہ وغیرہ کی خصوصیات کی طرف اشارہ ہوا ہے ان کو ذہن میں رکھا جائے۔ وجہ یہ ہے کہ وما لم تعلم تلك القصص لایتاتی فھم حقیقتھا۔ کہ جب تک ان واقعات کا علم نہیں ہوگا ان آیات کی حقیقت سمجھ میں نہیں آئے گی۔ مثلاً جن آیات میں غزوہ تبوک، غزوہ بدر، احد یا صلح حدیبیہ کی طرف اشارات پائے جاتے ہیں ان آیات کو صحیح طریقے سے سمجھنے کے لئے ان غزوات اور واقعات سے واقف ہونا ضروری ہے۔

دوسری شرط :

والثانی: فوائد بعض القیود اور دوسری بات یہ کہ مفسر کے لئے آیات میں موجود بعض قیود کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ وسبب التشدد فی بعض المواضع مما یتوقف علی معرفة حال النزول اور بعض مواقع پر تشدد کی وجوہات کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ حالاتِ نزولِ آیات کی پہچان اسی چیز پر موقوف ہے۔ مفسر کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کون سے حالات تھے جن کی وجہ سے بعض جگہ سختی برتی گئی ہے۔ جب ان حالات کا علم ہو جائے گا تو بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی۔

توجیہہ کا مفہوم :

وھذا المبحث الاخیر فی الحقیقة فن من فنون التوجیه اور فنون توجیہہ میں سے درحقیقت یہ آخری بحث ہے۔ ومعنی التوجیه بیان وجه الکلام اور توجیہہ کا معنی کسی کلام کے رخ کو بیان کرنا ہوتا ہے۔ اور اس توجیہہ سے ہی کلام کے حسن و قبح یا خوبصورتی اور بدصورتی کا علم ہوتا ہے۔ وحاصل ھٰذہ الکلمة انه قد یکون فی آیة من الآیات شبهة ظاھرة من استبعاد صورة ھی مدلول الآیة اور حاصل کلام یہ ہے کہ کبھی کسی آیت میں شبہ پیدا ہوتا ہے اس استبعاد کی وجہ سے جو مدلول آیت ہے۔ او تناقض بین الآیتین یا دو آیتوں کے درمیان تناقض کی وجہ

سے او اشکال التوجیہ مصداق الآیۃ علی ذھن المبتدی یا مبتدی آدمی کے ذہن پر آیت کے مصداق کی توجیہہ کے بارے میں اشکال پیدا ہو جانے کی بنا پر۔ او اخفاء فائدۃ قید من القیود علیہ یا کسی خفاء کی وجہ سے کسی قید کا فائدہ اچھے طریقے سے سمجھ میں نہیں آتا اور آیت کی تفہیم میں شبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ فاذاحل المفسر ھٰذا الاشکال سمی ذٰلک الحل توجیھاً پھر جب مفسر ایسے کسی اشکال کو حل کر دیتا ہے ذہن پر پڑنے والا اشکال دور ہو جاتا ہے، آیات کے درمیان تناقض اٹھ گیا اور سمجھ میں نہ آنے والی قید سمجھ میں آ گئی۔ تو اس عمل کو توجیہہ کہتے ہیں۔ یعنی مفسر نے اس اشکال کی یہ توجیہہ کی ہے۔

توجیہہ کی پہلی مثال :

آگے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ توجیہہ کی بعض مثالیں بھی بیان کرتے ہیں فرماتے ہیں کما فی آیۃ (یا اخت ھارون) جیسے اس آیت میں ہے ''اے ہارون کی بہن'' یہ سورۃ مریم کی آیت : ۲۸ کی طرف اشارہ ہے۔ جب حضرت مریم رضی اللہ عنہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جنم دے کر اور اسے اٹھا کر اپنی قوم کے پاس آئی تو لوگوں نے کنواری مریم کی گود میں بچہ دیکھ کر سخت طعن تشنیع کیا اور کہنے لگے یا اخت ھارون ما کان ابوك امرا سوءٍ وما کانت امك بغیا ○ اے ہارون کی بہن! تیرا باپ تو برا آدمی نہیں تھا، نہ ہی تیری ماں بدکار تھی، تو یہ بچہ کہاں سے لے آئی۔ یہاں پر اخت ہارون کی توجیہہ مطلوب تھی۔ ہارون علیہ السلام تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی اور اللہ کے نبی تھے اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا اور مسیح علیہ السلام کا دور چودہ سو سال بعد میں آتا ہے تو پھر لوگوں نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو ہارون علیہ السلام کی بہن کیسے کہہ دیا؟ یہ اشکال خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی پیش ہوا تھا جس کی آپ نے توجیہہ بھی فرما دی تھی۔ اس دور میں نجران میں عیسائیوں کی کثیر تعداد موجود تھی اور وہ مسلمانوں کے ساتھ بحث مباحثہ بھی کرتے رہتے تھے۔ تاریخِ اسلام میں نجران کے عیسائیوں کی مدینہ آمد کا واقعہ وفد نجران کے نام سے مشہور ہے۔ جب یہ وفد اسلام کی حقانیت کو کسی صورت میں تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوا تو حضور علیہ السلام نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی تھی جس سے انہوں نے راہِ فرار اختیار کی۔ حضور علیہ السلام کے جو صحابی نجران گئے تھے، ان میں حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہاں پر نجرانی عیسائیوں نے یہ نکتہ اٹھایا

تھا کہ قرآن پاک میں حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو ہارون علیہ السلام کی بہن کہہ کر خطاب کیا گیا ہے حالانکہ دونوں کے درمیان تو چودہ سو سال کا فاصلہ ہے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ وہاں پر عیسائیوں کو ان کے سوال کا جواب تو نہ دے سکے، البتہ واپس آ کر انہوں نے یہی مسئلہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اللہ کے نبی نے فرمایا کہ بات یہ ہے کہ اس دور میں لوگ اپنے بچوں کے نام سلف صالحین کے نام پر رکھ لیتے تھے جیسا کہ آج بھی لوگ نبیوں اور دیگر صالحین کے نام پر اپنے نام رکھتے ہیں۔ چنانچہ ہارون کی بہن سے مراد وہ ہارون نہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے بلکہ خود مریم رضی اللہ عنہا کے بھائی کا نام بھی ہارون تھا جس کی وجہ سے لوگوں نے کہہ دیا یا اخت ھارون۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں پر اسی بات کا ذکر کیا کہ اس زمانے کے عیسائیوں نے اسی اشکال کا اظہار کیا تھا۔ فانهم سألوا عما استشكلوه من انه كان بين موسى وعيسى عليهما السلام مدة كثيرة فكيف كان يكون هارون اخاً لمريم انہیں اسی بات میں اشکال پیدا ہوا تھا کہ حضرات موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان تو طویل فاصلہ ہے لہذا ہارون علیہ السلام حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے بھائی کیسے ہو سکتے ہیں؟ كأن السائل اضمر في خاطره ان هٰرون هٰذا هو هارون اخو موسٰى کیونکہ سائل کے دل میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ یہ ہارون وہی ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے۔ فاجاب عنه صلى الله عليه وسلم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کو اس اشکال کا جواب یہ دیا بان بني اسرائيل كانوا يسمون باسماء الصالحين من السلف کہ اس دور میں بنی اسرائیل کے لوگ اپنے بچوں کے نام اپنے سلف صالحین کے نام پر رکھ لیا کرتے تھے۔ اور اس طریقے سے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے بھائی کا نام بھی ہارون تھا جس کی بنا پر لوگوں نے آپ کو مریم کے بھائی کہہ کر مخاطب کیا۔ جب حضور علیہ السلام نے ”یا اخت ھارون“ کی یہ توجیہہ بیان کر دی تو مسئلہ حل ہو گیا۔

دوسری مثال :

آگے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ توجیہہ کی دوسری مثال بیان کرتے ہیں كما سألوا كيف يمشي الانسان يوم الحشر على وجهه لوگوں نے اس آیت کے بارے میں بھی اشکال کا اظہار کیا اور نبی علیہ السلام سے دریافت کیا کہ حشر والے دن انسان اپنے سر یا چہرے کے بل کیسے چل سکیں

گے؟ تو حضور علیہ السلام نے اس اشکال کا جواب یہ دیا تھا فقال : ان الذی امشاہ فی الدنیا علی رجلیہ لقادر ان یمشیہ علی وجھہ کہ اللہ تعالیٰ تو قادرِ مطلق ہے اس نے انسان کو دنیا میں دو پاؤں پر چلایا ہے تو وہ میدانِ حشر میں کافروں کو سر کے بل چلانے پر بھی قادر ہے یہ اس اشکال کی توجیہہ ہوگئی۔

تیسری مثال :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے توجیہہ کی تیسری مثال اسی طرح بیان کی ہے وکما سألوا ابن عباس عن وجہ التطبیق بین قولہ تعالیٰ (فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینھم یومئذٍ ولا یتساء لون) جیسا کہ لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ان دو آیات کے درمیان وجہ تطبیق دریافت کی۔ جس دن صور پھونکا جائے گا تو اس دن ساری رشتہ داریاں بھول جائیں گی۔ اور کوئی بھی ایک دوسرے سے سوال جواب نہیں کر سکے گا۔ وبین آیۃ اخریٰ اور دوسری آیت یہ ہے (و اقبل بعضھم علی بعضٍ یتساء لون) جب وہ ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے تو ایک دوسرے سے سوال جواب کر سکیں گے۔ اب دونوں آیات میں تعارض آ گیا جس کے متعلق لوگوں نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے توجیہہ چاہی۔ فقال رضی اللہ عنہ تو آپ نے اس اشکال کا جواب یہ دیا عدم التساؤل یوم الحشر والتساؤل بعد دخول الجنۃ یعنی میدانِ حشر میں تو کوئی عزیز سے عزیز بھی کسی سے بات نہیں کر سکے گا۔ البتہ جب لوگ اللہ کی رحمت سے جنت میں داخل ہو جائیں گے تو پھر ان کی آپس میں میل ملاقات ہوگی اور آمنے سامنے بیٹھ کر ایک دوسرے کا حال بھی دریافت کریں گے۔ ایک شخص کہے گا کہ اللہ نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا، دوسرا اپنا حال بتائے گا، علیٰ ہذا القیاس غرضیکہ میدانِ حشر میں کوئی کسی کا پرسانِ حال نہیں ہوگا۔ سب کو اپنی اپنی فکر لاحق ہوگی البتہ جنت میں امن وسکون کے ساتھ انہیں آپس میں میل ملاقات اور پرسش احوال کے مواقع میسر ہوں گے۔ تو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس توجیہہ سے اشکال رفع ہوگیا۔

چوتھی مثال :

توجیہہ کی چوتھی مثال اسی طرح ہے وسألوا عائشة رضی الله عنها بعض لوگوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ مسئلہ دریافت کیا فقالوا کہنے لگے ان کان السعی بین الصفا والمروۃ واجباً فما وجه لاجناح اگر صفاومروہ کے درمیان سعی ایک حاجی یا عمرہ ادا کرنے والے کے لئے ضروری ہے تو پھر اللہ کی طرف سے لاجناح یعنی "کوئی حرج نہیں" کا کیا مطلب ہے؟ حج اور عمرہ کے ارکان میں سے صفاومروہ کی سعی کے متعلق سورۃ البقرۃ کی آیت : ۱۵۸ اس طرح ہے بیشک صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔پس جو کوئی حج کرنا چاہے یا عمرہ ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ فلا جناح علیه ان یطوف بهما تو اس پر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان سعی کرے سائلان کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ سعی حج اور عمرہ کا لازمی جزو ہے تو پھر اسے ضروری ہی قرار دینا چاہیے تھا نہ کہ لا جناح جیسے نرم الفاظ بولے جاتے۔حج اور عمرہ کے ارکان میں سے طواف بیت اللہ تو بعض حالات میں واجب اور بعض میں سنت ہے۔البتہ سعی کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ واجب جب کہ دوسرے آئمہ سنت قرار دیتے ہیں اور واجب جو ہے وہ فرض کے قریب ہی قریب ہی ہوتا ہے لہٰذا اس کو لازمی قرار دینا چاہیے تھا۔

فاجابت رضی الله عنها اس اشکال کا جواب ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے یوں دیا بان قوماً کانوا یجتنبونه، وبهذا السبب قال عزوجل "لا جناح" ابتدائے اسلام کے دور میں چونکہ بعض اہلِ ایمان صفاومروہ کی سعی سے اجتناب کرتے تھے، اس لئے اللہ نے فرمایا کہ سعی کرلیا کرو اس میں کوئی حرج نہیں دراصل قبل از اسلام مشرکوں نے صفاومروہ پر بت رکھے ہوئے تھے اور وہ سعی کرتے وقت ان کو سلام کرتے اور نذرانے پیش کرتے تھے، اس لئے مسلمانوں نے سعی کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کی کہ کہیں وہ بھی مشرکین کے طریقے پر ہی نہ چل چلیں۔اب بت تو وہاں سے ہٹائے جاچکے تھے۔اور حقیقت میں یہ سعی ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے چلی آرہی تھی۔ام المؤمنین حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے پانی کی تلاش میں یہاں چکر لگائے تھے تو اللہ نے ان کے اس عمل کو قیامت تک کے لئے برقرار رکھا اور اسے حج وعمرہ کا رکن قرار دیا۔درمیان میں مشرکوں نے وہاں بت رکھ دیئے تھے، تو وہ اب دور ہو گئے لہٰذا

اللہ نے فرمایا کہ سابقہ شرکیہ امور کی وجہ سے سعی کو ترک نہ کرو بلکہ ایسا کرنے میں اب کوئی حرج نہیں ہے، اس عمل کو جاری رکھو۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس توجیہہ کے بعد بات لوگوں کی سمجھ میں آ گئی۔

پانچویں مثال :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے توجیہہ کی پانچویں مثال بھی بیان فرمائی ہے۔ وعمر رضی اللہ عنہ سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن قید (ان خفتم) ما معناہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ان خفتم (اگر تم خوف کی حالت میں ہو) کا کیا معنیٰ ہے۔ یہ سفر کی حالت میں نماز قصر کرنے کا مسئلہ ہے۔ سورۃ النساء کی آیت : ۱۰۱ اس طرح ہے۔ واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ اور جب تم زمین میں سفر کرو، پس تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ کم کرو نماز میں سے ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا اگر تمہیں ڈر ہو کہ کافر تمہیں عنقریب فتنہ میں ڈال دیں گے۔

اشکال یہ تھا کہ نماز قصر کرنے کے لئے دورانِ سفر کیا خوف کی قید لازمی ہے۔ یعنی اگر سفر بلا خوف وخطر ہو تو کیا اس صورت میں نماز پوری ادا کرنا ہوگی؟ مگر نمازِ قصر کا تعلق تو مطلق سفر کے ساتھ ہے خواہ راستہ پر امن ہو یا کسی دشمن کا خطرہ ہو۔ فقال صلی اللہ علیہ وسلم اس اشکال کے جواب میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا صدقۃ تصدق اللہ بھا دورانِ سفر قصر کا حکم تو اللہ تعالیٰ کی ایک معافی یا صدقہ ہے، اس کو قبول کیا کرو اور رد نہ کرو۔ سفر میں دو رکعت کی معافی ہے خواہ خوف کی حالت ہو یا امن کی۔ یہ آیت چونکہ خوف کی حالت میں نازل ہوئی تھی اس لئے ان خفتم کی قید کو اتفاقی قید سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ ضروری نہیں ہے، لہٰذا قصر ہر سفر میں روا ہے۔ اگر کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اس معافی سے مستفید نہیں ہوتا تو وہ تھوڑا بہت گنہگار ہوگا کہ اس نے اللہ کے صدقہ کو قبول نہیں کیا۔ اسی لئے فرمایا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں پر صدقہ ہے۔ یعنی لا یکون عند الکرماء فی الصدقۃ مضائقۃ اور اہلِ کرم کی طرف سے صدقہ تنگی کا سبب نہیں ہوتا کہ کسی کو خواہ مخواہ پریشانی میں مبتلا کر دیا جائے۔ فلم یذکر اللہ سبحانہ و تعالیٰ ھٰذا القید مضائقۃ بل القید اتفاقی

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دورانِ سفر خوف کی قید کو تنگی کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ یہ تو اتفاقی قید ہے۔ لہٰذا سفر میں خوف ہو یا نہ ہو، قصر درست بلکہ اولیٰ ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **وامثلة التوجيه كثيرة، والمقصود التنبيه على المعنى** توجیہہ کی مثالیں تو اور بھی بہت زیادہ ہیں۔ تاہم اصل مقصود معانی کو سمجھنا ہے، لہٰذا اتنی مثالیں ہی کافی ہیں۔

باب پنجم کی تدوین :

ومما يناسب عندي ان اذكر في الباب الخامس شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور میرے لئے مناسب یہ ہے کہ میں ان باتوں کو اس کتاب کے پانچویں باب میں ذکر کر دوں **مانقل البخاري والترمذي والحاكم في تفاسيرهم** جن کو امام بخاری، امام ترمذی اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہم نے اپنی کتب احادیث کے باب تفسیر میں نقل کیا ہے۔ **من اسباب النزول و توجيه المشكل** جو ان محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے آیات کے اسباب نزول اور مشکل الفاظ کی توجیہہ کے سلسلہ میں بیان کئے ہیں۔ **بسند جيد الى الصحابة او الى حضرته صلى الله عليه وسلم** اور جن کو معتبر اسناد کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا خود حضور علیہ السلام تک پہنچایا ہے۔ **بطريق التنقيح والاختصار لفائدتين** ہم بھی ان کو تنقیح کے طریقہ پر اختصار کے ساتھ اس کتاب کے پانچویں باب میں شامل کر دیں گے۔ اب جو چاہے اس کو اسی کتاب کا حصہ بنالے یا چاہے تو اس حصہ کو الگ رسالہ کے طور پر استعمال کرلے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ تین محدثین امام بخاری، امام ترمذی اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہم نے جو باتیں صحیح اسناد کے ساتھ بیان کی ہیں، حدیث کی دوسری کتابوں یا تفاسیر میں وہ معیار نظر نہیں آتا، لہٰذا میں نے انہی کو اختصار کے ساتھ اس کتاب کے تتمہ کے طور پر شامل کرنے کا فیصلہ کیا۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مشکل الفاظ کی تشریح کے سلسلہ میں تین محدثین کا نام لیا ہے۔ ان کے علاوہ حنفی امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس معیار پر پورا اترتے ہیں جن کا نام شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ذکر نہیں کیا۔ انہوں نے بھی اپنی حدیث کی کتاب مشکل الاثار میں مشکل الفاظ کا باب رکھا ہے۔ چونکہ ان کی کتاب زیادہ متبادر نہیں ہوئی، اس لئے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان دیگر تین آئمہ کے ساتھ ان کا ذکر نہیں کیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مشکل الآثار شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دستیاب ہی نہ ہوئی ہو اور نہ وہ اس کا

مطالعہ کر سکے ہوں۔ اس زمانے میں موجودہ زمانے کی طرح کتابوں کی عام اشاعت بھی تو نہیں ہوتی۔ قلمی نسخے ہوتے تھے جن کو بڑی محنت سے نقل کر کے دوسروں تک پہنچایا جاتا تھا۔ یہ پریس کی سہولت تو اٹھارہویں انیسویں صدی میں پہنچ کر حاصل ہوئی اور کتابوں کی عام اشاعت ہوگئی۔ بہر حال مشکل الفاظ اور آیات کے شانِ نزول اور توجیہات کے لئے مذکورہ چاروں کتابیں معتبر ہیں۔ اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انہی محدثین کے جمع کردہ غرائب القرآن کو اس کتاب کے پانچویں باب کے طور پر شامل کیا ہے۔

باب پنجم کے دو فائدے :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان الفاظ کو ایک جگہ جمع کرنے سے دو فائدے حاصل ہوں گے۔ **الاولیٰ :ان حفظ هٰذا القدر من الآثار لابد منه للمفسر كما لا بد مما ذكرناه من شرح غريب القرآن** پہلا فائدہ یہ ہوگا کہ مفسر کے لئے آثار میں سے اسی قدر حفظ ضروری ہے جس کو ہم نے شرح غرایب القرآن میں ضروری قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ عرب لوگ تو اپنی فطری صلاحیت اور ذوق کے ساتھ مشکل الفاظ کے معانی بھی خوب سمجھتے تھے اور انہیں کوئی اشکال پیش نہیں آتا تھا، لیکن بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اتنی ہی مقدار کو جانیں جو حضور علیہ السلام یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے متعین کی ہے۔ **والاخریٰ ان يعلم ان اكثر اسباب النزول لامدخل لها في فهم معاني الآيات** اور دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ جان لیا جائے کہ قرآن پاک کے معانی سمجھنے میں اکثر اسباب نزول کا کوئی دخل نہیں ہے جیسا کہ تفسیر جلالین والے، درمنثور والے یا خازن والے ذکر کرتے ہیں۔ ان میں بہت سی اناپ شناپ باتیں بھی ہیں جن کو جاننا مفسر کے لئے ہر گز ضروری نہیں ہے۔ **اللهم الا شئ قليل من القصص يذكر في هٰذه التفاسير الثلاثة التي هي اصح التفاسير عند المحدثين** سوائے ان قصوں میں بیان کی جانے والی قلیل باتوں کے جن کو ان محدثین نے مذکورہ تین کتابوں میں نقل کیا ہے اور جو محدثین کے نزدیک صحیح ترین تفاسیر قرار پائی ہیں۔ **واما افراط محمد بن اسحاق والواقدي والكلبي وما ذكروا تحت كل آية من قصة فاكثره غير صحيح عند المحدثين** اور مؤرخین محمد ابن اسحاق اور واقدی

اور کلبی نے ہر آیت کے نیچے کوئی واقع ذکر کیا، محدثین کے نزدیک ان میں سے اکثر واقعات صحیح نہیں ہیں۔ وفی اسنادہ نظر ان کی اسناد بھی محل نظر ہیں۔ ومن خطاء البین ان بعد ذلک من شروط التفسیر اور تفسیر کی شرطوں میں اس کی کھلی غلطی کو تسلیم کیا گیا ہے۔

یہاں پر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تین مؤرخین کا ذکر کیا ہے جنہوں نے ہر آیت کے نیچے کوئی واقعہ ذکر کیا ہے مگر وہ درست نہیں ہیں۔ ان میں سے محمد ابن اسحاق مؤرخ تھا جس کی تاریخ کی کتاب سے امام بخاری، امام مسلم اور دیگر محدثین سے بھی روایات لی ہیں۔ یہ آدمی متنازعہ فیہ تھا۔ سیرت میں اس کی روایات معتبر مانی جاتی ہیں مگر حلال حرام یا جائز ناجائز کے بارے میں اس کی متفرد روایات کو قبول نہیں کیا جاتا۔ یہ شخص امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہم عصر تھا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۵۰ھ میں جبکہ اس کی وفات ۱۵۱ھ میں ہوئی امام محمد ابن اسحاق کی سیرت کی کتاب اب نایاب ہے۔ اس کی کتاب کو چھانٹ کر ابن ہشام نے علیحدہ سیرت پر کتاب الگ کر لی۔ اس میں روایات تو ابن اسحاق کی ہی ہیں مگر کتاب اس کی نہیں۔ ابن ہشام کی سیرت کی کتاب اسی کے نام سے اب دستیاب ہے۔ ابن ہشام اگرچہ ابن اسحاق سے بعد میں پیدا ہوا مگر حدیث میں اس کا پایہ زیادہ ہے۔ ابن اسحاق پر زیادہ قصے کہانیاں لکھنے کی وجہ سے اعتبار باقی نہیں رہا۔ البتہ جس قدر واقعات باقی آئمہ نے ذکر کئے ہیں ان کو معتبر سمجھا جاتا ہے۔

دوسرے نمبر پر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے واقدی کا ذکر کیا ہے۔ یہ بھی مؤرخ تھا، عراق میں قاضی بھی رہا مگر اس کی سیرت کی کتاب میں بہت سے جھوٹے قصے بھی درج ہیں۔ آدمی خداترس تھا مگر روایت کے اعتبار سے غیر معتبر تھا کیونکہ ہر قسم کی اناپ شناپ روائتیں درج کر دی ہیں۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تیسرے شخص کلبی کا ذکر کیا ہے جس کا تعلق قبیلہ کلب کے ساتھ تھا۔ اس کا بڑا حافظہ تھا، سیرت اور تاریخ کی بہت سی روایات نقل کی ہیں، لیکن حدیث میں بہت کمزور ثابت ہوا ہے۔

آگے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں والذی یری ان تدبر کتاب اللہ متوقف علی حفظہ اور جو چیز دیکھی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں غور و فکر کرنا اس کے حفظ پر موقوف

ہے۔ فمن فاته فقد فات حظة من كتاب الله پس جس شخص سے حفظ فوت ہوگیا، اس کا کتاب اللہ سے بہت سا حصہ فوت ہوگیا۔ وما توفيقي الا بالله مجھے تو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق پر ہی اعتماد ہے۔ عليه توكلت میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں۔ وهو رب العرش العظيم اور وہی عرش عظیم کا رب ہے۔ پھر جتنا حصہ کسی کو یاد ہوگا، اس کو پڑھے تا کہ اس کو مبادی کا علم حاصل ہو، وگرنہ خالی حفظ تو کچھ معنیٰ نہیں رکھتا۔ اور اگر مبادی علم والا بھی ہوگا تو اس کو غور وفکر کا زیادہ موقع ملے گا، وہ نماز میں بھی اور دیگر مواقع میں بھی ضرور کتاب اللہ کو پڑھے گا اور اس کے معانی سمجھنے میں غور وفکر کرے گا۔

(فصل في بقية مباحث الباب)

(اس باب کے باقی مباحث کے بیان میں)

حذف بعض الاجزاء او ادوات الكلام مما يوجب الخفاء ، ...... الى ......فلا حاجة الى تفتيش المحذوف ، والله اعلم۔ (ص۳۱ تا ۳۳)۔

ربط مضمون :

''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر'' کے دوسرے باب کی یہ آخری فصل ہے اس باب میں نظم قرآن کے بیان میں آنے والے خفا کی وجوہات اور ان کا علاج ذکر کیا گیا ہے۔ پہلی فصل میں مشکل الفاظ کی شرح کرنے کے ضمن میں متقدمین اور متاخرین کے طریقہ تفسیر کا ذکر ہے۔ دوسری فصل میں ناسخ اور منسوخ آیات کی معرفت کا ذکر ہے۔ متقدمین کے نزدیک منسوخ آیات کی تعداد پانچ سو سے بھی زیادہ ہے جبکہ متاخرین کے نزدیک ایسی آیاتِ منسوخہ کی تعداد صرف بیس ہے۔ البتہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تجزیہ کے مطابق منسوخ آیات کی تعداد پانچ سے زیادہ نہیں ہے۔

علم تفسیر کا ایک اور دشوار ترین مسئلہ مختلف آیات کے نزول کے اسباب کی معرفت ہے۔ اس میں بھی متقدمین اور متاخرین کے درمیان اصلاحات کا اختلاف۔ ایسے مقامات پر مفسر کے لئے ضروری ہے کہ وہ توجیہ کے ذریعے اشکال کا حل پیش کرے۔

وجوہات خفا حذف ''ابدال'' تقدیم وتاخیر :

اس باب کی آخری فصل میں باقی وجوہات خفا کا ذکر کیا گیا ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مثالیں دے کر مشکل مقامات کا حل پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں **حذف بعض الاجزاء او ادوات الکلام مما یوجب الخفاء** کلام سے بعض اجزاء یا حروف کا حذف بھی خفا کا باعث بنتا ہے۔ ادوات کا لغوی معنی آلہ ہے جبکہ ان سے مراد وہ گیارہ یا زیادہ حروف ہیں جو کسی کلام میں ربط پیدا کرتے ہیں یا صلہ بنتے ہیں۔ ان میں سے کسی حرف کے حذف ہو جانے کی وجہ سے کلام کا مطلب سمجھنے میں دقت پیش آتی ہے۔ **وکذلك ابدال شئ بشئ** اسی طرح ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ بدل دینے سے بھی خفا آ جاتا ہے۔ جیسے مفرد کی جگہ جمع یا جمع کی جگہ مفرد کا صیغہ آ گیا تو اس سے بھی کلام میں خفا آ جاتا ہے۔ اور جب تک اصل بات واضح نہ ہو عبادت کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا۔ اور بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے۔ **وتقدیم ما حقه التاخیر، وتاخیر ما حقه التقدیم** کسی ایسے لفظ کو پہلے لے آئیں جسے بعد میں آنا چاہیے تھا یا جسے بعد میں آنا تھا اسے پہلے لانے سے بھی کلام میں خفا آ جاتا ہے۔

متشابہات کا استعمال :

اور کلام کے سمجھنے میں اشکال پیدا ہوتا ہے۔ **واستعمال المتشابهات** اسی طرح کلام میں متشابہات کا استعمال بھی خفا کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ متشابہ اس کلام کو کہتے ہیں جس کا لفظ معلوم ہو، معنی بھی معلوم ہو مگر اس کی حقیقت معلوم نہ ہو۔ مثلاً آپ قرآن پاک میں پڑھتے ہیں۔ **الرحمن علی العرش استوی** (طٰہ : ۵) رحمان کا معنی معلوم ہے بڑا مہربان۔ عرش کا معنی تخت پلنگ یا چارپائی وغیرہ اور استویٰ کا معنی برابر ہونا ہے۔ اب یہ جو اللہ کی ذات کے بارے میں ہے کہ وہ عرش پر مستوی ہے تو ذاتِ خداوندی کا عرش پر مستوی ہونا بایں وجہ متشابہات میں سے ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے استویٰ علی العرش کی کیفیت کو نہیں جان سکتے۔ کوئی ایک انسان جب کسی تخت، پھٹے کرسی یا چارپائی پر بیٹھتا ہے تو اس کا دائیاں، بائیں آگا، پیچھا، اوپر، نیچا ہوتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے استویٰ کو بھی انسان کے بیٹھنے پر محمول کیا جائے گا، استغفر اللہ۔ اگر ایسا خیال کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ میں جنسیت ثابت ہوگی حالانکہ وہ

تو واجب الوجود اور ہر عیب، نقص اور زوال سے پاک، جہت اور مکان بلکہ ہر چیز سے پاک ہے۔
غرضیکہ ہم اللہ تعالیٰ کے استویٰ کی کیفیت کو سمجھنے سے قاصر ہیں، لہٰذا اس کو متشابہات میں شمار کریں گے۔
متقدمین اس کا معنی کرتے ہیں کہ رحمان عرش پر مستوی ہے جیسا کہ اس کی شان کے ساتھ لائق ہے۔ یہ کیفیت ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ البتہ متاخرین یا متکلمین استویٰ علی العرش کا معنی کرتے ہیں کہ رحمان عرش پر قابض ہے، گویا استویٰ کا معنی غالب آنا بھی ہے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے

استوی بشر علی العراق

من غیر مادم محراق

(یعنی بشر عراق پر بغیر خونریزی کئے غالب آ گیا یا قابض ہو گیا)

یہ متشابہ جملہ ہے۔ کسی نے امام مالک رحمہ اللہ سے استویٰ علی العرش کی کیفیت سے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا **الاستوی معلوم والکیف مجھول** یعنی استوی کا ظاہری معنی تو معلوم ہے قائم ہونا، یا غالب ہونا مگر اس کی کیفیت معلوم نہیں ہے۔ لہٰذا ہمارے لئے صرف ایمان لانا ہی واجب ہے، اس کی کیفیت معلوم کرنے کی کوشش کرنا درست نہیں بلکہ بدعات میں شامل ہے۔

صاحب کتاب امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اس جملے کا سب سے الگ معنی کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ساتوں آسمان طے کرنے کے بعد جنت کے طبقات شروع ہوتے ہیں۔ ان میں سے بلند ترین طبقہ جنت الفردوس ہے، اس کے اوپر عرش الٰہی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی تجلی اعظم پڑتی ہے جو سارے عرش کو رنگین کر دیتی ہے۔ اور پھر عرش سے نیچے کی تمام کائنات بھی اس تجلی کا اثر قبول کرتی ہے گویا اس طریقے سے شاہ صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک استوی علی العرش کا معنی عرش الٰہی پر تجلی اعظم کا پڑنا ہے۔
الغرض! متشابہ لفظ کی وجہ سے کلام کے سمجھنے میں اس قدر مشکلات پیش آئیں۔ ایسے مشکل مسائل کو حل کرنے کے لئے توجیہہ کی جاتی ہے جس سے مطلب سمجھ میں آ جاتا ہے۔

اشارہ کنایہ کا استعمال :

والتعریضات والکنایات بعض اوقات کلام میں صراحت کی بجائے اشارہ کنایہ سے کام لیا جاتا ہے۔ آپ نکاح کے باب میں پڑھتے ہیں کہ کوئی آدمی کسی عورت کو صراحتاً نکاح کا پیغام نہیں

دیتا بلکہ اشارہ کنایہ سے کہے گا کہ میں کسی اچھی نیک سیرت، صالح، دیانتدار، نمازی، پرہیزگار عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی رغبت رکھتا ہوں۔ میں نے ایک اور مثال بھی دی تھی کہ کوئی سائل کسی آدمی کے پاس کچھ مانگنے کے لئے آتا ہے مگر براہِ راست سوال نہیں کرتا بلکہ کہتا ہے کہ میں آپ کی خدمت میں سلام کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں حالانکہ اس کا مقصد کچھ مانگنا ہوتا ہے۔ یہ اشارہ کنایہ ہوتا ہے اور جب تک بات صراحتاً نہ کی جائے کلام میں خفا آتا ہے۔ خصوصاً تصویر المعنٰی المراد بصورة محسوسة جبکہ اشارہ کنایہ خصوصاً ایسے طریقہ سے کیا جائے کہ مطلوبہ مقصد محسوس صورت میں مخاطب کے سامنے آجائے۔ لذلك المعني في العادة والاستعارة المكنية جو عادتاً ان معانی کے لئے لازم ہو۔

مجازِ عقلی :

والمجاز العقلي اور کلام میں مجاز عقلی بھی خفا کا باعث بنتی ہے۔ ان سے مراد ایسی چیزیں ہیں جن کا تعین خود عقل انسانی کرتی ہے۔ مثلاً نهاراً صائماً کا ظاہری معنی یہ ہے کہ دن نے روزہ رکھا حالانکہ مراد یہ ہے کہ فلاں آدمی نے دن کو روزہ رکھا ہے یا جیسے کہتے ہیں انبتت ربیع یعنی موسم بہار نے سبزہ اگایا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ موسم تو کسی چیز کو پیدا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا بلکہ پیدا کرنے والی یا سبزہ، چارہ فصلیں اگانے والی ذات تو باری تعالیٰ ہے۔ یہ باتیں مجاز عقلی سے آتی ہیں۔ مجاز مرسل بھی اسی مد میں آتا ہے۔ غرضیکہ یہ چیزیں خفا کے اسباب کے طور پر ذکر کی جاتی ہیں۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں فلنذكر شيئاً من هٰذه الامثلة بطريق الاختصار لتكون على بصيرة چنانچہ ہم اختصار کے ساتھ ان چیزوں کی بعض مثالیں بیان کرتے ہیں تاکہ طالبعلم کو ایک قسم کی بصیرت حاصل ہو جائے۔

اقسامِ حذف :

فرماتے ہیں اما الحذف فعلي اقسام عبارت میں حذف آجانے کی بہت سی قسمیں ہیں جن کی وجہ سے اشکال پیدا ہو جاتا ہے۔ اور کلام کے صحیح مفہوم تک پہنچنے کے لئے اس اشکال کو رفع

کرنا ضروری ہوتا ہے۔

حذف المضاف والموصوف یہ حذف کبھی مضاف اور کبھی موصوف میں ہوتا ہے۔ کلام میں مضاف الیہ ذکر ہوتا ہے مگر مضاف نہیں ہوتا۔ یا صفت تو ہوتی ہے مگر اس کا موصوف نہیں ہوتا جس کی وجہ سے کلام کی تفہیم میں اشکال واقع ہوتا ہے۔ جب تک آپ کو یہ پتہ نہیں چلے گا کہ اس مقام پر مضاف یا موصوف محذوف ہے آپ بھٹکتے رہیں گے۔ والمتعلق وغیرھا یہ حذف مضاف، موصوف اور ان کے متعلقات میں بھی ہوسکتا ہے۔

پہلی مثال :

کقولہ تعالٰی اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ولکن البر من آمن (البقرہ : ۱۷۷) لیکن نیکی اس شخص کی ہے جو ایمان لایا۔ یہاں پر ایک لفظ بِـرٌّ محذوف ہے جس کی وجہ سے معنی متعین کرنے میں دقت آتی ہے۔ اصل میں پوری عبارت اس طرح ہے۔ ولکن البر بر من آمن یعنی نیکی اس شخص کی نیکی ہے جو ایمان لایا اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ یہودی لوگ مصر تھے کہ ان کا قبلہ بیت المقدس مسلمانوں کے قبلہ بیت اللہ شریف سے افضل ہے۔ اللہ نے ان کے اس دعویٰ کا جواب دیا کہ قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا تو محض ایک علامت ہے۔ اصل نیکی تو یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ، یوم آخرت، ملائکہ، کتبِ سماویہ اور تمام انبیاء پر ایمان لائے ...... الخ لہٰذا یہودیوں کا یہ دعویٰ کہ بیت المقدس کی طرف رخ کرنا سب سے بڑی نیکی ہے یہ درست نہیں ہے بلکہ اصل نیکی کے کام تو وہ ہیں جن کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔

دوسری مثال :

وآتینا ثمود الناقة مبصرة (بنی اسرائیل : ۵۹) ہم نے قومِ ثمود کو دیکھنے والی اونٹنی عطا کی۔ اس جملہ پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ کیا متذکرہ اونٹنی بینا تھی یعنی نابینا نہیں تھی؟ عبارت کا یہ مقصد نہیں ہے۔ یہاں پر مبصرة سے پہلے لفظ آیة محذوف ہے۔ اس لفظ کو شامل کرنے سے آیت کا مفہوم یہ ہو جائے گا کہ قومِ ثمود کو عطا کی جانے والی اونٹنی اللہ کی طرف سے آیــة مبصرة ایک نشانی تھی جو کہ

دلوں میں بصیرت پیدا کرنے کا ذریعہ تھی۔ لانھا مبصرۃ غیر عمیاء نہ کہ وہ آنکھوں سے دیکھنے والی یعنی نابینا نہیں تھی۔

تیسری مثال :

واشربوا فی قلوبھم العجل (البقرہ : ۹۳)ان (بنی اسرائیل) کے دلوں میں بچھڑا پلا دیا گیا ان کے کفر کی وجہ سے۔ یہاں بھی اشکال پیدا ہوتا ہے کہ دلوں میں بچھڑا کیسے راسخ ہوگیا؟ بنی اسرائیل کو بچھڑے کے ساتھ محبت تھی لہذا وہ اس کی پوجا کرتے تھے۔ یہاں پر بھی عجل سے پہلے حب کا لفظ محذوف ہے اور عبارت کا پورا مفہوم یوں ہے ای حب العجل ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت پلا دی گئی۔ اس طریقے سے یہ اشکال رفع ہوگیا۔

چوتھی مثال :

اقتلت نفساً زکیۃ بغیر نفس (الکھف : ۷۴) یہ موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے سفر کا واقعہ ہے۔ خضر علیہ السلام نے ایک بچے کو قتل کر دیا تو موسیٰ علیہ السلام بول اٹھے کیا تو نے ایک بے گناہ نفس کو بغیر نفس کے قتل کر دیا ہے۔ بظاہر یہ سوال بھی مبہم معلوم ہوتا ہے۔ دراصل یہاں قتل کا لفظ محذوف ہے اور پورا مفہوم یوں بنتا ہے ای بغیر قتل نفس (او فساد) یعنی تم نے ایک بے گناہ جان کو قتل کر دیا ہے حالانکہ اس نے تو کسی نفس کو قتل نہیں کیا جس کے قصاص میں اس کو قتل کیا گیا ہو۔ نہ ہی اس نے کوئی فساد برپا کیا ہے جس کے بدلے میں اسے قتل کیا گیا ہے۔ تو پورا مفہوم یوں ادا ہوتا ہے بغیر قتل نفس او بغیر فساد۔

پانچویں مثال :

من فی السماوات والارض (النمل : ۶۵) اس آیت میں اللہ کی ذات کے سوا علم غیب کی نفی کا ذکر ہے۔ پورا جملہ اس طرح ہے۔ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ نہیں جانتا غیب جو آسمانوں اور زمین میں ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ آیت کے ظاہری الفاظ سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ کسی ایسی ایک ہی ذات کے علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ جو بیک وقت آسمانوں اور زمین میں ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس

کی توجیہہ یہ پیش کرتے ہیں کہ یہاں پر والارض سے پہلے من فی محذوف ہے اور پورا مفہوم اس طرح ادا ہوتا ہے کہ نہیں غیب جانتا من فی السماوات جو کوئی بھی ہے آسمانوں میں ومن فی الارض اور جو کوئی بھی ہے زمین میں سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات سے۔ اس طریقے سے آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق کے بارے میں علم غیب کی نفی واضح ہوگئی۔ لا ان شیئـا واحدا هو فی السماوات والارض نہ کہ کسی ایک چیز کی جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔

چھٹی مثال :

ضعف الحیاة وضعف الممات (بنی اسرائیل : ۷۵) اس آیت میں حضور علیہ السلام کو خطاب ہے کہ اگر آپ کافروں کی بات کی طرف تھوڑا سا بھی مائل ہو جاتے تو ہم آپ کو دنیا کی زندگی میں بھی اور دوسری زندگی میں بھی دگنی سزا چکھاتے۔ یہاں بھی ظاہری الفاظ سے مطلب واضح نہیں ہوتا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حیات اور ممات سے پہلے عذاب کا لفظ محذوف ہے۔ ای ضعف عذاب الحیاة و ضعف عذاب الممات یعنی ہم آپ کو دنیا اور آخرت دونوں مقامات پر دگنے عذاب سے دوچار کرتے۔ اب مفہوم واضح ہوگیا۔

ساتویں مثال :

واسأل القریة (یوسف : ۸۲) آپ بستی سے پوچھ لیں۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے بھائی بن یامین کے مصر میں روکے جانے پر باپ کے سامنے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہماری بات کی تصدیق اس بستی سے کرلیں جس کے اندر ہم تھے یا ان قافلے والوں سے جن کے ساتھ ہم آئے ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بستی تو اینٹ روڑے، پتھر کا مجموعہ ہوتا ہے، اس سے کیسے کوئی چیز پوچھی جاسکتی ہے۔ دراصل یہاں پر القریة سے پہلے اهل کا لفظ محذوف ہے ای اهل القریة یعنی آپ بستی والوں سے پوچھ کر ہمارے دعوے کی تصدیق کرسکتے ہیں۔ اس طریقے سے یہ خفا دور ہو جاتا ہے۔

آٹھویں مثال :

بدلوا نعمة الله كفراً (ابراہیم : ۲۸) آیت کا آغاز اس طرح ہے۔ الم تر الی الذین بدلوا نعمة الله كفراً کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر کے ساتھ بدل دیا۔اس کا کیا مطلب ہے؟ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کی تاویل اس طرح کرتے ہیں۔ ای فعلوا مكان شكر نعمة الله كفراً یعنی انہوں نے شکر کے مقام میں اللہ کی نعمت کی ناشکر گزاری کی۔گویا یہاں پر مکان شکر کے الفاظ محذوف ہیں۔

نویں مثال :

یھدی للتی ھی اقوم (بنی اسرائیل : ۹) ہدایت دیتا ہے اس کی جو کہ زیادہ درست ہے۔اللہ تعالیٰ نے یہ جملہ قرآن پاک کے متعلق فرمایا ہے۔ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ یہ قرآن پاک ہے جو زیادہ درست کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں پر للتی کس موصوف کی صفت ہے؟ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ وضاحت فرماتے ہیں ای للخصلة التی ھی اقوم یعنی قرآن پاک اس خصلت کی طرف راہنمائی کرتا ہے جو کہ زیادہ بہتر ہے۔یا التی کا موصوف ملت بھی ہو سکتی ہے۔ ای ملة التی ھی اقوم یعنی قرآن پاک اس ملت یا دین کی طرف راہنمائی کرتا ہے جو زیادہ بہتر ہے۔جب تک یہ وضاحت سامنے نہیں آئے گی آیت کا مفہوم خفا میں رہے گا۔

دسویں مثال :

بالتی ھی احسن (حم سجدہ : ۳۴) آپ دور کریں اس کے ساتھ جو بہتر ہے یہاں بھی وہی اشکال ہے کہ وہ کون سی بہتر چیز ہے جس کے ساتھ ہٹائیں گے آیت کا سباق اس طرح ہے ولا تستوی الحسنة ولا السيئة ادفع بالتی ھی احسن یعنی نیکی اور برائی برابر نہیں ہیں آپ ہٹائیں (برائی کو) اس کے ساتھ جو بہتر ہے۔ یہاں پر بھی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ای بالخصلة التی ھی احسن یعنی اس خصلت کے ساتھ برائی کو روکیں جو بہتر ہے گویا یہاں پر التی کا موصوف خصلت محذوف ہے۔

گیارہویں مثال :

سبقت لھم منا الحسنٰی (انبیاء : ۱۰۱) وہ جن کے لئے ہماری طرف سے بھلائی پہلے ہو چکی ہے۔ اولٰئك عنھا مبعدون○ وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔ یہاں پر بھی حسنٰی کا موصوف محذوف ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ای الکلمۃ الحسنٰی والعدۃ الحسنٰی کہ اس سے مراد بھلائی کا کلمہ یا بھلائی کا وعدہ ہے جو اہلِ ایمان کے ساتھ پہلے ہو چکا ہے۔ جب حسنٰی کے موصوف کا پتہ چل گیا تو مسئلہ حل ہو گیا۔

بارہویں مثال :

علی ملك سلیمان (البقرہ : ۱۰۲) یہ اہلِ کتاب کی بات ہو رہی ہے کہ جب ہمارا آخری رسول ان کے پاس آ گیا تو انہوں نے اللہ کی آخری کتاب کو پس پشت ڈال دیا واتبعوا ما تتلوا الشیاطین علی ملك سلیمان اور اس چیز کی پیروی کی جو شیطان سلیمان علیہ السلام کی بادشاہی میں پڑھتے تھے۔ یہاں پر ملک سلیمان سے کیا مراد ہے ای علی عھد ملك سلیمان یعنی آپ کے عہد یا دور میں جو کچھ شیطان پڑھتے تھے اس کی پیروی کی۔ اور اس سے مراد سحر ہے جو جنات نے ان لوگوں کو سکھایا۔

تیرہویں مثال :

وعدتنا علی رسلك (آل عمران : ۱۹۴) جو تو نے ہم سے وعدہ کیا اپنے رسولوں پر۔ رسولوں پر ہم سے وعدہ کرنے کا کیا مطلب ہے؟ آیت کا سباق اس طرح ربنا وآتنا ماوعدتنا علی رسلك پروردگارا! ہمیں وہ چیز عطا کر جس کا تو نے اپنے رسولوں پر ہم سے وعدہ کر رکھا ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس اشکال کا حل فرماتے ہیں۔ ای علی السنۃ رسلك یعنی اپنے رسولوں کی زبانوں پر تو نے جو ہم سے وعدہ کر رکھا ہے اس کو ہمارے حق میں پورا فرمایا...... یہاں پر لفظ السنۃ جو مضاف ہے وہ محذوف ہے۔

چودھویں مثال :

انا انزلناه فی لیلة القدر (القدر : ۱) ہم نے اس کو قدر والی رات میں نازل کیا۔ ای انزلنا القرآن وان لم یسبق لہ ذکرہ اگرچہ ۂ کا مرجع پہلے ذکر نہیں کیا گیا مگر اس سے مراد قرآن پاک ہی ہے جس کو شب قدر میں نازل کیا گیا۔ پچھلی سورۃ العلق میں انسان کا ذکر کرنے کے بعد سورۃ القدر میں وحی الٰہی کا ذکر کیا ہے جو سب سے ضروری چیز ہے۔ یہ قرآن پاک ہے جس کی پیروی لازمی ہے۔

پندرھویں مثال :

حتی توارت بالحجاب (ص : ۳۲) یہاں تک کہ پردے میں چلا گیا۔ یہ سلیمان علیہ السلام کا ذکر ہے۔ آپ کے سامنے تیز رفتار گھوڑے پیش کئے گئے آپ گھوڑوں کی طرف دیکھتے رہے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں شمس محذوف ہے اور پورا جملہ اس طرح ہے ای توارت الشمس یعنی سورج ڈوب گیا اور آپ کو بڑا افسوس ہوا کہ نمازِ عصر کا وقت جاتا رہا۔

سولہویں مثال :

وما یلقھا (حم : ۳۵) اور نہیں ڈالی یہ چیز یہاں پر ھا کی ضمیر صبر کی طرف جاتی ہے جیسا کہ آیت کے اگلے حصے سے ظاہر ہے۔ اسی لئے شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں ای خصلة الصبر کہ اس سے مراد صبر کی خصلت ہے۔

سترہویں مثال :

وعبد الطاغوت (المائدہ : ۶۰) اور طاغوت کی پوجا کی۔ اہلِ کتاب کا ذکر ہے جس پر اللہ نے لعنت کی ہے اور اس پر غضب کیا ہے۔ ان میں سے بعض کو بندروں اور خنزیروں کی شکلوں میں متشکل کر دیا۔ اور بعض ان میں سے وہ تھے جنہوں نے طاغوت کی پوجا کی تھی۔ فمن قرأ بالنصب ای جعل منھم من عبد الطاغوت گویا طاغوت کی پوجا کرنے والوں سے بھی اہل کتاب مراد

ہیں۔

اٹھارہویں مثال :

فجعله نسباً وصهراً (الفرقان : ۵۴)اور بنادیا اس کونسب اور دامادی۔ یہاں پر لهٗ محذوف ہے۔ ای جعل له نسبا وصهراً یعنی انسان کو پیدا کیا پھر اس کے لئے نسب یعنی والدین اور اولاد بنادی اور سسرال کے رشتے قائم کردیئے۔ فجعل کے بعد لهٗ لگانے سے اشکال رفع ہوجائے گا۔

انیسویں مثال :

واختار موسی قومه (الاعراف : ۱۵۵)اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو منتخب کیا ستر آدمی دعوے کی جگہ پر جانے کے لئے۔ یہاں پر قومه سے پہلے من محذوف ہے۔ اس کو لانے سے مفہوم واضح ہوجائے گا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں سے ستر آدمیوں کا انتخاب کیا۔

بیسویں مثال :

الا ان عاداً کفروا ربهم (ہود : ۶۰)تحقیق قوم عاد نے اپنے رب کا کفر کیا۔ پروردگار کا کفر کرنے کا کیا مطلب ہے؟ ای کفروا نعمة ربهم یعنی انہوں نے اپنے رب کی نعمتوں کا انکار کیا۔ او کفروا بربهم بنزع الخافض یا خود اللہ تعالیٰ کا انکار کردیا۔ دونوں طرح درست ہے۔

اکیسویں مثال :

تفتؤا (یوسف : ۸۵)آپ ہمیشہ رہیں گے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف سے حضرت یوسف علیہ السلام کی بار بار یادآوری پر دوسرے بیٹوں نے کہا تھا تفتؤا تذکر یوسف حتی تکون حرضاً او تکون من الھٰلکین○ آپ یوسف علیہ السلام کا ہمیشہ تذکرہ کرتے رہیں گے یہاں تک کہ گھل جائیں یا ہلاک ہوجائیں۔ ای لا تفتؤا ومعناه لاتزال یہاں پر لا محذوف ہے۔ یعنی لا تفتؤا اور یہ لا تزال کے معنیٰ میں آتا ہے یعنی زوال نہیں آئے گا۔ دراصل بیٹے یہ کہنا چاہتے تھے کہ یوسف علیہ السلام کو بچھڑے ہوئے چالیس سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے، آپ اس کو خواہ مخواہ یاد کرتے

رہتے ہیں اب تک وہ کہیں مرکھپ گیا ہوگا۔ لہٰذا اس کا خیال چھوڑ دیں۔

بائیسویں مثال :

ما نعبدھم الالیقربونا الی اللہ زلفی (الزمر : ۳) ہم نہیں عبادت کرتے ان کی مگر اس لئے کہ یہ ہمیں اللہ کا قرب دلائیں یہاں پر یقولون کا لفظ محذوف ہے ای یقولون ما نعبدھم یعنی وہ (مشرک لوگ) کہتے ہیں کہ ہم تقرب الٰہی کے لئے غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔

تئیسویں مثال :

ان الذین اتخذوا العجل (اعراف : ۱۵۲) جنہوں نے بچھڑے کو پکڑا۔ یہاں پر آخر میں العجل کے بعد الھا محذوف ہے جو کہ مفعول بنتا ہے۔ ای الذین اتخذوا العجل الھاً یعنی جنہوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا ان کو اپنے پروردگار کی طرف سے غضب پہنچے گا اور دنیا کی زندگی میں بھی ذلت سے دوچار ہوں گے۔

چوبیسویں مثال :

تاتوننا عن الیمین (الصّٰفّٰت : ۲۸) پوری آیت یوں ہے۔ قالوا انکم کنتم تاتوننا عن الیمین○ گمراہ لوگ اپنے پیش رووں سے کہیں گے کہ تم ہمارے پاس دائیں طرف سے آئے تھے۔ یہاں پر وعن الشمال محذوف ہے۔ یعنی تم ہمارے پاس دائیں بائیں ہر طرف سے آئے اور گمراہی کے راستے پر ڈال دیا۔

پچیسویں مثال :

فظلتم تفکھون انا لمغرمون (واقعہ : ۶۵، ۶۶) اللہ تعالیٰ نے اپنی کھیتی اگانے سے متعلق اپنی قدرت کا اظہار فرمایا ہے۔ پوری آیت یوں ہے لو نشاء لجعلنٰہ حطاماً اگر ہم چاہیں تو تیار پکی ہوئی کھیتی کو ملیامیٹ کردیں فظلتم تفکھون○ اور تم باتیں بناتے رہو۔ کیا جو انا لمغرمون○ بے شک ہم پر تاوان ڈال دیا گیا ہے۔ یہاں پر دوسری آیت کے آغاز میں تقولون کا لفظ محذوف ہے۔ یعنی وہ لوگ کہیں گے کہ ہم پر تاوان ڈال دیا گیا ہے یا ہم محروم کردیئے

گئے ہیں۔

چھبیسویں مثال :

لو نشاء لجعلنا منکم ملائکة (الزخرف : ٦٠) اگر ہم چاہتے تو تم میں سے فرشتے بنا دیتے یہاں انسانوں کو فرشتوں میں تبدیل کرنا مراد نہیں بلکہ ای بدل منکم یعنی تمہارے بدلے میں فرشتوں کو لے آتے۔ یہ مراد ہے۔

ستائیسویں مثال :

کما اخرجك ربك (الانفال : ۵) جس طرح نکالا آپ کو آپ کے پروردگار نے آپ کے گھر سے حق کے ساتھ۔ اور بے شک ایمان والوں میں سے ایک گروہ اس کو ناپسند کرتا تھا۔ اس کما سے کیا مراد ہے اور یہ کیا معنی دیتا ہے؟ ای امض یعنی نکل کھڑے ہوں اس راستے پر اس کام کے لئے یعنی جہاد کے لئے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔

حذف کے تعین کے لئے دلالت کی اہمیت :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مزید وضاحت فرماتے ہیں۔ ولیعلم ان حذف خبر ان، او جزاء الشرط او مفعول الفعل، او مبتدأ الجملة، وما اشبه ذلك مطرد فی القرآن یہ بھی جان لینا چاہیے کہ اِنَّ کی خبر، یا شرط کی جزا، یا کسی فعل کا مفعول یا کسی جملہ کا مبتدا یا اسی طرح کی دوسری چیزوں کا حذف قرآن پاک کا ایک عام معمول ہے۔ مطرد ایسی حقیقت کو کہتے ہیں جس کو قانونی شکل حاصل ہو اور اس میں تخلف نہ ہو۔

بہرحال شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ متذکرہ حذف اس مقام میں ہوتا ہے اذا کان فیما بعد دلالة علی حذفه جہاں بعد میں اس حذف پر دلالت بھی موجود ہو۔ اگر بعد میں متذکرہ حذف سے متعلق کوئی دلیل نہ پائی جائے تو وہاں حذف کا تعین کرنا مشکل ہو جائے گا۔ بہرحال قرآن پاک میں احذاف کے ایسے بہت سے مقامات آپ کے مشاہدہ میں آئیں گے...... مثلاً

پہلی مثال :

ولو شاء لهداكم اجمعين (انعام : ۱۴۹) اگر وہ چاہے تو تم سب کو ہدایت دے دے یہاں پر مفعول حذف ہے اور پورا جملہ اس طرح ہونا چاہیے ولو شاء هدايتكم لهداكم اگر اسے تمہاری ہدایت منظور ہو تو تم سب کو ہدایت نصیب کر دے۔

دوسری مثال :

الحق من ربك (البقرہ : ۱۴۷) حق ہے تیرے رب کی طرف سے۔ اس میں مبتدا محذوف ہے ای هٰذا الحق من ربك یعنی یہ حق ہے تیرے پروردگار کی طرف سے۔

تیسری مثال :

لايستوى منكم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئك اعظم درجة من الذين انفقوا من بعد وقاتلوا (الحدید : ۱۰) تم میں سے وہ لوگ برابر نہیں ہیں جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا، ان کے درجات بلند ہیں ان لوگوں سے جنہوں نے خرچ کیا بعد میں اور جہاد کیا۔ یہاں پر جملے کی خبر محذوف ہے۔ ای لا يستوى من انفق من قبل الفتح ومن انفق من بعد الفتح یعنی نہیں برابر جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا ان سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا۔ فحذف الثانى لدلالة قوله :اولئك اعظم درجة من الذين انفقوا من بعد کہتے ہیں کہ حذف ثانی اولٰئك اعظم درجة من الذين انفقوا من بعد کی دلیل سے سمجھ میں آتی ہے۔

چوتھی مثال :

واذا قيل لهم اتقوا ما بين ايديكم وما خلفكم لعلكم ترحمون○ وما تاتيهم من آية من آيات ربهم الا كانوا عنها معرضين○ (یٰسین : ۴۵، ۴۶) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ڈرو اس چیز سے جو تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے آنے والی ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے ○ اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے رب کی نشانیوں میں سے مگر اس سے اعراض

کرنے والے ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کی توجیہہ اس طرح فرماتے ہیں۔

ای اذاقیل لهم : اتقوا مابین ایدیکم وما خلفکم اعرضوا یعنی جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اپنے سامنے اور پیچھے آنے والی چیز سے ڈر جاؤ تو وہ بے رخی اختیار کر لیتے ہیں۔ یہاں پر اعرضوا کا لفظ محذوف ہے جس پر آیت ثانیہ دلالت کر رہی ہے۔

تعجب یا تخویف کے اظہار کے لئے :

ولیعلم ایضاً : ان الاصل فی مثل (واذ قال ربك للملائكة) (واذ قال موسی) ان یکون "اذ" ظرفاً لفعل من الافعال، ولٰكنه نقل ھٰھنا لمعنی التهويل والتخويف شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ متذکرہ مثال اذ قال ربك یا اذ قال موسی میں لفظ اذ کسی فعل کا ظرف ہے یعنی اس کا تعلق کسی فعل کے ساتھ ہونا چاہیے مگر اس مقام پر اس فعل کا ذکر ہی نہیں کیا گیا۔ بلکہ یہاں تو کسی چیز کی ہولناکی بیان کرنا یا اس کا خوف دلانا مقصود ہے۔ فمثل ذلك مثل من یذکر المواضع الهالكة او الوقائع الهائلة علی سبیل التعداد من غیر ترکیب جملة ومن غیر وقوعها فی حیز الاعراب، بل المقصود، من ذکرها ان ترسم صورتها فی ذهن المخاطب لہٰذا اس کی مثال ایسے سمجھ لو جیسے کوئی شخص خوفناک مقامات یا خوفناک واقعات کا گنتی کے طور پر ذکر کرتا ہے تو اس میں جملے کی ترکیب نہیں پائی جاتی بلکہ ایسے ہی بے ہنگم طریقے سے ذکر کر دیتا ہے تاکہ مخاطب کے ذہن میں اس مقام یا واقعہ کی صورت بیٹھ جائے۔ ویستولی من تلك الحادثة خوف علی ضمیره اور اس حادثہ سے اس کے دل پر خوف طاری ہو جائے۔ فالتحقیق انه لا یلزم فی مثل هٰذه المواضع تفتیش العامل، واللہ اعلم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق بات یہ ہے کہ ایسے مقام پر کسی عامل کا تلاش کرنا ضروری بھی ضروری نہیں ہے کہ یہ فلاں عامل کے متعلق ہے کیونکہ یہ مقام ہی اظہار تخویف کا ہوتا ہے لہٰذا اس کو اسی طرح رہنے دیں تو بہتر ہے۔ وگرنہ اگر یہ نفس الامر اور واقعہ کی تفتیش کریں گے تو اس ظرف کا کوئی فعل نکال کر اس کے ساتھ جوڑنا پڑے گا۔

ان مصدریہ سے حرف جارہ کا حذف :

ولیعلم ایضاً ان حذف الجار من أن المصدرية مطرد فی کلام العرب والمعنی لان "او بان" او وقت ان۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ بھی خوب جان لینا چاہیے کہ "ان" مصدریہ میں سے حرف جارہ کا حذف عربی زبان کا عام قانون ہے اور معنی بہرحال لان، بان یا وقت ان ہی ہوتا ہے۔ یہ بھی آیاتِ قرآنی میں عام طور پر مشاہدہ میں آتا ہے۔

جواب شرط کا حذف :

ولیعلم ایضاً الاصل فی مثل : (ولو تری اذا الظالمون فی غمرات الموت)، (ولو یری الذین ظلموا اذ یرون العذاب) ان یحذف جواب الشرط، لکن صار هٰذا الترکیب منقولاً لمعنی التعجب مخاطب: یہ بھی جان لینا چاہیے کہ اگر تم دیکھتے جب لوگ موت کی سختی میں ہوں گے یا جب ظلم کرنے والے عذاب کو دیکھیں گے۔ یہاں پر جواب شرط کو محذوف مان لیا جائے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ترکیب تو تعجب پیدا کرنے کے لئے اختیار کی گئی ہے فلا حاجة الی تفتیش المحذوف ، واللہ اعلم۔ لہٰذا محذوف کی تحقیق کرنا ضروری نہیں رہا جس کے ساتھ اس کو متعلق کیا جائے۔

اس فصل میں نظم قرآنی میں خفا پیدا کرنے والے مباحث میں سے حذف کا ذکر کیا ہے اور بعض مثالیں بھی بیان کی ہیں۔ تاہم آپ ایسے بہت سے مواقع قرآن میں پائیں گے۔

واما الابدال فانه تصرف كثير الفنون ...... الى ...... (مثلهم كمثل الذى استوقد ناراً فلما اضاء ت ماحوله ذهب الله بنورهم)۔ (ص۳۴ تا ص۳۵)۔

ربط مضمون :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان اسباب کا ذکر کر رہے ہیں جن کی وجہ سے کلام میں خفا پیدا ہوتا ہے اور ایسے لفظ یا جملے کی توجیہہ کئے بغیر اس کا سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ گزشتہ درس میں حذف کا بیان ہوا تھا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سی مثالیں دے کر سمجھایا کہ یہ حذف کبھی مضاف میں ہوتا ہے، کبھی موصوف میں کبھی کسی دوسرے متعلق میں۔ اب آج کے درس میں خفا بذریعہ ابدال کا ذکر ہے۔ ایک لفظ کا دوسرے لفظ کی جگہ، ایک حرف کا دوسرے حرف کی جگہ یا ایک جملے کا دوسرے جملہ کی جگہ بدلنے سے بھی کلام میں خفا آ جاتا ہے۔ جس کا حل کرنا ضروری ہوتا ہے ورنہ کلام کا ٹھیک ٹھیک مفہوم ذہن میں نہیں بیٹھتا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں واما الابدال فانه تصرف كثير الفنون ابدال ایک تصرف ہے جو مختلف صورتوں پر آتا ہے۔ قد يذكر فعل مكان فعل لاغراض شتى کبھی ایک فعل کو دوسرے فعل کی جگہ ذکر کیا جاتا ہے جس کے بہت سے اغراض ہوتے ہیں۔ کبھی ایک فعل کی جگہ دوسرا فعل کبھی مفرد کی جگہ جمع یا جمع کی جگہ مفرد یا مذکر کی جگہ مؤنث اور مؤنث کی بجائے مذکر کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔ تاہم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وليس استقصاء ذكر تلك الاغراض من وظيفة هٰذا الكتاب کہ اس مضمون کو مختصر طور پر ہی بیان کیا جائے گا کیونکہ اس مسئلہ کی پورے طریقے سے چھان بین کرنا یا اس کی پوری تفصیل بہم پہنچانا اس مختصر کتاب کا مقصد نہیں ہے۔ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر نامی اس مختصر رسالے میں تو موٹے موٹے اصولوں کی گنجائش ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سمجھنے اور اس کے نظم کو جاننے کے لئے لکھا گیا ہے۔ مکمل تفصیلات تو علم معانی اور تفسیروں کی بڑی بڑی کتابوں میں ہی دیکھی جا سکتی ہیں۔ بہرحال شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ابدال کی کچھ مثالیں یہاں پیش کی ہیں تاکہ اس کی حقیقت کا ادراک ہو سکے۔

مثال نمبر ۱ :

اھذا الذی یذکر آلھتکم (انبیاء : ۳۶) کیا یہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے۔ جب مشرک حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پکڑ کر لے آئے تو کہنے لگے، کیا یہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام محض ذکر تو نہیں کرتے تھے بلکہ بتوں کے متعلق کہتے رہتے تھے کہ یہ تو بے جان مجسمے ہیں جو کسی چیز کے مالک نہیں ہیں۔ اور نہ ہی ان کا کوئی اختیار ہے یہ نہ کسی کی مدد کر سکتے ہیں، نہ کسی کو کچھ دے سکتے ہیں اور نہ کسی کی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کی ان حقیقی باتوں کو مشرک لوگ گالی سے تعبیر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ شخص ہمارے معبودوں کو گالیاں دیتا ہے۔ کان اصل الکلام : اھذا الذی یسب گویا مشرک اصل میں یہ کہنا چاہتے تھے کہ کیا یہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کو گالیاں دیتا ہے؟ البتہ ہم اس کا مفہوم بھی اس طرح بیان کریں گے یذکر آلھتکم بسوء تمہارے معبودوں کا برائی کے ساتھ ذکر کرتا ہے مگر وہ خود اس کو گالی کہتے تھے۔ ولکن کرہ ذکر السب فابدال بالذکر چونکہ انہوں نے گالی کا ذکر کرنا پسند نہ کیا لہٰذا اس کے بجائے ذکر کا لفظ کہہ دیا۔

ومن ھٰذا القبیل ما یقال فی العرف عرض الشئ لا عداء فلان والمراد لفلان یہ بھی اسی قسم کا ایک محاورہ ہے کہ یہ عارضہ فلاں آدمی کو لاحق ہو۔ جیسے کہتے ہیں، ''نصیب دشمناں'' خدا کرے کہ تجھے بخار نہ آئے بلکہ یہ تیرے دشمنوں کو آ جائے۔ مطلب یہ کہ نام تو کسی کا لیا جاتا ہے مگر مراد کوئی اور ہوتا ہے۔

ویقولون شرفنا بالمجی عبید الحضرۃ او عبید الجناب العالی مطلعون علی ھذا المقدمۃ والمراد تشریف الجناب العالی واطلاع الجناب العالی بعض اوقات محاورتاً یوں بھی کہتے ہیں، شرف بخشا ہے ہمیں آنے کے ساتھ یا ہم نے شرافت حاصل کی ہے بارگاہ کے غلام کے آنے کی۔ حضرت دربار کو کہتے ہیں اور جناب کا معنیٰ بھی یہی ہے۔ اور جناب عالی کے غلام بھی اس بات کو جانتے ہیں۔ گویا خود آقا کو بھی اس کا علم ہے لیکن اس کو غلاموں کی طرح مطلب کر کے بیان کر دیتے ہیں۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ اس کی مثال بیان کرتے ہیں۔

مثال نمبر ۲ :

(منا لا یصحبون) ہماری طرف سے ان کی رفاقت نہیں ہوگی۔ ای منا لا ینصرون یعنی ہماری طرف سے ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ لما کانت النصرة لا تتصور بدون الاجتماع والصحبة ذکر یصحبون بدله چونکہ اجتماع اور صحبت کے بغیر مدد کا تصور نہیں کیا جا سکتا ہے، لہذا یہاں پر مدد کی بجائے صحبت کا ذکر کر دیا گیا ہے۔

مثال نمبر ۳ :

ثقلت فی السمٰوٰت والارض (اعراف : ۱۸۷) پوشیدہ ہوئی قیامت آسمانوں اور زمین پر ای خفیت یعنی پوشیدہ ہوئی۔ مگر لفظ خفیت کو ثقلت کے ساتھ بدل دیا گیا لان الشئ اذا خفی علمه ثقل علی اهل السماوات والارض کیونکہ جب کوئی چیز پوشیدہ ہو جاتی ہے تو سب پر مشکل ہو جاتی ہے، نہ آسمانوں والے مقرب فرشتے اس کو جان سکتے ہیں اور نہ ہی زمین کی کوئی مخلوق اس کا علم حاصل کر سکتی ہے۔ غرضیکہ وقوع قیامت کا علم نہ کسی آسمان والے کو ہے، نہ کسی زمین والے کو، سب پر مخفی ہے۔

مثال نمبر ۴ :

فان طبن لکم عن شئ منه نفساً (النساء : ۴) اور اگر وہ خوشی خاطر سے تمہیں اس میں سے کچھ معاف کر دیں۔ یہ عورتوں کے حق مہر کا ذکر ہے، مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ عورتوں کو ان کے مقررہ مہر خوشی سے ادا کر دو۔ ہاں اگر وہ اپنی رضا مندی سے مقررہ مہر میں سے کچھ حصہ آدھا، تہائی، چوتھائی وغیرہ بخوشی خاطر معاف کر دیں تو تم لے سکتے ہو، وہ تمہارے لئے جائز ہے۔ ای عفون لکم عن شئ عن طیبة من نفوسهن یعنی تمہارے لئے معاف کر دیں کوئی چیز اپنے دلوں کی خوشی سے اصل میں یہ لفظ عفون تھا جسے طبن کے ساتھ تبدیل کر دیا گیا ہے۔ مہر عورت کا حق ہے اور وہ اس میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتی ہے، اس کے کسی عزیز، باپ، بھائی وغیرہ کو عورت سے مہر طلب کرنے کا قطعاً حق نہیں پہنچتا۔ البتہ اگر عورت اپنی خوشی خاطر سے کچھ حصہ عطا کر دے تو

درست ہے۔ چونکہ اس میں دل کی خوشی کی بات کا ذکر ہے، اس لئے عفون کی بجائے طبن کا لفظ ذکر کیا گیا ہے۔

مثال نمبر ۵ :

وقد یذکر اسم مکان اسم اور کبھی ایک اسم کو دوسرے اسم کی جگہ ذکر کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً فظلت اعناقھم لھا خاضعین (الشعراء : ۴) یہ حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسلی دی جارہی ہے کہ کفار کے ایمان نہ لانے کے غم میں شاید آپ اپنا گلا ہی نہ گھونٹ دیں گے۔ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان کی طرف سے ایسی نشانی اتاریں کہ ہو جائیں ان کی گردنیں ان کے سامنے دبنے والی۔ گردن چونکہ مؤنث کا صیغہ ہے تو اس کے لئے خاضعین کی بجائے مؤنث کا صیغہ خاضعات ذکر ہونا تھا مگر یہاں پر مذکر کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے۔

مثال نمبر ۶ :

فکانت من القانتین (التحریم : ۱۲) حضرت مریم رضی اللہ عنہا بہت زیادہ عبادت کرنے والوں میں سے تھی۔ یہاں پر حضرت مریم کے ساتھ مؤنث کا صیغہ قانتات آنا تھا مگر اس کی بجائے قانتین یعنی مذکر کا صیغہ ذکر کر دیا ہے۔ اس قسم کی تبدیلی بھی بغیر حکمت الٰہی کے نہیں ہوتی۔ حضرت مریم رضی اللہ عنہا بڑی عبادت گزار بندی تھیں۔ ان کے حق میں مذکر کا صیغہ ذکر کرنے میں ہی حکمت سمجھ میں آتی ہے کہ حضرت مریم کسی کامل ترین مرد کی عبادت واطاعت سے کسی بھی طرح کم نہیں تھیں۔ واللہ اعلم۔ بہرحال ابدال کسی نہ کسی غرض کے لئے ہوتا ہے۔

مثال نمبر ۷ :

فَمَا لَهُمْ من نَاصِرِيْنَ (الروم : ۲۹) نہیں ہوگا ان کے لئے مدد کرنے والوں میں سے۔ ای من ناصر یعنی مدد کرنے والا۔ یہاں پر ناصر کی جگہ جمع کا صیغہ ناصرین ذکر کیا گیا ہے۔

مثال نمبر ۸ :

فما منکم من احد عنہ حاجزین (الحاقہ : ۴۷) پس نہیں ہے تم میں سے کوئی بھی

اسے روکنے والا۔ یہاں بھی مفرد کا صیغہ حاجز کی بجائے جمع کا صیغہ حاجزین ذکر کیا گیا ہے۔ اصل میں یہ عنه حاجز کا معنی دیتا ہے۔

مثال نمبر ۹ :

وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ○ (العصر : ۱،۲) زمانے کی قسم ہے کہ بیشک انسان خسارے میں ہے۔ یہاں پر انسان سے مراد ای افراد بنی آدم اولادِ آدم کے سارے افراد ہیں افراد اللفظ لانه اسم جنس اور انسان کو مفرد اس لئے لائے ہیں کہ وہ اسمِ جنس ہے۔ یعنی تمام انسان خسارے میں ہیں سوائے ان چار اقسام کے جو ایمان لائے، اعمالِ صالحہ انجام دیئے، حق کی وصیت کی اور صبر کی تلقین کی۔

مثال ۱۰ :

يَا اَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا ○ (الانشقاق : ۶) اے انسان! تو بڑی مشقت برداشت کر کے اپنے رب تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے والا ہے۔ المعنی یا بنی آدم انکم یہاں بھی ایک انسان سے مراد پوری بنی نوع انسان ہے افرد اللفظ لانه اسم جنس اور انسان کو مفرد اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ اسمِ جنس ہے۔

مثال ۱۱ :

وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ○ (الاحزاب : ۷۲) اور اس کو انسان نے اٹھایا۔ یہ قرآن پاک کی امانت کو اٹھانے کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر یہ بار امانت پیش کیا تو انہوں نے انکار کر دیا اور ڈر گئے مگر انسان نے اس کو اٹھالیا۔ یعنی افراد الناس یہاں بھی کوئی ایک انسان مراد نہیں بلکہ پوری نسل انسانی مراد ہے اور اسم جنس ہونے کی وجہ سے مفرد کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے۔

مثال ۱۲ :

كذبت قوم نوح المرسلين (الشعراء : ۱۰۵) قومِ نوح نے رسولوں کا انکار کر دیا۔ اس دور میں نوح علیہ السلام کے علاوہ کوئی دوسرا رسول موجود ہی نہیں تھا مگر یہاں پر مرسلین جمع کا صیغہ ذکر کیا ہے۔

ای نوحاً وحدہ مگر مراد اکیلے نوح علیہ السلام ہی ہیں۔اس میں مصلحت یہ ہے کہ کسی ایک رسول کا انکار بھی تمام رسولوں کے انکار کے مترادف ہی ہے کیونکہ ایک نبی کا دین دوسرے نبی کا دین ہوتا ہے گویا قومِ نوح علیہ السلام نے تمام رسولوں کو جھٹلا دیا۔اس مصلحت کی خاطر واحد کی بجائے جمع کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے۔

مثال نمبر ۱۳ :

اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ ○ (الفتح : ۱) بے شک ہم نے فتح دی ہے آپ کو کھلی فتح۔ یہاں پر مفرد کی بجائے جمع کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے۔مفہوم یہ ہے ای انی فتحت لك میں نے آپ کو فتح دی ہے۔

مثال نمبر ۱۴ :

انا لقادرون (المعارج : ۴۰) یعنی ہم قدرت رکھتے ہیں۔ یہاں بھی مفرد کی بجائے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔اصل میں انی لقادر ہے۔

مثال نمبر ۱۵ :

ولکن اللہ یسلط رسلہ (الحشر : ٦) یہاں بھی رسل جمع کا صیغہ آیا ہے حالانکہ ولکن اللہ یسلط محمد صلی اللہ علیہ وسلم مقصود ہے۔

مثال نمبر ۱٦ :

الذین قال لھم الناس (آل عمران : ۱۷۳) یہاں پر الناس کا لفظ ذکر کر کے عام لوگوں کی بات ذکر کی گئی ہے حالانکہ اس سے مراد عروۃ الثقفی وحدہ صرف ایک شخص عروہ ابن مسعود ثقفی ہے جس نے مشرکوں کے بارے میں بتلایا تھا۔

مثال نمبر ۱۷ :

فاذاقھا اللہ لباس الجوع (النحل : ۱۱۲) خدا تعالیٰ نے ناشکر گزار بستی والوں کو بھوک کا لباس پہنایا ای طعم الجوع یہاں پر لباس سے مراد بھوک کا ذائقہ ہے۔خوشحال بستی پر اللہ نے قحط مسلط کر دیا۔ طعم کی بجائے لباس اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ جس طرح لباس سارے جسم پر مشتمل

ہوتا ہے، اسی طرح بھوک بھی سارے جسم پر حاوی ہو جاتی ہے اور جسم کمزور ہو کر لباس کی طرح ہی چپک جاتا ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ابدال الطعم باللباس ایذاناً بان الجوع له اثر من النحول والذبول یعم البدن ویشمله کاللباس کہ بھوک کی وجہ سے انسانی جسم میں کمزوری آجاتی ہے، چربی پگھل جاتی ہے، گوشت کم ہو جاتا ہے اور جس طرح لباس سارے جسم پر مشتمل ہوتا ہے، اسی طرح بھوک بھی سارے جسم پر مسلط ہوتی ہے لہٰذا بھوک کے بجائے لباس کا ذکر کیا گیا ہے۔

مثال نمبر ۱۸ :

صبغة الله (البقرہ : ۱۳۸) اللہ تعالیٰ کا رنگ ای دین الله یعنی اللہ کا دین۔ ابدل بالصبغة ایذاناً بانه کالصبغ تتلون به النفس، اولتشاکله بقول النصاری فی العمودیة دین کی بجائے رنگ اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ دین بھی رنگ کی مانند ہی ہے جس طرح کپڑے کو رنگ دینے سے ظاہری تبدیلی نظر آتی ہے اسی طرح دین کا بھی ایک رنگ ہوتا جو دیندار آدمی میں نمایاں ہوتا ہے۔ اس کا قول، فعل، عمل، وضع قطع عام لوگوں سے الگ ہوتی ہے، اس لئے یہاں پر دین کی بجائے رنگ ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ عیسائی لوگ جب کسی کو نصرانی بناتے ہیں تو اسے عمودیہ نامی رنگ میں غوطہ دیتے ہیں۔ اس قسم کی بات ہندوؤں میں بھی پائی جاتی ہے۔ جب ان کی کوئی چیز خاص طور پر کھانا پکانے کی جگہ کسی مسلمان کے مس ہو جانے سے بقول ان کے ناپاک ہو جاتی ہے تو اسے پاک کرنے کے لئے اس پر گائے کے گوبر اور پیشاب کا لیپ کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک گائے ایک پوتر (پاک) جانور ہے اور اس کا بول و براز نہ صرف پاک ہے بلکہ دوسری چیزوں کو بھی پاک کر دیتا ہے۔

مثال نمبر ۱۹ :

وطور سینین (التین : ۲) اور قسم ہے طور سیناء کی۔ ای طور سیناء یہاں بھی سیناء کی بجائے جمع کا صیغہ سینین ذکر کیا گیا ہے۔ مقصد طور پہاڑ ہی ہے۔

مثال نمبر ۲۰ :

سلام علی الیاسین (الصفت : ۱۳۰) سلامتی ہو الیاسین پر۔ یہاں پر دو ناموں کو جمع کر کے ایک بنا دیا گیا ہے اور مراد الیاس علیہ السلام ہیں۔ ایسے موقع پر کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہوتی ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہی وجہ بیان کی ہے۔ قلب الاسمان للازدواج یعنی دو ناموں کو جمع کر دیا گیا ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ابدال کی ایک یہ صورت بتلاتے ہیں وقد یذکر حرف مکان حرف بعض اوقات ایک حرف کو دوسرے حرف کی جگہ ذکر کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً :

مثال نمبر ۲۱ :

فلما تجلی ربه للجبل (اعراف : ۱۴۳) جب تجلی فرمائی اس کے رب نے پہاڑ پر۔ یہاں پر علی کی بجائے ل ذکر کر دیا گیا ہے جو کہ حرف کی تبدیلی ہے۔ اللہ نے کوہِ طور پر اسی طرح تجلی فرمائی کما تجلی فی المرة الاولی علی شجرة جیسا کہ پہلی مرتبہ درخت پر تجلی فرمائی تھی۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب موسیٰ علیہ السلام قوم کے ستر آدمیوں کو لے کر طور پر گئے۔ انہوں نے بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے تجلی ڈالی تو موسیٰ علیہ السلام سمیت سب بے ہوش ہو گئے۔ پھر توبہ کی اور معافی مانگی تو وہ لوگ بھی مان گئے۔

مثال نمبر ۲۲ :

وهم لها سابقون (المؤمنون : ۶۱) قیامت کے دن وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے جائیں گے یہاں پر الیها کی بجائے لها ذکر کر کے الیٰ کو ل سے بدل دیا گیا ہے۔

مثال نمبر ۲۳ :

لا یخاف لدی المرسلون ○ (النمل : ۱۰) رسول میرے سامنے خوف نہیں کھاتے۔ مگر جس نے ظلم کیا، خوف تو وہ کھاتا ہے۔ یہ استثناء متصل نہیں بلکہ منقطع ہے ای لکن من ظلم استئنافاً یعنی وہ خوف کھائے گا جس نے علیحدہ کلام کیا۔

مثال نمبر ۲۴ :

لاصلبنكم في جذوع النخل (طٰہٰ : ۷۱) کھجوروں کے تنوں پر تم کو سولی دوں گا۔ یہاں پر علٰی کی بجائے فی ذکر کیا گیا ہے۔ ای علی جذوع النخل یعنی کھجوروں کے تنے کے اوپر۔

مثال نمبر ۲۵ :

ام لهم سلم يستمعون فيه (الطّور : ۳۸) کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر عالم بالا کی خبریں معلوم کرتے ہیں۔ ای يستمعون عليه یہاں بھی علیہ کی بجائے فیہ ذکر کیا گیا ہے۔

مثال نمبر ۲۶ :

السماء منفطر به (المزمل : ۱۸) اس دن آسمان پھٹ جائے گا۔ ای منفطر فيه یہاں صحیح حرف فیہ تھا جس کی بجائے به ذکر کیا گیا ہے۔

مثال نمبر ۲۷ :

مستكبرين به (المؤمنون : ۶۷) ای عنه یہاں بھی درست حرف عنه ہے جس کی بجائے به استعمال کیا گیا ہے۔

مثال نمبر ۲۸ :

اخذته العزة بالاثم (البقرہ : ۲۰۶) امادہ کیا اس کو تکبر نے گناہ پر۔ یہاں پر ای حملته العزة على الاثم کا مفہوم ہے۔ گویا حملته کی بجائے اخذته ذکر کیا گیا ہے۔

مثال نمبر ۲۹ :

فاسئل به خبيراً (الفرقان : ۵۹) اس کے بارے میں خبر رکھنے والی ہستی سے دریافت کریں۔ ای فاسئل عنه یعنی به کی بجائے عنه مناسب حرف ہے جو کہ به کے ساتھ بدل دیا گیا ہے۔

مثال نمبر ۳۰ :

لا تاکلوا اموالهم الی اموالکم (النسآء : ۲) ان یتیموں کا مال اپنے مالوں کے ساتھ مت کھاؤ۔ ای مع اموالکم یہاں پر صحیح حرف مع ہے جس کی بجائے آیت میں الیٰ استعمال کیا گیا ہے یعنی الیٰ کی بجائے مع ہونا چاہیے تھا۔

مثال نمبر ۳۱ :

الی المرافق (المائدہ : ٦) وضو کرتے وقت اپنے بازو کہنیوں تک دھولو۔ ای مع المرافق یہاں بھی الی کی بجائے مع آنا چاہیے تھا یعنی اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو۔

مثال نمبر ۳۲ :

یشرب بها عباد الله (الدهر : ٦) اس چشمہ سے اللہ کے خاص بندے پئیں گے۔ ای یشرب منها یعنی اس چشمہ میں سے پئیں گے۔ منها کی بجائے بها ذکر کیا گیا ہے۔

مثال نمبر ۳۳ :

وما قدروا الله حق قدره اذ قالوا ما انزل الله علی بشر من شیٔ (الانعام : ۹۱) انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہ کی جیسا کہ اس کی قدر کا حق ہے جب کہنے لگے کہ اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز نہیں اتاری۔ ای ان قالوا یہاں پر حرف ان کی بجائے اذ لایا گیا ہے۔ وقد یوردون جملة مکان جملة اور کبھی ایک جملہ کی جگہ دوسرا جملہ ذکر کر دیا جاتا ہے مثلاً اذا دلت جملة علی حاصل مضمون جملة ثانية اور وہ اس صورت میں جبکہ ایک جملہ دوسرے جملے کے مضمون پر دلالت کرتا ہے۔ وسبب وجودها ابدلت منها اور اس کے وجود کے سبب پر بھی دلالت کرتا ہے تو ایسے موقع پر ایک جملہ کو دوسرے جملہ کے ساتھ بدل دیا جاتا ہے۔

مثال نمبر ۳۴ :

وان تخالطوهم فاخوانکم (البقرہ : ۲۲۰) اگر تم ان کو اپنے ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے

بھائی ہیں اسلام کے ابتدائی دور میں یتیموں کی پرورش کا طریقہ یہ تھا کہ ان کی دیکھ بھال کرنے والے لوگ ان کے مال کا راشن اپنے راشن میں ملا کر کھانا اکٹھا تیار کر لیتے تھے، پھر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یتیموں کا مال کھانے کی سخت ممانعت آئی تو پرورش کنندگان کو خطرہ پیدا ہوا کہ مخلوط راشن میں یتیموں کا حصہ ان کی طرف آ کر ان کے لئے باعث وبال نہ بن جائے۔ چنانچہ وہ یتیموں کا کھانا اپنے گھر سے بالکل علیحدہ پکانے لگے۔ اس پر یہ دوسرا حکم آیا کہ تم ان کو اپنے ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ ای ان تخالطوهم لا باس بذلك لانهم اخوانكم اگر تم ان کو اپنے ساتھ ملا لو تو اکٹھا کھانا پکانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ وہ بھی تو آخر تمہارے بھائی ہیں وشان الاخ ان يخالط اخاه اور ایک بھائی کا حق یہ ہے کہ وہ اپنے بھائی کو ساتھ شامل کر لے۔ اور بالطبع نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔ اگر غیر اختیاری طور پر کوئی کمی بیشی ہو جائے تو عنداللہ مواخذہ نہیں ہوگا۔ اس مثال میں چونکہ فاخوانكم، لاباس کے حاصل معنی پر دلالت کرتا ہے لہٰذا لا باس کی بجائے فاخوانكم ذکر کیا گیا ہے۔

مثال نمبر ۳۵ :

لمثوبة من عند الله خير (البقرہ : ۱۰۳) اگر اہلِ کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ثواب اور بہتر اجر تھا۔ ای لوجدوا ثواباً ومثوبة من عندالله خير اس آیت میں لمثوبة چونکہ لوجدوا کے حاصل معنی پر دلالت کرتا ہے، اس لئے لوجدوا کی بجائے لمثوبة ذکر کیا گیا ہے۔

مثال نمبر ۳۶ :

ان يسرق فقد سرق اخ له من قبل (یوسف : ۷۷) اگر اس نے چوری کی ہے تو اس سے قبل اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی۔ جب مصر کے دربار میں بن یامین پر چوری کا الزام لگا تو بھائیوں نے عزیز مصر سے کہا کہ اگر اس نے پیمانہ چوری کیا ہے تو یہ کوئی عجیب بات نہیں کیونکہ پہلے کبھی اس کے بھائی یوسف نے بھی چوری کا ارتکاب کیا تھا۔ یہ کوئی بچپن کا واقعہ تھا جس کو ملحوظ رکھ کر

بھائیوں نے یوسف علیہ السلام پر بھی اسی کے سامنے الزام لگا دیا مگر آپ نے اپنے دل میں کہا کہ تم بہت ہی برے مقام پر ہو۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ای ان سرق فلا عجب لانه سرق اخ له من قبل اصل آیت چونکہ انہی معانی پر دلالت کرتی ہے لہٰذا اس کی ضرورت باقی نہ رہی۔

مثال نمبر ۳۷ :

من كان عدواً لجبريل فانه نزله على قلبك باذن الله (البقره : ۹۷) جو شخص جبریل علیہ السلام کا دشمن ہے، اس نے تو یہ قرآن پاک آپ کے قلب پر نازل کیا ہے اللہ کے حکم سے ای من كان عدوا لجبريل فان الله عدوله فانه نزله على قلبك باذنه اس کا مطلب یہ ہے کہ جو جبریل علیہ السلام کا دشمن ہے اللہ تعالیٰ اس کا دشمن ہے کیونکہ جبریل علیہ السلام نے اللہ ہی کے حکم سے تو یہ قرآن آپ کے قلب پر نازل کیا ہے۔ فعدوه يستحق ان يعاديه الله پس جبریل علیہ السلام کا دشمن زیادہ مستحق ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ دشمنی رکھے۔ فحذف پس اس بات کو حذف کر دیا گیا ہے فان الله عدوله بدليل الآية التالية یعنی اگلی آیت اس بات پر دلالت کر رہی ہے یعنی یہ مفہوم سمجھ میں آتا ہے وابدل منه فانه نزله على قلبك اور اس کے بدلے میں الفاظ آئے ہیں فانه نزله على قلبك وربما يقتضى اصل الكلام التنكير فيتصرف فيه بادخال اللام او الاضافة والمعنى على التنكير الاول بسا اوقات اصل کلام کا تقاضا ہوتا ہے کہ وہ نکرہ ہو۔ چنانچہ اس میں تصرف کیا جاتا ہے لام داخل کر کے یا اس کو اضافت بنا کر مگر معنی پہلے نکرہ والا ہی ہوتا ہے۔ یہ لام بیانیہ ہوتا ہے اور اس کے کوئی خاص معانی نہیں ہوتے۔ مثلاً

مثال نمبر ۳۸ :

وقيله يا رب (الزخرف : ۸۸) یہ جملہ ای قيل له يا رب تھا جس کو مختصر کر کے وقيله يا رب کر دیا گیا ہے۔ یعنی قيل له کی بجائے قيله ذکر کر دیا ہے۔ فابدل بقيله لانه اخصر فى اللفظ لفظ میں اختصار کی وجہ سے ایسا کیا گیا ہے۔ قيل مصدر ہے اور مفعول کے معنی

میں بھی ہوسکتا ہے اور نفس قول کے معنیٰ میں بھی ہوسکتا ہے اور اس کی کہی ہوئی بات مبنی بر مفعول بھی بن سکتی ہے۔

مثال نمبر ۳۹ :

حق الیقین (الحاقہ : ۵۱) یہ اصل میں حق یقین تھا۔ اضیف لیکون ایسر فی اللفظ مگر لفظ میں آسانی کی خاطر اضافت کر کے حق الیقین بنا دیا گیا ہے۔

وقد یکون سنن الکلام الطبیعی تذکیر الضمیر اوتانیثہ او افرادہ اور کبھی کلام طبعی کا تقاضا ہوتا ہے کہ اس میں مذکر کی ضمیر ہو یا مؤنث کی یا مفرد کی۔ فیخرجون الکلام من ذلک السنن الطبیعی مگر کلام کو اس طبعی سنن سے نکال دیتے ہیں۔ ویذکرون المؤنث وبالعکس اور مؤنث کی بجائے برعکس (مذکر) ذکر کر دیتے ہیں، ویجمعون المفرد اور کبھی مفرد کو جمع کے صیغے میں تبدیل کر دیتے ہیں لمیل المعنی صرف معنوں کا خیال کرتے ہوئے۔

مثال نمبر ۴۰ :

فلما رای الشمس بازغة قال ھٰذا ربی ھٰذا اکبر (الانعام : ۷۸) جب (ابراہیم علیہ السلام نے) سورج کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہنے لگے یہ میرا رب ہے، یہ بڑا ہے۔ یہاں پر شمس کو بطور مذکر بازغاً آنا چاہیے تھا مگر بطور مؤنث بازغة لائے ہیں حالانکہ آگے پھر ھٰذا ربی مذکر کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔

مثال نمبر ۴۱ :

القوم الظالمین (یونس : ۸۵) ظلم کرنے والوں کی قوم۔ یہاں پر ظالمین تو جمع کا صیغہ ہے مگر قوم مفرد ہے۔ یہ واضح فرق ہے۔

مثال نمبر ۴۲ :

مثلھم کمثل الذی استوقد ناراً فلما اضاءت ماحولہ ذھب اللہ بنورھم (البقرہ : ۱۷) ان لوگوں کی مثال جس نے آگ جلائی۔ پھر جب اس نے اپنے گردوپیش کو روشن کر دیا

تو اللہ نے ان کو اچک لیا یہاں پر مثلھم جمع کا صیغہ ہے مگر ساتھ ہی کمثل مفرد آ گیا ہے۔ اسی طریقے سے تصرف کر کے کلام میں مفرد کا جمع یا برعکس یا مذکر کا مؤنث یا برعکس کسی معنی کی مناسبت یا کسی دیگر غرض سے کر دیا جاتا ہے۔

وقد یذکر المفرد مکان التثنیة ...... الٰی ...... (یسالونک کانک حفی عنھا) ای یسالونک منھا کانک حفی۔ (ص۳۵ تا ۳۶)۔

ربط مضمون :

شاہ صاحب رحمہ اللہ کلام میں خفا آنے کی وجوہات میں سے ابدال کا ذکر کر رہے ہیں۔ ابدال کی بہت سی مثالیں گزشتہ درس میں بیان کی جا چکی ہیں آج کے سبق میں ابدال کی ایک صورت یہ بیان کرتے ہیں۔ وقد یذکر المفرد مکان التثنیة اور کبھی تثنیہ کی جگہ مفرد ذکر کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً یہ آیت وما نقموا الا ان اغنٰھم اللہ ورسولہ من فضلہ (التوبہ : ۷۴) اور انہوں نے نہیں عیب پایا سوائے اس کے کہ اللہ نے ان کو غنی کر دیا ہے اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے۔ منافق لوگ مسلمانوں کی عیب جوئی کرتے تھے جس کے جواب میں اللہ نے ان کی مذمت بیان کی ہے۔ یہاں پر مستغنی کرنے سے دو ذاتوں یعنی اللہ اور اس کے رسول کا ذکر ہے مگر آخر میں فضلہ میں مفرد کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے حالانکہ اللہ اور رسول دونوں کے لئے فضلھما آنا چاہیے تھا۔ میں نے عرض کیا کہ اس قسم کے ابدال کی کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے۔ فضلہ میں ضمیر کے اللہ کی طرف لوٹنے کی وجہ یہ ہے کہ حقیقت میں فضل تو صرف اللہ ہی کا ہے اور رسول تو محض واسطہ ہے اس مقصد کی یاددہانی کے لئے واحد کی ضمیر لائی گئی ہے۔ اور رسول کا ذکر تو اس کے تابع ہی ہے۔

مثال نمبر ۴۴ :

ان کنت علی بینة من ربی واتانی رحمة من عندہ فعمیت علیکم (ہود : ۲۸) یہ نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو خطاب ہے کہ اللہ تعالٰی نے مجھے کھلی دلیل اور رحمت بھی دی ہے تو یہ تم پر

تاریک ہوگئی ہے۔ چونکہ دلیل اور رحمت دو چیزوں کا ذکر ہے اور آگے مفرد کے صیغے فعمیت کی بجائے فعمیتا آنا چاہیے تھا۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں فافرد لانھما کشئ واحد کہ اس کو مفرد اس لئے لائے ہیں کہ دونوں ایک ہی طرح کی چیز ہے۔

مثال نمبر ۴۵ :

ومثلہ (اللہ و رسولہ اعلم) ایسی ہی یہ مثال بھی ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ اللہ اور رسول دو ہستیوں کے لئے اعلما کی بجائے مفرد کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے کیونکہ حقیقی علم تو اللہ کے پاس ہی ہے، نبی کو اتنا ہی علم ہوتا ہے۔ جتنا اللہ تعالیٰ عطا کر دے۔ لہٰذا اعلم کی مفرد ترکیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ہے۔

وقد تقضی طبیعة الکلام ان یذکر الجزاء فی صورة الجزاء والشرط فی صورة الشرط اور کبھی کلام کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ جزاء کو جزاء کی صورت میں اور شرط کو شرط کی شکل میں وجواب القسم فی صورة جواب القسم اور جوابِ قسم کو جوابِ قسم کی صورت میں ہی ذکر کیا جائے۔ فیتصرفون فی الکلام ویجعلون ذلك الجزاء من الجملة جملة مستقلة مستانفة میلاً الی المعنی مگر کلام میں تصرف کر کے جزا کا ایک نیا مستقل جملہ بنا دیتے ہیں جس کا خاص معنیٰ کی طرف میلان ہوتا ہے۔ ویقیمون شیئاً یدل علیه بوجه من الوجوه اور وہاں کوئی ایسا قرینہ قائم کر دیتے ہیں جو بعض وجوہ سے اس پر دلالت کرتا ہے یعنی جس سے مذکورہ تصرف کی بات سمجھ میں آتی ہے مثلاً : ......

مثال نمبر ۴۶ :

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ○ وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ○ وَالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ○ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ○ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ○ یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ○ (النازعات : ۱ تا ۶) قسم ہے فرشتوں کی جو غوطہ لگا کر جانوں کو کھینچنے والے ہیں۔ قسم ہے فرشتوں کی جو گرہ کھولنے والے ہیں۔ قسم ہے ہموار تیرنے والے فرشتوں کی۔ قسم ہے سبقت لے جانے والے فرشتوں کی۔ قسم ہے تدبیر کرنے والے

فرشتوں کی۔ یہ پانچ قسمیہ جملے ذکر کئے گئے ہیں مگر جوابِ قسم کوئی نہیں ہے حالانکہ قسم کے بعد اس کا جواب آنا چاہیے تھا۔ اصل المعنی البعث والحشر حق یدل علیه یوم ترجف اور معنی یہ ہوگا کہ یہ سب چیزیں گواہ ہیں کہ حشر نشر اور جزائے عمل برحق ہے اور یہ واقع ہو کر رہے گا مگر اس کی بجائے یہ جملہ لائے ہیں۔ یوم ترجف الراجفة جس دن کانپے گی کانپنے والی (زمین) زلزلہ آئے گا، زمین کو جھٹکے لگیں گے اور یہ جہان ختم ہو جائے گا، سب لوگ ختم ہو جائیں گے تو پھر ان کو دوبارہ اٹھایا جائے گا اور جزائے عمل کے لئے اکٹھا کیا جائے گا مطلب یہ ہے کہ قسم کے بعد اگرچہ جواب قسم براہِ راست نہیں آیا مگر یہ آخری جملہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جب سب کو دوبارہ اٹھا کر میدانِ حشر میں جمع کیا جائے گا اور پھر حساب کتاب کی منزل آئے گی۔

مثال نمبر ۴۷ :

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ○ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ○ وَشَاهِدٍ وَّ مَشْهُوْدٍ ○ قُتِلَ اَصْحَابُ الْاُخْدُوْدِ ○ (البروج : ۱تا۴) قسم ہے ستاروں والے آسمان کی۔ اور قیامت کے دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اور قسم ہے حاضر ہونے والوں کی اور جن کے پاس حاضر ہوتے ہیں ان کی، مارے گئے کھائیوں والے۔ کافر بادشاہ نے گڑھے کھدوا کر ان میں آگ جلائی تھی۔ وہ اہلِ ایمان کو کفر کرنے پر مجبور کرتا تھا مگر جب انہوں نے ایمان سے دست بردار ہونے سے انکار کر دیا تو بادشاہ نے انہیں آگ میں پھینکوا دیا۔ تین قسمیں اٹھانے کے بعد اگرچہ جواب قسم یہ آنا چاہیے تھا کہ اعمال کی جزا برحق ہے۔ مگر اس کی بجائے یہ نیا جملہ لائے ہیں قُتِلَ اَصْحَابُ الْاُخْدُوْدِ ○ یعنی اہلِ ایمان کو آگ کی کھائیوں میں پھینکنے والے مارے گئے۔ گویا ان کو اپنے اس ظلم کی سزا مل کر رہے گی۔ گویا یہ جملہ قسم کے جواب پر دلالت کرتا ہے کہ قیامت کا ایک دن آنے والا ہے جب ہر ایک کو اپنی کارکردگی کا حساب چکانا ہوگا۔ گویا المعنی المجازات علی الاعمال حق اعمال کا بدلہ برحق ہے۔

مثال نمبر ۴۸ :

اذا السماء انشقت ○ واذنت لربها وحقت ○ واذا الارض مدت ○

والقت ما فیھا وتخلت ○ واذنت لربھا وحقت ○ یا ایھا الانسان انک کادح ○ (انشقاق : ۱ تا ٦) جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور وہ اپنے رب کی بات سنے گا اور اس کے لئے یہی ثابت ہے۔ اور جب زمین کو پھیلا دیا جائے گا اور وہ نکال دے گی جو کچھ اس کے اندر ہے اور خالی ہو جائے گی۔ اور وہ سنے گی اپنے رب کی بات اور یہی اس کے لئے ثابت ہے، بے شک اے انسان تو تکلیف اٹھانے والا ہے۔

پہلے پانچ شرائط بیان کرنے کے بعد آخری جملہ یا ایھا الانسان انک کادح بطور جزا کے رکھ دیا ہے۔ المعنی الحساب والجزاء کائن اور معنی یہی ہے کہ حساب کتاب اور جزائے عمل کا مرحلہ پیش آنے والا ہے۔

وقد یقع فی اسلوب الکلام قلب اور کبھی کلام میں قلب ہو جاتا ہے یعنی معنی پلٹ دیا جاتا ہے۔ فیقتضی اسلوب الکلام خطاباً ویورد فی صورۃ الغائب یعنی اسلوب کلام کا تقاضا مخاطب کا ہوتا ہے مگر اسے غائب کے صیغہ میں پلٹ دیا جاتا ہے۔ مثلاً..........

مثال نمبر ۴۹ :

حتی اذا کنتم فی الفلک وجرین بھم بریح طیبۃ (یونس : ۲۲) حتی کہ جب تم کشتی میں سفر کر رہے ہوتے ہو اور کشتیاں ان کو خوشگوار ہوا کے ساتھ لے کر چلتی ہیں آیت کے پہلے حصے میں اذا کنتم مخاطب کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے مگر آگے وجرین بھم میں غائب کا صیغہ لائے ہیں حالانکہ یہاں بھی بھم کی بجائے مخاطب کا صیغہ بکم آنا چاہیے تھا اس طرح حاضر کو غائب کے صیغے میں بدل دیا گیا ہے۔

وقد یذکر الانشاء مکان الاخبار، والاخبار مکان الانشاء اور کبھی اخبار کی جگہ انشاء اور انشاء کی جگہ اخبار ذکر کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح خبریہ جملہ کو انشائیہ اور انشائیہ کو خبریہ بنا دیا جاتا ہے...... مثلاً

مثال نمبر ۵۰ :

فامشوا فی مناکبھا (الملک : ۵) چلو اس کے اطراف میں پوری آیت اس طرح ہے، اللہ کی ذات وہ ہے جس نے زمین تمہارے تابع بنا دی ہے۔ پس اس کے اطراف میں چلو اور اللہ کے عطا کردہ رزق میں سے کھاؤ۔ یہاں پر جملہ انشائیہ لایا گیا ہے حالانکہ یہ خبریہ کا مقام ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کلام میں قلب واقع ہوا ہے جس کی وجہ سے خفا کا پیدا ہونا بعید از قیاس نہیں۔ ای لتمشوا یعنی تاکہ چلو۔ زمین تمہارے تابع کر دی گئی ہے تاکہ تم اس کے اطراف میں چلو۔ مطلب یہ ہے۔

مثال نمبر ۵۱ :

ان کنتم مؤمنین ○ (آل عمران : ۱۳۹) پوری آیت یوں ہے نہ سست ہو اور نہ غم کھاؤ، تم ہی غالب رہو گے ان کنتم مؤمنین ○ اگر تم ایماندار ہوئے۔ ای ایمانکم یقتضی ھذا یعنی تمہارے ایمان کا تقاضا ہے کہ تم سستی نہ دکھاؤ اور نہ غم کھاؤ۔ یہاں بھی خبریہ کی بجائے انشائیہ استعمال کیا گیا ہے۔

مثال نمبر ۵۲ :

من اجل ذلك كتبنا علی بنی اسرائیل (المائدہ : ۳۲) اور اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا۔ اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا ذکر فرمایا ہے کہ قابیل نے ہابیل کو ناحق قتل کر دیا۔ اللہ نے فرمایا کہ ایک قتل ناحق سارے لوگوں کے قتل کے برابر ہے اور ایک جان کو زندہ رکھنا سب لوگوں کو زندہ رکھنے کے مترادف ہے۔ آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا من اجل ذلك نوع انسانی کے اس اولین قتل کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر بھی لکھ دیا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کرنے سے باز رہیں ورنہ قانون وہی ہے کہ جس نے ایک جان کو ناحق قتل کیا اس نے گویا سب لوگوں کو قتل کیا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ قیامت تک جتنے بھی ناحق قتل ہوں گے ان میں سے ہر ایک کا گناہ دنیا کے اولین قاتل قابیل کے کھاتے میں بھی پڑتا رہے گا۔ ظاہر ہے کہ دنیا بھر کے قتلوں کا بوجھ جب قابیل پر پڑیگا تو وہ کس قدر معتوب ہوگا۔ اسی طرح دنیا میں تاقیام قیامت جتنی

نیکیاں انجام دی جاتی رہیں گی، ان میں سے ایک ایک کا ثواب انبیاء علیہم السلام کو بھی ملتا رہے گا کیونکہ انہوں نے ہی لوگوں کو نیکی کی طرف دعوت دی جس کے نتیجے میں نیک کام انجام دیئے جا رہے ہیں۔

بہرحال من اجل ذلك کا مطلب یہ ہے کہ المعنی علیٰ قیاس حال ابن آدم آدم علیہ السلام کے بیٹے کے حال کے پیش نظر او علی مثال حال ابن آدم یا آدم علیہ السلام کے بیٹے کے حال کی مثال کے پیش نظر ہم نے یہی قانون بنی اسرائیل کے لئے بھی لکھ دیا۔

فابدل منه من اجل ذلك اوراس کو من اجل ذلك کے ساتھ بدل دیا لان القیاس لا یکون الا بملاحظة العلة کیونکہ قیاس تو علت کو دیکھ کر ہی کیا جاتا ہے۔ اگر مقیس اور مقیس علیہ کے درمیان مناسبت تام ہو تو وہ قیاس صحیح ہوتا ہے۔ اور اگر دونوں کے درمیان مناسبت تام نہ ہو تو وہ قیاس صحیح نہیں ہوتا۔ فکان القیاس نوع من التعلیل گویا کہ قیاس تعلیل ہی کی ایک قسم ہے۔ غرضیکہ اس جملہ میں بنی آدم کے حال پر قیاس یا اولاد آدم کی مثال حال پر قیاس کر کے اس مثال حال کو من اجل ذلك سے بدلا گیا ہے۔

مثال نمبر ۵۳ :

ارأیت (العلق : ۱۳) کیا تم نے دیکھا ہے؟ فی الاصل بمعنی الاستفهام من الرؤية اصل میں یہ رویت کے لئے استفہامیہ معنیٰ میں آتا ہے۔ ثم نقل هٰهنا لیکون تنبیهاً علی استماع کلام یاتی بعده مگر یہاں پر اس کے بعد آنے والے کلام کی سماعت پر تنبیہ کے لئے نقل کیا گیا ہے۔ کما یقال فی العرف: هل تری شیئاً؟ هل تسمع شیئاً؟ جیسا کہ محاورتاً کہا جاتا ہے، کیا تم نے دیکھا ہے؟ کیا تم نے سنا ہے؟ یا کیا یہ بات تمہارے علم میں نہیں آئی یعنی یقیناً تمہارے مشاہدے یا علم میں آئی ہے۔

وقد یوجب التقدیم و التاخیر ایضاً صعوبة فی فهم المراد اور کبھی کلام میں پیش آنے والی تقدیم وتاخیر بھی مراد کو سمجھنے میں دشواری کا باعث بنتی ہے کما یقال فی الشعر المشهور جیسا کہ اس مشہور شعر میں کہا گیا ہے۔

بثینہ شانھا سلبت فؤادی

بلاجرم اتیت بہ سلاما

بثینہ عورت کا نام ہے جس کے ایک شاعر عاشق نے اپنی محبوبہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

اس بثینہ کی کیا حالت ہے، میں اس کا حال کیا بتاؤں اس نے میرے دل سے سلامتی کو بلاقصور چھین لیا ہے۔ اس قسم کی تقدیم وتاخیر بھی بعض اوقات کلام کو سمجھنے میں دشواری کا باعث بنتی ہے۔ اس شعر میں فعل سلبت کا فاعل بثینہ اور مفعول سلاما ہے۔ فاعل کا ذکر آغاز میں اور مفعول کو بالکل آخر میں ذکر کیا ہے جس کی وجہ سے پیچیدگی کا پیدا ہونا عین ممکن ہے۔

والتعلق بعید ایضاً مما یوجب صعوبۃ کسی حرف، صلہ یا استثنا کا دور کا تعلق بھی کلام کے سمجھنے میں مشکل کا باعث بن سکتا ہے ومن ھذا القبیل اور ایسی ہی مثال:۔

مثال نمبر ۵۵ :

الا آل لوط انا منجوھم اجمعین ○ الا امراتہٗ ○ (الحجر : ۵۹۔۶۰) آیت کے پہلے حصے میں فرشتوں کا بیان یوں ہے کہ ہم لوط علیہ السلام کی مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں یعنی ہم ان کو تباہ کرنے کے لئے آئے ہیں الا آل لوط سوائے لوط علیہ السلام کی آل کے کہ ان سب کو ہم بچالیں گے۔

الا امراتہ سوائے آپ کی بیوی کے کہ وہ بھی باقی قوم کے ساتھ ہی اپنے انجام کو پہنچ جائے گی۔

پہلے قومِ لوط میں سے آلِ لوط کو مستثنا کیا کہ ان کو بچالیں گے اور پھر آلِ لوط میں سے لوط علیہ السلام کی بیوی کو مستثناء کیا کہ وہ عذاب سے نہیں بچ سکے گی بلکہ باقی قوم کے ساتھ ہی اپنے انجام کو پہنچ جائے گی۔ امراتہ کا آل لوط سے علیحدہ ذکر کرنے سے یہ بتانا ضروری ہے کہ لوط علیہ السلام کی عورت آپ کی آل میں شامل نہیں تھی کیونکہ اس کا دین الگ تھا۔ البتہ لوط علیہ السلام کی بچیاں اور جو چند دوسرے اہلِ ایمان تھے، وہ عذابِ الٰہی سے بچ گئے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ادخل الاستثناء علی الاستثناء فصعب استثناء در استثناء آنے کی وجہ سے کلام کو سمجھنے میں دشواری پیش آئی۔

مثال نمبر ۵۶ :

فما یکذبك بعد بالدین متصل بقوله :لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ○ (التین : ۷) روزِ جزا کو جھٹلانے پر تجھے کون سی چیز آمادہ کرتی ہے۔ بے شک ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے ان دونوں جملوں میں دوری بھی دشواری کا باعث بنی ہے۔ دراصل دوسری آیت کا مضمون پہلے آتا ہے کہ اے انسان ہم نے تجھے بہترین شکل وصورت اور عمدہ اعضاء وجوارح کے ساتھ تخلیق کیا ہے مگر پھر بھی تم یومِ آخرت کو جھٹلاتے ہو۔ اگر تم اپنی تخلیق کو پہنچانتے ہوتو پھر یہ کیوں نہیں مانتے کہ اللہ تو احکم الحاکمین ہے، جس نے تجھے پہلی دفعہ پیدا کیا تھا، وہ دوبارہ بھی تجھے کھڑا کرلے گا۔ تم اس کے سامنے پیش ہونے کا کیسے انکار کرتے ہو؟۔

مثال نمبر ۵۷ :

یدعوا لمن ضره اقرب من نفعه (الحج : ۱۳) اس کو پکارتے ہیں جس کا نقصان اس کے نفع سے قریب تر ہے۔ یہ اصل میں یدعو من ضره تھا درمیان میں ل آنے سے کلام میں دشواری پیدا ہوگئی ہے۔

مثال نمبر ۵۸ :

لتنوْا بالعصبة اولی القوة (القصص : ۷۶) یہ قارون کا ذکر ہے کہ اس کو اللہ نے اتنے خزانے عطا کئے تھے کہ جس کی چابیاں ایک طاقتور گروہ کو بوجھل کردیتی تھیں۔ ای لتنوْا العصبة بھا یعنی اس کا سیدھا سادھا مفہوم یہ ہے کہ ان چابیوں کا ایک طاقتور گروہ پر بوجھ پڑ جاتا تھا۔ کلام میں اس قدر فرق بھی بعض اوقات سمجھنے میں دشواری کا باعث بن جاتا ہے۔

مثال نمبر ۵۹ :

فامسحوا برؤسکم وارجلکم (المائدہ : ۶) اس آیت میں وضو کے فرائض کا ذکر ہے۔ پوری آیت یوں ہے ''اے ایمان والو! جب تم نماز کی طرف کھڑے ہوتو دھولو اپنے چہروں اور ہاتھوں کو کہنیوں تک۔ اور مسح کرو اپنے سروں پر اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک۔ بظاہر الفاظ میں مسح کا تعلق

سر اور پاؤں کے ساتھ معلوم ہوتا ہے۔ مگر حقیقت میں پاؤں کا تعلق مسح سے نہیں بلکہ آیت کے پہلے حصے کے ساتھ ہے۔ جس میں چہروں اور ہاتھوں کو دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔ پاؤں کا ذکر ذرا دوری کے ساتھ کرنے کی وجہ سے کلام کے سمجھنے میں ذرا مشکل پیش آئی۔ اس ضمن میں رافضی حضرات نے پاؤں پر مسح کرنے کو ہی اختیار کیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ وہ پاؤں کو دھونے کے قائل نہیں ہیں۔ البتہ امام ابن جریر رحمۃ اللہ دھونے اور مسح دونوں چیزوں کے قائل ہیں۔ جبکہ حنفی علماء بالاتفاق پاؤں کا دھونا شرط قرار دیتے ہیں۔ ای اغسلوا ارجلکم یعنی اپنے پاؤں کو دھولو۔

مثال نمبر ۶۰ :

ولو لا کلمة سبقت من ربك لكان لزاماً واجل مسمى (طٰہٰ : ۱۲۹) اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو پہلے ہو چکی ہے تیرے پروردگار کی طرف سے تو (ہلاکت) لازم ہو جاتی، اور ایک مقررہ وقت۔

سابقہ نافرمان اقوام کی ہلاکت کے سلسلے میں اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بات طے نہ ہو چکی ہوتی اور ایک وقت مقرر نہ ہو چکا ہوتا تو ان لوگوں کی ہلاکت بھی لازم ہو جاتی۔ ای **لو لا کلمة سبقت واجل مسمى لكان لزاماً** یہ جملہ دراصل یوں ہے کہ اگر ایک بات طے نہ ہو چکی ہوتی اور ایک وقت مقرر نہ ہو چکا ہوتا **لكان لزاماً** تو ہلاکت ضروری ہو جاتی۔ گویا **کلمة** اور **اجل مسمى** دونوں کا تعلق **لكان لزاماً** کے ساتھ ہے۔ دونوں کے درمیان بُعد نے قدرے دشواری پیدا کر دی ہے۔

مثال نمبر ۶۱ :

الا تفعلوه تكن فتنة (الانفال : ۷۳) **متصل بقوله فعليكم النصر** (الانفال : ۷۲) اگر تم ان کی مدد نہیں کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ برپا ہوگا، لوگ گمراہ ہو جائیں گے، مظلوم مارے جائیں گے لہٰذا **فعليكم النصر** تم پر لازم ہے کہ ان کی مدد کرو جن مسلمانوں نے ابھی تک ہجرت نہیں کی۔ دراصل مفہوم کے لحاظ سے دوسرا جملہ پہلے ہے یعنی تم پر ان کی مدد لازمی ہے اور پہلا جملہ

ترتیب قرآن میں بعد میں آتا ہے کہ اگر مدد نہ کی تو بڑا فتنہ برپا ہو جائے گا۔ اس تقدیم وتاخیر کی وجہ سے بھی کلام کی تفہیم میں دشواری آئی ہے۔

مثال نمبر ۶۲ :

الاقول ابراهيم (الممتحنہ : ۴) متصل بقوله: لقد كانت لكم اسوة حسنة في ابراهيم (الممتحنہ : ۴) مگر ابراہیم علیہ السلام کی بات۔ تحقیق تمہارے لئے ابراہیم علیہ السلام میں اچھا نمونہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کفر، شرک کرنے والوں سے براءت کا اظہار کیا تھا سوائے اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کے کہ ان کے لئے بخشش کی دعا کرنے کا وعدہ کیا تھا کہ یہ میری خدا کے سامنے عرضداشت ہوگی وگرنہ وَمَآ اَمۡلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ شَیۡءٍ (الممتحنہ : ۴)۔ مگر میں اللہ سے تیرے لئے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں وہ چاہے تو دعا قبول کرلے اور اگر چاہے تو قبول نہ کرے لیکن فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنۡهُ (توبہ : ۱۱۴)۔ پھر جب آپ پر واضح ہوگیا کہ یہ دشمنِ خدا ہے تو اس سے بیزاری کا اعلان کردیا پہلے توقع تھی کہ وہ اسلام قبول کرلے گا)۔ (فیاض)۔

اور دوسرا جملہ قد كانت لكم اسوة حسنة في ابراهيم آیت کے پہلے حصے میں آیا ہے ان دونوں جملوں میں بُعد کی وجہ سے مفہوم اخذ کرنے میں مشکل پیش آتی ہے۔

مثال نمبر ۶۳ :

يسألونك كانك حفي عنها (الاعراف : ۱۸۷) یہ آپ سے قیامت کے واقع ہونے کے وقت کے بارے میں پوچھتے ہیں گویا آپ اس کی کھوج میں لگے ہوئے ہیں جبکہ اللہ نے تو قیامت کے وقت کو مخفی رکھا ہوا ہے۔ اللہ نے اس کا علم کسی نبی، فرشتے، انسان یا جن کو نہیں دیا بلکہ وہ خود ہی اس کو وقت پر ظاہر کرے گا۔ اس جملہ میں الفاظ کی قدرے تقدیم وتاخیر واقع ہوئی ہے جس کی وجہ سے دشواری پیش آنے کا احتمال ہوتا ہے صحیح ترتیب اسی طرح بنتی ہے ای يسألونك عنها كانك حفي یہ لوگ آپ سے اس (قیامت) کے بارے میں پوچھتے ہیں، گویا کہ آپ اس کی کھوج میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ حفي اور عنها میں تقدیم وتاخیر کا مسئلہ پیدا ہوا ہے۔

والزيادة على السنن الطبيعية ايضاً على اقسام :قد يكون ذلك بالصفة (ولا طائر يطير بجناحيه)، (ان الانسان خلق هلوعاً ○ اذا مسه الشر جزوعاً ○ واذا مسه الخير منوعاً) ...... الى ...... ومن طالعه من اهل السعادة واستحضر هٰذه الامور واخطرها بالبال في اثناء المطالعة يدرك الغرض من الكلام بادنى تامل، ويقيس غير المذكور وينتقل من مثال الى امثلة اخر۔(ص۳٦ تا ص۳۹)۔

ربط مضمون :

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کلام کی تفہیم میں دشواری کی مختلف وجوہات بیان کر رہے ہیں۔کبھی یہ دشواری کلام میں کسی لفظ یا جملے کے حذف کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے تو کبھی الفاظ کے قلب یعنی پلٹ دینے سے کلام کو سمجھنے میں دقت پیش آتی ہے۔شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں قرآن پاک سے بہت سی مثالیں بھی بیان فرمائی ہیں۔آگے کچھ مزید وجوہات بھی بیان ہو رہی ہیں۔

سنن طبعیہ پر زیادتی :

بعض اوقات عرف عام میں کلام میں زیادتی بھی خفا کا باعث بنتی ہے۔شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں والزيادة على سنن الطبيعية ايضاً على اقسام سننِ طبعیہ پر زیادتی کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ قد يكون ذلك بالصفة بعض اوقات یہ زیادتی صفت کے ساتھ ہوتی ہے یعنی جملے میں کسی صفت کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔جیسے......

مثال نمبر ۱ :

(ولا طائر يطير بجناحيه) ○ (الانعام : ۳۸)اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے پروں کے ساتھ اڑتا ہے۔پرندہ اڑنے والا جانور ہے یہ بات لفظ طائر سے ہی سمجھ میں آجاتی ہے مگر اس کے ساتھ يطير بجناحيه کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔یعنی وہ اپنے پروں کے ساتھ اڑتا ہے حالانکہ مفہوم تو ان الفاظ کے بغیر بھی واضح تھا۔تاہم مزید وضاحت کے لئے بعض اوقات اس قسم کا اضافہ کر دیا جاتا ہے گویا یہ ایک زائد صفت ہے۔کبھی کبھی ایسی چیزیں بھی کلام کو سمجھنے میں دشواری کا باعث بن جاتی ہیں۔

مثال نمبر ۲ :

(ان الانسان خلق هلوعاً ○ اذا مسه الشر جزوعاً ○ واذا مسه الخير منوعاً ○ (المعارج : ۱۹تا۲۱) بے شک انسان بے صبرا پیدا کیا گیا ہے۔ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو جزع فزع کرتا ہے۔ اور اگر بھلائی پہنچے تو بخل کرنے لگتا ہے۔ دراصل هلوعاً کے لفظ میں بے صبر اور بخیل وغیرہ ساری چیزیں شامل ہیں مگر اس کے باوجود مزید وضاحت کے لئے جزوعاً اور منوعاً کی زیادتی کردی گئی۔ وقد یکون بالابدال اور کبھی یہ زیادتی بذریعہ ابدال ہوتی ہے، مثلاً......

مثال نمبر ۳ :

للذین استضعفوا لمن آمن منهم (الاعراف : ۷۵) ان لوگوں کے لئے جو کمزور خیال کئے جاتے ہیں۔ یہ اہل ایمان کا ذکر پیچھے سے آرہا ہے۔ مگر یہاں پھر کہہ دیا لمن آمن منهم جو ان میں سے ایمان لائے۔ یہ الفاظ زائد ہیں کیونکہ ان کے بغیر بھی مطلب واضح تھا۔ یہ کلام کی مزید وضاحت سمجھ لیں۔

وقد یکون بالعطف التفسیری اور کبھی مذکورہ زیادتی عطف تفسیری کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس سے بھی کسی پہلے لفظ یا جملے کی تفسیر ہی مراد ہوتی ہے، اس سے کوئی نئی بات مقصود نہیں ہوتی مثلاً......

مثال نمبر ۴ :

حتی اذابلغ اشده وبلغ اربعین سنة ○ (احقاف :۱۵) یہاں تک کہ جب وہ اپنی مضبوطی کو پہنچ گیا اور چالیس سال کا ہو گیا۔ انسان کی زندگی کے مختلف ادوار کا ذکر ہے پہلے بالکل کمزور ہوتا ہے پھر آہستہ آہستہ بلوغت کو پہنچتا ہے، یہاں تک کہ اپنی اشد یعنی مضبوطی کو پہنچ جاتا ہے اس کے جسمانی قوی اور عقل مکمل ہو جاتے ہیں۔ ایسا چالیس سال کی عمر میں پہنچ کر ہوتا ہے، اسکے بعد ادھیڑ عمر یا بڑھاپے کی عمر شروع ہو جاتی ہے۔ جب اشد کا ذکر کیا تو اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ چالیس سال کی

عمر کو پہنچ گیا ہے اور اس کے قویٰ مضبوط تر ہو گئے ہیں۔ مگر اس آیت میں اشد کے بعد پھر وبلغ اربعین سنة اور چالیس سال کو پہنچ گیا کے الفاظ زائد ہیں۔ اس قسم کی زیادتی عطفِ تفسیری کہلاتی ہے۔

زیادتی بصورت تکرار :

وقد یکون بالتکرار اور کبھی زیادتی تکرار کے ساتھ ہوتی ہے یعنی ایک ہی جملے کو دوبارہ لوٹایا جاتا ہے حالانکہ اس کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی، مثلاً......

مثال نمبر ۵ :

وما یتبع الذین یدعون من دون اللہ شرکاء ان یتبعون الا الظن (یونس : ٦٦)

اور جو پیروی کرتے ہیں ان لوگوں کی جو پکارتے ہیں اللہ کے سوا دوسرے شریکوں کو نہیں پیروی کرتے وہ مگر گمان کی۔ اصل الکلام اصل کلام تو وما یتبعون سے شرکاء تک ہی ہے جس سے مطلب پورا ہو جاتا ہے اور اس کے بعد ان یتبعون الا الظن تکرار ہے اور زائد ہے۔

مثال نمبر ٦ :

ولما جاء ھم کتاب من عند اللہ مصدق لما معھم وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاء ھم ما عرفوا کفروا بہ (البقرہ : ۸۸) اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے کتاب آ گئی تصدیق کرنے والی اس چیز کی جو ان کے پاس تھی۔ اور اس سے پہلے وہ کافروں پر فتح طلب کرتے تھے۔ پھر جب وہ چیز ان کے پاس آ گئی جسے انہوں نے پہچان لیا تو اس کے ساتھ کفر کیا۔ اس آیت کا پہلا حصہ ولما جاء ھم سے لے کر کفروا تک مکمل مفہوم دیتا ہے۔ اہلِ کتاب اللہ کے آخری نبی اور آخری آسمانی کتاب کے انتظار میں تھے۔ یہ لوگ آخری نبی اور متوقع کتاب کے آنے سے پہلے ان کی برکت سے کافروں پر فتح طلب کرتے تھے۔ لیکن اللہ کا نبی اور اللہ کی کتاب جب آ گئے تو اہلِ کتاب نے حسد کے مارے انکار کر دیا۔ اس کے بعد اگلا جملہ ما عرفوا کفروا بہ تکرار اور زائد از ضرورت ہے۔

مثال نمبر ۷ :

ولیخش الذین لو ترکوا من خلفھم ذریة ضعافاً خافوا علیھم فلیتقوا اللہ (النساء : ۹) اوران لوگوں کوڈرنا چاہیے اگر وہ اپنے پیچھے کمزوراولاد چھوڑ جاتے تو ان کا کتنا خوف کھاتے، پس چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں۔ یہاں بھی مطلب تو جملے کے پہلے حصے ولیخش الذین سے خافوا علیھم تک ہی حل ہو گیا ہے۔ چنانچہ فلیتقوا اللہ والا حصہ زائد از ضرورت ہے۔

مثال نمبر ۸ :

یسألونك عن الاھلة ط قل ھی مواقیت للناس والحج ط (البقرہ : ۱۸۹) لوگ آپ سے نئے چاندوں کے متعلق پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ اوقات ہیں لوگوں کے لئے اور حج کیلئے ای ھی مواقیت للناس باعتبار ان اللہ شرع لھم التوقیت بھا وللحج باعتبار ان التوقیت بھا حاصل للحج شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر ماہ کا نیا چاند لوگوں کے لئے بطور میقات ہے اس لحاظ سے کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے وقت کی شناخت مقرر کی ہے۔ ہر نئے چاند پر نیا ماہ شروع ہو جاتا ہے اور پھر بارہ مہینے گزرنے پر سال مکمل ہو جاتا ہے اور اس طریقے سے لوگوں کے اذہان میں وقت کی تقویم محفوظ رہتی ہے۔ اس کے علاوہ نئے چاند کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حج کے اوقات معلوم کرنے کا ذریعہ بھی بنا دیا ہے، لوگ نئے چاندوں کی گنتی کر کے ہر سال موسم حج کا پتہ کر لیتے ہیں اور پھر یہ فریضہ بھی انجام دیتے ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت پاک میں قدرے تکرار آ گیا ہے۔ ولو قیل اگر یہ جملہ اس طرح ہوتا ھی مواقیت للناس فی حجھم کان اخصر ولکن اطنب ھی مواقیت للناس فی حجھم یعنی یہ لوگوں کے لئے اوقات حج معلوم کرنے کا ذریعہ ہے، تو جملہ مختصر ہوتا، مگر تکرار کر کے جملے کو لمبا کر دیا گیا ہے، بایں ہمہ تکرار میں بھی ایک قسم کی وضاحت مقصود ہوتی ہے۔

مثال نمبر ۹ :

لتنذر ام القری ومن حولها وتنذر یوم الجمع (الشوریٰ : ۷) تاکہ آپ ڈرائیں ام القریٰ (مکہ مکرمہ) اور اس کے اردگرد والوں کو اور ڈرائیں یوم جمع (قیامت) کے دن سے اس میں تنذر کا لفظ مکرر آیا ہے۔ ای تنذر ام القریٰ یوم الجمع اصل مفہوم یہی ہے کہ آپ ڈرائیں مکے والوں کو قیامت کے دن سے۔

مثال نمبر ۱۰ :

وتری الجبال تحسبها جامدة (النمل : ۸۸) اور تم پہاڑوں کی طرف دیکھو تو گمان کرو گے کہ وہ جمے ہوئے ہیں۔ یہاں تحسبها کا لفظ زائد ہے اور مطلب ہے ای تری الجبال جامدة کہ تم پہاڑوں کو جمے ہوئے دیکھو گے۔ ادخل الحسبان لان الروية يجئ لمعان والمراد ههنا معنى الحسبان چونکہ لفظ رویت کئی معانی کے لئے آتا ہے، لہٰذا حسبان زیادہ کر دیا گیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہاں پر رویت بمعنی حسبان ہے۔ یعنی تم گمان کرو گے کہ پہاڑ اپنی جگہ پر جمے ہوئے ہیں وھی تمر مر السحاب حالانکہ وہ بادلوں کی طرح چل رہے ہوں گے۔

مثال نمبر ۱۱ :

کان الناس امة واحدة فبعث الله النبيين ، مبشرين ومنذرين وانزل معهم الکتاب بالحق ليحكم بين الناس فيما اختلفوا فيه وما اختلف فيه الا الذين اتوه من بعدما جاء تهم البينات بغياً بينهم ○ فهدى الله الذين آمنوا لما اختلفوا فيه من الحق باذنه والله يهدى من يشاء الى صراط مستقيم ○ (البقرہ : ۲۱۳) لوگ ایک ہی طریقے پر تھے۔ پھر اللہ نے بشارت دینے والے اور ڈرانے والے انبیاء کو بھیجا اور ان کے ہمراہ حق کے ساتھ کتاب نازل کی تاکہ وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں جس بات میں اختلاف کرتے ہیں۔ اور نہیں اختلاف کیا اس میں مگر ان لوگوں نے جن کو کتاب دی گئی بعد اس کے کہ ان کے پاس کھلے دلائل آ گئے، آپس میں سرکشی کرتے ہوئے۔ پس ہدایت دی اللہ نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے، اس چیز میں جس میں وہ اختلاف کرتے تھے، حق میں سے اپنے حکم سے۔ اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی

طرف ہدایت دیتا ہے۔

ادخل وما اختلف فیه الا الذین اوتوه فی تضاعیف الکلام المنتظم منتظم کلام کے مابین جملہ وما اختلف فیه الا الذین اوتوه داخل کیا گیا ہے۔ بعضه ببعض بیاناً لضمیر ''اختلفوا'' وایذاناً بان المراد من اختلاف ھٰھنا ھوالاختلاف الواقع فی امة الدعوة بعد نزول الکتاب بان امن بعض و کفر بعض اس کا مقصد یہ ہے کہ ''اختلفوا'' کی ضمیر واضح ہو جائے اور اختلاف کی مراد کا بھی اظہار ہو جائے کہ یہاں پر اس سے مراد وہ اختلاف مراد ہے جو نزول کتاب کے بعد امت دعوت میں پیدا ہو گیا، لہٰذا ان میں سے بعض ایمان لے آئے اور بعض نے انکار کر دیا۔ امت دعوت سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں جن میں بہت کم لوگ ایمان لائے اور اکثریت آج تک انکار پر ہی اڑی ہوئی ہے۔ ان کے برخلاف امت اجابت وہ لوگ کہلاتے ہی جنہوں نے حق کی دعوت کو قبول کر لیا اور ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے۔

حرف جر کا اضافہ :

وقد یزاد حرف الجر علی الفاعل او المفعول لتوکید الوصلة فیکون معمولاً للفعل بواسطة حرف الجر اور کبھی فاعل یا مفعول پر حرف جر تعلق کی پختگی کے لئے زائد کر دیا جاتا ہے۔ وصلہ کا معنی آپس کا جوڑ ہوتا ہے اور فاعل یا مفعول پر آ کر فعل کا معمول بن جاتا ہے، مثلاً......

مثال نمبر ۱۲ :

یوم یحمی علیها (التوبہ : ۳۵) جس دن جہنم کے اندر گرم کیا جائے گا وہ خزانہ جو دنیا میں جمع کر رکھا ہے۔ یہاں ھی پر علی حرف جر داخل کر کے اس کو علیها بنا دیا گیا ہے۔ اصل میں یہ تحمی ھی تھا۔

مثال نمبر ۱۳ :

وقفینا علی اثارھم بعیسی بن مریم (المائدہ : ۴۶) اور پہلے انبیاء کے پیچھے ہم

نے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا۔ آپ بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے، آپ کے بعد بنی اسرائیل کا کوئی نبی نہیں آیا۔ پھر سلسلہ نبوت بنی اسرائیل سے بنی اسماعیل کی طرف منتقل ہوگیا اور سلسلہ نبوت کی آخری کڑی حضور خاتم النبیین ﷺ تشریف لائے۔ یہاں پر بھی علی اثار کے الفاظ زائد ہیں۔ اور اصل عبارت یوں ہی ہے قفیناھم بعیسیٰ بن مریم۔

واؤ برائے تاکید وصلہ :

ومما ینبغی ان یعلم فی ھذا المقام نکتۃ اور اس مقام پر ایک نکتہ بھی جاننا ضروری ہے۔ وھی ان الواؤ تستعمل فی کثیر من المواضع لتوکید الوصلۃ لا للعطف اور وہ نکتہ یہ ہے کہ اکثر مقامات پر واؤ تاکید وصلہ کے لئے آتا ہے نہ کہ عطف کے لئے۔ واؤ کا شمار حروفِ عاطفہ میں ہوتا ہے جو دو الفاظ یا دو جملوں کے درمیان آتا ہے۔ مگر بعض مقامات پر یہی واؤ عطف کی بجائے تعلق کی مضبوطی کے لئے آتا ہے، مثلاً......

مثال نمبر ۱۴ :

اذا وقعت الواقعۃ ○ لیس لوقتھا کاذبۃ ○ خافضۃ رافعۃ ○ اذا رجت الارض رجاً ○ وبست الجبال بساً ○ فکانت ھباءً منبثاً ○ وکنتم ازواجاً ثلاثۃ ○ (الواقعہ : ۱ تا ۷) یہاں آیت ۵ اور ۷ کے آغاز میں واؤ سے عطف مراد نہیں ہے بلکہ یہ محض تعلق کی تاکید کے لئے آیا ہے۔

مثال نمبر ۱۵ :

وفتحت ابوابھا ○ (الزمر : ۷۳) یہاں بھی شروع میں واؤ عطف کے لئے نہیں بلکہ تعلق کی تاکید کی بنا پر ہے۔

مثال نمبر ۱۶ :

ولیمحص اللہ ما فی قلوبکم (آل عمران : ۱۵۵) یہاں شروع میں واؤ عطف کے لئے نہیں بلکہ تعلق کی تاکید کی بنا پر آیا ہے۔ وکذلک تزاد الفاء ایضاً اور اسی طریقے سے کبھی کسی

لفظ کے ساتھ ف بھی بڑھا دیتے ہیں۔ یہ بھی ف عاطفہ کہلاتی ہے اور محض تاکید کے لئے آتی ہے۔ اس سے عطف مراد نہیں ہوتا۔ قال القسطلانی فی شرح کتاب الحج فی (باب المعتمر اذا طاف طواف العمرة ثم خرج هل یجزئه عن طواف الوداع) کہا شارح صحیح بخاری علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ نے بخاری شریف کی کتاب الحج کے باب (عمرہ کرنے والا جب عمرہ کا طواف کر کے نکل جاتا ہے تو کیا اس کے لئے طواف وداع کرنا جائز ہے؟) قال :ویجوز کہتے ہیں کہ جائز ہے۔ توسط العاطف بین الصفة والموصوف لتاکید لصوقها بالموصوف صفت اور موصوف کے درمیان عطف کا لانا درست ہے کیونکہ صفت اپنے موصوف کے ساتھ مؤکد طریقے سے ملی ہوئی ہے نحو، مثلاً......

مثال نمبر ۱۷ :

اذ یقول المنافقون والذین فی قلوبهم مرض (الانفال : ۴۹) جب منافق لوگ اور وہ جن کو دلوں میں بیماری ہے، کہتے تھے غر هؤلاء دینهم ان مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکہ دیا ہے۔ اس آیت میں منافقون اور الذین موصوف اور صفت ہیں اور ان کے درمیان و عطف کے لئے نہیں بلکہ تاکید اتصال کے لئے آئی ہے۔ قال سیبویه :هو مثل مررت بزید و صاحبك اذا اردت بصاحبك زیدًا علم نحو کے بہت بڑے امام سیبویه اس کی مثال اس طرح بیان کرتے ہیں "میں زید اور تیرے ساتھی کے ساتھ گزرا" یہاں بھی واؤ تاکید وصلہ کے لئے ہے، نہ کہ عطف کے لئے کیونکہ زید اور صاحب سے ایک ہی شخص زید مراد ہے۔

وقال الزمحشری فی قوله تعالیٰ (وما اهلکنا من قریة الا ولها کتاب معلوم) (الحجر : ۴) اور نہیں ہلاک کیا ہم نے کسی بستی کو مگر اس کیلئے ایک نوشتہ تھا مقرر لکھا ہوا۔

صاحب تفسیر زمخشری علامہ زمخشری جار اللہ کہلاتا ہے۔ علمیت کے لحاظ سے اس کی تفسیر بہت بلند پایہ ہے۔ خراسان میں پیدا ہوا، صرف، نحو اور فقہ میں بڑا ماہر تھا۔ مذکورہ بالا آیت کے متعلق اس کا قول ہے۔ جملة واقعة صفة لقریة جملہ واقعہ بستی کی صفت میں ہے اور ولها میں آمدہ واؤ محض تاکید کیلئے ہے۔ یہ نہ تو عطف کیلئے اور نہ ہی کوئی الگ معنی دیتی ہے۔ والقیاس ان لا تتوسط

الواؤ بینھما اور قیاس یہ ہے کہ صفت اور موصوف کے درمیان واؤ نہ ہو۔ کما قال فی قولہ تعالیٰ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے وما اھلکنا من قریة الا ولھا منذرون اور ہم نے نہیں ہلاک کیا کسی بستی کو مگر اس کیلئے ڈرانے والے بھیجے گئے۔ یہاں پر لھا سے پہلے واؤ نہیں آیا۔ وانما توسطت لتاکید لصوق الصفة بالموصوف یہ تو صفت اور موصوف کے درمیان محض تاکید کیلئے آئی ہے۔ کما یقال فی الحال : جاء نی زید علیہ ثوب وجاء نی وعلیہ ثوب جیسا کہ فی الحال کہا جاتا ہے۔ میرے پاس زید آیا اس پر کپڑا تھا اور وہ میرے پاس آیا اور اس پر کپڑا تھا۔ یہاں جو درمیان میں واؤ داخل کر دیا گیا ہے اس سے عطف مراد نہیں ہے انتھی علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ختم ہوا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں تک قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کر کے مسئلہ سمجھا دیا ہے۔ واؤ کا ہر جگہ عاطفہ ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ یہ تاکید اتصال کے لئے بھی آتا ہے۔ قرآن میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

دشواری بذریعہ انتشار ضمائر :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے ہیں وربما تکون الصعوبة فی فھم المراد لانتشار الضمائر وارادة المعنیین من کلمة واحدة بعض اوقات کلام کے سمجھنے میں دشواری ضمائر کے انتشار کی وجہ سے آتی ہے۔ کلام میں کئی ضمیریں آجاتی ہیں جن کا مرجع پھیرنے کے سلسلے میں دقت پیش آتی ہے۔ یا پھر ایک کلمہ کے دو معنی مراد ہوتے ہیں اور اس کے تعین میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے، مثلاً......

مثال نمبر ۱۸ :

وانھم لیصدونھم عن السبیل ویحسبون انھم مھتدون بے شک وہ ان کو سیدھے راستے سے روکتے ہیں اور وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں یعنی ان الشیاطین لیصدون الناس عن السبیل ان ضمائر کے صحیح مراجع اس طرح ہیں کہ پہلے انھم کی ضمیر شیاطین کی طرف ہے اور لیصدونھم میں ھم کی ضمیر لوگوں کی طرف ہے۔ اور اگلے جملہ ویحسبون

انهم مهتدون کی ضمیر بھی لوگوں کی طرف ہے۔اور مطلب یہ ہے کہ شیاطین لوگوں کو راہِ راست سے روکتے ہیں مگر لوگ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت کے راستے پر چل رہے ہیں، بہرحال ایسے مواقع پر ضمائر کا صحیح تعین ہی مفہوم تک پہنچنے میں مددگار ہوسکتا ہے، یہ انتشار ضمیر کی مثال ہے۔

ذومعنی کلمات :

بعض مواقع پر ایک ہی کلمہ کے دو مختلف معنی ہوتے ہیں جن کے صحیح تعین کے بغیر کلام کے سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے، مثلاً......

مثال نمبر ۱۹ :

قال قرینه اس کے ساتھی نے کہا۔ایک مقام پر قرین سے مراد شیطان ہے فی موضع واحد: المراد به الشیطان وفی الموضع الآخر :الملك جبکہ دوسرے مقام پر قرین سے مراد فرشتہ ہے۔(سورۃ ق : ۲۳،۲۷)

مثال نمبر ۲۰ :

یسألونك ماذا ینفقون ط قل ما انفقتم من خیر (البقرہ : ۲۱۵)لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیں کہ تم جو مال بھی خرچ کرو، وہ والدین، قرابتداروں و یتیموں مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو۔اور پھر دوسری آیت میں ہے ویسألونك ماذا ینفقون قل العفو ط ○ (البقرہ : ۲۱۹)لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیں کہ جو بھی ضرورت سے زائد ہو، خرچ کردو۔

دونوں آیات میں سوال انفاق کے متعلق ہے مگر جوابات مختلف ہیں۔شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں فالاول معناه ای انفاق ینفقون وای نوع من الانفاق ینفقون پہلی آیت میں انفاق سے مراد یہ ہے کہ کس نوع کا انفاق کیا جائے تو اس سوال کا جواب یہ دیا کہ جو بھی خرچ کرنا ہے وہ اپنے والدین، اقربا اور یتیموں، مسکینوں پر خرچ کرو۔ وهو صادق بالسؤال عن المصرف اور یہ سوال مصرف کے متعلق صادق آتا ہے لان الانفاق یصیر باعتبار المصارف انواعاً اور یہ

بھی ظاہر ہے کہ انفاق کی کئی قسمیں ہیں۔ لہٰذا اس سوال کے جواب میں خرچ کے مصارف بتلا دیئے کہ ان ان لوگوں پر خرچ کرو۔ والثانی معناہ : ای مال ینفقون اور دوسرے سوال کا معنی یہ ہے کہ کون سا مال خرچ کیا جائے؟ تو اس کا جواب یہ دیا کہ جو اپنی ضرورت سے زائد ہو وہ خرچ کر دو۔ گویا اپنی ضرورت کو مقدم رکھو اور پھر جو بچ جائے وہ مذکورہ مدات میں خرچ کر دو۔ اس کلام سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ دونوں مواقع پر سوال ایک ہے یعنی ماذا ینفقون مگر مفہوم الگ الگ ہے۔ ایک مقام پر اقسامِ مصارف کا بیان ہے تو دوسری جگہ مال کی نوع کا بیان ہے۔

الفاظ جعل اور شیٔ مختلف معانی میں :

ومن ھٰذا القبیل مجیٔ لفظ "جعل" و "شیٔ" ونحوھا لمعان شیٔ اور اسی قبیل سے یہ بات بھی ہے کہ لفظ جعل اور شیٔ مختلف معانی میں استعمال ہوتے ہیں۔ وقد مجیٔ "جعل" بمعنی خلق اور کبھی جعل کا لفظ تخلیق کے معنی میں آتا ہے، مثلاً......

مثال نمبر ۲۱ :

جعل الظلمٰت والنور (الانعام : ۱) اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے آسمان و زمین اور اندھیروں اور روشنی کو تخلیق فرمایا۔ وقد یکون بمعنی اعتقد اور کبھی "جعل" کا لفظ اعتقاد کے معنی میں آتا ہے، مثلاً......

مثال نمبر ۲۲ :

وجعلوا لِلّٰہِ مما ذرا (الانعام : ۳۶) اور ٹھہرایا ان لوگوں نے اللہ کے لئے اس میں سے جو پیدا کئے ہیں اللہ نے کھیتی اور مویشی ایک حصہ۔ گویا مشرکین نے پیداوار کے مختلف حصے بنا کر کچھ تو اللہ کے نام کے بنا لئے اور کچھ اپنے معبودانِ باطلہ کے نام وقف کرتے۔ غرضیکہ اس مقام پر جعل کا لفظ عقیدہ قائم کرنے کے معنی میں آیا ہے۔

وشیٔ یجیٔ مکان الفاعل ومکان المفعول بہٖ اور کسی مقام پر شیٔ کا لفظ فاعل کے معنی میں آتا ہے اور کہیں مفعول بہ کے طور پر آتا ہے۔ ومکان المفعول المطلق وغیرھا

اور کسی جگہ مفعول مطلق کے طور پر بھی آتا ہے۔ جیسے......

مثال نمبر ۲۳ :

ام خلقوا من غیر شیٔ (الطّور : ۳۵) کیا یہ (کافر) بغیر کسی چیز کے پیدا کیے گئے ہیں؟ ای من غیر خالق یعنی کیا یہ خالق کے بغیر ہی دنیا میں آ گئے ہیں؟ اور ان کا خالق کوئی نہیں ہے؟ گویا یہاں پر شییٔ بمعنی خالق آیا ہے اور فاعل کا معنی دیتا ہے۔

مثال نمبر ۲۴ :

فلا تسئلنی عن شیٔ (الکھف : ۴) مجھ سے کسی چیز کے متعلق سوال نہ کرنا۔ ای عن شیٔ مماتتوقف فیه من امری یعنی کسی ایسی چیز کے متعلق مت پوچھنا جس سے میرے کام میں خلل واقع ہوتا ہو۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کے ساتھ رفاقت کی خواہش کی تو حضرت خضر علیہ السلام نے اس شرط پر اجازت دی کہ موسیٰ علیہ السلام ان کے کسی کام میں مداخلت نہیں کریں گے۔ یہاں پر شیٔ کا لفظ مفعول کے طور پر آیا ہے۔ وقد یریدون بالامر والنبأ والخطب المخبر عنه اور کبھی امر، خبر اور خطب سے مخبر عنہ یعنی کوئی قصہ مراد لیتے ہیں۔

مثال نمبر ۲۵ :

ھو نبأ عظیم ای قصة عجیبة (ص : رکوع ۵) یہ بہت بڑی خبر ہے یعنی عجیب وغریب واقعہ ہے۔ یہ قیامت کے متعلق کہا گیا ہے سورۃ النبأ کی ابتدائی دو آیات یہ ہیں۔ عم یتسآء لون ○ عن النبا العظیم ○ وکذالك الخیر والشر ومافی معناھما یختلفان بحسب المواضع اسی طرح خیر و شر کا معاملہ بھی ہے۔ ان کے معانی بھی واقع کے لحاظ سے مختلف آتے ہیں۔ ومن ھذا القبیل انتشار الآیات اور آیات کا انتشار بھی اسی قبیل سے ہے۔ قد یبادرون الی آیة مقامھا الاصلی بعد ایراد القصة فیذکرونھا قبل تمام القصة اور کسی آیت کو پہلے ہی بیان کر دیتے ہیں حالانکہ اس کا اصل مقام واقعہ کے بیان کرنے کے بعد ہوتا ہے ثم یعودون الی القصة فیتمونھا پھر اصلی واقعہ کی طرف آتے ہیں اور اسے مکمل کرتے ہیں۔ وقد تکون الآیة

متقدمة فی النزول متاخرة فی التلاوة اور کبھی کوئی آیت نزول کے اعتبار سے پہلے ہوتی ہے مگر تلاوت کے لحاظ سے بعد میں آتی ہے، مثلاً......

مثال نمبر ۲۶ :

قد نری تقلب وجھك (البقرہ : ۱۴۴) متقدمة فی النزول متاخرة فی التلاوة یہ آیت نزول میں پہلے ہے مگر تلاوت کے اعتبار سے بعد میں ہے۔ وسیقول السفھاء (البقرہ : ۱۴۲) متاخرة اور یہ آیت بعد میں ہے۔ وفی التلاوة بالعکس اور تلاوت کے اعتبار سے اس کے برعکس ہے۔ یعنی تلاوت میں پہلے ہے اور نزول کے اعتبار سے بعد میں ہے۔

درمیانِ کلام جواب :

وقد یدرج الجواب فی اثناء قول الکفار اور کبھی کافروں کی بات کا جواب ان کی بات کے دوران ہی دے دیا جاتا ہے، مثلاً ولا تؤمنوا الا لمن تبع دینکم قل ان الھدی ھدی اللہ ان یؤتی احد مثل ما اوتیتم (آل عمران : ۷۳) (یہودی کہتے تھے نہ تصدیق کرو مگر اس کی جو تمہارے دین کا پیروکار ہو اللہ نے درمیان میں ہی جواب دیا۔ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ ہدایت تو اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ہدایت کسی کو بھی دینے پر قادر ہے جیسا کہ اس نے تمہیں ہدایت سے نوازا ہے۔

اس پورے جملہ میں ولا تؤمنوا الا لمن تبع دینکم اور پھر آگے ان یؤتی احد مثل ما اوتیتم یہودیوں کی آپس میں مربوط بات چیت ہے۔ اور درمیان میں قل ان الھدی ھدی اللہ خداتعالیٰ کی طرف سے اس کا دوران کلام ہی جواب دے دیا گیا ہے۔ یہودی اپنے دین کے علاوہ کسی دوسرے دین کی تصدیق کرنے کیلئے تیار نہیں تھے۔ اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کے پیش نظر وہ آپس میں ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ صرف اپنے دین کے پیروکار کی تصدیق کرنا اور مسلمانوں کی کسی بات کو سچا نہ ماننا کیونکہ تمہارا دین ہی سب سے اعلیٰ وارفع ہے۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تمہارے دین جیسا دین کسی دوسری قوم کو بھی دیا گیا ہو۔ یہودیوں کی اس بات کا جواب اللہ نے

درمیان میں ہی دے دیا کہ اے یہودیو! تم اپنے دین کو اعلیٰ ترین دین قرار دے رہے ہو حالانکہ سچا دین اور صحیح ہدایت تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے آتی ہے جو مسلمانوں کو عطا ہو چکی ہے، لہٰذا تمہاری طرف سے اسلام کی عدم تصدیق کچھ معنیٰ نہیں رکھتی۔

بہرحال شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کلام میں خفا کی ایک صورت یہ بھی بیان کی ہے کہ بعض اوقات کافروں کی بات کا جواب ان کے کلام کے درمیان ہی دے دیا جاتا ہے جس کو سمجھے بغیر کلام کا صحیح مفہوم ذہن میں نہیں آتا۔

وبالجملة فهٰذه المباحث تحتاج الى تفصيل كثير، ولكن يكفي هذا القدر مما ذكرنا اور بالجملہ یہ مباحث بڑی تفصیل کے محتاج ہیں مگر اتنا ہی کافی ہے جتنا ہم نے ذکر کر دیا ہے۔ ومن طالعه من اهل السعادة واستحضر هٰذه الامور واخطرها بالبال في اثناء المطالعة يدرك الغرض من الكلام بادني تامل اور جو سعادت منداس کا مطالعہ کرے گا، اور ان امور کو اپنے ذہن میں مستحضر کرے گا اور دورانِ مطالعہ ان کو دل میں جگہ دے گا، وہ تھوڑی سی کوشش سے کلام کی غرض کو پالے گا، ويقيس غير المذكور على المذكور و ينتقل من مثال الى امثلة اخر اور جو باتیں ذکر نہیں کی گئیں ان کو بھی مذکورہ باتوں پر قیاس کرے گا اور ایک مثال کو دوسری مثال کی طرف منتقل کر کے حقیقت کو پالے گا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ چھوٹی چھوٹی مثالیں بیان کر کے بات کو سمجھایا ہے، تاہم یہ چیزیں کلام الٰہی میں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔

فصل

لیعلم ان المحکم مالم یفھم منه العارف باللغة ...... الٰی ...... مع ان المبنت هو الحق سبحانه فی موسم الربیع ، واللّٰه اعلم بالصواب۔ (ص۳۹ تا ص۴۰)۔

ربط مضمون :

قرآن پاک کے نظم اوراس کے معانی کے سمجھنے میں بعض اوقات خفا آتی ہے جس کے متعلق اکثر وبیشتر باتیں پہلے بیان ہوچکی ہیں۔ کبھی یہ دشواری جملے سے کسی لفظ کے حذف کی وجہ سے پیش آتی ہے تو بعض الفاظ کے تقدیم وتاخیر کی وجہ سے بھی معانی کے سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے اور کبھی کسی لفظ کا قلب یا زیادتی خفا کا باعث بنتی ہے۔اس بحث کوختم کرنے کے بعد صاحب کتاب شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے محکم اور متشابہ آیات کوخفا کی وجوہات میں شمار کیا ہے۔ جب تک ایسی کسی آیت کا صحیح معنی متعین نہیں ہوگا پیش آمدہ خفا دور نہیں ہوگا۔

محکم اور متشابہ قرآن کی نظر میں :

محکم کا لفظ اصولیوں کی اصطلاح میں منسوخ کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے،یعنی فلاں حکم منسوخ نہیں ہے بلکہ محکم اور مضبوط ہے اوراس پر برابر عمل ہورہا ہے۔قرآن پاک کی محکم اور متشابہ آیات کے متعلق سورۃ آل عمران کی آیت : ۷ اس طرح وضاحت کرتی ہے۔

هو الذی انزل علیك الکتاب منه آیت محکمت هن ام الکتاب واخر متشابهات ط فاما الذین فی قلوبهم زیغ فیتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاویله ج وما یعلم تاویله الا اللّٰه والراسخون فی العلم یقولون آمنا به کل من عند ربنا وما یذکر الا اولوا الالباب ○

اللہ کی ذات وہی ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری اس میں بعض آیتیں محکم ہیں،وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری متشابہ ہیں۔ پس جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھا پن ہے،وہ متشابہات کے پیچھے لگے ہیں اوراس میں گمراہی تلاش کرتے ہیں اوراس کی تاویلیں ، حالانکہ اس کی تاویل اللہ ہی

جانتا ہے۔ اور جو علم میں پختہ ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ان سب پر، یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں۔ اور نہیں نصیحت پکڑتے مگر عقلمند لوگ۔

محکم کی تعریف :

یہاں پر شاہ صاحب رحمۃ اللہ نے محکم کی تعریف اپنی حکمت کے مطابق کی ہے فرماتے ہیں **لیعلم ان المحکم مالم یفهم منه العارف باللغة الا معنی واحداً** جان لیا جائے کہ محکم سے مراد وہ کلمہ ہے کہ لغت کے جاننے والے اس کا صرف ایک ہی معنی سمجھیں۔ **والمعتبر فهم العرب الاول لافهم مدقـقـي زماننا** اور اس فہم کے لئے سب سے پہلے عربوں کا اعتبار کیا جائے گا۔ یعنی نزول قرآن یا اس سے قبل کے زمانہ میں موجودہ عربوں نے کسی لفظ یا کلمہ کے جو معانی سمجھے تھے، اس کو محکم کہا جائیگا۔ **لا فهم مدقـقـي زماننا** اور ہمارے اس زمانے کے مدققین یا محققین کے فہم کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ یہ لوگ تو یونہی باریکیاں اور احتمالات نکالتے رہتے ہیں، گویا بال کی کھال کھینچتے رہتے ہیں۔ **فان الدقیق الفارغ داء عضال یجعل المحکم متشابهاً والمعلوم مجهولاً** کیونکہ جدید موشگافی ایک ایسا لاعلاج مرض ہے جو محکم کو متشابہ اور معلوم کو مجہول بنا دیتا ہے۔ غرضیکہ کسی لفظ کا جو مطلب پہلے عربوں نے سمجھا ہے، وہ محکم متصور ہوگا۔

متشابہ کی تعریف :

والمتشابه ما احتمل معنيين لاحتمال رجوع ضمير الی مرجعين اور متشابہ سے مراد وہ لفظ یا کلمہ ہے کہ اس میں آمدہ ضمیر دو مراجع کی طرف لوٹنے کا احتمال ہو۔ جب کسی ضمیر کے دو مراجع بن سکتے ہوں تو ظاہر ہے کہ متعلقہ لفظ کے معانی بھی ایک کی بجائے دو بنیں گے۔ اس کی مثال شاہ صاحب رحمۃ اللہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔ **کما اذا قال شخص** جیسے کسی شخص نے یوں کہا۔ **اما ان الامیر امرنی ان العن فلاناً لعنه الله** کہ بے شک امیر نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فلاں شخص پر لعنت بھیجوں کہ اللہ تعالیٰ اس پر لعنت بھیجے۔ اب یہ کلمہ اس لحاظ سے متشابہ ہے کہ لعنت اس شخص پر ہو رہی ہے جس کا نام لیا گیا ہے یا خود حکم دینے والا امیر اس لعنت کی زد میں آ گیا ہے کیونکہ خود امیر بڑا ظالم

آدمی ہے۔

ذو معنی الفاظ کی صورت میں :

او لا شتراك كلمة في المعنيين اور اگر ایک کلمہ کے دو معانی نکلتے ہوں، تب بھی کلام متشابہ ہو جائے گا نحو مثلاً (لا مستم) في الجماع واللمس باليد یہ کلمہ لا مستم جماع کے معنی میں بھی آتا ہے اور ہاتھ سے چھونے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جب تک آپ موقع محل کے مطابق کوئی ایک معنی متعین نہیں کریں گے اس کے معانی کے سمجھنے میں دشواری موجود رہے گی۔ یہ کلمہ سورۃ المائدہ کی آیت : ٦ سے ماخوذ ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تم بیمار ہو یا مسافر ہو یا تم میں سے کوئی جائے ضرورت سے آیا ہے۔ او لٰمستم النساء فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيداً طيباً یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو اور پانی موجود نہیں ہے تو پاک مٹی سے تیمّم کر لو۔ ظاہر ہے کہ عورت کو صرف ہاتھ سے چھو لینے کی وجہ سے تو غسل یا وضو ضروری نہیں ہو جاتا ہے کہ پانی کی عدم موجودگی میں تیمّم کیا جائے۔ لہٰذا اس مقام پر مس سے مراد محض چھونا نہیں بلکہ مباشرت مراد ہے کہ ایسی صورت میں اگر فوری طور پر پانی نہ ملے تو غسل کے بدل کے طور پر تیمّم کر کے نماز ادا کر لی جائے۔

عطف کا قریب یا بعید پر اطلاق :

کسی کلمہ میں متشابہ کی ایک وجہ و لا حتمال العطف على القريب والبعيد کلمہ میں موجود عطف کا اطلاق ہے کہ وہ قریب پر کیا جائے یا بعید پر۔ اس کے صحیح تعین کے بغیر بھی خفا رفع نہیں ہوگا۔ نحو مثال کے طور پر (وامسحوا برؤسكم وارجلكم) اور مسح کرو اپنے سروں کے ساتھ اور اپنے پاؤں۔ یہ الفاظ بھی سورۃ مائدہ کی آیت : ٦ سے وضو کے متعلق ہیں کہ جب تم نماز پڑھنا چاہو تو اپنے چہروں اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو۔ اور مسح کرو اپنے سروں پر اور اپنے پاؤں کو بھی ٹخنوں تک دھولو۔ اس جملہ میں ارجلكم سے پہلے و کے عطف کا اطلاق قریب یعنی مسح پر کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سر اور پاؤں پر مسح کر لو۔ اور اگر اس عطف کا اطلاق بعید یعنی غسل پر کریں گے تو پاؤں کا دھونا ضروری قرار پائے گا۔ مسح پر عطف کی صورت میں ارجلكم کی ل کو مکسور

(ارجلِکم) پڑھیں گے اور غسل کی صورت میں ل کو مفتوح (ارجلَکُم) پڑھیں گے۔ اہلِ سنت کے نزدیک پاؤں کا غسل ضروری ہے اور اہلِ تشیع کے نزدیک مسح آتا ہے۔ اس طریقے سے یہ اشتباہ رفع ہو جائے گا۔

عطف یا استئناف :

فی قراۃ الکسر ، او احتمال العطف والاستئناف قرات کسر یا عطف اور استئناف کا احتمال بھی معانی کے سمجھنے میں خفا پیدا کر سکتا ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مثال سورۃ آل عمران کی اسی آیت کے ساتھ دی ہے جس میں محکم اور متشابہ آیات کا ذکر ہے۔ نحو مثلاً (لایعلم تاویله الا اللہ والراسخون فی العلم) اگر الا اللہ پر وقف کیا جائے تو جملہ مکمل ہو گیا اور معنی ہوگا کہ متشابہ آیت کی تاویل صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ اور اگر اس کو جملہ متانف بنائیں گے یعنی الا اللہ پر وقف نہیں کریں گے تو معنی ہوگا کہ اس کی تاویل کو اللہ جانتا ہے اور علم میں پختہ کار لوگ بھی جانتے ہیں۔ گویا عطف کی صورت میں حقیقت کو جاننے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اہلِ علم لوگ بھی شامل ہو جائیں گے۔

راسخ فی العلم کون لوگ ہیں؟ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ہی جملے میں اس کا مطلب سمجھا دیا ہے۔ فرماتے ہیں، علم میں پختہ کار وہ شخص ہوتا ہے جس کی معلومات میں تضاد نہ ہو۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ کسی لفظ یا جملے کا ایک دفعہ ایک مطلب بیان کیا ہو اور دوسری مرتبہ کوئی دوسری بات کر دی ہو۔

کنایہ کا استعمال :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی جملے میں آمدہ کنایہ بھی خفا کا ذریعہ بن سکتا ہے کنایہ کا ذکر پہلے بھی آ چکا ہے۔ یہاں پر کنایہ کی تعریف اس طرح بیان کی گئی ہے۔ والکنایة ان یثبت حکم من الاحکام ولا یقصد به ثبوت عینه کنایہ یہ ہے کہ احکام میں سے کوئی ایسا حکم ثابت کیا جائے جو بعینہ مراد نہ ہو۔ بل المقصود انتقال ذهن المخاطب الی مایلزمه لزوماً عادیاً او عقلیاً بلکہ اس کا مقصد مخاطب کے ذہن کو ایسے معنی کی طرف منتقل کرنا ہو جو لوگوں میں بالعموم محاورے

کے طور پر معروف ہو یا انسانی عقل اس کو لازم سمجھتی ہو۔

کما فی عظیم الرماد جیسے کہتے ہیں کہ فلاں شخص عظیم الرماد یعنی بہت راکھ والا ہے۔ اس کا لغوی معنی تو یہی نکلتا ہے کہ مذکورہ شخص کوئلے بنانے کا کام کرتا ہے جو لکڑیاں جلا کر راکھ بناتا ہے۔ مگر اس سے ایسا شخص مراد نہیں ہے فان المعنی کثرة الضیافة بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص کثرتِ ضیافت والا ہے۔ گویا کثرتِ راکھ کا کنایہ دے کر مخاطب کا ذہن کثرتِ ضیافت کی طرف منتقل کیا گیا ہے، یعنی وہ شخص بڑا مہمان نواز ہے۔ اور دونوں کی تطبیق اس طرح ہے کہ اس شخص کے ہاں کثرت سے مہمان آتے ہیں جن کی مہمان نوازی کے لئے کھانا بھی کثرت سے تیار ہوتا ہے جس کے لئے بڑی مقدار میں آگ جلانا پڑتی ہے جس کی راکھ بھی بہت زیادہ بنتی ہے۔ الغرض! کسی شخص کے بہت راکھ والا ہونے کا مقصد یہ ہے کہ وہ بہت مہمان نواز ہے بڑا افیاض آدمی ہے۔ گویا یہاں عظیم الرماد کا لفظی معنی مراد نہیں ہے بلکہ وہ معنی مراد ہے جو معاشرے میں عادتاً معروف ہے یا عقل اسے تسلیم کرتی ہے۔

اسی اصول کے مطابق ویفهم من (بل یداه مبسوطتان) معنی الکرم والسخاوة بل یداه مبسوطتان (المائدہ : ۶۴) بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں، اس سے ظاہری ہاتھوں کی کشادگی مراد نہیں ہے بلکہ اس سے کرم اور سخاوت کا معنی سمجھا جائے گا۔ یہودی کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ باندھ دیئے گئے ہیں، پہلے ہمیں سب کچھ دیتا تھا مگر اب ہاتھ کھینچ لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا کہ اس کے دونوں ہاتھ تو کشادہ ہیں اور وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ انہوں نے ایک حسی چیز کو غیر حسی چیز کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو کہ غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں سے یہ حسی ہاتھ مراد نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے معنوی ہاتھ مراد ہیں۔ شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ اس کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھوں سے مراد مہربانی اور قہر کے ہاتھ ہیں۔ وہ جس کو چاہتا ہے انعام دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سزا بھی دیتا ہے۔ گویا یہاں پر یداہ سے لفظی نہیں بلکہ لازم معنی مراد ہے۔

غیر محسوس کی محسوس شکل میں تفہیم :

ومن هٰذا القبیل تصویر المعنی المراد بصورة المحسوس اور اسی قبیلے سے یہ

بات بھی ہے کہ مقصودی معنی کسی محسوس شکل میں سمجھا دیا جائے۔ وذٰلك باب واسع في اشعار العرب وخطبهم، والقران العظيم و سنة نبينا صلى الله عليه وسلم اور یہ باب عربوں کے اشعار وخطبات، قرآن پاک اور سنت نبوی میں بڑا وسیع ہے مشحونة به اور عربوں کے کلام اور قرآن وسنت سے ایسی چیزیں بھری پڑی ہیں، مثلاً واجلب عليهم بخيلك ورجلك (بنی اسرائیل : ۶۴) اور کھینچ لاؤ ان کے اوپر اپنے سوار اور پیدل۔ یہ اللہ تعالیٰ اور شیطان کے درمیان مکالمے کا کچھ حصہ ہے۔ راندۂ درگاہ بننے کے بعد اس نے قیامت تک کیلئے اللہ کے بندوں کو گمراہ کرنے کی مہلت مانگی جو دے دی گئی۔ اللہ نے شیطان کو چیلنج کرتے ہوئے فرمایا کہ جاؤ تم اپنی آواز کے ساتھ اپنے سواروں اور پیدل شیطانوں کو بھی کھینچ کر لے آؤ مگر تو میرے خاص بندوں پر غلبہ حاصل نہیں کر سکے گا۔ اس طرح گویا شیطانوں کی غیر محسوس کارروائی کو محسوس شکل میں گھوڑ سواروں اور پیدل جتھے کی محسوس شکل میں سمجھا دیا ہے۔ اس مقام پر شیطان کو ڈاکوؤں کے سردار کے ساتھ تشبیہ دی گئی شبه برئيس السارقين حيث ينادي اصحابه فيقول جو اپنے ساتھیوں میں اعلان کرتا ہے اور کہتا ہے۔ تعالوا من هٰذه الجهة وادخلوا في تلك الجهة کہ اس طرف سے آؤ اور اس طرف سے داخل ہو۔ گویا وہ لڑائی کے وقت اپنے جتھے کو ہدایت دیتا ہے۔

ایک اور مثال ملاحظہ کریں۔ وجعلنا من بين ايديهم سداً ومن خلفهم سداً (یٰسین : ۹) ہم نے ان کے سامنے اور پیچھے دیوار کھڑی کر دی۔ مشرکین اہلِ ایمان کو ہلاک کرنا چاہتے تھے مگر اللہ نے فرمایا کہ ہم نے ان کے آگے پیچھے ایسے پردے ڈال دیئے جن کی وجہ سے وہ بصارت سے محروم ہو کر مسلمانوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ اور اس طریقے سے ان کی تدبیر کو ناکام بنا دیا۔

(وجعلنا في اعناقهم اغلالاً) (یٰسین : ۸) ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ان کی نظریں طوق کے بوجھ کی وجہ سے اوپر کو اٹھی ہوئی تھیں اور وہ کچھ دیکھ نہیں سکتے تھے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شبه اعراضهم عن تدبر الآيات بمن غلت يداه اس آیت میں ان مشرکوں اور کافروں کو جو اللہ کی آیات میں غور وفکر نہیں کرتے تھے، ان کے ہاتھ جکڑے جانے کے ساتھ

تشبیہ دی گئی ہے۔ او بنی حوالیه سد من کل جهة یاان کے اردگرد ہر طرف دیوار کھڑی کرنے کی تشبیہ دی گئی ہے۔ فلا یستطیع الرؤیة اصلاً جس کی بنا پر وہ دیکھنے کی صلاحیت سے محروم ہو گئے تھے۔ واضمم الیك جناحك من الرهب (القصص : ۳۲) اور ملا تو اپنی طرف اپنے بازو کو خوف سے۔ یعنی اجمع خاطرك من الانتشار یعنی اپنے دل کو انتشار سے محفوظ رکھ۔ ونظیر ذلك فی العرف اور اس کی مثال عرف عام میں یہ ہے انهم اذا قرروا شجاعة رجل یشیرون بالسیف انه یضرب هٰکذا ویضرب هٰکذا جب کہ وہ کسی شخص کی شجاعت کا بیان کرتے تو تلوار کے ساتھ اشارہ کرتے کہ وہ ایسے ایسے تلوار مارتا ہے۔ ولا یقصد به الاغلبة اهل الآفاق بصفة الشجاعة وان لم یکن اخذ السیف بیده مرة من الدهر اور نہ ارادہ کیا جاتا اس کے ساتھ مگر اس کے اہلِ زمانہ پر اس کی بہادری کی صفت کا اگرچہ اس نے اپنے ہاتھ میں مدت العمر ایک مرتبہ بھی تلوار نہ پکڑی ہو۔ وکذٰلك یقولون یقول فلان لااریٰ احداً فی الارض یبادرنی اور اسی طرح کہتے ہیں کہ فلاں کہتا ہے کہ میں نے نہیں دیکھا زمین سے کسی ایک کو کہ وہ مجھ سے سبقت لے جاسکتا، او یقولون یا کہتے ہیں فلان یفعل هٰکذا فلاں ایسا کرتا ہے ویشیرون بهیئة اهل المبارزة فی وقت مغالبة الخصم اور ایسی ہیئت کے ساتھ اشارہ کرتے ہیں جس کا اظہار (کامیابی حاصل کرنے والا) اپنے دشمن کے مغلوب ہونے کے وقت کرتا ہے۔ ولولم یکن یفعل هٰذا الشخص هٰذا الفعل ولاصدر عنه هٰذا القول اگرچہ اس شخص نے یہ فعل کبھی نہ کیا ہو اور نہ ہی اس سے اس قسم کی کوئی بات صادر ہوئی ہو۔ او یقولون یا کہتے ہیں خنقنی فلان وجر اللقمة من داخل حلقی فلان نے میرا گلا گھونٹ دیا ہے یا فلاں نے میرے حلق سے لقمہ نکال لیا ہے۔ ان تمام صورتوں کو از قسم تصویر سمجھنا چاہیے۔

تعریض :

اب یہاں سے شاہ صاحب رحمہ اللہ تعریض کی تعریف اور اس کی مثالیں بیان کرنا چاہتے ہیں فرماتے ہیں والتعریض ان یذکر حکم عام او منکر ویقصد به تقریر حال شخص خاص تعریض یہ ہے کہ حکم تو عام ذکر کیا جائے لیکن مقصد اس سے کسی خاص شخص کا حال بیان کرنا ہو

او التنبیه علی حال رجل معین یا کسی خاص شخص کے حال پر تنبیہ کرنا ہو، وربما یجیٔ فی اثناء الکلام بعض خصوصیات ذٰلک الشخص ولا یطلع المخاطب علی ذٰلک الشخص اور بسا اوقات اس کی بعض خصوصیات کلام میں لائی جائیں اور مخاطب کو اس شخص سے مطلع نہ کیا جائے۔ فیتحیر قارئ القرآن فی مثل هٰذا الموضع وینتظر القصة ویحتاج الیها اس قسم کے مقامات میں قرآن کریم کا پڑھنے والا حیران رہتا ہے اور قصہ کا منتظر اور اس کا محتاج ہوتا ہے وکان النبی صلی الله علیه وسلم اذا انکر علی شخص یقول اور نبی کریم ﷺ جب کسی (خاص) شخص کے (فعل) پر انکار کرنا چاہتے تو فرمایا کرتے تھے وما بال اقوام یفعلون کذا وکذا کیا حال ہے ان لوگوں کا جو ایسا ایسا کرتے ہیں۔ کما فی قوله تعالی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول میں ہے۔ وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی الله ورسوله امراً (الاحزاب : ۳۶) اور نہیں ہے کسی مومن مرد اور نہ مومنہ عورت کا کام کہ جب فیصلہ کردے اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا تو پھر انہیں کوئی اختیار نہیں رہتا تعریض بقصة زینب واخیها حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی کے قصہ کی طرف اشارہ ہے اور ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعة (النور : ۲۲) اور نہ قسم اٹھائیں فضیلت والے لوگ تم میں سے اور وسعت والے۔ تعریض بابی بکر الصدیق اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے۔ ففی هٰذه الصورة مالم یطلعوا علی تلک القصة لا یدرکون مطلب الکلام ایسی صورتوں میں جب تک وہ قصہ معلوم نہ ہو کلام کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔

مجاز عقلی :

یہاں سے اب شاہ صاحب رحمہ اللہ مجاز عقلی کو بیان کرنا چاہتے ہیں فرماتے ہیں والمجاز العقلی ان یسند الفعل الی غیر فاعله مجاز عقلی یہ ہے کہ فعل کو ایسے شخص کی طرف منسوب کریں جو حقیقت میں اس کا فاعل نہیں ہے۔ او یقام مالیس مفعولاً به مقام المفعول به لعلاقة المشابهة بینهما اور ایسی چیز کو مفعول بہ بنائیں جو درحقیقت مفعول بہ نہیں ہے۔ اس مشابہت کے علاقہ کی وجہ سے جو ان دونوں کے درمیان ہوتا ہے۔ وادعاء المتکلم انه داخل فی عداده اور

متکلم اس بات کا دعوہ کرتا ہے کہ یہ بھی ان میں داخل ہے۔ وھو واحد من ذٰلك الجنس اور وہ اسی کی جنس میں سے ہے کما یقال جیسے کہا جاتا ہے بنی الامیر القصر مع ان البانی بعض البنائین لا الامیر امیر نے محل بنایا حالانکہ بنانے والا کوئی معمار ہوتا ہے نہ کہ امیر۔ وانما ھو الآمر بالبناء اور بے شک وہ تو بناء کا حکم کرنے والا ہے۔ وانبت الربیع البقل مع ان المبنت ھو الحق سبحانه فی موسم الربیع اور بہار نے سبزہ اگایا حالانکہ حقیقت میں اگانے والا اللہ تعالیٰ ہے موسم بہار میں واللہ اعلم بالصواب اللہ تعالیٰ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے۔

الباب الثالث

(فی بدیع اسلوب القرآن)

تیسرا باب (قرآن مجید کے اسلوب بدیع کے بیان میں)

و لنبین ھٰذا المبحث فی ثلاثة فصول (یہ بحث تین فصلوں میں بیان کی جا چکی ہے)۔ لم یجعل القرآن مبوبا مفصلاً ...... الٰی ...... لیتصور محل االنزاع ویتواردا القیل والقال علی ذلك المدعی واللہ اعلم بحقیقة الحال۔ (ص ۴۱ تا ص ۴۳)۔

قرآن پاک کا اسلوب بیان :

پہلی فصل :

لم یجعل القرآن مبوباً مفصلاً لیطلب کل مطلب منه فی باب او فصل قرآن کریم کو عام کتابوں کی طرح ابواب کی شکل میں مفصل نہیں بنایا گیا تا کہ ہر مطلب کسی خاص باب یا فصل میں تلاش کیا جائے جیسا کہ عام مصنفین کا طریقہ ہے کہ کسی کتاب کا عنوان دیکھیں، پھر مطلوبہ باب تلاش کریں اور پھر متعلقہ فصل تلاش کر کے مطلوبہ مضمون اس خاص باب یا فصل میں دیکھ لیں۔ بل کان کمجموع المکتوبات فرضاً کما یکتب الملوك الی رعایا ھم بحسب اقتضاء الحال مثالاً بلکہ قرآن پاک کو ایک ایسا مجموعہ مکتوبات فرض کرنا چاہیے جیسے کوئی بادشاہ اپنی رعایا کے

لوگوں کو حالات کی ضرورت کے مطابق مکتوبات لکھتے ہیں اور جن میں وہ لوگوں کو ضروری ہدایات دیتے ہیں، ایسے خطوط کو ابواب یا فصول کی صورت میں ترتیب نہیں دیا جاتا، نہ کسی تقدیم و تاخیر کا لحاظ رکھا جاتا ہے بلکہ حالات کے مطابق جو چیز ضروری ہوتی ہے وہ لکھ دی جاتی ہے۔ وبعد زمان یکتبون مثالاً آخر پھر کچھ عرصہ بعد دوسرا مکتوب لکھتے ہیں وعلی ھٰذا القیاس اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے حالات کے مطابق بادشاہ یا امیر کی جانب سے ہدایات جاری ہوتی رہتی ہیں۔ حتی تجتمع امثلة کثیرة یہاں تک کہ بہت سے مکتوبات جمع ہو جاتے ہیں۔ فیدونها شخص حتی یصیر مجموعاً مرتباً پھر کوئی شخص ان ہدایات کو مدون کر دے یعنی ترتیب دے کر اکٹھا کر دے تو وہ ایک مرتب شدہ مجموعہ ہدایات بن جاتا ہے۔

اس قسم کے مجموعے بائبل میں بھی ملتے ہیں اور دنیا کے بڑے بڑے امراء و حکام اور بادشاہ بھی مکاتیب لکھتے رہے ہیں، برصغیر میں جہانگیر اور عالمگیر کے مکتوبات ملتے ہیں۔ اورنگ زیب عالمگیر ایک پکا سچا مسلمان بادشاہ تھا جس کی حکومت بلخ سے لے کر برما تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ وہی بادشاہ ہے جس نے اپنے زمانے کے پانچ سو علماء سے فتاوی عالمگیری مرتب کروایا تھا۔ مغل سلطنت کا یہ آخری عظیم المرتبت بادشاہ تھا جس کے بعد مغل سلطنت میں زوال آ گیا۔ یہ نہایت سادہ اور صاحب علم فرمانروا تھا۔ علم دوست اور علماء کا قدردان تھا ملا جیون جیسے جید عالم اور دیگر علماء سے تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کا باپ دوسرے بیٹے داراشکوہ کو اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا مگر قدرت کو اس سے کام لینا تھا، لہٰذا اس نے اپنے دور میں اسلام کی بہت خدمت کی۔

بہرحال یہ تو ایک مثال بیان کی گئی ہے کہ قرآن پاک کے مجموعہ کو بادشاہوں کے لکھے گئے مکتوبات پر قیاس کر لیں۔ کذلك نزل الملك علی الاطلاق جل شانه نبیه صلی الله علیه وسلم لهدایة عباده سورة بعد سورة بحسب اقتضاء الحال اسی طریقے سے شہنشاہ مطلق اللہ رب العزت جل شانہ نے حالات کے تقاضا کے مطابق اپنے نبی علیہ السلام پر اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے ایک کے بعد دوسری سورۃ نازل فرمائی۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے نازل ہونے والی سورتوں کی کل تعداد ۱۱۴ ہو گئی۔ ان میں سے ہر صورت کو صحیفہ یعنی ایک مستقل کتاب بھی کہا گیا ہے۔ چنانچہ جب

آپ کسی ایک سورۃ کو دوسری سے الگ کر کے مطالعہ کریں گے تو حالات کے تقاضا کے مطابق پوری پوری ہدایات میسر آ جائیں گی۔

تدوینِ قرآن پاک :

صاحب کتاب شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **وکان فی زمانه صلی الله علیه وسلم کل سورة محفوظة ومضبوطة علی حدة من غیر تدوین السور** کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ہر سورۃ اپنی جگہ پر محفوظ اور مضبوط تھی مگر ساری سورتیں یکجا تدوین شدہ کتابی شکل میں نہیں تھی۔ **ثم رتبت السور فی مجلد بترتیب خاص فی زمان ابی بکر و عمر رضی الله عنهما** پھر ان سورتوں کو حضرا بوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے زمانے میں ایک خاص ترتیب کے ساتھ ایک جلد میں جمع کر دیا گیا۔ **وسمی هٰذا المجموع بالمصحف** اور اس مجموعہ سور کا نام **مصحف** رکھا گیا۔

تفصیلات کے مطابق سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن پاک کی تمام سورتوں کو ترتیب دے کر اکٹھا کیا، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کام کو مزید آگے بڑھایا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تو اس وقت یہ مجموعہ آپ کی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی تحویل میں تھا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو آپ نے یہ مجموعہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے منگوا کر اس کو ایک اور ترتیب دی جو مصحفِ عثمانی کے نام سے موسوم ہوا اور آج یہی مصحف پوری دنیا میں اہلِ ایمان کے ہاں کتابی شکل میں موجود ہے اور دنیا کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ اس سے پیشتر عربوں میں لب ولہجہ اور الفاظ کے قدرے اختلاف کے ساتھ سات مختلف قرائتیں قبائل بنی طی اور بنی ہذیل سے رائج چلی آ رہی تھیں۔ ان کی بولیوں میں بعض الفاظ آگے پیچھے پڑھے جاتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس تفاوت کو دور کرنے کے لئے یہ فیصلہ کیا کہ قرآن پاک چونکہ قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے لہٰذا اس کو اسی زبان میں قائم رکھا جائے گا تا کہ مختلف قرأتوں کی وجہ سے بعد میں کوئی گڑ بڑ نہ واقع ہو جائے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ نسخہ منگوا کر اس کے کئی نسخے نقل کروائے اور اس دور کے سات بڑے بڑے اسلامی مراکز میں ایک ایک نسخہ رکھوا

دیا اور حکم دے دیا کہ جس کسی نے مصحف کی نقل کرنی ہو وہ ان نسخہ جات سے کرے اور کسی دوسری طرف رجوع نہ کرے۔ کہتے ہیں کہ جب اس مجموعہ کا نام رکھنے کا وقت آیا تو لوگوں نے مختلف نام تجویز کیے مگر کوئی بھی نام منظور نہ ہوا۔ اس اثنا میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے حبشہ میں عیسائیوں کے مجموعہ کو دیکھا ہے جسے وہ مصحف کہتے ہیں۔ چنانچہ ۱۱۴ سورتوں کے اس مجموعہ کا نام بھی مصحف ہی پسند کیا گیا۔ اصول فقہ والے کہتے ہیں کہ دوگتوں کے درمیان جو مصحف جمع ہے وہ قرآنِ مجید ہے۔

سورتوں کی تقسیم بلحاظِ طوالت :

وقد كانت السور مقسومة عند الصحابة الى اربعة اقسام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں ان سورتوں کو چار قسموں میں تقسیم کیا گیا یعنی قرآن پاک کی کل سورتوں کے چار گروپ بنا دیئے گئے۔

القسم الاول یعنی پہلی قسم السبع الطوال التى هى اطول السور پہلی قسم سبع طوال کہلاتی ہے۔ یعنی وہ سات لمبی سورتیں جن میں سے ہر ایک میں ایک سو سے زیادہ آیات ہیں یہ سورتیں سورۃ بقرہ سے لے کر سورۃ الاعراف تک ہیں۔ والقسم الثانى یعنی دوسری قسم کی سور فى كل منها مائة آية او تزيد شيئاً قليلاً وہ سورتیں ہیں جن میں سے ہر ایک میں ایک سو یا کچھ زائد آیات ہیں۔ یہ مئین سورتیں کہلاتی ہیں۔ والقسم الثالث اور تیسری قسم کی وہ سورتیں ہیں ما فيه اقل من المائة جن میں ایک سو سے کم آیات ہیں۔ وهى المثانى اور ان کو مثانی کہا جاتا ہے۔ مثانی کا لغوی معنی درجہ دوم والی سورتیں ہے۔

والقسم الرابع : المفصل اور سورتوں کی چوتھی قسم مفصل کہلاتی ہے۔ اسی گروپ کو آگے پھر تین گروپوں میں تقسیم کیا گیا ہے، یعنی:

☆ .... طوالِ مفصل: سورۃ الکہف سے لے کر سورۃ البروج تک کی سورتیں۔

☆ .... اوساطِ مفصل: سورۃ البروج سے لے کر سورۃ القدر تک۔

☆ .... قصارِ مفصل: سورۃ القدر سے آگے آخر قرآن تک۔

وقد ادخل فی ترتیب المصحف سورتان او ثلاث من عداد المثانی فی المئین لمناسبة سیاقها بسیاق المئین البتہ مصحف کی جملہ سورتوں کو ترتیب دیتے وقت دو یا تین سورتیں مثانی گروپ سے نکال کر مئین گروپ میں شامل کر دی گئی ہیں کیونکہ ان کا سیاق مئین گروپ کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے حالانکہ ان میں سے کسی سورۃ کی آیات گروپ کی مقررہ آیات سے زیادہ ہیں اور کسی کی کم ہیں۔

وعلی هٰذا القیاس ربما وقع فی بعض الاقسام ایضاً تصرف اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے سورتوں کی بعض دوسری اقسام میں بھی ردوبدل واقع ہوا ہے۔ واستنسخ عثمان رضی الله عنه من ذلك المصحف مصاحف پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مصحف سے کئی مصحف نقل کروائے۔ ارسل بها الی الافاق لیستفیدوا منها ولا یمیلوا الی ترتیب آخر پھر ان نسخہ جات کو آفاق یعنی دور دراز علاقوں میں بھجوا دیا تاکہ لوگ انہی نسخہ جات سے فائدہ اٹھائیں اور کسی دوسری ترتیب کی طرف میلان نہ رکھیں۔

قرآن کی مثال مکتوباتِ ملوک کے ساتھ :

ولما کان بین اسلوب السور واسلوب امثلة الملوك مناسبة تامة روعی فی الابتداء والانتهاء طریق المکاتیب اور چونکہ قرآن پاک کی سورتوں اور ملوک کے مکتوبات میں کسی حد تک مناسبت پائی گئی ہے لہٰذا سورتوں کے اول و آخر میں بھی مکاتیب ہی کی رعایت رکھی گئی ہے۔ کما یبتدء ون فی بعض المکاتیب بحمدالله عزوجل جس طرح بعض مکاتیب کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی جاتی ہے۔ والبعض الآخر ببیان غرض الاملاء اور بعض دوسرے مکاتیب کا آغاز مکتوب کی غرض وغایت تحریر کر کے کیا جاتا ہے یعنی ابتدا میں ہی مکتوب کا مقصد بیان کر دیا جاتا ہے۔ والبعض الآخر باسم المرسل والمرسل الیه اور بعض دوسرے مکتوبات کو مرسل اور مرسل الیہ کے نام سے شروع کیا جاتا ہے۔ ومنها ما یکون رقعة وشقة بغیر عنوان اور ان میں سے بعض مکتوب رقعہ یا معمولی پرچی کی صورت میں بغیر عنوان کے ہی تحریر کر دیئے جاتے ہیں۔ وبعضها یکون مطولاً ، وبعضها مختصراً اور ان میں سے بعض طویل ہوتے ہیں اور

بعض مختصر ہوتے ہیں۔ كذلك سبحانه وتعالى صدر بعض السور بالحمد والتسبيح اسی طریقے سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بعض سورتوں کو حمد وتسبیح سے شروع کیا ہے۔ جیسے سبح لله ما في السموٰت وما في الارض ۔ وهو العزيز الحكيم ○ (الحشر : ۱) اور بعض کے آخر میں بھی ایسے ہی کلمات آتے ہیں مثلاً سبحان ربك رب العزة عما يصفون ○ وسلام على المرسلين ○ والحمد لله رب العالمين ○ (الصّٰفّٰت : ۱۸۰ تا ۱۸۲) وبعضها ببيان غرض الاملاء اور بعض سورتوں کا آغاز سورۃ کے مقصد کے ساتھ کیا گیا ہے۔ كما قال عزوجل (ذٰلك الكتاب لا ريب فيه ، هدى للمتقين ○ (البقرہ : ۲) جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یہ وہ کتاب ہے کہ جو شک وشبہ سے بالا ہے اور یہ متقیوں کے لئے ذریعہ ہدایت ہے۔ یا سورة انزلناها وفرضناها) (نور : ۱) اس سورۃ کو ہم نے نازل کیا ہے اور فرض قرار دیا ہے وهذا القسم يشبه ما يكتب اور سورتوں کی یہ قسم اس مکتوب کے مشابہ ہے جس میں تحریر کیا جاتا ہے۔ هذا ما صالح عليه فلان وفلان یہ عہد نامہ ہے یا فلاں اور فلاں کے درمیان صلح نامہ ہے۔ وهٰذا ماوصى به فلان اور یہ وصیت ہے جس کی فلاں آدمی نے وصیت کی ہے۔ وكان النبي صلى الله عليه وسلم كتب في واقعة الحديبية اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے واقعہ حدیبیہ کے موقع پر ایسا ہی تحریر فرمایا تھا۔ هٰذا ما قاضٰى عليه محمد صلى الله عليه وسلم یہ وہ چیز ہے جس پر مصالحت ہوئی ہے محمد ﷺ جو اللہ کے رسول ہیں اور قریش مکہ کے درمیان۔ بعض جگہ عہد کا لفظ بھی آتا ہے اور کہیں صالح کا لفظ بھی آیا ہے یعنی یہ وہ چیز ہے جس میں فلاں اور فلاں کے درمیان مصالحت ہوئی ہے۔ یا یہ وہ چیز ہے جس میں فلاں کو وصیت کی گئی ہے کہ وہ اس کام کو لازماً انجام دے۔ بہرحال یہاں پر قاضی کا معنی مصالحت ہے جو حدیبیہ کے مقام پر ۶ ھ میں حضور علیہ السلام اور قریش مکہ کے درمیان ہوئی تھی جو عرف عام میں صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔

وبعضها بذكر المرسل والمرسل اليه اور بعض سورتوں کا آغاز مرسل اور مرسل الیہ کے ذکر سے ہوتا ہے كما قال جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (تنزيل الكتٰب من الله العزيز الحكيم) (الجاثیہ : ۲) اتارنا کتاب کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو زبردست اور حکمتوں والا ہے۔ یہاں مرسل کا ذکر ہے۔ دوسری مثال ہے (كتاب احكمت آياته ثم فصلت من لدن حكيم خبير ○) (ہود : ۱) اس کتاب کی آیات کو محکم کیا گیا ہے، پھر تفصیل کی گئی ہے حکیم اور خبیر (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے۔

وهٰذا القسم يشبه مايكتبون : صدر الحكم من حضرة الخلافة اور سورتوں کی یہ قسم اس مکتوب کے مشابہ ہے جس میں لکھا جاتا ہے۔حکومت کی جانب سے یہ حکم صادر ہوا ہے۔ او يكتبون یا اس طرح لکھتے ہیں هٰذا اعلام لسكنة البلدة الفلانية من حضرة الخلافة حکومت کی طرف سے یہ فلاں شہر یا قوم کے لوگوں کے لئے اعلان ہے۔اس طرح کے سرکلر خلفائے راشدین بھی جاری کیا کرتے تھے۔مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو سرکلر جاری کیا کہ میرے نزدیک تمہارا سب سے اہم کام نماز کا نظام قائم کرنا ہے۔جس نے نماز کو ضائع کیا اس نے سارے دین کو ضائع کیا۔پھر دیگر احکامات بھی جاری ہوتے۔

وقد كان كتب صلى الله عليه وسلم "من محمد رسول الله الى هرقل عظيم الروم" اور جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے مکتوب لکھا...... "اللہ کے رسول محمد کی طرف سے روم کے بڑے حاکم ہرقل کی طرف"۔اس میں مرسل اور مرسل الیہ دونوں کے نام آگئے ہیں۔ وبعضها على اسلوب الرقاع والشقق بغير عنوان اور بعض سورتیں رقعہ یا پرزے کی شکل میں بغیر عنوان کے ہی ہیں۔ كما قال عزوجل جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے (اذا جاءك المنافقون) (المنافقون : ۱) جب آپ کے پاس منافق لوگ آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بے شک ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

دوسری مثال:

(قد سمع الله قول التي تجادلك في زوجها) (المجادلہ : ۱) تحقیق اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو جھگڑتی تھی آپ کے ساتھ اپنے خاوند کے بارے میں۔تیسری مثال: (يا ايها النبي لم تحرم) (التحریم : ۱) اے نبی! آپ نے کیوں حرام قرار دیا اس چیز کو جس کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے۔

قصائد کے ساتھ تشبیہ :

ولما كانت للقصائد في فصاحة الكلام شهرة عند العرب عربوں کے ہاں زبان کی فصاحت و بلاغت کے سلسلہ میں قصیدہ گوئی کو بڑی شہرت حاصل تھی ،نزول قرآن کے زمانہ میں عرب شاعروں اور شاعرات میں قصیدہ گوئی کی صنف اپنے عروج پر تھی بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شاعر ہوئے ہیں۔بعض عیسائی اور مشرک بھی شاعر تھے۔شاعری میں قصیدہ ایک ایسی قسم ہے جس میں

کسی کی مدح یا مذمت بیان کی جاتی ہے یا پھر کسی کا مرثیہ ہوتا ہے۔ وکان من عاداتھم فی مبدء القصائد التشبیب بذکر مواضع عجیبة ووقائع ھائلة اور یہ عربوں کی عادت میں داخل تھا کہ وہ قصیدے کے آغاز میں عجیب وغریب مقامات اور ہولناک واقعات کے ساتھ تشبیب کرتے تھے۔ چنانچہ اختار اللہ عزوجل ھٰذا الاسلوب فی بعض السور اللہ تعالیٰ نے بعض سورتوں میں یہی اسلوب اختیار کیا ہے۔ ہر قصیدے کے آغاز میں شاعر اپنے محبوب کے ساتھ ہونے والی واردات کا ذکر کرتا ہے، جب یہ بات ہوتی ہے تو درمیان میں کسی دوسری بات کا پیوند لگاتا ہے اور پھر آگے قصیدہ کے اصل مقصد مدح یا قدح کی طرف آتا ہے۔ اس اسلوب کا ذہنوں پر بڑا اثر ہوتا ہے اور لوگ اس کو پسند کرتے ہیں کہ شاعر اپنے محبوب کے ساتھ عشق ومحبت کی واردات کا ذکر کرے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے بھی بعض سورتوں میں یہی اسلوب اختیار کیا ہے۔ کما قال جیسے فرمایا (والصّٰفّٰت صفًّا ○ فالزّٰجرٰت زجرًا ○) (سورۃ الصّٰفّٰت : ۲،۱) قسم ہے صف باندھ کر کھڑے ہونے والے فرشتوں کی۔ اور ڈانٹ پلانے والوں کی جھڑک کر۔ اس طرح کے کافی الفاظ آنے کے بعد اصل مدعا بیان ہوتا ہے۔ دوسری مثال یوں ہے (والذّٰریٰت ذروًا ○ فالحٰملٰت وقرًا ○) (سورۃ الذّٰریٰت : ۲،۱) قسم ہے ہواؤں کی جو بکھیرتی ہیں اڑا کر، پس اٹھانے والی بوجھ کو، آگے بعض دوسری چیزوں کا ذکر کر کے فرمایا وان الدین لواقع بے شک جزائے عمل ضرور واقع ہونے والا ہے۔ تیسری مثال: اذا الشمس کورت ○ واذا النجوم انکدرت ○ (سورۃ التکویر : ۲،۱) جب سورج بے نور کر دیا جائے گا اور جب ستارے میلے ہو جائیں گے۔

جامع کلمات پر اختتام :

وکما کانوا یختمون المکاتیب بجوامع الکلم ونوادر الوصایا وتاکید الاحکام السابقة وتھدید من یخالفھا اور جیسا کہ مکاتیب کو جوامع الکلام (جامع کلام وہ ہوتا ہے جس میں بہت سے معانی پوشیدہ ہوں)۔ نادر وصیتوں، سابقہ احکام کی تاکید اور مخالفین کے لئے دھمکی پر ختم کرتے ہیں۔ کذلك اللہ سبحانه ختم اواخر السور بجوامع الکلم ومنابع الحکم والتاکید البلیغ والتھدید العظیم اسی طریقے سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سورتوں کے

آخری حصے کو جامع کلمات، حکمت کے سرچشموں، تاکیدات بلیغہ اور تہدید عظیمہ پر ختم کیا۔ وقد یصدر فی اثناء السور الکلام البلیغ العظیم الفائدة البدیع الاسلوب بنوع من الحمد والتسبیح، او بنوع من بیان النعم والامتنان کما صدر بیان التباین بین مرتبة الخالق والمخلوق اور کبھی سورة کے درمیان میں ہی کسی نرالے اسلوب کا نہایت مفید بلیغ کلام از قسم حمد و تسبیح یا انعامات و احسانات کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خالق اور مخلوق کے مرتبہ کے فرق سے شروع کیا ہے۔ (قل الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی ط آللہ خیر اما یشرکون ○) (النمل : ۵۹) آپ کہہ دیجئے، اے پیغمبر! سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، اور سلام ہے اللہ کے ان بندوں پر جن کو اس نے منتخب فرمایا، کہ اللہ بہتر ہے یا وہ جن کو یہ شریک بناتے ہیں۔ گویا یہ بھی بڑا عجیب اسلوبِ بیان ہے کہ اللہ بہتر ہے یا وہ معبودانِ باطلہ جن کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

ثم بین ھٰذا المدعی فی خمس آیات بابلغ وجه وابدع اسلوب پھر اس کے بعد اس مدعا کو پانچ آیتوں میں بلیغ طریقے اور نرالے اسلوب کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ کما صدر مخاصمة بنی اسرائیل فی اثناء سورة البقرہ به جیسا کہ بنی اسرائیل کے ساتھ مخاصمت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ میں اس جملہ کے ساتھ کیا (یابنی اسرائیل اذکروا) (آیت : ۴۷) اے بنی اسرائیل! میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیں۔ اس سے قبل ان کی چار غلطیوں کا ذکر کر کے اللہ نے اپنے انعامات کا احسان جتلایا۔ ثم ختمها بهذه الکلمة ایضًا پھر اسی کلمہ پر ان کا تذکرہ ختم کیا۔ وابتداء المخاصمة بهٰذه الکلمة وانتهاؤها بها محل عظیم فی البلاغه غرضیکہ مخاصمت بھی اسی کلمے سے اور انتہا بھی اسی سے بلاغت میں عظیم عمل رکھتی ہے۔

وکذلك صدر مخاصمة اهل الکتابین فی آل عمران بآیة (ان الدین عند الله الاسلام) اور اسی طریقے سے اہلِ کتاب کے ساتھ مخاصمت کے سلسلہ میں سورۃ آل عمران میں ہے کہ صحیح دین تو اللہ کے ہاں اسلام ہی ہے جو سارے نبیوں کا دین تھا۔ اسلام کا معنیٰ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس پر صحیح اعتقاد ہے لیتصور محل النزاع ویتوارد القیل والقال علی ذٰلك المدعی

مقصد یہ ہے کہ مخاصمت کا اصل مقام متعین ہو جائے اور پھر اسی مدعا کے متعلق گفتگو کی جائے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال اور حقیقتِ حال کو تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

الفصل الثانی
(دوسری فصل)

قد جرت سنة الله عزوجل فی اکثر السور بتقسیمها الی الآیات کما کانوا یقسمون القصائد الی الابیات ...... الی ...... ولا یحب الذوق السلیم الا تلك الحلاوة المحضة لا الطویل والمدید من البحور۔ (ص ۴۳ تا ص ۴۴)

ربطِ مضمون :

تیسرے باب کی پہلی فصل میں قرآن پاک کا اسلوب سورتوں کے لحاظ سے بیان کیا گیا تھا اور یہ واضح کیا گیا تھا کہ قرآن کریم کی ہر سورۃ ایک مکمل صحیفہ ہے اور زمانہ نزول کے حالات کی مناسبت سے اس میں پوری پوری ہدایات موجود ہیں۔ قرآن پاک کو کسی بادشاہ کے مکتوبات کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو اپنے عمال کو حالات کی مناسبت سے مکتوبات کی صورت میں ہدایات جاری کرتا رہتا ہے۔ اور پھر کوئی شخص ان بہت سے مکتوبات کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں مدون کر دیتا ہے۔ جس طرح کوئی بادشاہ اپنے کسی مکتوب کو ابواب یا فصول میں تقسیم کر کے نہیں لکھتا اسی طرح اللہ تعالیٰ جو کہ شہنشاہ مطلق ہے، اس نے بھی قرآن کریم نازل کرتے وقت اس کو ابواب یا فصول میں تقسیم نہیں کیا بلکہ حالات کی مناسبت سے جو چیز مخلوق کی ہدایت کے لئے ضروری تھی وہ سورتوں کی شکل میں بلاکم وکاست نازل فرمادی۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں ہر سورۃ علیحدہ علیحدہ تھی۔ پھر حضرت صدیق اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہما نے ان سورتوں کو ایک کتاب کی صورت میں مدون کر کے اس کو مصحف کا نام دیا اور پھر اس کے کئی نسخے نقل کروا کر مختلف اسلامی مراکز میں رکھوا دیئے تاکہ جو شخص نقل کرنا چاہے وہ ان ہی کی طرف رجوع کرے اور کسی دوسرے نسخہ سے فائدہ حاصل نہ کرے۔ اب اس دوسری فصل میں آیات

قرآنی کی تلاوت میں شیرینی وحلاوت کا ذکر ہے۔ اور ان کی شعرواشعار کے ساتھ موافقت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور دونوں کے درمیان فرق کو واضح کیا گیا ہے۔

قد جرت سنة الله عزوجل فی اکثر سوره بتقسیمها الی الآیات کما کانوا یقسمون القصائد الی الآبیات اللہ تعالیٰ کی یہ سنت جاری ہے کہ قرآن پاک کی اکثر سورتوں کی تقسیم آیات پر منقسم ہوتی ہے جیسا کہ قصیدے اشعار پر منقسم ہوتے ہیں۔ جس طرح قصائد کے اشعار کی تعداد کم وبیش ہوتی ہے، کسی کے دس کسی کے پندرہ یا بیس وغیرہ، اسی طرح ہر سورۃ کی آیات کی تعداد بھی ایک جیسی نہیں بلکہ مختلف سورتیں آیات کی مختلف تعداد پر مشتمل ہیں۔

شعروشاعری کی بھی مختلف شاخیں ہیں، کوئی قصیدہ کہلاتی ہے، کوئی غزل کہلاتی ہے کسی کو رجز سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قصیدہ میں کسی کی تعریف یا مذمت ہوتی ہے غزل میں عشق ومحبت کی واردات کا ذکر ہوتا ہے۔ رجز میں جنگ وغیرہ کے موقع پر جوش دلانے والے اشعار ہوتے ہیں۔ اسی طریقے سے قرآن پاک کی سورتوں کو شعروشاعری کے ساتھ کسی حد تک موافقت ہے۔

غایة الامر ان بین الآیات والابیات فرقاً البتہ غایت الامر یہ ہے کہ قرآنی آیات اور اشعار میں فرق ہے۔ کل منها ینشد لالتذاذ نفس المتکلم والسامع ان میں سے ہر ایک یعنی آیات قرآنی بھی اور اشعار بھی اس لئے پڑھے جاتے ہیں تاکہ خود پڑھنے والے اور سننے والے کو لطف حاصل ہو۔ ان دونوں چیزوں کے پڑھنے اور سننے سے انسان لطف اندوز ہوتے ہیں۔ الا ان الابیات مقیدة بالعروض والقیافة سوائے اسی کے کہ اشعار عروض اور قافیہ کے پابند ہوتے ہیں۔ اشعار کی مختلف بحریں اور اوزان ہوتے ہیں اور اشعار کہتے وقت ان کی پابندی ضروری ہوتی ہے۔ نیز عروض اور قافیہ وہ ہیں التی دونها خلیل بن احمد جن کو لغت، ادب اور نحو کے امام خلیل ابن احمد نے وضع کیا۔ جو کہ اس فن کے بھی امام تسلیم کئے جاتے ہیں۔ یہ نحو کے ایک اور بڑے امام مسمّی سیبویہ کے استاد تھے۔ خدا کی قدرت کہ پست قد تھے اور شکل وصورت بھی اچھی نہیں تھی، پھٹے پرانے کپڑے پہنتے تھے۔ ساری عمر اسی حالت میں گزار دی مگر اللہ تعالیٰ نے علم سے وافر حصہ عطا کر رکھا تھا۔ غرضیکہ فن عروض اسی شخص کا وضع کردہ ہے جس کے ذریعے کسی شعر کا ردیف، قافیہ، وزن وغیرہ پرکھا جاتا ہے۔

آپ کی تصنیف کتاب العین نے بھی بڑی شہرت پائی ہے جو کہ لغت کی کتاب ہے۔ کہتے ہیں کہ خلیل ابن احمد مسجد میں داخل ہوا تو کسی ستون کے ساتھ ٹکر کھا کر گر پڑا، زخمی ہو گیا اور پھر اسی عارضہ میں مبتلا ہو کر ۱۷۵ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔

بہرحال شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیاتِ قرآنی اور اشعار دونوں کے پڑھنے سے پڑھنے اور سننے والے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ کوئی ساٹھ سال پرانا واقعہ ہے کہ یہاں جامع مسجد سے آگے جو چھوٹی سی مسجد ہے، وہ نئی نئی تعمیر ہوئی تھی۔ وہاں کے لوگوں نے مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو دعوت کی کہ وہ ان کی مسجد میں آکر درسِ قرآن دیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حسب پروگرام تشریف لائے اور نمازِ فجر کے بعد مختصر سا درسِ قرآن دیا۔ مجھے اب تک یاد ہے کہ انہوں نے سورۃ الاحقاف کی آیت **قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِىْ مَايُفْعَلُ بِىْ وَلَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○** اس انداز سے پڑھی کہ جس کا لطف میں آج تک نہیں بھولا۔

کہتے ہیں کہ شعر و شاعری اس عروض اور قافیہ کی پابند ہے جس کو خلیل ابن احمد نے ایجاد کیا۔ **وحفظها الشعراء** اور شاعروں نے اسے یاد کر لیا اور پھر اسی کے مطابق شعر کہنے لگے۔ **وبناء الآيات على وزن وقافية اجماليين يشبهان امرا طبيعيا** البتہ آیات کی بنیاد ایسے اجمالی وزن اور قافیہ پر ہے جو کہ زیادہ تر امر طبعی سے مشابہ ہے۔ ان میں شعر و شاعری اور پھر عروض و قافیہ کی پابندی کو کوئی دخل نہیں ہے البتہ اگر کوئی آیت بلا ارادہ شعر و شاعری کے ساتھ برابر ہو جائے تو وہ شاعری میں شمار نہیں کی جاتی۔ مثلاً **الم نشرح لك صدرك ○ ووضعنا عنك وزرك ○ الذى انقض ظهرك ○ ورفعنا لك ذكرك ○** اگرچہ شعر کی طرز پر ہے مگر شعر نہیں ہے کیونکہ شعر وہ ہوتا ہے جو ارادتاً عروض اور قافیہ کے اصولوں کے مطابق بولا جائے۔ اگر بلا قصد کوئی آیت شعر کے موافق آجائے تو وہ شعر نہیں ہوگا۔

بہرحال اشعار تو عروض اور قافیہ کی بنا پر ہوتے ہیں جبکہ آیات میں اجمالی وزن ہوتا ہے۔ اور دونوں کی مشابہت امر طبعی سے ہے جس کی وجہ سے سننے والے کا جی چاہتا ہے کہ اسے پھر پڑھا جائے

تاکہ پھر لطف حاصل ہو۔ آیت کا اختتام طبعی وزن پر ہوتا ہے جس کے پڑھنے اور سننے سے خاص لطف حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً فبایّ الآءِ ربکما تکذّبٰن ○ یا کسی دوسری سورۃ کی تلاوت کرتے وقت آیت کے آخر میں آنے والے مکرر الفاظ پڑھنے اور سننے والے کے لئے ایک لطف کا سبب بن جاتے ہیں۔ یہ طبعی امر ہے۔ لا علی افاعیل العروضین وتفاعیلهم وقوافیهم المعینة التی هی امر صناعی واصطلاحی نہ کہ عروضیوں کے وضع کردہ اشعار کے ابحار افاعیل اور تفاعیل وغیرہ کے مطابق اور نہ ان کے مقرر کردہ قافیہ کے مطابق ہیں کیونکہ یہ تو مصنوعی اور اصطلاحی چیزیں ہیں اور آیاتِ قرآنی کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ البتہ آیات اور اشعار میں قدر مشترک یہ ہے کہ دونوں میں ایک خاص قسم کا وزن ہوتا ہے جو طبعی وزن کہلاتا ہے۔ اشعار ردیف اور قافیہ کے پابند ہوتے ہیں جبکہ آیات اس سے مبرا ہیں۔ وتنقیح ما وقع من الامر المشترك بین الابیات والآیات اور اگر اشعار اور آیات کے درمیان مشترکہ امر کے متعلق تنقیح کروگے تو پتہ چلے گا کہ اشعار کے درمیان یہ بات مصنوعی ہے جبکہ آیات کے درمیان طبعی ہے۔ وتطلق النشاید باذاء ذلك الامر العام اور پڑھے جانے والے اشعار کا اطلاق اس امر عام پر ہوتا ہے ثم ضبط امور وقع فی الآیات التزامها پھر کچھ امور کا التزام ہے جو آیات میں ضبط کئے ہوئے ہیں۔ وذٰلك بمنزلة الفصل یحتاج الی تفصیل اور یہ بمنزلہ فصل کے ہیں جو زیادہ تفصیل کا متقاضی ہے۔ جیسا کہ یہ امر مشترک ہے۔ جس کے ذریعے متکلم اور سامع خاص قسم کا لطف اٹھاتے ہیں۔ لیکن آیات پر کچھ اور چیزوں کا التزام ہوتا ہے، جو کہ بمنزلہ فصل کے ہے جس کی بہت زیادہ تفصیل چاہیے۔ واللہ ولی التوفیق جو کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی ممکن ہے۔

تفصیل هذا الاجمال اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے ان النظرة السلیمة تدرك فی القصائد الموزونة المقفاة والاراجیز الرائقة وامثالها لطفاً وحلاوة بالذوق کہ فطرت سلیمہ موزوں اور قافیہ والے قصائد میں لطف وشیرینی پاتی ہے یا پھر عمدہ قسم کے رجزیہ اشعار میں حاصل کرتی ہے جو جنگ کے موقع پر جوش دلانے کے لئے پڑھے جاتے ہیں۔ واذا تاملت سبب ادراك لطف المذكور اور جب تم غور کروگے کہ یہ لطف کس وجہ سے حاصل ہوتا ہے فلیکن توارد

الکلامین بحیث بعض اجزائہ یوافق بعضاً مفیداً للذة فی نفس المخاطب مع انتظار مثلہ تو آپ اس کی وجہ یہ پائیں گے کہ ہر دو کلام میں بعض الفاظ بعض دوسرے الفاظ کے ساتھ اس طرح موافق کئے جاتے ہیں کہ ان میں خاص قسم کا اثر ہوتا ہے جو مخاطب کے نفس پر پڑتا ہے۔ اس قسم کا لطف وسرور آیات میں بھی پایا جاتا ہے اور اشعار میں بھی اور مخاطب کی خواہش اور انتظار ہوتا ہے کہ اس جیسا مزید کلام پڑھا جائے۔ حتی اذا وقع فی نفسہ بیت آخر بتوافق الاجزاء المعلوم وتحقق الامر المنتظر تضاعفت اللذة عندہ یہاں تک کہ جب معلوم اجزا کے مطابق دوسرا شعر بھی آجاتا ہے اور وہ بات ثابت ہوجاتی ہے جس کا مخاطب شخص منتظر ہوتا ہے تو اس کی لذت دگنی ہوجاتی ہے۔ اور یہی لطف وحلاوت آیات کے پڑھنے سننے سے بھی دگنی ہوجاتی ہے۔ واذا اشترك البیتان فی القافیة فتضاعف اللذة ثالثة اور جب ایک قافیہ میں اشعار مشترک ہوجاتے ہیں تو یہ لذت سہ گنا ہوجاتی ہے۔ فالالتذاذ بالابیات بھذا السر فطرة قدیمة للناس والامزجة السلیمة من اھل الاقالیم المعتدلة اشعار میں یہ لذت اس راز کی وجہ سے ہے جو معتدل خطوں کے لوگوں کی فطرتِ قدیمہ اور مزاجِ سلیمہ میں داخل ہے۔ معتدل خطوں سے مراد دنیا کے وہ متمدن ممالک ہیں جو خط استوا کے قریب ہیں۔ متفقة علی ذالك اور ان کے رہنے والے سب اس بات پر متفق ہیں۔ یہ متمدن ممالک کے باشندوں کا ذکر ہے۔ البتہ انتہائی شمال یا انتہائی جنوبی خطوں میں رہنے والے لوگ جو تہذیب وتمدن سے بالکل عاری ہوتے ہیں، یہ ان کی بات نہیں ہے۔ وہ مذکورہ شعر وشاعری سے لطف اندوز نہیں ہوسکتے۔ بہرحال لطف وسرور کا یہ انداز ثم وقعت فی توافق الاجزاء من کل بیت ہر شعر کے اجزا کی موافقت میں قائم رہتا ہے۔

وفی شرط القافیة المشترکة بین الابیات مذاھب مختلفة اور اشعار کے مشترکہ قافیہ میں مختلف مذاھب ورسوم متبانیة اور مختلف رسومات جاری ہیں۔ فاختار العرب قانوناً وضعہ خلیل ابن احمد اس سلسلہ میں عربوں نے وہ قانون اختیار کرلیا ہے جو خلیل ابن احمد نے وضع کیا ہے واوضحہ ایضاحًا اور اس کی وضاحت پہلے کی جاچکی ہے۔ والھنود یتبعون رسماً یحکم بہ ذوقھم وقریحتھم اور ہندو ایک ایسی رسم کے پیروکار ہیں جس کا فیصلہ

ان کا ذوق اوران کی طبیعت کرتی ہے۔ چنانچہ ان کے گانے اور قسم کے ہوتے ہیں جو ہندی یا سنسکرت میں گائے جاتے ہیں، بعض گانے پنجابی میں بعض ان کی مقامی زبانوں سندھی، پشتو اور بلوچی میں ہوتے ہیں۔ وکذلك اختار اهل كل زمان وضعاً وسلكوا فريقاً اوراس طریقے سے ہر زمانے والوں نے ایک خاص وضع اور خاص طریقہ اختیار کر رکھا ہے جس پر وہ چلتے ہیں۔ فاذا انتزعنا من هذه الرسوم والمذاهب المختلفة امراً جامعاً اور جب ہم ان رسوم اور مختلف مذاہب میں سے امر جامع کو تلاش کریں گے وتاملنا سراً منتشراً وجدنا الموافقة تخميناً لاغير اور جب ہم اس منتشر راز میں غور وفکر کرتے ہیں تو ایک امرِ تخمینی کے سوا کچھ نہیں پاتے۔ مثلاً يذكر العرب مقام مستفعلن مفاعلن ومفتعلن ويعدلون مقام فاعلاتن فعلاتن على القاعدة مثال کے طور پر عرب لوگ مستفعلن کی جگہ مفاعلن اور مفتعلن ذکر کر دیتے ہیں اور فاعلاتن کی جگہ فعلاتن اور فاعلتن کو لا نا با قاعدہ خیال کرتے ہیں۔ ويجعلون موافقة ضرب بيت بضرب بيت آخر اور وہ ایک شعر کی ضرب کی موافقت دوسرے شعر کی موافقت کے ساتھ وموافقة عروض بيت لعروض بيت آخر من المهمات اور ایک شعر کی عروض کو دوسرے شعر کی عروض کے ساتھ مہمات میں موافقت کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ ويجوزون في الحشو كثيراً من المزحافات بخلاف شعراء الفرس اور شعراء فارس کے برخلاف حشو میں بکثرت زحافات تجویز کرتے ہیں۔ فان الزحافات عندهم مستهجنة کیونکہ فارسی شعراء زحافات کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ یادرہے کہ زحاف علمِ معانی والوں کی اصطلاح ہے جس سے مراد یہ ہے کہ شعر کے آخری جزو میں کوئی ایسی بات لگادی جائے جس سے شعر میں نقص پیدا ہو جائے۔ اس قسم کا نقص بعض اوقات شعر میں کسی لفظ کی زیادتی کی وجہ سے پیدا ہو جاتا ہے یا بعض الفاظ کی تقدیم وتاخیر اس نقص کا سبب بنتی ہے۔ یا پھر کسی لفظ کے ساکن ہو جانے کی وجہ سے یہ نقص پیدا ہوتا ہے اور عربوں کا کوئی شعر اس نقص سے خالی نہیں ہوتا۔ چنانچہ علمِ معانی کے امام ابن رشید قیروانی نے اپنی کتاب العمدة میں لکھا ہے کہ الزحاف ما يلحق الى جزءٍ اى من اجزاء السبعة کہ زحاف یہ ہے کہ اشعار کے مقررشدہ سات اجزاء میں سے کسی جزو میں نقص یا زیادتی لاحق ہو جائے یا کسی حرف کی تقدیم وتاخیر واقعہ ہو جائے یا سکون

لاحق ہو جائے۔ان میں سے کوئی بھی چیز لاحق ہو جائے تو اس کو زحاف کہتے ہیں۔اور عرب لوگ ایسے کسی زحاف کی پرواہ نہیں کرتے۔اس قسم کے زحاف ہندوستانیوں کی زبان میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اور انگریزوں کی زبان میں تو زائد الفاظ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔البتہ فارسی شعراء کے نزدیک زحاف قبیح چیز ہے۔

وكذلك تستحسن العرب ان كانت القافيه في بيت (قبور) ان يكون في بيت آخر (منير) بخلاف شعراء العجم اوراسی طریقے سے شعراء عجم کے برخلاف شعراء عرب ایک شعر کے آخر میں لفظ (قبور) کے مقابلے میں دوسرے شعر میں (منیر) آجانے کو مستحسن سمجھتے ہیں۔

وكذلك شعراء العرب يعدلون (حاصل) و (داخل) و (نازل) من قسم واحد بخلاف شعراء العجم اوراسی طریقے سے عجمی شعراء کے برخلاف عرب شعراء الفاظ حاصل، داخل اور نازل کو ایک ہی زمرہ میں شمار کرتے ہیں مگر عجمی شعراء اس کو پسند نہیں کرتے بلکہ ان کو الگ الگ شمار کرتے ہیں۔

وكذلك وقوع كلمة في المصراعين بحيث يكون نصفها في مصراع ونصفها الآخر في مصراع آخر يصح عند العرب لا عند العجم اسی طریقے سے ایک کلمہ کا شعر کے دو مصرعوں میں وقوع بھی ہے۔عربوں کے نزدیک کلمے کا پہلا نصف ایک مصرعہ میں اور دوسرا نصف دوسرے مصرعہ میں آجانا بھی روا ہے جبکہ عجمیوں کے نزدیک یہ مناسب نہیں ہے۔

وبالجملة فان موافقة الامر المشترك موافقة تخمينية لاموافقة حقيقية اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ امر مشترک کی موافقت تخمینی موافقت ہوتی ہے نہ کہ حقیقی۔اگر یہ موافقت حقیقی ہوتو پھر عربوں کی طرح عجمیوں کو بھی زحافات کو تسلیم کر لینا چاہیے مگر ایسا نہیں ہے۔لہٰذا معلوم ہوا کہ اس کے باوجود اشعار اور آیاتِ قرآنی کے پڑھنے سے لطف اندوز ہونا امر طبعی ہے۔

ومبني اوزان الاشعار عند الهنود على عدد الحروف بغير ملاحظة الحركات والسكنات اور اہلِ ہند کے ہاں اشعار کے اوزان کی بنیاد اگرچہ حرکات وسکنات کا لحاظ کیے بغیر حروف کی تعداد پر ہوتی ہے **وهو ايضاً مما يتلذذ به** مگر اس کے باوجود ان اشعار سے متکلم اور سامع لطف اندوز ہوتے ہیں۔ **وقد سمعنا بعض اهل البدو ممن يتلذذ بتغريداته** ہم نے

بعض دیہاتیوں کے وہ گانے سنے ہیں جن سے وہ لذت حاصل کرتے ہیں۔ یختارون کلاماً متوافقاً بتوافق تخمینی بردیف یکون تارة کلمة واحدةً واخری یزید علیها جن کو وہ تخمین توافقِ کلام سے پسند کر لیتے ہیں یا ردیف ہوتی ہے جو کبھی ایک کلمہ اور کبھی زیادہ کلمات سے مرکب ہوتی ہے وینشدون تغریداتهم مثل القصائد فیتلذذون بها اور وہ ان گانوں کو قصائد کی طرز پر گا کر ان سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

ولکل قوم اسلوب خاص فی نظمهم اور ہر قوم کا اپنی نظم میں ایک خاص اسلوب ہوتا ہے۔ وعلی هٰذا القیاس وقع اتفاق الامم علی الالتذاذ بالحان ونغمات اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے تمام اقوام دلکش آوازوں اور دلفریب نغموں سے لطف اندوز ہونے میں متفق ہیں۔ واختلافهم فی رسوم التغرید والقواعد محقق مگر گانے کے طریقوں اور اس کے قواعد میں وہ باہم اختلاف رکھتے ہیں۔

وقد استنبط الیونانیون اوزاناً سموها بالمقامات اور یونانیوں نے کچھ اوزان مقرر کئے ہیں جن کو وہ مقامات کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ واستخرجوا منها اصواتاً وشعباً ودونوا لهم فناً شدید التفصیل اور پھر ان مقامات سے آوازیں اور شعبے نکال کر انہوں نے ایسا فن تدوین کیا ہے جس کی تفصیلات بہت زیادہ ہیں۔

واهل الهند تفطنوا ستة نغمات وفرعوا منها نغیمات اور ہندوستان والوں نے چھ قسم کے نغمات (راگ) بنائے ہیں اور پھر ان میں سے آگے راگنیاں نکالی ہیں۔ وقد راینا اهل البدو تباعدون من هٰذین الاصطلاحین وتفطنوا بحسب سلیقتهم للتالیف والایقاع فهذبوا لهم اوزاناً معدودة بغیر ضبط الکلیات وحصر الجزیات اور ہم نے اہلِ دیہات کو دیکھا ہے جو ان دونوں اصطلاحات سے بیگانہ ہیں۔ مگر وہ اپنے سلیقہ کے مطابق بعض الفاظ کو بعض دوسرے الفاظ کے ساتھ جوڑنے کے لئے خاص قسم کے اوزان کلیات کے ضبط اور جزیات پر انحصار کئے بغیر ہی استعمال کئے ہوئے ہیں۔

فاذا نظرنا بعد هذه الملاحظات الی حکم الحدس لم نجد هٰهنا امراً

مشترکاً سوی الموافقة التخمینیة ان ملاحظات کے بعد جب ہم انسانی حس کی طرف دیکھتے ہیں کہ وہ کیا کہتی ہے تو ہم امرِ مشترک میں تخمینی موافقت کے علاوہ کچھ نہیں پاتے۔ ولا یتعلق تخمین العقل الا بذلك المنتزع الاجمالی اور عقلی تخمین بھی اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتی سوائے اس کے کہ یہ مشترک اجمالی ہے۔ لا بتفصیل القوافی المردفة الموصلة نہ ہی اس کا تعلق اشعار میں پائے جانے والے ردیف اور قافیہ کے ساتھ ہے۔ ولا یحب الذوق السلیم الا تلك الحلاوة المحضة لا الطویل والمدید من البحور اور ذوقِ سلیم بھی صرف اس خالص حلاوت کو پسند کرتا ہے نہ کہ طویل اور مدید اوزان کو جن سے اس کو کوئی غرض نہیں ہوتی۔

لما اراد حضرة الخلاق جل شانه ان یکلم الانسان هو قبضة من التراب الی ...... هٰذا هو الوجه فی ظهور صورة الآیات۔ هٰذا مافتح الله علی الفقیر، والله اعلم۔ (ص ۴۵ تا ص ۴۷)۔

ربطِ مضمون :

گزشتہ درس میں شاہ صاحب رحمہ اللہ نے قرآن پاک کی سورتوں کی تقسیم کا ذکر کیا تھا کہ جس طرح قصائد کی تقسیم اشعار پر ہوتی ہے اسی طرح قرآنِ پاک کی سورتوں کی تقسیم آیات کی طرف ہوتی ہے۔ البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ اشعار عروض وقافیہ کے ان متعینہ قواعد کے تحت کہے جاتے ہیں جن کو خلیل ابن احمد نے ایجاد کیا۔ ان قوانین کی ایجاد سے پہلے شاعر لوگ اپنی فطرت سلیمہ کے مطابق ہی شعر کہتے تھے مگر جب ان کو جانچا جاتا تھا تو وہ کسی نہ کسی وزن پر پورے اترتے تھے جس کو شاعر حضرات بحر کا نام دیتے تھے۔

اور آیات کی بنیاد ایک ایسے اجمالی وزن اور قافیہ پر ہوتی ہے جو امر طبعی سے مشابہ ہے۔ البتہ ان دونوں یعنی اشعار اور آیات میں قدر مشترک یہ ہے کہ دونوں کے پڑھنے اور سننے والے ان سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اور یہ اس طبعی یا فطری بات کی وجہ سے ہے جو اشعار اور آیات میں مشترکہ طور پر پائی جاتی ہے۔ اشعار کے مصرعہ جات بھی بڑے چھوٹے ہوتے ہیں اور اسی طرح آیات میں بھی

ایک خاص قسم کا نظم ہے۔ کوئی آیت لمبی کوئی درمیانی اور کوئی چھوٹی ہے مگر آیات اشعار کے قوانین کی پابند نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اجمالی خوبی کو ان کے اندر ہی رکھ دیا ہے جس کی وجہ سے ان کی تلاوت سے متکلم اور سامع دونوں لطف اندوز ہوتے ہیں۔ نیز جس طرح کوئی اچھا شعر سن کر سامع منتظر ہوتا ہے کہ اس سلسلہ اشعار کو مزید آگے بڑھایا جائے تا کہ اس کا لطف برقرار رہے، اسی طرح آیات کا سامع بھی ان کے اجمالی حسن کی بنا پر مزید آیات کی سماعت کے لئے منتظر ہوتا ہے۔

اس درس میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی نکتہ کی وضاحت فرمائی ہے مگر یہ بات آپ نے اپنے اجتہاد اور ذوق کے ساتھ کی ہے کیونکہ اس کا تعلق اصولِ تفسیر کے ساتھ نہیں ہے کہ تفسیر کا سمجھنا شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس وضاحت پر موقوف ہو۔ تاہم ذوق تو الہام ہی کی ایک قسم ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ باتیں آپ کو اصولِ تفسیر کی لمبی لمبی کتابیں پڑھ کر بھی حاصل نہیں ہوں گی۔

انسان سے کلام کا طریقِ کار :

فرماتے ہیں لما اراد حضرة الخلاق جل شانه ان یکلم الانسان الذی هو قبضة من تراب جب ارادہ کیا حضرتِ خلاق یعنی اللہ جل شانہ نے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنا ارشاد ہے هو الخلّٰقُ العلیمُ ○ (الحجر : ۸۶) سب سے بڑا پیدا کرنے والا وہی ہے جب اللہ تعالیٰ نے انسان سے کلام کرنے کا ارادہ فرمایا جو کہ مشتِ غبار ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان تو مٹی کی مٹھی ہی ہے۔ ہمارے جدامجد حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے تخلیق فرمایا خلقه من تراب ○ قرآن پاک میں یہ الفاظ موجود ہیں حدیث شریف میں انسان کو فخر کرنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ سب کا سلسلہ نسب آدم علیہ السلام سے جا کر ملتا ہے اور آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا۔ بہر حال انسان مٹی کی ایک مٹھی ہی تو ہے۔ جب اللہ رب العزت نے اس مشتِ غبار سے کلام کرنے کا ارادہ فرمایا نظر الی ذلك الحسن الاجمالی تو اس کے اس حسنِ اجمالی کی طرف ہی نگاہ فرمائی جو کہ آیات کے ضمن میں پایا جاتا ہے۔ لا الی قوالب مستحسنة عند قوم دون قوم نہ کہ شعر و شاعری کے ان ڈھانچوں کی طرف جو قصیدوں کے اشعار میں ڈھل کر آتے ہیں اور بعض قوموں میں مستحسن ہیں۔ قصائد کے اشعار جن اوزان میں ڈھل کر آتے ہیں وہ کسی قوم کے نزدیک پسندیدہ ہوتے ہیں اور بعض دوسری قوموں

کے نزدیک غیر پسندیدہ ہوتے ہیں۔ ضروری نہیں ہے کہ ایک قوم کا پسندیدہ قافیہ اور ردیف دوسری قوم کے لئے بھی مستحسن ہو اور مقبول ہو۔

حسن اجمالی کا تسلسل :

بہر حال جب اللہ تعالیٰ نے انسان کے ساتھ بات کرنے کا ارادہ کیا تو انسانی طریقے پر ہی کیا ہوگا۔ فرشتوں سے ان کے طریقے، جنات سے ان کے طریقے پر اور دوسری مخلوق سے متعلقہ مخلوق کے طریقے پر کلام کرنا عین قرین قیاس ہے۔ علی هذا القیاس انسان کے ساتھ کلام کرنے کے لئے اصل بسیط کو ملحوظ رکھا گیا۔ کیونکہ مذکورہ حسن اجمالی اس کلام میں برابر موجود ہے۔ لہٰذا باقی جزیات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اسی لئے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ولما اراد ملك الملك ان يتكلم علی منهج الآدميين ضبط ذلك الاصل البسيط اور جب اللہ مالک الملک نے انسانوں کے طریقے پر کلام کرنے کا ارادہ فرمایا تو اسی اصل بسیط کو ملحوظ رکھا۔ لا هٰذه القوانين المتغيرة بتغير الادوار والاطوار نہ کہ ان قوانین متغیرہ کی جانب جو مختلف ادوار اور اطوار میں بدلتے رہتے ہیں۔ ومنشأ التمسك بالقوانين المصطلح عليها هو العجز والجهل اور اصطلاحات پر قائم ہونے پر قوانین پر تمسک عاجزی اور جہالت کے سوا کچھ نہیں۔ وتحسين حسن الاجمالی بلا توسط تلك القواعد جبکہ آیات میں پائے جانے والے حسن اجمالی کی تلاش مذکورہ اصطلاحی قواعد کے بغیر ہی حاصل ہو جاتی ہے۔ لا يفوت في الاغوار والانجاد من البيان شئ یہ حسن اجمالی نہ تو کسی گہرائی میں فوت ہوتا ہے اور نہ ہی کسی اونچی جگہ میں بلکہ ہر جگہ میسر آتا ہے۔

اغوار جمع ہے غور کی جس کا معنیٰ گہرائی ہے اور انجاد جمع ہے نجد کی جس کا معنی اونچی گھاٹی یا ٹیلہ ہوتا ہے۔ بہر حال ولا يضيع في كل سهل وجبل من الكلام معجز و مقحم یہ حسن اجمالی نہ کسی ہموار جگہ میں ضائع ہوتا ہے اور نہ ہی کسی پہاڑ پر۔ یہ چیز ہے ہی معجز یعنی مخلوق کی بے بسی کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ مذکورہ حسن اجمالی کو قواعد وضوابط کے بغیر ہر جگہ قائم رکھ سکے۔ معجز کے علاوہ مقحم کا معنی بھی تقریباً وہی ہے کہ انسان لاچار ہو جائے۔ اقحمه کا معنیٰ یہی بنتا ہے کہ اس کو اس قدر لاچار اور بے بس کر دیا کہ جواب نہیں دے سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ آیات میں جو حسنِ اجمالی پایا جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ

کی حکمت اورارادہ سے ہی ممکن ہے، وگرنہ نوع انسانی میں سے یہ کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔

اس مقام پر پہنچ کر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ معاً فرماتے ہیں وانا انتزع ھنا من جریان الحق سبحانہ وتعالی علی ذلك السنن اصلاً وانتقل الی قاعدۃ کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاری کردہ اس سنت سے ایک اصول استنباط کیا ہے جسے میں ایک قاعدے کی طرف منتقل کرتا ہوں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قصائد اور اشعار کو سامنے رکھ کر ان کی قدرِ مشترک نکالی ہے اور زائد چیزوں کو ہٹا دیا ہے۔ پھر آیات الٰہی میں غور وفکر کر کے ایک قاعدہ بنایا ہے جس کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں وتلك القاعدۃ انہ اعتبر فی اکثر سور امتداد الصوت لا الطویل والمدید من البحور اور یہ قاعدہ ایسا ہے کہ جو اکثر قرآنی سورتوں میں آواز کی کشش کے ساتھ ملحوظ رکھا گیا ہے نہ کہ اشعار کے طویل اور مدید عروض کے بحور پر۔ اشعار تو کبھی طویل بحر میں کہے جاتے ہیں اور کبھی مدید بحر میں، ان کا لحاظ نہیں رکھا گیا بلکہ تلاوتِ آیات کے دوران آواز کی امتداد کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ کس مقام پر آواز کو کتنا لمبا کرنا پڑے گا۔ مثلاً مثال کے طور پر واعتبر فی الفواصل انقطاع النفس بالمدۃ اور اعتبار کیا گیا ہے انقطاعِ نفس (سانس کا ٹوٹ جانا) کا مدہ کے ساتھ۔ جب حروف زائد و،ا،ی پر مدہ آجائے تو ان کے ماقبل حرف کی حرکت اگر موافق آجائے تو آواز کو کھینچ کر لمبا کر دیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں و کے ساتھ ضمہ (ُ) آتا ہے، ا کے ساتھ فتح (َ) اور ی کے ساتھ کسرہ (ِ) آتا ہے۔ وما تعتمد علیہ المدۃ لا قواعد فن القوافی یا جس پر مدہ ٹھہرے اس کا اعتبار کیا گیا ہے نہ کہ ردیف وقافیہ کے قواعد وضوابط کا۔ وھٰذہ الکلمۃ ایضاً تقتضی بسطاً فاستمع لما اقول : اور یہ کلمہ بھی کافی تفصیل چاہتا ہے، تاہم اس مقام میں تھوڑا بہت سن لیں۔

تردد النفس فی قصبۃ العنق من جبلۃ الانسان گردن میں سانس کی نالی (نرخرہ) میں سانس کی آمد ورفت انسان کے لئے ایک جبلی چیز ہے۔ وان کان تطویل النفس وتقصیرہ من مقدور البشر اگرچہ سانس کا لمبا یا چھوٹا ہونا کسی حد تک انسان کے اختیار میں ہے۔ لٰکن اذا خلی و طبعہ فلا بد من امتداد محدود لیکن اگر انسان کے سانس کو اس کی طبیعت پر چھوڑ دیا جائے تو ایسی صورت میں اس کی ایک محدود طوالت ہوگی۔ فیحصل فی اول خروج النفس

نشاط چنانچہ سانس کے پہلے پہلے نکلنے کے وقت تو انسان کی طبیعت میں نشاط پیدا ہوگا ثم یضمحل ذلك النشاط تدریجاً پھر یہ نشاط آہستہ آہستہ کمزور ہوتا چلا جائیگا حتی ینقطع فی آخر الامر حتی کہ آخر میں جا کر یہ بالکل ٹوٹ جائے گا فیحتاج الی اعادۃ نفس جدید اور پھر انسان دوبارہ سانس لینے کی ضرورت محسوس کرے گا۔ وھذا الامتداد امر محدود بحد مبھم اور سانس کا یہ امتداد مبہم حد تک امرِ محدود ہے۔ ومقدر بمقدار منتشر اور ایک ایسی منتشر مقدار کے ساتھ معین ہے کہ جس کی تحدید نہیں کی جا سکتی۔ لا یضرہ نقصان کلمتین او ثلاثۃ بل ولا نقصان قدر الثلث والربع اگر کلام میں دو یا تین کلمے کم ہو جائیں یا ایک تہائی یا ایک چوتھائی کم ہو جائے تو اس امتداد خاص میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وکذلك لا تخرجه زیادۃ کلمتین او ثلاثۃ بل ولا زیادۃ قدر الثلث والربع اور اسی طریقے سے دو یا تین کلموں کی زیادتی یا ایک تہائی یا ایک چوتھائی تک کی زیادتی امتداد خاص کو اپنے وزن سے باہر نہیں نکالتی۔ ویسع ذلك الحد اختلاف عدد الاوتاد والاسباب اور اس حد میں اوتاد اور اسباب کی تعداد میں اختلاف وسیع ہوتا ہے۔ اوتاد جمع ہے وتد کی جو کہ عروضیوں کی اصطلاح ہے۔ اسی طرح اسباب جو کہ سبب کی جمع ہے، یہ بھی عروضیوں کے ہاں مستعمل ہے۔ دو حرفوں والا لفظ سبب اور تین حرفی لفظ وتد کہلاتا ہے۔ مطلب یہی ہے کہ کلام میں الفاظ کی کمی وبیشی سانس کی درازی پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ وتقدم بعض الارکان علی بعض اور نہ ہی بعض ارکان کا بعض پر تقدم درازیٔ سانس کو متاثر کرتا ہے۔ فجعل لامتداد النفس وزن معلوم پس اسی امتداد نفس کو وزن قرار دیا گیا ہے۔ وقسم ذلك علی ثلاثۃ اقسام اور اس کو تین اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔ طویل ومتوسط وقصیر یعنی لمبی، درمیانی اور چھوٹی سانس۔

اما الطویل فنحو سورۃ النساء طویل سانس کی مثال سورۃ النساء ہے، واما المتوسط فنحو سورۃ الاعراف والانعام درمیانی طوالت والی جیسے سورۃ اعراف اور انعام واما القصیر فنحو سورۃ الشعراء والدخان اور چھوٹی سانس کی مثال سورۃ شعراء اور سورۃ دخان ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ طویل سانس والی سورتیں وہ ہیں جن کی آیات لمبی لمبی ہیں، متوسط سانس والی سورتیں وہ ہیں جن کی آیات کی طوالت درمیانے درجے کی ہے جبکہ چھوٹی سانس والی سورتیں چھوٹی

چھوٹی آیات پر مشتمل ہیں۔ وتمام النفس یعتدل علی مدة معتمدة علی حرف قافیة متسعة اور سانس کا اختتام ایسے حرف مدہ پر رکھا گیا ہے جس کا اعتماد وسیع قافیے کے حرف پر ہوتا ہے۔ یوافقها ذوق الطبع ویتلذذ من اعادتها مرة بعد اخری جو ذوقِ طبع کے مطابق ہوتا ہے اور اس کے بار بار دہرانے سے لذت حاصل کرتا ہے۔ وان کانت المدة فی موضع الفاً وفی موضع واواً او یاءً یہ مدہ کہیں الف ہوگا، کہیں واؤ اور کہیں یاء ہوگا۔ وسواءٌ کان ذلك الحرف الاخیر باءً فی موضع وجیماً او قافاً فی موضع آخر اور برابر ہے کہ یہ حرف آخر کہیں ب ہو یا ج ہو یا ق ہو (فیعلمون) و(مؤمنین) و(مستقیم) متوافقة لہٰذا الفاظ یعلمون، مؤمنین اور مستقیم شاہ صاحب رحمہ اللہ کی اصطلاح کے مطابق متوافق ہوں گے نہ کہ عروضیوں کی اصطلاح کے مطابق اسی طریقے سے و(خروج) و (مریج) و (تحید) و (تبار) و (فواق) و (عجاب) کلها علی قاعدة الفاظ خروج، مریج، تحید، تبار، فواق اور عجاب اسی قاعدہ کے مطابق آئیں گے حالانکہ الفاظ الگ الگ ہیں۔ مگر جب آیت کے اندر پڑھے جاتے ہیں تو بہت لطف آتا ہے جیسا کہ پورا شعر پڑھا جائے۔

وکذلك لحوق الالف فی آخر الکلام قافیة متسعة فی اعادتها لذة اور اسی طریقے سے کلام کے آخر میں الف کا آنا بھی ایک وسیع قافیہ ہے جس کو دہرانے میں بڑا لطف آتا ہے۔ وان کان حرف الردی مختلفاً اگرچہ حرف روی مختلف ہی کیوں نہ ہو۔ آپ کو علم ہونا چاہیے کہ کلام کے آخری حرف سے ماقبل حرف کو حرف روی اور آخری حرف کو قافیہ کہتے ہیں۔ اسی قاعدہ کی بنا پر فیقولون فی موضع (کریماً) وفی موضع آخر (حدیثاً) وموضع ثالث (بصیراً) کہتے ہیں کہ آیاتِ قرآنی میں کسی جگہ کریما، دوسری جگہ حدیثا، اور تیسرے مقام پر بصیراً آتا ہے۔

فان التزم فی هذه الصورة موافقة الروی کان من قبیل التزام ما لا یلزم لہٰذا ایسی صورت میں اگر حرف روی کی موافقت کا التزام کیا جائے تو یہ غیر ضروری چیز لازم پکڑنے کے زمرہ میں آجائے گا ایسی باتیں شعر و شاعری میں تو چلتی ہیں مگر آیات میں یہ باتیں روا نہیں ہیں۔ کما وقع فی اوائل سورة مریم و سورة الفرقان جیسا کہ سورۃ مریم اور سورۃ فرقان کے اوائل میں واقع

ہوا ہے۔ وكذلك توافق الآيات بحرف مثل الميم في سورة القتال والنون في سورة الرحمن اسی طریقے سے سورۃ قتال میں حرف م اور سورۃ الرحمٰن میں حرف ن کے ساتھ آیات موافق ہوتی ہیں یعنی ان سورتوں کی اکثر آیات کے آخر میں م یا ن آتا ہے۔ يفيد لذة كما لايخفى تو ان کی تلاوت سے بہت زیادہ لطف حاصل ہوتا ہے۔

وكذلك اعادة جملة بعد طائفة تفيد لذة اور اسی طریقے سے کسی جملہ کا کچھ جملوں کے بعد لوٹایا جانا بھی پڑھنے اور سننے والے کے لئے باعثِ لذت بن جاتے ہیں۔ كما وقع في سورة الشعراء وسورة القمر، و سورة الرحمن و سورة المرسلات جیسا کہ سورۃ شعراء، سورۃ القمر، سورۃ الرحمان اور سورۃ مرسلات میں واقع ہوا ہے۔ وقد تخالف فواصل آخر السورة اولها لتطريب ذهن السامع اور کبھی یہ فاصلے سورتوں کے آخر میں مختلف ہوتے ہیں تاکہ سننے والے کے ذہن ایک قسم کی خوشی پیدا کی جاسکے۔ وللاشعار بلطافة ذلك الكلام اور اسی قسم کی لطافت اشعار میں بھی پائی جاتی ہے۔ مثل (اداً) و (هدًا) في آخر سورة مريم جیسا کہ سورۃ مریم کی اکثر آیات کے آخر میں ادا اور ھدا کے الفاظ آتے ہیں ومثل (سلامًا) و (كرامًا) في آخر سورة الفرقان اور جیسا کہ سورۃ الفرقان کی آیات کے آخر میں سلاما اور کراماً کے الفاظ آتے ہیں۔ و (طين) و (ساجدين) و (ينظرون) في آخر سورة ص اور سورۃ ص کی اکثر آیات کے آخر میں طین، ساجدین اور ینظرون کے الفاظ آتے ہیں مع ان اوائل هٰذه السورة مبنية على فاصلة اخرى كما لا يخفى اگرچہ ان سورتوں کے آغاز میں دوسری طرح کے فاصلے ہیں۔ فجعل الوزن والقافية المذكوران في اكثر سور من المهمات ان كان اللفظ الاخير من الاية صالحاً للقافية فيها لہٰذا اکثر سورتوں میں مذکور اوزان اور قافیہ کو مہمات میں سے بنا دیا گیا ہے بشرطیکہ آیت کا آخری لفظ قافیہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ ایسی صورت میں آیت مذکورہ کے پڑھنے سے متکلم اور سامع کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ والاوصل بجملة فيها بيان آلاء الله او تنبيه للمخاطب اور اگر آیت کا آخری لفظ قافیہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو پھر ایسے جملہ کو کسی ایسے جملہ کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر ہوتا ہے یا پھر مخاطب کے لئے تنبیہ کا سامان

ہوتا ہے۔ کما یقول: (وھو الحکیم الخبیر) و، (وکان اللہ علیماً حکیماً) جیسا کہتے ہیں وھو الحکیم الخبیر یا وکان اللہ علیما حکیما۔

اول الذکر آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ حکمت اور خبیر ہونے کی طرف اشارہ ہے جبکہ ثانی الذکر آیت میں ان کی صفات علم وحکمت کا تذکرہ ہے۔ و (کان اللہ بما تعملون خبیرا) (لعلکم تتقون)، (ان فی ذلك لآیات لاولی الالباب)، (ان فی ذلك لآیات لقوم یتفکرون) اور ان آیات میں مخاطب کے لئے تنبیہ ہے کہ وہ سوچ سمجھ کر حل کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے ہر عمل سے باخبر ہے، تاکہ وہ پرہیزگار بن جائے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اپنی بہت سی نعمتوں کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا کہ اس میں عقلمند لوگوں کے لئے نشانِ عبرت ہے، نیز یہ بھی کہ ان نعمتوں کو شمار کرنے میں غور وفکر کرنے والے لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

وقد اطنب فی مثل ھٰذہ المواضع احیاناً اور کبھی ایسے مواقع پر بات کو دراز کردیا جاتا ہے۔ مثل: (فاسأل به خبیراً) جیسا کہ اس آیت میں ہے ویستعمل التقدیم والتاخیر مرۃ والقلب والزیادۃ اخری اور کبھی تقدیم وتاخیر کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے اور کبھی قلب وزیادتی ایک دوسرے کی جگہ لے لیتے ہیں مثل جیسا کہ (الیاسین) فی الیاس الیاس کی جگہ الیاسین لے آتے ہیں۔ و (طور سینین) فی سیناء اور سیناء کی جگہ طور سینین استعمال کر لیتے ہیں۔

ولیعلم ھٰھنا ان انسجام الکلام وسھولته علی اللسان لکونه مثلاً سائرًا اور جان لینا چاہیے یہاں پر کہ کلام کی روانی اور زبان پر اس کی سہولت ضرب المثل ہونے کی بنا پر اولتکرر ذکرہٗ فی آیة یا آیت میں اس کے بار بار آنے پر یجعل الکلام الطویل موزوناً مع الکلام القصیر طویل کلام کو بھی چھوٹے کلام کے ساتھ موزون بنا دیتی ہے۔ وقد تکون الفقر الاول اقصر من الفقر التالیة اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کلام میں پہلے فقرے چھوٹے اور اگلے فقرے بڑے ہوتے ہیں۔ وھو یفید عذوبة فی الکلام اور یہ بھی کلام میں مٹھاس کا فائدہ دیتے ہیں، جیسے (خذوہ فغلوہ ○ ثم الجحیم صلوہ ○ ثم فی سلسلة ذرعھا سبعون ذراعًا فاسلکوہ ○ اس مجرم کو پکڑلو اور اس کے گلے میں طوق ڈال دو۔ پھر اسے جہنم کی آگ میں ڈال دو۔

پھر اس کو ایسی زنجیروں میں جن کی لمبائی ستر گز ہے، جکڑ دو۔ یہاں پر پہلی دو آیات چھوٹی ہیں اور تیسری آیت بڑی ہے۔ اس سے بھی کلام کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ کان المتکلم یقدر فی مثل ھٰذا الکلام گویا کہ کلام کرنے والا اس قسم کے کلام پر قادر ہے۔ ان الفقرة الاولی و الثانیة من حیث المجموع فی کفة و الثالثة وحدھا فی کفة کہ وہ پہلے اور دوسرے فقرے کو بحیثیت مجموعی ایک پلڑے میں ڈال دے اور دوسرے فقرے کو اکیلا دوسرے پلڑے میں ڈال دے تو توازن برابر ہی ہو جائے گا۔

وربما تکون الآیة ذات قوائم ثلاث اور کبھی آیت تین ستونوں والی ہوتی ہے۔ نحو مثلاً (یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ ج فاما الذین اسودت وجوھھم قف اکفرتم بعد ایمانکم فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون ○) (آل عمران : ۱۰۶) جس دن کئی چہرے سفید ہوں گے اور کئی سیاہ ہوں گے بہر حال جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے کہا جائے گا کہ کیا تم نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا، پس عذاب چکھو، یہ بدلہ ہے اس کا جو تم کفر کرتے تھے۔ اس آیت کریمہ میں یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ ج اس کے دو ستون ہیں اور آگے واما الذین اسودت وجوھھم ...... آخر آیت تک تیسرا ستون بن جاتا ہے۔ اسی طریقے سے اگلی آیت (واما الذین ابیضت وجوھھم ففی رحمة اللہ ط ھم فیھا خٰلدون ○) یہ بھی اسی طریقے سے ہوگا۔ الگ الگ قوام بنتے چلے جائیں گے والعامة یصلون الاول بالثانی فیحسبون الآیة طویلة عام لوگ پہلے ستون کو دوسرے کے ساتھ ملا کر سمجھتے ہیں کہ آیت بڑی لمبی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ لمبی آیت دو حصوں میں تقسیم ہو کر لطف کو دوبالا کر دیتی ہے۔

وقد تجیٔ فی آیة فاصلتان کما یکون فی البیت ایضاً اور کبھی آیت میں دو فاصلے ہوتے ہیں جیسا کہ بعض اشعار میں بھی ہوتے ہیں۔ مثال ذلك مثال کے طور پر۔

کالزھر فی ترف ، والبدر فی شرف

والبحر فی کرم ، والدھر فی ھمم

جیسا کہ پھولوں کی عمدگی میں، اور چاند اپنے شرف میں

اور سمندر اپنے کرم میں، اور زمانہ اپنی ہمتوں میں

اسی طرح بعض آیتوں میں بھی کسی کے دوستون ہوتے ہیں اور کسی کے تین ستون۔

وقد تکون الآیة اطول من سائر الآیات اور کبھی کوئی آیت ساری آیتوں سے لمبی ہوتی ہے۔ والسر ھھنا انہ اذا حسن الکلام الناشئ من تقارب الوزن ووجدان الامر المنتظر اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ وزن کے قریب ہونے کی بنا پر جو حسنِ کلام پیدا ہوتا ہے، اور امر منتظر ہوتے ہیں۔ وھو القافیة فی کفة اور جہاں پر جا کر قافیہ ختم ہوتا ہے اس کو ایک پلڑے میں رکھا جائے وجعل حسن الکلام الناشئ من سھولة الاداء، وموافقة طبع الکلام و عدم لحوق التغیر فیہ فی کفة اخری اور اس حسن کلام کو جو آسان ادائیگی، طبعی موافقت اور اس میں عدم تغیر کی بنا پر پیدا ہوتا ہے، دوسرے پلڑے میں رکھیں ترجع الفطرة السلیمة جانب المعنی تو انسان کی فطرت سلیمہ معنی کے پہلو کو ترجیح دے گی۔ یعنی معنی بالکل مکمل ہو جاتا ہے اور طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ فیترك احد الانتظارین مھملاً پس دونوں میں سے ایک انتظار کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ویوفی الحق فی الانتظار الثانی اور دوسرے انتظار میں حق پورا ہو جاتا ہے یعنی معنی والے انتظار کو اختیار کر لیا جاتا ہے۔

وانما قلنا فی صدر المبحث: اور ہم نے آغازِ بحث میں کہا تھا قد جرت سنة اللہ عزوجل علی ھٰذا فی اکثر السور کہ اکثر سورتوں میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت جاری ہے لانہ ماظھرت فی بعض السور رعایة ھٰذا القسم من الوزن والقافیة کیونکہ بعض سورتوں میں وزن اور قافیہ والی کوئی رعایت ظاہر نہیں ہوتی۔ فوقعت طائفة من الکلام علی نھج خطب الخطباء وامثال اھل النکت لہٰذا بعض آیات سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی خطیب خطبہ دے رہا ہو اور جیسے کوئی باریک نکات بیان کر رہا ہو۔ الم تسمع مسامرة النساء المرویة من سیدتنا عائشة رضی اللہ عنھا اے مخاطب! کیا تم نے ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی عورتوں کی قصہ گوئی کا وہ واقعہ نہیں سنا؟ قصہ گوئی کا یہ واقعہ ترمذی شریف میں ذکر ہوا ہے۔ جو کہ قصہ ام زرع کے نام سے مشہور ہے۔ گیارہ عورتوں نے آپس میں بیٹھ کر اپنے اپنے خاوندوں کی مدح یا قدح بیان کی

تھی۔

یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور اس کے الفاظ میں بڑی فصاحت و بلاغت پائی جاتی ہے۔ اس لئے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ کیا تم نے ام المؤمنین سے ام زرع والا قصہ نہیں سنا؟ فانظر في قوافيها اس کے قافیوں میں غور کرو جو کہ عجیب وغریب ہیں۔ فرماتے ہیں کہ قرآن کی بعض آیات مذکورہ روایت کے قافیوں کے ساتھ ملتی جلتی ہیں۔ وفي بعض السور وقع الكلام على منهج الكتب العرب اور بعض سورتوں کا کلام عربوں کے نوشتوں کے مطابق ہے۔ بلا رعاية شيء جو بغیر کسی قاعدہ کی رعایت کے ہے۔ كمحاورة بعض الناس لبعض جیسا کہ عام طور پر لوگ ایک دوسرے سے بات چیت کرتے ہیں۔ الا انه يختم كل كلام بشيء يكون مبنياً على الاختتام سوائے اس کے ہر کلام کے آخر میں اختتام والی بات ضرور آتی ہے۔ یہ سارے طریقے قرآنی آیات میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اس حسن اجمالی کے ذکر میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود ایک قاعدہ وضع کر کے اس کی جزئیات بیان کی ہیں۔

والسر ههنا اور یہاں پر راز کی بات یہ ہے ان الاصل في لغة العرب الوقف في موضع ينتهي النفس ويفني نشاط الكلام کہ عربوں کی زبان میں اصل چیز وہ وقف ہے جہاں آ کر سانس رک جاتا ہے اور کلام کا نشاط ختم ہو جاتا ہے۔ والمستحسن في محل الوقف انتهاء النفس على مدة اور وقف کے لئے کلام کا حرفِ مدہ پر ختم ہونا زیادہ اچھا سمجھا گیا ہے۔ ماقبل حرف کی موافقت کے ساتھ زائد حرف مدہ ہوگا اور اس حرف پر سانس رک جائے تو کلام میں چاشنی پیدا ہو جاتی ہے۔ هذا هو الوجه في ظهور صورة الآيات یہی وجہ ہے جس سے آیات کی موجودہ صورت بنی ہے۔ هذا ما فتح الله على الفقير یہی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے فقیر شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ پر ظاہر کی ہے جو اس کتاب کے مصنف ہیں۔ والله اعلم اور اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کو بہتر جانتا ہے۔

(فوائد)

ان سألوا: لم تكررت مطالب الفنون الخمسة في القرآن العظيم؟ ...... الٰی ...... ولو كان انشاؤهم على الطور القديم لما ظهرت براعتهم الا عند المحققين۔ (ص ۴۷ تا ص ۴۹)۔

ربطِ مضمون :

اصولِ تفسیر کے ضمن میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ قرآنی آیات کی مختلف اقسام بیان کر کے ان پر بحث کر رہے تھے۔ اب اس فوائد کے باب میں بعض سوالات کا جواب دے رہے ہیں جو نظم قرآن کے سلسلے میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ مثلاً اس کتاب کے پہلے باب میں قرآن پاک کے علوم خمسہ (علم الاحکام، علم المخاصمہ، تذکیر بآلاء اللہ، تذکیر بایام اللہ، تذکیر موت و مابعدہ) کا بیان ہے۔ مگر یہ علوم قرآن پاک کی مختلف سورتوں میں منتشر ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر علم اور اس کی جزیات کو اکٹھا کیوں نہیں ذکر کیا گیا، مثال کے طور پر پہلے علم الاحکام اور اس کی تمام تفصیلات بیان کر دی جاتیں۔ پھر چار گمراہ فرقوں کے ساتھ بحث مباحثہ سے متعلق علم مخاصمہ اور اس کی تمام تفصیلات کا ذکر ہوتا۔ اور پھر اسی طرح تذکیرات ثلاثہ میں سے ہر ایک تذکیر کا علیحدہ علیحدہ اور مکمل بیان ہوتا۔ بہرحال بالعموم یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان علوم خمسہ میں سے ہر علم کو یکجا کیوں نہیں بیان کیا گیا۔ نیز یہ کہ ان علوم کو بار بار کیوں ذکر کیا گیا ہے۔ اس باب میں شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ان سوالات کے جوابات دیئے ہیں۔

علومِ خمسہ کے بتکرر بیان کی وجوہات :

ان سألوا لم تكررت مطالب الفنون الخمسة في القرآن العظيم؟ اگر لوگ سوال کریں کہ علوم خمسہ کو قرآن پاک میں بتکرار یعنی بار بار کیوں ذکر کیا گیا ہے؟ ولم لم يكتف بموضع واحد؟ اور ہر فن کو ایک ہی جگہ بیان کرنے پر اکتفا کیوں نہیں کیا گیا؟ قلنا شاہ صاحب رحمہ اللہ جواباً فرماتے ہیں الذی نريد افادته للسامع ينقسم الى قسمين اس ضمن میں ہم سننے والے کو جو فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں، اس کو دو اقسام میں تقسیم کرتے ہیں۔ الاول: ان میں سے پہلی

قسم یہ ہے ان یکون المقصود هنالك مجرد تعلیم مالا یعلم کہ اس سے صرف تعلیم مقصود ہوتی ہے، یعنی جس چیز کو کوئی شخص نہیں جانتا اس کو جان لے۔ والمخاطب لم یکن عالماً بالحکم چونکہ آیات قرآنی کا مخاطب حکم کے ساتھ عالم نہیں تھا۔ وما کان ذهنه مدرکًا له اور اس کا ذہن اس کلام کا ادراک نہیں رکھتا تھا۔ فیعلم ذلك المجهول باستماع الکلام ویصیر المجهول معلومًا تو کلام کے سننے سے اس کو اس مجہول یعنی ان جانی بات کا علم حاصل ہو گیا۔ گویا مخاطب کو مجرد علم حاصل ہو گیا۔

والثاني: اور سامع کے استفادہ کی دوسری قسم یہ ہے ان یکون المقصود استحضار سورة ذلك العلم فی المدرکة لیتذذبه لذة تامة کہ انسان کو جو علم حاصل ہو وہ اس کی قوتِ مدرکہ میں موجود رہے تا کہ وہ اس سے مکمل طور پر لطف اندوز ہوتا رہے وتغنی القوی القلبية والادراکية فی ذلك العلم اور اس کی قوائے قلبیہ اور ادراکیہ اس کے علم کے اندر فنا ہو جائیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ساری ظاہری اور باطنی قوتوں کا مسکن اس کے دماغ کو بنایا ہے۔ قلبیہ قوتوں سے مراد انسان کے وہ قویٰ ہیں جن کے ذریعے آدمی کسی قول اور فعل کا ارادہ کرتا ہے اور قوائے ادراکیہ سے وہ قوتیں مراد ہیں جن کے ذریعے آدمی کو کسی چیز کی سمجھ بوجھ حاصل ہوتی ہے۔ غرضیکہ شاہ صاحب رحمہ اللہ آیات قرآنی کے تکرار بیان کرنے کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ انسان کو جو علم حاصل ہو وہ اس کی قوت ادراکیہ میں موجود رہے اور اس کی تمام قوائے قلبیہ اور ادراکیہ حاصل کردہ علم میں فنا ہو جائیں۔ ویغلب القویٰ کلها حتی تنصبغ بذلك العلم اور اس کی مذکورہ ساری قوتیں اس حد تک مغلوب ہو جائیں کہ وہ اس علم کے ساتھ رنگین ہو جائیں۔ گویا کہ جس چیز کو بار بار ذکر کیا گیا ہے، انسان کی تمام قوتیں اسی چیز کا رنگ اختیار کر لیں۔ کما تکرر احیانًا معنی شعر علمناه وندرك منه لذة فی کل مرة اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ہم کسی شعر کو بار بار دہراتے ہیں تا کہ اس کا معنی ہمارے ذہن میں پورے طریقے سے جم جائے یعنی یہ معنی ہمارے اذہان میں پوری طرح راسخ ہو جائے۔ چنانچہ اس شعر کو ہر بار پڑھنے سے ہمارا ذہن لطف اندوز ہوتا ہے۔ ونحب التکرار لتلك اللذة اور اس لذت کے حصول کی خاطر ہم مذکورہ شعر کو بار بار دہرانا پسند کرتے ہیں۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں والقرآن العظیم اراد من قسمی الافادۃ بالنسبۃ الی کل واحد من مطالب الفنون الخمسۃ کہ قرآن پاک مذکورہ دونوں اقسام میں سے اپنے مخاطبین کو علوم خمسہ کے مطالب کی ہر قسم کا فائدہ پہنچانا چاہتا ہے۔ یعنی تعلیم مالا یعلم جس شخص کو کسی چیز کا علم نہیں ہے اسکو وہ چیز معلوم ہو جائے۔ بالنسبۃ الی الجاھل وصبغ النفوس بتلك العلوم من التکرار بالنسبۃ الی العالم اور جن مخاطبین کو علم حاصل ہو چکا ہے، بار بار تکرار کے ذریعے ان کے نفوس ان علوم سے رنگین ہو جائیں۔ الا ان اکثر مباحث الاحکام لم یحصل تکرارھا سوائے اس کے علم الاحکام میں تکرار کو زیادہ تر اختیار نہیں کیا گیا۔ یعنی باقی علوم اربعہ (علم مباحثہ اور تذکیرات ثلاثہ) میں تو تکرار بکثرت آیا ہے مگر علم الاحکام میں زیادہ تکرار کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ لان الافادۃ الثانیۃ غیر مطلوبۃ فیھا کیونکہ علم احکام میں دوسرا فائدہ مطلوب نہیں تھا۔ ظاہر ہے علم الاحکام کے سلسلہ میں کسی حلال وحرام، جائز، ناجائز، مکروہ، مباح وغیرہ کا جان لینا ہی کافی ہے تاکہ جو حکم معلوم نہیں ہے وہ معلوم ہو جائے۔ اس کے برخلاف علم مخاصمہ، تذکیر بآلاء اللہ، تذکیر بایام اللہ اور تذکیر موت وبعد الموت کو مختلف مواقع پر دس دس بیس بیس دفعہ ذکر کیا گیا ہے۔ تاکہ یہ انسان کی قوت ادراکیہ میں ہر وقت حاضر رہیں۔ حتی کہ یہ قویٰ ان علوم میں فنا ہو جائیں اور انسان ان سے مکمل طور پر لطف اٹھاتا رہے۔

تو فرماتے ہیں کہ علم الاحکام کو بار بار ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ اس سے دوسرا فائدہ حاصل کرنا مطلوب نہیں تھا۔ ولذا امر بتکرار التلاوۃ فی الشریعۃ ولم یکتف بمجرد الفھم چونکہ شریعت میں قرآن پاک کی بار بار تلاوت کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا یہ بار بار کی تلاوت ہی علم الاحکام کے تکرار کا ذریعہ بن جائے گا۔ بایں ہمہ احکام کو محض سمجھ لینے پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ان کے تکرار کا سبب بھی پیدا کر دیا گیا ہے۔ ولکن الفرق انھم اختاروا فی اکثر الاحوال تکرار تلك المسائل بعبارۃ جدیدۃ واسلوب غریب البتہ فرق یہ ہے کہ انہوں نے اکثر حالات میں ان مسائل کا تکرار نئی عبارت اور انوکھے اسلوب کے ساتھ اختیار کیا ہے۔ لیکون اوقع فی النفس تاکہ یہ نفس میں اچھے طریقے سے واقع ہونے والا بن جائے۔ والذفی الاذھان دون التکرار

بلفظ واحد اور ذہنوں میں بغیر تکرار کے لفظ واحد کے ساتھ ہی زیادہ لذیذ ثابت ہو۔ والذهن يخوض في صورة اختلاف التعبيرات وتغاير الاسلوب ويتعمق الخاطر باسره اور انسانی ذہن تعبیرات کی مختلف صورتوں اور اسلوب کے تغیر وتبدل میں غور وفکر کرتا ہے، اور دل میں گہرائی تک پہنچتا ہے۔

الغرض! شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کے جواب میں کہ قرآنِ پاک میں علومِ خمسہ کو بتکرار کیوں بیان کیا گیا ہے، دو باتوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک یہ کہ نفسِ علم جو کہ زیادہ تر احکام میں مطلوب ہوتا ہے وہ معلوم ہو جائے اور دوسرا یہ کہ بتکرار ذکر کرنے سے ان علوم کو اذہان میں راسخ کرنا مقصود ہے۔

علومِ خمسہ کے بیان میں عدمِ ترتیب کی وجہ :

اب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ قرآن کے نظم میں ایک مزید سوال لا کر اس کا جواب دیتے ہیں۔ ان سألوا اگر سوال کرنے والے سوال کریں لم نشر هذه المطالب في القرآن ولم يراع الترتيب کہ علوم پنجگانہ کو پورے قرآن پاک میں منتشر طریقے پر کیوں بیان کیا گیا ہے اور ان میں کسی ترتیب کی رعایت کیوں نہیں رکھی گئی؟ فيذكر آلاء الله اولاً ويستوفي حقها اس کی عملی صورت یہ ہو سکتی تھی کہ پہلے انعاماتِ الٰہیہ کا ذکر ہوتا اور اس کا پورا پورا حق ادا کیا جاتا۔ ثم يذكر ايام الله پھر تاریخی واقعات کا ذکر ہوتا۔ ثم مخاصمة الكفار اور اس کے بعد مکمل طور پر کافروں کے ساتھ بحث مباحثہ کا بیان ہوتا۔

قلنا : اس کے جواب میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ وان كانت القدرة الالٰهية شاملة للممكنات كلها ولٰكن الحاكم في هٰذه ابواب الحكمة اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قدرت تمام ممکنات کو شامل ہے۔ یعنی خداوند تعالیٰ کو ہر کام کے کرنے پر اختیار حاصل ہے مگر یہاں پر فیصلہ کن بات حکمت الٰہی ہے یعنی ان ابواب میں کوئی بھی فیصلہ اللہ تعالیٰ کی حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ والحكمة موافقة المبعوث اليهم في اللسان واسلوب البيان اور حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ قرآن پاک کی ترتیب اور نظم ان عربوں کی زبان اور اسلوب بیان کے موافق ہوتی جن کی طرف قرآن مبعوث ہوا تھا۔

چنانچہ قرآن کا اسلوبِ بیان اس کے اولین مخاطبین عربوں کی زبان اور ان کے اسلوب کچھ مدنظر رکھ کر نازل کیا گیا ہے۔ واشیر الی ھٰذہ المعنی فی آیۃ (لقالوا لولا فصلت آیاتہ، ااعجمی وعربی) (حم سجدہ : ۴۴) اور اس معنیٰ کا اشارہ قرآن پاک کی اس آیت میں کیا گیا ہے کہ اگر ہم قرآن پاک غیر عربی زبان میں نازل فرماتے تو یہ لوگ فوراً پکار اٹھتے کہ عجیب بات ہے کہ ہم عرب لوگ ہیں اور عجمی زبان تو جانتے ہی نہیں، لہٰذا ہمارے لئے یہ کتاب کیسے مفید ہو سکتی ہے؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے اولین مخاطبین عربوں کو بنایا اور ان کی زبان اور طرزِ گفتگو کو ملحوظ رکھ کر قرآن کو نازل فرمایا اور پھر ان کے ذریعے ساری دنیا کو اس کتاب کی تعلیم دی گئی۔

عربوں کی کتاب سے محرومی :

وما کان فی العرب الی وقت نزول القرآن کتاب، لامن الکتب الالٰھیۃ ولا من مؤلف البشر اور حقیقت یہ ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت عربوں کے پاس نہ کوئی اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب تھی اور نہ ہی کسی انسان کی تالیف شدہ کتاب ان کے پاس تھی البتہ دوسری قوموں کے پاس کتب سماویہ موجود تھیں اگرچہ وہ تحریف شدہ تھیں یہود و نصاریٰ کے پاس تورات اور انجیل تھی۔ ایرانیوں، رومیوں اور ہندوستانیوں کے پاس بھی جیسی کیسی کتابیں موجود تھیں مگر عرب ایسی کسی کتاب سے یکسر محروم تھے۔ وما کان العرب یعلمون ما اخترع المصنفون الآن من الترتیب یہی وجہ ہے کہ عرب لوگ نہیں جانتے تھے کہ اب تک مصنف لوگ کیا کچھ تصنیف کر چکے ہیں۔ وان کنت فی شك من ھٰذا فتامل قصائد الشعراء المخضرمین واقرأ رسائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومکاتیب عمر الفاروق رضی اللہ عنہ لیتضح ھٰذا المعنی لہٰذا اے مخاطب! اگر تمہیں ہمارے اس کلام میں کوئی شک ہو تو آپ شعرائے مخضرم کے قصیدے، حضور نبی کریم ﷺ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے رسائل و مکاتیب پڑھ کر دیکھ لیں تاکہ ہمارا یہ پیش کردہ معنیٰ واضح ہو جائے۔

یہاں اس بات کی وضاحت کر دینا مناسب ہے کہ عرب میں ظہورِ اسلام سے پہلے جو شعراء گزرے ہیں وہ شعراء جاہلین کہلاتے ہیں اور جن شعراء نے زمانہ جاہلیت کے بعد اسلام کا زمانہ بھی پایا وہ شعراء مخضرمین کے نام سے مشہور ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انہی شعراء کے کہے ہوئے قصائد کا ذکر

کیا ہے کہ ان کے مطالعہ سے ان کی بات کی وضاحت ہو جائے گی۔ پھر جب اسلام کا دور آیا تو حضور ﷺ نے مختلف بادشاہوں اور منفرد اشخاص کو خط لکھے اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دورِ خلافت میں مختلف امور کے بارے میں اپنے عمال کو خطوط ارسال کیے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سارے نوشتہ جات کو عربوں کے اسلوب بیان پر بطور گواہ پیش کیا ہے۔ چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انہی کی زبان اور طرزِ بیان کے مطابق قرآن کی سورتیں نازل فرمائیں۔ اور یہ اسلوب اختیار کرنے کی وجہ ظاہر ہے فلو قيل بخلاف طورهم لبقوا في حيرة حين يصل الى سمعهم شئ غير معهود کہ اگر عربوں کے سامنے ان کے اسلوب کے خلاف کوئی بات کی جاتی تو جونہی ان کے کانوں تک کوئی غیر مانوس بات پہنچتی تو وہ حیرت زدہ ہو جاتے۔ فيشوش فهمهم جو ان کے فہم کو مشوش کر دیتی۔ چنانچہ عربوں کے اذہان کو مانوس رکھنے کیلئے نزولِ قرآن میں بھی کسی حد تک انہی کے طرز کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ وايضًا ليس المقصود مجرد الافادة بل الافادة مع الاستحضار والتكرار اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ اس اسلوب سے محض افادہ ہی مقصود نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ کلام کی ذہن میں ہر وقت موجودگی اور اس کا تکرار بھی مطلوب تھا۔ لہٰذا یہ دونوں چیزیں اختیار کی گئی ہیں۔ وهٰذا المعنى في غير المرتب اقوى واتم اور یہ معنی غیر مرتب چیز میں زیادہ قوی اور مکمل ہوگا۔ یعنی جس چیز کا علم نہیں ہے اس کا علم بھی حاصل ہو جائیگا اور باقی باتیں ذہن میں اچھی طرح حاضر رہیں گی اور ان سے لطف بھی حاصل ہوتا رہے گا۔

آیاتِ قرآنی میں وزن اور قافیہ کا فقدان :

اب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک تیسرے ممکنہ سوال کی طرف آتے ہیں اور اس کا جواب دیتے ہیں ان سألوا لم لم يختر وزنًا وقافية يعتبران عند الشعراء فانهما الذ من هٰذا الوزن والقافية؟ اور اگر کوئی یہ سوال کرے کہ نزولِ آیات میں وزن اور قافیہ کو کیوں اختیار نہیں کیا گیا جو کہ شعراء کے ہاں معتبر سمجھا جاتا ہے کیونکہ اسی وزن اور قافیہ کی وجہ سے ہی تو شعر سے لذت حاصل ہوتی ہے؟۔

یہاں اس بات کی وضاحت مناسب ہے کہ شعر کے ابتدائی حرف کو مطلع درمیانے کو گریز اور

آخری حرف کو قافیہ کہتے ہیں۔ آخری لفظ اگر دو حرفی ہو تو سبب اور اگر تین حرفی ہو تو وتد کہلاتا ہے۔
غرضیکہ شعر کا آخری حرف (و، ج، ن) وغیرہ قافیہ ہوتا ہے اور آخری سے پہلا حرف روی کہلاتا ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ آیاتِ قرآنی میں شعراء کی طرح وزن اور قافیہ کا لحاظ کیوں نہیں رکھا گیا؟ **قلنا** فرماتے ہیں **کونهما الذی یختلف باختلاف الاقوام والاذهان** کہ وزن اور قافیے کا لذیذ ہونا کوئی سائنٹفک چیز نہیں ہے کیونکہ یہ چیزیں تو مختلف اقوام اور مختلف اذہان کی اپنی اپنی پسند کی بات ہے۔ بعض لوگ اس کو پسند کرتے ہیں اور بعض دوسرے پسند نہیں کرتے مگر قرآن نے فطری قدرِ مشترک اور موزونیت کو ہر جگہ برقرار رکھا ہے جس سے متکلم اور سامع برابر لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں۔ **وعلی التسلیم** اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ وزن اور قافیہ زیادہ لذت کا باعث ہیں۔ **فابداع طور من الوزن والقافیة علی لسان حضرة نبینا صلی اللہ علیه وسلم وهو امی آیة ظاهرة علی نبوته صلی اللہ علیه وسلم** تو امی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک پر وزن اور قافیہ کے ایک نئے اسلوب کا ظاہر ہونا، بجائے خود ایک معجزہ ہے۔ حضور علیہ السلام نے نہ تو کسی مکتب میں تعلیم حاصل کی تھی نہ کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اور شعر و شاعری کے متعلق تو خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے اپنے نبی کو شعر و شاعری نہیں سکھائی اور نہ ہی یہ آپ کے منصب کے لائق ہے۔ تو پھر ایسی ہستی کی زبان سے ایسے کلام کا ظاہر ہونا جو وزن اور قافیہ ردیف کا حامل تو نہیں مگر ایسا موزوں کلام ہے جو ہر ذہن کو اپیل کرتا ہے اور اس کے پڑھنے اور سننے سے لطف وسرور بھی برابر قائم رہتا ہے۔ یہ آپ کی نبوت کی کھلی دلیل ہے۔

ولو نزل القرآن علی وزن الشعراء وقافیتهم لحسب الكفار انه هو الشعر المشهور المعروف فی العرب اور اگر قرآن پاک شعراء کے وزن اور قافیہ کی طرز پر نازل کیا جاتا تو کافر لوگ گمان کرتے کہ یہ تو وہی اشعار ہیں جو عرب میں مشہور و معروف ہیں۔ **ولم یاخذوا من ذلك الحسبان فائدة** اور وہ اس گمان کی وجہ سے کلام الٰہی سے کچھ فائدہ حاصل نہ کر پاتے۔ **کما اذا اراد البلغاء من اهل النظم والنثر ان یثبتوا مزیتهم ورجحانهم علی المعاصرین علی رؤس الاشهاد** جیسا کہ اہلِ نظم و نثر میں سے بلیغ لوگ جب لوگوں کے سامنے اپنے ہم عصروں

پر اپنی برتری اور رجحان کو ثابت کرنا چاہتے ہیں استنبطوا صناعة غريبة تو کوئی انوکھی صنعت نکالتے ہیں یعنی کوئی ایسا اسلوب پیش کرتے ہیں جو پہلے سے موجود نہ ہو۔ وقالوا هل يستطيع احد ان يقول شعراً او غزلاً على هٰذا الطور اور پھر چیلنج کرتے ہیں کہ کون ہے جو اس طرز کا شعر یا غزل پیش کرے۔ او يكتب كتاباً على هٰذا النمط یا اس طریقے پر کوئی مکتوب لکھ کر چیلنج کا جواب دے۔ ولو كان انشاؤهم على الطور القديم لماظهرت براعتهم الا عند المحققين اور اگر چہ ان کا انشاء پرانے طریقے پر ہی ہو مگر اس کی عمدگی بعض محققین پر ہی ظاہر ہوگی، سارے محققین اس کی برتری کو تسلیم نہیں کریں گے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک کو شعروشاعری کے طریقے پر نازل نہیں کیا گیا۔ شعراء نے خود تسلیم کیا ہے کہ قرآنی آیات شعروشاعری کے اوزان اور قافیہ ردیف کے مطابق تو نہیں مگر یہ ایسا لاجواب کلام ہے جس کی نظیر انسان پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ اس کلام الٰہی میں خوبی کی تمام باتیں موجود ہیں جبکہ تصنع اور بناوٹ والی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔

یہ ان سوالات کا جواب آ گیا کہ قرآن پاک کے علوم خمسہ کو مکرر کیوں ذکر کیا گیا ہے۔ اور ہر علم کو اکٹھا کیوں نہیں بیان کیا گیا۔

مبحث اعجاز القرآن

ان سألوا عن اعجاز القرآن :من اى وجه هو؟ ...... الٰى ...... والنور يدل بنفسه على نفسه۔ (ص۴۹ تا ص۵۱)۔

ربط مضمون :

گزشتہ درس میں قرآن پاک کے علوم پنجگانہ کے تکرار اور ان کے منتشر ہونے کی وجوہات کا ذکر تھا۔ اب اس سبق میں قرآن کے اعجاز کی وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ اس فصل کا عنوان ''مبحث اعجاز القرآن'' تجویز کیا گیا ہے۔ یہ عنوان صاحب کتاب شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا نہیں ہے بلکہ یہ عنوان اس

کتاب کے طبع کرنے والوں نے لگایا ہے۔

''اعجاز القرآن'' سے مراد قرآن کا عاجز کر دینا ہے۔ یعنی قرآنِ پاک نے ساری مخلوق کو عاجز کر دیا ہے کہ وہ اس کی مثل پیش کر سکے۔ اسی بنا پر قرآن کو معجز بھی کہتے ہیں معجزہ مادی بھی ہوتا ہے اور روحانی بھی۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو کوئی نہ کوئی خصوصی معجزہ عطا فرمایا ہے جبکہ مجھے خاص معجزہ قرآنِ پاک کی صورت میں عطا کیا ہے۔

جب قرآنِ پاک کا نزول شروع ہوا اور حضور علیہ السلام نے اسے لوگوں کے سامنے پیش کیا تو لوگوں نے اسے خدا تعالیٰ کا کلام ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے پوری مخلوق کو چیلنج کر دیا کہ اس جیسا قرآن پیش کر کے دکھاؤ۔ ام یقولون افترٰہ ط قل فأتو بعشر سور مثلہ مفتریٰت (ہود : ۱۳) کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے یہ قرآن گھڑ لیا ہے۔ آپ کہہ دیں کہ اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں پیش کرو۔ دوسری جگہ فرمایا فاتو بسورۃ من مثلہ وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صٰدقین ○ (یونس : ۳۸) اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو کہ یہ قرآن پیغمبر کا گھڑا ہوا ہے تو اس جیسی ایک سورۃ ہی پیش کرو، اور اس مقصد کے لیے اللہ کے علاوہ بلالو جس کی بھی طاقت رکھتے ہو۔ ظاہر ہے کہ آج تک کوئی بھی قرآن کے اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکا۔ جن لوگوں نے قرآن کا متبادل پیش کرنے کی کوشش کی، لوگوں نے ان کے منہ پر تھوکا۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں مسیلمہ کذاب نے اول فول بکواس کر کے قرآن کا مقابلہ چاہا تھا مگر حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ جو اس وقت تک ابھی ایمان بھی نہیں لائے تھے کہنے لگے، تو جھوٹ بولتا ہے قرآن تو بڑا پاکیزہ کلام ہے۔ تو اس کے مقابلے میں کیسے کوئی کلام پیش کر سکتا ہے۔

الغرض! شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قرآنِ پاک کے معجز ہونے کی سات وجوہات بیان کی ہیں۔ پہلی وجہ ذرا تفصیلاً بیان کی ہے، البتہ سب سے اہم وجہ کو آخر میں ساتویں نمبر پر جگہ دی ہے۔

فرماتے ہیں۔ ان سألوا اعجاز القرآن: من ای وجہ ھو؟ اگر لوگ اعجاز القرآن کے بارے میں پوچھیں کہ یہ کس وجہ سے ہے۔ قلنا: تو ہم کہیں گے۔ المحقق عندنا انہ لوجوہ کثیرۃ کہ ہمارے نزدیک تحقیق شدہ بات ہے کہ اعجاز القرآن کی بہت سی وجوہات ہیں۔ یہاں پر شاہ

صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سات وجوہات ذکر کی ہیں۔

پہلی وجہ :

منھا الاسلوب البدیع اعجاز القرآن کی پہلی وجہ اس کا نادر اسلوب ہے جو کسی دوسری کتاب یا تحریر میں نہیں پایا جاتا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کی وضاحت یوں فرماتے ہیں۔ **لان العرب کانت لهم میادین معلومة یرکضون فیها جواد البلاغة** اس ضمن میں عربوں کے ہاں بہت سے میدان تھے جن میں وہ اپنی فصاحت و بلاغت کے گھوڑے دوڑاتے رہتے تھے، یہاں اسی بات کی وضاحت ضروری ہے کہ جو تحریر و تقریر نہایت موزوں ہو اور اس میں تناقض نہ ہو، وہ فصاحت کے زمرہ میں آتی ہے۔ اور جو کلام مقتضائے حال کے مطابق ہو، اس کو بلاغت کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ غرضیکہ عربوں کے ہاں فصاحت و بلاغت کے خاص میدان تھے جس میں وہ گھوڑے دوڑاتے رہتے تھے یعنی ایک دوسرے سے سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ **ویحرزون قصبات السبق فی مسابقة الاقران** وہ جمع کرتے تھے سبقت کے کانوں کو اقران کی مسابقت میں۔ عربوں کے محاورے میں جیت کو سبقت کے کانے کے ساتھ تشبیہ دیتے تھے۔ یعنی جو شخص کسی مقابلے میں جیت جاتا، اس کے متعلق کہتے کہ وہ سبقت کا کانا جیت گیا ہے۔ اس کی مثال حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی کفالت کے ضمن میں پیش آنے والے واقعہ میں بھی ملتی ہے۔ آپ کے والد عمران تو پہلے ہی فوت ہو چکے تھے، جب حضرت مریم کی ولادت ہوئی تو ان کی پرورش کا مسئلہ پیدا ہوا۔ آپ کو خدمتِ دین کے لئے وقف ایک بابرکت بچی سمجھتے ہوئے بیت المقدس کے سارے زعماء نے آپ کو اپنی کفالت میں لینے کی خواہش ظاہر کی۔ ان میں حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے خالو حضرت زکریا علیہ السلام بھی شامل تھے۔ جب باہمی گفت و شنید سے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی کفالت کا معاملہ طے نہ ہو سکا تو قرعہ اندازی کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اس کے لئے طریقِ کار یہ طے ہوا کہ ہر خواہش مند اپنی وہ قلم نہر میں ڈال دے جس کے ساتھ وہ تورات لکھا کرتا تھا۔ چنانچہ سب نے اپنی اپنی قلمیں پانی میں ڈال دیں۔ سب کی قلمیں پانی کے بہاؤ کی طرف چل دیں سوائے حضرت زکریا علیہ السلام کی قلم کے جو الٹی طرف چل پڑی، چنانچہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی کفالت کا قرعہ آپ کے نام نکل آیا۔ یہی تھا وہ سبقت کا قلم یا کانا جو حضرت زکریا علیہ السلام نے جیت لیا اور حضرت

مریم رضی اللہ عنہا کو آپ کی کفالت میں دے دیا گیا۔ اس واقعہ کی گواہی خود قرآنِ پاک نے بھی دی ہے۔
حضرت مریم رضی اللہ عنہا کا مذکورہ واقعہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا ہے
ذلك من انباء الغيب نوحيه اليك ط وما كنت لديهم اذ يلقون اقلامهم ايهم يكفل مريم ص وما كنت لديهم اذ يختصمون ○ (آلِ عمران : ۴۴) یہ سب غیب کی خبریں ہیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہیں۔ اور آپ تو ان کے پاس موجود نہ تھے۔ جب وہ اپنی قلمیں ڈال رہے تھے کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی کفالت کون کرے۔ اور نہ ہی انکے پاس موجود تھے جب وہ (اس معاملہ میں) جھگڑا کر رہے تھے۔

بہر حال شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں پر عربوں کے ان خاص میدانوں کا ذکر کیا ہے۔ جن میں وہ ایک دوسرے سے مسابقت حاصل کرنے کیلئے اپنے گھوڑے دوڑاتے رہتے تھے۔ اور وہ میدان تھے **بالقصائد والخطب والرسائل والمحاورات** گویا عرب لوگ اپنے دور میں ان چار میدانوں کے شاہسوار تھے یعنی (۱) قصائد عرب لوگ بڑے عمدہ قسم کے قصیدے کہتے تھے جن میں کسی کی مدح یا مذمت ہوتی تھی اور ان قصیدوں کو عربی ادب میں بڑا منفرد مقام حاصل تھا۔ ان کا دوسرا میدان خطبات تھے جن میں وہ ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے رہتے تھے۔ امی ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے عربوں کو خطبات کی بڑی اہلیت عطا فرمائی تھی اور ان کے خطبات زبان کی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معیاری تسلیم کئے جاتے تھے۔ **والرسائل** عرب لوگوں کے خطوط اور مکاتیب بھی بڑے عمدہ قسم کے ہوتے تھے۔ ان کے نمونے آج بھی ادب اور حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ عربوں کا چوتھا میدانِ ادب میں ان کے محاورات تھے جو وہ ان روزمرہ گفتگو میں استعمال کرتے تھے۔

ان چاروں میدانوں میں عربوں کو کمال حاصل تھا اور دنیا کی دیگر اقوام اس میدان میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں۔ اور پھر لطف کی بات یہ ہے **وما كانوا يعرفون اسلوبًا غير هٰذه الاوضاع الاربعة** کہ عرب لوگ شعر و ادب میں ان چار اسلوبوں کے علاوہ کوئی اور اسلوب جانتے بھی نہ تھے۔ **ولا يتمكنون من ابداعه** اور ان کے لئے یہ ممکن ہی نہ تھا کہ ان چار کے علاوہ وہ کوئی اور اسلوب ایجاد کر سکتے۔

اس حقیقت کو بیان کرنے کے بعد شاہ صاحب ﷫ فرماتے ہیں۔ فابداع اسلوب غیر اسالیبهم علی لسان حضرته صلی الله علیه وسلم وهو امی عین اعجاز کہ حضور نبی کریم ﷺ جیسے ناخواندہ شخص کی زبان سے قرآنی آیات کا نیا اسلوب پیش کرنا بالکل ایک معجزہ ہے۔ آپ نے مذکور چار اسالیب کے علاوہ ایسا اسلوب پیش کیا جس سے عرب لوگ بالکل ناواقف تھے۔ قرآن کے معجز ہونے کی یہ بہت بڑی دلیل ہے۔

نگار من بمکتب نہ رفت وخط نہ نوشت
بجیر تم کہ بغمزہ آموخت و صدر مدرس شد

میرا نگار (محبوب) عجیب ہستی ہے کہ نہ وہ کسی مدرسہ میں گیا، نہ نوشت وخواند کا درس لیا، مگر عجیب بات ہے کہ وہ سب کچھ اشارے یعنی وحی الٰہی سے سیکھ کر صدر مدرس بن گیا۔ اعجاز القرآن کی یہ پہلی وجہ بیان ہوئی۔

دوسری وجہ :

ومنها الاخبار بالقصص والاحکام والملل السابقة بحیث کان مصدقاً للکتب السابقة بغیر تعلم وجوہاتِ اعجاز القرآن میں سے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں پرانے واقعات، احکام اور سابقہ اقوام کی خبریں دی گئی ہیں۔ قرآن کے بیان کردہ یہ حقائق ایسے ہیں کہ ان کی خبر کوئی دوسری کتاب یا کوئی فرد کسی طریقے پر بھی نہیں دے سکتا۔ یہ قرآن سابقہ کتب سماویہ کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ یعنی فی الوقت ان کتب میں جو صحیح باتیں ہیں ان کی تصدیق کرتا ہے اور جو غلط باتیں بعد میں شامل کر لی گئی ہیں، قرآن ان کی نشاندہی کرتا ہے۔ ان باتوں کی تعلیم کسی ادارے یا فرد سے حاصل کئے بغیر ان کی تصدیق یا نشاندہی کرنا تائید غیبی سے ہی ممکن ہے جو کہ قرآن کے معجز ہونے کی ایک دلیل ہے قرآن پاک نے بعض سابقہ انبیاء کے حالات بھی تفصیل سے بیان کئے ہیں جن کا ذکر سابقہ کتب سماویہ میں بھی موجود ہے۔ سابقہ کتب کے مطالعہ یا کسی تاریخ دان سے ان واقعات کی تفصیل جانے بغیر ان کی خبر دے دینا اعجاز القرآن کی ایک واضح وجہ ہے۔

تیسری وجہ :

ومنها الاخبار باحوال مستقبلة وجوہات اعجاز القرآن میں سے تیسری وجہ اس میں بیان ہونے والے مستقبل کے حالات ہیں۔ قرآن کے پیش کردہ مستقبل کے واقعات میں سے بعض تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی مبارک میں ہی رونما ہو گئے تھے ان میں روم و فارس کی سلطنتوں کے متعلق پیشین گوئیاں تھیں جو اس زمانے کے لوگوں نے اپنی آنکھوں کے سامنے پوری ہوتی ہوئی دیکھ لیں۔ قرآن کے پیش کردہ کچھ ایسے حالات و واقعات بھی ہیں جو قریب قیامت بھی پیش آنے والے ہیں۔ ان میں مسیح علیہ السلام کا نزول، دجال کا خروج، یاجوج ماجوج کی یلغار وغیرہ شامل ہیں۔ فکلما وجد شئ علی طبق ذلك الاخبار ظهر اعجاز جديد غرضیکہ قرآن کی پیش گوئیوں میں سے جب بھی کوئی پیش گوئی پوری ہوتی ہے اور وہ واقعہ حقیقت بن کر سامنے آجاتا ہے تو قرآن پاک کا اعجاز ظاہر ہو جاتا ہے چونکہ پیشین گوئی کرتے وقت ایسی خبر حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ بھی نہیں تھا لہٰذا ایسی خبر کا حقیقت بن جانا قرآن کے اعجاز پر دلالت کرتا ہے۔

چوتھی وجہ :

ومنها الدرجة العليا في البلاغة مما ليس مقدوراً للبشر اور ان وجوہات میں سے چوتھی وجہ یہ ہے کہ بلاغت میں قرآنِ پاک کا درجہ اتنا بلند ہے جو کسی انسان کی طاقت میں نہیں ہے۔ اس بلاغت کو ظاہر کرنے کے لئے علماء معانی و بلاغت نے بڑی بڑی کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں مولانا عبدالقاہر جرجانی رحمۃ اللہ علیہ، جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ قاضی ابوبکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم کے نام پیش کئے جاسکتے ہیں جنہوں نے "اعجاز القرآن" اور اسرار البلاغہ، کے نام سے ضخیم کتابیں لکھیں۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے قرآن پاک کا اعجاز اچھے طریقے سے سمجھ میں آجاتا ہے۔ عرب لوگ تو اعجاز القرآن کو اپنے ذوق کے ساتھ سمجھتے تھے۔ مگر بعد والے لوگوں کا علم اور فہم کمزور ہونے کی بنا پر قرآنی علوم کی ضرورت محسوس ہوئی۔ عربوں کو تو عربی قواعد صرف، نحو وغیرہ کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اپنی خداداد صلاحیت کی بنیاد پر غلط لفظ برداشت نہیں کرتے تھے۔ ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ معیاری لفظ ہوتا تھا۔ پھر جب

عجمی لوگ اسلام میں داخل ہونا شروع ہوئے تو ان کو قرآن فہمی کے لئے عربی قواعد کی ضرورت محسوس ہوئی تو خلیل ابن احمد رحمہ اللہ اور دیگر آئمہ نے صرف ونحو پر کتابیں لکھیں۔ ابنِ حاجب رحمہ اللہ نے نحو میں قافیہ کے نام سے اور صرف میں شافیہ کے نام سے کتابیں تحریر کیں اور اس طرح عجمی طالبانِ علم کی ضرورت پوری کی۔ حقیقت یہ ہے کہ عربوں کو ان قواعد کی ضرورت نہیں تھی بلکہ ان کے ضرورت مند ہم ہیں۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں **ونحن لما جئنا بعد العرب الاول ماکنا لنصل الی کنه ذلك** پہلے عربوں کے بعد جب ہمارا دور آیا تو ہم اس کی حقیقت تک پہنچنے کے لائق نہ تھے یعنی ہم قرآن پاک کی فصاحت وبلاغت تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ **ولکن القدر الذی علمناہ ان استعمال الکلمات والترکیبات العذبة الجزلة مع اللطافة** تاہم ہم نے کلمات اور موٹی موٹی ترکیبات کا مناسب مقامات پر استعمال بمعہ لطافت معلوم کیا۔ **وعدم التکلف فی القرآن العظیم اکثر منه فی قصائد المتقدمین والمتاخرین** ان عوامل کا بے تکلف استعمال جس قدر قرآن پاک میں ملتا ہے، وہ پہلے اور پچھلے لوگوں کے قصائد میں بھی نہیں ملتا۔ قرآن پاک کی فصاحت و بلاغت ایسے عجیب وغریب طریقے پر ہے **فانا لا نجد من ذلك فیها قدر مانجدہ فی القرآن** کہ ہم اس کی قدریں قرآن پاک کے سوا کہیں نہیں پاتے۔ **وهٰذا امر ذوقی یتمکن من معرفة المهرة من الشعراء** یہ ایک ذوقی امر ہے جو شاہ صاحب رحمہ اللہ کی اصطلاح میں الہامی ہوتا ہے اور اسے ماہر شعراء ہی سمجھ سکتے ہیں، عام لوگ اس کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور جو سمجھ جاتے ہیں ان پر وجد طاری ہو جاتا ہے۔

پانچویں وجہ :

وایضًا نعلم من الغرابة فیه انه یلبس المعانی من انواع التذکیر والمخاصمة فی کل موضع لباسًا یناسب اسلوب السورة اور اعجاز القرآن کی پانچویں وجہ یہ ہے کہ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ علم تذکیر اور علم مخاصمہ میں قرآن کے الفاظ سورۃ کے اسلوب کے مطابق جہاں کہیں کوئی دوسرا معنٰی پہناتے ہیں تو اس میں ایک عجیب کیفیت اور ندرت ہوتی ہے۔ **وتقصرید المطاول عن**

ذیله اوراس کو پکڑنے والے کا ہاتھ اس کے دامن تک نہیں پہنچ پاتا۔گویا ایک عام آدمی معانی کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ایسے مواقع پر تذکیر اور مخاصمت ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

وان کان احد لایفهم هٰذا الکلام شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی ہماری اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہے فلیتامل ایراد قصص الانبیاء فی سورة "اعراف" و "هود" و "الشعراء" تو اس کو چاہیے کہ وہ سورۃ اعراف،ھود اور شعراء میں بیان کردہ واقعات میں غور کرے۔ ثم لینظر تلك القصص فی "الصافات" ثم فی "الذاریات" لیظهر له الفرق پھر وہ ان واقعات مذکورہ پر سورۃ الصافات اور پھر سورۃ الذاریات میں نگاہ ڈالے تا کہ اس پر فرق ظاہر ہو جائے ایسے شخص کو ہر واقعہ میں ایک خاص اسلوب نظر آئے گا۔

وکذلك ذکر تعذیب العصاة و تنعیم المطیعین اسی طریقے سے قرآنِ پاک میں گنہگاروں کی سزا اور اطاعت گزاروں کے انعامات کا ذکر ہے۔ فانه یذکر فی کل مقام باسلوب جدید یہ بھی ہر مقام میں ایک نئے اسلوب کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ویذکر مخاصمة اهل النار کل مقام بصورة علی حدة اور اہلِ دوزخ کا آپس میں جھگڑا ہر جگہ نرالی صورت میں دکھایا گیا ہے۔شرکاءِ مشرکین کے کسی کام نہ آسکیں گے۔معبودانِ باطلہ اپنے ماننے والوں کو کہہ دیں گے کہ تم ہماری عبادت تو نہیں کرتے تھے اور نہ ہی ہمیں تمہاری عبادت کا کچھ علم ہے۔اسی طرح وہ ایک دوسرے کے مخالف ہو کر جھگڑا کریں گے۔اس قسم کے مکالمے بھی بڑی عجیب وغریب انداز میں ذکر کیے گئے ہیں۔شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ والکلام فی هٰذا یطول اس موضوع کی تفصیل بہت لمبی ہے۔

چھٹی وجہ :

وایضًا نعلم انه لایتصور رعایة مقتضی المقام الذی تفصیله فی فن المعانی والاستعارات والکنایات اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ مقتضائے حال اور استعارات اور کنایات کی رعایت جن کی تفصیل علم معانی اور بیان میں ہے۔ التی تکفل بها فن البیان مع رعایة حال المخاطبین الامیین الذین لایعرفون هٰذه الصناعات احسن مما یوجد فی القرآن

العظیم قرآن کے ناخواندہ اولین مخاطبین کے ساتھ نہیں تصور کی جا سکتی جو ان صنعتوں کو اس سے بہتر طریقے پر نہیں جانتے تھے جو قرآن میں پائی جاتی ہیں۔ فان المطلوب ھٰھنا ان یذکر فی المخاطبات المعروفة التی یعرفها کل من الناس نکتة رائقة للعامة کیونکہ یہاں مطلوب یہ بات ہے کہ مخاطبات معروفہ میں ایسا نکتہ ذکر کیا جائے جس کو عام لوگ پہنچانتے ہیں۔ مرضیة عند الخاصة اور جو خواص کے نزدیک پسندیدہ ہیں۔ وھٰذا المعنی کالجمع بین النقیضین اور یہ معنی دوضدوں کو اکٹھا کرنے کے مترادف ہے، جیسا کہ اس شعر میں بیان کیا گیا ہے۔

یزیدك وجهه حسناً　　　　اذا ما زدته نظراً

تو جس قدر اس کی طرف زیادہ دیکھے گی، تیرے حسن میں اسی قدر اضافہ ہوگا مطلب یہ ہے کہ جب تم کلام الٰہی میں غور کرو گے تو اس کی خوبی اور مزید کمال تم کو نظر آئے گا۔ یہ قرآن کے اعجاز کی چھٹی وجہ ہوگئی۔

ساتویں وجہ :

ومن جملة وجوه الاعجاز مالا یتیسر فهمه لغیر المتدبرین فی اسرار الشرائع اور منجملہ وجوہات اعجاز القرآن میں سے ساتویں وجہ وہ ہے جس کا شرائع کے رموز میں غور وفکر کرنے والوں کے علاوہ دوسروں کا سمجھنا آسان نہیں ہے۔ وذلك اور وہ یہ ہے ان العلوم الخمسة نفسها تدل علی ان القرآن نازل من عند اللہ لهدایة بنی آدم کہ قرآن پاک کے علوم خمسہ خود دلالت کرتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی جانب سے انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے۔ کما ان عالم الطب اذا نظر فی "القانون" ولاحظ تحقیقه وتدقیقه فی بیان اسلوب الامراض وعلامتها و وصف الادویة لا یشك ان المؤلف کامل فی صناعة الطب اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ جیسے کوئی طب کا عالم جب اس فن کی مشہور ومعروف کتاب "قانون" کو دیکھے گا اور امراض کے اسباب اور علامات اور ادویات کے خواص کے بیان میں تحقیق و تجسس کرے گا تو وہ شک نہیں کرے گا اور اسے یقین ہو جائے گا کہ اس کتاب کا مؤلف بلاشبہ فن طب میں کامل تھا۔

''القانون''مشہور و معروف ماہر طب حکیم ابن سینا (المتوفی ۴۲۸ھ) کی تالیف ہے جو اپنے فن کا ماہر ترین آدمی سمجھا جاتا ہے۔اس نے یہ کتاب عالم شباب میں ہی لکھی تھی جو کہ سات جلدوں میں ہے۔ یہ کتاب صدیوں تک علمِ طب کے طور پر پڑھائی جاتی رہی، پھر جب اس کے تراجم ہوئے تو اہلِ یورپ نے اس کی چیدہ چیدہ باتیں اپنے ڈاکٹروں کے سپرد کردیں جنھوں نے اس سے فائدہ اٹھا کر جدید طب کی بنیاد رکھی۔اس کتاب میں بیان کردہ ۷۵ فیصدی نظریات آج بھی درست ثابت ہورہے ہیں، ابن سیناء نہ صرف طب کا ماہر تھا بلکہ دین کا عالم بھی تھا۔اس نے چار ماہ کے قلیل عرصہ میں قرآن پاک حفظ کرلیا تھا اور پھر قرآن کی تفسیر بھی لکھی تھی تبت کا باشندہ تھا مگر افغانستان میں آباد ہوگیا تھا۔اس کو حکومت میں وزارت اعلیٰ کا منصب بھی پیش کیا گیا جو کہ اس نے اس شرط پر قبول کرلیا کہ وہ وزارتِ اعلیٰ کی ذمہ داریوں کے باجود طلباء کی تعلیم کو منقطع نہیں ہونے دے گا۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ابن سینا کی طب کی کتاب ''قانون'' کا ذکر کرکے فرماتے ہیں کہ جس طرح طب کا کوئی ماہر اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد مؤلف کتاب کی فن طبابت میں مہارت کا قائل ہوجاتا ہے **كذلك اذا علم عالم اسرار الشرائع ماينبغي القاؤه على افراد الناس في تهذيب النفوس** اسی طریقے سے اسرار شرائع کا عالم خوب واقف ہے کہ تہذیب نفس کے لئے انسان کو کیا کیا چیزیں تعلیم کی جاسکتی ہیں **ثم يتامل في الفنون الخمسة** اس کے بعد وہ قرآن میں پیش کردہ علوم خمسہ میں غور کرے گا **يتحقق ان هٰذا الفنون قد وقعت موقعها بوجه لايتصور احسن منه** تو اس پر یہ بات ثابت ہوجائے گی کہ یہ علوم وفنون قرآن نے ایسے مواقع پر پیش کئے ہیں کہ اس سے بہتر موقع کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ **والنور يدل بنفسه على نفسه** اور روشنی کی آمد اپنی ذات پر خود دلیل ہوتی ہے ''آفتاب آمد دلیل آفتاب'' کے مصداق جب سورج طلوع ہوجاتا ہے تو اس کی موجودگی کے لئے کسی مزید دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی، وہ بذاتِ خود اپنی موجودگی کی دلیل ہوتا ہے غرضیکہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مطلب یہ ہے کہ خود قرآن ہی اپنے اعجاز کی دلیل ہے اس کے معانی ومطالب میں غور کرنے والوں کو اس کی صداقت کے لئے کسی مزید دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

الباب الرابع

(چوتھا باب)

(في بيان فنون التفسير وحل اختلاف ماوقع في تفسير الصحابة والتابعين)

ليعلم ان المفسرين فرق مختلفة ...... الى ......لما استوفيت واجب حمده ورايت مما يلزم ان اذكر حرفين اوثلاثة من كل فن في هٰذه الرسالة۔ (ص٥١ تا ص٥٢)۔

ربط مضمون :

کتاب ہٰذا کا تیسرا باب تین فصول پر مشتمل تھا۔ اس باب میں قرآن پاک کا اسلوب بیان، تقسیم بصورت آیات اور سور اور پھر ان کی مختلف اقسام کا ذکر تھا۔ اس باب میں آیات اور اشعار کا تقابل بھی کیا گیا تھا۔ دونوں کے درمیان فرق اور ان میں قدر مشترک کا ذکر تھا۔ قرآن پاک کے علوم خمسہ کے منتشر ہونے کی حکمت کا ذکر تھا اور پھر آخر میں اعجاز القرآن اور اس کی سات وجوہات شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی تھیں۔

اب کتاب کا چوتھا باب شروع ہوتا ہے جس میں فن تفسیر کے مختلف طریقوں پر بحث کی گئی ہے۔ پہلی فصل کا عنوان ہے (في بيان فنون التفسير وحل اختلاف ما وقع في تفسير الصحابة والتابعين) تفسیر قرآن پاک کے مختلف فنون، نیز صحابہ کرام اور تابعین عظام کے درمیان تفسیر قرآن کے سلسلہ میں پیدا ہونے والے اختلاف کے حل کے بیان میں۔ معلوم ہونا چاہیے کہ فصل کا یہ عنوان صاحب کتاب شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا قائم کردہ نہیں ہے بلکہ کتاب کے شائع کنندگان نے قارئین کی سہولت کے لئے لگا دیا ہے اور اسے کوسین میں لکھا ہے۔ کتاب کا متن لیعلم سے شروع ہوتا ہے۔

مفسرین کے مختلف گروہ :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ليعلم ان المفسرين فرق مختلفة یہ بات اچھی طرح معلوم کر لی جائے کہ قرآن پاک کے مفسرین کے کئی گروہ ہیں جنھوں نے اپنے اپنے طریقے پر قرآن

کریم کی تفسیر بیان کی ہے۔ مفسرین کا جو گروہ جس فن کا ماہر تھا انہوں نے اسی فن کے مطابق تفسیر کی ہے۔ فسر کا لغوی معنی کھولنا ہے اور مفہوم یہ ہے کہ جہاں کہیں کوئی مشکل چیز پیش آئے یا بعض چیزوں کے درمیان تعارض واقع ہو یا اختلاف پیدا ہو، یا معنی کے سمجھنے میں دقت پیش آ رہی ہو تو اس کو واضح کر دیا جائے، تعارض اور اختلاف کو دور کیا جائے اور مشکل لفظ کا معنی آسان زبان میں پیش کر دیا جائے۔ یہ کام انجام دینے والے کو مفسر کہا جاتا ہے۔

تفسیر اور مفسر کے الفاظ قرآن پاک کے ساتھ خاص ہیں۔ دوسری کتابوں کی تشریح کرنے والوں کو شارح کا نام دیا جاتا ہے۔ پھر تفسیر اور توجیہہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تفسیر سے مراد یہ ہے کہ کسی مشکل چیز کو اس طریقے سے کھول دیا جائے یا واضح کر دیا جائے کہ وہ مشکل آسان ہو جائے۔ اور توجیہہ یا تاویل سے مراد یہ ہوتی ہے کہ کسی مشکل امر کی اس طرح وضاحت کی جائے کہ وہ قریب الفہم ہو جائے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مفسرین کے مختلف گروہ اور فرقے ہیں جن میں سے یہاں پر چند ایک کا ذکر کیا گیا ہے۔ ہر فرقے کے لوگوں نے اپنے اپنے علم اور طریقے کے مطابق قرآن پاک کی تفسیر بیان کی ہے۔ علم نحو والے اپنی تراکیب کے مطابق الفاظ کی وضاحت کرتے ہیں، علمِ معانی اور بلاغت والے اپنے طریقے پر تفسیر کرتے ہیں۔ منطق والوں کا اپنا طریقِ کار ہے جو کلیات، جزیات، جنس، نوع اور عرض وغیرہ کے مطابق تفسیر کرتے ہیں۔ غرضیکہ مختلف علوم وفنون کے ماہرین اپنے اپنے ذوق کے مطابق قرآن پاک کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔

محدثین کا گروہ :

جماعة منهم قصدوا رواية آثار مناسبة للآيات شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مفسرین کی ایک جماعت وہ ہے جو آیاتِ قرآنی سے مناسبت رکھنے والی احادیث اور آثار کے ذریعے تفسیر بیان کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ اثر کا اطلاق حدیث مرفوع کے علاوہ صحابی تابعی کے قول پر بھی ہوتا ہے۔ نیز امام مجتہد کا قول بھی آثار میں شامل ہوتا ہے۔ اس کو کہتے ہیں **تفسیر بالمنقولات** یعنی منقول چیزوں کے ساتھ تفسیر کرنا۔ اس میں بالعموم حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما یا بعد والوں کی تفاسیر

آتی ہیں۔ بہر حال اس قسم کی تفسیر میں کہیں احادیث ذکر ہوتی ہیں یا آثار کے ذریعے آیت کی وضاحت کی جاتی ہے جو متعلقہ آیات کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں۔ ان میں حدیثاً مرفوعًا کان او موقوفًا ان میں حدیث مرفوع ہوتی ہے جو براہِ راست حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچتی ہے یعنی آپ کا قول، فعل یا تقریر ہوتی ہے۔ یا وہ حدیث موقوف کے درجے میں ہوتی ہے جو صحابی رسول تک پہنچتی ہے۔ او قول تابعی یا وہ کسی تابعی کا قول ہوتا ہے جس کی ملاقات کسی صحابی کے ساتھ ہو چکی ہو۔ یہ بھی بڑے صاحبِ علم لوگ ہوئے ہیں۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، سعید ابن مسیب رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، ضحاک رحمۃ اللہ علیہ وغیر ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شاگردان تھے جو امت کے لئے عظیم سرمایہ ثابت ہوئے ہیں۔ غرضیکہ اس گروہ مفسرین کے لوگ مرفوع حدیث، موقوف یا تابعی کا قول بھی تفسیر آیت کے لئے نقل کرتے ہیں۔

او خبر اسرائیلی ان حضرات نے اسرائیلی روایات کو بھی تفسیر قرآن کے ضمن میں نقل کیا ہے۔ ان میں زیادہ تابعین اور تابعین حضرات ہیں جو اسلام لانے سے پہلے خود اسرائیلی یعنی یہودی یا نصرانی تھے اور اسلام لانے کے بعد انہوں نے ان اسرائیلی روایات کو بھی نقل کر دیا جو انکو پہلے سے یاد تھیں۔ ان میں زیادہ تر قصے کہانیاں ہوتی ہیں اور اکثر جھوٹی ہوتی ہیں۔ کوئی اکا دکا بات ہی سچی ثابت ہو سکتی ہے۔ ایسی روایات کا معیار آپ کو پہلے بتایا جا چکا ہے۔ اگر ایسی کوئی روایات قرآنِ کریم اور فرمانِ رسول کے مطابق ہے تو اس کی تصدیق کرو، اگر خلاف ہے تو انکار کر دو۔ اور جس روایت کے متعلق یقین نہ ہو اس میں توقف کرو، یعنی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب کرو۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ وھٰذا مسلك المحدثين یہ محدثین کا مسلک ہے جو انہوں نے تفسیر قرآن کے سلسلہ میں اختیار کیا ہے۔ محدثین میں سے امام بخاری، مسلم ترمذی، حاکم طحاوی وغیر ہم رحمہم اللہ نے روایات اور آثار کے ذریعے قرآنی آیات کی تفسیر کی ہے۔

متکلمین کا گروہ :

وفرقة منهم قصدوا التاويل آيات الصفات والاسماء اور ان میں سے ایک گروہ وہ ہے جو اللہ جل شانہٗ کی صفات اور اسماء کی آیات میں تاویل کرتا ہے۔ فما لم يكن موافقًا لمذهب التنزية صرفوه من الظاهر پس جو آیات اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتیں، ان کی

تاویل کرتا ہے۔ مثلاً الرحمن علی العرش استوی ○ (طٰہٰ : ۵) سے کیا مراد لیں گے؟ کیا اللہ تعالیٰ اسی طرح عرش پر مستوی ہے جیسے ہم پلنگ، کرسی یا فرش پر بیٹھتے ہیں۔ ایسا تصور کرنے سے تو مکان اور جہت ثابت ہوگی، حالانکہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے پاک اور وراء الوریٰ ہے۔ اس قسم کا معنی کرنا تو کفر کے مطابق ہے۔ چونکہ اس آیت کا ظاہری معنی اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ کے خلاف ہے لہٰذا مفسرین کا یہ گروہ ایسی آیات کی تاویل کر کے قابل قبول معنیٰ پہنا دیتا ہے۔ وردوا علی المخالفین تعلقهم ببعض الآیات یہ گروہ مخالفین کی طرف سے بعض آیات پر پیش کردہ اعتراضات کے مثبت جوابات دے کر ان اعتراضات کو دور کرتا ہے۔ وهٰذا طریق المتکلمین اور یہ متکلمین کا طریق کار ہے جو وہ تفسیر قرآن کے سلسلہ میں اختیار کرتے ہیں۔

یہ علم کلام یا علم توحید والعقائد کا گروہ ہے جو اپنے فن کے ذریعے تنزیہہ الٰہی سے عدم مطابقت رکھنے والی آیات کی تفسیر اس طریقے سے کرتا ہے کہ اس کے ظاہری معنی سے پھیر کر اس کو ایسے مجازی معنی پہنا دیتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ برقرار رہتی ہے۔

فقہاء کا گروہ :

وقوم استنبطوا احکامًا فقیهة اور ایک گروہ وہ ہے جو فقہی احکام کا استنباط کرتا ہے یعنی امت کو پیش آمدہ فقہی مسائل کا حل پیش کر کے آیات کی تفسیر بیان کرتا ہے۔ وترجیح بعض المجتهدات علی بعض اور اس طرح یہ گروہ بعض مجتہدات کو بعض پر ترجیح دیتا ہے۔ یہ لوگ اجتہاد کے ذریعے مسائل کا حل نکالتے ہیں۔ واورد والجواب عن تمسك المخالف اور مخالف مسلک کی دلیل کے ساتھ جواب دیتے ہیں وهٰذا طریق الفقهاء الاصولیین اور یہ اصول جاننے والے فقہائے کرام کا طریقہ ہے۔ اس ضمن میں امام سیوطی رحمہ اللہ نے اتقان فی علوم القرآن کے نام سے اصول تفسیر کی ضخیم کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب میں فقہائے اصولیین کے تفسیر کے تمام طریقے بیان کئے گئے ہیں۔

نحویوں کا گروہ :

وجمع اوضحوا نحو القرآن ولغته اور ایک جماعت یا گروہ وہ ہے جو قرآنِ پاک کی نحوی تراکیب اور لغت کو واضح کرتے ہیں۔ واوردوا شواهد كلام العرب في كل باب موفورة تامة اور اس ضمن میں انہوں نے عربوں کے کلام سے کثرت کے ساتھ شواہد پیش کئے ہیں۔ وهٰذا منصب النحاة اللغويين اور یہ منصب ہے ان نحویوں کا جو علمِ نحو کے ساتھ ساتھ لغات پر بھی دسترس رکھتے ہیں، یہ لوگ نحوی ترکیبات کو واضح کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ اس مقام پر یہ ترکیب استعمال ہوئی اور اس کا یہ معنی نکلتا ہے۔

ادیبوں کا گروہ :

وطائفة يذكرون نكات المعاني والبيان مفسرین کا ایک گروہ وہ ہے جو علمِ معانی اور علمِ بیان کے نکات کا ذکر کر کے تفسیر کرتے ہیں۔ بياناً شافياً ان کا یہ بیان باریک نکات پر مشتمل مکمل ہوتا ہے۔ فيقضون حق الكلام اس طریقے سے وہ اپنے فن میں کلام کا حق پورا کرتے ہیں۔ وهٰذا طريق الادباء اور یہ طریقہ تفسیر ادیبوں کا طریقہ ہے۔

قاریوں کا گروہ :

ومنهم من يروى قراءات القرآن الماثورة عن الاساتذة اور ان میں ایک گروہ ایسا ہے جو اساتذہ کرام سے منقول قراتوں کو تفسیر آیات کے ضمن میں روایت کرتا ہے۔ قرات کی بہت سی قسمیں حاکم، حمزہ اور ورش وغیرہ سے منقول ہیں۔ جن کو تفسیر قرآن کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ یہ لوگ دورانِ قرات شد، مد، وقف وغیرہ ہر چیز کو نقل کرتے ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وهٰذا صفة القراء یہ قاریوں کی تفسیر بھی ہوگئی۔

صوفیاء کا گروہ :

وجماعة يتكلمون بنكات متعلقة بعلم السلوك او علم الحقائق بادنى مناسبة اور مفسرین کی ایک جماعت وہ ہے جو علمِ سلوک اور تصوف سے متعلق نکات پر تھوڑی تھوڑی

مناسبت کی بنا پر کلام کرتے ہی۔ وھٰذا مسلك الصوفيين اور یہ صوفیائے کرام کا مسلک ہے۔ شیخ ابنِ عربی نے اسی طریقے پر تفسیر کی ہے۔ تفسیر تذکیر رحمان اس طریقے کی بہترین تفسیر تسلیم کی جاتی ہے۔

مفسرین کے مختلف گروہوں اور ان کے طریقہ تفسیر کا ذکر کرنے کے بعد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ وبالجملة الميدان واسع اور بالجملہ علم تفسیر ایک وسیع میدان ہے۔ وكل يقصد تفهيم معنى القرآن اس میدان کے ہر شاہسوار کا مقصد لوگوں کو قرآنِ پاک کے معانی سے روشناس کرانا ہے۔ وكل يخوض في فن يتكلم بقدر قوة فصاحته و فهمه ہر مفسر نے اپنے مخصوص فنِ تفسیر میں غور وفکر کیا ہے، اور اپنی فصاحت اور فہم کی قوت کے مطابق کلام کیا ہے۔ وبالنظر الى مذهب اصحابه اور اس ضمن میں اپنے ہم مذہب رفقاء کو پیش نظر رکھا ہے۔ ومن ثم كان في التفسير سعة لايمكن تقريرها یہی وجہ ہے کہ فن تفسیر میں اس قدر وسعت ہے کہ اس کو کسی ایک جگہ ٹھہرانا ممکن نہیں یعنی یہ ایک غیر محدود فن ہے۔ فوجد فيه كتب كثيرة لا يحصر ها عدد اس فن میں کثیر تعداد میں کتابیں پائی گئی ہیں کہ جن کا شمار ممکن نہیں ہے حتی کہ ان کی تعداد لاکھوں سے تجاوز کرتی ہے۔

مختلف زبانوں میں تفسیر :

وقصد جماعة جمعها فتكلموا بالعربية مرة وبالفارسية اخرى اور مفسرین کی ایک جماعت ایسی ہے جنہوں نے مختلف زبانوں میں طبع آزمائی کی ہے۔ ایک دفعہ وہ عربی زبان میں کلام کرتے ہیں تو دوسری مرتبہ فارسی زبان میں تفسیر بیان کی ہے۔ پانچویں صدی کے بزرگ شیخ عبداللہ نے فارسی زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فارسی زبان کو استعمال کیا۔ مصنف کتاب شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے عالمگیر کے آخری دور میں ہوئے ہیں اس وقت مقامی زبانیں تو بہت تھیں خود برصغیر میں ہندی، اردو، بنگالی، پنجابی، پشتو وغیرہ سینکڑوں زبانیں بولی جاتی تھیں تاہم اس مغلیہ دورِ حکومت میں سرکاری زبان فارسی تھی۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فارسی زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ پیش کیا۔ غرضیکہ قرآن پاک کے تراجم اور تفاسیر دنیا کی ہر زبان انگریزی، فرانسیسی، جرمنی وغیرہ

میں ہوئے ہیں۔ وتفرقوا من حيث الاختصار والاطناب اوراختصار اور اطناب کے لحاظ سے متفرق ہیں۔کوئی لمبی تفسیر ہے اور کوئی مختصر ہے۔ ہر مترجم اور مفسر نے اپنے علم کی وسعت اور ذوق کے مطابق قرآن فہمی کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ ووسعوا اذيال العلم اوراس طریقے سے علم کے دامنوں کو پھیلایا ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مقام :

آخر میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی علمی استعداد کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں وقد حصل للفقير بحمد الله وتوفيقه في كل من هٰذه الفنون مناسبة اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کی توفیق سے اس فقیر کو مذکورہ فنون تفسیر میں سے ہر فن کے ساتھ مناسبت حاصل ہے یعنی مجھے اللہ نے علم نحو، کلام، فقہ، روایات غرضیکہ تمام فنون میں وافر حصہ عطا فرمایا ہے۔ وادركت اكثر اصولها وجملة صالحة من فروعها اور مجھے علوم وفنون کے اصول وفروعات کا اچھا خاصا ادراک ہے۔ فتحقق لي نوع من الاستقلال والتحقيق في كل باب بوجه يشبه الاجتهاد في المذهب پس میرے لئے ایک قسم کا استقلال ثابت ہو گیا ہے۔ اور ہر باب میں تحقیق بھی جیسی اجتہاد فی المذہب والوں کو ثابت ہوتی ہے آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایک مجتہد مطلق ہوتا ہے جس کے ذریعے مذہب کی بنیاد قائم ہوتی ہے جیسے آئمہ اربعہ ہیں یعنی امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم اور ایک مجتہد فی المذہب ہوتا ہے جو اصول میں تو بڑے امام کا پیروکار ہوتا ہے مگر آگے فروعات میں خود بھی اجتہاد کرتا ہے اور اس میں بڑے امام سے اختلاف کی گنجائش بھی ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا درجہ بھی مجتہد فی المذہب کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام فنون وعلوم میں مہارت عطا فرمائی تھی۔ بعض لوگ اس معاملہ میں بحث کرتے ہیں کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حنفی تھے یا شافعی؟ آپ تعلیمی لحاظ سے حنفی بھی تھے اور شافعی بھی کیونکہ آپ نے دونوں مذاہب کی تعلیم حاصل کی تھی، تاہم عملاً آپ حنفی المذہب تھے حتی کہ آپ کے باپ اور دادا بھی حنفی تھے۔ جہاں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شافعی مسلک کو ترجیح دی ہے تو یہ ان کے مجتہد ہونے کی دلیل ہے۔ مجتہد کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ کسی مسئلہ میں کسی کو ترجیح دے۔ ایسی باتوں سے بدکنا نہیں چاہیے کیونکہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے جیسے عالم تو نہیں تھے کہ چند کتابیں پڑھ کر سند حاصل کر

لی اور دستارِ فضیلت باندھ کر مولوی بن گئے۔ آپ تمام علوم وفنون کے ماہر اور مجتہد فی المذہب تھے۔

فرماتے ہیں والقی فی الخاطر من بحر الفیض الالھی فنان او ثلاثة من فنون التفسیر غیر الفنون المذکورة فیض الٰہی کے بحر سے مذکورہ فنون تفسیر کے علاوہ بھی میرے دل میں دو تین فنونِ تفسیر ڈال دیئے گئے ہیں۔ وان سالتنی عن الخبر الصادق اور اگر (اے مخاطب) تو مجھ سے سچی بات کے متعلق پوچھے فانی تلمیذ القرآن العظیم بلا واسطة میں تو قرآن پاک کا ایک طالب علم ہوں بلاواسطہ کما انی اویسی لروح حضرة الرسالة صلی اللہ علیه وسلم الذی ھو منبع الفتوح جیسا کہ حضور رسالت مآب ﷺ کی روح پرفتوح کا اویسی ہوں۔

اس قسم کا براہِ راست فیض ہر کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔ یہ نسبت تو اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی سے حاصل ہوتی ہے۔ اویس قرنی رحمہ اللہ صحابی نہیں تھے مگر ان کا درجہ بڑا بلند تھا۔ یہ نسبت ان کو حاصل ہوئی تھی۔ اور اب جس کو یہ نسبت حاصل ہو جائے اسے اویسی کہتے ہیں۔ ہر ولی یا قطب اویسی نہیں ہوتا، یہ فیضانِ الٰہی تو کسی خاص خاص کو مراقبہ وغیرہ کے ذریعے حاصل ہوسکتا ہے وگرنہ بہت مشکل ہے۔ اس دور میں مولوی اللہ یار کے مریدین مراقبہ کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اویسی کہلاتے ہیں حالانکہ اویسی ہونا تو بڑی دور کی بات ہے۔ یہ نسبت اویس قرنی اور ابوالحسن خرقانی جیسے اللہ والوں کو حاصل ہوئی تھی۔ تھوڑا ساذکر کر کے اویسی بن جانا ممکن نہیں ہے۔ بلکہ اسے تو پیٹ کا دھندہ یا دھوکہ فریب ہی کہہ سکتے ہیں۔

بہر حال شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر سچ پوچھو تو میں تو قرآن کریم کا ایک بلا واسطہ تلمیذ ہوں، گویا کہ میں اویسی ہوں جس کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح مبارک کے ساتھ براہِ راست تعلق ہے۔ آپ نے اپنی دوسری کتاب میں لکھا ہے کہ میں نے نبی علیہ السلام کی قبر مبارک پر آپ کی روح کے ساتھ تعلق قائم کر کے کلام کیا۔

فرماتے ہیں وانی مستفید من الکعبة الحسناء بلا واسطة کذلك اور اسی طرح میں کعبہ حسناء سے بھی مستفید ہوں۔ کعبۃ اللہ جس کی طرف رخ کر کے سجدہ کرتے ہیں، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہی ہے۔ کعبۃ اللہ محض کالے پتھروں کا نام نہیں بلکہ اس سے مراد تجلی الٰہی کا وہ مرکز ہے جس پر ہر آن اللہ کی تجلیات کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ فرماتے ہیں وکذلك متاثر بالصلاة العظمی

بلاواسطہ اسی طریقے سے میں صلوٰۃ عظمیٰ سے بھی براہِ راست متاثر ہوں۔ایک نماز تو یہ ہے جو ہم اور آپ پڑھتے ہیں اور ایک نماز وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے۔فرماتے ہیں میں اس نماز سے بھی فیض یاب ہوں۔

ولو ان لی فی کل منبت شعرۃ:لساناً لما استوفیت واجب حمدہ اللہ تعالیٰ کے ان انعامات واحسانات کا ذکر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ اگر میرے جسم پر موجود ہر بال کی جڑ کو زبان حاصل ہو جائے اور میری یہ ہر زبان اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنے لگے تو پھر بھی میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کما حقہ بیان نہیں کرسکتا کیونکہ خدا تعالیٰ کی ذات تو بہت بلند و برتر ہے جبکہ میں ایک ادنیٰ مخلوق ہوں ورایت مما یلزم ان اذکر حرفین او ثلاثۃ من کل فن فی ھٰذہ الرسالۃ میں نے ضروری خیال کیا کہ متذکرہ فنون میں سے دو تین فن اس رسالہ میں ذکر کردوں چنانچہ آپ نے چند ضروری باتوں کی وضاحت کردی ہے۔

(فصل)

(فی بیان الآثار المرویۃ فی الکتب التفسیریۃ لاھل الحدیث وما یتعلق بھا)

الٰی ...... فکیف اللسان عن الزیادۃ۔ (ص۵۲ تا ص۵۴)۔

ربط مضمون :

گزشتہ سے پیوستہ درس میں قرآن پاک کے اعجاز کا ذکر تھا۔شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وہ سات وجوہات بیان کیں جن کی بنا پر قرآن کو اعجاز حاصل ہے۔پھر گزشتہ درس میں مفسرین کے مختلف گروہوں کا ذکر تھا۔مفسرین کی ہر جماعت نے اپنے اپنے ذوق اور اپنے اپنے مخصوص علم کی بنا پر قرآن پاک کی تفسیر کا کام انجام دیا ہے۔بعض مفسرین نے روایت آثار کو بنیاد بنا کر قرآن پاک کی آیات کی وضاحت کی۔یہ محدثین کا گروہ کہلاتا ہے۔متکلمین کے گروہ نے اللہ کی صفات اور اسماء مبارکہ کو تفسیر کی بنیاد بنایا، بعض نے فقہی مسائل میں طبع آزمائی کی ،بعض نے نحو اور لغات کی رو سے تفسیر میں حصہ لیا۔اسی طریقے

سے قارئین اور صوفیاء کرام نے اپنے اپنے طریقے کے مطابق آیات کی تفسیر کی۔ اب آج کے درس میں تفسیر آیات کے سلسلہ میں مذکورہ احادیث اور آثار اور ان کے متعلقات کو زیر بحث لا کر متقدمین اور متاخرین کے طریقہ تفسیر کے فرق اور اس کی وجوہات کا ذکر کیا گیا ہے۔

عنوان فصل :

اس فصل کا عنوان جو کتاب کے ناشرین نے قائم کیا ہے، وہ ہے (فی بیـــان الآثـــار المـروية في الكتب التفسيرية لاهل الحديث وما يتعلق بها) محدثین کی طرف سے کتب احادیث میں منقولہ تفسیری روایات اور ان کے متعلقات کے بارے میں بیان۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ آثار میں مرفوع حدیث سے لے کر تابعین، تبع تابعین اور آئمہ دین تک کے اقوال شامل ہوتے ہیں۔ یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لیں کہ عنوان ہٰذا میں مذکور اھل حدیث سے مراد موجودہ مخصوص فرقہ اہلِ حدیث نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ تمام محدثین کرام ہیں جو کسی بھی فقہی مسلک حنفی، شافعی، مالکی یا حنبلی سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ محدث ہونے کی بنا پر اہلحدیث تھے مگر عمل حنفی مسلک کے مطابق کرتے تھے علیٰ ہٰذا القیاس۔

سبب نزول آیات کی دو قسمیں :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں من جملة الآثار المروية في كتب التفسير، بيان سبب النزول وسبب النزول على قسمين کتب تفاسیر میں منقول جملہ آثار میں سے ایک اہم عنوان نزول آیات کا سبب ہے جس آیت کریمہ میں کسی واقعہ کی طرف کوئی اشارہ پایا جاتا ہے، تو محدثین کرام کہتے ہیں کہ یہ واقعہ اس آیت کے نزول کا سبب ہے۔ یعنی یہ آیت اس واقعہ کے اندر نازل ہوئی۔ چنانچہ محدثین کرام رحمہم اللہ آیت کے ظاہری الفاظ سے حقیقی معنی مراد نہیں لیتے بلکہ اس سے خاص معنی مراد لیتے ہیں۔

پہلی قسم :

فرماتے ہیں وسبب النزول على قسمين: سبب نزول کی دو قسمیں بنتی ہیں۔ القسم

الاول پہلی قسم یہ ہے ان تقع حادثة یظهر فیها ایمان المؤمنین و نفاق المنافقین کہ کوئی ایسا واقعہ پیش آ جائے جس کے ذریعے اہلِ ایمان کا ایمان اور منافقوں کا نفاق ظاہر ہو جائے کما وقع فی احد و احزاب جیسا کہ غزوہ احد اور غزوہ احزاب کے موقع پر ہوا تھا۔ ان سورتوں میں ایمانداروں کی جرأت، بہادری اور قربانی سے متعلق اللہ نے بہت سی آیات نازل فرمائیں۔ اسی طرح منافقوں کی کمزوری، بزدلی اور حیلوں بہانوں کا ذکر کر کے ان کے نفاق کو واضح کیا گیا ہے۔ انزل اللہ مدح هٰؤلاء وذم اولٰئك ایسے مواقع پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اہلِ ایمان کی تعریف اور منافقوں کی مذمت بیان کی ہے۔ لیکون فیصلاً بین الفریقین تا کہ یہ فریقین کے درمیان فیصلہ کن ہو جائیں۔ اور لوگوں کو پتہ چل جائے کہ مومنوں نے یہ کارگزاری کی ہے تو اللہ نے ان کو انعامات سے نوازا ہے اور منافقوں نے جان بچانے کی کوشش کی ہے تو ان کا یہ حال ہوا ہے۔

وربما یقع فی مثل هٰذا من التعریض بخصوصیات الحادثة مایبلغ حد الکثرة اور بسا اوقات ایسے واقعہ میں ایسے اشارات ہوتے ہیں جن میں حادثے کی خصوصیات کثرت کی حد تک ذکر کی جاتی ہیں۔ فیجب ان یذکر شرح الحادثة بکلام مختصر یتضح سوق الکلام علی القاری لہٰذا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس حادثے کی شرح مختصر طور پر بیان کر دی جائے تا کہ کلام واضح ہو جائے کہ اس واقعہ میں کیا پیش آیا تھا۔ بہر حال ایسے واقعہ کی وضاحت اس لئے ضروری ہو جاتی ہے تا کہ آیات کا مفہوم قاری کے ذہن میں اچھے طریقے سے آ جائے۔ آیات میں کسی خاص واقعہ کی طرف اشارات تو موجود ہوتے ہیں، لہٰذا جب تک اس واقعہ کی وضاحت نہیں ہو گی، بات اچھی طرح ذہن میں نہیں آئے گی، سبب نزول میں ایک تو یہ بات ہو گئی۔

دوسری قسم :

والقسم الثانی : اور دوسری قسم یہ ہے ان یتم معنی الآیة بعمومها من غیر احتیاج الی العلم بالحادثة التی هی سبب النزول کہ آیت کا معنی اپنے عموم کے ساتھ ہی مکمل ہو جائے یعنی ٹھیک ٹھیک ذہن میں بیٹھ جائے اور کسی ایسے حادثے کی تفصیل کی ضرورت محسوس نہ ہو جو اس آیت کے نزول کا سبب بنا ہو۔ والحکم لعموم اللفظ لا بخصوص السبب اور حکم تو عموم

لفظ کیلئے ہوتا ہے نہ کہ کسی خصوصی سبب کے لئے۔ یعنی الفاظ کے عموم سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہی درست ہوتی ہے ایسے موقع پر سبب کی خصوصیت کو ملحوظ رکھنا ضروری نہیں ہوتا۔ وقد ذکر قدماء المفسرین تلک الحادثة بقصد الاحاطة بالآثار المناسبة للآیة اور قدماء مفسرین کسی حادثے کا اس لئے ذکر کرتے ہیں تا کہ ان آثار کا احاطہ ہو جائے جو اس آیت کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ او بقصد بیان ما صدق علیه العموم یا وہ کسی واقعہ کو اس لئے ذکر کرتے ہیں کہ آیت کا مفہوم جن چیزوں کو چاہتا ہے وہ اس واقعہ پر بھی صادق آتا ہے۔ لہٰذا اس واقعہ کو بھی اس آیت کے تحت شمار کر لیتے ہیں۔ ولیس ذکر ھٰذا القسم من الضروریات اور اس قسم کے واقعہ کا ذکر کرنا ضروری نہیں ہوتا کیونکہ اس کے بغیر بھی آیت کا مفہوم سمجھ میں آ جاتا ہے۔ یاد رہے کہ یہاں پر قدمائے مفسرین سے مراد تابعین اور تبع تابعین میں سے پہلی دو تین صدیوں میں ظاہر ہونے والے مفسرین ہیں۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق :

وقد تحقق عند الفقیر ان الصحابة والتابعین کثیراً کانوا ما یقولون۔

مصنف کتاب شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس فقیر کے نزدیک یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر صحابہ کرام اور تابعین عظام آیت کی تفسیر بیان کرتے وقت یوں کہا کرتے تھے۔ نزلت الآیة فی کذا و کذا یہ آیت فلاں واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان کا مطلب یہ نہیں ہوتا تھا کہ مذکورہ آیت بعینہٖ اس واقعہ کے ضمن میں نازل ہوئی۔ وغرضھم تصویر ماصدقت علیه الآیة بلکہ ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ یہ واقعہ بھی اس آیت کے مصداق آ سکتا ہے اور اس کو بھی اس آیت کے تحت شمار کر سکتے ہیں۔ کوئی خاص ہی آیت ہوگی جو کسی خاص واقعہ کی طرف منسوب ہوگی، وگرنہ عام طور پر وہ یہی کہتے تھے کہ اس آیت کا مصداق یہ واقعہ بھی ہے بہر حال ان کی غرض یہ ہوتی تھی کہ جن واقعات پر کوئی آیت صادق آتی ہے ان کا نقشہ بھی ذہن میں آ جائے۔ وذکر بعض الحوادث التی تشتملھا الآیة بعمومھا اور بعض ان حوادثات کا بھی ذکر کر دیا گیا جن پر مذکورہ آیت اپنے عموم کے ساتھ مشتمل تھی۔ سواء تقدمت القصة او تاخرت خواہ یہ واقعہ ظہورِ اسلام

سے پہلے پیش آیا ہو یا نزول آیت کے بعد پیش آیا ہو۔ اسرائیلیا کان ذلك او جاهلیًا او اسلامیًا خواہ یہ واقعہ اسرائیلی روایات سے منقول ہو یا اسلام سے قبل والے جاہل لوگوں کا بیان کردہ ہو یا وہ اسلامی دور کے لوگوں سے منقول ہو۔ استوعبت جمیع قیود الآیة او بعضها اسی طریقے سے وہ آیت کی تمام یا بعض قیود گھیر لیتے ہیں۔ واللہ اعلم پوری حقیقت تو بہرحال اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

فعلم من هٰذا التحقیق ان للاجتهاد فی هٰذا القسم مدخلاً پس اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ سبب نزول کی اس دوسری قسم میں اجتہاد کو بھی دخل حاصل ہے۔ وللقصص المتعددة هنالك سعة اور تفسیروں میں مذکور مختلف واقعات میں بھی بڑی وسعت ہے۔ فمن استحضر هٰذه النکتة یتمکن من حل ما اختلف من سبب النزول بادنی عنایة پس جو شخص بیان کردہ اس نکتہ کو پیش نظر رکھے گا وہ سبب نزول کے اختلاف کو معمولی توجہ کے ساتھ بھی حل کر لے گا۔ ومن جملة ذلك تفصیل قصة وقع فی نظم القرآن تعریض باصلها اور منجملہ نظم قرآن میں جس واقعہ کی طرف اشارہ موجود ہے اس کی تفصیل بیان کی جائے۔ فیاخذ المفسرون استقصاء القصة من اخبار بنی اسرائیل او من علم السیر چنانچہ مفسرین متعلقہ واقعہ کی پوری تفصیلات حاصل کرتے ہیں خواہ بنی اسرائیل کی روایات سے ملتی ہوں یا تاریخ دان حضرات کی بیان کردہ ہوں۔ فیذکرونها بجمیع خصوصیاتها چنانچہ وہ ایسے کسی واقعہ کی تمام خصوصیات ذکر کر دیتے ہیں۔ وههنا ایضًا تفصیل ما کان فی الآیة تعریض به ظاهر اور یہاں پر بھی اس چیز کی تفصیل ہے جس کا اشارہ آیت میں گزرا ہے۔ بحیث یقف هناك العارف باللغة متفحصًا اور لغت کو جاننے والا یہاں پر آ کر رک جاتا ہے اور تحقیق کرتا ہے کہ آیا یہ چیزیں اس لغت کے تحت آ سکتی ہیں یا نہیں یعنی وہ بھی اس معاملہ میں غور و فکر کرنے لگتا ہے۔ فذکره من وظیفة المفسر پس اس بات کا ذکر کرنا مفسر کا کام ہے۔ وما کان خارجًا من هٰذا الباب جو اس باب سے خارج ہے۔

ذبح گائے کی مثال :

مثل ذکر بقرة بنی اسرائیل ، اذکرًا کانت ام انثی؟ اس کی مثال بنی اسرائیل کی

گائے کا ذکر ہے کہ وہ بیل تھا یا گائے تھی مقتول کے قاتل کا پتہ چلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ گائے ذبح کر کے اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کو لگاؤ تو وہ خود بتلا دے گا کہ اس کا قاتل کون ہے مگر وہ فضول جھگڑا کرتے تھے کہ جس کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے، وہ نر تھا یا مادہ تھی، یہ فضول بات تھی جو کہ نہ تو آیت کی تعلیم کے ساتھ متعلق ہے اور نہ ہی الفاظ کے معانی میں اس کی ضرورت پیش آتی ہے۔ چونکہ بنی اسرائیل بڑے سخت مزاج لوگ تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کا علاج بھی سخت مزاجی کے ساتھ ہی کیا۔ بالآخر انہوں نے بڑی مشکل سے مطلوبہ گائے تلاش کی، اس کو ذبح کر کے اس کے گوشت کا ٹکڑا مقتول کو لگایا گیا تو وہ لوگ خود ہی قاتل ثابت ہوئے لہٰذا انہیں مقتول کے قصاص میں قتل کیا گیا۔

اصحابِ کہف کے کتے کی مثال :

ومثل بیان کلب اصحاب الکھف ایسے معاملے کی ایک اور مثال اصحاب کہف کے کتے کی ہے، **ابقع کان ام احمر** کہ وہ کتا چتکبرہ تھا یا سرخ رنگ کا تھا۔ بھلا ایسی تفصیل معلوم کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اصحاب کہف کا کتا ان کے ساتھ ہی تھا وہ جیسے بھی رنگ کا تھا، اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ **فھو تکلف مالا یعنی** یہ فضول تکلف ہے۔ ایسی فضول باتوں کا آیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ **وکانت الصحابۃ رضی اللہ عنھم یعدون مثل ذلك قبیحًا من قبیل تضییع الاوقات** اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسی باتوں کو قبیح خیال کرتے تھے اور اسے تضیع اوقات گردانتے تھے۔

بہر حال یہ بات تو واضح ہوگئی کہ محدثین کرام رحمہم اللہ کی طرف تفسیر قرآن کے سلسلے میں بیان کردہ آثار مرویہ دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک قسم آثار کی وہ ہے جو کہ آیت میں موجود اشارات کو حل کرنے کے لئے ضروری ہوتی ہے اور دوسری قسم وہ ہے جو غیر ضروری ہوتی ہے۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں **ولیحفظ ھٰھنا ایضًا نکتتان** تفسیر قرآن کے ضمن میں یہاں پر دو مزید نکات بھی محفوظ کر لینے چاہییں۔ **الاولی ان الاصل فی ھٰذا الباب ایراد القصص المسموعۃ بلا تصرف عقل** پہلا نکتہ یہ ہے اس باب میں کہ کسی سنے سنائے واقعہ کو عقل

کو بروئے کار لائے بغیر بیان کر دیا جائے۔ وربما یتخذ جمع من قدماء المفسرین ذلك التعریض قدوة اور بسا اوقات قدیم مفسرین اس اشارہ کو ہی اسوہ بنا لیتے ہیں اور اسی کے اوپر باقی چیزوں کو جوڑتے رہتے ہیں فیفرضون محملاً مناسباً لذلك التعریض اور اس اشارے کے مناسب حال کوئی محمل فرض کر لیتے ہیں۔ فیقررون بصورة الاحتمال اور آیت کے اس اشارہ کو بطور احتمال ذکر کرتے ہیں۔ فیشتبه علی المتاخرین جس کی وجہ سے بعد والے مفسرین کو شبہ ہو جاتا ہے۔ متاخرین مفسرین سمجھتے ہیں کہ مذکورہ واقعہ حقیقتاً پیش آیا تھا حالانکہ متقدمین مفسرین نے تو اسے احتمال کے طور پر ذکر کیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعد والے یعنی تیسری، چوتھی، پانچویں صدی کے مفسرین نے مذکورہ واقعہ کو حقیقی سمجھ کر اس کے اجزا پر کلام کرنا شروع کر دیا۔ وکثیراً ما یشتبه التقریر علی سبیل الاحتمال بالتقریر مع الجزم فی کلامهم اس طریقے سے ان کے کلام میں جو تقریر بر سبیل احتمال ہوئی تھی وہ تقریر بالجزم کے ساتھ مشتبہ ہو جاتا ہے ویذکرون هٰذا مقام ذٰلك اور وہ ذکر کرتے ہیں کہ اس آیت کا مقام یہ ہے۔ حالانکہ وہ تو انہوں نے احتمال کے طور پر ذکر کیا تھا اور وہ تقریر یقینی نہیں تھی اور نہ ہی واقعہ کو نفس الامر میں بیان کرنا مقصود تھا۔ لان اسالیب التقریر لم تکن منقحة فی ذلك الزمان کیونکہ تقریر کے اسلوب اس زمانے میں صاف نہیں تھے۔ وهٰذا امر مجتهد فیه لہٰذا یہ مسئلہ اجتہادی بن جاتا ہے۔ للنظر العقلی فیه مجال عقلی نظر میں اس کے لئے بڑی جولان گاہ ہے۔ ودائرة قیل ویقال هناك متسعة اور یہاں پر قیل وقال یعنی بحث و مباحثہ کے لئے وسیع دائرہ موجود ہے۔ فیمکن فیه ارخاء العنان لہٰذا یہاں پر بات کو ڈھیلا چھوڑنا ممکن ہے یعنی یہاں پر مزید غور وفکر کے بعد نتیجہ اخذ کرنے کی ضرورت ہے۔ ومن حفظ هٰذه النکتة حکم حکما فیصلاً فی کثیر من المواضع اختلف فیها المفسرون اور جس نے اس نکتہ کو پا لیا وہ ان معاملات میں صحیح فیصلہ کرے گا جن میں مفسرین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔

ویمکن ان یتحقق فی کثیر من مناظرات الصحابة انه لیس بقول اور یہ بھی ممکن ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان پائے جانے والے اکثر بحث و مباحثہ سے یہ بات ثابت ہو کہ وہ ان کا مذہب نہیں ہے۔ وانما هو تفتیش علمی یعرضه بعض المجتهدین علی بعض بلکہ وہ تو

علمی تحقیق وتجسس تھا جو بعض مجتہدین بعض دوسرے مجتہدین پر پیش کرتے تھے۔ گویا یہ محض ایک احتمالی شکل ہوتی تھی نہ کہ حقیقی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے ساتھ موافقت :

اس مقام پر مصنف کتاب ہٰذا شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اپنا تجزیہ اس طرح پیش کرتے ہیں **والفقير على هٰذا المحمل يحمل قول ابن عباس رضى الله عنهما فى آية (فامسحوا برؤسكم وارجلكم الى الكعبين)** اس موقع پر یہ فقیر یعنی شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اس آیت کے معاملہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول پر عمل کرتا ہے کہ ''مسح کرو اپنے سروں پر اور اپنے پاؤں پر ٹخنوں تک''۔ حضرت بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے **لا اجد فى كتاب الله الا المسح** کہ اس آیت کے ضمن میں میں تو اللہ کی کتاب میں مسح کے علاوہ کچھ نہیں پاتا۔ **لكنهم ابوا الا الغسل** مگر باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ پاؤں کا دھونا ضروری ہے۔ اب بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول مسح پر محمول کریں گے یا غسل پر۔ لمبی چوڑی بحث کرنے کی بجائے قریب والے پر عمل کرنے سے تو پاؤں کا مسح ہی ثابت ہوتا ہے جبکہ باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پاؤں دھونے کے قائل ہیں۔ ایسے موقع پر نتیجہ یہی اخذ کریں گے کہ مذہب تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی دھونا ہی ہے کیونکہ وہ جمہور کے خلاف تو نہیں چلتے۔ تاہم مسح والی بات انہوں نے علی سبیل الاحتمال کی ہے۔ اختلاف کی باتیں بعد والے مفسرین نے نکالی ہیں۔ **فالذى يفهمه الفقير انه ليس بذهاب الى وجوب المسح** چنانچہ اس فقیر کی سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ پاؤں پر مسح کا وجوب حضرت بن عباس رضی اللہ عنہما کا مسلک نہیں ہے۔ **وليس فيه جزم يحمل الآية على ركنية المسح** اور اس آیت میں پاؤں پر مسح کرنے والی بات یقینی نہیں ہے۔ **فالذى تقرر عند ابن عباس رضى الله عنهما الغسل** اور وضو میں بن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب بھی پاؤں دھونے کا ہی ہے۔ **ولكنهم يقررن هناك اشكالاً ويظهرون احتمالاً ليعلم باى وجه يذكر علماء العصر التطبيق فى هٰذا التعارض** تاہم وہ مفسرین یہاں پر اشکال ظاہر کرتے ہیں اور احتمالات بھی تاکہ جان لیا جائے کہ موجودہ دور کے علمائے کرام ان آیات کے تعارض کو کس طرح اٹھاتے ہیں۔ **واى مسلك يسلكون** اور کس مسلک پر چلتے ہیں؟ **ولم يطلع على حقيقة محاورة السلف**

یظنه قول ابن عباس اور جولوگ سلف صالحین کے محاورے کی حقیقت سے واقف نہیں، وہ اس کو بنِ عباس رضی اللہ عنہما کا قول سمجھتے ہیں۔ ویعده مذهباً له حاشاه حاشاه اور آپ کو اسی مذہب کے سالک خیال کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ حضرت بن عباس رضی اللہ عنہما قرآن کی رو سے پاؤں پر مسح کرنے کے قائل ہیں۔ حالانکہ ان کا یہ مذہب ہرگز نہیں ہے۔

النکتة الثانیة: اس مسئلہ میں دوسرا نکتہ یہ ہے ان النقل عن بنی اسرائیل دسیسة دخلت فی دیننا کہ بنی اسرائیل سے منقولہ روایات ایک دسیسہ ہیں جو ہمارے دین میں داخل ہو چکا ہے۔ دسیسہ سے مراد وہ غیر متعلقہ اور غیر صحیح باتیں ہیں جو بنی اسرائیل کی منقولہ ہیں مگر اسلام میں بھی داخل ہو چکی ہیں۔ ابتدائے اسلام میں جو لوگ یہودیت یا نصرانیت ترک کر کے اسلام میں داخل ہوئے تھے، ان میں بعض مفسرین بھی تھے جن کو بہت سی اسرائیلی روایات یاد تھیں جو انہوں نے اسلام میں بھی داخل کر دیں ایسے امور کے متعلق اسلام نے یہ اصول مقرر کیا ہے "و لا تصدقوا اهل الکتاب و لا تکذبوهم" قاعدة مقررة کہ نہ ان کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو جو بات قرآن و حدیث کے موافق ہو اس کی تصدیق کرو اور جو قرآن و سنت کے خلاف ہو اس کو جھٹلا دو۔ اور جس بات کے صحیح یا غلط ہونے کے متعلق پوری تسلی نہ ہو، اس کو اسی کے حال پر چھوڑ دو، نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو۔

فلزم امران: اس حقیقت کو جان لینے کے بعد دو باتیں لازم آئیں گی۔

الاول: ان لا یرتکب النقل عن اهل الکتاب اذا وجد فی سنة نبینا صلی الله علیه وسلم بیان لتعریض القرآن پہلی بات یہ ہے کہ اہلِ کتاب سے کوئی روایت نقل نہ کی جائے جبکہ تعریضِ کلام اللہ کا بیان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت میں پایا جائے۔ مثلاً حین ما وجد فی قوله تعالی: (ولقد فتنا سلیمان و القینا علی کرسیه جسداً ثم اناب) (ص : ۳۴) مثلاً اللہ تعالیٰ کے کلام میں جہاں یہ آیت مبارکہ ہے "اور ہم نے سلیمان علیہ السلام کو آزمائش میں ڈال دیا اور کرسی پر ایک جسم ڈال دیا، پھر انہوں نے رجوع کر دیا"۔ اس واقعہ کا محمل سنت میں ملتا ہے اور وہ یہ ہے محمل فی سنة النبویة و هو قصة ترك (انشاء الله) و المؤاخذه علیه کہ ایک موقع پر سلیمان علیہ السلام نے اپنی فوج میں کمزوری کا کچھ عنصر پایا تو آپ نے قسم کھالی کہ آج رات میں اپنی کم و بیش ایک سو بیویوں

کے پاس جاؤں گا جس کے نتیجے میں ہر بیوی سے ایک ایک مجاہد بچہ پیدا ہوگا اور اس طریقے سے فوج میں قوت آئے گی۔ یہ بات کرتے ہوئے اللہ کے نبی انشاء اللہ کہنا بھول گئے، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو آزمائش میں ڈال دیا۔ آپ حسب پروگرام سو بیویوں کے پاس گئے مگر ایک کے سوا کسی کو حمل نہ ٹھہرا اور جس کو حمل ٹھہرا اس نے ایک فالج زدہ اپاہج بچہ جنا جو کہ آپ کے سامنے لا کر رکھ دیا گیا۔ اس کے بعد سلیمان علیہ السلام کو اپنی کوتاہی کا احساس ہوا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے معافی طلب کی۔ فلا یرتکب قصة صخر المارد چونکہ سنت میں اس واقعہ کا مذکورہ پس منظر موجود ہے، لہٰذا اسرائیلی روایات میں روایت کردہ صخرہ جن والا قصہ بیان کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ وہ قصہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک خاص انگوٹھی تھی جس کی وجہ سے آپ کو انسانوں، جنوں پرندوں، چرندوں اور ہواؤں پر تسلط حاصل تھا۔ ایک موقع پر آپ نے وہ انگوٹھی اتار کر خادمہ کو دی اور خود غسل خانے میں چلے گئے، صخرہ نامی جن نے اس موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے وہ انگوٹھی خادمہ کو دھوکہ دے کر حاصل کر لی اور سلیمان علیہ السلام کی شکل میں متشکل ہو کر حکمرانی کرنے لگا۔ اسرائیلی روایت میں اس جن کے حکومت پر قابض ہونے کو و القینا علی کرسیه جسدًا کا مصداق ٹھہرایا گیا ہے۔ الغرض! شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مثال دے کر بات سمجھائی ہے کہ جس واقعہ کے متعلق ہمیں سنت نبوی سے راہنمائی حاصل ہوتی ہو، اس واقعہ کے متعلق اسرائیلی روایات پر انحصار کرنا بالکل نامناسب ہے۔

الامر الثانی : اور دوسری بات یہ لازم آتی ہے ان الضروری یتقدر بقدر الضرورة کہ کسی ضروری چیز کو ضرورت کے مطابق ہی مقدر کیا جائے۔ فلیکن ذلك ملحوظًا عند التفسیر اور تفسیر کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھا جائے۔ فلا یقع الكلام الا بقدر اقتضاء التعریض لیحصل التصدیق بشهادة القرآن اور کلام اللہ جتنی تعریض چاہتی ہے صرف اتنی بات کو ہی مقدمہ سمجھو تا کہ قرآن کی تصدیق شہادت کے ساتھ حاصل ہو جائے۔ فکیف اللسان عن زیادة اور زبان کو کسی ممکنہ زیادتی سے روک دو۔

وھٰھنا نکتة لطیفة الی غایة، فلا تعقل عنھا ...... الٰی ...... او طریق التلفظ بالنقل عنه صلی اللہ علیه وسلم او الصحابة۔ (ص۵۴ تا ص۵٦)۔

ربطِ مضمون :

یہ بھی پچھلے سبق کا تسلسل ہی ہے صاحب کتاب متقدمین اور متاخرین مفسرین کے طریقہ تفسیر کا ذکر کر رہے ہیں اور ان کے درمیان پائے جانے والے اختلافات اور ان کی وجوہات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ شاہ صاحب رحمہ اللہ اپنا تجزیہ بھی پیش کر رہے ہیں۔

اجمال اور تفصیل :

فرماتے ہیں وھٰذا نکتة لطیفة الی غایة یہاں پر ایک نہایت لطیف نکتہ بھی سمجھ لینا چاہیے فلا تغفل عنھا اے مخاطب! اس سے غافل نہ ہونا وھی اور وہ نکتہ یہ ہے انھا قد تذکر فی القرآن العظیم قصة فی موضع بالاجمال وفی موضع بالتفصیل کہ قرآن پاک میں کسی مقام پر کوئی واقعہ اجمال کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جبکہ دوسرے مقام پر وہی واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ کما قال تعالی :(انی اعلم مالا تعلمون) (البقرہ : ۳۰) جیسا کہ ایک جگہ پر ارشاد خداوندی ہے کہ فرشتو! میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ یہ اس موقع کا ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے خلیفۃ الارض یعنی انسان کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں نے عرض کیا، مولا کریم! انسانوں کو پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ تیری تسبیح و تقدیس کے لئے تو ہم ہی کافی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ میں جانتا ہوں، تم نہیں جانتے۔ یہ اس واقعہ کو اجمالاً ذکر کرنے کی مثال ہے۔ ثم قال پھر دوسرے مقام پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا (انی اعلم غیب السمٰوٰت والارض واعلم ما تبدون وما کنتم تکتمون ○) (البقرہ : ۳۳) میں آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہوں، اور ان چیزوں کو بھی جانتا ہوں جن کو تم ظاہر کرتے ہو اور جن کو تم چھپاتے ہو۔ یہ تفصیلاً ذکر ہو گیا اور اس میں ساری باتیں آ گئیں۔ انسانوں کی تخلیق کی مخالفت کرنے سے شاید فرشتے اپنا تفوق ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ مولا کریم! تیرے احکام کی تکمیل کیلئے، تو ہم ہی کافی ہیں، لہٰذا ایک نئی

مخلوق کو پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ مگر اللہ نے فرمایا کہ جو کچھ تم ظاہر کر رہے ہو، میں اس کو بھی جانتا ہوں اور جو کچھ تم دل میں چھپا رہے ہو اس سے بھی واقف ہوں۔ اس پر فرشتوں نے اپنی عاجزی کا اظہار کر دیا۔ یہ اس واقعہ کی تفصیل آ گئی۔ فھٰذہ المقولة ھی المقولة المتقدمة ذکرت بنوع من التفصیل یہ پہلے مقولہ ہی کی عبارت ہے ایک خاص قسم کی تفصیل کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے۔ فیمکن ان یعلم من التفصیل تفسیر الاجمال، وینتقل من الاجمال الی التفصیل ممکن ہے کہ تفصیل سے آدمی واقعہ کا اجمال معلوم کر لے اور اجمالی بات سے تفصیل کی طرف چلا جائے۔ یہ دونوں عبارات ایک واقعہ سے متعلق ہیں، الگ الگ واقعات تو نہیں ہیں۔ البتہ پہلے اسی واقعہ کو اجمال کے ساتھ اور پھر ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

مثلاً ذکر فی "سورۃ مریم" قصة سیدنا عیسی علی نبینا وعلیه الصلاة والسلام اجمالاً مثلاً سورۃ مریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ اسی آیت میں اجمال کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ (ولنجعله آیة الناس ورحمة مناو کان امراً مقضیاً) (آیت : ۲۱) اور تا کہ ہم بنا دیں اس کو نشانی لوگوں کے لئے اور مہربانی اپنی طرف سے اور یہ ایک فیصلہ شدہ بات تھی۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے جو بغیر باپ کے صرف ماں کے بطن سے بچہ پیدا کر سکتا ہے۔ یہ اس واقعہ کا اجمال ہے۔ وفی سورۃ "آل عمران" تفصیلاً اور سورۃ آل عمران میں اسی واقعہ کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ (ورسولاً الی بنی اسرائیل انیْ قد جئتکم بآیة من ربکم ...... القرآن) (آیت: ۴۹) شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں ففی ھٰذہ المقولة بشارة تفصیلیة و تلك المقولة بشارة اجمالیة اس آیت میں بشارت عیسیٰ علیہ السلام کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جبکہ پہلی آیت میں یہی بشارت اجمال کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔

بعثت خاصہ اور بعثت عامہ :

سورۃ آلِ عمران کی اس آیت مبارکہ کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قوم بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہونے کا ذکر ہے۔ اللہ نے آپ کی زبان سے کہلوا دیا۔ ورسولاً الی بنی اسرائیل میں تو قوم بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ آپ ساری دنیا کی طرف

بطور رسول مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ اس مسئلہ میں نصرانیوں کا نظریہ درست نہیں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پوری دنیا کی طرف رسول مبعوث ہوئے تھے۔ پوری نوعِ انسانی کی طرف بطور نبی اور رسول حضور نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے مبعوث فرمایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے کہلوایا۔ **قل یآیھا الناس انی رسول اللہ علیکم جمیعًا** (الاعراف : ۱۵۸) اے پیغمبر! آپ اعلان کر دیں کہ اے دنیا جہان کے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں یا پھر یہ شرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حاصل ہوا تھا۔ آپ جدالانبیاء تھے اور آپ کی امامت عامہ تھی جیسا کہ سورۃ البقرہ کی آیت : ۱۲۴) سے واضح ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آپ کے پروردگار نے آزمایا، اور آپ ان آزمائشوں میں پورے اترے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا **انی جاعلك للناس اماماً** یعنی میں تمہیں تمام لوگوں کے لئے امام (پیشوا) بنانے والا ہوں۔ ان دو انبیاء کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہی رہی ہے کہ کسی نبی کو ایک قوم کی طرف اور کسی کو دو اقوام کی طرف مبعوث کیا گیا۔ اسی سنت کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کو قومِ بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔

عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات :

سورۃ مریم کی متذکرہ آیت میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔ وہاں پر نشانی یا معجزہ کی تفصیل نہیں ہے جبکہ سورۃ آل عمران والی آیت میں آپ کے معجزات کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے۔ پوری آیت کا ترجمہ یوں ہے۔ ''اور اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گا اور آپ اپنی قوم پر واضح کر دیں گے کہ بیشک میں لایا ہوں تمہارے پاس نشانی تمہارے رب کی طرف سے (اور وہ یہ ہے) کہ میں بناتا ہوں تمہارے سامنے گارے سے پرندے کی شکل کی طرح، پھر میں پھونک مارتا ہوں اس میں تو وہ ہوتا ہے اڑنے والا (پرندہ) اللہ کے حکم سے۔ اور میں اچھا کر دیتا ہوں مادرزاد اندھے کو اور برص والے کو اور میں زندہ کرتا ہوں مُردوں کو اللہ کے حکم سے، اور میں بتلاتا ہوں تم کو جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ تم ذخیرہ بنا کر رکھتے ہو اپنے گھروں میں۔ بے شک البتہ اس میں نشانی ہے تمہارے لئے اگر تم ایماندار ہو۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تطبیق معنی :

سورۃ آلِ عمران کی اسی آیت کے بارے میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فمن ثم استنبط العبد الضعیف ان معنی الآیۃ کہ اس ناتواں بندہ کے نزدیک اس آیت کریمہ کا معنی یوں بنتا ہے ورسولاً الی بنی اسرائیل اللہ نے مجھے بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے مخبراً بانی قد جئتکم اس بات کی خبر دینے والا کہ میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں اور پھر آگے معجزات کی وضاحت ہے کہ مٹی سے پرندہ بنا کر اس کو اڑنے والا بنا دیتا ہوں، مردوں کو زندہ اور برص والے مریض کو تندرست کرتا ہوں، نیز یہ کہ میں وہ بھی بتا دیتا ہوں جو کچھ تم کھا کر آتے ہو اور جو کچھ گھروں میں چھوڑ آتے ہو۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مخبراً درمیان میں جملہ تفصیلیہ ہے مگر یہ اس کے ساتھ ہی ملا ہوا ہے جو اجمال کی تفصیل بیان کر دیتا ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہاں پر یہ نکتہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اس آیت میں کہ ''میں بنی اسرائیل کی طرف اللہ کی طرف سے رسول مبعوث ہوا ہوں، مخبراً اس بات کی خبر دیتے ہوئے کہ میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لایا ہوں۔ آگے سارے کا سارا کلام بشارت کے مقام میں داخل ہے لہٰذا یہاں پر کسی عبارت کو محذوف تسلیم کرنے کی ضرورت ہے جبکہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ورسولاً الی بنی اسرائیل کے بعد یہ الفاظ محذوف تصور کئے ہیں فلما بعثہ اللہ قال: انی رسول اللہ الیکم بانی قد جئتکم ...... الآخر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس محذوف عبارت کے نکالنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ درمیان میں لفظ مخبراً لانے سے ہی مفہوم واضح ہو جاتا ہے اگر چہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کا نہیں ہے واللہ اعلم تاہم حقیقت تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

شرح غریب میں اختلاف کی وجوہ :

ومن جملۃ ذٰلك شرح الغریب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور اسی جملہ میں غریب لفظ کی شرح بھی داخل ہے۔ غریب کا معنی اوپرا، نادر یا کوئی ایسا لفظ جس کا معنی باعتبار لغت یا کسی دوسری

وجوہ سے سمجھنا مشکل ہو۔ چنانچہ قرآن پاک کے مشکل الفاظ کی تفہیم کے لئے غریب القرآن کے نام سے کئی کتابیں لکھی گئی ہیں، جن میں ابنِ قتیبہ کی اسی نام سے کتاب موجود ہے۔ اسی طرح حدیث کے مشکل الفاظ کو سمجھانے کے لئے بھی غریب الحدیث کے نام سے کتابیں تصنیف ہوئی ہیں۔

وبناؤہ اور مشکل لفظ کی عدم تفہیم کی بنیاد علی تتبع لغة العرب عربی زبان کے تتبع پر ہوتی ہے۔ او التفطن لسياق الآية وسباقها یا آیت کے سیاق وسباق کی سمجھ بوجھ کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یعنی مشکل لفظ یا عبارت سے متعلقہ سابقہ عبارت یا اس سے ملحقہ اگلی عبارت یا پوری عبارت کو سامنے رکھ کر ہی مشکل لفظ کا صحیح مطلب اخذ کیا جا سکتا ہے۔ والعلم بمناسبة اللفظ باجزاء جملة وقع هو فيها اور جس جملہ میں کوئی مشکل لفظ آیا ہے اس لفظ کی باقی جملہ کے ساتھ مناسبت کا علم بھی مشکل لفظ کی تفہیم کے لئے ضروری ہے۔ فهٰهنا ايضًا مدخل للعقل وسعة للاختلاف اس مقام پر انسانی عقل کی مداخلت بھی تفسیر کے اختلافات میں وسعت کا باعث بنی ہے۔ لان كلمة الواحدة تجئ في لغة العرب لمعان شتى کیونکہ عربی زبان کے ایک ہی کلمہ کے کئی کئی معانی نکلتے ہیں۔ والعقول مختلفة في تتبع استعمال العرب والتفطن لمناسبة السابق واللاحق اور عربی زبان کے استعمال اور سیاق سباق کی صحیح مناسبت کے تعین کے لئے مختلف لوگوں کی عقلیں مختلف ہوتی ہیں۔ ولهٰذا اختلفت اقوال الصحابة والتابعين في هٰذا الباب یہی وجہ ہے کہ اس باب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے اقوال میں اختلاف پایا گیا ہے۔ وكل سلك مسلكًا اور ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے طریقے پر چلا ہے۔ فينبغي للمفسر المنصف ان يزن شرح الغريب مرتين لہٰذا ایک منصف مزاج مفسر کے لئے مناسب ہے کہ وہ مشکل لفظ کی شرح دو مرتبہ کرے۔ في استعمال العرب مرة ایک دفعہ عربی لغت کے اعتبار سے۔ وفي معرفة اقوى الوجوه وارجعها و مناسبة السابق واللاحق اخرى اور دوسری مرتبہ قوی ترین وجہ اور اس کے راجح اور سابق ولاحق کی مناسبت کے پیش نظر مشکل لفظ کی تشریح کرے۔

فيعلم اى الوجهين اولى واقعد بعد احكام المقدمات وتتبع موارد الاستعمال وتفحص الآثار پھر مفسر کو دیکھنا ہوگا کہ مقدمات کو پختہ کرنے، استعمال کے مواقع اور

آثار کی چھان بین کے بعد، دونوں وجوہات میں سے کون سی وجہ زیادہ بہتر اور عبارت کے ساتھ زیادہ چسپاں ہے۔ گویا ایسے موقع پر کسی مفسر کے لئے مناسب ہے کہ وہ مشکل لفظ کی شرح کے لئے دو طریقے استعمال کرے۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ وہ متعلقہ لفظ کے لئے عربی زبان اور اس کے محاورات کو پیش نظر رکھے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ لفظ سیاق وسباق، موقع استعمال اور آثار میں کرید کرے۔ اسی طریقے سے کسی مشکل لفظ کی تشریح بیان ہو سکتی ہے۔

منصف مزاج مفسر کے لئے طریقۂ تفسیر :

قرآن پاک کے مشکل الفاظ کی وجوہات اور اس کی شرح میں متقدمین متاخرین مفسرین کے اختلاف کا ذکر کرنے کے بعد شاہ صاحب رحمہ اللہ نے منصف مزاج مفسرین کے لئے ایک لائحہ عمل بھی تجویز کیا ہے۔ اس کے بعد اپنے متعلق فرماتے ہیں **وقد استنبط الفقير في هٰذا الباب ما لا يخفى لطفه الا على المتعسف غليظ الطبع** کہ اس باب میں بھی اس فقیر شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے ایسا طریقہ نکالا ہے جس کا لطف کسی بھی مفسر سے مخفی نہیں ہے سوائے متعصب، ضدی، عنادی اور پلید طبیعت والے آدمی کے۔

پہلی مثال :

مثلاً (**كتب عليكم القصاص في القتلٰى**) (البقرہ : ۱۷۸) مثلاً یہ آیت ”اے ایمان والو! مقتولوں کے بارے میں تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے“۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں **حملته على معنى تكافؤا القتلى** کہ میں نے اس آیت میں **قصاص في القتلى** کو **تكافؤا القتلى** پر محمول کیا ہے جس کی رو سے جملے کا معنی یہ بنتا ہے کہ اے ایمان والو! مقتولوں کے اندر تم پر برابری فرض کی گئی ہے۔ اس مفہوم کے تحت چھوٹے بڑے، امیر غریب، آزاد غلام، مرد عورت میں کوئی امتیاز نہیں رہتا بلکہ **تکافت** میں سب آجاتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں قصاص کے معاملہ میں مختلف طبقات کے درمیان فرق رکھا جاتا تھا۔ مثلاً عورت کے قتل کے بدلے میں مرد کو قتل کر دیتے تھے غلام کے بدلے میں آزاد کو قتل کرتے، ایک آزاد کے قتل کے بدلے دو کو قتل کیا جاتا تھا جو کہ سراسر ظلم تھا۔ جب

اسلام آیا تو اس نے اونچ نیچ، آزاد غلام، عورت اور مرد کو قصاص کے معاملہ میں برابر قرار دے دیا، اور امیر وغریب کے درمیان حائل دیوار کو گرا دیا اور قصاص کے معاملہ میں مساوات قائم کر دی۔ قصاص کا معنی ہی برابری ہے۔ لہٰذا قصاص کے معاملہ میں مساوات قائم کر دی۔ قصاص کا معنی ہی برابری ہے لہٰذا قصاص کے معاملہ میں کسی انسان سے امتیازی سلوک کی ممانعت کر دی بلکہ سب کے ساتھ یکساں سلوک کرنے کا حکم دیا۔ اور واضح کر دیا کہ ایک آزاد مقتول کے بدلے میں ایک ہی آزاد کو قتل کیا جائے گا اور ایک مقتول کے بدلے میں دو کو تختہ مشق نہیں بنایا جائے گا اسی طرح غلام کے بدلے میں غلام اور عورت کے بدلے میں عورت کو اور مرد کے بدلے میں مرد کو قتل کیا جائے گا۔

تو شاہ صاحب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے قصاص کو برابری کے معنیٰ پر محمول کیا ہے واشتراك الاثنين في حكم واحدٍ اور دو کے اشتراک کو ایک ہی حکم پر محمول کیا ہے۔ لئلا يحتاج مفهوم الانثى بالانثى الى مؤنة النسخ تا کہ اگلے الفاظ الانثى بالانثى یعنی عورت کے بدلے میں عورت کو منسوخ نہ سمجھا جائے۔ لفظ قصاص کا یہ بڑا اچھا مفہوم ہے۔ پھر آگے اس کی تفصیل بھی آ گئی ہے۔ الحر بالحر والعبد بالعبد والانثى بالانثى آزاد کے بدلے میں آزاد کو قتل کیا جائے گا یعنی اگر کوئی آزاد آدمی کسی غلام کو قتل کر دے تو اس مساوات کے قانون کے تحت آزاد قاتل کو کوئی رعایت حاصل نہیں ہوگی بلکہ غلام مقتول کے بدلے میں آزاد قاتل بھی واجب القتل ہوگا۔ اگر عورت کسی کی قاتل ہے تو اس کو بھی قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ غرضیکہ قاتل عورت ہو یا مرد ان کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ اس مفہوم کا ایک تو یہ فائدہ ہوگا کہ الانثى بالانثى کو منسوخ نہیں سمجھا جائے گا۔ ولا يرتكب توجيهات تضمحل بادنى التفات اور ایسی توجیہات نہ کرنی پڑیں گی جو معمولی سے غور سے بھی ساقط ہو جاتی ہیں۔

دوسری مثال :

شاہ صاحب رحمہ اللہ دوسری مثال بیان کرتے ہیں۔ ومثلاً (يسألونك عن الاهلة) (البقرہ : ۱۸۹) لوگ آپ سے نئے چاندوں کے بارے میں پوچھتے ہیں کہتے ہیں حملته على معنى يسألونك عن الشهر يعني اشهر الحج کہ میں نے اس جملہ کو ان معانی پر محمول کیا کہ

لوگ آپ سے مہینوں یعنی حج کے مہینوں کے متعلق پوچھتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اھلہ سے مراد صرف نیا چاند نہیں بلکہ حج کے مہینوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ (قل ھی مواقیت للناس والحج) آپ کہہ دیں کہ یہ لوگوں کے لئے اور حج کے لئے اوقات ہیں۔ حج کا تعلق بھی تو خاص مہینہ ذی الحجہ کے ساتھ ہوتا ہے جس کی نویں تاریخ کو میدانِ عرفات جمع ہو کر حج کا رکن اعلیٰ انجام دیا جاتا ہے۔ البتہ حج کے مہینے مقرر ہیں جو کہ شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ ہیں۔ حج کا احرام انہی مہینوں میں باندھا جا سکتا ہے۔ بہر حال شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت میں اہلہ یعنی نئے چاند کا معنی حج کے مہینے کیا ہے جس کی وجہ سے مفہوم کو سمجھنے میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔

تیسری مثال :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تیسری مثال سورۃ الحشر کی دوسری آیت کے ساتھ دیتے ہیں ومثلاً (ھو الذی اخرج الذین کفروا من اھل الکتاب من دیارھم لاول الحشر) اللہ تعالیٰ کی وہی ذات ہے جس نے اہلِ کتاب میں سے کافروں کو ان کے گھروں سے لشکر کے پہلے اجتماع کے موقع پر نکالا۔ حشر سے مراد قیامت والا حشر بھی لیا جاتا ہے جبکہ سب لوگوں کو حساب کتاب کے لئے میدان میں اکٹھا کیا جائے گا۔ تاہم یہاں پر حشر سے مراد قیامت والا حشر نہیں بلکہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ای لاول جمع الجنود اس سے مراد قبیلہ بنو نضیر کے یہودیوں کو اسلامی لشکر کے پہلے اجتماع کے موقع پر ان کے گھروں سے نکالا گیا۔

اول الحشر کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان یہودیوں کو ترکِ وطن کے لئے اکٹھا کیا گیا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب بنو نضیر کی مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں حد سے بڑھ گئیں تو مسلمانوں نے اچانک ان کے قلعوں پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے مجبور ہو کر صلح کی درخواست کر دی جو اس شرط پر منظور کر لی گئی کہ یہودی یہاں سے ترک وطن کر جائیں گے چنانچہ وہ اپنا ساز و سامان لے کر کچھ شام و فلسطین کی طرف چلے گئے اور چند ایک خیبر میں جا آباد ہوئے۔ غرضیکہ اول الحشر سے یہی مسلمانوں یا یہودیوں کا اجتماع ہے جس کے نتیجے میں انہیں اپنے گھر بار چھوڑنا پڑا۔

لقولہٖ تعالیٰ : شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حشر ہی کے ضمن میں فرعون کے حشر کا بھی ذکر کیا ہے اس کے سرداروں نے اس کو مشورہ دیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کرنے کے لئے (وابعث فی المدائن حاشرین)(الشعراء : ۳۶) کہ جادوگر اکٹھا کرنے کے لئے مختلف شہروں میں آدمی بھیج دو۔حشر کے سلسلہ میں وقولہ تعالیٰ : اللہ تعالیٰ کا یہ کلام بھی موجود ہے۔(وحشر لسلیمان جنودہ)(النمل : ۱۷)اور اکٹھے کئے گئے سلیمان علیہ السلام کے لئے جنوں، انسانوں اور پرندوں کے لشکر جبکہ سلیمان علیہ السلام نے ان کو استقبالیہ دیا تھا۔ بہر حال لفظ حشر کی اس تشریح کے بعد لفظ اول الحشر کی طرف آتے ہیں اور فرماتے ہیں وھو اقعد و انسب بقصة بنی النضیر واقوی فی بیان المنة کہ اس اجتماع کو بنی نضیر کے یہودیوں کے قصہ کے ساتھ زیادہ نسبت ہے۔اور مسلمانوں پر احسان جتلانے کے ضمن میں زیادہ پختہ بات ہے۔

ناسخ منسوخ آیات کا تعلق :

ومنها بیان الناسخ والمنسوخ اور اس سلسلے میں ناسخ منسوخ آیات کا قصہ بھی ہے۔

وینبغی ان یعلم فی ھٰذا المقام نکتتان : اور مناسب ہے کہ اس مقام میں دو مزید نکات بھی جان لئے جائیں جہاں ناسخ منسوخ کے مسئلہ میں بھی متقدمین اور متاخرین کا آپس میں اختلاف ہے۔

پہلا نکتہ :

الاولی : پہلا نکتہ یہ ہے ان الصحابة والتابعین کانوا یستعملون النسخ علی غیر ما اصطلح علیہ الاصولیون کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ نسخ کا استعمال اس اصطلاح کے علاوہ کرتے تھے جو اصولیوں نے بنا رکھی ہے۔ اصولی یعنی اصولِ فقہ والے نسخ کا معنی کرتے ہیں رفع الحکم السابق کلیة یعنی کسی سابقہ حکم کو مکمل طور پر اٹھا دینا حتی کہ اس پر عمل کرنا بالکل بند کر دیا جائے۔البتہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک نسخ کا یہ معنی نہیں لیا جاتا تھا۔ وھو قریب من المعنی اللغوی الذی ھو الازالة ان کا اختیار کردہ نسخ کا مفہوم اس کے لغوی معنی کے زیادہ قریب تھا یعنی کسی چیز کو مٹا دینا یا زائل کر دینا۔ان کے ہاں نسخ کا اطلاق اس

مقام پر ہوتا تھا جہاں کوئی حرف زائد ہوگیا، یا کہیں تقدم و تاخر واقع ہوگیا یا کہیں ذرا سا تغیر آ گیا۔ متقدمین نسخ کا اصولیوں والا معنی اختیار نہیں کرتے تھے۔ فمعنی النسخ عند هم ازالة بعض الاوصاف من الآية المتقدمة بآية المتاخرة ان کے ہاں نسخ کا معنی یہ ہوتا تھا کہ کسی آیت میں مذکور اوصاف میں سے کسی وصف کو کسی دوسری آیت کے ساتھ اٹھا دیا جائے۔ اور ایسا کرنے کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔ مثلاً اما لانهاء مدة العمل یعنی کسی حکم پر عمل درآمد کی مدت ہی ختم ہو جائے جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب مسیح علیہ السلام کا نزول ہوگا تو وہ جذیہ کو موقوف کر دیں گے کیونکہ جذیہ پر عمل درآمد کی مدت نزول مسیح پر ختم ہو جائے گی، لہٰذا جذیہ کے حکم پر عمل درآمد بھی بند ہو جائے گا اور غیر مسلموں کے لئے دو ہی راستے رہ جائیں گے کہ یا تو وہ اسلام قبول کرلیں یا پھر جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔

واما صرف الكلام عن المعنى المتبادر متقدمین کے نزدیک نسخ بایں وجہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی کلام کو اس کے عام معنی سے پھیر دیا جائے۔ واما بيان اقحام قيد من القيود وہ کسی کلام میں عاید شدہ قیود میں سے کسی قید کے زائد ہو جانے کو بھی آیت کے نسخ پر اطلاق کر دیتے تھے۔ وكذلك تخصيص عام او بيان فارق بين المنصوص والذى يقاس عليه ظاهراً اسی طرح اگر کسی عام حکم میں تخصیص پیدا کر دی جائے یا کسی منصوص حکم پر قیاس کر کے اس پر فرق ظاہر کر دیا گیا ہو۔ وما اشبه ذلك یا اس کے مشابہ کوئی اور وجہ ہو۔ ایسے تمام معاملات میں متقدمین نسخ کا اطلاق کرتے تھے۔ اور متاخرین کی علمی اصطلاح استعمال نہیں کرتے تھے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وهذا الباب واسع یہ باب بڑا وسیع ہے۔ وللعقل هناك جولان اور اس مسئلہ میں عقل کو بروئے کار لانے کی بڑی گنجائش ہے۔ وللاختلاف مجال اور اسی لئے اختلاف کے لئے مواقع موجود ہیں۔ ولهذا اوصلوا عدد الآيات المنسوخة الى خمسمائة اسی لئے متقدمین نے منسوخ آیات کی تعداد کو پانچ سو تک بڑھا دیا ہے حالانکہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ منسوخ آیات کی تعداد بیس شمار کرتے ہیں مگر مصنف کتاب ہٰذا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے صرف پانچ منسوخ آیات پر صاد کیا ہے۔ یہ بھی انہوں نے ڈرتے ڈرتے ہی کیا ہے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ

اگر میں نے کسی آیت کو بھی منسوخ ماننے سے انکار کر دیا تو لوگ میرے پیچھے پڑ جائیں گے کہ یہ بھلا آدمی ہے جس نے آپ سے پہلے تمام متقدمین اور متاخرین کو جھٹلا دیا ہے۔ یہ پانچ کی تعداد بھی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے متقدمین اور متاخرین کا وقار قائم رکھنے کے لئے بتائی ہے ورنہ ان کے نزدیک قرآنِ پاک کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں ہے۔ اور ہر منسوخ مانی جانے والی آیت کی توجیہہ ہو سکتی ہے۔

قرآن پاک کے مشکل الفاظ کی تفہیم میں ناسخ منسوخ آیات کا بھی بڑا دخل حاصل ہے۔ اس ضمن میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دو نکات کو جاننا ضروری قرار دیا ہے۔ ان میں سے پہلا نکتہ تو آپ نے یہ بیان کیا کہ متقدمین اور متاخرین کی اصطلاح اختیار کرنے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

دوسرا نکتہ :

والثانية : آپ نے دوسرا نکتہ یہ بیان کیا ہے **ان النسخ بالمعنی الاصطلاحی الاصل فی بیانه معرفة التاریخ** کہ نسخ کے اصطلاحی معنی یعنی کسی حکم کو مکمل طور پر اٹھا دینا کہ اس پر عمل ختم کر دیا جائے، اگر یہ معنی اختیار کیا جائے تو اس مقصد کے لئے دونوں احکام کی تاریخ اجرا کا علم ہونا ضروری ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ منسوخ حکم پہلے نازل ہوا تھا اور ناسخ بعد میں آیا۔ **ولکنهم یجعلون اجماع السلف الصالح او اتفاق جمهور العلماء علامة للنسخ** مگر دونوں احکام کی تاریخ کا متعین کرنا تو بڑا دشوار ہوتا ہے لہٰذا ناسخ منسوخ کے ثبوت کے لئے اس کے قائلین سلف صالحین کے اجماع یا جمہور علماء کے اتفاق کو نسخ کی علامت قرار دیتے ہیں۔ **فیقولون به** اور اس قسم کی بہت سی باتیں کی ہیں۔ **وارتکب ذلك کثیر من الفقهاء** اور بہت سے فقہائے کرام رحمہم اللہ اس بات کے مرتکب ہوئے ہیں۔ **ویمکن ان یکون ما صدقت علیه الآیة غیر ما صدق علیه الاجماع** حالانکہ یہ بھی ممکن ہے کہ جس بات پر فقہاء کا اجماع ہوا ہے وہ آیت کے اصل مصداق سے مختلف ہو۔

وبالجملة فان تتبع الآثار المنبئة عن النسخ لقی عمرا کثیراً اور بالجملہ اگر کسی آیت کے نسخ کے آثار کے منبع کی تلاش میں بڑی عمر بھی صرف کر دو۔ **وفی الوصول الی عمق الکلام صعوبة** اس کے باوجود کلام کی گہرائی تک پہنچنا دشوار ہوگا۔ **وللمحدثین اشیاء خارجة**

من هٰذه الاقسام يوردونها ايضًا كمناظرة الصحابة في مسئلة اورمحدثین کے لئے ان اقسام کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی ہیں جن کو وہ کسی مسئلہ میں صحابہ کرام کے مناظرہ کی طرح وارد کرتے ہیں۔ وہ مذہب نہیں بلکہ صرف کلام ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا کلام پہلے ذکر کیا جاچکا ہے۔ والاستشهاد بهٰذه الآية او تمثيلهم بذكر هٰذه الآية او تلاوة حضرته صلى الله عليه وسلم لهذه الآية بطريق الاستشهاد اور اس آیت کے ساتھ استشہاد ہوتا ہے یا تمثیل ہوتی ہے جو اس آیت کے ساتھ ذکر کر دی جاتی ہے۔ یا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور استشہاد آیت مذکورہ کو پڑھا تھا، نہ کہ بطور دلیل۔ اوروراية حديث يوافق الآية في اصل المعنى یا محدثین ایسی حدیث روایت کر دیتے ہیں جو آیت کے ساتھ اصل معنی میں موافقت رکھتی ہے۔ اوطريق التلفظ بالنقل عنه صلى الله عليه وسلم او الصحابة یا پھر تلفظ کا طریقہ بتلانے کے لئے ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس لفظ کو اس طرح ادا کرتے تھے۔

یہ شرح غریب کے ضمن میں متقدمین اور متاخرین مفسرین کے اختلافات، ان کی وجوہات اور ان کا حل بھی پیش کر دیا گیا ہے۔

(فصل في ما بقي من لطائف هٰذا الباب)

(اس باب کے باقیماندہ لطائف کے بارے میں فصل)

من جملة ذلك استنباط الاحكام، وهٰذا الباب متسع جدًا ...... الى ...... ثم يتكلم في حل الصعوبة بالتفصيل، ثم يزن الاقوال۔ (ص۵۶ تا ص۵۸)

ربط مضمون :

(فصل في ما بقي من لطائف هٰذا الباب)

فصل ہٰذا کی یہ سرخی مصنف کتاب شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ صاحب کی طرف سے نہیں بلکہ کتاب ہٰذا کے ناشرین نے خود قائم کر دی ہے۔ بہر حال یہ فصل اس باب کے بقیہ ضروری نکات کی وضاحت کے

سلسلہ میں ہے۔ یہ بہت کام کی باتیں ہیں جو شاہ صاحب رحمہ اللہ نے استنباطِ مسائل کے ضمن میں سمجھائی ہیں۔

استنباطِ احکام کا بیان :

من جملة ذلك استنباط الاحكام اس باب میں بیان کردہ دیگر لطائف کے علاوہ ایک اہم مسئلہ مسائل کے استنباط کا ہے۔ ضبط کا لغوی معنی زمین کھود کر پانی نکالنا ہے۔ مگر یہاں پر استنباطِ احکام سے مراد کسی نص سے دیگر احکام کو نکالنا ہوتا ہے۔ اس مقصد کے لئے محدثین، مفسرین اور فقہائے کرام رحمہم اللہ عبارت میں موجود مقیس اور مقیس علیہ میں غور کرتے کرتے اس میں سے کسی حکم کی علت نکالتے ہیں اور پھر دیکھتے ہیں کہ کیا یہ علت دوسرے حل طلب حکم میں بھی پائی جاتی ہے یا نہیں۔ یہ کافی محنت طلب کام ہوتا ہے۔ آگے علت کی بھی علت ناقصہ اور علت تامہ جیسی اقسام ہیں جن میں غور وخوض کرنے کے بعد کوئی مفسر کسی نتیجے پر پہنچتا ہے اور پھر فیصلہ کرتا ہے کہ مذکورہ علت حل طلب مسئلہ یا حکم پر عائد ہوتی یا نہیں۔ اگر وہ علت دوسرے مسئلہ پر بھی چسپاں ہوتی ہو تو اس کے مطابق مسئلہ کا حل پیش کر دیا جاتا ہے کہ اس مسئلہ میں بھی وہی حکم جو اس نص میں ہے جہاں سے علت نکالی گئی ہے اس کو کہتے ہیں استنباطِ احکام یا استنباطِ مسائل۔

وهٰذا الباب متسع جدًا استنباطِ احکام کا یہ باب بڑا وسیع ہے وللعقل في الاطلاع على الفحاوى والايماء ات والاقتضاعات ميدان واسع واختلاف كلي اور عقل کے لئے کلام کے مفہوم، اشارات اور اس کے تقاضوں پر اطلاع پانے کے لئے وسیع میدان موجود ہے اور اختلاف کی مکمل گنجائش ہے۔ گویا یہ کوئی معمولی قسم کا اختلاف نہیں۔ بلکہ اس میں بہت سی باتیں نکلیں گی، بعض باتیں مقیس اور بعض مقیس الیہ میں نکلیں گے، بعض چیزیں ایک دوسری کے بالکل مخالف معلوم ہوں گی، پھر ردوقدح ہوگا غرضیکہ یہ بہت لمبا چوڑا سلسلہ ہے۔

مصنف کتاب کا تعارف :

شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں وقد الهم الفقير حصر الاستنباط في عشرة اقسام

کہ مجھ فقیر پر خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام کیا گیا ہے کہ استنباط دس اقسام پر مشتمل ہے۔ یہاں پر فقیر سے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی ذات مراد لیتے ہیں یعنی احمد ولی اللہ قطب الدین ابن شیخ عبدالرحیم ابن وجیہہ الدین عمری۔ آپ کے دادا وجیہہ الدین بادشاہ عالمگیر کے لشکر میں حوالدار تھے۔ بڑے نیک آدمی تھے، ہر روز چار پارے تلاوت کرتے تھے۔ آپ کو دورانِ سفر ڈاکوؤں نے حملہ کر کے شہید کر دیا تھا۔ ان کے بیٹے اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم شیخ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ بھی اولیاء اللہ میں سے تھے۔ عالمگیر نے فتاویٰ کی ترتیب کے لئے پانچ سو علماء کی جو کمیٹی بنائی تھی اس میں شیخ عبدالرحیم کا نام بھی تھا جبکہ اس کمیٹی کے سربراہ ملا نظام الدین تھے۔ یہ ایک سرکاری وظیفہ خوار کمیٹی تشکیل دی گئی تھی مگر شیخ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ وظیفہ لینا مناسب نہیں سمجھتے تھے لہٰذا انہوں نے دعا کی کہ مولا کریم! میرا نام اس کمیٹی سے نکلوا دے۔ آپ کی دعا مقبول ہوئی اور بادشاہ نے خود ہی آپ کا نام مجوزہ کمیٹی سے خارج کر دیا۔

اس کتاب کے مصنف شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ انہی شیخ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ہیں۔ آپ کا خاندانی نام احمد رکھا گیا۔ قطب الدین آپ کا بشارتی نام تھا۔ آپ کے والد محترم کو خواب میں شیخ قطب الدین کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی بشارت ہوئی جنھوں نے آپ کے ہاں بیٹے کی ولادت کی بشارت دی اور ساتھ یہ بھی کہا کہ اس بیٹے کا نام میرے نام پر قطب الدین رکھنا۔ خدا کی قدرت کے بیٹے کی ولادت کے بعد شیخ عبدالرحیم حضرت کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی بشارت والا واقعہ بھول گئے۔ آپ کا نام احمد تجویز کر دیا گیا۔ پھر جب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سات سال کی عمر میں پہنچے اور آپ نے قرآن پاک بھی حفظ کر لیا تو اس وقت آپ کو قطب الدین کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی بشارت یاد آگئی چنانچہ آپ کا نام قطب الدین احمد ولی اللہ ابن عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ مکمل ہو گیا۔ اس طرح قطب الدین بشارتی نام، احمد خاندانی نام اور ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کا لقب تھا۔

الہام کی حقیقت :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس فقیر پر الہام کیا گیا ہے۔ الہام سچا بھی ہوتا ہے اور شیطانی بھی ہوتا ہے۔ شیطان بھی اپنے دوستوں کی طرف اپنے فاسدہ خیالات بھیجتا ہے جیسے فرمایا اِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِھِمْ لِیُجَادِلُوْکُمْ ○ (الانعام : ۱۲۲)۔ بیشک شیطان اپنے

دوستوں کی طرف وسوسہ ڈالتے ہیں تا کہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔ تاہم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الہام سے سچا الہام مراد ہے۔ سچا الہام نبیوں پر ہوتا ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کے بہت بلند مرتبہ مقربین ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اولیاء اللہ بھی اللہ کے مقرب بندے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کسی مقرب بندے کو الہام کے ذریعے کوئی چیز معلوم کروا دیتا ہے جو رسمی تعلیم کے ذریعے معلوم نہیں ہوسکتی۔ ایسی چیز نہ کسی استاد کی تعلیم سے حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی کسی کتاب میں ہوتی ہے بلکہ منجانب اللہ ہوتی ہے۔ بزرگانِ دین کے کلام میں ایسی بہت سی باتیں ملتی ہیں جو ان کو الہام کی شکل میں حاصل ہوئیں۔

الہام کی دس قسمیں :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس فقیر پر الہام کیا گیا ہے استنباط کا حصار دس اقسام میں ہے۔ استنباط مسائل سے مراد وہ مسائل ہیں جو قرآنی آیات یا احادیث مبارکہ سے نکالے جاتے ہیں اور جن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مثال کے طور پر پانی کی عدم دستیابی کی صورت میں تیمم کی اجازت والی آیت فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا (المائدہ : ٦) سے علماءِ کرام نے آٹھ سو مسائل نکالے ہیں۔ اسی طرح ایک موقع پر حضور علیہ السلام نے ایک مزاحیہ جملہ فرمایا تھا۔ اس مزاحیہ جملہ سے بھی علماء نے ایک سو مسائل استنباط کئے۔ غرضیکہ یہ ایک ایسا وسیع میدان ہے کہ ایک ایک آیت سے ہزار دو ہزار بلکہ لاکھوں مسائل نکالے جاسکتے ہیں۔ اللہ کے کلام میں اتنی گہرائی ہے جو کہ غیر محدود ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی غیر محدود ہے اور اس کی صفت اور اس کا کلام بھی غیر محدود ہے۔ اس لئے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب فیوض الحرمین میں رقمطراز ہیں کہ جب میں قرآن کی یہ آیت پڑھتا ہوں تو اس کے نیچے مجھے ایک بحر ناپیدہ کنار نظر آتا ہے۔ یہ باتیں ہمیں نظر نہیں آتیں۔ اس سے تعجب بھی نہیں کرنا چاہیے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی منفرد شخصیت :

یہ لوگ بڑے بلند مرتبہ تھے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بارہویں صدی کے مجدد تھے۔ آپ کے بعد آج تک آپ کے پائے کا کوئی عالم دنیا میں پیدا نہیں ہوا۔ بلاشبہ آپ عالم، محدث، فقیہ، مجتہد، صوفی اور ولی اللہ تھے۔ آپ بہت سی خوبیوں کا مرکز تھے۔ آپ کی اولاد نے چار پشتوں تک ساری دنیا میں

دین کی خدمت کی ہے۔ ان میں مجاہدین بھی ہوئے ہیں۔ شہید بھی ہوئے، عالم بھی ہوئے اور مصنف بھی ہوئے۔ اس خاندان کو اللہ تعالیٰ نے خاص خصوصیت عطا فرمائی تھی، آپ سے اسی/۸۰ سال قبل گیارہویں صدی کے مجدد شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے بھی اللہ نے دنیا کو بڑا فیض پہنچایا۔ آپ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حق ادا کر دیا اور بادشاہ کی غلط بات کے خلاف ڈٹ گئے اور صاف انکار کر دیا۔ آپ کو کئی سال تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں مگر آپ نے حق کا ساتھ نہ چھوڑا۔ آپ کی اس عزیمت کا اثر تھا کہ بادشاہ ڈھیلا پڑ گیا اور کہنے لگا کہ یہ تو بڑا خطرناک معاملہ ہے۔ یہ اسی بات کا اثر تھا کہ جہانگیر بادشاہ قدرے شریعت کی طرف راغب ہو گیا اور پھر آگے اس کا بیٹا عالمگیر مکمل عالمِ دین ثابت ہوا اللہ نے بادشاہی بھی دی۔ فتاویٰ عالمگیری آپ ہی کی کاوش کا نتیجہ تھا۔ یہی اس دور میں پورے ملک کا قانون تھا۔ پھر جب انگریزی دور آیا تو انہوں نے اس کی بجائے انگریزی قانون نافذ کر دیا جو آج تک چل رہا ہے۔ مسلمان تو اسقدر بے حس ہو چکے ہیں کہ پاکستان کی نصف صدی کی تاریخ میں اپنا قانون بھی نافذ نہیں کر سکے۔

استنباط شدہ مسائل کی کسوٹی :

فرماتے ہیں استنباط کی دس قسمیں ہیں **وترتيب تلك الاقسام وتلك المقالة ميزان عظيم لوزن كثير من الاحكام المستنبطة** اور ان کی ترتیب اور یہ مقالہ استنباط شدہ کثیر احکام کے وزن کے لئے ایک عظیم میزان سمجھیں۔ گویا استنباط مسائل کے سلسلے میں وضع کردہ یہ اصول بطور ترازو یا کسوٹی کے ہیں۔ باقی پیش آنے والے مسائل کے استنباط کو اس ترازو میں تول کر اور اسی کسوٹی پر جانچ کر ان کی صحت کے متعلق تسلی کی جا سکتی ہے۔

توجیہہ کا مفہوم :

ومنها التوجيه استنباط احکام کی دس اقسام میں سے ایک قسم **توجيه** کے نام سے موسوم ہے **وهو فن كثير الشعب** اور اس فن کی بہت سی شاخیں ہیں **يستعمله الشراح في شرح المتون** جن کو عبارت کے متون کی شرح کے لئے شرح کرنے والے استعمال کرتے ہیں۔ توجیہہ کا

مفہوم یہ ہے کہ جہاں کہیں کلام میں لفظ، زبان یا معنیٰ کے اعتبار سے اشکال پیدا ہو، وہاں کلام کو صحیح معنی پر بٹھا دیا جائے پھر جب وہ اشکال دور ہو کر عبارت کا صحیح مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ فلاں عالم یا فلاں فقیہہ نے اس کلام کی یہ توجیہہ کی ہے۔ **ویحصل به امتحان ذکائهم** اس طریقے سے توجیہہ کرنے والوں کے فہم وفراست کا امتحان بھی ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے جو شخص کسی کلام کی جتنی بہتر توجیہہ کرے گا وہ اسی قدر زیادہ سمجھ بوجھ کا حامل سمجھا جائے گا۔ یہ تو قرآن کا اصول بھی ہے ''**فوق کل ذی علم علیم**'' ہر اہلِ علم کے اوپر زیادہ علم والا ہے۔ **ویظهر به تباین مراتبهم** چنانچہ اس کسوٹی کے ذریعے ان کے مراتب کا اظہار ہوگا کہ اس نے کتنی اچھی توجیہہ کی ہے۔ **وقد تکلم الصحابة رضی الله عنهم فی توجیه القرآن مع عدم تنقیح قوانین التوجیه فی ذلك العصر** کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن پاک کی توجیہہ میں بہت زیادہ کلام کیا ہے، مگر موجودہ زمانے میں پائے جانے والے توجیہہ کے قوانین کی تنقیح نہیں کی۔ یہ قوانین تو بعد والے لوگوں نے بنائے ہیں، صحابہ کرام کے زمانے میں اُن کا کوئی وجود نہیں تھا۔ تاہم **واکثروا الکلام فیه** تاہم انہوں نے اس باب میں بہت زیادہ کلام کیا ہے اور مشکل الفاظ کی صحیح صحیح توجیہہ کی ہے۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں **وحقیقة التوجیه انه ان وقع فی کلام المصنف صعوبة فهم توقف الشارح حتی یحل تلك الصعوبة** کہ توجیہہ کی حقیقت یہ ہے کہ اگر کسی مصنف کے کلام کو سمجھنے میں دشواری پیش آجائے تو کلام کی شرح کرنے والا (شارح) وہیں ٹھہر جائے یہاں تک کہ اس دشواری کو حل کر لے۔ **ولما کانت اذهان قراء الکتاب لیست فی مرتبة واحدة لم یکن التوجیه ایضًا فی مرتبة واحدة** اور جب کتاب کے قارئین کے اذہان ایک ہی درجے میں نہ ہوں تو توجیہہ بھی ایک درجے میں نہیں ہو سکتی۔ **فالتوجیه بالنسبة الی المبتدئین غیر التوجیه بالنسبة الی المنتهین** لہٰذا ابتدائی درجے کے طالب علم کیلئے توجیہہ انتہائی درجے کے طالب علم کے لئے توجیہہ سے مختلف ہوگی۔ ظاہر ہے کہ انتہائی درجے کے طالب علم کا فہم اور مہارت مبتدی طالب علم کی نسبت زیادہ پختہ ہوگی اور وہ تحصیلِ علم میں تجربہ کی بنا پر ذرا مشکل بات کو بھی آسانی سے سمجھ سکے گا جبکہ ابتدائی درجے کے طالب علم کے لئے اس کے نسبتاً ناپختہ ذہن کے مطابق ہلکی پھلکی

بات کر کے آسان طریقے سے سمجھانا پڑتا ہے۔ فان المنتهی ربما یخطر بباله صعوبة فهم فیحتاج الی حلها کیونکہ جونہی منتہی کے دل میں فہم کلام کے سلسلہ میں کوئی دشواری کھٹکتی ہے تو وہ فوراً اس دشواری کو حل کرنے کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ والمبتدئ غافل عنها حالانکہ مبتدی ایسی دشواری کو جانتا بھی نہیں اذ لا یقدر ان یحیط بذلك کیونکہ وہ تو ایسی مشکل کا احاطہ کرنے کی قدرت ہی نہیں رکھتا۔ گویا مبتدی کو تو بعض اوقات پتہ بھی نہیں چلتا کہ زیر مطالعہ عبارت کو سمجھنے میں کوئی اشکال پیدا بھی ہوا ہے یا نہیں۔

مختصر تفاسیر میں تفسیر بیضاوی کو بلند مرتبہ حاصل ہے۔ دورانِ تفسیر اس کو فوراً پیش آمدہ مشکل کا پتہ چل جاتا ہے۔ چنانچہ یا تو وہ اس دشواری کو خود حل کر دیتے ہیں یا اس مشکل کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں تاکہ دوسرے شارح خود اس کو حل کر لیں۔ اس کے برخلاف بعض تفاسیر مثلاً صاحب خازن کو مشکل کا پتہ نہیں چلتا اور محض روایات اور قصے کہانیاں ہی بیان کرتے رہتے ہیں۔

بہرحال یہ بھی اللہ تعالیٰ کی خاص عطا ہے۔ طلباء کا بھی یہی حال ہے اسی لئے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ منتہی طالب علم کے دل میں جب کوئی دشواری کھٹکتی ہے تو فوراً اس کے حل کی طرف متوجہ ہوتا ہے حالانکہ مبتدی طالب علم کو اس دشواری کا پتہ بھی نہیں چلتا۔ وکثیر من الکلام یستصعبه المبتدئ ولا یحصل فی ذهن المنتهی شیئ من الصعوبة هناك اور اکثر کلام ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ابتدائی درجے کے طالب علم پر کوئی مشکل ظاہر ہوتی ہے مگر انتہائی درجے کے طالب علم کے ذہن میں وہ دشواری نہیں کھٹکتی۔ فامامن احاط بجواب الاذهان لہٰذا جو شارح اپنے سامعین کے ذہنوں کا احاطہ کر لیتا ہے یعنی ان کی سمجھ بوجھ کے معیار کو پالیتا ہے۔ فینزل الی حال الجمهور ویتکلم بحسب اذهانهم تو وہ عوام کے معیار کے مطابق اپنے اعلیٰ معیار سے نیچے اتر آتا ہے اور انہی کے اذہان کے مطابق بات کرتا ہے۔

آیاتِ مخاصمہ کی توجیہہ :

الغرض! آیات کی توجیہہ کے سلسلہ میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فعمدة التوجیه فی آیات المخاصمة تحریر مذاهب الفرق من الخصوم کہ آیات مخاصمت میں بہترین

توجیہہ یہ ہے کہ گمراہ فرقوں کے مذاہب یعنی ان کے عقائد وغیرہ نوٹ کر لئے جائیں۔ جہاں جہاں مشرکین، یہود، نصاریٰ اور منافقین نے ٹھوکر کھائی ہے، ان کو نوٹ کر لیا جائے و تنقیح وجہ الزام اور ان پر غلط عقائد کے جو الزامات عاید ہوتے ہیں ان کی تنقیح کی جائے یعنی ان کی چھان بین کر کے ان کے غلط عقائد کی تصحیح کی جائے۔ یہ آیات مخاصمہ کے ضمن میں ہو گیا۔

آیات احکام میں توجیہہ :

والعمدة فی آیات الاحکام تصویر سورة المسئلہ اور آیاتِ احکام کی عمدہ توجیہہ یہ ہے کہ مسئلہ کی شکل وصورت کو اچھی طرح اجاگر کر دیا جائے کیونکہ جب تک کسی مسئلہ کی وضع اچھی طرح متعین نہیں ہوتی، اس کی صحیح توجیہہ ممکن نہیں ہے۔ اس کے علاوہ وذکر فوائد القیود من الاحتراز وغیرہ یہاں پر عائد شدہ قیود کا ذکر کر کے سامعین کو بتلایا جائے کہ یہ قید احترازی ہے، اتفاقی ہے یا کیسی ہے اور کیوں ضروری ہے؟ اس طریقے سے کی گئی توجیہہ زیادہ مفید ثابت ہو گی۔

آیات بآلاء اللہ کی توجیہہ :

والعمدة فی آیات التذکیر بآلاء اللہ تصویر تلک النعم وبیان مواضعها الجزئیة اور آیات تذکیر بآلاء اللہ کی عمدہ توجیہہ اس طرح ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا پورا پورا نقشہ کھینچ دیا جائے اور پھر ان کے متعلقہ نعمتوں کے چھوٹے چھوٹے اجزا کے مواقع کو بھی خوب بیان کیا جائے۔ یعنی سامعین کو بتلایا جائے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے لئے کتنی بیشمار نعمتیں کہاں کہاں رکھی ہیں

آیات بایام اللہ کی توجیہہ :

والعمدة فی آیات التذکیر بایام اللہ بیان ترتیب بعض القصص علی بعض اور آیات تذکیر بایام اللہ یعنی تاریخی واقعات اور قصص کی عمدہ توجیہہ یوں کی جائے کہ مختلف واقعات کی ترتیب کو ملحوظ رکھا جائے یعنی ایسے واقعات ایسی ترتیب کے ساتھ بیان کئے جائیں جن کی کڑی ایک دوسرے کے ساتھ ملتی چلی جائے اور سامعین کو ان واقعات کے درمیان کوئی خلا نظر نہ آئے نیز وایفاء

حق تعریض یوجد فی سرد القصۃ اور اگر واقعہ کے دوران کوئی مزید اشارہ پایا جائے تو اس کی وضاحت کا بھی پورا پورا حق ادا کر دیا جائے یعنی اس اشارہ کی بھی وضاحت کر دی جائے تاکہ سامع کے ذہن میں مزید کوئی سوال پیدا نہ ہو۔

آیات بالموت وبعدہ کی توجیہہ :

والعمدۃ فی آیات التذکیر بالموت و مابعدہ تصویر تلک الصور و تقریر تلک الحالات اور موت اور اس کے بعد کے حالات وواقعات پر مشتمل آیات کی عمدہ توجیہہ اس طرح کی جائے کہ انسان کی موت اور اسکے بعد پیش آنے والے حالات وواقعات کی خوب تصویر کشی کی جائے اور ان حالات کی خوب وضاحت کی جائے تاکہ سامع پر اس کا مثبت اثر مرتب ہو اور وہ آپ کی پیش کردہ توجیہہ کے مطابق عمل پیرا ہو سکے۔

توجیہہ کے دیگر فنون :

شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں ومن فنون التوجیہ تقریب ما کان بعیدًا عن الفہم لعدم الالفۃ اور فنون توجیہہ میں سے ایک فن یہ بھی ہے کہ جو چیز سامع کی عدم مانوسیت کی وجہ سے اس کے فہم سے دور ہے، اس کو اس کے قریب کر دیا جائے تاکہ وہ آپ کی بات کو آسانی سے سمجھ سکے۔ وقطع المعارضۃ فیما بین الدلیلین اور اگر دو دلیلوں کے درمیان کوئی تعارض واقع ہو رہا ہے تو اس کو رفع کر دیا جائے۔ او فیما بین المعقول والمنقول یا اگر کسی معقول اور منقول چیز کے درمیان کوئی اختلاف پایا جاتا ہے تو اس کو بھی دور کیا جائے والتفریق بین الملتبسین اور اگر دو خلط ملط باتوں کی وجہ سے کوئی فرق پیدا ہو گیا ہے تو اس کو دور کیا جائے۔ والتطبیق بین المختلفین اور جہاں کہیں دو مختلف چیزیں پائی جائیں، ان کے درمیان تطبیق پیدا کر کے ان کے اختلاف کو دور کیا جائے۔ وبیان صدق وعد اشیر الیہ اور اگر آیت میں کسی آئندہ وعدہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تو اس وعدہ کی سچائی کو بھی بیان کر دیا جائے وبیان کیفیۃ عملہ صلی اللہ علیہ وسلم بما امر بہ فی القرآن العظیم اور ایسے ہی کسی مسئلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی کیفیت کو بھی بیان کر دو کہ

آنحضرت ﷺ نے قرآن کے حکم پر کس طرح عمل کر کے دکھایا۔ یہ بھی توجیہہ آیت کا عمدہ طریقہ ہے تا کہ سامعین کو پتہ چل جائے گا کہ قرآن پاک نے متعلقہ آیت میں کیا حکم دیا ہے اور اللہ کے رسول نے اس پر کس طرح عمل کر کے دکھایا ہے کیونکہ احکام الٰہی کے اولین عامل تو نبی علیہ السلام ہی ہیں۔

خلاصہ کلام :

آخر میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس بات کا خلاصہ اس طرح بیان کرتے ہیں **وبالجملة فالتوجيه في تفسير الصحابة كثير** اور بالجملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں توجیہہ کا عنصر بہت زیادہ ہے۔ **ولا يقضي حق المقام حق يبين وجه الصعوبة مفصلاً** اور اس مقام کا حق اس وقت تک پورا ادا نہیں کیا جا سکتا جب تک مشکل بات کی تفصیل کے ساتھ وضاحت نہ کر دی جائے۔ **ثم يتكلم في حل الصعوبة بالتفصيل** پھر اس دشواری کے حل کے لئے تفصیلاً گفتگو کی جائے۔ **ثم يزن الاقوال** پھر مختلف اقوال کا وزن کیا جائے یعنی ان کا آپس میں موازنہ کر کے دیکھا جائے کہ توجیہہ کے حق میں ان میں سے بہتر بات کون سی ہے۔ توجیہہ سے متعلق یہ باتیں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مختصر طور پر بیان کر دی ہیں۔

وما يفعله المتكلمون من الغلو في تاويل المتشابهات وبيان حقيقة الصفات فهو بعيد عن مذهبي ...... الى ...... فيمكن الاستشهاد بهٰذه الآية في هٰذه المسئلة بالاعتبار، والله اعلم (ص ۵۸ تا ص ۶۰)۔

ربط مضمون :

اس باب کے بقیہ لطائف میں سے گزشتہ درس میں استنباط احکام کے سلسلے کی ایک قسم توجیہہ کا مفصل بیان ہوا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے توجیہہ کا مفہوم اور اس ضمن میں مختلف شارحین کے طریقہ توجیہہ کا ذکر کیا اور ان کے لئے مناسب لائحہ عمل تجویز کیا۔ آج کا درس بھی اس باب کے بقیہ لطائف ہی کا تسلسل ہے جس کا تعلق آیات متشابہات کے ساتھ ہے اس ضمن میں مختلف طبقات شارحین اور ان کے

طریقہ شرح کا ذکر کر کے شاہ صاحب نے اپنی حتمی رائے قائم کی ہے۔

تاویل متشابہات میں غلو :

فرماتے ہیں وما یفعله المتکلمون من الغلو فی تاویل المتشابہات و بیان حقیقة الصفات فھو بعید عن مذھبی متکلم حضرات آیاتِ متشابہات اور صفاتِ الٰہیہ کے بیان کرنے میں جو غلو کرتے ہیں وہ میرے مسلک سے بعید ہے۔ البتہ سلف کا مسلک مختلف ہے۔ سلف میں سارے ائمہ اربعہ آتے ہیں جن میں سے بعض کا ذکر یہاں کیا گیا ہے اور اکثر محدثین بھی اسی زمرہ میں آتے ہیں۔ سلف کا مسلک یہ ہے کہ متشابہات میں سے لفظ کا ظاہری معنیٰ جو سمجھ میں آتا ہے اس کو ذہن میں رکھ کر اس کی کیفیت کو اللہ کی طرف سونپ دیا جائے۔ تمام ائمہ اور اکثر محدثین کا یہی مسلک ہے۔ مثال کے طور پر متشابہ آیت کی ایک مثال یہ ہے کہ یہودیوں نے کہا ید اللہ مغلولة یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ جکڑے ہوئے ہیں، وہ ہمیں کچھ نہیں دیتا۔ مگر اللہ نے فرمایا بل یداہ مبسوطتان یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ تو کشادہ ہیں۔ البتہ ان یہودی بدبختوں کے ہاتھ جکڑے ہوئے ہیں۔ دوسری مثال یوم یکشف عن ساق و یدعون الی السجود فلا یستطیعون ○ (القلم : ۴۲) اس دن اللہ تعالیٰ کی پنڈلی کھول دی جائے گی اور مجرموں سے کہا جائے گا کہ سجدہ کرو مگر وہ نہیں کر سکیں گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جس آدمی نے دنیا میں ایمان اور اخلاص کے ساتھ سجدہ نہیں کیا، وہ وہاں بھی نہیں کر سکے گا۔ تیسری مثال الرحمن علی العرش استوی ○ (طٰہٰ : ۵) اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے، کی ہے۔

ان آیات مبارکہ میں ظاہری الفاظ پر ایمان ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہیں، اللہ تعالیٰ کی پنڈلی بھی ہے جو قیامت والے دن کھولی جائے گی، اور اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے پر بھی ہمارا ایمان ہے، مگر خدا تعالیٰ کے ہاتھوں، اس کی پنڈلی اور اس کے استویٰ علی العرش کی کیفیت کو ہم نہیں جانتے کیونکہ یہ چیزیں ہماری کھوپڑی کے ناقص دماغ میں نہیں آسکتیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی ان چیزوں کو ہم اپنے ہاتھوں، اپنی پنڈلی یا از خود کرسی، صوفہ یا چارپائی وغیرہ پر بیٹھنے پر قیاس کریں گے تو اس سے اللہ تعالیٰ کی جسمیت اور جہت ثابت ہوگی جبکہ اللہ تعالیٰ تو ان چیزوں سے وراء الوراء اور مبرا ہے۔ لہٰذا ہم

یہی کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا ظاہری الفاظ پر ایمان ہے مگر ان کی کیفیت تو نہیں جان سکتے۔ ان کی کیفیت ایسی ہی ہے جیسی اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس معاملہ میں میرا مسلک متکلمین کے مسلک سے مختلف ہے کیونکہ وہ آیاتِ متشابہات کی تاویل کرتے وقت غلو سے کام لیتے ہیں۔ مثلاً متکلمین ید اللہ سے اللہ کی ذات مراد نہیں لیتے بلکہ اس سے اس کا کام یا سخاوت مراد لیتے ہیں۔ اسی طرح وہ پنڈلی سے یہ معروف پنڈلی مراد نہیں لیتے بلکہ اس سے اللہ کی ذات یا اس کی صفت مراد لیتے ہیں۔ علی ہذا القیاس متکلمین اللہ کے عرش پر مستوی ہونے کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ استوی علی العرش سے اللہ تعالیٰ کا اقتدار یا ملک پر اس کا قبضہ مراد ہے۔

صاحبِ کتاب کا اپنا مسلک :

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میرا یہ مسلک نہیں ہے فان مذھبی مذھب مالك و الثوری و ابن المبارك و سائر القدماء بلکہ میرا مسلک تو وہی ہے جو امام مالک، امام ثوری، عبداللہ ابن مبارک اور دیگر تمام قدماء رحمہم اللہ کا مسلک ہے۔ جب ابن مبارک کا نام آتا ہے تو ان کے استاد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے ساتھ ہی شمار کئے جاتے ہیں۔ و ذلك ھو الامرار من المتشابھات علی الظواھر اور وہ مسلک یہی ہے کہ متشابہات کو ظواہر پر گزارا جائے یعنی لفظ کو اس کے ظاہری معنی پر ہی محمول کیا جائے۔ و ترك الخوض فی التاویل و النزاع فی الاحکام المستنبطة اور تاویلات میں خوض سے رک جانا اور استنباط شدہ احکام میں جھگڑا کرنا۔ و احکام مذھب مخصوص ، و طرح غیر ذلك من الاوضاع ، و الاحتیال لدفع الدلائل القرآنیة غیر صحیح عندی اسی طرح کسی مخصوص مذہب کا استحکام اور دوسرے کا ابطال اور متکلمین کے وضع کردہ وضعوں کو چھوڑ دینا اور قرآن پاک کے دلائل کو ہٹانے کے لئے حیلہ سازی کرنا، میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ و اخاف ان یکون ذلك من قبیل التدارؤ بالقرآن اور مجھے خطرہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا کرے گا تو یہ آیاتِ قرآنی کو ماننے کی بجائے ان سے پہلوتہی کرنا ہوگا۔ تدارو بالقرآن سے مراد ہے کہ کسی بات کو دوسری بات سے ٹکرا کر اپنا مطلب نکالا جائے۔ جیسا کہ اکثر اہلِ بدعت اور گمراہ لوگوں

کا کام ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں اس بات کا قائل نہیں ہوں۔ وانما الازم ان یطلب مدلول الآیات اور ضروری بات یہ ہے کہ آیاتِ قرآنی کا مدلول طلب کیا جائے یعنی لغت کے اعتبار سے آیت سے جو بات سمجھ میں آتی ہے یا جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا تابعین رحمۃ اللہ علیہم نے سمجھانے کی کوشش کی ہے، اس کو تسلیم کیا جائے۔ وتتخذ مدلول آیة مذهباً ای ذاهب ذهب الیه اور آیت کے مدلول کو ہی مذہب اختیار کیا جائے خواہ اس مذہب پر حنفی، شافعی، مالکی وغیرہ کوئی بھی گیا ہو۔ ہمارے لئے ضروری نہیں ہے کہ ہم ہر فقیہہ کے مسلک کو اختیار کریں بلکہ آیت کو مقدم رکھ کر اس کے مفہوم کو تسلیم کریں۔ موافقاً کان او مخالفاً خواہ وہ ہمارے مسلک کے موافق ہو یا مخالف ہو۔ واما لغة القرآن فینبغی اخذها من استعمال العرب الاول اور جہاں تک قرآن پاک کی لغت کا تعلق ہے تو مناسب ہے کہ اسی لغت کو اختیار کیا جائے جو پہلے عربوں کے استعمال میں تھی۔ یعنی جو عرب نزولِ قرآن کے زمانے میں یا اس سے پہلے تھے اور ان کا کلام اشعار، خطبات یا محاورات کی شکل میں کتابوں میں محفوظ ہو چکا ہے، اس کے مطابق آیات کا معنی لیا جائے۔ ولیکن الاعتماد الکلی علی آثار الصحابة والتابعین تاہم مکمل اعتماد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام پر ہونا چاہیے کہ وہ ان آیات کا کیا مفہوم لیتے تھے۔ اس کی تفصیل اگلے باب میں آ رہی ہے، اسی کو مقدم رکھا جائے، ورنہ جو معنی اہلِ لغت بیان کرتے ہیں وہ تو ایک ایک لفظ کے ساٹھ ساٹھ معانی نکالتے ہیں، ان کے پیچھے چلنا تو بہت محال ہے لہٰذا اصل مدار اولین عربوں پر ہونا چاہیے جنہوں نے براہِ راست حضور علیہ السلام سے سیکھا یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک واسطہ سے تعلیم حاصل کی۔

نحوی اعتبار سے قرآن میں خلل :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ وقد وقع فی نحو القرآن خلل عجیب اور نحو کے اعتبار سے قرآن میں ایک عجیب خلل واقع ہوا ہے۔ وذلك ان جماعة منهم اختاروا مذهب سیبویه اور یہ اس وجہ سے ہوا کہ اہلِ نحو میں سے ایک گروہ نے سیبویہ کا مسلک اختیار کر لیا ہے۔ وما لم یوافقه فهم یؤولونه اور جو چیز ان کے مسلک کے موافق نہیں ہوتی، اس کی تاویل کرتے ہیں وان کان تاویلاً بعیداً اگرچہ وہ تاویل بعید ہی کیوں نہ ہو۔ فرماتے ہیں، وهذا عندی غیر

صحیح کہ میرے نزدیک یہ طریہ صحیح نہیں ہے۔ فینبغی اتباع الاقوی وما کان اوفق للسیاق والسباق لہٰذا مناسب یہ ہے قوی بات کو اختیار کیا جائے اور اس بات کو اختیار کیا جائے جو عبارت کے سیاق وسباق کے مطابق ہو سواء کان مذهب سیبویه او مذهب الفراء قطع نظر اس کے کہ وہ سیبویہ کا مسلک ہے یا فراء کا، ہر صورت میں زیادہ قوی اور سیاق وسباق کے ساتھ موافقت رکھنے والی بات کو اختیار کرنا چاہیے۔

نحویوں کی جماعت کا ذکر آیا ہے تو یہ بھی سن لیں کہ اس دور میں سیبویہ، خلیل، سبا اور کسائی وغیرہ بڑے بڑے نحوی لوگ تھے، علمِ نحو میں سب سے زیادہ حصہ سیبویہ کا ہے۔ اس نے علمِ نحو پر بڑی عظیم کتاب لکھی ہے کہ اس سے پہلے یا بعد میں اتنی عظیم کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ اس نے جگہ جگہ گھوم پھر کر نحو کے وہ تمام اصول جمع کیے جو تابعین اور تبع تابعین اپنی زبان میں استعمال کرتے تھے اور پھر ان کو اپنی کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ یہ شخص شیراز کا رہنے والا تھا جو بعد میں بصرہ میں آ کر آباد ہو گیا، وہاں اس نے علم عروض کے موجد خلیل ابن احمد سے نحو کا علم سیکھا اور ایسا سیکھا کہ استاد سے بھی بڑھ گیا، اور علمِ نحو میں کتاب سیبویہ تصنیف کی۔ پھر یہ شخص بغداد چلا گیا اور وہاں کے بڑے امام کسائی رحمۃ اللہ علیہ سے مناظرہ کر کے اس سے بازی لے گیا۔ اس پر بادشاہ نے دس ہزار انعام دیا۔ پھر یہ شخص اہواز (خراسان) چلا گیا اور وہیں ۱۸۰ھ میں وفات پائی۔ اس کی زبان میں قدرے لکنت تھی مگر اپنے فن کا ماہر تھا، کتاب اتنی زبردست ہے کہ آدمی لازماً اس کے نظریات کا قائل ہو جاتا ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیاتِ قرآنی کا وہی معنی اخذ کرنا چاہیے جو زیادہ قوی اور عبارت کے سیاق وسباق کے موافق ہو، خواہ وہ سیبویہ کا مسلک ہو یا فراء کا۔ فراء بھی نحو، لغت اور فنونِ ادب کا امام ہوا ہے۔ اس کا پورا نام عبداللہ ابن منظور اسلمی تھا جو دیلم کا رہنے والا تھا، کوفے میں پیدا ہوا، پوستینوں کا کام کرتا تھا۔ یہ شخص نحو کا امیر المؤمنین کہلاتا تھا۔ امام ثعلب کا قول ہے کہ اگر فراء نہ ہوتا تو لغت کو ترقی ہی نہ ہوتی۔ پھر یہ شخص بغداد چلا گیا اور وہاں اس کا تعلق خلیفہ مامون کے ساتھ ہو گیا اور اکثر اسی کے ساتھ رہتا تھا۔ طب اور نجوم کا عالم بھی تھا تاہم کچھ معتزلہ کے خیالات سے بھی متاثر تھا۔

عرب محاورات کالحاظ :

بہرحال شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ متشابہات کا ٹھیک ٹھیک مفہوم الفاظ کے ظاہری معانی کے مطابق ہی اخذ کرنا چاہیے اور اس ضمن میں کسی خاص مسلک یا نحویوں کے کسی گروہ کے پیچھے نہیں لگنا چاہیے بلکہ عبارت کا معنی اولین عربوں کے محاورات اور سیاق وسباق کو پیش نظر رکھ کر کرنا چاہیے۔ وقد قال عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فی مثل :(والمقیمین الصلاۃ والمؤتون الزکاۃ) جیسا کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا ہے (یعنی قائم کرنے والے نماز اور ادا کرنے والے زکوٰۃ) اب دیکھیں مقیمین کا لفظ بظاہر جری یا مفعولی حالت پر دلالت کرتا ہے حالانکہ اس کا معنی فاعلی حالت کا ہے یعنی نماز قائم کرنے والے، کسی نے جامع قرآن حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا، حضرت مؤتون الزکاۃ کی فاعلی حالت تو ٹھیک ہے مگر مقیمین کی مفعولی حالت ہماری سمجھ سے بالاتر ہے حالانکہ معنی اس کا بھی فاعلی ہی ہے۔ اس شخص کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، ستقیمھا العرب بالسنتھا بھائی! تم گھبراؤ نہیں عرب لوگ اس کو خود اپنی زبانوں میں ٹھیک کرلیں گے۔ اس شخص کا اعتراض یہ تھا کہ یہ لفظ علمِ نحو کے قانون کے خلاف استعمال ہوا ہے۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ عربوں کے محاورے کے عین مطابق ہے۔ عرب محاورہ میں بعض اوقات فاعل کی بجائے مفعول کا صیغہ بھی استعمال ہوجاتا ہے اور وہی محاورہ قرآن میں بھی استعمال ہوا ہے، تاہم معنی فاعلی حالت والا ہی ہے یعنی نماز قائم کرنے والے اور زکوٰۃ دینے والے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وتحقیق ھٰذہ الکلمۃ عند الفقیر کہ اس ناچیز کے نزدیک یہ بات پایۂ تحقیق تک پہنچ چکی ہے ان مخالفۃ المحاورۃ المشھورۃ ایضًا محاورۃ کہ کسی مشہور محاورہ کے برخلاف محاورہ بھی محاورہ ہی ہوتا ہے۔ عربوں کی زبان پر دوران خطبہ اگر کوئی محاورہ عام محاورہ کے خلاف استعمال ہوا ہے۔ وکثیرًا ما یتفق للعرب الاول ان یجری علی السنتھم فی اثناء الخطبۃ والمحاورات مایخالف القاعدۃ المشھورۃ اور اکثر ایسا اتفاق ہوا ہے کہ اولین عربوں کی زبان پر ان کے خطبات یا محاوروں کے درمیان عام مشہور قاعدہ کی خلاف

ورزی ہوئی ہے۔ وحیث نزل القرآن بلغة العرب الاول فلا عجب ان تقع الیآء احیاناً فی موضع الواو، او یرد المفرد فی مقام التثنیة، او المؤنث فی مقام المذکر اور چونکہ قرآنِ کریم بھی پہلے عربوں کی لغت میں نازل ہوا تھا اس لئے کچھ عجب نہیں کہ واؤ کی جگہ ی یا تثنیہ کی جگہ واحد کا صیغہ یا مذکر کی جگہ مؤنث کا صیغہ استعمال ہوا ہو۔ فالمحقق ان یفسر :(والمقیمین الصلاة) بمعنی المرفوع ، والله اعلم لہٰذا تحقیق شدہ بات یہی ہے کہ آیت والمقیمین الصلاة میں تفسیر مرفوع کے لحاظ سے بطور فاعلی حالت کے ہی جائے یعنی نماز قائم کرنے والے۔

تفسیر میں علم معانی اور بیان کا حصہ :

واما المعانی والبیان فھو علم حادث بعد انقراض الصحابة والتابعین اور جہاں تک علم معانی اور بیان کا تعلق ہے تو یہ علم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے دور کے بعد نیا علم ایجاد ہوا ہے کلام کے فصیح و بلیغ کے بھی کچھ شرائط ہیں اور کوئی کلام فصیح و بلیغ اسی صورت میں شمار ہوگا کہ وہ مقتضائے حال کے مطابق ہو جیسا کہ آپ تلخیص میں پڑھتے ہیں۔ فما یفھم منه فی عرف جمھور العرب فھو علی الرأس والعین لہٰذا اس کلام میں سے جو بات جمہور عربوں کے عرف کے مطابق ہو وہ سر آنکھوں پر۔ وما کان من امر خفیٍ لایدرکه الا المتعمقون من اھل الفن فلا نسلم ان یکون مطلوباً فی القرآن اور جو کوئی مخفی بات ہو جس کو گہرائی میں اترنے والے اہلِ فن لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں تو ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ وہ قرآن کا مطلوب ہو۔ وہ بعد کے پیدا شدہ لطائف ہیں اور ان سے مدد تو لی جا سکتی ہے مگر ان پر کلی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اس فن پر عبدالقادر جرجانی رحمہ اللہ اور دوسروں نے اعجاز البلاغت اور اسرار البلاغت کے نام سے کتابیں لکھی ہیں جو بہت مشکل ہیں۔ اس موضوع پر ابن رشید نے بھی بہت عمدہ کتاب لکھی ہے جو کہ مغرب کا رہنے والا تھا۔ تفتازانی رحمہ اللہ نے بھی مطول اور مختصر معانی نامی کتابیں لکھی ہیں۔ غرضیکہ یہ سارے فنون عجمی لوگوں کو سمجھانے کے لئے بعد میں ضرورت کے تحت ایجاد ہوئے، عربوں کو ان فنون کی ضرورت نہیں تھی۔ عرب لوگ قرآن پاک کے علوم کو براہِ راست سمجھتے تھے اور استنباطِ مسائل بھی کرتے تھے، ان کا علم منطقیوں، علم معانی، علم فقہ والوں سے بہت زیادہ تھا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان

میں تکلف نہیں تھا مگر وہ بڑے گہرے لوگ تھے۔ لہٰذا اب کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں بڑا منطقی ہوں اور علم فصاحت و بلاغت کو کسی صحابی سے زیادہ جاننے والا ہوں، اگر کوئی ایسا دعویٰ کرتا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔ الغرض! فرمایا کہ جو چیز عربوں کے محاورے کے مطابق ہے وہ سر آنکھوں پر اور جو مخفی ہے اس کو ہم قرآن کا مطلوب نہیں مانتے۔

صوفیاء کے اشارات اور اعتبارات :

واما اشارات الصوفية واعتباراتهم فليست في الحقيقة من فن التفسير کہتے ہیں کہ جہاں تک صوفیاء کرام رحمہم اللہ کے اشارات اور ان کے اعتبارات کا تعلق ہے دراصل یہ فنِ تفسیر کا حصہ نہیں ہے۔ **وانما يظهر على قلب السالك عند استماع القرآن اشياء** کیونکہ قرآن پاک سنتے وقت سالک کے دل پر جو چیزیں ظاہر ہوتی ہیں **وتتولد له في نظم القرآن** اور اس سے سالک کے لئے نظمِ قرآن میں ایک خاص چیز پیدا ہوتی ہے۔ یہ چیز نہ صرف قرآن سننے سے بلکہ نماز پڑھنے، روزہ رکھنے یا ذکر واذکار کرنے سے بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ آپ علم اصول میں دلالۃ النص، عبارت النص، اشارۃ النص اور اقتضاء النص پڑھتے ہیں۔ تو صوفیائے کرام قرآن سننے پر بعض آیات سے بعض اشارات سمجھتے ہیں جو اصل میں تفسیر نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاص طور پر عطا کردہ چیزیں ہوتی ہیں۔ چنانچہ ابن عربی وغیرہ کی تفسیر الرحمٰن میں اشارات ہی ہیں۔ یہ وہ باریک باتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات صفات یا کسی دوسری چیز کے بارے میں متعلقہ آیت سے صوفیاء بطور اشارہ سمجھتے ہیں۔ جب ایسی کوئی بات ان کے ذہن میں آتی ہے تو تفسیر کرتے وقت وہ اس بات کو بھی لکھ دیتے ہیں حالانکہ وہ تفسیر نہیں ہوتی۔ **ومثل ما يتصف به السالك من حالة او معرفة حصلت له كمثل من سمع من العشاق قصة ليلى والمجنون** فرماتے ہیں کہ قرآن سنتے وقت ایک سالک جس قسم کی حالت یا معرفت سے متصف ہوتا ہے، اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی آدمی کسی عاشق کی زبان سے لیلیٰ ومجنوں کا قصہ سنے **فتذكر معشوقة له** تو اسے اپنی محبوبہ کا حال یاد آ جائے۔ **فيستحضر ما كان من المعاملة بينه و بين محبوبه** اور اس کے ذہن میں اپنی محبوبہ اور اپنے درمیان ہونے والے معاملات یا میل ملاپ وغیرہ کی وارداتیں آنے لگیں، اور وہ ان کو بیان کرنا شروع کر دے حالانکہ

لیلیٰ مجنون کے واقعہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ فن تفسیر نہیں بلکہ فن اعتبار کہلاتا ہے جس کے ذریعے سامع کو اپنے اور اپنے محبوب کے درمیان ہونے والا معاملہ یاد آجائے۔

فن اعتبار بطور سنت نبوی :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **وھهنا فائدة مهمة ينبغي الاطلاع عليها** کہ اسی موقع پر ایک اہم فائدہ بھی ہے، مناسب ہے کہ اس کو بھی جان لیا جائے۔ **وهي :** اور وہ یہ ہے **ان حضرة صلى الله عليه وسلم جعل فن الاعتبار معتبراً** کہ حضور نبی کریم ﷺ نے بھی فن اعتبار کو معتبر قرار دیا ہے۔ **وسلك ذلك الطريق لتكون ستة لعلماء الامة** اور آپ اس طریقہ پر بھی چلے ہیں تا کہ یہ طریقہ بھی علماءِ امت کے لئے سنت بن جائے۔ آپ نے اس طریقہ کو اپنے کلام مبارک میں کئی سورتوں میں ظاہر کیا ہے۔ **ويكون ذلك فتحًا لباب ما وهب لهم من العلوم** تا کہ علماء کو عطا ہونے والے وہبی علوم کا دروازہ بھی کھل جائے۔

ایک علم تو آپ کتابی علوم صرف، نحو، منطق، فقہ وغیرہ کے ذریعے پڑھتے ہیں اور ایک علم وہ ہے جو منجانب اللہ القاء ہوتا ہے۔ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ جیسے لوگ وہبی علوم کے حاملین تھے۔ اللہ نے ان کو ایسے بہت سے علوم عطا فرمائے تھے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا عبدالرشید گنگوہی وغیرہم رحمہم اللہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے حالانکہ آپ نے یہ علوم پڑھے ہی نہیں تھے۔ کسی نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ آپ حضرت مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کیوں جاتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ ظاہری علم تو ہم ہی زیادہ جانتے ہیں مگر حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہم دل کی حرارت حاصل کرنے کے لئے جاتے ہیں۔ اسی طرح کی مثال شیبان راعی کی بھی ہے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ان کے پاس جا کر بیٹھتے تھے لوگوں نے کہا، حضرت یہ تو بکریوں کا چرواہا ہے، آپ اس کے پاس کیوں جاتے ہیں، تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ بھائی، علم میں تو میں اس سے زیادہ ہوں مگر معرفت الٰہی یہ مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔

بہر حال شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فن اعتبار کو آنحضرت ﷺ نے بھی معتبر قرار دیا ہے، اور خود اس طریقہ پر چل کر علماءِ امت کے لئے بھی وہبی علوم کی حقیقت کا دروازہ کھول دیا ہے

کآیۃ مثلاً یہ آیت کریمہ ملاحظہ فرمائیں (فاما من اعطی واتقی) (اللیل : ۵) پس بہرحال جس نے مال خرچ کیا اور تقویٰ اختیار کیا۔ قرأھا فی مسئلۃ القدر بالتمثیل مثلاً آیت مذکورہ تقدیر کے مسئلہ میں پڑھی جاتی ہے حالانکہ بظاہر اس کا تقدیر کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے مگر آپ فن اشارہ یا فن اعتبار کی رو سے بات سمجھانا چاہتے ہیں۔ فرماتے ہیں وان کان منطوق الآیۃ ان من عمل ھذہ الاعمال نھدیہ الی طریق الجنۃ والنعیم کہ اس آیت کریمہ کا منطوق تو یہ ہے کہ جو شخص مذکورہ اعمال یعنی خرچ کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے والا راستہ اختیار کرے گا ہم اس کی جنت اور نعمتوں کی طرف راہنمائی کریں گے۔ ومن عمل بضدھا نفتح لہ طریق النار والتعذیب اور جو کوئی اس کے برخلاف اعمال انجام دے گا، ہم اس کے لئے دوزخ اور عذاب کا راستہ کھول دیں گے۔ ولکن یمکن ان یعلم بطریق الاعتبار ان کل واحد خلق لحالۃ تجری علیہ تلک الحالۃ من حیث یدری اولا یدری لیکن ممکن ہے کہ اعتبار کے طریقہ پر جان لیا جائے کہ ہر شخص ایک حالت پر پیدا کیا گیا ہے، یہ حالت اس پر جاری ہوتی ہے خواہ وہ اس کو جان سکے یا نہ جان سکے۔ فبھٰذا الاعتبار وقع لھذہ الآیۃ ارتباط بمسئلۃ القدر چنانچہ اس اعتبار سے اس آیت کا ربط مسئلہ تقدیر کے ساتھ ہوا ہے۔

وکذلک آیۃ: (ونفس وما سواھا) (الشمس : ۷) اسی طریقے سے یہ آیت بھی ہے، اور قسم ہے جان کی اور جس نے اس کو ٹھیک بنایا ہے۔ فمنطوقھا انہ اطلع علی البر والاثم اس کا منطوق تو یہ ہے کہ ہر شخص نیکی اور بدی پر مطلع ہو چکا ہے۔ ولکن بین خلق الصورۃ العلمیۃ بالبر والاثم وخلق البر والاثم اجمالاً فی وقت نفخ الروح لیکن اجمالی طور پر نیکی اور بدی کی صورت علمیہ پیدا کرنے کو نفخ روح کے ساتھ مشابہت ہے۔ فیمکن الاستشھاد بھٰذہ الآیۃ فی ھٰذہ المسئلۃ بالاعتبار لہٰذا ممکن ہے کہ مسئلہ تقدیر میں فن اعتبار کے ذریعے اس آیت کو بھی مناسبت ہو۔ بہرحال یہ آیات آپ نے مسئلہ تقدیر کے سلسلہ میں پڑھیں۔ اگرچہ بظاہر ان آیات کو مسئلہ تقدیر کے ساتھ کوئی مناسبت نظر نہیں آتی مگر فن اعتبار کی رو سے یہ آیات مسئلہ تقدیر کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں۔ واللہ اعلم شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حقیقت حال کو تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر

جانتا ہے۔

فصل

غریب القرآن الذی ذکر فی الحدیث بمزید الاهتمام، وخصص ببیان ...... الٰی ...... ویقرأ تلك الآیة والاسم علی طریقة من طرق مقررة عند اهل هٰذا الفن۔

(ص۶۰ تا ص۶۲)۔

غرائب القرآن کی نشاندہی :

اس فصل میں قرآن پاک میں آمدہ نادر، اوپرے یا مشکل الفاظ وکلمات کا تذکرہ ہے۔اس ضمن میں اس کتاب کے باب دوم کی فصل اول میں قرآن مجید کے نادرہ الفاظ کی شرح کا مختصر بیان ہو چکا ہے اور اسکے بعد بھی حسب ضرورت غرائب القرآن کا تذکرہ ہوتا رہا ہے۔غریب لفظ کا استعمال عام طور پر نہیں ہوتا بلکہ اس کا استعمال قرآن پاک میں شاذ ونادر ہی ہوا ہے تاہم فی الجملہ اہل زبان ایسے الفاظ کو جانتے ہیں۔اس موضوع پر لغت اور ادبیات کی بڑی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ بڑے بڑے اماموں نے بھی اس موضوع پر کام کیا ہے اور نادر الفاظ کے معانی ومفہوم عربوں کے کلام اور ان کے محاورات سے نکالے ہیں۔امام سیبویہ اگرچہ نحو کے امام تھے مگر انہوں نے بھی قدیم عربوں کے کلام، محاورات اور خطبات سے غرایب القرآن کے معانی متعین کئے ہیں۔جس طرح قرآن پاک کے مشکل الفاظ کی غریب القرآن کے نام سے تشریح کی گئی ہے، اسی طرح حدیث کے مشکل الفاظ کی تشریح بھی غرائب الحدیث کے نام سے کتابیں لکھ کر کی گئی ہے۔ بہرحال اس فصل میں مصنف کتاب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کے علوم پنجگانہ میں سے ہر علم کے تحت آنے والے مشکل الفاظ کی نشاندہی کی ہے۔

غریب القرآن کا حدیث میں تذکرہ :

کہتے ہیں **غریب القرآن الذی ذکر فی الحدیث بمزید اهتمام ، وخصص**

ببیان الفصل انواع غریب القرآن جس کا ذکر حدیث پاک میں بڑے اہتمام کے ساتھ کیا گیا ہے اور جس کی تفصیل خصوصیت کے ساتھ بیان کی گئی ہے، وہ کئی اقسام پر مشتمل ہے۔

آیات تذکیر بآلاء اللہ میں غریب القرآن :

فالغریب فی فن التذکیر بآلاء اللہ ھی آیة جامعة لجملة عظیمة من صفات الحق عزوجل فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے علوم خمسہ میں سے علم تذکیر بآلاء اللہ میں وہ آیت شمار ہوتی ہے جس میں اللہ رب العزت کی صفات کاملہ کا تذکرہ ہو۔ مثل آیة الکرسی اس کی مثال آیت الکرسی ہے جو کہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۵۵ ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اس آیت کریمہ کو قرآن کی سب سے بڑی آیت قرار دیا ہے۔ اگرچہ الفاظ کے لحاظ سے تو یہ سب سے بڑی آیت نہیں ہے مگر مطلب اور مفہوم کے لحاظ سے ضرور بڑی ہے کیونکہ اس میں خدا تعالیٰ کی وحدانیت کے دلائل اور اس کی صفاتِ کمال کا بیان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت کو تذکیر بآلاء اللہ کے تحت غریب القرآن کہا گیا ہے۔

وسورة الاخلاص اس عنوان کے تحت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے سورۃ الاخلاص (قل ھو اللہ احد .... القرآن) کو بھی غریب القرآن میں شمار کیا ہے۔ اس سورۃ میں خدا تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ کا بیان ہے یعنی وہ وحدہٗ لاشریک ہے، بے نیاز ہے اور اولاد اور ماں باپ سے پاک ہے اور کوئی بھی اس کا ہمسر نہیں ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کو پورے قرآن پاک کا ایک تہائی حصہ قرار دیا گیا ہے اور یہ قرآن پاک کا لب لباب ہے۔

واخر سورة الحشر تذکیر بآلاء اللہ میں سورۃ حشر کی آخری آیات کو بھی غریب القرآن میں شمار کیا گیا ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی خاص صفات کا ذکر ہے لہٰذا حدیث میں ان کی فضیلت بھی بہت آئی ہے۔ ھو اللہ الذی ...... القرآن۔

واول سورة المؤمن اسی طرح سورۃ المؤمن کی ابتدائی آیات بھی غرائب القرآن میں داخل ہیں۔ حٰم ○ تنزیل الکتٰب من اللہ العزیز العلیم ○ غافر الذنب وقابل التوب شدید العقاب ذی الطول لا الٰہ الا ھو الیہ المصیر ○ ان آیات میں بھی اللہ تعالیٰ کی

وحدانیت اور اس کی صفاتِ کاملہ کا بیان ہے۔

آیاتِ تذکیر بایام اللہ میں غریب القرآن :

والغریب فی فن التذکیر بایام اللہ هی آیة یبین فیها قصة قلیلة الذکر، او قصة معلومة یجاء فیها بمزید تفصیل، او قصة عظیمة الفائدة تکون محل الاعتبارات الکثیرة۔ اور آیات بایام اللہ کے فن میں غریب القرآن وہ آیت شمار ہوتی ہے جس میں کسی واقعہ کو بہت کم بیان کیا گیا ہو، یعنی اس واقعہ کا تذکرہ عام نہ ہو، یا کسی ایسے واقعہ سے متعلق ہو۔ جو عام طور پر معلوم ہو مگر اس کی تفصیلات کا ذکر کرنا مقصود ہو۔ یا اس زمرہ میں وہ آیت بھی شمار ہوتی ہے جس کے فوائد بہت زیادہ ہوں اور وہ کثیر اعتبارات کا محل بنتی ہو۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ولهذا قال النبی صلی اللہ علیه وسلم فی قصة موسی وخضر علیهما السلام :"تمنیت لو کان موسی صبر مع الخضر حتی ان ذکر اللہ تعالی من قصتهما علینا" اسی لئے حضور نبی کریم ﷺ نے موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے واقعہ کے ضمن میں فرمایا تھا، کاش کہ موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام کی معیت کے دوران آپ کی ہدایت کے مطابق صبر کا مظاہرہ کرتے اور خود سوال کرنے کی بجائے خضر علیہ السلام کی طرف سے مختلف واقعات کی وضاحت کا انتظار کرتے، تو اللہ تعالیٰ کچھ مزید واقعات سے ہمیں روشناس کرا دیتے۔

ظاہر ہے کہ سورۃ الکہف میں تو اللہ تعالیٰ نے ان دو انبیاء علیہما السلام کی رفاقت کے دورانیہ کے تین واقعات کا ہی ذکر ہے جن میں خضر علیہ السلام کا کشتی کو توڑ دینا، بچے کو قتل کرنا اور بوسیدہ دیوار کی تعمیر نو ہے۔ یہ عجیب وغریب واقعات تھے جن کی تفصیل جاننے کے لئے موسیٰ علیہ السلام بار بار خضر علیہ السلام سے سوال کرتے رہے حتی کہ مؤخر الذکر نے یہ کہہ کر علیحدگی اختیار کر لی هٰذا فراق بینی و بینك (الکهف : ۷۸) غرضیکہ موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہما السلام کے سفر کا یہ واقعہ نادر واقعہ ہے جو کہ غریب القرآن میں داخل ہے۔

آیات فن تذکیر بالموت میں غریب القرآن :

والغریب فی فن التذکیر بالموت و مابعده هی آیة تکون جامعة لاحوال

القیٰمة شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فن تذکیر موت اور مابعدہ میں غریب آیت وہ شمار ہوتی ہے جو قیامت کے حالات کے سلسلہ میں جامع ہو، یعنی اس آیت میں قیامت کے حالات کا مفصل ذکر ہو۔ ولهٰذا جاء في حديث الذي يريد كانه يرى القيمة بعينه: اسی لئے حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص قیامت کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہے "قل لهٗ : اقرأ سورة اذا الشمس كورت" اسے کہیں کہ وہ سورۃ اذا الشمس کورت کی تلاوت کیا کرے۔ اس کو قیامت کا منظر اپنی آنکھوں کے سامنے نظر آئے گا۔ بلا شبہ اس سورۃ مبارک میں قیامت کا نقشہ خوب کھینچا گیا ہے، جب سورج بے نور ہو جائے گا، اور جب ستارے ٹوٹ جائیں گے، اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے، اور جب گابھن اونٹنیاں بیکار چھوڑ دی جائیں گی، اور جب وحشی جانور اکٹھے کئے جائیں گے، اور جب سمندروں کو گرم کیا جائے گا، اور جب نفسوں کو ملایا جائے گا، اور جب زندہ درگور کی گئی بچیوں سے پوچھا جائے گا کہ انہیں کس جرم کی پاداش میں قتل کیا گیا، اور جب اعمالنامے کھول دیئے جائیں گے، اور جب آسمان کی کھال اتاری جائے گی، اور جب جہنم کو بھڑکا دیا جائے گا، اور جب جنت کو قریب کر دیا جائے گا، تو جان لے گا ہر نفس جو اس نے حاضر کیا۔

آیات فن احکام میں غریب القرآن :

والغريب في فن الاحكام هي آية تكون مشتملة على بيان حدود و تعيين وضع خاص کہتے ہیں علوم خمسہ میں سے فن احکام میں غریب القرآن وہ آیت شمار ہوتی ہے جو حدود کے بیان کو خاص وضع کے اندر متعین کرنے پر مشتمل ہو، مثل تعيين مائة جلدة في حد الزنا جیسا کہ زنا کی حد میں سو کوڑوں کی سزا کا تعین ہے۔ ارشاد خداوندی ہے، الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة (النور : ۲) زانیہ عورت اور زانی مرد ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ یہ آیت جامعہ ہے اور علم احکام میں غریب کہلاتی ہے۔ اس میں سزا کی خاص وضع اور خاص تعداد متعین کر دی گئی ہے۔ یہ تقریر اسی صورت میں لگائی جائے گی جبکہ ملزمان جرم کا خود اقرار کریں یا چار عینی گواہ واقعہ کی حقیقت کی گواہی دیں۔

علم احکام میں آیت نادرہ کی دوسری مثال وتعيين ثلاث حيض او ثلاثة اطهار في

عدة المطلقة مطلقہ عورت کی عدت کے لئے تین حیض یا تین طہر کا تعین ہے۔ یہ بھی جامع اور غریب آیت ہے۔ والمطلقٰت یتربصن بانفسھن ثلاثة قروء (البقرة : ۲۲۸) قرء کا لفظ حیض اور طہر کے لئے مشترک ہے۔ تاہم احناف اسکو حیض پر محمول کرتے ہیں جبکہ شوافع اس سے طہر مراد لیتے ہیں۔

وتعيين انصباء المواريث اور وہ آیت بھی غریب شمار ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مرنے والے کے لئے ترکہ میں سے اس کے وارثان کے حصے مقرر فرمائے ہیں۔ سورۃ النساء میں ان حصوں کا مفصل ذکر موجود ہے۔ للرجال نصيب مما ترك الولدان والاقربون ...... القرآن مردوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جسے والدین اور قرابتداروں نے چھوڑا ہے اور عورتوں کے لئے بھی ہے جسے والدین اور قرابتداروں نے چھوڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے والدین، اولاد، بیوی، خاوند اور بہن بھائی کے حصص کا تفصیل کے ساتھ ذکر کر دیا ہے۔ ایسی تمام آیات غریب القرآن میں شمار ہوتی ہیں۔

آیاتِ مخاصمہ میں غریب القرآن :

والغريب في فن المخاصمة هي آية يقع فيها سوق الجواب بنهج غريب يقطع الشبهة بابلغ وجه فن مخاصمہ یعنی گمراہ فرقوں مشرک، یہود، نصاریٰ اور منافقین کے ساتھ بحث مباحثہ کے علم میں غریب آیت وہ کہلاتی ہے جس میں مخالفین کے اعتراضات کا جواب اس طریقے سے دیا گیا ہے کہ اس کا شبہ اچھے طریقے سے دور ہو جائے۔ او يقرن بيان حال هٰذا الفريق بمثل واضح (كمثل الذى استوقد نارًا) یا ایسی آیت میں غریب شمار ہوتی ہے جس میں مخالف فریق کا حال واضح مثال کے ذریعے بیان کیا گیا ہو، جیسے سورۃ بقرہ کی آیت : ۱۷ میں منافقوں کے حال کی مثال اس طرح بیان کی گئی ہے کہ کسی شخص نے آگ جلائی، جب آگ نے اپنے گرد و پیش کو روشن کر دیا تو اللہ نے ان کی روشنی زائل کر دی اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا اور وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ منافقوں کا یہی حال ہے، کلمہ پڑھ لیتے ہیں تو انہیں تھوڑی سی روشنی نظر آتی ہے، ادھر ادھر دیکھتے ہیں تو پھر اندھیرا چھا جاتا ہے، نورِ ایمان سلب ہو جاتا ہے، کیونکہ ان کے باطن میں تو کفر ہی بھرا ہوتا ہے۔ آگ کی مثال سے یہ بات سمجھائی گئی ہے اور یہ غریب آیت ہے۔

وهكذا شناعة عبادة الاصنام اوراسی طریقے سے فن احکام میں وہ آیت بھی غریب شمار ہوتی ہے جس میں بتوں کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ والفرق بين مرتبة الخالق و المخلوق والمالك و المملوك بامثلة عجيبة اوروہ آیات بھی غریب شمار ہوتی ہیں جن میں خالق اور مخلوق، نیز مالک اور مملوک کے درمیان فرق کو عجیب وغریب مثالوں کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔ او بيان احباط اعمال اهل الريا ء و السمعة بابلغ وجه یا وہ آیت بھی نادرہ کہلاتی ہے جس میں ریاکاروں کے اعمال کے ضیاع کو اچھے طریقے سے بیان کیا گیا ہو۔

بتوں کی مذمت اور خالق ومخلوق کے درمیان فرق سے متعلق قرآن پاک میں بے شمار آیات موجود ہیں۔ مثلاً جن غیر اللہ کی پوجا کی جاتی ہے، وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ تو خود مخلوق ہیں، وہ نہ تو ان مشرکوں کی مدد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں، اور نہ وہ اپنی جانوں کی مدد کر سکتے ہیں (الاعراف : ۱۹۱، ۱۹۲) فرمایا پیدا کرنے والا، اور پیدا نہ کرنے والا ایک جیسے نہیں ہو سکتے (النحل : ۱۷) معبودانِ باطلہ سے نفع کی بجائے نقصان کا زیادہ امکان ہے۔ ایسے ساتھی اور آقا کتنے برے ہیں (الحج : ۱۲۷) مشرکین کے شرکاء ایک چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں (فاطر : ۱۳) غیر اللہ کی پرستش مکڑی کے جالے کی طرح بودی اور کمزور ہے (العنکبوت: ۴۱) جنہیں پکارا جاتا ہے وہ ایک مکھی تک پیدا نہیں کر سکتے اور نہ ہی اس کی چھینی ہوئی چیز اس سے واپس لے سکتے ہیں، طالب بھی کمزور اور مطلوب بھی (الحج : ۷۳)

کلام کی بلاغت اور عمدہ اسلوب :

وغرائب القرآن ليست بمحصورة في ابواب مذكورة فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کے نادرہ الفاظ مذکورہ ابواب تک ہی محدود نہیں ہیں۔ فاحياناً يكون غريباً من جهة بلاغة الكلام و ايناق اسلوبه بلکہ بسا اوقات غرابت قرآن کلام کی بلاغت اور اس کے عمدہ اسلوب کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ ايناق کا معنی عمدہ ہے۔ بعض لوگوں کا کلام بہت اچھا ہوتا ہے جبکہ بعض کا اناب شناب ہی ہوتا ہے۔ ان میں بڑا فرق ہے۔ مثل سورة الرحمن عمدہ کلام اور اچھے اسلوب کی مثال سورۃ الرحمٰن ہے جس میں ایک ایک دو دو باتیں بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی یاددہانی کے لئے فبای الآء ربکما تکذبٰن ○ والی آیت کو دہرایا گیا ہے یعنی تم اپنے پروردگار کی کون کون سی

نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ولھٰذا سمیت فی الحدیث بعروس القرآن اسی لئے حدیث میں سورۃ الرحمٰن کو عروس القرآن یعنی قرآن پاک کی دلہن کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ جس طرح ایک نئی نویلی دلہن کے لئے زیب وزینت کے تمام اسباب عمدہ کپڑے اچھے زیورات وغیرہ مہیا ہوتے ہیں اسی طرح اس سورۃ کو عمدہ کلام اور اچھے اسلوب کی وجہ سے عروس القرآن کہا گیا ہے۔ بعض سورتوں میں برائیوں کے ارتکاب اور ان سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے ایک ہی آیت کو بار بار دہرایا گیا ہے۔ جیسے سورۃ المرسلات میں ویل یومئذ للمکذبین ○ کی آیت دہرائی گئی ہے۔ یہ بھی بہت عمدہ اسلوبِ بیان ہے۔

سعید اور شقی کی تصویر کشی کے لحاظ سے غرابت :

واحیانًا یکون غریبًا من جهة تصویر سورة سعید و شقی اور بعض اوقات کوئی آیت کسی سعید (سعادت مند، نیک بخت) اور شقی (بدبخت) آدمی کی تصویر کشی کر کے بھی غرائب القرآن میں داخل ہو جاتی ہے۔ قرآن کی مختلف آیات میں سعید آدمی کے لئے لازوال نعمتوں اور شقی کے لئے دوزخ اور تعذیبات کا ذکر دیا جاتا ہے۔ جس آیت میں اس قسم کے حالات بیان کئے گئے ہوں وہ آیت بھی غریب کہلاتی ہے۔ وجاء فی الحدیث "لکل آیة ظهر و بطن ولکل حد مطلع" اور حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ ہر ایک آیت کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہوتا ہے۔ اور ہر حد کے لئے جھانکنے کی جگہ ہے شاہ صاحب زیادہ تفصیل میں نہیں گئے۔ تفہیم کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ عبارت کے ظاہر سے مراد اس کے الفاظ ہیں اور باطن سے مراد اس کا معنی اور مفہوم ہے۔ شیخ ابن عربی اور دوسرے صوفیاء کرام جو آیات سے اشارات یا گہری باتیں نکالتے ہیں، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس طرف نہیں جاتے بلکہ کہتے ہیں کہ الفاظ کو ظاہر پر ہی محمول کرو پہلے لفظ کو سمجھو اس کے حروف کیا ہیں، اس کا مادہ کیا ہے اور اس کا تلفظ کیا ہے تو اس کے بعد اس کا مفہوم سمجھ میں آئے گا یہی اس کا بطن ہے۔ فلیعلم ان ظهر هٰذه العلوم الخمسة شئ یکون مدلول الکلام و منطوقه پس جان لینا چاہیے کہ علوم خمسہ کا ظاہر وہ چیز ہے جو کلام کا مدلول اور منطوق ہے۔ (منطوق سے مراد بولے جانے والا لفظ اور مدلول سے مراد اس کا مطلب اور مفہوم ہے) پہلے اس کو سمجھنا چاہیے۔ (والبطن فی تذکیر آلاء الله

تفکر فی آلاء الله و مراقبة الحق اورتذکیر بآلاء اللہ میں بطن سے مراد اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں غور وفکر اور حق کا مراقبہ کرنا ہے۔ مراقبہ سے مراد یہ ہے کہ گہرائی میں پڑ کر دیکھا جائے کہ اس سے ہمیں کیا کیا چیزیں حاصل ہو رہی ہیں۔

وفی تذکیر بایام الله معرفة مناط المدح والذم والثواب والعذاب من تلك القصص وقبول النصیحة اور آیات تذکیر بایام اللہ میں بطن سے مراد مذکورہ واقعات میں سے تعریف اور مذمت، ثواب اور عذاب کے مدار کو جاننا ہے اور اس سے نصیحت حاصل کرنا ہے، لہٰذا جس آیت سے یہ باتیں ظاہر ہوں گی اس کے متعلق کہیں گے کہ یہ آیت غریب ہے۔

وفی تذکیر بالجنة والنار ظهور الخوف والرجاء اور جن آیات میں جنت اور دوزخ کے ذکر سے خوف اور امید کی کیفیت پیدا ہو۔ وجعل تلك الامور رای العین اور آیت میں ان چیزوں کی اس طرح تصویر کشی کی گئی ہو گویا کہ قاری جنت اور دوزخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے، وہ آیت بھی غرائب القرآن کا حصہ سمجھی جائے گی۔

وفی آیات الاحکام استنباط الاحکام الخفیة بالفحاوی والایماء ات اور علم الاحکام کی وہ آیات غریب شمار ہوتی ہیں جن کے باطنی احکام کا استنباط اس کے مخفی مفہوم اور اشارات کے ذریعہ کیا گیا ہو، بعض چیزیں اشارات کے ذریعہ سے واضح ہوتی ہیں۔ جیسا کہ اشارۃ النص، دلالۃ النص وغیرہ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

وفی محاجة الفرق الضالة معرفة اصل تلك القبائح والحاق مثلها بها اور گمراہ فرقوں کے ساتھ مناظرہ کے ضمن میں ان فرقوں میں پائی جانے والی اصل قباحتوں اور ان میں مزید قباحتوں کی معرفت بھی ضروری ہے۔ ومطلع الظهر معرفة لسان العرب و معرفة الآثار المتعلقة بفن التفسیر اور ظاہر کا آغاز عربوں کی زبان اور فن تفسیر سے متعلقہ دیگر آثار کی پہچان سے ہوتا ہے۔ ومطلع البطن لطف الذهن واستقامة الفهم بنور البطن وحالة السکینة اور بطن کی ابتدا ذہن کی لطافت اور فہم کی استقامت نورِ باطن کے ساتھ اور پھر ان اشیاء کے ذریعے حاصل ہونے والی تسکین کے ساتھ ہوتی ہے۔ والله اعلم اور حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

(فائدہ جلیلہ)

تاویل قصص الانبیاء :

اس مقام پر پہنچ کر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بہت بڑے فائدے کی ایک بات بھی سن لیں۔فرماتے ہیں **من العلوم الوھبیة فی علم التفسیر التی اشرنا الیھا تاویل قصص الانبیاء علیھم السلام** علم تفسیر کے سلسلے میں جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے علوم **وھبیہ** میں سے ایک علم انبیاء علیہم السلام کے واقعات کی تاویل بھی ہے۔

وہبی علم :

ایک عام علم ہے جو پڑھنے پڑھانے سے حاصل ہوتا ہے اور ایک علم وہبی یا لدنی کہلاتا ہے جو استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے یا کتابوں کی ورق گردانی سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ذہن میں کسی بات کا القاء کر کے اس کو وہ بات سمجھا دیتے ہیں۔ دنیا میں بعض ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جن کے پاس ظاہری علم بالکل نہیں تھا تاہم اگر ان سے کوئی شخص مشکل ترین بات بھی دریافت کرتا تھا تو وہ بتا دیتے تھے، ایسے بندوں کی مثال کے طور پر شیخ عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کا نام پیش کیا جا سکتا ہے جن کی کتاب بھی موجود ہے۔ آپ اگرچہ سوال کا جواب ظاہری علوم والی زبان میں نہیں دیتے تھے مگر بات کماحقہ سمجھا دیتے تھے۔ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء ہوتا تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے انبیاء علیہم السلام کی برزخی زندگی پر ''آبِ حیات'' نامی کتاب لکھی ہے۔ یہ بڑی مشکل کتاب ہے جس میں منطق و عقلیات کو بڑا دخل حاصل ہے۔ آپ نے یہ کتاب لکھ کر اپنے پیرو مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کی تو انہوں نے کتاب کو دیکھ کر اسے درست قرار دیا اور اسے شائع کرنے کا حکم دیا۔ یہ اتنی مشکل کتاب ہے کہ ہم دو دو دن میں بمشکل چار صفحات کا مطالعہ کر پاتے ہیں اور اس کے باوجود دماغ گھومنے لگتا ہے کیونکہ اس میں پیش کردہ عقلی دلائل بڑی مشکل سے سمجھ میں آتے ہیں۔ مگر حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس یہ ظاہری علم تو نہیں تھا اس کے باوجود انہوں نے کتاب کو ایک نظر دیکھ کر اس کی صداقت کی تصدیق کر دی۔ یہ آپ کے علم وہبی یا علم لدنی کا

کمال تھا جو کہ اللہ تعالیٰ کی خاص عطا ہوتی ہے۔ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۸ کے دعائیہ کلمات میں اس بات کی التجا کی گئی ہے۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر جب کہ تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے اور بخش ہمارے لئے اپنی طرف سے مہربانی، انك انت الوهاب بے شک تو ہی بخشش کرنے والا ہے۔ سورۃ الکهف میں جہاں اصحاب کہف کا واقعہ بیان ہوا ہے، وہاں ان اصحاب کی دعا کا اس طرح تذکرہ ہے۔ فقالوا ربنا اتنا من لدنك رحمة وهئ لنا من امرنا رشدًا ○ (آیت : ۱۰) کہنے لگے، اے ہمارے پروردگار! دے دے ہمیں اپنی طرف سے مہربانی اور مہیا کر دے ہمارے لئے ہمارے معاملہ میں درستگی۔

عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور بھی بہت سے بزرگ گزرے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے القاء کے ذریعے وہبی علم عطا فرمایا تھا۔ ان حضرات کے پاس روایتی علم کم اور وہبی علم زیادہ تھا۔ بہرحال شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علوم وہبیہ میں سے علم تفسیر کے سلسلے میں جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے، قصص الانبیاء بھی ہے۔ قرآن پاک میں مختلف انبیاء علیہم السلام کی اپنی اپنی قوم کو تبلیغ کے بہت سے واقعات موجود ہیں کہ وہ کس طریقے سے مسئلہ توحید، قیامت کے احوال، جزا و سزا اور حلال و حرام کے مسائل سمجھاتے تھے۔ ایک تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے اور دوسری یہ کہ ان واقعات کی ایک خاص توجیہہ ہوتی ہے جس کے بارے میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے الگ کتاب لکھی ہے جس میں ہر نبی کا منقولہ واقعہ اور ہر نبی کے اپنے اپنے علم اور اپنی اپنی استعداد کا ذکر کرتے ہیں اور پھر اس نبی کا اپنی قوم کے ساتھ اس واقعہ سے متعلق جو ارتباط اور تعلق تھا، اس کی حقیقت کو بیان کرتے ہیں۔

رسالہ موسومہ تاویل الاحادیث :

فرماتے ہیں کہ علومِ وہبیہ میں سے علم تفسیر کے سلسلے میں جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے انبیاء کے واقعات کی تاویل بھی ہے۔ وللفقير فى هٰذا الفن رسالة مسماة: "تاويل الاحاديث" اور اس فن میں اس فقیر کا ایک رسالہ تاویل الاحادیث کے نام سے موجود ہے۔ والمراد من التاويل هو ان يكون لكل قصة وقعت مبدًا من استعداد الرسول وقومه

اور تاویل سے مراد یہ ہے کہ ہر وقوعہ کا ایک مبدا ہوتا ہے جس سے رسول اور اس کی قوم کا پتہ چلتا ہے ومن التدبیر الذی اراد اللہ سبحانہ وتعالیٰ فی ذٰلک الوقت اور اللہ تعالیٰ کی اس تدبیر کا ذکر ہوتا ہے جو اس وقت میں کام کرنے والی تھی یعنی جس تدبیر کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی رسالت سے قوم کے لئے رشد و ہدایت کا سامان مہیا کیا تھا۔ وکانہ اشار الی ھٰذا المعنی فی آیۃ: (ویعلمک من تاویل الاحادیث) (یوسف : ۶) جیسا کہ اس آیت میں اس معنی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ "سکھائے گا تم کو تاویل حدیث کا علم"۔ اس آیت کا تعلق تو تاویل خواب کے ساتھ ہے مگر تاویل حدیث پر بھی یہی صادق آتا ہے یعنی نبی اور اس کی قوم کی استعداد اور اس دور میں خدا تعالیٰ کی کام کرنے والی تدبیر کا ذکر۔

علومِ خمسہ میں علم وہبیہ کا حصہ :

ومن العلوم الوھبیۃ تنقیح العلوم الخمسۃ التی ھی منطوق القرآن العظیم شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں سے علوم خمسہ کا جو انتخاب ہم نے کیا ہے یہ بھی علوم وہبیہ ہی کا ایک حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذہن میں القاء کر دیا تھا۔ دوسرے علماءِ کرام بھی اصولِ تفسیر بیان کرتے ہیں مگر اس طریقے پر نہیں جس طریقے پر اللہ تعالیٰ نے اس علم کو منظم کر کے شاہ صاحب رحمہ اللہ کے ذہن میں ڈال دیا تھا۔ علومِ خمسہ کی بات تو عوام کی سمجھ کے مطابق ہے اور اگر جملہ علوم کی بات ہو تو وہ سات علوم ہیں جو قرآن پاک میں ہیں یا وہ تمام علوم ہیں جن کی بحث اپنے مقام پر ہوگی۔ مر من ذلک الباب جملۃ فی اول الرسالۃ فراجعہ اس باب میں مفصل بیان اس رسالہ کے شروع میں گزر چکا ہے، اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

فارسی ترجمہ قرآن :

ومن العلوم الوھبیۃ ترجمتہ باللسان الفارسی علی وجہ مشابہ للعربی اور علومِ وہبیہ میں سے قرآن پاک کا فارسی زبان میں ترجمہ بھی ہے جو کہ عربی کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے فی قدر الکلام والتخصیص والتعمیم وغیرھا اثبتنا ھا فی "فتح الرحمن فی ترجمۃ

القرآن" مقدار، تخصیص اور تعمیم وغیرہ میں، جس کو ہم نے "فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن" میں ثابت کردیا ہے۔ وان کنا ترکنا ھٰذا الشرط فی بعض المواضع بسبب خوف عدم فھم الناظرین بدون تفصیل اگرچہ ہم نے بعض مواقع پر تفصیل کے بغیر ناظرین کے عدم فہم کے خوف سے وہ شرائط ترک کردی ہیں۔

یہ بہت ہی عمدہ ترجمہ ہے، گویا قرآن پاک کے الفاظ کے ساتھ بہت ہی موزوں ہے۔ اس زمانے میں بلخ سے لے کر برما تک مغلوں کی حکومت تھی جس کی سرکاری زبان فارسی تھی لہٰذا شاہ صاحب رحمہ اللہ نے قرآن کا ترجمہ فارسی زبان میں ہی کیا اور اس کے ساتھ مختصر سا حاشیہ بھی لکھا اور اصول تفسیر کی یہ کتاب بھی فارسی زبان میں تحریر کی۔ اس ترجمہ کی خاص خوبی یہ ہے کہ مختصر الفاظ میں پورا پورا مطلب ادا ہوگیا ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کو اللہ نے مجھ پر القاء کیا ہے لہٰذا تھوڑے علم والے لوگ بھی اس کو آسانی سے سمجھ سکیں گے۔ قرآن کریم کا اردو ترجمہ سب سے پہلے آپ کے فرزند شاہ عبدالقادر نے کیا یہ بھی معجزانہ ترجمہ ہے جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے، کم ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ترجمہ کے الفاظ صاحب ترجمہ کو الہام ہورہے ہیں۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ انسان کے بس کا روگ نہیں ہے بلکہ الہامی طور پر ہی ممکن ہے۔

خواص القرآن :

ومن العلوم الوھبیۃ علم خواص القرآن اور علومِ وہبیہ میں سے خواصِ قرآن کا علم بھی ہے۔ خواص قرآن سے مراد یہ ہے کہ فلاں فلاں سورۃ یا فلاں پارہ کی تلاوت کی یہ خاصیت ہے، اس کے ذریعے کوئی مفاد حاصل ہوسکتا ہے، گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہے، رزق میں توسیع، اولاد یا کوئی دوسرا فیض حاصل ہوتا ہے وقد تکلم جماعۃ فی خواص القرآن علی وجھین اور جماعت نے دو وجوہات کی بنا پر اس میں کلام کیا ہے وجہ کالدعاء و وجہ کالسحر ایک دعا کے طریقے پر اور دوسرا جادو کے طریقے پر جیسا کہ کالے علم والے جادو ٹونہ کرتے ہیں جو کہ حرام ہے۔ استغفر اللہ منہ اللہ تعالیٰ اس سے بچائے۔ ولھٰذا الفقیر فتحوا بابًا خارجًا من المنقول یہی وجہ ہے کہ خواص منقول کے علاوہ اس فقیر پر قضاء وقدر والوں نے جدید دروازہ کھولا ہے۔ اور وہ اس طریقے سے

کہ وضعوا فی حجری مرة واحدة جمیع الاسماء الحسنی والآیات العظمی والادعیة المبارکة کہ انہوں نے ایک ہی مرتبہ اللہ تعالیٰ کی آیات عظمیٰ اور تمام مبارک دعائیں میری گود میں لاکر رکھ دیں۔ وقالوا: خذ هٰذه عطیتنا فی التصریف اور کہا کہ ہماری طرف سے تصرف کے لئے یہ عطیہ لے لو، اور جس طرح چاہو ان کو استعمال میں لاؤ۔ اور دوسروں کو بھی بتلاؤ، اس سے فیض حاصل ہوگا۔ یہ سب علوم وہبیہ میں سے ہیں۔ ولکن کل آیة واسم ودعاء مشروط بشروط لا تدخل فی القاعدة مگر ان میں سے ہر آیت کریمہ، اسم پاک اور دعا ایسی شروط کے ساتھ مشروط ہے جو کسی قاعدے کے تحت نہیں آتی۔ بل قاعدتها انتظار عالم الغیب کما یکون فی حالة الاستخارة ینتظر حتی بای آیة او اسم یشار الیه من عالم الغیب اس کا ایک ہی قاعدہ ہے کہ متعلقہ آیت، دعا یا اسم کو پڑھ کر انتظار کیا جائے جیسا کہ استخارہ کرنے کے بعد اس کے نتیجے کا انتظار کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ خواب کے ذریعے کوئی بات بتلا دیتے ہیں یا دل میں کوئی ایسی بات پڑ جاتی ہے جس سے استخارہ کرنے والا اپنے استخارہ کا مطلب سمجھ جاتا ہے۔ غرضیکہ شاہ صاحب ﷫ فرماتے ہیں کہ آیت، اسم مبارک یا دعا کو پڑھ کر انتظار کیا جائے حتی کہ خواب یا کسی اور ذریعے سے عالم غیب کی طرف سے کوئی اشارہ مل جائے۔ ویقرأ تلك الآیة والاسم علی طریقة من طرق مقررة عند اهل هٰذا الفن اور یہ آیت یا اسم مبارکہ اسی طریقہ کے مطابق پڑھا جائے جو اس فن کے جاننے والوں کے ہاں مقرر ہے۔ اہلِ فن ہی جانتے ہیں کہ کوئی آیت، سورۃ، اسم یا دعا کس طریقے سے کسی وقت اور کتنی مرتبہ پڑھنی ہے اور اس کے آگے پیچھے درود شریف بھی پڑھنا ہے یا کوئی عمل کرنا ہے یا روزہ رکھنا ہے۔ یہ سب کچھ علومِ وہبیہ میں آتا ہے۔ تعویز گنڈے وغیرہ کے چکر میں لوگ غلط کام بھی کر جاتے ہیں، اس سے بچنا چاہیے اور بالکل سادہ طریقے پر اس وہبی علم سے فیض حاصل کرنا چاہیے۔ اگر پیسے لینا شروع کر دو گے تو گمراہی میں پڑ جاؤ گے اور اللہ کی طرف سے فیض آنا بند ہو جائے گا اور باقی صرف پیسہ ہی پیسہ رہ جائے گا یہ بڑا خطرناک معاملہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

(قال المستكفي بكفاية الله العبد المدعو بمحمد اعزاز العلي الامروهي :

......الى...... لكن يد كثير ممن غاص هٰذا البحر الزخار المواج لم تصل الى تنقيح هٰذا المفهوم الغامض۔ (ص۶۳ تا ص۶۴)۔

ربطِ مضمون :

گزشتہ سے پیوستہ درس میں آیاتِ قرآنیہ سے استنباط مسائل کا بیان تھا۔ مصنف کتاب شاہ صاحب رحمہ اللہ نے استنباطِ مسائل کے بعض اصول بتلائے تھے اور قرآن پاک کی تفسیر کے ضمن میں مفسرین کرام کی راہنمائی فرمائی تھی۔ پھر گزشتہ درس غرائب القرآن کے متعلق تھا۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے قرآن پاک کے مشکل الفاظ کی وضاحت مثالوں کے ساتھ بیان کی تھی۔ قرآن پاک کے علوم پنجگانہ میں سے ہر علم میں غریب قرآن کے خدوخال بیان فرمائے تھے اور ان نادرہ الفاظ کے معانی و مفہوم بیان کرنے کے لئے طریقہ کار بھی تجویز فرمایا تھا۔

اب یہ تھوڑی سی بحث وہبی یا لدنی علوم سے متعلق ہے۔ اس ضمن میں شاہ صاحب رحمہ اللہ نے خاص طور پر قرآن پاک کی بعض سورتوں کے آغاز میں آمدہ حروف مقطعات کا ذکر کیا ہے کہ ان حروف کے معانی کا تعلق بھی علم وہبی کے ساتھ ہے جو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر مصنف کتاب کو عطا فرمایا۔ چنانچہ اس ضمن میں شاہ صاحب رحمہ اللہ نے تقریب فہم کے لئے مختلف حروفِ مقطعات کے معانی اور مفہوم سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

مترجمین کتاب :

اس کتاب الفوز الکبیر کے مصنف تو امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ ہیں جنہوں نے اپنے دور میں اسے فارسی میں تصنیف کیا کیونکہ اس وقت برصغیر میں مغلوں کی حکومت تھی جن کی سرکاری زبان فارسی تھی۔ چونکہ عرب لوگ اس فارسی تصنیف سے کما حقہ مستفید نہیں ہو رہے تھے، اس لئے تیرہویں صدی میں دمشق کے ایک عالم محمد منیر دمشقی نے اس کو فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا جو کہ جامعہ الازہر کا

فارغ التحصیل تھا۔ پھر اس کتاب کا ترجمہ اردو زبان میں بھی ہوا مگر کتاب کا یہ حصہ یعنی حروف مقطعات کا یہ چھوٹا سا باب فارسی سے عربی یا اردو زبان میں ترجمہ ہونے سے رہ گیا۔ پھر دارالعلوم دیوبند کے شیخ الفقہ والادب حضرت مولانا محمد اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ انہوں نے اس مختصر باب کو بھی فارسی سے عربی میں منتقل کر کے اس کتاب کے ساتھ شامل کر دیا۔ چنانچہ اس باب کا مقدمہ خود مولانا محمد اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ کا تحریر کردہ ہے۔

تعارف مترجم باب حروف مقطعات :

جیسا کہ میں نے عرض کیا، اس باب کے مترجم حضرت مولانا محمد اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو کہ دارالعلوم دیوبند میں شیخ الادب والفقہ کہلاتے تھے۔ ہم نے بھی آپ سے شمائل ترمذی اور ابوداؤد شریف پڑھی تھی۔ آپ ادبیات کے بھی ماہر تھے۔ صرف، نحو اور فقہ میں بڑی مہارت رکھتے تھے، سارا ہدایہ طلباء کو پڑھاتے تھے، حدیث بھی پڑھاتے تھے۔ آپ فقیہہ اور مفتی بھی تھے۔ بہت سی کتابوں کے حاشیے بھی لکھے۔ ان کا شمار بڑے علماء میں ہوتا تھا، آپ کمبوہ خاندان کے فرد تھے، بڑے محنتی، جفاکش اور بزرگ آدمی تھے۔ آپ امروہا کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم شاہجہانپور میں حاصل کی، پھر دیوبند میں آ کر تعلیم مکمل کی اور پھر وہیں پڑھاتے رہے۔ کچھ عرصہ کے لئے آپ کو حیدرآباد دکن میں بطور مفتی بھیجا گیا۔ وہاں کچھ عرصہ کام کیا اور پھر واپس دارالعلوم دیوبند آ گئے اور عمر بھر وہیں تعلیم دیتے رہے۔ آپ نے چھیالیس سال تک دارالعلوم دیوبند کی بطور استاذ خدمت کی۔ آپ ناظم تعلیمات بھی رہے۔

مقدمہ از مترجم :

حروف مقطعات کے باب کے ترجمہ سے پہلے خود مترجم مولانا محمد اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمہ سے متعلق مختصر مقدمہ تحریر کیا ہے جسے کتاب کے شائع کنندگان نے قوسین میں درج کر دیا ہے۔ کہتے ہیں **قال المستكفي بكفاية الله العبد المدعو بمحمد اعزاز العلي الامروهي** کہا کفایت طلب کرنے والے بندے نے اللہ کی کفایت سے .... جس کو محمد

اعزاز علی امروہی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ گویا اس تحریر کے تحریر کنندہ مولانا محمد اعزاز علی امروہی کہتے ہیں لما کانت الرسالة المسماة: ب "الفوز الكبير" کہ جب رسالہ الموسوم بہ الفوز الکبیر مکمل ہوگیا للمحدث الدهلوی قدس الله سره جو کہ محدث دہلوی یعنی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی تصنیف ہے، اللہ تعالیٰ ان کے راز یعنی دل کی کیفیت کو پاک ٹھہرائے۔ ظاہر ہے کہ ان کے دل میں اللہ کی محبت، اخلاص، ایمان اور معرفت ہوں گی، جن کی پاکیزگی کے لئے دعا کی گئی ہے۔

کہتے ہیں کہ رسالہ "الفوز الکبیر" امام ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کا رسالہ تھا نادرة لم يسمح الزمان بمثلها یہ ایسا نادر رسالہ ہے کہ پورے زمانے میں کسی نے اس قدر مختصر مگر مفید رسالہ اس فن میں تصنیف نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ اگر اس مختصر رسالہ کو محنت کر کے اخذ کر لیا جائے تو قرآنِ پاک کے متعلق بہت سی مفید باتیں ذہن میں آ جاتی ہیں۔

لم يسمح الزمان بمثلها کا لفظی معنی یہ ہے کہ زمانے میں اس جیسی کسی نے فیاضی نہیں کی۔ فنِ اصولِ تفسیر میں بڑی ضخیم کتابیں بھی لکھی گئی ہیں مگر یہ مختصر سا رسالہ واقعی نادر ہے کہ اس جیسا مختصر مگر مفید ترین رسالہ آج تک تصنیف نہیں ہوا۔ اس میں اصول تفسیر کے بہت سے اصول سمجھا دئے گئے ہیں کہتے ہیں، ترجمها بعض العلماء بالعربية وبعضهم بالهندية کہ اس رسالہ کا ترجمہ بعض علماء نے عربی زبان میں اور بعض نے ہندی یعنی اردو میں کیا۔ والعجب كل العجب ان مبحث المقطعات القرآنية ترك في كل من الترجمتين مگر ان لوگوں پر تعجب ہے کہ اس رسالہ کے مقطعات قرآن کے مباحث کو ہر ایک نے چھوڑ دیا، اور کسی مترجم نے بھی اس کا عربی یا اردو ترجمہ کرنا گوارا نہ کیا حالانکہ فارسی میں تو اصل کتاب کی حیثیت سے مقطعاتِ قرآن والا حصہ موجود ہی تھا۔

مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ کہتے ہیں ليكون مفيدًا للعلماء ومفيضًا على الكملاء پس میں نے ارادہ کیا کہ اس متروکہ حصے کو اس روشن رسالہ کے آخر میں جوڑ دوں تاکہ یہ باب بھی علماء کے لئے مفید اور کامل حضرات کے لئے فیض بخشنے والا بن جائے۔ وما اردت الا احياء ما كاد يموت میرا مقصد اس چیز کو زندہ رکھنا تھا جو قریب تھی کہ مر جاتی وايقاء ما خيف عليه ان يفوت اور اس چیز کو باقی رکھنا مطلوب تھا جس کے متعلق خطرہ تھا کہ وہ فوت ہو جائے گی یعنی ہاتھ سے نکل جائے گی۔

واللہ ولی امرہ وھو العزیز الرحیم اللہ تعالیٰ ہی اپنے معاملے کا مالک ہے، اور وہ غالب اور رحم کرنے والا ہے۔

مولانا محمد اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حصہ رسالہ کا ترجمہ کر کے بہت اچھا کام کیا ہے۔ شاید دیگر مترجمین نے اس کو مشکل سمجھ کر ہی اس کا عربی یا اردو ترجمہ نہیں کیا۔ بعض دوسری کتابوں کی مشکل باتیں بھی بعض اوقات چھوڑ دی جاتی ہیں اور یہاں بھی ایسا ہوا ہے۔ یہ ڈیڑھ صفحہ کا ترجمہ ہمارے شیخ صاحب نے کیا ہے۔ اس کے بعد پھر اگلا پانچواں باب خود شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مصنف کتاب ہٰذا کا ہے جس میں غرائب القرآن کے معانی سمجھائے گئے ہیں۔

(فصل)

حروف مقطعات :

حروف مقطعات قرآنیہ کی تفصیل اور ان کے مختصر معانی بیان کرنے سے قبل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود تمہید بیان کی ہے۔ حروفِ مقطعات سے مراد وہ اکیلے اکیلے چند حروف ہیں جو قرآن پاک کی انتیس سورتوں کی ابتداء میں آتے ہیں۔ مختلف سورتوں کے آغاز میں آنے والے ان حروف کی تعداد ایک سے لے کر پانچ تک آتی ہے جیسے صٓ، طٰہٰ، الٓمٓ، الٓمٓرٰ، کٓھٰیٰعٓصٓ وغیرہ یہ حروف نہ تو آپس میں جڑے ہوئے ہیں اور نہ ہی ان کا کوئی عام فہم معنی بنتا ہے، لہٰذا تلاوتِ قرآن کے دوران ان حروف کو اسی طرح الگ الگ ہی پڑھا جاتا ہے۔

محکم اور متشابہ آیات :

اصل بات یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی آیات مبارکہ کے دو حصے ہیں جن کا ذکر سورۃ آلِ عمران کے آغاز میں کر دیا گیا ہے۔ **ھو الذی انزل علیک الکتٰب منہ اٰیٰت محکمات ھن ام الکتاب واخر متشابھات** اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری ہے۔ اس میں بعض آیتیں محکم ہیں جو کہ کتاب کی اصل ہیں، اور دوسری متشابہ ہیں۔ قرآن کا اکثر و بیشتر حصہ محکم آیات پر مشتمل ہے جبکہ کچھ حصہ متشابہات کا بھی ہے مگر محکمات سے کم ہے۔

محکم سے مراد وہ آیات ہیں جن کا لفظ، اصل معنی اور جو قانونی بات سمجھائی گئی ہے، وہ معلوم ہو۔ البتہ متشابہات وہ آیات شمار ہوتی ہیں کہ جن کے الفاظ تو معلوم ہیں اور ان کا معنی بھی کسی حد تک معلوم ہے مگر ان کا مطلب غامض ہے اور ٹھیک ٹھیک ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ مثلاً الرحمن علی العرش استوی ○ (طٰہٰ : ۵) رحمان عرش پر مستوی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عرش پر استویٰ کی کیفیت ہماری سمجھ میں نہیں آسکتی ہم تو بیٹھنے کی کیفیت کو زیادہ سے زیادہ اسی طرح سمجھتے ہیں جیسے ہم خود فرش پر، چارپائی، کرسی یا صوفہ وغیرہ پر بیٹھتے ہیں۔ مگر ہمارے بیٹھنے کو اللہ تعالیٰ کے استویٰ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مادی جسم بیٹھنے کے لئے جہت یعنی اوپر نیچے، دائیں، بائیں کا متقاضی ہوتا ہے۔ کوئی جسم ہے جو کسی جگہ پر بیٹھتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ تو مادہ، جسم اور جہت سے پاک ہے لہٰذا اس کا استوی علی العرش ہم اپنے بیٹھنے پر قیاس نہیں کر سکتے۔ اگر ایسا تصور کریں گے تو یہ کفر والی بات ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے استویٰ علی العرش کا مطلب سمجھنا بڑا مشکل ہے۔

اسی طرح اللہ کے ہاتھ، پنڈلی اور قدم کا ذکر بھی قرآن میں موجود ہے مگر یہ الفاظ معلوم ہیں، ان کا معنی بھی معلوم ہے مگر مطلب ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ کے ان اعضاء کی کیفیت کیسی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان الفاظ کے مفہوم متعین کرنے میں کئی الگ الگ فرقے بن گئے ہیں۔ **مجسمہ فرقہ** اس وجہ سے گمراہ ہوا کہ ان کے زعم کے مطابق اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح عرش پر بیٹھتا ہے جس طرح ہم لوگ کسی چیز پر بیٹھتے ہیں۔ علم کلام یا شرح عقائد والے جب رویت الٰہی کا مسئلہ بیان کرتے ہیں تو وہاں یہی بات سمجھائی جاتی ہے کہ قیامت والے دن رویت الٰہی اس طرح نہیں ہوگی جس طرح ہم ایک دوسرے کو اس مادی دنیا میں دیکھتے ہیں کیونکہ اس طرح تو جہت ثابت ہوتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو جہت، جسم اور عیب اور نقص سے پاک ہے۔ تو رویت الٰہی کے سلسلہ میں یہی بات سمجھائی جاتی ہے کہ اہلِ جنت کو رویت الٰہی نصیب تو ہوگی مگر من غیر کیف یعنی اس کی کیفیت کو ہم یہاں نہیں جان سکتے۔

اس قسم کے الفاظ اور آیات کو متشابہ کہا جاتا ہے۔ آگے ان کی تفصیل بیان کرنے میں بھی دو گروہ بن جاتے ہیں۔ سلف کہتے ہیں کہ متشابہ لفظ کا وہی معنی کرو جو متبادر ہے مگر اس کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سونپ دو کہ اس کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ اس کی کیفیت ویسی ہی ہے کما یلیق بشانہ و کما

ینبغی لہ لیس کما نفھم جیسی اس کی شان کے لائق ہے، ہم اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اللہ کے ہاتھ ہیں، پنڈلی اور قدم ہے مگر ہم ان کی کیفیت کو نہیں جانتے۔

سلف تو متشابہات کا یہ معنی کرتے ہیں مگر متکلمین مختلف مفہوم اخذ کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ پنڈلی سے اللہ کی ذات مراد ہے، ہاتھوں سے اس کی قوت مراد ہے، نیز بل یداہ مبسوطتان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے دونوں ہاتھوں (ایک قدرت اور مہربانی کا اور دوسرا عذاب کا) کشادہ ہیں۔ وہ جس کو چاہے مہربانی سے عطا کر دے اور جس کو چاہے عذاب میں مبتلا کر دے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا فلسفہ :

البتہ مصنف کتاب امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ان دونوں گروہوں سے مختلف ہے۔ ان کی توجیہہ کے مطابق استویٰ علی العرش کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی تجلی اعظم عرش پر پڑتی ہے۔ تجلیاتِ الٰہی تو بے شمار ہیں پنڈلی بھی ایک خاص قسم کی تجلی ہوگی جو قیامت کو ہی ظاہر ہوگی، اس کو دیکھ کر سچے لوگ سجدے میں گر جائیں گے جبکہ جھوٹے، منافق اور کافر سجدہ نہیں کر سکیں گے اور اس سعادت سے محروم رہ جائیں گے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر انسان کی فکر دور تک رسائی کر سکے اور وہ اس کیفیت کو سمجھ لے جو خدا تعالیٰ کی تجلی اعظم کے عرش پر وارد ہونے سے پیدا ہوتی ہے تو یہی بڑی بات ہے۔ انسان اس سے آگے نہیں جا سکتا، نہ اس چیز کو سمجھ سکتا ہے۔ جب ساتوں زمینیں اور ساتوں آسمان ختم ہو جاتے ہیں تو اس کے آگے عرشِ الٰہی آتا ہے جس پر تجلی وارد ہوتی ہے۔ اسکے نیچے حظیرۃ القدس کا مقام ہے جہاں درجہ بدرجہ فرشتوں کی جماعتیں، انبیاء اور کاملین کی ارواح ہوتی ہیں۔ جب خدا تعالیٰ کی تجلی اعظم عرش پر پڑتی ہے تو اس کا اثر سب سے پہلے حظیرۃ القدس کی جماعتوں کے قلوب پر پڑتا ہے، اور پھر ان کے توسط سے یہ اثر ساری کائنات میں پھیل جاتا ہے اور اس کے نتائج ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس آدمی میں اس کیفیت کو سمجھنے کی استعداد پیدا ہو جائے، وہ بہت آگے ہوگا۔ جو لوگ انبیاء یا حکماء ربانی کی تربیت میں ترقی کرتے ہیں، وہ اسی درجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ تجلی اعظم کو سمجھ سکیں، اس سے زیادہ نہیں۔ اس سے آگے ترقی کی منازل طے کرانے والی اللہ کی ذات ہی ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اصطلاح میں استوی علی العرش کا یہ معنی ہے۔

قرآن پاک میں آتا ہے کہ محکم آیات میں جو کچھ بیان ہوا ہے، اس کے مطابق عقیدہ رکھو اور اس کے حکم کے مطابق عمل بھی کرو، یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ جس آیت سے عبرت پکڑنا مقصود ہے اس سے عبرت پکڑو۔ جو چیز اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے اس کو پیدا کرنے کی کوشش کرو اور جس سے بچنے کی ضرورت ہے اس سے بچنے کی کوشش کرو۔ البتہ متشابہات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان یہ ہے وما یعلم تاویلہ الا اللہ کہ ان کی تاویل کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ والرٰسخون فی العلم یقولون آمنا بہ لا کل من عند ربنا اور جو علم میں پختہ لوگ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ محکم اور متشابہات ساری آیات ہمارے رب کی طرف سے ہیں۔

تیسرا گروہ حروف مقطعات :

بہر حال پہلا گروہ محکمات کا، دوسرا متشابہات اور قرآن میں تیسرا گروہ مقطعات کا ہے یہ ایسا گروہ ہے کہ جس کا لفظ بھی مکمل نہیں ہے بلکہ الگ الگ چند حروف ہیں۔ لفظ مکمل نہیں ہے تو معنی بھی تلاش نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اس کا مفہوم سامنے آسکتا ہے۔ لہٰذا یہ مشکل ترین مضمون ہے جس پر بحث ہو رہی ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان حروف سے متعلق کچھ باتیں اس فصل میں بیان کرتے ہیں۔

اس ضمن میں اصولی بات تو یہ ہے کہ حروف مقطعات کے بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز ثابت نہیں ہے کہ آپ ان حروف کو کسی طرح تلفظ فرماتے تھے یا آپ نے ان کے متعلق کوئی وضاحت فرمائی ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس سلسلہ میں نہ کوئی کرید کی ہے اور نہ ہی اس موضوع پر بحث کی ہے۔ البتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کوئی ایک آدھ بات منقول ہے مگر اس کا ذکر بھی تفسیری روایات میں ہی آتا ہے، آپ بھی ان الفاظ کو ظاہراً اسی طریقے پر پڑھتے تھے اور بالکل کرید نہیں کرتے تھے۔

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما :

اس کے بعد حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور آیا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تقریب فہم کے لئے بعض حروف مقطعات کے معانی / مطالب بیان کئے ہیں تاکہ لوگ

یہ نہ کہیں کہ قرآن کے بعض الفاظ کا تو پتہ نہیں چلتا کہ وہ کیا ہیں وہ بھی اسی درجہ میں ہے، عام نہیں ہے۔
آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا زاد بھائی تھے۔ حضور علیہ السلام کی وفات کے وقت حضرت بن عباس رضی اللہ عنہما کی عمر صرف ۱۱ یا ۱۳ سال تھی۔ ان سے بہت سی روایات بھی منقول ہیں جو انہوں نے اللہ کے رسول سے سن کر یاد کی تھیں۔ حضور علیہ السلام نے ان کے لئے دعا کی تھی کہ مولا کریم! اس بچے کو کتاب وحکمت کا علم عطا فرما۔ یہ دعا مستجاب ہوئی اور بن عباس رضی اللہ عنہما عمر بھر قرآن وسنت کی تعلیم ہی دیتے رہے۔ آپ کچھ عرصہ کے لئے مدینہ کے گورنر بھی رہے مگر جلدی میں یہ منصب چھوڑ کر طائف میں جا کر آباد ہو گئے اور وہیں وفات پائی۔ ان کے نام سے طائف میں مسجد بھی موجود ہے جس کی حکومت سعودیہ نے بڑی توسیع کی ہے۔ اس میں ہزاروں آدمی بیک وقت نماز پڑھ سکتے ہیں۔ ایک اور چھوٹی سی مسجد کے ساتھ ہی ان کی قبر بھی ہے۔ حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی غزوات میں شریک ہوئے۔ بہر حال آپ صحابی رسول اور صاحبِ علم شخصیت تھے۔

حروفِ مقطعات میں کرید کا دور :

حروف مقطعات کے متعلق کچھ باتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہیں۔ عرب کے مقامی لوگوں کو تو حروف مقطعات میں کرید کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی، البتہ جب عجمی لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے تو ان لوگوں کو ان حروف کی تفہیم کے سلسلے میں تردد پیدا ہوا۔ اسلام میں داخل ہونے والے ایرانی پہلے مجوسی تھے، مصری لوگ عیسائی تھے، پھر مسلمان ہو گئے۔ یہ پڑھے لکھے لوگ تھے، دفتری کاروبار جانتے تھے، ان کو ان پڑھ تو نہیں کہا جا سکتا، صرف مذہب دوسرا تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ان لوگوں میں سے بعض نے اسلام کی باریک باتوں کے متعلق پوچھ گچھ کی۔ کہنے لگے کہ قرآن پاک کے محکمات کی سمجھ تو آتی ہے اور متشابہات کے بارے میں بھی کسی حد تک کچھ نہ کچھ علم ہو جاتا ہے مگر حروف مقطعات کے بارے میں بالکل کچھ پتہ نہیں چلتا کہ ان سے کیا مراد ہے؟ ظاہر ہے کہ ان حروف سے متعلق نہ تو کچھ حضور علیہ السلام سے منقول ہے اور نہ ہی عام صحابہ کرام نے کبھی کوئی اظہار کیا۔ البتہ جب عجمی لوگوں کی تشنگی کا حال حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچا تو انہوں نے مسلمانوں کی تقریب فہم کے لئے حروف مقطعات کے کچھ معنی ومطالب بیان کئے۔ اور مفسرین کرام بھی قرآن پاک کی تفسیر کرتے وقت بتلاتے

ہیں کہ ہر کلام میں کچھ راز ہوتے ہیں۔ آپ بھی جب کسی کو خط لکھتے ہیں تو اس میں کوئی راز کی بات بھی کہہ دیتے ہیں۔ کوئی شعر پڑھتے وقت، قصیدہ لکھتے وقت، یا خطبہ دیتے وقت بھی کوئی راز کی بات ہو جاتی ہے، کچھ اشارات ہوتے ہیں۔ اسی طرح کلامِ الٰہی میں بھی حروف مقطعات بطور اشارات ہیں اور مفسرین ان کے کچھ معنی بھی بیان کرتے ہیں۔

حروف مقطعات کے بعض معانی :

الغرض! حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ الٓـمٓ میں ا کا اشارہ اللہ کی طرف، ل کا اشارہ جبریل علیہ السلام کی طرف اور م کا اشارہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ یہ بات سمجھ میں تو آتی ہے مگر قطعی نہیں ہے کہ ان حروف کا بعینہٖ یہی مطلب ہو۔ یہ تو محض انسانی اذہان کو قرآن سے قریب کرنے کے لئے بیان کیا جاتا ہے۔ تفسیر ''معالم العرفان فی دروس القرآن'' میں جہاں جہاں حروف مقطعات آئے ہیں وہاں وہاں ہم نے پایۂ ثبوت تک پہنچنے والی باتیں درج کر دی ہیں جو فائدہ سے خالی نہیں ہیں۔ البتہ آپ منقول طریقے سے ان حروف کی تفسیر نہیں کر سکتے کیونکہ نہ تو حضور علیہ السلام نے ان کے متعلق کچھ فرمایا ہے اور نہ ہی صحابہ خصوصاً خلفائے راشدین نے کوئی زیادہ بحث کی ہے البتہ جیسا کہ عرض کیا حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم سے کچھ باتیں منسوب ہیں مگر وہ بھی قطعی نہیں بلکہ محض تقریب فہم کے لئے۔ صاحبِ تفسیر جلالین علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ حروف مقطعات الٓمٓ، حٰمٓ وغیرہ نوٹ کرنے کے بعد لکھتے ہیں اللہ اعلم بمرادہٖ بذلک ان حروف کی مراد تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، ہمارا کام تو اتنا ہی ہے کہ آمنا و صدقنا کہ ان پر ایمان لا کر ان کی تصدیق کر دیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ان حروف سے جو بھی مراد لی ہے وہ برحق ہے اور ہمارا اس پر ایمان ہے۔ خواہ وہ ہماری ناقص سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہم ہر بات کو سمجھ سکیں ہم تو ناقص العقل اور کمزور انسان ہیں جو بہت سی معروف چیزوں کی حقیقت کو بھی جاننے سے قاصر ہیں جبکہ حروف مقطعات تو غامض اور دقیق چیزیں ہیں۔ اگر ہم ان کو نہیں جانتے تو یہ بعید از قیاس نہیں ہے۔ لہٰذا ہمیں اس میں کرید نہیں کرنا چاہیے بلکہ معاملہ اللہ کے سپرد کر دینا چاہیے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ :

البتہ اس کتاب کے مصنف امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا حروف مقطعات کے متعلق اپنا منفرد نظریہ ہے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ قرآن وسنت اور فقہ کے بڑے عالم تھے۔ انہوں نے تاریخ میں خلفائے راشدین کی سوانح حیات دو جلدوں میں تحریر کی ہے اس کتاب کی پہلی جلد میں اسلام کے اجتماعی نظام کا خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ اکثر مؤرخین اس موضوع پر تھوڑی بہت بحث کر کے آگے نکل جاتے ہیں۔ عظیم مؤرخ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں نظام خلافت وحکومت پر بحث کی ہے مگر جتنی اچھی اور مدلل بحث امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کی، وہ کسی دوسرے مؤرخ کے حصہ میں نہیں آئی۔ غرضیکہ آپ نے سوانح خلفائے راشدین کی پہلی جلد میں نظام حکومت اور نظام خلافت سمجھایا ہے اور پھر دوسری جلد میں خلفائے راشدین کی تاریخ اور ان کے حالات لکھ کر ثابت کیا ہے کہ ان خلفاء نے اس طریقے سے نظامِ خلافت چلایا۔ اگر چہ ہر دورِ خلافت میں مختلف حالات و واقعات پیش آتے رہے مگر ہر خلیفہ راشد نے قرآن میں نازل شدہ اور حضور علیہ السلام کے وضاحت کردہ نظام کے مطابق خلافت کی ذمہ داریاں ادا کیں۔ یہ بڑی مشکل کتاب ہے جس میں ضعیف روایات کو بھی شامل کر لیا گیا ہے اور پھر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس پر نظر ثانی کا موقع بھی نہیں ملا۔

ذوق اور الہام :

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات کے معانی اللہ تعالیٰ نے مجھے ذوقی طور پر سمجھائے ہیں اور یہ صراحت بھی کرتے ہیں کہ ذوق الہام ہی کی ایک قسم ہے۔ حکمت اور تفہیم بھی وحی ہی کی ایک قسم ہے۔ اور سب سے اٹل اور قوی وحی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مختص ہوتی ہے جو وحی تشریع کہلاتی ہے، البتہ غیر تشریعی وحی غیر انبیاء پر بھی ہوتی ہے۔ اس کے بعد تفہیم اور ذوق ہوتا ہے تو اس ذوق کے ساتھ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حروف مقطعات کے معانی بیان کرتے ہیں۔ آپ اس کو عقلی دلائل کے ساتھ سمجھنا چاہیں تو ایسا ممکن نہیں ہے۔ اگر کسی کو اللہ نے الہام کے ساتھ کوئی مناسبت بخشی ہے تو منجانب اللہ اس کے ذہن وقلب پر کوئی بات القاء کر دی جاتی ہے تو وہ شخص کچھ نہ کچھ سمجھ جاتا ہے تاہم ہم جیسے

لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ چونکہ مصنف خود صاحب ذوق ہے لہٰذا اس کی بات پر ہی اعتماد کریں کہ مصنف کی یہ بات ملہم یعنی الہام شدہ ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے کہ پہلی امتوں میں محدث یا ملہم ہوتے تھے اور میری امت میں اگر کوئی ملہم ہے تو وہ عمر ابن الخطاب ہے۔ ان کے ذہن میں بہت سی ایسی باتیں آتی تھیں جن کے مطابق قرآن کی آیت نازل ہو جاتی تھی۔

بہر حال شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آخر میں جا کر ذوقی طریقے پر حروف مقطعات کی تفسیر بیان کی ہے اور ذوق یا الہام کے ذریعے ان حروف کا اشارتاً جو مطلب سمجھا ہے وہ تحریر کر دیا ہے۔ یہ تفسیر کچھ تو اس کتاب میں بیان کی ہے مگر اس کا زیادہ تر حصہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی دوسری کتاب ''الخیر الکثیر'' میں ذکر کیا ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ چھوٹی سی کتاب بڑی دقیق اور مشکل ہے مگر حکمت الٰہیہ پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ شاہ صاحب نے ابوالحسن شاذلی کے ''ھوام حزب البحر'' کی شرح لکھی ہے۔ یہ پانچ صفحات کا ورد ہے یا اللہ، یا رحمٰن، یا رحیم، یا حی یا قیوم ...... الخ جس کے پڑھنے سے اللہ نے صاحبِ ورد کو سمندر کے طوفان سے بچا لیا تھا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں بھی حروف مقطعات پر بحث کی ہے، اس کے علاوہ بھی ضمناً کہیں تھوڑا تھوڑا ذکر کیا ہے۔ ''شرح حزب البحر'' میں ایک مستقل باب اس موضوع پر ہے اور اس کتاب میں بھی یہ باب موجود ہے پہلے تمہید بیان کی ہے۔ یہ عربی زبان کے الفاظ ہیں لہٰذا عربی علم و ادب اور فنون لغات جاننے والے لوگوں کے لئے بھی بعض چیزیں بیان کی ہیں۔ ان باتوں سے ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ اگر ہم ان کو جان سکیں تو ان کے معانی بھی ہو سکتے ہیں۔ پہلے تمہید میں بیان کرتے ہیں کہ بعض علماء عربی بھی بعض الفاظ یا حروف کے معانی کی طرف کچھ اشارات کرتے رہتے ہیں لہٰذا اس کو عربی زبان سے بالکل خارج نہیں سمجھا جا سکتا۔ بلکہ یہ بھی عربی زبان میں داخل ہیں گو کہ ہم ان کا مطلب مکمل طور پر نہیں سمجھ سکتے۔ یہ تمہید باندھ کر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حروف مقطعات میں سے مفرد حروف کے وہ معانی بیان کرتے ہیں جو ذوقی طور پر ان کی سمجھ میں آئے ہیں تا کہ تقریب فہم ہو جائے۔ یہ الگ بات ہے کہ بیان کردہ بات آپ کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کر دیا ہے۔

مقدمہ در بیان حروف مقطعات :

کہتے ہیں من العلوم التی انعم اللہ بہا علی ھٰذا العبد الضعیف ان علوم میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے اس کمزور بندہ پر انعام فرمایا ہے علم انکشف بہ الغطاء عن المقطعات القرآنیۃ ان میں سے ایک علم یہ بھی ہے جس کے ذریعے حروف مقطعات قرآن سے کچھ پردہ اٹھتا ہے کمرے کے دروازے پر پردہ لٹک رہا ہو تو اس کو اٹھا کر دیکھیں تو تھوڑی سی روشنی ہوتی ہے اور باہر کا کچھ حصہ نظر آتا ہے۔ اگر جالی لگی ہو تو نسبتاً کم نظر آئے گا اور جالی گاڑھی ہو تو مزید کم نظر آئے گا۔ غرضیکہ جتنی زیادہ روشنی ہو گی اتنا ہی زیادہ نظر آئے گا۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ بندۂ کمزور پر اللہ تعالیٰ کے بہت سے انعامات میں سے اللہ تعالیٰ نے کشفی، الہامی یا ذوقی طور پر یہ علم بھی انعام فرمایا ہے جس کے ذریعے قرآن کے حروف مقطعات کا پردہ اٹھتا ہے و لا بدفی بیانہ من تمہید مقدمۃ اور ضروری ہے کہ ہم ایک مقدمہ بیان کریں جو عربی زبان سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

فاعلم ان لکل واحد من حروف التہجی التی بہا تتالف کلمات العرب معنی بسیطًا پس جان لینا چاہیے کہ ہر حرف تہجی جس سے عربی زبان کے کلمات تشکیل پاتے ہیں، اپنے اندر ایک بسیط معنی رکھتا ہے۔ بسیط سے مراد ایسا باریک معنی جو قابو میں نہیں آتا کہ آپ اس کا تجزیہ کر کے الفاظ میں بیان کر دیں۔ یہ تو بڑا مشکل ہے۔ البتہ آپ اس کو رمز یا اشارے کی شکل میں ہی ظاہر کر سکتے ہیں لایمکن التعبیر عنہ الا باشارۃ لطیفۃ غامضۃ یعنی اس کی تعبیر ممکن نہیں ہے ماسوائے لطیف اور گہرے اشارے کے ساتھ گویا ایسی مشکل بات کو بذریعہ اشارہ ہی بیان کیا جا سکتا ہے۔ ومن ھٰھنا یشاھد ان کثیرًا من المواد المتقاربۃ اما متفقۃ معنی او متقاربۃ اور اس مقام پر جو کچھ مشاہدہ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ الفاظ کے اصل مادہ یا مصدر جس سے آگے کلمات بنتے ہیں وہ یا تو معنی میں متفق ہوتے ہیں یا قریب قریب ہم معنی ہوتے ہیں۔

عربی زبان میں تو بڑی وسعت ہے اور باریک سے باریک بات بھی اس زبان میں ادا ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد کسی حد تک فارسی زبان کو دخل ہے۔ جن باتوں کو کسی زبان کے الفاظ پکڑ نہیں سکتے وہ فارسی زبان میں ادا ہو جاتے ہیں۔ فارسی زبان کے ساتھ بھی ہمارا گہرا تعلق ہے۔ شاہ

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اکثر کتابیں فارسی زبان میں ہیں۔ مولانا روم کی چھٹی صدی ہجری میں تحریر کردہ مثنوی مولانا روم کوئی معمولی کتاب تو نہیں ہے بظاہر تو یہ ایک نظم ہے مگر اس میں علم کلام، حکمت، تصوف، سلوک اور بے شمار تجربات سمو دیئے گئے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان مختصر ترین الفاظ میں جادو بھرا ہوا ہے۔ جب کوئی شاعر اس کتاب کا کوئی شعر پڑھتا ہے تو حروف میں آگ بھر دیتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ آپ بھی پڑھتے ہیں ذلك الكتاب لاريب فيه مگر جب یہی الفاظ فن تجوید کا ماہر کوئی قاری پڑھتا ہے تو وجد آنے لگتا ہے دونوں قراتوں میں واضح فرق محسوس ہوتا ہے۔ اسی طرح جب شاعر بھی کلام پیش کرتا ہے تو وہ ایسے الفاظ کا انتخاب کرتا ہے جو سامع کے قلب وذہن پر گہرا اثر ڈالتا ہے۔

بہرحال شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ باریک باتوں کے اصل مادے یا مصدر جس سے آگے کلمات بنتے ہیں، یا تو وہ معنی میں متفق ہوتے ہیں یا قریب المعنی ہوتے ہیں كما ذكر الاذكياء من الادباء جیسا کہ ذکی قسم کے ادیبوں نے یہ ذکر کیا ہے۔ من ان كل كلمة اولاها نون و ثانيتها فاء تدل على معنى الخروج بوجه من الوجوه کہ ہر وہ کلمہ جس کا پہلا حرف ن اور دوسرا حرف ف ہو، وہ کسی نہ کسی طرح خروج کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی اس نوع کے ہر لفظ کا معنی خروج یا کسی چیز سے باہر نکلنا ہی آئے گا۔ مثل :نفر و نفث و نفخ و نفح، ونفق و نقد، و نفذ اس ضمن میں ان الفاظ کی مثال دی گئی ہے جن کا پہلا حرف ن اور دوسرا حرف ف آتا ہے ادباء کا دعویٰ ہے کہ ان میں سے ہر لفظ کا ترجمہ کسی نہ کسی طریقے پر خروج کا معنی دیتا ہے۔ اب آپ اس دعویٰ کا تجزیہ کر کے دیکھ لیں۔ نفر کا معنی کوچ کرنا ہوتا ہے۔ جماعتیں سفر میں جاتی ہیں تو وہ اپنے مقام سے خروج کر کے ہی روانہ ہوتی ہیں۔ اسی طرح نفث کا لفظ ہے۔ اس کا معنی پھونک مارنا آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان کے اندر سے وہ ہوا خارج ہوتی ہے جس سے پھونک ماری جاتی ہے۔ نفخ کا معنی بھی پھونک مارنا ہی آتا ہے۔ اس طرح نفح کا معنی ہوا کا چلنا یا خوشبو کا پھیلنا ہے۔ اس میں بھی خروج کا معنی پایا جاتا ہے۔ نفق کا معنی خرچ کرنا آتا ہے۔ ظاہر ہے اس عمل سے روپیہ پیسہ نکل جاتا ہے۔ اور نفد کا معنی کسی سے آگے بڑھ جانا آتا ہے۔ اس میں بھی خروج کا نظریہ پایا جاتا ہے۔ نفذ کا معنی جاری کرنا ہوتا ہے۔ اس میں بھی خروج کا عنصر پایا جاتا ہے۔ الغرض! جس لفظ کا پہلا حرف ن اور دوسرا

حرف ف ہوتا ہے اس میں کسی نہ کسی طور پر خروج کا معنی پایا جاتا ہے۔

ادبائے عرب عربی زبان کی دوسری مثال اس طرح بیان کرتے ہیں و کذلك کل کلمة اولاھا فاء و ثانیتھا لام تدل علی معنی الشق و الفتح اس طریقے سے عربی زبان کا ہر وہ لفظ جس کا پہلا حرف ف اور دوسرا ل ہو، وہ لفظ پھٹ جانے یا کھل جانے کے معنی پر دلالت کرتا ہے جیسے فلق، فلح، فلج، فلذ و فلد ظاہر ہے فلق کا معنی پھٹ جانا ہے جو کہ بالعموم صبح کے وقت پو پھٹنے پر بولا جاتا ہے اسی طرح فلح کا معنی ہل چلانا آتا ہے جو کہ زمین کو پھاڑتا ہے۔ فلج کا معنی بھی پھاڑنا یا جدا کرنا آتا ہے۔ اسی طرح فلذ کا معنی ٹکڑے ٹکڑے کرنا آتا ہے۔ و من ھٰھنا مایعرفه النھاریر من مھرة الادب ان العرب کثیرًا ما ینطقون بکلمة علی وجوہ شتی اس مقام پر عربی زبان کے ماہرین کہتے ہیں کہ اکثر عرب لوگ بسا اوقات ایک کلمہ کئی طریقے پر بولتے ہیں۔ تبدیل حروف متقاربة مثل دق، ودك، ولج، ولز اور جو حروف ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں ان کو ایک دوسرے کی جگہ تبدیل کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر دق اور دك یعنی چھوٹے اور بڑی کاف کو ایک دوسرے کی جگہ پر استعمال کر لیتے ہیں اور دونوں کا معنی کھٹکھٹانا ہی آتا ہے۔ اسی طرح الفاظ لج اور لز ہیں دونوں کا معنی جوڑنا ہے مگر ج کو ل کی جگہ یا ل کو ج کی بجائے استعمال کر لیتے ہیں۔

کہتے ہیں والحاصل ان ما قلناہ له شواھد لاتحصی کہ جو کچھ کہا ہے اسکی صداقت کے بے شمار شواہد موجود ہیں۔ حالانکہ پرانے عرب بھی ان کا ادراک نہیں کرتے تھے یعنی وہ بھی اتنا باریک مفہوم نہیں سمجھ پاتے تھے۔ وما اردنا ھٰھنا الا التنبیه اور یہاں پر اس ذکر سے ہماری مراد محض تنبیہ کرنا ہے تاکہ بات کو اچھے طریقے سے سمجھا دیں۔ وھٰذا کله لغة عربیة یہ ساری عربی زبان ہی ہے۔ پرانے عرب بھی لفظ کی اصل حقیقت کو جانتے تھے وان لم تدرکھا عرب العرباء اور بعد میں ایجاد ہونے والی باتوں کو پرانے عرب بھی نہیں جانتے تھے۔ ولم تبلغ الی کنھھا النحاة اور اس کی حقیقت تک نحوی لوگ بھی نہیں پہنچتے تھے وھٰذا کما ان مفھوم تعریف الجنس والتراکیب المخصوصة ان سالت عنھا العرب لم یتمکنوا من بیان حقیقتھا مع کونھم مستعملین لھا اسی طرح اگر آپ عربوں سے جنس اور تراکیب مخصوصہ کی تعریف دریافت

کریں تو وہ اس کی حقیقت بیان نہیں کر سکیں گے، اگرچہ وہ ان الفاظ کو خود بولتے تھے اور ان کو اپنے کلام میں استعمال کرتے تھے بایں ہمہ وہ یہ نہیں بتا سکتے تھے کہ جنس کس کو کہتے ہیں یا استغراق سے کیا مراد ہے؟ وہ جنس اور مطلق میں فرق بھی نہیں بتا سکتے تھے مگر ہر چیز کا استعمال بالکل ٹھیک طور پر کرتے تھے۔ **والناطقین بھا** اور یہ سارے الفاظ خود بولتے بھی تھے۔

ثم ان المدققین فی کلام العرب لیسوا کاسنان المشط پھر بہت باریک باتیں جاننے والے مدقق لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ بھی سارے کے سارے کنگھی کے دندانوں کی طرح ایک جیسے نہیں ہیں، یعنی ان میں بھی تفاوت پایا جاتا ہے۔ **بعضھم اذکی ذھنًا من بعض** ان میں سے بعض دوسروں کی نسبت زیادہ ذکی ذہن والے ہوتے ہیں اور بعض عربی زبان کو بہتر طریقے سے سمجھتے ہیں جبکہ دوسرے کم سمجھتے ہیں۔ **و من ثم تری جمعًا من المفلقین السحرۃ اوضحوا معنی لم یدر کہ آخرون** اس کے علاوہ متعلقین سحر یعنی جادو کے علم کے ماہرین نے ایسے ایسے معانی واضح کئے ہیں جن کو دوسرے لوگ یعنی محقق، مدقق وغیرہ نہیں سمجھ سکتے۔ یہاں اس بات کی وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ محقق، مدقق اور مغلق وغیرہ منطقیوں یا اصولیوں کی اصطلاحات ہیں۔ محقق وہ شخص ہوتا ہے جو اپنی بات کو دلیل کے ساتھ ثابت کر سکے۔ ظاہر ہے کہ دلیل میں مقدمات ہوتے ہیں جن کو جوڑ کر کوئی محقق اپنی بات کو ثابت کرے گا اور مدقق وہ شخص ہوتا ہے جو محقق سے بھی زیادہ باریک بین ہوتا ہے۔ وہ دلیل کے کلمات یا اجزاء کو ثابت کرتا ہے اور مغلق سے مراد علم سحر کے وہ ماہرین ہیں جو تاریکی کو پھاڑ کر بات نکالنے پر قادر ہوتے ہیں۔

بہرحال شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عربی زبان کی یہ ایسی باریک باتیں ہیں جن کو پرانے عرب بھی نہیں جانتے تھے مگر ان کو اپنی زبان میں بولتے تھے اور ان کا ٹھیک ٹھیک استعمال کرتے تھے۔ علاوہ ازیں منطقی اور اصولی لوگ بھی ایک جیسے نہیں ہوتے، وہ بھی ایک دوسرے کی بات کا پورا پورا ادراک نہیں رکھتے۔ **وھٰذا العلم ایضًا من لغاتھم العربیۃ** اور یہ سارا علم بھی عربی زبان کا ہی حصہ ہے۔ **لکن ید کثیر ممن غاص البحر الزخار المواج لم تصل الی تنقیح ھٰذا المفھوم الغامض** لیکن اس بحر زخار کی موجوں میں بہت سے غوطہ خوروں کے ہاتھ اس غامض مفہوم تک پہنچنے

میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ یہ ساری باتیں عربی زبان میں موجود ہیں مگر ان کا پالینا ہر آدمی کے بس کا روگ نہیں ہے۔ اس کے بعد شاہ صاحب رحمہ اللہ نے حروف مقطعات کے ذوقی معانی سمجھائے ہیں۔

فاعلم ان المقطعات من اوائل السور اعلامها تدل بمعانيها المجملة ...... الٰی ...... وذلك يتحقق بما يتلى في هٰذه السورة من قصص الانبياء ومقالاتهم مرة بعد مرة بالاسئلة والجوابات المتكررة۔ (ص۶۴ تا ص۶۵)۔

ربط مضمون :

گزشتہ درس میں حروف مقطعات سے متعلق تمہید بیان کی گئی تھی اور یہ واضح کیا گیا تھا کہ حروف مقطعات اگرچہ الگ الگ حروف ہیں اور ان میں سے بعض کا کسی سورۃ سے پہلے آنے سے بظاہر کوئی لفظ بھی نہیں بنتا، اس کے باوجود ان حروف کا بھی تھوڑا بہت مفہوم ہوتا ہے، مگر اس مفہوم کو ایک عام معروف لفظ کے مفہوم کی طرح بیان نہیں کیا جاسکتا۔ حروف مقطعات کا مفہوم بہت باریک اور لطیف ہوتا ہے اور عربی لغت یا صرف ونحو کا عالم بھی اس مفہوم کو ظاہر کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔ یہ مفہوم صرف رمز یا اشارے کے ذریعے ہی ظاہر کیا جاسکتا ہے۔ غرضیکہ پہلے یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ عربی زبان کے اعتبار سے بھی ان حروف کا کچھ مطلب ضرور ہے اور پھر بعض الفاظ کی مناسبت سے بھی دو چار کلمات سمجھائے گئے ہیں۔

محکمات اور متشابہات :

قرآن پاک کے دو گروہوں کا ذکر پہلے ہو چکا ہے جن کی نشاندہی سورۃ آل عمران کے آغاز میں اللہ نے فرمائی ہے۔ یعنی آیات کی ایک قسم تو محکمات کی ہے اور قرآن پاک کا بیشتر حصہ انہی آیات پر مشتمل ہے یہ وہ آیات ہیں جن کے الفاظ، معانی اور بیان کردہ قانون معلوم ہے۔ اور متشابہات سے وہ آیات مراد ہیں جن کا لفظ اور معنی تو معلوم ہے مگر حقیقت معلوم نہیں ہے۔

مقطعات یا مفردات :

اب یہ تیسرا گروہ حروفِ مقطعات کا ہے جن سے کچھ بھی ظاہر نہیں ہوتا ان حروف کے معانی بھی معلوم نہیں ہیں کہ ہر شخص ان سے کچھ مطلب حاصل کر سکے۔ مگر یہ قرآن پاک کا حصہ ہیں تو یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو حروف عام آدمی کی سمجھ سے بالاتر ہیں ان کو قرآن میں لانے کا کیا مقصد ہے۔ بظاہر تو یہ چیز خدشہ کا باعث بنتی ہے کہ یہ تو بے مقصد حروف ہیں اور ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں ایسی فضول بات ہو ہی نہیں سکتی۔

وجوہات نزول مفردات :

اس وہم کو دور کرنے کے لئے مفسرین کرام بہت سی باتیں کرتے ہیں۔ امام بیضاوی یا دوسرے بڑے مفسر کہتے ہیں کہ ہر معلوم ہونے والی چیز قابل عمل قانون ہی نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات انسانوں کی ذہنی نشو ونما بھی مطلوب ہوتی ہے اور کبھی اس کے ذریعے مخاطبین کا امتحان بھی مطلوب ہوتا ہے۔ اگر کوئی چیز اتار کر خبردار کر دیا جائے کہ اس چیز میں کرید نہ کرنا تو وہ امتحان ہو جائے گا اور جو شخص اس میں کرید کرنے کی کوشش کرے گا وہ گڑبڑ میں پڑ جائے گا اور ایک نئی پارٹی یا نیا فرقہ بننے کا موجب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس طریقے سے بھی ابتلا میں ڈال سکتا ہے کہ ایسی چیزوں میں غور وفکر تو کر سکتے ہو مگر ان کے پیچھے نہ پڑ جاؤ کیونکہ یہ چیزیں تمہاری ذہنی رسائی سے بالاتر ہیں۔ گویا اس طریقے سے بعض اوقات انسانوں کا امتحان بھی مقصود ہوتا ہے۔ یا بعض دیگر مقاصد بھی ہوتے ہیں جس کے لئے اللہ تعالیٰ کسی چیز کو نازل فرماتا ہے۔ لہٰذا حروف مقطعات کے متعلق یہ اعتراض درست نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان حروف کو بے سود نازل فرمایا ہے۔

مفردات بطور معجزہ :

اس کتاب کے مصنف شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہی بات دوسرے طریقے پر سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہے کہ حضورِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن پر یہ مفردات نازل ہوئے، ان میں کوئی کلام کئے بغیر ان حروف کو بالکل اسی طرح پڑھتے رہے۔ حٰمٓ ، الٓمٓ، صٓ علی ھٰذا القیاس

اور حقیقت یہ ہے کہ حضور خاتم النبیین امی تھے، لکھنا پڑھنا بالکل نہیں جانتے تھے، آپ جن لوگوں میں مبعوث ہوئے، وہ بھی بالعموم امی تھے، پہلی آسمانی کتابوں میں بھی آپ کے امی ہونے کی صفت مذکور ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک امی آدمی نازل شدہ حروف کا صحیح صحیح تلفظ بھی نہیں کر سکتا۔ تو فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کا حروفِ مقطعات کا ٹھیک ٹھیک تلفظ کرنا بلاشبہ ایک معجزہ ہے۔ نیز ان حروف سے اس اعجاز کا اظہار بھی مقصود ہے یہ مفرد حروف وہی ہیں جن کو جوڑ کر تم الفاظ بناتے ہو اور پھر ان الفاظ کے ذریعے اشعار کہتے ہو، خطبات دیتے ہو اور کلام میں محاورات استعمال کرتے ہو، اور قرآن پاک بھی انہی مفرد حروف سے مل کر بنا ہے اور یہ اللہ کا ایسا کلام ہے جس کی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی اور جس نے ایسی کوشش کی اس نے منہ کی کھائی۔ تو ان حروف مفردات سے ان چیزوں کا اظہار بھی تو مقصود ہو سکتا ہے۔ غرضیکہ مفردات کے نزول کی کئی ایک وجوہات ممکن ہیں جو کہ مفسرین نے ذکر کی ہیں۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات کا مفہوم کوئی تعلیمی چیز نہیں ہے کہ کسی مکتب میں جا کر کسی استاد سے سیکھا جائے بلکہ ان حروف کا مفہوم اللہ تعالیٰ نے میرے قلب میں ذوقی یا الہامی طریقے پر القاء کیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں یہ بھی ایک توجیہہ ہے جسے آپ بیان کرنا چاہتے ہیں۔

مقطعات بطور علامات سور :

فرماتے ہیں **فاعلم ان المقطعات من اوائل السور اعلامها** پس اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ بعض سورتوں کی ابتدا میں آنے والے حروف مقطعات ان سورتوں کی علامات ہیں۔ **تدل معا نيها المجملة على ما اشتملت السورة عليه مفصلة** جو ان مجمل معانی پر دلالت کرتے ہیں جن پر وہ سورۃ تفصیل کے ساتھ مشتمل ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ البقرہ کا نام اسی لئے یہ ہے کہ اس میں ایک گائے کا ذکر ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ اسے ذبح کر کے اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم کے ساتھ لگاؤ تو وہ خود اپنے قاتل کی نشاندہی کر دے گا سورۃ البقرہ کا دوسرا نام **الم** بھی ہے اور بعض سورتوں کے آغاز میں اسی طرح کے حروف مقطعات آتے ہیں جو کہ زیر بحث ہیں۔ سورۃ البقرہ کا یہ نام شخصی ناموں زید، بکر، عمرو وغیرہ کی طرح عمومی نام نہیں ہے بلکہ یہ تو نوعی قسم کے نام ہیں جیسے ہم بادشاہ، سلطان قاضی یا کوتوال جیسے نام بولتے ہیں۔ ان میں سے ہر نام

اپنے اندر وسیع معانی اور متعلقہ نام کے حامل فرد کے حلقہ اختیار، اس کے اختیارات کی نوعیت اور اس کے فرائض منصبی کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح حروف مقطعات کی شکل میں مختلف سورتوں کے یہ نام بھی نوعی اور اجتماعی نام ہیں جو ان سورتوں کے مجمل معانی پر دلالت کرتے ہیں۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کی مثال اس طرح بیان کرتے ہیں **کتسمية ارباب التصانيف والتاليف مصنفاتهم ومؤلفاتهم** کہ ان سورتوں کے ناموں کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ارباب تصنیف وتالیف اپنی تصانیف وتالیفات کے نام تجویز کر لیتے ہیں **بحيث يدل على الكتاب على الحقيقة مافيه من المعاني عنه ذهن السامع** جو معانی کی اس حقیقت پر دلالت کرتے ہیں جو کتاب کا نام پڑھ کر سامع کے ذہن میں آسکتے ہیں **كما ان البخاري سمي جامعه : ''الجامع الصحيح المسند في حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم** جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کا نام ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال واقوال اور سیرت وغیرہ میں جامع صحیح مسند'' تجویز کیا ہے۔ اسی طریقے سے حروف مقطعات سورتوں کے نام بھی ہیں۔ گویا ان ناموں کے ذریعے سورۃ میں نازل شدہ مضامین کا ایک اجمالی تذکرہ کر دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ نوعی قسم کے نام ہیں۔

الٓمٓ کا معنی :

اس تمہید کے بعد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اصل بات کی طرف آتے ہیں اور فرماتے ہیں **فمعنى الٓمٓ (ا) الغيب الغير المتعين بالنسبة الى عالم الشهادة المتدنسة** یہ جہاں جس میں ہم رہتے ہیں اینٹ، پتھر، روڑے اور لکڑی وغیرہ کا متدنس یعنی آلودہ جہان ہے۔ پس **الم** سے وہ غیب مراد ہے جو اس متدنس عالم شہادت کی نسبت سے غیر متعین ہے۔ گویا الم اس ناسوتی جہان کی ایک غیر متعین غائب چیز ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس معنی کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں **فان الهمزة والهاء كلتيهما تدل على الغيب** کہ حروف ہمزہ (یا ا) اور ھاء (ہ) دونوں غیب پر دلالت کرتے ہیں۔ **الا ان الهاء غيب هٰذا العالم والهمزة غيب العالم المجرد** البتہ دونوں حروف کے غیب میں فرق یہ ہے کہ ہمزہ اس ناسوتی جہان کے غیب پر دلالت کرتا ہے جبکہ ہاء عالم مجرد یعنی اس جہاں کے بعد پیش آمدہ جہان عالم ملکوت پر دلالت کرتا ہے۔ **ومن هٰهنا اطلاقهم كلمة: ''او''**

"ام" وقت الاستفهام ، وقت العطف اور اسی وجہ سے "او" "یا" "ام" کا اطلاق کسی کلمہ پر استفہام کے وقت ہوتا ہے کیونکہ جو چیز مستفہم ہو یعنی جس چیز کے بارے میں پوچھا جا رہا ہو وہ غیب ہوتی ہے۔ لیکن جب کسی چیز کو دوسری پر عطف کرنا ہو تو اس وقت لفظ "او" استعمال کیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک متعین چیز ہوتی ہے جیسے زید و عمر علی ہذا القیاس۔ تو فرماتے ہیں فان الامر المستفھم عنه امر منتشر، وھو غیب بالنسبة الی المتعین کیونکہ جس چیز کے متعلق سوال کیا جاتا ہے وہ منتشر چیز ہوتی ہے اور وہ متعین چیز کی نسبت غیب ہوتی ہے۔ وکذلك المتردد فیه غیب اور اسی طریقہ سے متردد چیزیں بھی غیب ہی ہوتا ہے یعنی وہ چیز بھی استفہامیہ چیز کی طرح غیب ہی ہوتی ہے، اس کا بھی مکمل علم نہیں ہوتا۔

والھمزة تزاد فی اوائل الامر لتدل علی معنی تخیل فی ذھن المتکلم اور کلمہ کے شروع میں ہمزہ کا اضافہ کیا جاتا ہے تا کہ متکلم کے ذہن میں جو تخیل ہے اس کے معنی پر دلالت کرے۔ وتفصیله موکول الی مادته اور اس کی تفصیل اس کے مادہ کی طرف سونپی جائے گی۔ واختاروا فی الضمائر الھاء فانهٗ غیب ھٰذا العالم اور ضمائر میں ہاء کا استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ یہ اس مادہ جہاں کا غیب ہے۔ یاد رہے کہ ضمیر ہاء میں ھو ، ھما ، ھی ،ھن وغیرہ سب شامل ہیں۔ وحصل للمتعین اجمال فی الجملة اور متعین چیز کے لئے فی الجملہ کسی قدر اجمال حاصل ہو جاتا ہے۔

واللام تدل علی معنی التعین اور (ل) تعین کے معنی پر دلالت کرتا ہے ومن ھٰھنا زیادتھم اللام وقت التعریف یہی وجہ ہے کہ تعریف کے وقت یعنی اسم کو معرفہ بنانے کے لئے اس پر ال زیادہ کر دیا جاتا ہے۔ والمیم من حیث اجتماع الشفتین عند الکلام اور میم کے بولنے پر دونوں ہونٹ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ تدل علی الھیولی المتدنسة التی اجتمعت فیھا حقائق شتی جو کہ متدنس ہیولیٰ (مادہ) پر دلالت کرتے ہیں جس میں بہت سے حقائق جمع ہو گئے ہوں۔ وتقیدت وآلت من الغضاء المجرد الی مجلس التقید والتحیز اور مجرد فضا سے تقید و تحیز کی مجلس میں آ کر مقید ہو گئے ہوں۔ حیز مکان کو کہتے ہیں جس میں آ کر متعین ہو گئے ہیں۔ گویا

ذوقی طریقے پر اشارے کی زبان میں میم تین چیزوں پر دلالت کرتی ہے۔اس طرح گویا ھاء کا مفہوم بھی واضح ہوگا اور ہمزہ کا بھی۔

فالحاصل ان "الم" كناية عن الفيض المجرد الذى تقيد فى عالم التميز والتحيز پس حاصل کلام یہ ہوا کہ "الم" کنایہ ہے مجرد فیض سے جو اس امتیاز اور متحیز کے مکان میں آ کر مقید ہو گیا ہے۔یعنی قرآن کریم فیض مجرد ہے جو اسی مکان اور امتیاز والے جہان میں آ کر متعین ہوا ہے۔ **وتعين بحسب عاداتهم وعلومهم وصادم قسوة قلوبهم بالتذكير وصادم اقوالهم الفاسدة واعمالهم الكاسدة بالمحاجة وتحديد البر والاثم** اور قرآن پاک کا یہ تعین لوگوں کی عادات اور ان کے علوم کے مطابق واقع ہوا ہے جس میں ان لوگوں کے عادات واخلاق کا ذکر بھی ہے، جو کہ نصیحت کے لئے ان کے دلوں کی سختی کے ساتھ ٹکراتا ہے۔اور ان کی فاسد باتوں اور کھوٹے اعمال کے ساتھ ٹکراتا ہے، یعنی گمراہ فرقوں کے ساتھ گفت وشنید کر کے ان کی غلط باتوں کی تردید کرتا ہے، گویا کفر وشرک کے خلاف دلیل قائم کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور ثابت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہے جو ہر چیز کا خالق، مالک اور مدبر ہے۔نیز وہ نیکی اور گناہ کی حدود مقرر کرتا ہے کہ یہ نیکی کا کام ہے اس کے کرنے سے فلاح حاصل ہوگی اور یہ برائی اور گناہ کا کام ہے اس کو انجام دینے سے سزا بھگتنی پڑیگی۔

اب دیکھو اتنی باتیں آ گئیں۔گویا حروف مقطعات "الم" اس بات کا کنایہ ہے کہ قرآن کریم جب فیض مجرد سے اس تحیز جہان میں متعین ہوتا ہے تو اس کا لوگوں کی عادات اور اعمال فاسدہ اور دلوں کی سختی کے ساتھ ٹکراؤ ہوتا ہے۔نیز گمراہ فرقوں کے ساتھ مدلل بحث مباحثہ ہوتا ہے اور نیکی اور بدی کی حد بندی ہو کر جزا وسزا کا اصول قائم ہوتا ہے۔الغرض! شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ البقرہ کی ابتدا میں آنے والے حروف مقطعات "الم" کا ذوقی طریقے پر یہ معنی نکالا ہے۔ **والسورة بتمامها تفصيل هذا الاجمال وايضاح هذا الابهام** اور اگر غور سے دیکھا جائے تو سورۃ بقرہ ساری کی ساری اسی اجمال کی تفصیل اور اسی الہام کی وضاحت ہے۔

جیسا کہ میں نے ذکر کیا، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حروف مقطعات کی وضاحت اپنی کتاب

''الخیر الکثیر'' میں بھی کی ہے۔ چنانچہ مترجم کتاب نے حاشیہ میں الم کا وہ معنی بھی نوٹ کر دیا ہے جو شاہ صاحب رحمۃ اللہ نے الخیر الکثیر میں ذکر کیا ہے۔ وہاں کہتے ہیں الم معناه غيب تعين في الدنس یعنی الم کا معنی غیب ہے جو عالم متدنس یعنی اسی مادہ جہان میں آ کر متعین ہوا ہے۔ كنى به عن الآيات والاعمال وبدعات الاخلاق من حيث ماتعين فيها تشريع او تحقيق قدسي اسی سے کنایہ ہے علامات، عادات اور لوگوں کے برے اخلاق کی طرف اور مقدس قانون اور مدلل تحقیق کی طرف یہ الم کا معنی ہو گیا جو کہ سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران کی ابتدا میں آتا ہے۔

الٓـرٰ اور الٓمّـرٰ :

حروف مقطعات الٓـر سورۃ یونس، سورۃ ہود اور سورۃ یوسف کے آغاز میں آتے ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں و (الٓـرٰ) (ا) مثل (الٓـمّ) یعنی یہ حروف مقطعات بھی حروف الم کی طرح ہی ہیں۔ الا ان الراء التي فيه دلالة على التردد سوائے اس کے کہ الراء تردد پر دلالت کرتی ہے، گویا اس میں تردد کا ایک مفہوم بھی موجود ہے تدل على غيب تعين وتدنس مرة اخرى جو کہ متعین غیب پر دلالت کرتا ہے اور عالمِ متدنس میں بار بار آ کر مل جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مختلف سورتوں میں آیات بار بار آتی ہیں، کبھی ایک بات کے لئے تو کبھی دوسری بات کے لئے مگر مقصد سب کا ایک ہی ہوتا ہے یعنی تہذیب نفس۔ گویا انسان سے بری خصلتوں کو دور کر کے انسان کو مہذب بنانا مقصود ہوتا ہے۔ وكذلك الميم مع الراء كما في (المر) اور اس طریقے سے اگر الر کے ساتھ میم شامل ہو کر المر بن جائے تشير الى الغيوب المتعينة المتدنسة مرة بعد مرة تو یہ اشارہ ہے غیب متعین مدنس کی طرف یعنی غیب کی ایسی باتیں جو عالم بالا کی طرف سے اس آلودہ جہان میں آ کر بار بار متعین ہوتی ہیں۔ وهٰذا كناية عن العلوم التي صادمت قبائح بني آدم مصادة بعد مصادة اور یہ کنایہ ہے ان علوم کی طرف جو انسان کی بری خصلتوں کے ساتھ آ کر بار بار ٹکراتے رہتے ہیں۔ گویا بری باتوں کا ذکر ایک سورۃ میں آیا اور پھر دوسری سورۃ میں بھی قریب قریب اسی قسم کا ٹکراؤ آیات اور قبائح انسانی کے درمیان پیش آیا۔ وذلك يتحقق بما يتلى في هٰذه السورة من قصص الانبياء ومقالاتهم مرة بالاسئلة والجوابات المتكررة اور یہ بات

پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے جب اس سورۃ میں انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور لوگوں کے سامنے ان کی گفتگو کو سوال و جواب کی شکل میں پڑھا جاتا ہے۔ یہ چیزیں بار بار آتی ہیں جب انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قوم کے لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں، ان کو بری باتوں سے روکتے ہیں اور نیک اعمال انجام دینے کی ترغیب دیتے ہیں تو انبیاء علیہم السلام کے واقعات میں یہ باتیں بار بار پڑھنے کو ملتی ہیں۔ کبھی لوگ نبی سے سوال کرتے ہیں اور نبی ان کو جواب دیتے ہیں تو ان چیزوں کی وضاحت ہو جاتی ہے، یا بغیر سوال کے ہی اللہ کا نبی برائی کو مٹانے اور نیکی کو اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے تو متذکرہ صورتِ حال پیدا ہو جاتی ہے۔

کتاب کے عربی مترجم نے حاشیہ میں اس معنیٰ کا ذکر بھی کر دیا ہے جو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الخیر الکثیر'' میں الــر کا کیا ہے۔ کہتے ہیں الـــر **معناه غیب تعین فی التخلیط تعینا مترددًا غیر متحجر** یعنی الر سے مراد وہ غیب ہے جو عالم بالا سے آ کر اس مخلوط جہان یعنی خلط ملط والے جہاں میں آ کر تردد کے ساتھ متعین ہوتا ہے۔

والطاء والصادتدلان (ا) علی حرکة الارتفاع من عالم المتدنس الی العالم العلوی ...... الی ...... بل متباینة من وجه دون وجه، واللہ اعلم بالصواب (ص ۶۵ تا ص ۶۷)۔

ربطِ مضمون :

یہ بھی گزشتہ درس کا تسلسل ہی ہے۔ صاحب کتاب قرآن پاک میں آنے والے حروفِ مقطعات کے معانی الہامی یا ذوقی طور پر بیان کر رہے ہیں اس سے پہلے **الم، الر** اور **المر** کے معانی بیان ہو چکے ہیں۔ اس درس میں باقی حروف کے معانی بیان ہو رہے ہیں۔

ط اور ص کا مفہوم :

فرماتے ہیں **والطاء والصاد (ا) تدلان علی حرکة الارتفاع من العالم المتدنس الی العالم العلوی** حروف ط اور ص اس مادی جہان سے علوی جہان کی طرف حرکت

کرنے والی بلندی کی حرکت پر دلالت کرتے ہیں۔ لکن الطاء تدل علی عظم ذلك المتحرك وفخامته مع تلوثه وتدنسه البتہ ان دونوں میں اتنا فرق ہے کہ حرف طاء اس حرکت کی عظمت پر دلالت کرتا ہے جبکہ وہ اس آلودگی والے جہان میں مادیت اور تدنس کے ساتھ آ کر مل جاتی ہے۔ والهاء علی صفائه ولطافته جبکہ ص بھی اسی حرکت کی عظمت پر دلالت کرتی ہے مگر یہ اس مادی جہاں میں آ کر مادیت اور آلودگی کے ساتھ ملنے کی بجائے صفائی اور لطافت کے ساتھ آ کر ملتی ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی دوسری کتاب ''الخیر الکثیر ''میں ص کا جو معنی لکھا ہے وہ بھی اس کتاب میں حاشیے پر لکھ دیا گیا، کہتے ہیں، صاد مقام قدسی اقترب بالله قربًا قدسيًا من حيث انه عائد اليه یعنی صاد، اللہ کے مقدس قرب کا ایک مقدس مقام ہے اور ص اسی کی طرف لوٹ کر جانے والا ہے کنی به من مقامات الانبياء وعلومهم التي هي بحسب وجاهتهم اس میں انبیاء علیہم السلام کی وجاہت کے حساب سے ان کے مقامات اور ان کے علوم کی طرف اشارہ۔

حرف س اور طٰہٰ:

والسين تدل علی السريان والتلاشي وانتشاره في الآفاق كلها اور حرف س دلالت کرتا ہے مہربانی یعنی ایک چیز کے دوسری چیز میں سرایت کرنے پر، تلاشی پر اور پوری کائنات میں انتشار پیدا کرنے پر، و(طه) (۲) منازل الانبياء التي هي آثار توجههم الى العالم العلوي اور طہ کا مفہوم یہ ہے کہ مقامات انبیاء علیہم السلام کی توجہ کے آثار عالم علوی کی طرف ہوتے ہیں۔ بحيث تتكون لهم صورة غيبية في هٰذا العالم بالبيان الاجمالي اس طریقے سے کہ اس عالم میں اجمالی بیان کے ساتھ ان سے ایک غیبی صورت پیدا ہوتی ہے وذكرهم في الكتاب اور ان کا ذکر کتاب میں ہوتا ہے۔ گویا طہ کا اشارہ ان چیزوں کی طرف ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے طہ کا جو معنی اپنی کتاب ''الخیر الکثیر ''میں کیا ہے، وہ اس کتاب کے حاشیے میں تحریر کر دیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں طٰهٰ معناة تنزه كل التنزه طہ کا معنی مکمل طور پر پاک ہونا ہے۔ نزل في غيب هٰذا العالم التخليطي جو اس تخلیطی جہاں میں غائبانہ طور پر اترا ہے۔ كنی به عن احكام الاسماء المتجددة یہ اشارہ ہے متجددہ آسمانی احکام کی طرف من حيث

انها نزلت فی المدارك الانسانية اس طریقے سے کہ یہ انسانی مدارک میں نازل ہوئے ہیں۔
یہاں پر متجددہ آسمانی احکام کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ ذاتی نام ہیں جو قدیم ہیں اور پھر ان میں عود بھی ہوتا ہے یعنی ان اسماء کا اثر پلٹ کر واپس آتا ہے۔ قدیمی اسماء کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے کچھ اضافی نام ہیں جیسے خالق، مالک، رازق وغیرہ۔ اور اسماء متجددہ سے یہ مراد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حدم کے اوپر تجلی ڈالی تھی تو حدم میں ایک قسم کا استقرار پیدا ہوا تھا، اس کو اعیانِ ثابتہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کی صفت ہی ہوتی ہے اور ملی جلی ہوتی ہے۔ پھر اس کے بعد دوسری تیسری، چوتھی، پانچویں اور چھٹی منزل آتی ہے۔ ہر شخص کی عین ثابتہ تو متعین ہو چکی ہے۔ مگر اس کے بارے میں جو احوال آگے آنے والے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی تجلی سے آتے ہیں، پھر جب تجلی پڑتی ہے تو وہ چیز مزید ظاہر ہوتی ہے۔ یہ اسماء خبرو یہ کہلاتے ہیں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ ہر چیز ازل میں مکمل ہو گئی تھی۔ بعد میں جس دور میں بھی کوئی حکم آئے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے کسی خاص اسم کی تجلی پڑنے سے آئیگا۔ اس کو اسم متجددہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ اس قسم کی بات ہے۔

طسم کا معنی :

ومثله (طسم) (۳) منازل الانبياء التي هي آثار حركاتهم الفوقية حتى مرت في العالم المتدنس، وانتشرت في الآفاق اسی کی مثال حروف مقطعات طسم کا معنی بھی انبیاء علیہم السلام کی منازل ہیں جو کہ ان کی فوقی حرکات کے آثار ہوتے ہیں حتی کہ وہ اس آلودہ جہان سے گزر کر پوری کائنات میں پھیل جاتے ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی دوسری کتاب ''الخیر الكثير'' میں ان حروف کا بیان کردہ مفہوم بھی یہاں یہ ذکر کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں طسم، معناه حق التنزه سرى سريانا تنزيهيا عالم التخليط یعنی طسم کا معنی مکمل طور پر پاکیزگی ہے جس نے عالم تخلیط کے پاک سریان میں سرایت کی ہے۔ كنى به عن الاسماء المتجددة واحكامها التي هي حق بحسب سريانها القدسي في العالم الدنسي وعلومها التي تقيدها بحسب سريانها القدسي یہ اشارہ ہے اسماء متجددہ اور ان کے احکام کی طرف جیسا کہ وہ عالم دنسی میں سرایت کرتے ہیں، اور ان کے علوم بھی جو ان سے آگے ظاہر ہوتے ہیں وہ بھی اس عالم میں آکر مقید ہو جاتے

ہیں۔ یہ اس چیز کی طرف اشارہ ہے۔

حم کا معنی :

والحاء معناه ما ذکر نا من معنی الهاء اور ح کا معنی بھی وہی ہے جو ھ کا معنی ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اس میں اس جہان کا غیب ہوتا ہے۔ الا انه اذا استصحب التشعش والظهور والتميز يعبر عن هٰذه المعانی بالحاء سوائے اس کے کہ ح میں ایسا غیب ہوتا ہے جو ملا ہوا ہوتا ہے پھیلاؤ، ظہور اور تمیز کے ساتھ تو وہ چیز ممتاز ہو جاتی ہے۔ تو ح کی ان معانی کے ساتھ تعبیر خاص کی جاتی ہے۔ فمعنی (حم) (ا) اجمال نورانی متشعشع اتصل بما تخصص به العالم المتدنس من العقائد الباطلة والاعمال الفاسدة پس حم کا معنی یہ ہوا ہے کہ وہ ایک نورانی اجمال ہے کہ وہ پھیلا ہوا اور اس کے ساتھ متصل ہوا ہے اور عالم متدنس میں عقائد باطلہ اور اعمال فاسدہ سے خصوصیت پاتا ہے۔ وهو كناية عن رد اقوالهم وظهور الحق فی الشبهات والمناظرات وما الفوه من العادات پس یہ اشارہ ہے ان کے اقوال رد کرنے کا، اور ان کے شبہات اور منافرات اور ان کی مانوس عادات میں حق کے ظاہر ہونے کا۔ غرضیکہ سور حـم میں وہی چیزیں آتی ہیں جن سے کفار و مشرکین کی تردید ثابت ہوتی ہے۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے حم کا جو معنی اپنی کتاب الخیر الکثیر میں کیا ہے وہ بھی یہاں پر حاشیہ میں لکھ دیا گیا ہے۔ اس کے مطابق حم، معناه غيب ظهر فی المتدنس حم سے مراد وہ غیب ہے جو اس عالم متدنس میں ظاہر ہوتا ہے۔ کنی به عن اقوال الكفرة وعقائدهم اس سے اشارہ کافروں کے اقوال اور عقائد کی طرف ہے۔ متصعدة الی التحقيق فی مواطن الوحی والوعظ بالترهيب والترغيب والتشنيع والتوبة جو تحقیق کی طرف چڑھتے ہیں وحی کے مواطن میں، اور وعظ جو ترغیب و ترہیب اور تشنیع (قباحت) اور توبہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ من حيث انه حق نزل فی التخليط قامعًا له وفاكًا لنظامه اس وجہ سے کہ یہ حق ہے عالم تخلیط میں تا کہ عقائد باطلہ اور اقوال فاسدہ کو مٹا دے اور باطل نظام کو توڑ پھوڑ کر رکھ دے۔ حم کا اس بات کی طرف اشارہ ہے۔

ع اور ق :

والعین تدل علی التعین والظهور المتشعشع اورحرف ع دلالت کرتا ہے تعین اور انتشار شدہ ظہور پر۔ والقاف مثل المیم، تدل علی هٰذا العالم اورحرف ق بھی م کی مانند ہی ہے جو اس جہان پر دلالت کرتا ہے لکن من جهة القوة والشدة مگر قوت اور شدت کی حیثیت سے۔ والمیم من جهة اجتماع الصور فیه وتراکمها البتہ حرف م مختلف صورتوں کے جمع ہونے اور ان کے تہہ بہ تہہ چڑھ جانے پر دلالت کرتا ہے۔

عسق کا مفہوم :

ف (عسق) (۲) معناه حق متشعشع سری فی العالم المتدنس پس عسق کا معنی یہ ہوا کہ حق عالم متدنس کے اندر پھیلا ہوا ہے اور سرایت کئے ہوئے ہے۔شاہ صاحب رحمہ اللہ نے عسق کا معنی الخیر الکثیر میں بھی کیا ہے جو کہ حاشیہ میں درج کر دیا گیا ہے۔اس کے مطابق عسق کا معنی یہ ہے الظهور المتشعشع الساری فی هٰذا العالم المتدنس المتحجر کہ وہ ظہور جو پھیلا ہوا ہے اور سرایت کرنے والا ہے اس متدنس جہان میں،اور سخت پتھر بن گیا ہے۔

حرف ن کا معنی :

والنون (۱) عبارة عن نور یسری وینتشر ظلمة کمثل هیئة قبیل الصبح الصادق او عند غروب الشمس اورحرف ن عبارت ہے اس نور سے جو اندھیرے میں سرایت کرتا اور پھیلتا ہے جیسا کہ صبح صادق سے قبل یا غروب آفتاب کے وقت صورتِ حال ہوتی ہے۔گویا تاریکی چھار ہی ہوتی ہے۔اور کچھ روشنی بھی باقی ہوتی ہے۔شاہ صاحب رحمہ اللہ الخیر الکثیر میں ن کا معنی اس طرح کرتے ہیں نور فی ظلمة کنی به ایضا عن الوعظ اس سے تاریکی میں روشنی مراد ہے،اور یہ بھی وعظ ونصیحت کی طرف اشارہ ہے۔

حرف یسین کا معنی :

والیاء کذلك الا ان ما تدل علیه الیاء من النور اقل مما تدل علیه النون اور

حرف (ی) بھی اسی طرح ہے سوائے اس کے کہ یہ (ن) کی روشنی سے کم روشنی پر دلالت کرتا ہے۔ و كذا ما تدل عليه الياء من التعين اقل مما تدل عليه الهاء اور اسی طریقے سے (ھ) کی نسبت (ی) پر تعین بھی کم ہوتا ہے۔ ذ (یس) رمز الی معان منتشرة فی العالم غرضیکہ حروف مقطعات یٰسین جہاں میں پھیلے ہوئے ان معانی کی طرف رمز ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ الخير الكثير میں یوں معنی کرتے ہیں یٰس معناه شیٔ متردد بين الظهور والخفاء سار فی العالم کہ یٰس ایک ایسی چیز ہے جو ظہور اور خفا کے درمیان متردد ہے، اس تدنس جہان میں سرایت کرنے والی ہے۔ كنى به عن احكام الاسم المتجدد وعلومه یہ اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کے اسماء متجددہ اور اس کے علوم کے احکام کی طرف۔

حرف ص کا معنی :

و (ص) هيئة حدثت جبلة وكسبًا عند توجه الانبياء الى ربهم اور حرف ص اس ہیئت کی طرف اشارہ ہے جو ظاہر ہوتی ہے لیکن وہ پیدائشی طور پر بھی ہوتی ہے۔ اور کوشش اور محنت سے بھی حاصل ہوتی ہے۔ جب انبیاء علیہم السلام اپنے پروردگار کی طرف توجہ کرتے ہیں تو یہ ہیئت اس وقت حاصل ہوتی ہے گویا حرف ص اس چیز پر دلالت کرتا ہے۔

حرف ق کا مفہوم :

و (ق) (۳) كناية عن قوة وشدة وكره تعين فی هٰذا العالم اور حرف ق قوت اور شدت کی طرف اشارہ ہے اور اس جہاں میں تعین کو ناپسند کرتی ہے۔ كما يقول : مرمی قصدی هيئة حدثت فی هٰذا العالم من حيث الكسر والمصادمة جیسا کہ مقولہ ہے کہ میرے قصد اور ارادے کا ہدف عالم میں وہ ہیئت ہے جو کسر اور مصادمت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ یعنی تصادم ہو کر کوئی چیز ٹوٹتی رہتی ہے۔ یہ ایسی ہیئت کی طرف اشارہ ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الخير الكثير میں حرف ق کا معنی اس طرح کیا ہے۔ معناه قباحات متحجرة قوبلت بها قوة قدسية اس سے سخت قسم کی وہ قباحات مراد ہیں جو قوت قدسیہ کے ساتھ مقابلہ کرتی ہیں۔

کنی به عن الوعظ والآیات والنصائح یہ اشارہ ہے وعظ، آیات اور پند ونصائح کی طرف۔

کھٰیٰعص کا مفہوم :

والکاف مثل القاف الا ان معنی القوۃ اقل فیھا منہ فی القاف اور حرف ک بھی حرف ق کی طرح ہی ہے سوائے اس کے کہ اس کا معنی بھی قوت اور شدت ہی ہوتی ہے، مگر ق سے کم تر۔ فمعنی (کھیعص) عالم متدنس ذو ظلمۃ تعین فیہ بعض العلوم المتشعشعۃ وغیرھا للرجوع الی ربھم الاعلی لہٰذا کھیعص سے مراد ظلمت والا متدنس جہان ہے جس میں بعض علوم اور دیگر چیزیں پھیلی ہوئی ہیں۔ تا کہ وہ اپنے رب اعلیٰ کی طرف رجوع کریں۔

آخری تبصرہ :

حروف مقطعات پر الخیر الکثیر میں شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس طرح تبصرہ کیا ہے جو کہ حاشیہ میں درج ہے۔ فرماتے ہیں واعلمن ان ھٰذہ المقطعات اسماء کلیۃ للسور بحسب مضامینھا اچھی طرح جان لو کہ یہ حروف مقطعات سورتوں کے اسماء کلیہ ہیں ان کے مضامین کی مناسبت سے۔ میں نے شروع میں بتایا تھا کہ قرآن پاک کی سورتوں کے یہ نام جزوی نہیں بلکہ کلی ہوتے ہیں۔ جس طرح بادشاہ، حاکم، کوتوال وغیرہ نوعی نام ہیں۔ اسی طرح حروف مقطعات کی شکل میں یہ بھی سورتوں کے نوعی یا کلی نام ہیں۔ کسی سورۃ میں جو مضامین بیان ہوئے ہیں۔ یہ نام بھی انہی مضامین کی مناسبت سے تجویز کئے گئے ہیں۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں وعسی ان یتحد مفھومان فی امر و یتغایر ان بالاعتبار اور ممکن ہے کہ دو مفہوم کسی ایک بات پر متفق ہوں اور اعتبار کی رو سے ان میں تغیر واقع ہو۔ کقصۃ الانبیاء جیسا کہ انبیاء کے واقعات میں ہوتا تھا۔ یدخل تارۃ فی الوعظ وتارۃ فی مقاماتھم وتارۃ فی الآیات کبھی تو وہ وعظ و نصیحت کے ذریعے لوگوں کو سمجھاتے تھے، اور کبھی ان کے مقامات عالیہ سے ان کی عظمت و بلندی ظاہر ہوتی تھی اور کبھی معجزات کے ذریعے قائل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ وکذلک المعاد وغیرہ اور معاد وغیرہ کے بارے میں بھی اسی قسم کی باتیں ہوتی ہیں وان سلیقۃ الاسم المتجدد فی ابداع

المضامين والاساليب له شبهان اوراسماء متجددہ کواس طریقے پر رکھنا کہ اس سے مضامین کا ظہور اوران کے اسلوب معلوم ہوں، دوشبہات کوجنم دیتے ہیں۔ شبه بالاتفاقيات ایک شبہ اتفاقیات کے ساتھ ہوتا ہے یعنی اتفاقاً کوئی حادثہ پیش آجائے، زلزلہ یا طوفان آجائے یا بجلی کڑک جائے وغیرہ وهذا طبائع المقامات الفرضية قاطبة انسان جوفرائض ادا کرتے ہیں ان کا بھی ایک مقام ہوتا ہے، گویاانسانوں کی طبیعت میں یہ چیز پائی جاتی ہے وشبه بسليقة الكاتب اوردوسرا شبہ لکھنے والے کے طریقہ کتابت کے ساتھ وابستہ ہے۔ حيث تعين في نفسه رسالة مدحية کہ وہ اپنے ذہن میں تحریر ہونے والے مضمون کوکس طرح متعین کرتا ہے۔ مثلاً قافيةً كذا و كذا کہ مطلوبہ تحریر کا قافیہ ایسا ہوگا۔ واسلوبه كذا وكذا اوراس کا اسلوب ایسا ہوگا۔ وذلك لما اشرنا اليه من ان القرآن استوطن ذروة السنام في المواطن النسمية جیسا کہ ہم نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قرآن پاک نے انسان کے روح میں اونٹ کی کوہان کی طرح بلند مقام پکڑا ہوا ہے ہر موطن میں خواہ وہ اسلوب کا موطن ہو یا وعظ ونصیحت کا یاکسی اوراعتبار سے۔آپ اسے ہرجگہ اور ہرموطن میں بلند مقام پر پائیں گے۔شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تبصرہ اجمالی طور پر اپنی دوسری کتاب الخير الكثير میں کیا ہے۔

حرف آخر :

آخر میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حروف مقطعات کے الہامی معانی کے متعلق فرمایا ہے وبالجملة القيت في روعي معاني هذه المقطعات على طريق ذوقي اورخلاصہ کلام یہ ہے کہ ان حروف مقطعات کے معانی میرے دل میں ذوقی یاالہامی طریقے پرڈالے گئے ہیں۔ان معانی کوقطعی دلیل کے ساتھ نہیں بیان کیا جاسکتا۔آپ کوبھی اگرکسی درجے پر یہ ذوق حاصل ہوگیا تو تھوڑی بہت بات سمجھ میں آجائے گی۔اگر ہماری سمجھ میں بات پوری طرح نہ آئے تواس کی وجہ ہمارے فہم کی خرابی ہے۔ ولا يمكن ان توضح هذه المعاني الاجمالية بتقريرا وضح مما اتينا به من الكلمات اوران اجمالی معانی کی وضاحت اس تقریر سے زیادہ واضح طریقے پر ممکن نہیں ہے جو ہم نے بیان کردیئے ہیں۔ وهذا الكليات غير وافية كنه ما اردنا بيانه اورہمارے بیان کردہ

کلیات بھی اس کی حقیقت کو جاننے کے لئے کافی نہیں ہیں۔ بل متباینة من وجه دون وجه بلکہ اس کی صورتِ حال تو یہ ہے کہ جب کسی معاملہ میں کوئی ایک وجہ بیان کی جاتی ہے تو دوسری وجہ اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ یہ ایسی چیز ہے جو قابو میں نہیں آتی اور ظاہر ہے کہ کوئی چیز جس قدر مشکل ہوتی ہے وہ اسی قدر بے قابو ہوتی ہے۔ اس لئے شاعر لوگ بھی تخیل کے ایک درجے تک ہی بیان کرتے ہیں اور پھر بات ان کے بس سے باہر ہو جاتی ہے۔ مگر لوگ پھر بھی شاعروں کو داد دیتے ہیں کہ فلاں شاعر نے کمال کر دیا۔ اسی طریقے سے میں نے بھی حتی المقدور حروف مقطعات کی وضاحت ذوقی طریقے پر کر دی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن ہی نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب اور اللہ تعالیٰ درست بات کو بہتر جانتا ہے۔

ڈیڑھ صفحے کا یہ حروف مقطعات کا باب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی فارسی میں اصل کتاب میں تو موجود ہے مگر اس کے عربی اور اردو مترجمین نے اس کا ترجمہ چھوڑ دیا۔ پھر ہمارے شیخ مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ نے عربی ترجمہ کر کے اسے عربی نسخہ کے ساتھ شامل کر دیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

الباب الخامس

(پانچواں باب)

پانچواں تکمیلی باب :

(هٰذه تكملة كتاب :"الفوز الكبير، المسماة: بفتح الخبير) (ص ۶۸)(یہ باب اس کتاب "الفوز الکبیر" کا تکمیلی باب موسوم بہ "فتح الخبیر" ہے)

کتاب الفوز الکبیر کا یہ پانچواں باب بڑا اہم ہے۔ اگر اس باب پر عبور حاصل کر لیا جائے تو پورے قرآن پاک کی تفسیر آپ کے سامنے آ جائے گی۔ ہر سورۃ میں چھوٹے چھوٹے مشکل الفاظ اور ان کے معتبر معانی پیش کئے ہیں۔ جن کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور معتبر مفسرین رحمہم اللہ نے بھی ذکر کیا ہے۔ جب

بھی آپ قرآن پاک کی تفسیر کا مطالعہ کرنا چاہیں تو سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ سلف نے کسی لفظ یا آیت کا کیا مفہوم سمجھا ہے۔ اس سلسلے میں یہ پانچواں باب آپ کی رہنمائی کرے گا۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس باب کا ذکر اسی کتاب کے دوسرے باب کی پہلی فصل میں کر چکے ہیں کہ آپ نے قرآن پاک کے مشکل الفاظ کو سلف صالحین کے بیان کردہ مفہوم کے مطابق ایک علیحدہ رسالہ کی صورت میں باب پنجم کے طور پر جمع کر دیا ہے۔ لہٰذا جو چاہے اس باب کو اسی کتاب کا حصہ بنا لے اور جو چاہے الگ رسالہ کی حیثیت سے اس سے مستفید ہوتا رہے۔

افتتاحی خطبہ :

الحمدلله الذی انزل القرآن شفاء ورحمة للمؤمنين، والهم الصحابة والتابعين وسائر علماء الدين ان يعتنوا بتفسير غرائبه و بيان اسباب نزوله، لتتم النعمة، وتكمل الرحمة وتتضح معالم اليقين، وصلى الله على سيدنا محمد واله وصحبه والتابعين لهم باحسان اجمعين۔

اپنی بات بسلسلہ باب پنجم شروع کرنے سے پہلے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کی ہے۔ الحمدلله الذی انزل القرآن شفاء ورحمة للمؤمنين سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے ہیں جس نے قرآن پاک کو بطور شفاء اور اہلِ ایمان کے لئے رحمت کے طور پر نازل فرمایا۔ شفاء ظاہری بھی ہوتی ہے اور باطنی بھی۔ ظاہری شفاء سے مراد انسان کی جسمانی بیماریاں کھانسی، نزلہ، بخار، تپدق، بلڈ پریشر، شوگر وغیرہ ہیں جن کے علاج کے لئے ڈاکٹر، حکیم یا کسی سرجن کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ جبکہ باطنی بیماریوں از قسم کفر، شرک، الحاد، نفاق وغیرہ کیلئے اللہ نے فرمایا۔ وشفاء لما فی الصدور (یونس : ۵۷) یعنی یہ قرآن پاک سینوں میں پائی جانے والی امراض کے لئے شفاء ہے۔ قرآن پاک کے بتلائے ہوئے عقائد و اعمال اختیار کرنے سے دلوں کی بیماریاں دور ہو کر دل میں توحید و سنت آتی ہے۔ اور آدمی اعمالِ صالحہ انجام دینے لگتا ہے۔ اور جب کوئی آدمی قرآن پاک کی تعلیمات پر ایمان لا کر مومن بن جاتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرنے لگتا ہے تو پھر یہی قرآن اس کے لئے رحمت بن جاتا ہے اور اسے دنیا و آخرت میں فلاح نصیب ہو جاتی ہے۔ رحمة للمؤمنين کا یہی

مطلب ہے۔

والهم الصحابة والتابعين وسائر علماء الدين ان يعتنوا بتفسير غرائبه و بیان اسباب نزوله اور اللہ تعالیٰ نے الہام کیا ہے یعنی سمجھا دیا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تابعین عظام کو اور تمام علماء دین کو کہ وہ قرآن پاک کے غرائب میں مشکل مقامات کو اچھے طریقے سے سمجھنے کی کوشش کریں اور ان کے نزول کے اسباب کو بیان کریں۔ لتتم النعمة تاکہ اللہ تعالیٰ کی یہ نازل کردہ نعمت مکمل ہو جائے، جیسا کہ اللہ نے سورۃ مائدہ میں فرمایا ہے۔ اليوم اكملت لكم دينكم و اتممت عليكم نعمتي (آیت : ۲) آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی ہے۔ وتكمل الرحمة اور تاکہ اس کی رحمت کی بھی تکمیل ہو جائے۔ وتتضح معالم اليقين اور تاکہ یقین کے نشانات پختہ ہو جائیں۔ وصلى الله على سيدنا محمد و اله وصحبه والتابعين لهم باحسان اجمعين اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کاملہ نازل ہو ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کی آل پر، آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اور ان پر جو ان کی نیکی کے ساتھ اتباع کرنے والے ہیں سب پر۔

تمہید باب پنجم :

(امابعد) اس کے بعد پہلے اس کتاب الفوز الکبیر کے چار ابواب بیان ہو چکے ہیں۔ اب پہلے چار اور پانچویں باب کے درمیان امابعد سے یہ مراد ہے کہ پہلے چاروں ابواب اور پھر پانچویں باب کی تمہید اور حمد وصلوٰۃ بیان کرنے کے بعد فيقول العبد الضعيف ولى الله بن عبدالرحيم اللہ کا یہ ضعیف بندہ شاہ ولی اللہ ابن عبدالرحیم عرض کرتا ہے عاملهما الله تعالىٰ بفضله العظيم اللہ تعالیٰ اپنے اسی ناچیز بندے کے ساتھ اپنے عظیم فضل کے ساتھ معاملہ کرے۔ اور آپ کے والد کے ساتھ بھی جنہوں نے آپ کو لکھایا پڑھایا اچھی تربیت کی۔ شاہ عبدالرحیم بڑے بلند پایہ بزرگ، عالم، صوفی اور صالح آدمی تھے۔ آپ نے ان کے لئے بھی دعا کی ہے۔

پھر کہتے ہیں هٰذه جملة من شرح غريب القرآن یہ قرآن پاک کی مشکل باتوں سے متعلق شرح کا ایک حصہ ہے۔ من آثار حبر هٰذه الامة عبدالله ابن عباس رضى الله عنهما صحابی رسول حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے آثار سے جو اس امت کے بہت بڑے عالم تھے۔ حضور

علیہ السلام نے ان کے حق میں دعا کی تھی کہ مولا کریم، انہیں کتاب وحکمت کا علم عطا فرما۔ آپ کی یہ دعا مستجاب ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو کتاب وحکمت کا اتنا عظیم علم نصیب فرمایا کہ آپ عمر بھر قرآن وحدیث ہی کی تعلیم دیتے رہے۔ اس باب میں شاہ صاحب قرآن کے مشکل الفاظ اور ان کی جو شرح بیان کررہے ہیں یہ زیادہ تر حضرت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی منقول ہے۔ سلکت فیھا طریق ابن ابی طلحۃ رضی اللہ عنہ غریب القرآن مختلف روایات سے منقول ہیں۔ مگر میں نے یہ الفاظ ابنِ ابی طلحہ رضی اللہ عنہ کے طریقے پر جمع کردیئے ہیں۔ و کملتھا من طریق الضحاك عنه پھر یہ شرح ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول طریقے کے مطابق یہاں جمع کردی ہے۔ حضرت ضحاک تابعین میں سے ہیں اور آپ حضرت ابن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ کما فعل ذلك شیخ مشائخنا الامام الجلیل جلال الدین السیوطی فی کتابه "الاتقان" جیسا کہ ہمارے مشائخ کے شیخ امام جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اصول تفسیر کی کتاب ''اتقان فی علوم القرآن'' میں کیا ہے۔ ''اتقان'' دو جلدوں میں عظیم کتاب ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ قریب ہی ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ دسویں صدی ہجری میں ہوئے ہیں جبکہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ بارھویں صدی ہجری ہے۔ اعلی اللہ درجته فی الجنان اللہ تعالیٰ جنتوں میں ان بزرگوں کے درجات بلند فرمائے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ورأیت بعض الغریب غیر مفسر فی تینك الطریقین کہ میں وسیع مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ بعض غریب القرآن کی شرح مذکورہ دونوں طریقوں یعنی ابن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کے طریقوں میں نہیں کی جاسکی۔ فکملته من طریق نافع بن الازرق عنه پھر میں نے اس کو مکمل کیا ہے نافع ابن الازرق کے طریقے پر۔ یہ شخص خارجی تھا اور اس نے قرآن پاک کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بہت سے سوالات کئے تھے، جن کے انہوں نے جوابات دیئے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی صحیح بخاری میں اس کا ذکر کردیا ہے۔ فانه اصح مایروی فی هٰذا الباب کیونکہ اس باب میں بخاری کی نقل کردہ روایات سب سے زیادہ صحیح ہیں۔ ثم بغیر ذلك مما ذکره الثقات من اهل النقل، وقلیل ما هو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ مذکورہ روایات کے علاوہ میں نے اہلِ نقل میں سے دیگر ثقہ راویان کی روایات بھی شامل کرلی ہیں جو کہ اگرچہ بہت قلیل ہیں۔ وجمعت مع ذلك ما يحتاج اليه المفسر من اسباب النزول اس کے علاوہ میں نے اسباب نزول کے سلسلے میں دیگر لوازمات کو جمع کرلیا ہے۔ جن کی کسی مفسر کو ضرورت پڑسکتی ہے۔ منتخبًا له من اصح تفاسير المحدثين الكرام، اعنى : "تفسير البخارى" "والترمذى" "والحاكم" اس مقصد کے لئے میں نے محدثین کرام رحمہم اللہ کی صحیح ترین تفاسیر یعنی بخاری، ترمذی اور حاکم سے انتخاب کیا ہے۔ ان کے علاوہ مشکل الآثار نسائی کی تفسیر میں بھی شائع ہوچکی ہے، اور اس میں بھی تفسیری روایات موجود ہیں۔ اعلى الله منازلهم فى دار السلام اللہ تعالیٰ دار السلام میں ان کے درجات بلند فرمائے۔

فجاءت بحمدالله رسالة مفيدة فى بابها پس میں نے اس باب میں یہ مفید رسالہ پیش کردیا ہے۔ عدة نافعة لمن اراد ان يقتحم فى عبابها جو اس سمندر کی موجوں میں غوطہ زنی کرنا چاہے اس کیلئے یہ مفید سامان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص بھی قرآن پاک کے مشکل الفاظ کے معانی سمجھنے کی خواہش رکھے، اس کے لئے یہ رسالہ بڑا مفید ثابت ہوگا، وسميتها "فتح الخبير" بما لابد من حفظه فى علم التفسير میں نے اس کو "فتح الخبیر" کا نام دیا ہے یعنی جاننے والی کشائش، جس کا علمِ تفسیر کے لئے یاد کرنا ضروری ہے۔ والحمدلله اولاً و آخرا و باطنًا وظاهرًا پس سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں پہلے بھی اور بعد میں بھی باطنی بھی اور ظاہری بھی۔ اس خطبہ اور تمہید کے بعد قرآن پاک کی ۱۱۴ سورتوں میں سے ہر ایک کے مشکل الفاظ اور ان کے معانی بیان کئے جارہے ہیں۔

(۱) (من سورة الفاتحة)

(الحمد لله) الشكر لله ...... الى ...... اليهود مغضوب عليهم، والنصارى ضلال۔ (ص ۶۹)۔

چھوٹے چھوٹے جملوں میں قرآن پاک کے مشکل الفاظ کے معانی بیان کئے جارہے ہیں۔ اس مقصد کے لئے سب سے پہلے مرفوع حدیث یعنی جس کی سند حضور علیہ السلام تک پہنچتی ہے اس کو اختیار کیا

گیا ہے۔ اکثر و بیشتر روایات حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما یا حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دو سندوں کے ساتھ منقول ہیں۔ان کے علاوہ دیگر ثقہ راویوں سے ثابت تفسیر بھی شامل کر لی گئی ہے۔اس طرح قارئین کی قرآن پاک کے ساتھ مناسبت پیدا ہو جائے گی۔ جب آپ قرآن پاک کی تفسیر دیکھنا چاہیں تو سب سے پہلے یہاں بیان کردہ معانی کو دیکھیں۔ یہاں پر وہ معانی آپ کو ملیں گے جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں یا پھر صحابہ کرام اور تابعین سے پایۂ ثبوت کو پہنچتے ہیں۔اس کے بعد پھر دوسرے ذرائع آتے ہیں۔اس طریقے سے قرآن پاک کے ساتھ مناسبت بھی قائم رہے گی اور اس ضمن میں کوئی خرابی بھی نہیں آئے گی۔ باقی تفاسیر میں تو بہت سی باتیں مذکور ہیں مگر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سب سے صحیح چیزیں مختصر طریقے پر بیان کر دی ہیں۔

سورۃ الفاتحہ :

صرف سورۃ الفاتحہ کی تفسیر ہی مفسرین نے بڑی تفسیر کے ساتھ لکھی ہے۔امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر بسم اللہ ستر صفحات پر محیط ہے۔ جبکہ شیخ عبدالکریم جیلی رحمۃ اللہ علیہ نے دو جلدوں میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ''الکھف والرقیم'' کے نام سے لکھی ہے۔ یہ بہت مشکل تفسیر ہے جو دماغ کو چکرا کر رکھ دیتی ہے۔ بہرحال یہاں پر سورۃ فاتحہ کی تفسیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم اس طریقے پر کرتے ہیں۔ (الحمد لله) الشكر لله حمد کا معنی شکر کیا گیا ہے جو کہ عام تفسیر ہے حالانکہ حمد اور شکر میں فرق ہے آپ اکثر کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ حمد یعنی اللہ تعالیٰ کی تعریف تو عام ہے جبکہ شکر نعمت کے بدلے میں ہوتا ہے۔تاہم الحمد للہ کا مفہوم الشکر للہ عام آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔ (رب العالمين) مالك المخلوقات كلها تمام جہانوں کے رب سے مراد ہے کہ جتنے بھی جہان ہیں سب کا مالک رب ہے۔اور رب کا معنی پرورش کرنے والا یعنی ہر چیز کی تربیت کرنا اور حالاً فحالاً الى حد الكمال اور بتدریج حد کمال تک پہنچانا ہے یہ رب ہے۔ انہوں نے معنی کیا ہے، تمام مخلوقات کا مالک۔ (الرحمن الرحيم) اسمان من الرحمة فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے دو نام رحمان اور رحیم ہیں جو کہ رحمت کے مادہ سے ہیں۔ایک اسم میں مبالغہ ہے جبکہ دوسرا صفت شبہ کا صیغہ ہے جس میں دوام پایا جاتا ہے۔

(مالك يوم الدين) قاضی یوم الجزاء یہاں پر مالک سے مراد فیصلہ کرنے والا یعنی قاضی ہے اور یوم الجزاء سے مراد آخری فیصلے کا دن ہے۔ اس دنیا کی عدالتوں میں تو مکمل فیصلے نہیں ہوتے، کوئی صحیح ہوتے ہیں اور کچھ غلط بھی ہوتے ہیں۔ مگر قیامت والے دن قطعی اور آخری فیصلے دربارِ خداوندی میں ہوں گے، لہٰذا وہ جزاء کا دن کہلاتا ہے۔

سورۃ الفاتحہ قرآن پاک کا خلاصہ اور دیباچہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد بندہ عرض کرتا ہے (اياك نعبد) نخصك بالعبادة و نقصدك پروردگار! ہم تیری ذات کو عبادت کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں، اور ہم تیرا ہی ارادہ کرتے ہیں۔ عبادت اسی ذات کی ہو سکتی ہے جو واجب الوجود علیم کل، قادر مطلق، غیر مرئی اور دیگر صفاتِ مختصہ کا مالک ہو، اور وہ اللہ کی ذات کے سوا کوئی دوسری ذات نہیں ہے، لہٰذا عبادت بھی صرف اسی کی ہو سکتی ہے۔ گویا نخصك بالعبادة ہم عبادت کے لئے تجھے ہی خاص کرتے ہیں اور عبادت کے ساتھ ونقصدك تیرا ہی قصد کرتے ہیں۔

(و اياك نستعين) نسألك بطلب المعونة اور اپنے جملہ امور میں تجھ سے ہی معونت طلب کرتے ہیں۔ اور تیرا ہی تعاون چاہتے ہیں تیری توفیق شاملِ حال ہو گی تو کوئی کام سرانجام دے سکیں گے ورنہ نہیں۔ (الصراط المستقيم) كتاب الله، وقيل رسول الله صلى الله عليه وسلم وصاحباه صراط مستقیم کا عام معنیٰ اللہ کی کتاب قرآن پاک ہے۔ یعنی اس قرآن پاک کی طرف ہماری راہنمائی فرما تاکہ ہم اس کو سمجھ کر اس پر عمل کر سکیں۔ یہ دعائیہ کلمہ ہے، جس کی تکمیل پر آخر میں آمین کہا جاتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ صراطِ مستقیم سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے دو ساتھی یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں اصحاب اللہ کے نبی کے بہت قریب تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی موجود ہے۔ اقتدوا بالذين من بعدى ابى بكر وعمر کہ میرے بعد خاص طور پر ان دو صحابہ کی اقتداء کرنا ویسے تو میرے سارے صحابہ ہدایت پر ہی تھے۔ اس طرح صراطِ مستقیم سے مراد حضور علیہ السلام اور شیخین کا راستہ بھی مراد لیا جاتا۔ تاہم زیادہ راجح معنیٰ کتاب اللہ ہی ہے۔ بایں ہمہ دونوں ایک ہی مفہوم پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ اللہ کا رسول بھی تو کتاب اللہ کی طرف ہی راہنمائی کرتا ہے۔ پھر آگے صراطِ مستقیم کی وضاحت ہے۔

(صراط الذین انعمت علیهم) بالهدایة، وهم الانبیاء والصلحاء ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا، یعنی ان کو ٹھیک راستے کی ہدایت بخشی اور وہ انعام یافتہ لوگ انبیاء علیہم السلام اور صالحین ہیں۔ سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا، وہ آخرت میں ان لوگوں کے ساتھ ہوگا انعم اللہ علیهم من النبیین والصدیقین والشهداء والصٰلحین (آیت : ۷۰) جن پر اللہ نے انعام فرمایا، اور وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی جماعت ہے۔ غرضیکہ ان انعام یافتہ لوگوں کے راستے پر چلنے کی توفیق طلب کی گئی ہے۔

(غیر المغضوب علیهم ولا الضالین) وهم قوم موسی وعیسی، لانهم غیروا نعم اللہ عزوجل قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم :الیهود مغضوب علیهم، والنصاریٰ ضلال نہ ان لوگوں کا راستہ جن پر تیرا غضب ہوا، اور وہ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی قوم یہودی ہیں۔ اور ان پر غضب اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تبدیل کر دیا۔ اللہ کی کتاب تورات میں تحریف کے مرتکب ہوئے اور مادی نعمتوں کی شکرگزاری کرنے کی بجائے ناشکر گزاری کی۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد بھی ہے الیهود مغضوب علیهم کہ یہودیوں پر اللہ کا غضب ہوا کیونکہ وہ بہت زیادہ شرارتیں کرتے تھے۔ والنصاریٰ ضلال اور عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نصاریٰ گمراہ ہیں کیونکہ صحیح راستے سے بھٹک چکے ہیں۔ غرضیکہ ایک مومن بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور یہی دعا کرتا ہے کہ ہمیں منعم علیهم لوگوں کا راستہ بتا اور اس پر چلنے کی توفیق بخش نہ کہ مغضوب علیہ اور ضالین کا راستہ۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر کا خلاصہ بیان کر دیا ہے۔

(۲) (من سورة البقرة)

(ص ۶۹ تا ص ۷۲)

(لاریب فیه) لا شك فیه، اس کتاب میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی ہے۔ اس میں کسی کمی بیشی یا غلطی کوتاہی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ جو لوگ شک وشبہ پیدا کرتے ہیں ان کے متعلق شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ان کے اپنے دماغ ٹیڑھے ہیں جن کو ہر چیز ٹیڑھی ہی نظر آتی ہے۔ جس طرح بھینگے آدمی کو ہر چیز ٹیڑھی نظر آتی ہے یا جس طرح ساون کے اندھے کو

ہر طرف ہریالی ہی نظر آتی ہے، اسی طرح دماغ کے ٹیڑھوں کو کلامِ الٰہی میں شکوک وشبہات محسوس ہوتے ہیں وگرنہ قرآن پاک میں تو کہیں بھی کجی نہیں ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ (ختم الله علی قلوبهم) طبع الله عليها، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، ٹھپہ مار دیا ہے، وہ ہدایت قبول نہیں کریں گے۔

(یؤمنون) یصدقون: ایمان لاتے ہیں یعنی تصدیق کرتے ہیں۔ دراصل ایمان تصدیق قلبی ہی کا نام ہے۔ ایمان لانے کا مطلب دل کی گہرائی اور سچائی سے تصدیق کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ واقعی وحدہٗ لاشریک ہے، وحی الٰہی برحق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتابیں اس کے انبیاء وقوع قیامت، تقدیر اور جزائے عمل برحق ہے۔ (للمتقین) للمؤمنین الذين يتقون الشرك ويعملون بطاعتي، متقین سے مراد وہ ایمان والے ہیں جو سب سے پہلے شرک سے بچتے ہیں جو شرک سے نہیں بچتا، خواہ کسی قسم کے شرک میں مبتلا ہو، وہ شخص متقی نہیں ہوسکتا۔ یہ ہے اتقاء من الشرک، اس کے بعد اتقاء من المعاصی یعنی صغیرہ، کبیرہ تمام گناہوں سے بچنا ایک متقی آدمی کی علامت ہے، نیز فرمایا متقی وہ لوگ ہیں يعملون بطاعتي جو میری اطاعت پر عمل کرتے ہیں یعنی میرے ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرکے اس پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔

(ويقيمون الصلاة) يتمون الركوع والسجود والتلاوة والخشوع والاقبال علينا فيها ويديمونها جو نماز کو قائم کرتے ہیں یعنی دورانِ نماز رکوع سجود مکمل طریقے سے کرتے ہیں۔ تلاوت قرآن تسلی کے ساتھ کرتے ہیں اور خشوع یعنی اخبات اختیار کرتے ہیں۔ والاقبال علينا فيها اور نماز میں ہماری طرف یعنی خانہ کعبہ کی طرف رخ کرتے ہیں۔ یہ تو نماز میں تعدیل ارکان کی بات ہوگئی اور اقامت صلاۃ میں دوسری چیز نماز میں مداومت اختیار کرنا ہے یعنی نماز باقاعدگی سے ہمیشہ اپنے اپنے اوقات پر ادا کرتے رہنا ہے۔ یہ طریقہ درست نہیں ہے کہ نماز کبھی پڑھ لی اور کبھی چھوڑ دی۔ (مرض) نفاق وشك، بیماری سے مراد نفاق اور شک کی بیماری ہے جو منافقوں کے دلوں میں تھی۔ ظاہرہ امراض تو تپدق، جزام، نزلہ، بخار وغیرہ ہیں مگر زیادہ خطرناک باطنہ امراض ہیں جن میں کفر، شرک، نفاق اور شک شامل ہیں۔ اگر کتاب اللہ، توحید، پیغمبر، وقوع قیامت، جزائے عمل

وغیرہ کے بارے میں کسی قسم کا شک ہوگا تو ایسا شخص برباد ہو جائے گا۔

(ومن الناس من يقول) نزلت في المنافقين، اظهروا كلمة الايمان في الكفر فنفي الله عنهم الايمان بقوله: وما هم بمؤمنين، اورلوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو یوں کہتے ہیں۔ یہ آیت منافقوں کے حق میں نازل ہوئی، جنہوں نے کفر کی حالت میں ایمان کی بات کو ظاہر کیا۔ یہ اعتقادی منافقوں کا حال ہے جو زبان سے تو ایمان کا اقرار کرتے ہیں مگر ان کے دل پورے طریقے سے کفر پر ہی جمے ہوئے ہیں یہ کافروں کی بدترین قسم ہے اور یہ لوگ ابدی جہنمی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کی نفی کی ہے جیسا کہ اس کا ارشاد ہے وماهم بمؤمنين کہ یہ لوگ مومن نہیں ہیں۔ یہ لوگ ایمان کا دعوی محض مفاد حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کی جماعت میں شمولیت کیلئے کرتے ہیں۔ بظاہر نماز پڑھتے ہیں، مسلمانوں کی مجالس میں شریک ہوتے ہیں، سب کچھ کرتے ہیں مگر دل میں کفر ہی بھرا ہوا ہے۔ اس نفاق سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی جماعت میں شریک سمجھے جائیں انہیں مال غنیمت میں سے حصہ ملے، کفن، دفن ٹھیک طریقے سے ہو جائے اور وراثت میں حصہ مل جائے۔ اس قسم کے اعتقادی منافق حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ہوتے تھے عام طور پر ان کا علم نہیں ہوتا تھا، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی تھی تو پتہ چلتا تھا کہ فلاں شخص منافق ہے۔ اب نزول وحی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا جب تک کوئی شخص خود اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کی ذات، قرآن پاک یا پیغمبر کی ذات کے متعلق شک وشبہ کا اظہار صراحتاً نہ کرے، اس پر نفاق کا فتوی نہیں لگایا جا سکتا۔ عام طور پر اب لوگ اپنے نفاق کو چھپائے رکھتے ہیں اور دوسرا کوئی ذریعہ بھی نہیں ہے کہ جس سے کسی کے نفاق کو معلوم کیا جا سکے۔ جس نفاق کا ذکر احادیث میں آتا ہے، اس سے عملی نفاق مراد ہے جن پر ابدی کفر کا فتوی نہیں لگایا جا سکتا بلکہ ایسے لوگ اخلاقی اور عملی منافق کہلاتے ہیں۔

(يخادعون الله) باظهار غير ماهم عليه، وہ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں اس طریقے سے کہ وہ اپنا عقیدہ وہ ظاہر کرتے ہیں جو حقیقت میں ان کے دلوں میں نہیں ہوتا۔ وہ اپنے ذہن کے مطابق اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں یعنی يعاملون معاملة الخداع وہ دھوکہ باز جیسا عمل کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ تو علیم کل ہے وہ تو منافقوں کی تمام حیلہ سازیوں سے واقف ہے۔

(وما یخدعون الا انفسهم) بالکفر وتعویق الناس عن الایمان وہ نہیں دھوکہ دیتے مگر اپنی جانوں کو بالکفر یعنی کفر کا ارتکاب کر کے وتعویق الناس عن الایمان اور دوسرے لوگوں کو غلط پراپیگنڈہ کے ذریعے ایمان سے روک کر۔ منافقین دوسرے لوگوں کو بھی اسی راستہ پر چلانا چاہتے ہیں جس غلط راستے پر وہ خود گامزن ہیں اسی واسطے اللہ نے فرمایا ہے کہ درحقیقت وہ اپنے آپ کو ہی دھوکہ دیتے ہیں۔ (واذا خلوا) انصرفوا: اور جب وہ علیحدہ ہوتے ہیں یعنی انصرفوا (الی شیاطینھم) کبرائھم یعنی جب وہ اپنے بڑوں کے پاس جاتے ہیں جن کو شیاطین کا لقب دیا گیا ہے تو ان کو کہتے ہیں کہ حقیقت میں تو ہم تمہارے ساتھ ہی ہیں۔ مسلمانوں سے ظاہر میل ملاپ تو ان کو ٹھٹھہ کرنا ہے، ہم تو ان کو جھانسہ دے کر ان کی جماعت کے ممبر بنے ہوئے ہیں ورنہ ہمارا عقیدہ تو بالکل تمہارے جیسا ہی ہے۔

(عذاب الیم) نکال موجع : اللہ تعالیٰ نے ایسے منافقوں کے لئے دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے۔ نکال موجع کا مطلب پیچھے ہٹانے والا عذاب ہے یعنی ان سے نیکی کو پیچھے ہٹا کر برائی میں ڈال دیں گے۔ (یکذبون) یبدلون ویحرفون: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ منافقوں کو عذاب اس لئے دیا جائے گا کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ یہاں پر یکذبون کا معنی یبدلون و یحرفون کیا گیا ہے یعنی وہ لوگ کلام الٰہی کو بدل دیتے ہیں اور اس میں تحریف کرتے ہیں۔ (السفھاء) الجھال: یعنی بیوقوف، جاہل اور ناسمجھ لوگ۔ (فی طغیانھم) کفرھم: اپنی سرکشی میں یعنی اپنے کفر میں۔

(یعمھون) یتمادون ، وقیل یلعبون ویترددون : سرگرداں ہو رہے ہیں یہاں پر اس کا معنی یتمادون کیا گیا ہے کہ وہ اپنے اندھے پن میں آگے ہی بڑھتے جا رہے ہیں۔ وقیل یلعبون ویترددون بعض نے اس کا معنی کیا ہے، کھیل رہے ہیں اور تردد میں پڑے ہوئے ہیں۔ کبھی ادھر قدم رکھا، کبھی دوسری طرف چلے گئے۔ یہ لوگ مذبذب قسم کے کافر ہیں، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے۔ مذبذبین بین ذلك لا الی ھٰؤلاء ولا الی ھٰؤلاء (النساء : ۱۴۳) یہ متردد قسم کے لوگ ہیں جو نہ ایک طرف ہوتے ہیں، نہ دوسری طرف۔

(وقودها الناس والحجارة) حجارة من كبريت فلقها الله عنده كيف شاء:
منافقوں کا ٹھکانہ جہنم ہوگا جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے۔ پتھر سے مراد گندگی ہے جو اللہ نے پیدا کی ہے جیسا کہ اس نے چاہا۔ گندک ایسا مادہ ہے جو فوراً آگ پکڑ لیتا ہے۔ ماچس کی تیلی کے ایک سرے پر گندک کا مرکب بھی لگا ہوتا ہے جو رگڑنے سے فوراً بھڑک اٹھتا ہے۔ الغرض! جہنم کا ایندھن اسی قسم کے پتھر ہوں گے جو فوراً آگ پکڑ لیں گے اور منافق ان کے درمیان جلتے رہیں گے۔ (انی جاعل فی الارض خلیفة) جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنا چاہا تو اس کا ذکر فرشتوں کے سامنے کیا کہ میں زمین میں نائب بنانا چاہتا ہوں تو اس وقت فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے جو عرض کیا اور پھر اللہ نے اس کا جواب دیا، شاہ صاحب رحمہ اللہ اس مکالمے کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔
فرماتے ہیں قد کان فی الارض من قبل ان یخلق آدم بالفی عام بنو الجان آدم علیہ السلام کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے زمین میں جنات کی اولاد آباد تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں سے پہلے زمین پر جنات کا قبضہ تھا۔ یہ وہی جنات ہیں جن کا ذکر تابعین وغیرہ کی غیر مرفوع روایات میں ملتا ہے۔ بلکہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ زمین میں سب سے پہلے قوم حن کا دور تھا، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کیسی مخلوق تھی اور کتنا عرصہ تک زمین میں آباد رہی۔ اس کے بعد قوم بن کا دور آیا۔ پھر آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل جنات کو زمین پر اتارا گیا۔ اس وقت انسان تو نہیں تھے، صرف جنات ہی زمین میں آباد تھے۔ فافسدوا فی الارض انہوں نے زمین میں فساد برپا کیا۔ وہ آپس میں لڑتے جھگڑتے اور قتل و غارت گری کرتے تھے۔ فبعث الله جنوداً من الملائكة فضربوهم حتى الحقوهم بجزائر البحر تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لشکر بھیج کر جنات کی خوب پٹائی کی حتی کہ انہیں سمندری جزیروں میں دھکیل دیا۔ فقالت الملائكة اس پس منظر میں اللہ نے تخلیق آدم علیہ السلام کے ارادے کے جواب میں فرشتوں نے عرض کیا۔ اتجعل فیها من یفسد فیها كما فعل الجن مولا کریم! کیا تو ایسی مخلوق پیدا کرنا چاہتا ہے جو جنات کی طرح زمین میں فساد برپا کرے گی؟

(ونقدس لك) التقديس التطهير: حالانکہ تیری تقدیس کے لئے تو ہم ہی کافی ہیں کہ تو

ہر نقص اور عیب سے پاک ہے۔ گویا تقدیس سے مراد پاکی ہے۔ (رغدًا) واسعًا: رغدًا کا معنی واسع، کھلا اور کشادہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو وکلا منہا رغدًا حیث شئتما اور اس میں سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ ولا تقربا ھٰذہ الشجرۃ (البقرہ : ۳۵) مگر اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ بڑی مصیبت آئیگی۔ وہ شجر ممنوعہ کون سا تھا، اس کی قرآن وسنت میں کوئی وضاحت نہیں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ انجیر کا درخت تھا بعض نے دوسرے درختوں کا نام لیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ گندم کا درخت تھا جس کا دانہ کھانے سے منع کیا گیا تھا۔ گندم کھانے سے جسم میں حرارت پیدا ہوتی ہے اس لئے بعض شاعر مزاح کے طور پر یہ بھی کہا کرتے ہیں ؎

بخور نانِ جواری گر جوار اللہ می خواہی
کہ گندم کرد آدم را بیرون از جنت الماویٰ

اگر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہو تو جوار یا مکئی کی روٹی کھاؤ کیونکہ گندم نے تو آدم علیہ السلام کو جنت سے نکلوادیا تھا۔

بعض شجر ممنوعہ سے یہ مراد لیتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی جنت میں تھے تو وہ ابھی تک نابالغی حالت میں تھے مگر انہوں نے بلوغت والا کام کر کے حکم الٰہی کی خلاف ورزی کی جس کی وجہ سے انہیں زمین پر اتار دیا گیا ایسی بہت سی تفسیریں ہیں مگر اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان میں کون سی صحیح ہے۔ اس دوران میں شیطان کی جنت میں آمدورفت بھی ممنوع نہیں تھی۔ اس نے آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کے دلوں میں وسوسے ڈال کر اور خیر خواہی کی قسمیں اٹھا کر ان کو ممنوعہ شجر کا پھل کھانے پر آمادہ کرلیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا جنتی لباس اتر گیا اور وہ برہنہ ہوگئے۔ اور اپنے ستر کو درختوں کے پتوں سے ڈھانپنے لگے۔ پھر ان کو جنت عدن سے زمین پر اتار دیا گیا۔ بعض جدید روشنی والے لوگ کہتے ہیں کہ جنت عدن سے مراد اس دنیا کا باغ ہے، حالانکہ یہ نظریہ درست نہیں ہے۔ بلکہ جنت عدن سے مراد وہی جنت ہے جس میں آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا اور پھر انہیں درخت کے قریب نہ جانے کا حکم دیا گیا۔ مگر ان سے بھول ہوگئی تو اللہ نے فرمایا کہ یہاں سے اتر جاؤ۔ ولکم فی الارض مستقر و متاع الی حین ○ (البقرہ : ۳۶) اب تمہارا زمین میں ٹھکانہ ہوگا۔ اور وہاں پر ایک خاص مدت تک فائدہ

حاصل کرنا ہوگا۔ اللہ نے جنت میں واپس آنے کا قانون پہلے دن ہی بتلا دیا کہ دنیا کی زندگی میں جو کوئی ایمان لائے گا اور انبیاء کی اطاعت میں زندگی گزارے گا، وہ ادھر ہی آئے گا۔

(واتو به متشابها) يشبه بعضه بعضًا ويختلف في الطعم، وذلك ابلغ في باب العجب جنت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ جنت کو جو پھل اور دوسری اشیاء ضرورت میسر ہوں گی وہ ایک دوسری سے ملتی جلتی ہوں گی۔ يشبه بعضه بعضًا و يختلف في الطعام بظاہر تو پھلوں کا رنگ ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہوگا مگر ذائقہ ایک دوسرے سے مختلف ہوگا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مالک ہونے کی دلیل ہے۔ ہم یہاں بھی دیکھ رہے ہیں کہ کھیت کی مٹی ایک جیسی ہے، ایک ہی کنویں یا نہر سے پانی مل رہا ہے، کھاد بھی یکساں ڈالی جا رہی ہے مگر پھلوں کے ذائقے مختلف ہیں۔ ایک عقلمند آدمی یہی چیز دیکھ کر اللہ کی وحدانیت پر ایمان لے آتا ہے اور پکار اٹھتا ہے کہ یہ نہ تو مٹی کا کام ہے، نہ طبیعت کا، نہ مادہ کا، اور نہ کسی مخلوق کا بلکہ یہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کا کام ہے جو قادرِ مطلق ہے۔ بہر حال فرمایا کہ جنت میں ایسے پھل ہوں گے جن کی شکل وصورت تو ایک جیسی ہوگی مگر وہ ذائقہ میں مختلف ہوں گے۔ وذلك ابلغ في باب العجب اور انسان کو تعجب میں ڈالنے کے لئے یہ عجیب چیز ہے۔ یہی چیز انسان کی عاجزی اور خدا تعالیٰ کی عظمت تک پہنچنے کے لئے زیادہ بلیغ ہے۔

(خالدون) باقون لا يخرجون منها یعنی اہلِ جنت اللہ کے رحمت کے مقام میں ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے نکالے نہیں جائیں گے۔ (ولا تلبسوا) تخلطوا: نہ ملاؤ یعنی خلط ملط نہ کرو۔ (انفسهم يظلمون) يضرون: وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے تھے، یعنی نقصان پہنچاتے تھے۔ (وقولوا حطة) قيل لبني اسرائيل: قولوا حطة، قالوا: حبة في شعرة بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ شہر میں داخل ہوتے وقت کہنا حطة یعنی اے اللہ ہمارے گناہ معاف فرمادے۔ اور دروازے میں عاجزی کے ساتھ داخل ہونا، مگر وہ عاجزی کرنے کی بجائے اکڑ کر چلے اور بعض ان میں سے چوتڑوں کے بل گھسٹ کر داخل ہوئے۔ اور حطة کہنے کی بجائے یعنی اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنے کی بجائے حبة في شعرة کہنے لگے کہ ہمیں تو خوشے میں دانے چاہییں۔ غرضیکہ انہوں نے اپنے نبی کے حکم کی خلاف ورزی کی اور اول فول باتیں بکنے لگے۔ (وفي ذلكم

بلاء) نعمة : اوراس بات میں تمہارے لئے آزمائش تھی۔شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بلاء کا معنی یہاں پر نعمت ہے۔ بہر حال بلاء کے دونوں معنے آتے ہیں یعنی آزمائش بھی اور نعمت بھی۔

(الی بارئکم) خالقکم: باریٔ کا عام ترجمہ پیدا کرنا ہوتا ہے دراصل باریٔ کا لغوی معنی چھیلنا ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو ٹھیک طریقے سے بنا کر اچھی شکل وصورت عطا کی ہے جیسے سورۃ التین میں ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ○ بہر حال بارئکم یعنی تمہارا پیدا کرنے والا۔ (وفومھا) حنطتھا: فوم ، حنطه یا بُر سب گندم کے لئے استعمال ہوتے ہیں (المن) الصمغة: من کا معنی ترنجبین جو ایک قسم کی گوند کا نام ہے۔ یہ گوند ایک خاص درخت کے تنے پر پیدا ہوتی ہے، بڑی میٹھی اور لذیذ چیز ہے۔ درختوں سے اتار کر کھانے میں شکر کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے،اسے پانی میں ملا کر شربت بھی بنایا جاتا ہے۔ (والسلوٰی) الطیر : یہ بٹیر کی قسم کا پرندہ تھا۔ ہوا اڑا کر ان پرندوں کو بنی اسرائیل کے خیموں کے قریب لے آتی تھی اور وہ لوگ ان کو آسانی سے پکڑ لیتے اور پھر ان کو بھون کر کھا لیتے تھے۔

دراصل اللہ تعالیٰ نے من اور سلویٰ بطور خاص عنایت فرمایا تھا جیسا کہ اللہ نے احسان کے طور پر فرمایا، وانزلنا علیکم المن والسلوٰی (البقرہ : ۵۷) ہم نے تم پر من اور سلویٰ نازل فرمایا تا کہ تم ہماری عطا کردہ پاک روزی کھاؤ۔من کا معنی احسان کرنا یا کوئی چیز بلا معاوضہ یا بلا محنت دینے کو بھی کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ انسان روزی حاصل کرنے کے لئے کاشتکاری کرتا،کوئی دوسری محنت مشقت کر کے روزی کا سامان کرتا ہے مگر بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے من سلویٰ کی نعمتیں بغیر محنت مشقت اور بلا معاوضہ عطا کیں۔ (خاشعین) ذلیلین : جب بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکر گزاری کی اور احکام الٰہی کی نافرمانی کی تو اللہ نے ان کی شکلیں تبدیل کر دیں،ان کے نوجوانوں کو بندر اور بوڑھوں کو خنزیر کی شکلوں میں تبدیل کر کے ذلیل کر دیا۔اللہ نے ان کی نسل کو باقی نہیں رکھا بلکہ شکلیں تبدیل کرنے کے بعد جلدی ہی ان کو ہلاک کر دیا۔موجودہ بندروں کی نسل پہلے بھی تھی اور اب بھی ہے۔تاہم یہ نظریہ درست نہیں ہے کہ موجودہ بندر بنی اسرائیل کی نسل سے ہیں۔ بنی اسرائیل کی مسخ شدہ شکلوں والی نسل کو اللہ نے باقی نہیں رکھا تھا۔

(باؤا) انقلبوا: یعنی پلٹے۔ بنی اسرائیل پر ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے اللہ کا غضب ہوا جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے وباؤا بغضب من الله (البقرہ : ۶۱) وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غضب لے کر پلٹے۔ (نکالاً) عقوبة: نکال کا معنی سزا جو بنی اسرائیل کو ہفتے کے روز مچھلی کا شکار کرنے کے جرم میں دی گئی۔ نکال کا دوسرا معنی عبرت بھی ہوتا ہے جس سے دوسرے لوگ نصیحت حاصل کریں۔ (لما بین یدیها) من بعدهم: سزایابی کے وقت جو لوگ اس وقت سامنے تھے اور بنی اسرائیل کی ہلاکت کے وقت وہاں موجود تھے۔ (وما خلفها) الذین بقوا معهم: اور وہ لوگ جو پیچھے آنے والے تھے۔ (وموعظة) تذکرة: یعنی بنی اسرائیل کی سزایابی لوگوں کے لئے نصیحت کا سامان تھی۔ (لا فارض) هرمة: یہ لفظ بوڑھے جانور گائے بھینس، اونٹ وغیرہ کے لئے بولا جاتا ہے۔ (عوان) نصف بین البکر والهرمة: اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو ایسی گائے ذبح کرنے کا حکم دیا جو نہ تو بالکل جوان عمر ہو اور نہ بوڑھی، بلکہ درمیانی عمر کی ہو۔

(فاقع) صاف: گائے کے رنگ کے متعلق فرمایا کہ وہ صاف یعنی سارے جسم پر یکساں ہو۔ (لا ذلول) لم یذلها العمل: یعنی وہ گائے ایسی ہو کہ جس کو عمل نے ہموار نہ کر دیا ہو عمل سے مراد اسکو جوت کر ہل چلانا یا کنویں سے پانی کھینچنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مطلوبہ گائے سے کوئی محنت مشقت کا کام نہ لیا گیا ہو۔ آگے اس مشقت کی تعریف بھی آ رہی ہے۔ (تثیر الارض) تحرثها: یعنی نہ تو اس نے زمین اکھاڑی ہو یعنی کھیتی باڑی کے لئے ہل میں جوتی گئی ہو۔ (مسلمة) من العیوب: یعنی عیوب سے صحیح سلامت ہو۔ (لا شية) لا بیاض: یعنی اس گائے میں کوئی داغ نہ ہو بلکہ ساری کی ساری یک رنگ ہو۔ (فادارأتم) اختلفتم: ایک دوسرے سے اختلاف کرنا، جھگڑا کرنا اور ایک دوسرے کی بات کو ٹھکرانے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (بما فتح الله علیکم): بما اکرمکم به: یہودی ایک دوسرے کو کہتے تھے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے تم پر ظاہر کیا ہے، وہ مسلمانوں کو مت بتلاؤ، اگر مسلمانوں کو بتلا دو گے تو تم اپنی کمزوری کا اظہار کرو گے اور مسلمان تمہیں آگے نہیں چلنے دیں گے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بما فتح الله علیکم کا معنی بما اکرمکم به یعنی وہ چیز جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تمہیں عزت بخشی ہے۔

یہودیوں کی اس احتیاطی تدبیر کا پس منظر یہ ہے کہ ان کی اپنی کتابوں میں اللہ کے آخری نبی کی آمد اور نزولِ قرآن کی پیشین گوئیاں موجود تھیں اور وہ اس انتظار میں تھے کہ اللہ کا آخری نبی بنی اسرائیل میں سے ہوگا مگر جب حضور علیہ السلام بنو اسماعیل میں سے مبعوث ہو گئے تو یہودی حسد کی آگ میں جل گئے اور انہوں نے اپنی کتابوں کی واضح پیش گوئیوں اور علامات کے باوجود تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور ایک دوسرے کو تلقین کرنے لگے کہ مسلمانوں کو یہ نہ بتانا کہ اللہ کے آخری نبی کی علامات ان کی کتابوں میں موجود ہیں تو پھر وہ یہ اعتراض کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ اگر ایسا ہے تو پھر تم آخری نبی کو تسلیم کیوں نہیں کرتے۔ ایسی صورت میں تم لاجواب ہو جاؤ گے لہٰذا مسلمانوں کو بتاؤ ہی نہ جو کچھ اللہ نے تم پر نبی آخرالزمان کے بارے میں ظاہر کیا ہوا ہے۔ **(روح القدس) الاسم الذی کان عیسی علیه السلام یحی به الموتی**: روح القدس کا معنی یہ فرمایا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا وہ اسم پاک مراد ہے جس کے ذریعے عیسیٰ علیہ السلام مُردوں کو زندہ کرتے تھے۔ جب آپ یہ اسم پاک پڑھ کر **قم باذن الله** کہتے تو مردہ زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوتا۔

روح القدس سے بالعموم جبریل علیہ السلام مراد لئے جاتے ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے **وایدنه بروح القدس** (البقرہ : ۲۵۳) ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کی تائید روح القدس کے ساتھ کی۔ روح القدس کی ایک تیسری تشریح بھی ہے جو شاہ صاحب رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ حظیرۃ القدس میں ملاء اعلیٰ کی جماعت جس امر میں متفق ہو جائے، اسکو تائید روح القدس کہتے ہیں۔ **(یستفتحون) یستنصرون**: یعنی مدد طلب کرتے تھے کافروں کے مقابلے میں سورۃ البقرہ کی آیت : ۸۹ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جیسا یہودیوں کے پاس اللہ کی کتاب قرآنِ پاک آ گئی جو ان کی اپنی کتاب کی تصدیق کرتی ہے تو ان بدبختوں نے کتابِ الٰہی کو پہچاننے کے باوجود اس کا انکار کر دیا۔ حالانکہ کتاب کی آمد سے پہلے **یستفتحون علی الذین کفروا** وہ اسی کتاب کے واسطے سے کافروں پر فتح حاصل کرنے کے لئے دعائیں کیا کرتے تھے۔ خیبر کے رہنے والے ان یہودیوں کی غطفان کے کافروں کے ساتھ اکثر لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں **کانت یهود خیبر تقاتل غطفان فتهزم ففازت بهٰذا الدعاء** کہ

خیبر کے یہودی بنوغطفان کے کافروں کے ساتھ جنگ کے موقع پر یہ دعا کرتے تھے **اللھم انا نسئلك بحق محمد النبی الامی الذی وعدتنا ان تخرجه لنا فی آخر الزمان الی نصرتنا علیھم فھزموا غطفان** اے اللہ! حضرت محمد ﷺ کے حق سے جس کا تو نے ہم سے وعدہ کر رکھا ہے کہ اسے ہمارے لئے آخری دور میں نکالے گا، ہم تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ اور کچھ نہ کر مگر غطفانی کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔ اس دعا کی برکت سے اللہ نے یہودیوں کو کافروں پر فتح عطا کی مگر جب اللہ کے نبی کا ظہور ہو گیا تو انہوں نے آپ کو ماننے سے انکار کر دیا، پس اللہ کی لعنت ہوا نکار کرنے والوں پر۔

(الامانی) الاحادیث: جھوٹی باتیں۔ **(قلوبنا غلف) فی غطاء:** ہمارے دل غلافوں میں بند ہیں۔ جب یہودیوں پر اسلام کی دعوت پیش کی جاتی تھی تو کہتے کہ تمہاری بات ہم پر اثر نہیں کرتی کیونکہ ہمارے دل تو غلافوں کے اندر بند ہیں۔ ہمارا عقیدہ بالکل محفوظ ہے لہٰذا مسلمانوں کا وعظ ہم پر بے اثر ہے۔ **(بئسما اشتروا به انفسھم) باعوا نصیبھم من الآخرة بطمع الیسیر من الدنیا** بری ہے وہ چیز کہ جس کے بدلے میں انہوں نے اپنی جانوں کو بیچا ہے۔ لفظ شری اضداد میں سے ہے اور یہ خرید و فروخت دونوں میں استعمال ہوتا ہے کسی عبادت کے کسی مقام پر اس لفظ کا معنی خریدنا ہے یا فروخت کرنا، یہ قرائن سے ہی معلوم کیا جاتا ہے۔ یہاں پر معنی یہ کہ یہودیوں نے اپنی جانوں کو بیچا یعنی اپنا ایمان بیچ کر اس کے بدلے میں کفر خرید لیا۔ جو کہ بہت ہی برا سودا ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ اس کا معنی کرتے ہیں کہ انہوں نے دنیا کے تھوڑے سے حصہ یعنی رشوت، چوری وغیرہ کے مال کے بدلے میں آخرت میں اپنا حصہ فروخت کر دیا۔

(یود احدکم لو یعمر) قول الا عاجم اذا عطس احدھم: ''دہ ہزار سال بزی و ہزار سال نوروز و مہرجان بخور'' ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ اسے لمبی عمر مل جائے۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ لمبی عمر بھی تمہیں عذاب الٰہی سے بچا نہیں سکے گی۔ آخر کار تمہیں ایک دن اللہ کے سامنے پیش ہو کر اپنا حساب کتاب پیش کرنا ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایرانی لوگ لمبی عمر کا محاورہ اپنی زبان میں اس طرح استعمال کرتے تھے کہ جب کسی کو چھینک آتی تھی تو دوسرے اس کو یوں دعا دیتے تھے کہ تم دس

ہزار سال تک زندہ رہو اور ہزار سال نوروز اور مہر جان کھاؤ۔ نوروز اور مہر جان سال بھر میں ان کے عید کے دن ہوتے تھے جن میں وہ خوشی مناتے اور خوب کھاتے پیتے تھے۔ اور اس طرح وہ ایک دوسرے کو ہزار سال عمر پانے کی دعا دیتے تھے۔ اسی طرح یہودی بھی چاہتے تھے کہ انہیں لمبی عمر مل جائے مگر اللہ نے فرمایا کہ لمبی عمر بھی تمہیں عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکے گی۔

(راعنا) من الرعونة، كانوا اذا ارادو ان يحمقوا انسانًا قالوا راعنا: لفظ راعنا رعونت کے مادہ سے ہے۔ جب یہودی کسی آدمی کو بیوقوف ٹھہرانا چاہتے تھے تو اسے راعنا کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ اس بنا پر وہ حضور علیہ السلام کو بھی اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے یہی لفظ استعمال کرتے تھے جس کا معنی انظرنا ہی ہے، مگر وہ بدبخت اپنی گندی ذہنیت کی وجہ سے راعنا کی بجائے زبان کو گھما کر راعینا کہتے تھے جس کا معنی ہمارا چرواہا ہے۔ گویا یہودی راعنا یا راعینا سے خطاب کر کے نبی علیہ السلام کی توہین کے مرتکب ہوتے تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو منع کر دیا کہ وہ حضور علیہ السلام کو راعنا کہہ کر اپنی طرف متوجہ نہ کریں کیونکہ اس لفظ سے آپ کی بے ادبی کا پہلو نکل سکتا تھا۔ اللہ نے فرمایا، اے ایمان والو! نبی علیہ السلام کو متوجہ کرنے کے لئے انظرنا کا لفظ استعمال کیا کرو۔ (ماننسخ) نبدل: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ہم کوئی حکم تبدیل نہیں کرتے (أو ننسها) نتركها فلا نبدلها: یا اسے بھلا نہیں دیتے، گویا اسے ویسے ہی چھوڑ دیتے ہیں اور تبدیل نہیں کرتے، بلکہ اس سے بہتر حکم یا اس کی مثل دوسرا حکم لے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حکمت بیان کی ہے کہ کسی حکم کو منسوخ کیوں کیا جاتا ہے

(قانتون) مطيعون، وقيل مقرون: قانتون کا معنی اطاعت کرنے والے اور بعض نے کہا ہے کہ قانتون سے مراد ایمان کی صداقت کا اقرار کرنے والے ہیں۔ (فثم وجه الله) نزلت في التطوع على الدابة وقيل: في تحري القبلة، في الليلة المظلمة ثَمّ بطور ظرف استعمال ہوتا ہے جس کا معنی وہاں پر یا اس مقام میں بنتا ہے۔ تو یہاں پر فثم وجه الله کا معنی یہ ہوگا کہ اس موقع پر جدھر بھی رخ کرو گے، ادھر ہی اللہ کی توجہ ہوگی۔ کہتے ہیں کہ اگر آدمی سواری پر نفل ادا کر رہا ہو تو اس کا قبلہ رخ ہونا ضروری نہیں ہے۔ وہ نماز پڑھتا رہے، سواری جدھر بھی جا رہی ہو کچھ پرواہ نہیں ہے، نماز ہو جائے گی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اندھیری رات میں اگر قبلہ کا علم نہ ہو سکے اور کوئی بتانے والا بھی

نہ ہو تو تحری کر لو یعنی خود اندازہ کر کے قبلہ رخ متعین کر لو اور نماز ادا کر لو۔

(واذا ابتلی ابراهيم ربه بكلمات) ابتلاه بطهارة خمس في الراس وخمس في الجسد، وهي خصال الفطرة: اس واقعہ کو یاد کرو جبکہ ابراہیم علیہ السلام کو اپنے رب نے چند باتوں کے ساتھ آزمایا، یعنی وہ باتیں ان کے لئے عمل پیرا ہونے کے لئے ضروری ٹھہرائیں۔ وہ پانچ باتیں طہارت کے متعلق سر میں تھیں اور پانچ جسم میں۔ یہ خصال فطرت کہلاتی ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کو حکم تھا کہ نماز کے وقت ان دس خصال فطرت کو پاک صاف رکھو۔ سر میں پانچ خصلتوں سے مراد حواسِ خمسہ ہیں جبکہ جسم کی پانچ خصلتیں دو ہاتھ، دو پاؤں اور باقی سارا جسم ہے۔ ان سب کا نماز کے وقت پاک صاف ہونا ضروری ہے۔ (مثابة) يثوبون اليه ثم يرجعون: مثابہ کا معنی رجوع ہوتا ہے۔ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور پھر وہاں سے لوٹتے ہیں۔ یہ عمل بار بار کرتے رہتے ہیں۔ (قواعد) اساس البيت قواعد، قاعدہ کی جمع ہے جو کسی عمارت کی بنیاد ہوتی ہے ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا تھا کہ بیت اللہ شریف کو اس کی اصلی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کرو جن بنیادوں پر اسے آدم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔ حوادثات زمانہ اور مختلف اوقات میں آنے والے طوفانوں کی وجہ سے بیت اللہ شریف کی اصل عمارت باقی نہ رہی۔ البتہ اس جگہ کا تقدس بحال تھا۔ ان پہاڑوں کے درمیان اللہ کے نبی اور دوسرے لوگ بیت اللہ کی جگہ کی زیارت کرتے اور وہاں دعائیں مانگتے تھے۔ پھر جب ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ بیت اللہ کو اس کی اصلی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کرو تو آپ نے وہاں کھدائی کی تو اصل بنیادیں ظاہر ہو گئیں، چنانچہ آپ نے انہی بنیادوں پر خانہ کعبہ کی تعمیر نو کی۔

(حنيفا) مائلا: ہر طرف سے ہٹ کر ایک ہی طرف مائل ہونے والا۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کا لقب ہے کہ آپ ہر طرف سے ہٹ کر صرف ایک اللہ کی طرف لگ گئے تھے۔ (صبغة الله) دينه: اللہ کے رنگ سے اللہ کا دین مراد ہے۔ جب کسی شخص کا دل رنگین ہو جاتا ہے تو اس کے اعضاء پر بھی رنگ چڑھ جاتا ہے اور وہ دل کے تابع ہو کر چلتے ہیں۔ بہر حال اس رنگ سے مادی رنگ مراد نہیں ہے۔ جیسا کہ نصاریٰ نے اپنے لئے ایک خاص رنگ اختیار کر لیا ہے۔ (اتحاجوننا) تخاصموننا: کیا تم ہم سے جھگڑا کرتے ہو یعنی مخاصمت کرتے ہو؟

(شطرہٗ) نحوہ: شطر یا نحو کا معنی طرف ہوتا ہے۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد حضور نبی کریم ﷺ الی بیت المقدس ستة عشر شهرًا او سبعة عشر شهرًا سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نمازیں ادا کرتے رہے۔ وکان يعجبه ان تكون قبلته قبل البيت فحولت القبلة البتہ آپ چاہتے یہ تھے کہ مسلمانوں کا قبلہ بیت اللہ شریف کی طرف ہو۔ چنانچہ سولہ یا سترہ ماہ کے بعد بیت اللہ شریف کو قبلہ کرنے کا حکم آ گیا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو نماز کے وقت بیت اللہ شریف کی طرف رخ کر لیا کرو۔ ومات قبل ان تحول رجال لم يدروا ما يقولون فيهم، فانزل الله وما كان الله ليضيع ايمانكم اور یہ قبلہ مقرر ہونے سے پہلے کچھ لوگ فوت ہو چکے تھے اور وہ آخر تک بیت المقدس کی طرف ہی رخ کر کے نمازیں ادا کرتے رہے، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ تمہارے ایمان ضائع کر دے۔ بخاری شریف میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں ای صلاتكم یعنی تم نے جو نمازیں بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھی ہیں، وہ بھی اللہ کے حکم سے ہی پڑھی ہیں۔ یہ تو اتنا عرصہ تک کے لئے آزمائش تھی کہ یہودی بھی مسلمانوں کا دین قبول کر لیں مگر وہ تعصب پر ہی اڑے رہے اور جب بیت اللہ شریف مسلمانوں کا قبلہ مقرر ہوا تو انہوں نے طرح طرح کے اعتراضات کرنے شروع کر دیئے اور بیت اللہ کو قبلہ تسلیم نہ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے آخری نبی کا قبلہ بھی وہی تھا جو ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا اللہ کی کتاب میں یہی تھا۔

(لتكونوا شهداء) تاکہ تم گواہ ہو جاؤ۔ سورۃ البقرہ کی آیت: ۱۴۳ یوں ہے کہ اسی طریقہ سے ہم نے تمہیں افضل امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہی دینے والے بن جاؤ۔ اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يدعى بنوح فيقال: هل بلغت؟ فيقول: نعم حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت والے دن حضرت نوح علیہ السلام کو دربارِ الٰہی میں طلب کر کے دریافت کیا جائے گا کہ کیا آپ نے تبلیغ دین کر دی تھی وہ کہیں گے، مولا کریم! ہاں میں نے تبلیغ کر دی تھی۔ فيدعى قومه فيقولون: ما اتانا من نذير: پھر آپ کی قوم کو بلایا جائے گا تو وہ انکار کر دیں گے کہ ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔ فيقال: من شهودك؟ پھر نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے گواہ کون ہیں؟ فيقول: محمد و امته وہ عرض کریں گے کہ میرے

گواہ اللہ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ اور آپ کی امت ہیں۔ **فیؤتی بکم فتشهدون** : پس تم کو لایا جائے گا اور تم نوح علیہ السلام کے حق میں گواہی دو گے۔ امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے پیش ہونے پر قومِ نوح اعتراض کرے گی کہ مولا کریم! یہ لوگ تو ہم سے ہزاروں سال بعد آئے ان کو ہمارے متعلق کیا علم ہے اور یہ ہمارے بارے میں کیسے گواہی دیتے ہیں۔ جب ان سے پوچھا جائے گا کہ تم کس بنا پر قومِ نوح علیہ السلام کے خلاف گواہی دیتے ہو تو وہ کہیں گے کہ مولا کریم! ہم علم کے ساتھ گواہی دیتے ہیں کہ یہ بات ہمیں اللہ نے بتلائی ہے اور یہ بھی کہ تمہارا نبی دوسرے نبیوں پر شاہد ہوگا اور باقی امتوں پر تم کو گواہ بنایا جائے گا اور تم گواہی دو گے کہ اللہ کے سارے نبیوں نے اپنی اپنی امتوں تک اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا، پھر نوح علیہ السلام کی قوم کے لوگ لاجواب ہو جائیں گے۔

(شعائر) علامات واحدها شعيرة : شعائر شعیرہ کی جمع ہے جس کا معنی علامت ہوتا ہے۔ اور اس سے مراد ایسی علامت ہے جسے دیکھ کر اللہ کی یاد آتی ہے۔ بیت اللہ شریف، منٰی، عرفات، مزدلفہ مشعر الحرام، صفا و مروہ سب شعائر اللہ ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء ان مقامات میں آکر مناجات کرتے رہے اور دعائیں مانگتے رہے، ان مقامات کو شعائر اللہ کہا گیا ہے، اور شعائر اللہ کی تعظیم اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے برابر ہوتی ہے، لہٰذا ہر اہلِ ایمان شعائر اللہ کی تعظیم بجالاتا ہے، ان مقامات میں بھی عبادت کرتا ہے اور دعائیں مانگتا ہے کیونکہ یہ مقاماتِ قبولیت ہیں۔ اس کے علاوہ اعظم شعائر میں قرآن بیت اللہ شریف، آذان، نماز بھی شامل ہیں۔ **(فلا جناح) فلا حرج** : کوئی حرج نہیں ہے۔ **انما قيل فلا جناح لان قومًا كانوا يتحرجون ان يطوفوا بين الصفا والمروة ، والا هو واجب** کوئی حرج نہیں اس لئے کہا گیا تھا کہ بعض لوگ حج کے موقع پر صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرر ہے تھے، حالانکہ یہ سعی تو واجب ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں صفا اور مروہ پہاڑیوں پر بت رکھے ہوئے تھے۔ جب مشرک لوگ سعی کرتے تھے تو ہر چکر میں ان بتوں کی بھی تعظیم کرتے تھے۔ جب اسلام آگیا تو باہر سے آنے والے نو مسلم حضرات نے صفا اور مروہ کی سعی میں اس لئے حرج محسوس کیا کہ کہیں اس فعل سے بتوں کی تعظیم نہ صادق آتی ہو۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ سعی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ بتوں کی تعظیم کے لئے

نہیں بلکہ شعائر اللہ کی تعظیم کے لئے کی جاتی ہے اور ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے کی جا رہی ہے، درمیان میں مشرکوں نے گڑ بڑ کر دی گئی تھی اب وہ بت ہٹا دیئے گئے ہیں، لہٰذا جو آدمی اللہ کے گھر کا طواف کرتا ہے اسے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کے سات چکر لگانا بھی ضروری ہے اس میں کوئی حرج محسوس نہیں کرنا چاہیے۔

(ینظرون) یؤخرون، وہ نہیں مؤخر کیے جائیں گے یعنی مجرموں کو کوئی مہلت نہیں دی جائے گی اور وہ اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔ (خطوات الشیطان) عملہ: شیطان کے نقشِ قدم یعنی اس کا عمل مراد ہے، گویا شیطان کے نقشِ قدم پر چلنا اس کے عمل کے مطابق عمل کرنا ہے۔ (الفینا) وجدنا: یعنی پایا ہم نے۔ (اھل بہ لغیر اللہ) ذبح للطاغوت: اھل کا معنی آواز بلند کرنا ہوتا ہے۔ جانور ذبح کرتے وقت اگر غیر اللہ کا نام بلند کیا گیا یعنی بسم اللہ کی بجائے باسم مسیح، باسم موسیٰ یا باسم محمد کہہ کر جانور ذبح کیا گیا تو وہ مردار ہو گیا، اگر طاغوت یعنی لات اور عزیٰ وغیرہ کا نام بھی لیا گیا تو بھی مذبوح حرام ہو جائے گا۔ بوقت ذبح صرف اللہ کا نام بلند ہونا چاہیے۔ (ابن السبیل) الضیف الذی نزل بالمسلمین: اس سے مراد مسافر یا مسلمانوں کے ہاں آنے والا مہمان مراد ہے۔ (ان ترک خیرًا) مالاً: یہاں پر خیر سے مراد مال ہے۔

(جنفًا) جورًا ومیلاً فی الوصیۃ: جنف کا معنی ظلم اور وصیت کے معاملہ میں طرفداری کے طور پر ایک طرف جھک جانا آتا ہے۔ اگر وصیت کرتے وقت ایک مستحق کو ترجیح دی ہے اور دوسرے کو محروم کر دیا جائے تو یہ ظلم و جور ہوگا۔ (الباساء) الفقر: باس کا معنی فقر ہے جس کا تعلق مال سے ہے۔ (الضراء) المرض: ضراء کا معنی بیماری ہے جس کا تعلق جسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ (عفی) ترک: یعنی چھوڑ دیا گیا۔ (علی الذین یطیقونہ فدیۃ) جو لوگ طاقت رکھتے ہیں ان کے لئے فدیہ ہے ھی منسوخۃ بعض کہتے ہیں کہ یہ حکم منسوخ ہے۔ ابتدائے اسلام میں اس بات کی اجازت تھی کہ جو شخص روزہ نہیں رکھ سکتا وہ روزہ کے بدلہ میں فدیہ ادا کر دے۔ پھر اگلی آیت نازل ہوئی فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ یعنی جو کوئی رمضان کا مہینہ پائے وہ روزہ رکھے، تو اس آیت سے فدیہ والا حکم منسوخ ہو گیا۔ وقیل محکمۃ للشیخ الکبیر والمرأۃ الکبیرۃ اور بعض کہتے ہیں کہ فدیہ والا حکم

منسوخ نہیں ہے بلکہ یہ حکم محکم ہے۔ بوڑھے مرد یا بوڑھی عورتوں کے لئے نافذ العمل ہے جو بڑھاپے کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکتے ہوں، وہ فدیہ دے دیں۔ اور اگر ایسا کوئی مرد یا عورت بہت غریب ہے اور فدیہ ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو وہ استغفار کرتا رہے۔

ولما نزل صوم رمضان کانوا لا یقربون النساء رمضان کله جب ماہ رمضان نازل ہو جاتا تھا تو بعض لوگ یہودیوں کی دیکھا دیکھی پورا مہینہ بیویوں کے قریب نہیں جاتے تھے۔ وکان رجال یخونون انفسهم تو بعض لوگوں نے اپنی جانوں کے ساتھ خیانت کی یعنی وہ رمضان میں اپنی بیویوں کے قریب چلے گئے۔ فنزلت: احل لکم لیلة الصیام الرفث: اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ رمضان کی راتوں میں اپنی بیویوں کے ساتھ بے پردہ ہونا تمہارے لئے حلال ہے۔ (الخیط الابیض من الخیط الاسود) بیاض النهار من سواد اللیل وهو الصبح اذا انفلق سفید دھاگے کا سیاہ دھاگے سے نمایاں ہو جانا۔ اس سے مراد دن کی سفیدی کا رات کی سیاہی سے بوجہ طلوعِ فجر نمایاں ہونا ہے۔ ماہِ رمضان میں سحری کھانے سے متعلق اللہ نے فرمایا کہ اس وقت تک کھا پی سکتے ہو جب تک سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے نمایاں ہو جائے۔ کان رجال اذا ارادوا الصوم ربط احدهم فی رجله خیطًا ابیض وخیطًا اسود چنانچہ جب کوئی آدمی روزہ رکھنا چاہتا تو اپنے پاؤں میں ایک سفید اور ایک سیاہ دھاگہ باندھ لیتا اور اس وقت تک سحری کھاتا رہتا جب تک دونوں دھاگوں میں امتیاز نہ پیدا ہو جاتا۔ فانزل الله تعالی من الفجر پھر اللہ تعالیٰ نے آیت میں من الفجر نازل فرما کر واضح کر دیا کہ سفید و سیاہ دھاگے سے مراد دھاگوں کی سیاہی و سفیدی مراد نہیں بلکہ اس سے مراد صبح کی سفیدی ہے جو رات کے آخری حصے میں ظاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا تم طلوع فجر تک سحری کھا پی سکتے ہو اور دیگر ضروریات بھی پوری کر سکتے ہو۔ (العاکف) المقیم یعنی بیت اللہ شریف میں ٹھہرنے والا۔

(التهلکة) والهلاك واحد: تہلکہ اور ہلاکت ہم معنی الفاظ ہیں یعنی تباہی و بربادی۔

قال بعض الانصار لبعض ان اموالنا قد ضاعت وان الله اعز الاسلام وکثیر ناصره بعض انصارِ مدینہ نے ایک دوسرے سے کہا کہ ہماری زمینیں ضائع ہو گئی ہیں، اور اب اللہ نے اسلام کو

عزت بخشی ہے اور اس کے مددگاروں کو کثرت حاصل ہو چکی ہے۔ وہ لوگ اپنے کاروبار میں دوبارہ مصروف ہونا چاہتے تھے، کہنے لگے جب تک ہم اپنی زمینوں میں دوبارہ کام کا آغاز کریں گے، اس وقت تک ہمارا کافی نقصان ہو چکا ہوگا۔ فنزلت: ولا تلقوا بایدیکم الی التهلکة پس اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو، مطلب یہ تھا الاقامة علی الاموال وترک الغزوات یعنی اپنے اموال میں مصروفیت اور ترکِ جہاد سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والی بات ہے۔ او قیل: نزلت فی النفقة یعنی الاسراف فیها یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اخراجات میں بے جا اسراف ہے۔ یعنی بیاہ شادی اور دیگر رسومات کے موقع پر فضول خرچی کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

(ثقفتموهم) وجدتموهم: تم جہاں بھی ان کو پاؤ ان سے قتال کرو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے (لا تکون فتنة) الشرك یہاں پر فتنہ سے مراد شرک ہے۔ کانوا اذا احرموا فی الجاهلیة اتوا البیوت من ظهورها زمانہ جاہلیت میں جب لوگ حج کا احرام باندھ کر گھر سے نکل کھڑے ہوتے اور پھر انہیں کسی ضرورت کے تحت واپس گھر میں آنا پڑتا تو وہ گھر کے دروازے کی بجائے پچھلی طرف سے دیوار پھاند کر یا چھت کے اوپر کی طرف سے داخل ہوتے۔ فانزل الله تعالى: ولیس البر بان تاتوا البیوت ...... القرآن پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ تم اپنے گھروں میں پچھلی طرف سے داخل ہو۔ (فمن کان منکم مریضًا او به اذی) نزلت فی کعب بن عجرة پس جو شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو۔ یہ آیت کعب ابن عجرہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ انہوں نے احرام باندھا ہوا تھا اور ان کے سر میں کثرت سے جوئیں پڑی ہوئی تھیں جو انہیں بہت تنگ کر رہی تھیں۔ صحابی رسول قربانی کرنے سے پہلے حجامت بھی نہیں بنا سکتے تھے ورنہ اس کی جنایت ادا کرنا پڑتی تھی۔ حضور علیہ السلام نے اپنے صحابی کو اس تکلیف میں مبتلا پایا تو فرمایا کہ سر منڈا کر جنایت ادا کرو۔ اور وہ یہ ہے کہ تین روزے رکھ لو یا صدقہ میں تین صاع گندم دو یا کم از کم ایک بھیڑ یا بکری ذبح کرو۔

(لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلاً من ربکم) ای فی موسم الحج: تم پر کچھ

حرج نہیں ہے کہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو، یعنی حج کے موسم میں ۔ زمانہ جاہلیت میں جب مشرکین دور دراز سے حج کے لئے آتے تھے، تو وہ کچھ تجارتی سامان بھی ساتھ لے آتے تھے جس کے ذریعے وہ حج کی ادائیگی کے علاوہ دنیاوی مفاد بھی حاصل کرتے تھے، جب اسلام کا دور آیا تو مسلمانوں کو تردد پیدا ہوا کہ سفر حج کے دوران تجارت کرنے سے کہیں ان کی عبادت میں فرق نہ آجائے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ حج کے دوران اللہ کا فضل تلاش کرنے یعنی تجارت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے ۔ یہاں پر یہ بات بیان کی گئی ہے **كانت عكاظ و مجنة وذو المجاز اسواقًا في الجاهلية** زمانہ جاہلیت میں عکاظ ، مجنہ اور ذوالمجاز کے مقامات پر منڈیاں لگتی تھیں جو دو دو ایک ایک ماہ تک جاری رہتیں ۔ **فتأثموا ان يتجروا في المواسم** یہاں عرب لوگ دور دراز سے جمع ہو کر غلہ، کھجوروں، جانوروں اور غلاموں کی خرید وفروخت کرتے ایسی ہی ایک بہت بڑی منڈی موسم حج میں منی کے مقام پر لگتی تھی جس میں حاجی لوگ خرید وفروخت کرتے تھے تو ایسی تجارت دورانِ حج کو اللہ نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں ہے، اہلِ ایمان سفر حج کے دوران تجارت بھی کر سکتے ہیں ۔

(**ثم افيضوا من حيث افاض الناس**: تم بھی وہیں سے پلٹو جہاں سے دوسرے لوگ پلٹتے ہیں ۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے **كانت قريش ومن دان دينها يفيضون بالمزدلفة وكان سائر العرب يفيضون بعرفات** قریش اور ان کے اہلِ مذہب لوگ حج کے موقع پر مکہ سے منٰی اور پھر وہاں سے مزدلفہ تک جا کر وہیں سے واپس منٰی آجاتے تھے اور میدانِ عرفات تک نہیں جاتے تھے ۔ اس طریقے سے وہ اپنی سیادت کا اظہار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم خانہ کعبہ کے متولیان ہونے کے ناطے دوسرے لوگوں پر فوقیت رکھتے ہیں، لہٰذا حدودِ حرم سے باہر نہیں جائیں گے ۔ اس طرح وہ اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے حج کا رکن اعلیٰ وقوفِ عرفات چھوڑ دیتے تھے ۔ اللہ نے فرمایا کہ تم بھی وہیں سے جا کر پلٹو جہاں سے دوسرے لوگ پلٹتے ہیں ۔ (**خلاق**) **نصيب**: خلاق کا معنی نصیب یا حصہ آتا ہے ۔ (**الد الخصام**) **الجدل المخاصم في الباطل**: سخت جھگڑالو باطل کے حق میں ۔

(**السلم**) **الطاعة**: سلم کا معنی اطاعت گزاری جیسے فرمایا **ادخلوا في السلم كافة** یعنی اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ یعنی اللہ اور اس کے رسول کی مکمل اطاعت اختیار کرو ۔ (**كـــــافة**)

جمیعًا: یعنی مکمل طور پر، سب کے سب۔

(قل العفو) مالایبین فی اموالکم: عفو سے زائد مال مراد ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کتنا مال خرچ کیا جائے، اللہ نے فرمایا کہ اپنی جائز ضروریات کھانا پینا، لباس، مکان کا کرایہ اور جانوروں کی دیکھ بھال کے بعد جو کچھ باقی بچ جائے، اسے اللہ کی راہ میں خرچ کردو۔ (لاعنتکم) لاحرجکم وضیق علیکم: تم کو حرج یعنی مشقت میں ڈال دیتا ہے۔ یتیموں کے مال کی حفاظت کی خاطر اللہ نے ان کے سرپرست مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ اگر تم چاہو تو یتیموں کا کھانا اپنے ساتھ ملا کر تیار کر لیا کرو، اگر اللہ تعالیٰ تمہیں لازماً یتیموں کا کھانا الگ پکانے کا حکم دے دیتا، تو تم مشقت میں پڑ جاتے۔ وہ بھی تمہارے دینی بھائی ہیں، اس لئے اگر ان کا کھانا اپنے ساتھ ملا لینے میں یتیم کی بہتری ہے تو انہیں ساتھ ملا لیا کرو۔ کیونکہ یتیم کا کھانا علیحدہ پکانے میں اس کے بچے ہوئے کھانے کے ضائع ہونے کا احتمال تھا۔ (هو اذی) یہ گندی حالت ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ کانت الیهود اذا حاضت المرأة منهم لم یواکلوها ولم یشاربوها کہ جب یہودیوں کی عورت حالتِ حیض میں ہوتی تو ان ایام میں وہ لوگ عورت کے ساتھ خورد و نوش موقوف کر دیتے۔ یہ مسئلہ حضور علیہ السلام سے دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا، هو اذی یہ گندگی کی حالت ہے فاعتزلوا النساء فی المحیض لہٰذا اس حالت میں عورتوں سے الگ رہو۔ فامروا ان یفعلوا کل شیٔ ماخلا النکاح آپ نے حکم دیا کہ تم حیض والی عورت کے ساتھ تمام معاملات سوائے نکاح والی بات کے کر سکتے ہو یعنی کھانا اکٹھا کھا سکتے ہو، قریب بیٹھ سکتے ہو، لیٹ سکتے ہو مگر مباشرت نہیں کر سکتے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقبل و ادبر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ مباشرت اگلے حصے سے ہو نہ کہ پیٹھ سے۔ فرمایا اتق الدبر والحیضة پیٹھ اور حیض کی حالت سے بچو کیونکہ یہ حرام ہیں۔ وکانت الیهود تقول اور یہودیوں کو یہ زعم بھی تھا کہ اذا جامعها من ورائها جاء الولد احول اگر عورت سے پیچھے کی طرف سے مباشرت کی جائے تو پیدا ہونے والا بچہ بھینگا ہوتا ہے۔ فنزلت : نساء کم حرث لکم فأتو حرثکم اس پر یہ آیت نازل ہوئی، تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں، پس جاؤ اپنی کھیتی میں جس طرف تم پسند کرتے ہو۔ کھیتی سے مراد تو وہی

مباشرت کا حقیقی مقام ہے، نہ کہ پیٹھ جس میں مباشرت کرنا حرام ہے۔ انی شئتم سے مباشرت کی کیفیت مراد ہے یعنی تم یہ عمل لیٹے بیٹھے، کھڑے ہو کر آگے کی طرف سے یا پیچھے کی طرف سے جیسے چاہو کر سکتے ہو، تاہم مقام مباشرت کا مقام ایک ہی ہے اور وہی روا ہے۔

(حدود اللہ) طاعۃ اللہ اللہ کی حدود سے اللہ کی اطاعت مراد ہے۔ کہتے ہیں کانت اخت معقل بن یسار طلقھا زوجھا فترکھا حتی انقضت عدتھا کہ صحابی رسول حضرت معقل بن یسار کی بہن کو اس کے خاوند نے طلاق دے دی اور اسے چھوڑ دیا یہاں تک کہ عدت قریب الاختتام ہو گئی۔ فخطبھا فابی معقل پھر خاوند نے اپنی بیوی کی طرف رجوع کرنا چاہا مگر حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا۔ فنزلت: فلا تعضلوھن اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اس مقصد کے لئے عورتوں کو مت روکو۔ اگر میاں بیوی آپس میں رضامند ہو جائیں اور وہ حقوق زوجین کی ادائیگی کا یقین دلائیں تو ان کو رجوع کرنے سے مت روکو۔ چنانچہ حضرت معقل رضی اللہ عنہ نے اللہ کے اس حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا اور بہن کو اجازت دے دی۔ (لا تواعدو ھن سرًا) السر الجماع سر کا عام فہم معنی پوشیدہ ہوتا ہے۔ تاہم اس مقام پر فعل جماع مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دورانِ عدت مطلقہ عورت کے ساتھ پوشیدہ طور پر وعدہ نہ کرو۔

(مالم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضۃ) المس الجماع والفریضۃ الصداق تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ تم عورتوں کو ایسی صورت میں طلاق دے دو کہ نکاح کے بعد تم ان کے قریب نہیں گئے اور نکاح کرتے وقت مہر بھی مقرر نہیں کیا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی صورت میں عورت پر عدت نہیں آتی اور وہ طلاق کے فوراً بعد نکاح ثانی کر سکتی ہے۔ اگر مہر مقرر ہوا تھا مگر میاں بیوی کی قربت نہیں ہوئی تو ایسی صورت میں مقررہ مہر کا آدھا ادا کرنا ہوگا، البتہ عدت نہیں ہوگی۔ یہاں پر مس سے مراد مباشرت اور فریضہ سے مراد مہر ہے۔ (والصلاۃ الوسطی) صلوٰۃ العصر درمیانی نماز سے عصر کی نماز مراد ہے۔ لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم حبسونا عن صلاۃ الوسطی حتی غابت الشمس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کافروں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ سے روک لیا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ یہ نماز غزوہ خندق کے موقع پر فوت ہوئی تھی۔ (وقوموا للہ قانتین) اللہ تعالیٰ کے

سامنے عاجزی کے ساتھ کھڑے رہو۔ قال زید بن ارقم: کنا نتکلم فی الصلاۃ ، یحکم احدنا فی حاجتہ حتی نزلت "وقوموا للہ قانتین" حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم دورانِ نماز گفتگو کرلیا کرتے تھے اور ایک دوسرے کی ضرورت کے متعلق بھی کہہ دیتے تھے، حتی کہ یہ آیت نازل ہوئی "اپنے اللہ کے سامنے عاجزی کرتے ہوئے کھڑے رہو" تو پھر ہم نے دورانِ نماز بات چیت کرنا ترک کردیا۔

(الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم) کانوا اربعۃ الآف کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جو اپنے گھروں سے نکلے اور وہ چار ہزار کی تعداد میں تھے۔ وہ کیوں نکلے؟ خرجوا من دیارھم فراراً من الطاعون طاعون جیسی مہلک بیماری سے راہِ فرار اختیار کرتے ہوئے وہ طاعون سے اپنی جان بچانا چاہتے تھے مگر جس کسی کی موت جس مقام اور جس وقت پر لکھی جا چکی ہے، تو ٹل نہیں سکتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مقررہ وقت اور مقررہ جگہ پر ان بھاگنے والے بنی اسرائیلیوں سے کہا (فقال لھم اللہ موتوا) فماتوا کہ مرجاؤ، تو وہ سب کے سب مر گئے۔ ان کے مردہ جسم اسی حالت میں کافی عرصہ تک پڑے رہے حتیٰ کہ اللہ کے نبی کا ادھر سے گزر ہوا فمر بھم نبی فسأل اللہ ان یحییھم فاحیاھم اس نے اللہ سے ان کی زندگی کے لئے دعا کی تو اللہ نے انہیں دوبارہ زندہ کردیا۔ ان لوگوں کو دوسری قوم کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم ہوا تھا مگر یہ جہاد میں موت سے ڈر کر بھاگ کھڑے ہوئے مگر اللہ نے پھر بھی ان پر موت طاری کردی (فیہ سکینۃ) رحمۃ بنی اسرائیل کے صندوق میں اللہ کی طرف سے تسکینِ قلب کا سامان یعنی اس کی رحمت تھی، اس کے علاوہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے تبرکات بھی تھے۔ (سنۃ) نعاس یعنی اونگھ۔ یہ لفظ آیت الکرسی میں آتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اونگھ یا نیند نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔ نہ تو تھکتا ہے اور نہ اسے آرام کے لئے اونگھ یا نیند کی ضرورت پیش آتی ہے۔

(ولا یؤودہ) لا یثقل علیہ : زمین وآسمان کی حفاظت اللہ تعالیٰ کو بوجھل نہیں بنا دیتی یعنی اسے تھکا نہیں دیتی۔ (او کالذی مر علی قریۃ) عزیر نبی اللہ یا اس شخص کی طرح جو ایک بستی پر سے گزرا۔ وہ اللہ کے نبی عزیر علیہ السلام تھے۔ بستی تباہ ہو کر کھنڈرات میں تبدیل ہو چکی تھی۔

انہوں نے خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ اس مردہ بستی کو کیسے دوبارہ آباد کرے گا۔ عزیر علیہ السلام تھوڑی دیر ستانے کے لئے وہاں رکے تو انہیں نیند آ گئی۔ آپ کے پاس آپ کا ناشتہ اور گدھا بھی تھا۔ اسی حالت میں سو سال کا عرصہ گزر گیا۔ جب بیدار ہوئے تو ناشتہ اسی طرح تروتازہ تھا جبکہ گدھا مر چکا تھا اور اس کا ڈھانچہ بھی ریزہ ریزہ ہو چکا تھا۔ اللہ نے پوچھا، تم کتنی دیر سوئے، عزیر علیہ السلام نے جواب دیا کہ ایک دن یا آدھا دن۔ اللہ نے فرمایا کہ تم سو سال تک یہاں سوتے رہے مگر ہم نے کسی کو پتہ بھی نہ چلنے دیا۔ پھر نبی کے سامنے اللہ نے گدھے کے ڈھانچے کو کھڑا کیا، اس کو زندہ کیا اور پھر وہ بولنے لگا۔ **(ولم يتسنه) لم تغيره السنون**: یہ عزیر علیہ السلام کے کھانے کا ذکر ہے جو سو سال تک ان کے قریب ویران بستی کے درمیان پڑا رہا ہے مگر وہ خراب نہیں ہوا یعنی نہ تو اس کا رنگ تبدیل ہوا اور نہ ہی اس کے ذائقے میں فرق آیا بلکہ سو سال پہلے ہی تروتازہ ہی رہا۔

(صفوان) حجر: صفوان کا معنی سخت پتھر یعنی چٹان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ریاکاری سے خرچ کرنے والوں کی مثال بیان کی ہے کہ وہ ایسے ہی ہے جیسے کسی گرد آلود سخت پتھر پر بیج ڈال دیا جائے تو اس سے کچھ پیداوار نہ حاصل ہو سکے گی۔ **(صلدًا) ليس عليه شيء، وقيل املس** اسی مثال کا تسلسل ہے کہ اگر کسی چٹان پر جس پر مٹی پڑی ہو، کاشتکاری کرنے کی کوشش کی جائے اور تیز بارش کی وجہ سے مٹی بہہ جائے گی اور چٹان صاف رہ جائے گی اور اس پر ڈالا ہوا بیج ضائع ہو جائے گا۔ بعض نے صلداً کا معنی چکنا پتھر کیا ہے۔ مطلب وہی ہے کہ ریاکار کو اس کی سخاوت کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ **(ايود احدكم ان تكون له جنة)** کیا تم میں سے کوئی شخص چاہتا ہے کہ اس کا پھلدار باغ ہو اور وہ بڑھاپے میں ضائع ہو جائے اور اس کا کوئی دوسرا ذریعہ معاش بھی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ریاکار آدمی کی ایسی ہی مثال بیان کی ہے کہ اس طرح سے خرچ کیا ہوا مال آخرت میں اسے کچھ مفید نہیں ہوگا۔ **قال عمر: ضربت مثلاً لرجل يعمل بطاعة الله ثم بعث الله له الشيطان فعمل بالمعاصي حتى اغرق اعماله** حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یہ اس شخص کی مثال ہے جو اللہ کی اطاعت کے اعمال انجام دیتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس پر شیطان مسلط کر دیتا ہے حتیٰ کہ وہ برے اعمال میں غرق ہو جاتا ہے تو اس کے نیک اعمال اس کو کچھ فائدہ نہیں دیتے۔

(اعصار) ریح شدیدۃ سخت تند ہوا جو باغ کو جلا کر خاکستر کر دے۔ (صر) برد: شدید درجے کی ٹھنڈک۔ (فصرھن) فضمھن: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فرمائش پر اللہ تعالیٰ نے ان کو احیائے موتی کا منظر دکھایا تھا۔ فرمایا مختلف قسم کے چار پرندے لے لو۔ فصرھن الیك اور ان کو ذبح کر کے ان کے گوشت کا قیمہ بناؤ اور سارا قیمہ آپس میں ملا لو، خلط ملط کر لو۔ پھر تھوڑا تھوڑا گوشت چار مختلف پہاڑوں پر رکھ کر آواز دو تو ہر پرندہ تمہارے پاس زندہ ہو کر دوڑتا ہوا آئے گا۔ (الحافًا) یقال الحف علی و الح: عاجزی اور زاری کے ساتھ سوال کرنا فرمایا، صدقہ خیرات وصول کرنا ان لوگوں کا حق ہے جو شکل وصورت سے سائل معلوم نہیں ہوتے اور زاری سے سوال بھی نہیں کرتے۔ (یمحق اللہ الربا) یذھبہ: اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے یعنی سود خور سود کے مال سے حقیقتاً کچھ فائدہ نہیں اٹھاپاتا بلکہ الٹا نقصان ہی ہوتا ہے۔ (ولا تیمموا الخبیث) نزلت فی رجال کانوا یتصدقون بالقنو من الشیص والحشف: اور ردی چیز کو اچھی چیز کے ساتھ مت ملاؤ۔ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جو ردی کھجور کا خوشہ لا کر نیچے کی طرف لا کر رکھ دیتے تاکہ محتاج لوگ انہیں پر اکتفا کر لیں۔ شیص ردی کھجوروں کو کہتے ہیں، جبکہ حشف ان کے نکمے چھوٹے چھوٹے دانوں کو کہتے ہیں جو خوشے کی نچلی طرف رہ جاتے ہیں۔ بہر حال دونوں الفاظ کا مطلب ردی کھجوریں ہی بنتا ہے جو مالدار لوگ غریبوں، مسکینوں کیلئے علیحدہ کر لیتے تھے۔ اس آیت کے ذریعے ایسے لوگوں کی مذمت بیان کی گئی ہے (فاذنوا) فاعلموا: یعنی تم خوب جان لو۔

(وان تبدوا ما فی انفسکم) نسخت بقولہ: لا یکلف اللہ نفسًا الا وسعھا اور اگر تم ظاہر کرو اس چیز کو جو تمہارے نفسوں میں ہے۔ یہ آیت اگلی آیت لا یکلف اللہ نفسًا الا وسعھا سے منسوخ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی طاقت کے مطابق۔

(غفرانك) مغفرتك: اے پروردگار! ہم تیری بخشش چاہتے ہیں۔

سورۃ البقرہ کے مشکل الفاظ کی موٹی موٹی وضاحت جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام یا دیگر آئمہ رحمہم اللہ سے منقول ہے، وہ کر دی گئی ہے۔ مکمل تفصیلات آپ تفسیرات میں پڑھ سکیں گے۔

(۳) (من سورة آل عمران)

(ص۲۷ تا ص۳۷)

الفوز الکبیر کا پانچواں باب غریب القرآن سے متعلق ہے۔قرآن پاک کی ہر سورۃ کے مشکل الفاظ کے وہ معانی بیان کیے جا رہے ہیں جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ضحاک، مجاہد یا دیگر ثقہ تابعین سے ثابت ہیں۔سورۃ الفاتحہ دیباچہ قرآن اور خلاصہ قرآن ہے، اس کے مشکل الفاظ اوران کے معانی بیان ہو چکے ہیں اس کے بعد قرآن پاک کی سب سے لمبی سورۃ البقرہ ہے، اس کے غریب القرآن بھی بیان ہو چکے ہیں۔

ایک اور بات بھی ذہن میں رکھ لیں کہ سورۃ البقرہ کا لب لباب، خلاصہ یا موضوع (SUBJECT) یہودیوں کی اصلاح ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان کی چالیس غلطیوں کی نشاندہی کر کے انہیں نصیحت کی ہے کہ وہ ان غلطیوں کو چھوڑ کر سیدھا راستہ اختیار کر لیں۔اس کے علاوہ سورۃ البقرہ میں ضروری احکام اور خلافت کبریٰ کا پورا نظام موجود ہے۔خاص طور پر حصول تقویٰ کا پروگرام دیا گیا ہے۔ جب تقویٰ حاصل ہو جائے گا تو آدمی کی پوری اصلاح ہو جائے گی۔

اگلی سورۃ آل عمران ہے یعنی عمران کی اولاد۔عمران حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہا السلام کے والد تھے۔انہی کے نام پر سورۃ کا نام آل عمران ہے۔یہ نبی تو نہیں تھے مگر نیک اور صالح آدمی تھے اور مسجد بیت المقدس کے متولی اور امام تھے۔اس سورت کا بیشتر حصہ نصاریٰ کی اصلاح سے متعلق ہے۔علاوہ ازیں اسلام کے بنیادی مسائل توحید اور معاد وغیرہ کا ذکر ہے۔اب اس سورۃ کے مشکل الفاظ کے معانی بیان ہوتے ہیں انزل النصف الاخیر من "آل عمران" فی قصة واحدة سورۃ آل عمران کا آخری نصف تو ایک ہی سلسلہ میں نازل ہوا ہے۔اس حصۂ سورۃ میں غزوہ بدر، غزوہ احد اور جہاد کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ابتدائی ۸۴ یا ۸۵ آیات تک روئے سخن نصاریٰ کی طرف ہے جس میں ان کی اصلاح کے لئے مختلف طریقوں سے تبلیغ کی گئی ہے اور ان کے غلط عقائد کی تردید کی گئی ہے۔نیز مسئلہ الوہیت بھی دلائل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ (زیغ) شك: زیغ کا عام فہم معنی کجی ہوتا ہے تاہم یہاں پر شک مراد لیا گیا ہے۔یعنی ایسا شک ہے جو کتاب الٰہی کی کسی آیت، اللہ

کے نبی یا قیامت کے بارے میں پیدا ہو جائے۔

(ابتغاء الفتنة) الشبهات: جن دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ آیاتِ الٰہی میں فتنہ تلاش کرتے ہیں یعنی شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں۔ (کدأب) کصنیع، وقیل حال: داب کا معنی خصلت یا عادت ہوتا ہے۔انہوں نے دو معنے کئے ہیں صنیع کا معنی کارگزاری جیسا کہ فرعون کی کارگزاری تھی بعض نے اس کا معنی حال کیا ہے، اور اس سے فرعونیوں کا حال مراد لیا ہے۔ (بالقسط) بالعدل: قسط کا معنی عدل ہے۔ (والخیل المسومة) المطهمة الحسان: عمدہ اور خوبصورت گھوڑے جن پر خاص قسم کے نشانات لگائے جاتے ہیں۔ (الا ان تتقوا منهم تقاه) التقاة التکلم بالکفر باللسان والقلب مطمئن بالایمان: تقاۃ کا معنی زبان سے کفر کا کلمہ ادا کرنا جب کہ آدمی کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔اگر کسی مقام میں کافروں کا غلبہ ہو اور مسلمانوں کو جان کا خطرہ ہو تو وہ زبان سے کلمہ کفر ادا کر کے اپنی جان بچا سکتے ہیں بشرطیکہ دل میں ایمان موجود ہو۔

(حصورًا) ای لا یأتی النساء: حصور کا لغوی معنی رکنے والا آتا ہے یعنی ایسا آدمی جو عورتوں کی طرف تصور بھی نہیں ٹھہراتا ہو حصوراً اللہ کے نبی یحییٰ علیہ السلام کا لقب ہے انہوں نے نکاح ہی نہیں کیا اور عورتوں کی طرف بالکل راغب نہیں تھے۔ بلکہ ہمہ وقت عبادت میں ہی مصروف رہتے تھے۔ (الا رمزًا) الا اشارة بالید او ایماء بالرأس: رمز سے مراد اشارہ ہے جو ہاتھ یا سر کے ساتھ کیا جائے۔ (الا کمه) الذی یولد وهو اعمی: اکمہ کا لفظ پیدائشی طور پر اندھے کیلئے بولا جاتا ہے۔ (متوفیك) ممیتك: اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میں تجھے وفات دینے والا ہوں (ایهم یکفل مریم؟) یعنی مریم کی کفالت یعنی پرورش کون کریگا؟۔ "ندع ابنائنا و ابناء کم" .... القرآن جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام نے عیسائیوں کو مباہلہ کا چیلنج کیا اور اللہ کے حکم کے مطابق ان کو فرمایا کہ ہم بھی اولادوں کو بلا لیتے ہیں اور تم بھی اپنی اولادوں کو بلا لو۔ پھر میدان میں کھڑے ہو کر دعا کرتے ہیں کہ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو۔ حضور علیہ السلام نے حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا کیونکہ یہی آپ کی صلبی اولاد تھی۔ مؤرخ ابن عساکر نے لکھا ہے کہ پہلی صف میں حضور علیہ السلام کی یہ صلبی اولاد تھی اور ان کے پیچھے دوسری صف میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ان کی

اولاد دیں تھی۔ اور پھر ان کے پیچھے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ اس وقت نبی علیہ السلام نے فرمایا تھا اللھم ھٰؤلآء اھل بیتی مولا کریم! یہ میرے اہلِ بیت ہیں۔ آپ نے ان پر کمبل ڈال دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ صلبی اولاد تو یہی تھی۔ پھر جب اہلِ بیت والی آیت نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات کو بھی واضح طور پر اہلِ بیت ہی کہا گیا۔

(سواء بیننا و بینکم) السواء العدل و القصد: سواء کا معنی برابر، انصاف اور قصد والی بات ہے۔ اللہ کے نبی نے اہلِ کتاب کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ آؤ اس بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔ الا نعبد الا اللہ و لا نشرك به شيئاً اور وہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اور نہ ہی اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں، گویا اللہ کے سوا کسی کو سپر طاقت تسلیم نہ کریں۔ (ربانيين) جمع رباني، علما فقهاء۔ لفظ ربانیین جمع ہے ربانی کی جس سے مراد علماء اور فقہاء ہیں کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو پہچانتے ہیں اور دین کی سمجھ رکھتے ہیں۔ قال الا شعف بن قيس: كان بيني و بين رجل من اليهود ارض فجحدني فقدمته الى النبى صلى الله عليه وسلم صحابی رسول حضرت اشعف ابن قیس کہتے ہیں کہ میرے اور ایک یہودی شخص کے درمیان زمین کے مسئلہ میں تنازعہ پیدا ہوا۔ یہودی میری زمین پر قابض تھا مگر اصرار کے باوجود وہ زمین چھوڑنے پر رضامند نہ ہوا۔ چنانچہ میں اس یہودی کو حضور علیہ السلام کے پاس لے آیا۔ فقال لي: الك بينة؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت کیا، کیا اس معاملہ سے متعلقہ تمہارا کوئی گواہ ہے؟ قلت: لا میں نے عرض کیا، حضور! میرا گواہ تو کوئی نہیں ہے۔ فقال لليهودي: أحلف پھر اللہ کے نبی نے اس یہودی سے پوچھا، کیا تو قسم اٹھانے کے لئے تیار ہے؟ فقلت: يا رسول الله اذا يحلف فيذهب بمالي میں نے عرض کیا، اللہ کے رسول! اس طرح تو یہ شخص قسم اٹھا کر میرا مال لے جائے گا۔ فانزل الله تعالى: ان الذين يشترون بعهد الله و ايمانهم ثمناً ...... الآية اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے حقیر مال حاصل کر لیتے ہیں ان کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں ہے، اور نہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی طرف نگاہ کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (لا خلاق) لا خير: خلاق کا معنی حصہ ہے،

اگر حصہ ہو بھی تو اس میں خیر نہیں ہو گی بعض کتابوں میں لا خیر کی بجائے غلطی سے لا ضیر طبع ہو گیا ہے، یہ درست کر لیں۔ روی ان اسرائیل اخذہ عرق النساء فجعل ان شفاہ اللہ ان لا یاکل لحمًا فیہ عرق روایت کیا گیا ہے کہ اسرائیل یعنی اللہ کا بندہ، اور یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے۔ آپ کو عرق النساء کا مرض لاحق ہو گیا جو کہ سارے جسم میں شدید قسم کا درد ہوتا ہے۔ آپ نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے شفاء دے دے تو میں رگوں والا گوشت نہیں کھاؤں گا۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد اونٹ کا گوشت تھا کیونکہ اس میں رگیں زیادہ ہوتی ہیں۔ قال فحرمتہ الیھود: یہودیوں نے یہ جان کر کہ یعقوب علیہ السلام نے اونٹ کا گوشت کھانے سے پرہیز کر لیا تھا۔ انہوں نے بھی یہ گوشت اپنے اوپر حرام کر لیا۔ فنزل: کل الطعام کان حلاً ...... الآیۃ بنی اسرائیل کے لئے ہر قسم کا گوشت جائز تھا مگر یعقوب علیہ السلام نے تو اپنی نذر پوری کرنے کے لئے از خود اپنے اوپر اونٹ کا گوشت نزولِ تورات سے قبل ناجائز ٹھہرالیا تھا مگر یہودیوں نے بھی یہ گوشت اپنے اوپر حرام قرار دے لیا اور اس طریقے سے غلط راستے پر چل نکلے۔

(من استطاع الیہ سبیلاً) قیل: ماالسبیل یا رسول اللہ؟ قال: الزاد والراحلۃ اس شخص کے لئے حج فرض ہے جو راستے کی طاقت رکھتا ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا گیا کہ استطاعت سے کیا مراد ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا الزاد والراحلۃ یعنی سواری اور سفر خرچ۔ حج کے سفر کے لئے سواری کا ہونا ضروری ہے خواہ کسی کے پاس مکمل سواری ہو یعنی کار وغیرہ ہو یا کوئی بڑی گاڑی ہو، بحری یا ہوائی جہاز ہو جس میں عازمِ حج کے لئے صرف ایک ہی سیٹ مخصوص ہو سکے۔ زادِ راہ سے مراد عازمِ حج کے دورانیہ کا خرچہ اور اس کے پیچھے گھر کے ضروری اخراجات کا ہونا بھی لازمی ہے۔ اگر یہ چیزیں میسر ہیں تو اس شخص پر حج فرض ہو جائے گا۔ اگر پھر بھی کوئی شخص حج کرنے کے لئے کوشش نہیں کرتا تو وہ معتوب ہو گا۔

(شفا حفرۃ) ھو حرفھا: عربی زبان میں شفا کنارے کو کہتے ہیں جبکہ حفرہ کا معنی گڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عرب کے لوگو، تمہارا آپس میں قبائلی اختلاف تھا جس کی وجہ سے تم جہنم کے گڑھے کے کنارے پر پہنچ چکے تھے اور ذرا سے جھٹکے سے جہنم میں گر سکتے تھے۔ مگر اسلام نے آ کر تمام

تعصبات مٹا دیئے اور سارے قبائل آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ یہ عربوں پر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہے کہ اللہ نے تمہیں تباہ ہونے سے بچا لیا۔ (تبوئ المؤمنین) توطن المؤمنین: آپ جنگ کے موقع پر مومنوں کی جگہ مقرر کرتے تھے یعنی ان کی صف بندی فرماتے تھے۔ جنگی حکمت عملی کے طور پر اللہ کے نبی مجاہدین کی ڈیوٹیاں لگاتے تھے کہ تم فلاں لشکر میں شامل ہو جاؤ، تم فلاں مقام پر رہ کر دفاع کرو اور تم فلاں جتھے میں شامل ہو کر اقدام کرو، وغیرہ وغیرہ۔ بہر حال تبوئ کا معنی ٹھکانا مقرر کرنا ہے۔

(اذ همت طائفتان منكم ان تفشلا) بنو حارثة و بنو سلمة جب دو گروہوں نے ارادہ کیا کہ وہ بزدل ہو جائیں یہ دو قبائل بنو حارثہ اور بنو سلمہ تھے جو جنگ بدر میں شریک ہونے سے گھبرا رہے تھے۔ مگر اللہ نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا، وہ دلیر ہو گئے اور پھر جنگ میں شریک ہو گئے۔ اللہ نے یہ بھی اپنی مہربانی اور احسان کا ذکر کیا ہے۔ (من فورهم) من غضبهم: فور کے دو معانی آتے ہیں یعنی غصہ اور یکدم۔ جنگ بدر کے موقع پر اللہ نے مسلمانوں کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر تمہارے دشمن تم پر سخت غصے اور غضبناک حالت میں فوری طور پر بھی حملہ آور ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کیلئے پانچ ہزار فرشتے بھیج دے گا، لہٰذا بددل نہ ہو۔ (مسومین) المسوم الذی له سيمة ای علامة: سیمہ کا معنی علامت ہوتا ہے اللہ نے فرمایا کہ میں تمہاری مدد کے لئے پانچ ہزار فرشتوں کو نازل کروں گا جو نشان لگانے والے ہوں گے یعنی کافروں کے فوجیوں، ان کے گھوڑوں اور دوسرے سامان ضرب وحرب پر نشان لگا دیں گے جن کو انہوں نے تباہ کرنا ہے۔

روى ان رسول الله صلى الله عليه وسلم شج فى وجهه و كسرت رباعيته روایت ہے کہ اللہ کے رسول کے چہرہ مبارک پر زخم آ گیا اور جنگ میں آپ کا دانت مبارک بھی ٹوٹ گیا۔ فجعل يقول: كيف يفلح قوم فعلوا هٰذا بنبيهم تو آپ کی زبان مبارک سے نکلا کہ وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ مگر اللہ نے آپ کو بد دعا کرنے سے منع فرمایا۔ فانزل الله تعالٰى: ليس لك من الامر شئ اور یہ آیت نازل فرمائی، کہ اس معاملہ میں آپ کو کوئی اختیار نہیں ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ کسی کو سزا دے یا توبہ قبول کر لے۔ و قال ابن عمر:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم احد: اللھم العن ابا سفیان، اللھم العن حارث بن ھشام، اللھم العن صفوان بن امیة حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ احد والے دن حضور ﷺ نے ابوسفیان، حارث ابن ہشام اور صفوان ابن امیہ پر ان کے نام لے کر لعنت فرمائی مگر اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا۔ یہ لوگ اسلام کے شدید ترین دشمن تھے مگر بعد میں اللہ نے ان کو اسلام کی دولت سے مشرف فرمایا۔ فنزلت: لیس لك من الامر شیٔ پھر یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ کو اس معاملہ میں کوئی اختیار نہیں ہے۔

(ولا تھنوا) لا تضعفوا: یعنی کمزوری نہ دکھلاؤ۔ (القرح) الجرح: اس سے مراد زخم ہے۔ (اذا تحسونھم) تستاصلونھم، وقیل تقتلونھم: جب تم ان کو کاٹ رہے تھے۔ اس کا دوسرا معنی تستاصلونھم ہے یعنی تم ان کو کھا رہے تھے۔ بعض نے اس کا معنی کیا ہے، جب تم ان کو قتل کر رہے تھے یعنی تقتلونھم۔ (غزّا) واحدھا غازٍ غزا کا واحد غازٍ ہے جس کا معنی جنگ میں شریک ہو کر بچ کر نکل آنے والا مجاہد ہوتا ہے، اور جو مسلمان کفار کے خلاف جنگ میں قتل ہو جاتا ہے وہ شہید کہلاتا ہے۔ (امنة نعاسًا) لڑائی کے دوران مومنوں کو اونگھ آ جانا اچھی علامت ہوتی ہے جس سے پریشانی دور ہو کر مسلمان پھر سے تازہ دم ہو جاتے ہیں۔ البتہ نماز کے دوران نیند کا آ جانا شیطانی اثر کے تحت منحوس ہوتا ہے۔ قال ابو طلحة: غشینا النعاس ونحن فی مصافنا حضرت ابوطلحہؓ کہتے ہیں کہ جنگ احد کے دوران جب ہماری فتح شکست میں تبدیل ہو چکی تھی اور ہمارے بہت سے ساتھی شہید ہو چکے تھے، خود حضور علیہ السلام کی شہادت کی خبر پھیل گئی اور اس وقت ہم سخت مایوسی کی حالت میں تھے۔ اور میدانِ جنگ میں ہی ہمیں اونگھ نے ڈھانپ لیا حتیٰ کہ تلواریں ہمارے ہاتھوں سے گری جا رہی تھیں۔ اللہ نے ہم پر اونگھ طاری کر کے ہمارے صدمہ کو دور کر دیا اور ہم تازہ دم ہو گئے۔ اس کے بعد دشمن کا دوبارہ مقابلہ کیا تو اللہ نے کامیابی عطا فرمائی اور دشمن بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔

(وما کان لنبی ان یغل) نزلت فی قطیفة افتقدت یوم بدر فقال بعض الناس لعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذھا: اللہ کے نبی کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ خیانت کرے۔ جنگ بدر سے حاصل ہونے والے مالِ غنیمت میں سے ایک کمبل کم پڑ گیا تھا اس کے بارے

میں بعض لوگوں نے کہا کہ شاید وہ کمبل حضور علیہ السلام نے لے لیا ہو، مگر اللہ نے سخت تنبیہ فرمائی کہ نبی علیہ السلام اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز [illegible] بھی نہ کرنا کہ وہ مسلمانوں کی اطلاع کے بغیر اپنے اپنے لئے خود کوئی چیز حاصل کرلیں گے۔ (استجابوا) اجابوا: انہوں نے قبول کرلیا، یعنی مسلمانوں نے نبی علیہ السلام کے حکم کے سامنے سر تسلیم کر دیا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ غزوہ احد میں بہت سے مسلمان شہید ہو گئے اور بہت سے زخمی حالت میں نڈھال ہو چکے تھے۔ اس دوران میں جب کافر میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے تو اللہ کے نبی نے زخم خوردہ مجاہدین کو دشمن کا پیچھا کرنے کا حکم دیا اس حکم کو مسلمانوں نے قبول کرلیا اور اس زخمی حالت میں دشمن کا آٹھ میل تک تعاقب کیا۔ ان تعاقب کرنے والوں میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ اس طرح دشمن پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔ اور دوبارہ حملہ کرنے کا ارادہ ترک کر کے مکہ کی جانب بھاگتے ہی چلے گئے۔

(فقد فاز) سعد و نجا: کامیاب ہو گئے، سعادتمندی حاصل کرلی اور نجات پا گئے۔

(ولا تحسبن الذين يفرحون) نزلت في اليهود سألهم النبي صلى الله عليه وسلم من شئ فكتموه: خوش ہونے والے لوگوں کے بارے میں آپ یہ گمان نہ کریں۔ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ اللہ کے نبی نے ان سے کوئی بات پوچھی تھی اور وہ اس کو ظاہر کرنے کی بجائے چھپا گئے تھے۔ اللہ نے اہلِ ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ آپ یہودیوں کی سازشوں اور ان کی کذب بیانی پر ان کی خوشی کو دیکھتے ہوئے، یہ گمان نہ کریں کہ وہ اس طرح کی حیلہ سازیوں کی وجہ سے عذابِ الٰہی سے بچ جائیں گے۔ بلکہ اللہ نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

یہ سورۃ آلِ عمران کے کچھ مشکل الفاظ تھے چند معانی بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اس سورۃ کا خلاصہ اور موضوع میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں۔

(۴) (من سورة النسآء)

(ص۷۳ تا ص۷۵)

نساء کا معنی عورتیں ہے۔اس کے واحد اور تثنیہ کے صیغے مراۃ اور مرأتان آتے ہیں اور جمع نساء ہے جو کہ من غیر باب آتا ہے۔اسی طرح لفظ رجال مردوں کے لئے جمع کا صیغہ ہے جبکہ اس کے واحد اور جمع بھی من غیر باب المرء او المرأتان آتے ہیں۔

سورۃ النساء میں حلت اور حرمت کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے یعنی کونسی عورتوں سے نکاح جائز ہے اور کونسی سے ناجائز ہے۔نکاح انسان کی ایک اہم ضرورت ہے لہٰذا اس سورۃ میں نکاح کی حلت وحرمت کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔اس کے علاوہ بہت سے دیگر مسائل بھی بیان ہوئے ہیں۔اب اس سورۃ کے مشکل الفاظ کے معانی بیان کئے جاتے ہیں۔یہ معانی شاہ صاحب رحمہ اللہ نے مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما،حضرت ضحاک،حضرت مجاہد یا دیگر ثقہ تابعین رحمہم اللہ سے اخذ کئے ہیں۔

(حوبًا کبیرًا) اثمًا عظیمًا بہت بڑا گناہ۔ قالت عائشة ام المؤمنين حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے ان رجلا کانت له یتیمة فنکحها و کان لها غذق و کان یمسکها علیه ولیس لها من نفسه شئ ایک شخص کی کفالت میں اس کی چچازاد یتیم بچی تھی،اس بچی کا اس کے سوا کوئی اور والی بھی نہیں تھا بلکہ یہی شخص اس کا والی تھا اور وہ اس کی کفالت میں تھی اس یتیم کی ملکیت میں ایک باغ تھا جو اسے وراثت میں ملا ہوگا۔اور اسی وجہ سے اس نے زیر کفالت چچازاد کو کسی دوسری جگہ نکاح کرنے سے روک رکھا تھا حالانکہ وہ شخص اپنے دل سے کوئی رغبت نہیں رکھتا تھا۔اس نے صرف باغ سے مالی منفعت حاصل کرنے کے لئے اس یتیم بچی سے نکاح کرلیا۔ فنزلت فیه چنانچہ اسی معاملہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ "وان خفتم الا تقسطوا فی الیتامٰی" اگر تم کو یتیم بچیوں کے بارے میں انصاف نہ کرسکنے کا خوف ہو تو پھر یتیم بچیوں سے نکاح کرنے کی بجائے دوسری عورتوں سے نکاح کرلو۔تاہم اگر یتیم بچیوں سے بھی نکاح کرلو تو جائز ہے۔ (ادنٰی الا تعولوا) اجدر ان لا تمیلوا یہ اسی بات کے زیادہ قریب ہے کہ تم ایک طرف یعنی ناانصافی کی طرف مائل نہ ہو۔

(نحلة) مهرًا: نحلۃ کا معنی مہر ہے فریضہ بھی مہر ہی کا ایک نام ہے جو بوقت نکاح مقرر کیا جاتا ہے اور جو عورت کا حق ہوتا ہے۔ (وابتلوا) اختبروا: اور آزماؤ یتیموں کو۔ (آنستم) عرفتم: تم معلوم کر لو یتیموں کے بارے میں (رشدًا) صلاحًا: صلاحیت اور سمجھ بوجھ یعنی جب یتیم بچے سنِ نکاح کو پہنچ جائیں اور نیکی بدی میں تمیز کرنے لگیں تو ان کا مال ان کے سپرد کر دو۔ اس سے پہلے ان کے مال ان کے سپرد نہ کرو مبادا کہ وہ اسے ضائع کر دیں۔ یہ متولیوں کو حکم دیا گیا ہے۔ (قیامًا) قوامًا من معایشکم: یہ تمہاری معیشت کا قوام یعنی معیشت کو قائم رکھنے والی بات ہے اگر ناسمجھ یتیم بچوں کو ان کا مال دے دو گے تو وہ نادانی میں غیر ضروری اشیاء پر خرچ کر کے اسے ضائع کر دیں گے۔ لہٰذا یتیموں کا مال اسی وقت ان کے سپرد کرو جب وہ سمجھدار ہو جائیں اور اپنے نفع نقصان کو پہچان سکیں۔ (ومن کان فقیرًا فلیاکل بالمعروف) اور یتیم کا متولی اگر محتاج آدمی ہے تو وہ دستور کے مطابق اس کے مال سے کھا سکتا ہے یعنی سرپرست آدمی یتیم کے مال سے اپنی خدمات کا جائز اور بقدر ضرورت معاوضہ لے سکتا ہے۔ تاکہ اس کا نقصان بھی نہ ہو قالت عائشة رضی الله عنها: مکان قیامه علیه بمعروف ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ دستور کے مطابق اس کے ٹھہرنے کے لئے مکان کی ذمہ داری بھی اسی پر عائد ہوتی ہے۔

(کلالة) من لم یترك والدًا ولا ولدًا: کلالہ اس مرنے والے کو کہا جاتا ہے جس کا نہ تو کوئی آباؤ اجداد میں سے باقی رہا ہو اور نہ ہی اس کی کوئی اولاد ہو۔ کانوا اذا مات الرجل کان اولیاءه احق بامرأته جب ایسا کوئی آدمی فوت ہو جائے تو اس کے ولی ہی اس کے مالک سمجھے جاتے ہیں فنزلت: لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرها: اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تمہارے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن جاؤ یعنی ان کو زبردستی روک رکھو یعنی ان کو نکاح کرنے سے روک دو۔ (لما کان یوم اوطاس اصبنا نساء لهن ازواج فی المشرکین فکرههن رجال: اوطاس کی لڑائی جو غزوہ حنین کے بعد ہوئی تھی اس میں مسلمانوں کے حصے میں مالِ غنیمت کے طور پر کچھ عورتیں آئیں۔ ان عورتوں کے مشرک خاوند بقید حیات تھے مگر مسلمانوں نے ان عورتوں کو خاوند والی ہونے کی وجہ سے ناپسند کیا اس موقع پر فانزل الله: والمحصنٰت من النساء

الا مـامـلـكـت ايمانكم اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔تم پر حرام قرار دی گئی ہیں خاوندوں والی عورتیں سوائے ان کے جو تمہاری ملکیت میں آجائیں۔ایسی صورت میں ان عورتوں کا پہلا نکاح باطل ہو جائے گا۔اور تم ان سے استفادہ حاصل کر سکتے ہو۔اگر وہ عورت حاملہ ہے تو وضع حمل کے بعد ہی تم ان سے مستفید ہو سکتے ہو۔اور اگر عورت حیض والی ہے تو جب وہ ایک حیض سے فارغ ہو جائے تو تم اس سے فائدہ حاصل کر سکتے ہو۔

(والمحصنٰت) كل ذات زوج: ہر خاوند والی عورت محصن کہلاتی ہے۔ (طولاً) سعة یعنی طاقت۔ (محصنات غير مسافحات) عفائف غير زوان في السر والعلانية یعنی ایسی عفیف اور پاک باز عورتیں جو پوشیدہ اور ظاہری طور پر زانیہ نہ ہوں، وہ محصنات کہلاتی ہیں۔ (ولا متخذات اخدان) اخلاء: اخدان کا معنی دوست یعنی خفیہ طور پر بھی دوست بنانے والی نہ ہو کہ ان سے ناجائز تعلقات قائم کرلیں۔ (فاذا احصن) زوجن: جب اس سے نکاح کر لیا جائے۔ (العنت) الزنا: عنت کا معنی مشقت ہوتا ہے۔یہاں معنی یہ ہے کہ اگر مومن آدمی جذبات پر قابو نہ پا سکے اور اسے بدکاری کا خطرہ ہو تو وہ لونڈی کے مالک کی اجازت سے لونڈی سے بھی نکاح کر سکتا ہے (موالی) عصبة: وقيل ورثة موالی سے مراد قریبی رشتہ دار ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے ورثاء مراد ہیں۔ (والذين عاقدت ايمانكم فاتوهم نصيبهم) من النصر، والرفادة والوصية جن کے ساتھ تم نے قسمیں اٹھا کر بھائی بندی کی ہے یعنی مؤاخات کے عہد کے ذریعے مہاجرین اور انصار جو بھائی بھائی بن چکے ہیں، ان کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے مواخاتی بھائی کو اس کا حصہ ادا کرے اس کی مدد کرے، عطیہ دے کر اس کے حق میں وصیت کرے۔

پہلے مواخاتی بھائی کو وراثت میں بھی حصہ ملتا تھا مگر بعد میں یہ حق منسوخ ہو گیا، اور مرنے والے کی وراثت کے حقدار صرف ذوی القربیٰ عصبات اور دیگر اقرباء پائے۔ وقد نسخ الميراث ويوصى له یعنی دینی بھائی کے لئے وراثت کا حکم منسوخ ہو کر اس کے لئے وصیت کرنے کا حق باقی رکھا گیا۔ قالت ام سلمة: ايغز والرجال ولا نغز ولا نقاتل فنستشهد وانما لنا نصف الميراث ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں کہ مرد تو جہاد کرتے ہیں اور ہم جہاد کے عمل سے محروم اور نہ ہی کافروں

کے ساتھ لڑائی کرتی ہیں کہ ہمیں بھی شہادت کا درجہ نصیب ہو سکے، اور ہمارے لئے وراثت میں بھی مردوں کی نسبت آدھا حصہ مقرر کیا گیا ہے۔ فانزل اللہ :و لا تتمنوا ما فضل اللہ ...... الآیة اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اس چیز کی خواہش نہ کرو جس کو اللہ تعالیٰ نے بعض کے مقابلے میں بعض کو فضیلت بخشی ہے۔ جیسا کہ اس کا فرمان ہے۔ الرجال قوامون علی نسآء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض و بما انفقوا من اموالھم مرد عورتوں کے نگران ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے کیونکہ ان کا خرچہ تو مردوں کے ذمہ آتا ہے۔ لہٰذا عورتیں یہ خواہش نہ کریں کہ ہم مرد کیوں نہ بنیں۔ یہ خیال اللہ تعالیٰ کی مصلحت کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو سہولت دی ہے اور ان کے لئے جہاد فرض نہیں کیا تو انہیں یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ ہم بھی جہاد کر کے شہادت کا مرتبہ حاصل کرتیں۔ یہ خیال درست نہیں ہے۔

(قوامون) امراء: قوام کا معنی نگرانی کرنے والا۔ اور امراء اپنے ماتحتوں کی نگرانی ہی کرتے ہیں۔ (قانتات) مطیعات: اطاعت کرنے والی مطیع عورتیں۔ (والجار ذی القربیٰ) الذی بینك و بینه قرابة : قریبی پڑوسی سے وہ پڑوسی مراد ہے جو قرابتدار یعنی رشتہ دار بھی ہو۔ (والجار الجنب) الذی لیس بینك و بینه قرابة یعنی وہ پڑوسی جس کے ساتھ رشتہ داری کا تعلق نہ ہو۔ (والصاحب بالجنب) الرفیق: پاس بیٹھنے والا یعنی ساتھی جو وقتی طور پر کچھ وقت کے لئے پڑوسی بن جائے جیسے کسی دفتر یا فیکٹری میں کام کرنے والے لوگ، سکول، کالج یا مدرسے کے طلباء جو تھوڑے وقت کے لئے آپس میں اکٹھے بیٹھ کر پڑوسی بن جاتے ہیں دورانِ سفر ریل، موٹر، بحری اور ہوائی جہاز کے مسافر بھی جز وقتی پڑوسی ہوتے ہیں والصاحب بالجنب کا اطلاق ان سب پر ہوتا ہے۔ (مثقال ذرة) زنة ذرة : ایک ذرہ کے برابر وزنی۔

(نطمس وجوھا) نسویھا طمس الکتاب محاہ: ہم ان کے چہروں کو برابر کر دیں گے۔ کتاب کو مٹا دیا گیا اور شکلیں بگڑ جائیں گے اللہ تعالیٰ کی یہی سزا ہے۔ (صعیدًا) وجه الارض : صعید سے مراد زمین ہے اور صعیدا طیبا یعنی پاک زمین یا پاک مٹی مطلب یہ ہے کہ پانی کی عدم موجودگی میں تیمّم کرنے کے لئے مٹی کا پاک ہونا ضروری ہے۔ نزلت آیة التیمم فی قلادة

عــائشة: ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا تھا، آپ اس کی تلاش میں ایسی جگہ پر تھیں جہاں پانی نہیں ملتا تھا۔ تو اس موقع پر تیمّم کی آیت نازل ہوئی۔ سئل ابن عباس عن قوله تعالى "والله ربنا ما كنا مشركين" وقوله: ولا يكتمون الله حديثًا" حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا کہ ان دو آیات کا کیا مطلب ہے؟۔ قال انهم لما رأوا يوم القيٰمة انه لا يدخل الجنة الا اهل الاسلام قالوا: تعالوا فلنجحد، فختم الله على افواههم فتكلمت ايديهم وارجلهم فلا يكتمون الله حديثًا آپ نے جواب دیا کہ مشرک لوگ جب قیامت والے دن دیکھیں گے کہ مسلمانوں کے سوا کوئی بھی جنت میں نہیں جا سکے گا۔ تو وہ کہیں گے کہ مولا کریم۔ والله ما كنا مشركين قسم بخدا، ہم تو دنیا میں شرک نہیں کیا کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ پاؤں بول کر ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ اور اس طریقے سے مشرک لوگ اپنے جرم کو اللہ کے سامنے چھپا نہیں سکیں گے۔

روى ان عبد الرحمن ابن عوف صنع طعامًا وشرابًا فدعا نفرًا من الانصار قبل تحريم الخمر فاكلوا وشربوا روایت کی گئی ہے کہ عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، انہوں نے کھانے پینے کا انتظام کیا حرمت شراب سے قبل اور چند انصاری دوستوں کو کھانے پر بلایا۔ مہمانوں نے خوب کھایا پیا۔ فلما ثملوا و جاء وقت صلاة المغرب تقدم رجل ليصلي بهم پھر جب وہ نشے کی حالت میں آ گئے اور نماز مغرب کا وقت بھی ہو گیا تو ان میں سے ایک آدمی نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔ فقرأ: قل يآ ايها الكافرون اعبد ما تعبدون وانتم عابدون ما اعبد اور دورانِ نماز سورۃ کافرون کو غلطی سے یوں پڑھ گیا۔ اے کفر کرنے والو، میں بھی اسی کی عبادت کرتا ہوں جس کی تم کرتے ہو۔ اور تم بھی اسی کی عبادت کرتے ہو جس کی میں کرتا ہوں اس طریقے سے امام نے کفر کے کلمات اپنی زبان سے ادا کر دیئے کیونکہ وہ نشے کی حالت میں تھا اور وہ سمجھ ہی نہیں رہا تھا کہ کیا کہہ رہا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس موقع پر فنزلت: لا تقربوا الصلوٰة وانتم سكارىٰ یہ آیت نازل ہوئی۔ اے ایمان والو! جب تم نشہ کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ، یہاں تک کہ تمہارے حواس اس حد تک قائم ہوں کہ تمہیں علم ہو کہ تم کیا کہہ

رہے ہو؟۔

چونکہ اس دور میں لوگ کثرت سے شراب پیتے تھے، اس لئے اس کو یکدم حرام قرار نہیں دیا گیا بلکہ بتدریج حرام کیا گیا۔ حتیٰ کہ جب یہ آیت نازل ہوئی انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون ○ یعنی شراب، جوا، بت اور پانسے کے تیر شیطانی عمل کا حصہ ہیں، ان سے بچ جاؤ تا کہ تم فلاح پا جاؤ۔ اس آیت کے نزول کے بعد شراب قطعی حرام قرار دے دی گئی۔ (فتیلاً) الذی فی شق بطن النواۃ: کھجور کی گٹھلی اور دانے کے درمیان ایک باریک سی دراڑ ہوتی ہے جس میں ایک باریک سا دھاگہ ہوتا ہے اس کو فتیل کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فتیل جتنی معمولی سی چیز کے برابر کسی شخص کے ساتھ زیادتی نہیں کی جائے گی۔ (واسمع غیر مسمع) یقولون اسمع لا سمعت: یعنی جو سنے جائیں نہ سنائے جائیں وہ کہتے تھے کہ سنیں اور بری بات نہ سنائیں۔ (لیًّا بالسنتھم) تحریفًا بالکذب: اپنی زبانوں کو گھما کر تحریف کرتے تھے۔ (الجبت) الشرک والشیطان اہلِ کتاب شرک اور شیطان پر ایمان رکھتے تھے۔ (نقیرًا) النقطة التی فی ظھر النواۃ ومنھا تنبت النخلة: اس سے مراد وہ نقطہ ہے جو کھجور کی گٹھلی میں ہوتا ہے، پھر اسی نقطہ سے کھجور کا درخت پیدا ہوتا ہے۔ (اولی الامر) اھل التفقہ والدین: اولی الامر سے مراد دین میں سمجھ بوجھ رکھنے والے لوگ ہیں۔ نزلت اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر فی عبداللہ بن حذافة یہ آیت حضرت عبداللہ ابن حذافہ رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ والمعنی ان طاعة اللہ والرسول مقدمة: اور معنی یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت مقدم ہے۔ اولی الامر یعنی حاکمِ وقت اور دین میں سمجھ رکھنے والے لوگوں کا نمبر اس کے بعد آتا ہے۔ آیت کے اگلے الفاظ اسی بات پر دلالت کرتے ہیں فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول اگر کسی معاملہ میں جھگڑ پڑو، تو اسے لوٹاؤ اللہ اور رسول کی طرف۔ اور تم میں سے جو اولی الامر یعنی مسلمان حکمران اور علماء مجتہدین کی طرف لوٹاؤ۔ (اذا عوا بہ) افشوہ پھیلا دیتے ہیں۔ یہ منافقوں اور کمزور مسلمانوں کی خصلت بیان کی گئی ہے کہ وہ محاذِ جنگ سے آنے والی اچھی یا بری خبروں کی فوراً تشہیر کر دیتے ہیں حالانکہ جنگی حکمت عملی کے تحت بعض اوقات ایسی خبروں کو عام کرنا

نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔

(حسیبًا) کافیًا: اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔ یہاں انہوں نے معنی کافیا یعنی کفایت کرنے والا کیا ہے۔ (ثبات) عصبًا سرایا متفرقین: چھوٹے چھوٹے متفرق گروہ پوری آیت اس طرح ہے۔ یٰا ایھا الذین آمنوا خذوا حذرکم فانفروا ثبات او نفروا جمیعًا ○ (النساء : ۷۱) اے ایمان والو! جنگی ہتھیاروں سے لیس ہو کر دشمن کے خلاف نکل کھڑے ہو، چھوٹے چھوٹے گروہوں کی شکل میں یا پھر یکدم پوری قوت کے ساتھ سب مل کر حملہ آور ہو جاؤ، جنگی حکمت عملی کے مطابق جس طرح مناسب سمجھو، اس کے مطابق عمل کرو۔ (مقیتًا) حفیظا، وقیل قادرًا مقتدرًا: مقیتاً کا معنی حفاظت کرنے والا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی قدرت رکھنے والا ہے۔

رجع ناس من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احد فکان الناس منھم فرقتین فریق یقول: اقتلھم، وفریق یقول لا حضور علیہ السلام کے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غزوہ احد سے فارغ ہو کر واپس ہوئے تو ان کی دو رائیں ہو گئیں اور اس طرح وہ دو گروہ بن گئے۔ ایک گروہ کہتا تھا کہ جنگ احد میں شریک نہ ہونے والے منافقین جو مدینہ سے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کے لئے نکلے تو تھے مگر ایک حیلہ کر کے عبداللہ ابن ابی کی قیادت میں واپس آ گئے تھے، ان کو قتل کر دینا چاہیے، جبکہ دوسرا گروہ ان کے قتل کے حق میں نہیں تھا۔ فنزلت (فما لکم فی المنافقین، فئتین واللہ ارکسھم) اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تمہیں کیا ہو گیا (اے ایمان والو!) کہ تم دو گروہ بن گئے ہو منافقین کے بارے میں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو انہیں الٹ دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اس اختلاف رائے کو ناپسند فرمایا، اوقعھم وقیل نکسھم، وقیل ردھم انہوں نے ارکسھم کا معنی کیا ہے اوقعھم یعنی گرا دیا ہے یا پھنسا دیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی ردھم کیا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو مردود یا نامقبول قرار دے دیا ہے۔

(حصرت) ضاقت: تنگ ہوں۔ یہ بعض منافقین کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ اگر یہ منافق کسی ایسے فریق کے ساتھ اتحاد کر لیتے ہیں جن کے ساتھ بعض شرائط پر تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے اور یہ منافقین تمہارے پاس اس حالت میں آئیں کہ ان کے دل تمہارے ساتھ یا کفار کے ساتھ لڑنے سے

تنگ آ چکے ہوں تو ایسے لوگوں کو بھی رعایت حاصل ہے، لہٰذا مسلمان ان کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائیں۔
کان رجل فی غنمة له فلحقه المسلمون، فقال: السلام علیکم مسلمان جہاد کے سفر سے واپس آ رہے تھے کہ انہوں نے راستے میں ایک شخص کو پایا جس کے پاس بکریاں بھی تھیں۔ اس شخص نے مسلمانوں کو السلام علیکم کہا۔ وقتلوه واخذوا الغنمة مگر مسلمانوں نے اسے قتل کر ڈالا اور اس کی بکریوں پر قبضہ کر لیا اس موقع پر فانزل الله تعالٰی: "ولا تقولوا لمن القی الیکم السلام لست مؤمنا" جو شخص تمہیں اسلامی طریقے سے سلام کرے، اس کے متعلق یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو بلکہ اس کے ساتھ مسلمانوں والا سلوک کرو، ایسے شخص کو قتل کرنا حرام ہے۔

(اولی الضرر) اهل العذر یعنی وہ لوگ جن کے پاس جہاد میں عدم شرکت کا معقول عذر موجود ہے۔ لما نزلت: "لا یستوی القاعدون من المؤمنین" دعا رسول الله صلی الله علیه وسلم زیدًا فکتبها جب یہ آیت نازل ہوئی کہ مومنوں میں سے جہاد میں شامل ہونے والے اور پیچھے بیٹھے رہنے والے برابر نہیں ہیں تو اللہ کے رسول نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بلا کر یہ آیت لکھوا دی۔ فجاء ابن ام مکتوم یشکو ضرارته پھر نابینا صحابی ابن مکتوم رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم تو معذور ہیں جس کی وجہ سے جہاد میں شریک ہونے سے قاصر ہیں۔ تو اس موقع پر اللہ تعالٰی نے معذوروں کو جہاد سے مستثنا قرار دینے کے لئے، فانزل الله تعالی "غیر اولی الضرر" اللہ تعالٰی نے غیر اولی الضرر کے الفاظ نازل فرمائے یعنی پیچھے رہنے والے وہ لوگ مومنوں کے برابر نہیں ہیں جن کے پاس عدم شرکت جہاد کے لئے کوئی عذر نہیں ہے۔ وروی ان ناسًا من المسلمین کانوا مع المشرکین یکثرون سوادهم مسلمانوں میں سے کچھ لوگ مشرکین کے ساتھ رہتے تھے جو ان کی جماعت کی زیادتی کا باعث بن رہے تھے۔ فیصیب السهم احدهم فیقتله اویضرب فیقتل پھر ان میں سے جب کسی کو تیر لگتا تھا تو اس کو قتل کر دیتے تھے یا اس قدر مارتے تھے کہ وہ قتل ہو جاتا تھا فانزل الله تعالٰی: "ان الذین توفاهم الملائکة ظالمی انفسهم" اس موقع پر اللہ تعالٰی نے یہ آیت نازل فرمائی، بے شک وہ لوگ جن کو فرشتے وفات دیتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنی جانوں پر زیادتی کرنے والے ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو

چاہیے تھا کہ کافروں کے علاقے سے الگ ہو جاتے۔

(مراغمًا) مهاجرا و طریقًا یراغم بسلو که قومه یرغم زمین کو کہتے ہیں اورطریقا وہ راستہ جس کو لوگ چل چل کر ہموار کر لیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کافروں کے علاقے میں رہنے والے مسلمانوں کو وہاں سے ہجرت کر جانا چاہیے تھا۔ (وسعة) فی الرزق: کشادگی سے مراد رزق میں کشادگی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہجرت کرنے والوں کے متعلق فرمایا کہ جب وہ ہجرت کے لئے الگ ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے لئے جگہ مقرر کرتا ہے اور ان کی روزی میں بھی وسعت عطا کرتا ہے۔ ہجرت نہ کرنے والوں کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ (ان تقصروا من الصلوٰة) سئل عمر عنها فقال: صدقة تصدق الله بها علیکم فاقبلوا صدقته: جب تم سفر پر ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم نماز میں سے کچھ کم کر دو، یعنی پوری نماز کی بجائے قصر کرلو۔ اس کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ خوف کی حالت میں تو قصر نماز قرآنی آیت سے ثابت ہے مگر امن کی حالت میں قصر کا کیا جواز ہے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر صدقہ ہے، اسے قبول کرو۔ سفر خواہ جنگ کا ہو یا امن کا ہو، نماز میں قصر کرلیا کرو، کیونکہ صدقہ قبول نہ کرنا گناہ کی بات ہے۔

(موقوتًا) مفروضا و قته علیهم: اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر نماز بقید وقت اہلِ ایمان پر فرض ہے۔ روی ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نزل بین ضجنان و عسفان فقال المشرکون: ان لهٰؤلاء صلاة هی احب الیهم من آبائهم و ابنائهم فیمیلوا علیهم میلة واحدة روایت کیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وادیٔ ضجنان اور عسفان کے درمیان نزول فرمایا۔ یہ علاقہ مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ اس وقت مشرکوں نے مشورہ کیا کہ یہ مسلمانوں کو ہلاک کرنے کا بہترین موقع ہے۔ آگے ان کی ایک ایسی نماز کا وقت آ رہا ہے جو ان کو اپنے آباؤ اجداد اور اولاد سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ لہٰذا جب مسلمان اس نماز (عصر) میں مشغول ہوں تو ان پر یکبارگی حملہ کر دینا چاہیے۔ اس موقع پر فنزلت صلاة الخوف صلاۃِ خوف کا یہ حکم نازل ہوا (ان خفتم ان یفتنکم) اگر تمہیں خطرہ ہو کہ کافر تمہیں فتنہ میں ڈال دیں گے یضلکم بالعذاب و الجهد یعنی تم کو بہکا دیں گے سزا اور مشقت کے ساتھ تو پھر نماز میں قصر کرنے پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

(تألمون(توجعون: تالمون کا معنی تم دکھ پاتے ہو،اور توجعون کا معنی تم کو دکھ میں ڈالا جاتا ہے۔ (ولا تکن للخائنین خصیمًا) آپ خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑا نہ کریں نزلت فی بنی ابیرق سرقوا درعًا لعم قتادة بن النعمان ثم انکروہ یہ آیت بنوابیرق کے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ جنہوں نے حضرت قتادہ ابن نعمان کے چچا کا درع چوری کر لیا،اور پھر اس چوری سے مکر گئے۔ تاہم مسروقہ مال کا سراغ انہی کے گھر سے مل گیا جس کی وجہ سے دنگہ فساد تک نوبت پہنچی۔ بنی ابیرق والوں نے اپنی چرب زبانی اور غلط سفارش کے ذریعے حضور علیہ السلام کو باور کرا دیا کہ وہ چور نہیں ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کو سچا مان کر ان کی طرفداری کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر ان کے جھوٹ کا پول کھول دیا اور آپ کو حکم دیا کہ آپ ان خائن منافقوں کی طرفداری نہ کریں۔ (الا اناثًا) یعنی الااموا تا حجرا او مدرًا: اور یہ مشرک نہیں پکارتے اللہ کے سوا مگر عورتوں کو اس سے مراد وہ چیزیں پتھر یا ڈھیلے وغیرہ ہیں جن کی وہ پرستش کرتے تھے۔ ان کے علاوہ معبودانِ باطلہ میں بعض عورتیں بھی تھیں جن کی مشرک لوگ پوجا کرتے تھے۔ (مریدًا) متمردًا: مرید یا متمرد کا معنی سرکش یعنی مشرک سرکش شیطان کے بھی پجاری تھے۔

(فلیبتکن) بتکه قطعة: مشرک لوگ زمانہ جاہلیت میں بعض جانوروں کے کان کا تھوڑا سا حصہ علامت کے طور پر کاٹ کر اسے کسی معبودِ باطلہ کے نام آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ (فلیغیرن خلق اللہ) دین اللہ: اور اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز میں تبدیلی کر دیتے تھے۔ اس طرح گویا اللہ کے دین میں تغیر پیدا کر دیتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو حکم نہیں دیا کہ جانور کے کان کاٹ کر کسی معبودِ باطل کے نام پر نامزد کر دیا جائے۔ یہ ان کا رد ہو گیا۔ لما نزلت : من یعمل سوءً یجزبه شق ذلك علی المسلمین جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ”جو شخص برا عمل کرے گا، اس کو اس کا بدلہ دیا جائے گا“ تو یہ بات مسلمانوں پر بڑی دشوار گزری۔ اس پر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم :سددوا وقاربوا، اللہ کے رسول نے فرمایا، ٹھیک ٹھیک چلو اور نیکی کے قریب قریب رہو، کیونکہ وفی کل مایصیب المؤمن کفارة حتی الشوکة یشاکھا مومن آدمی کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے، وہ اس کے لئے کفارہ ہوتی ہے یہاں تک کہ کانٹا جو مومن کو چبھتا ہے، اس کا بھی اجر ملتا ہے۔

(وان امــرأة خافت من بعلها نشوزًا) بغضًا: اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے نافرمانی کا خطرہ ہو، الرجل یکون عنده المرأة لیس بمکترث بها یرید ان یفارقها یعنی آدمی عورت کی پرواہ نہیں کرتا اور اسے جدا کرنا چاہتا ہے۔ فتقول: اجعلك من شاني في حل پھر عورت کہتی ہے کہ میں اپنی طرف سے اپنا حق تمہیں حلال کرتی ہوں۔ یعنی اگر تو میرے قریب نہیں آتا تو مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ تو میاں بیوی اس طریقے سے بھی آپس میں مصالحت کر سکتے ہیں اور جدائی سے بچ سکتے ہیں۔ عورت کا اپنا حق مرد کو حلال کرنے یا اپنا حق دوسری عورت کو دینے کا معاہدہ عارضی نوعیت کا ہوگا اور وقتی طور پر فتنہ سے بچاؤ کا ذریعہ ہوگا۔ تاہم عورت بعد میں کسی وقت اپنا حق طلب کر سکتی ہے۔

(واحضـرت الانـفس الشح) طبعت علیه: مطلب یہی ہے کہ بعض اوقات میاں بیوی کی طبیعتوں میں بخل واقع ہو جاتا ہے۔ انسان فطری طور پر مال سے محبت کرتا ہے اور اپنے حق سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اس لئے اللہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر مالی قربانی دے کر بھی صلح ہو جائے تو دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ (کـالـمعلقة) لا هي أيمة ولا هي ذات زوج: عورت کو درمیان میں معلق نہ چھوڑ دو کہ نہ تو وہ رانڈ ہو اور نہ ہی خاوند والی شمار ہو سکے۔ لہٰذا عدل اور قانون کے مطابق اس کا حق ادا کرو۔ مطلب یہ ہے کہ ایک بیوی کی طرف اس قدر زیادہ میلان نہ رکھو کہ دوسری کو بالکل ہی نظر انداز کر دو اور وہ بیچاری نہ تو بیوہ سمجھی جائے اور نہ خاوند والی۔ انصاف کو ملحوظ رکھو۔ (وان تـلـووا) الـسـنـتـکـم بـالـشـهـادة: اگر تم اپنی زبانوں کو گھما کر گواہی کو غلط کر دو گے (او تعرضوا) عنها: یا گواہی دینے سے اعراض کرو گے تو لازمًا یہ گناہ کی بات ہوگی، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ٹھیک ٹھیک گواہی دینے کی تلقین کی ہے اگرچہ وہ خود تمہارے خلاف، والدین یا دیگر قرابتداروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

(وقولهم علی مریم بهتانًا عظیمًا) اذ رموها بالزنا: یہودیوں کا حضرت مریم والدہ مسیح علیہ السلام پر زنا کا الزام لگانا بہت بڑا بہتان تھا۔ جب حضرت مریم مسیح علیہ السلام کی ولادت پر ان کو گودی میں اٹھا کر قوم کے پاس آئی تو انہوں نے الزام تراشی شروع کر دی۔ حضرت مریم علیہا السلام کو زانیہ اور بچے کو ولد

الحرام قرار دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بچے کو معجزانہ طور پر قوت گویائی عطا فرمائی اور اس نے بول کر اپنی ماں کی بریت کی اور کہا کہ مجھے اللہ نے بغیر باپ کے پیدا کیا ہے۔ میں اللہ کا بندہ اور اس کا نبی ہوں، اس نے مجھے کتاب دے کر مبعوث کیا ہے۔ (وان من اهل الکتاب الا لیؤمنن به) ای بخروج عیسٰی: اور تمام اہلِ کتاب مسیح علیہ السلام کے دوبارہ نزول پر آپ پر ایمان لائیں گے، اور اقرار کریں گے کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ اس وقت آپ کو نہ کوئی خدا کا بیٹا کہے گا، نہ خدا کہے گا اور نہ تینوں میں تیسرا۔ جو نہیں مانیں گے عیسیٰ علیہ السلام ان کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔

(قبل موته) ای موت الکتابی او عیسی) یعنی ہر کتابی اپنی موت سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے گا۔ اس کا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نزول کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی وفات سے پہلے پہلے ہر یہودی اور عیسائی آپ پر ایمان لا چکا ہوگا اور اگر کوئی اہلِ کتاب موت طاری ہونے کے وقت ایمان لائے گا تو اس وقت کا ایمان اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں ہوگا۔

---

(۵) من سورۃ المائدۃ

(ص ۷۵ تا ص ۷۷)

شاہ صاحب رحمہ اللہ سورۃ المائدہ کے مشکل الفاظ کے وہ معانی بیان کر رہے ہیں جو صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباس، تابعین میں سے حضرت ضحاک، مجاہد اور دیگر ثقہ آئمہ دین سے ثابت ہیں۔ لفظ مائدہ کے دو معانی آتے ہیں۔ اس لفظ کا ایک معنی تو وہ دستر خوان ہوتا ہے جس پر کھانا چن دیا گیا ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے آپ کی قوم پر صبح شام آسمان سے مائدہ نازل ہوتا تھا جس کے متعلق اللہ کا حکم ہے کہ اس کھانے کو خوب کھاؤ مگر اس میں سے آئندہ کھانے کے لئے بچا کر نہ رکھنا۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت کھاتے رہے اور پھر انہوں نے بچا کر بھی رکھنا شروع کر دیا۔ حکم الٰہی کی اس خلاف ورزی پر اللہ تعالیٰ کا قہر نازل ہوا، اور ان لوگوں کو بندروں اور خنزیروں کی شکل میں تبدیل کر دیا گیا۔ چونکہ اس سورۃ کا موضوع اشیائے اکل وشرب ہیں لہٰذا اس سورۃ مبارکہ میں کھانے پینے کی اشیاء کی حلت وحرمت اور جائز اور ناجائز کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

قالت عائشة فی "المائدة" انها آخر سورة نزلت: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ سورۃ المائدہ آخری سورۃ ہے نزول کے اعتبار سے۔ فما وجدتم فیها من حلال فاستحلوه وما وجدتم من حرام فحرموه لہٰذا اس سورۃ میں تم جو چیز حلال پاؤ، اس کو حلال سمجھو، اور جو حرام پاؤ، اس کو حرام سمجھو۔ یہاں پر یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ سورۃ مائدہ اشیاء اکل و شرب کی حلت وحرمت کے لحاظ سے آخری سورۃ ہے، نہ کہ مطلقاً آخری کہ اس کے بعد کوئی اور سورۃ نازل نہ ہوئی ہو بلکہ اس سورۃ کے نزول کے بعد حلت وحرمت کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہوا۔

(اوفوا بالعقود) اپنے عہدوں کو پورا کرو۔ ما احل الله وما حرم وما فرض وما حد فی القرآن کله یعنی قرآن پاک میں جو چیزیں حلال اور جو حرام قرار دی گئی ہیں، نیز جن کو فرض قرار دیا گیا ہے اور جو حدود مقرر کی گئی ہیں ان سب پر عمل کر کے اپنے عہدوں کو پورا کرو۔ (یجرمنکم) یحملنکم: تم کو نہ آمادہ کرے یعنی تمہیں کسی قوم کی عداوت ناانصافی پر آمادہ نہ کرنے پائے، بلکہ ہمیشہ انصاف کا دامن تھامے رکھو کیونکہ یہ چیز تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ (شنآن) عداوۃ: یعنی بغض اور عداوت یا دشمنی۔ (آمین) عامدین، امممت و تیممت واحد قصد کرنے والے۔ امممت اور تیممت کا ایک ہی معنی ہے یعنی میں نے قصد یا ارادہ کیا۔ (البر) ما امرت به: نیکی جس کا حکم دیا گیا ہے۔ (التقویٰ) ما نهیت عنه: تقویٰ سے مراد وہ چیز ہے جس سے روکا گیا ہے۔ (والمنخنقة) التی تخنق فتموت: اس سے وہ جانور مراد ہے جو گلا گھٹ کر مر جائے اور وہ حرام ہوگا۔ ہاں، اگر گلا گھٹ جانے کی وجہ سے ابھی زندہ ہے تو شرعی طریقہ سے ذبح کرنے سے حلال ہو جائے گا۔

(والموقوذة) التی تضرب بالخشبة فتموت: اس سے ایسا جانور مراد ہے جو چوٹ لگنے سے مر جائے۔ کسی جانور کو لکڑی، لوہا، یا پتھر وغیرہ مارا گیا اور وہ ایسی چوٹ سے مر گیا تو حرام شمار ہوگا۔ (والمتردية) التی تتردی من الجبل: اس سے وہ جانور مراد ہے جو کسی پہاڑ یا دیگر اونچی جگہ سے گر کر ہلاک ہو جائے۔ یہ جانور بھی مردار ہوگا بشرطیکہ زندہ ہونے کی صورت میں اسے ذبح نہ کر لیا گیا ہو۔ (والنطیحة) الشاة التی نطحتها اخری فماتت: جس بکری کو دوسری بکری نے

سینگ مار کر ہلاک کر دیا ہو، وہ بھی مردار تصور ہوگی بشرطیکہ اسے ذبح نہ کر لیا گیا ہو۔ (وما اکل السبع) ما اخذ: جس جانور کو درندے کھا جائیں، وہ بھی حرام ہے۔ اگر زندہ پکڑ لیا اور پھر اس کو ذبح کر لیا گیا تو وہ حلال ہوگا، ورنہ نہیں، یہاں پر اکل کا معنی اخذ کیا گیا ہے یعنی جس کو پکڑ لیں۔

(الا ما ذکیتم) ذبحتم وبه روح: متذکرہ اقسام کے جانور اسی صورت میں حلال ہو سکتے ہیں کہ تم انہیں اس حالت میں ذبح کر لو کہ ان میں ابھی روح یعنی زندگی موجود ہو۔ اگر مذکورہ حادثات کی بنا پر جانور تمہارے ہاتھ آنے سے پہلے مر گیا ہے تو پھر وہ قطعی حرام ہوگا اور اس کا گوشت نہیں کھا سکتے۔ (النصب) حجارة یذبحون علیھا: نصب سے مراد وہ پتھر ہیں جن کو مشرک لوگ اپنے معبود مانتے تھے اور ان کی نیاز کے طور پر جانور وہاں لا کر ذبح کرتے تھے۔ یہ بھی حرام ہے۔ جو پتھر کسی خاص شکل وصورت پر بنائے جاتے تھے، وہ صنم کہلاتے تھے اور جو پتھر ان گھڑے یعنی بغیر کسی شکل و صورت کے ہوتے ان کو وثن کہتے تھے۔ (وان تستقسموا) الاستقسام ان یجیل القدح فان نھتہ انتھی وان امرتہ فعل ما امر به اور یہ بھی حرام ہے کہ تم تیروں کے ساتھ تقسیم کرو یا تیروں کے ذریعے قسمت کا حال معلوم کرو۔ مشرک لوگ تیروں کے ذریعے تقسیم دو طریقوں پر کرتے تھے۔ اگر کسی سفر پر جانے یا کوئی دوسرا کام کرنے کے لئے قسمت کا حال معلوم کرنا ہوتا تو اس کے لئے تین تیر استعمال کئے جاتے تھے۔ ان میں سے ایک تیر پر نعم یعنی ہاں لکھا ہوتا، دوسرے پر لا یعنی نہ تحریر ہوتا اور تیسرا تیر خالی رکھا جاتا۔ پھر یہ تینوں تیر ایک تھیلے میں ڈال دیئے جاتے اور اپنے معاملہ میں نیک و بد حال معلوم کرنے والا تھیلے میں ہاتھ ڈال کر تینوں میں سے ایک تیر نکالتا اگر وہ نعم والا تیر نکلتا تو اسے اچھا شگون سمجھ کر مطلوبہ کام کر گزرتے یا اگر سفر پر جانے کا ارادہ ہوتا تو سفر پر چلے جاتے۔ اگر لا والا تیر تھیلے سے برآمد ہوتا تو اس کو اپنے حق میں منحوس سمجھتے اور مطلوبہ کام یا سفر سے رک جاتے۔ اور اگر تھیلے سے خالی تیر نکلتا تو مطلوبہ کام کو ملتوی کر دیتے اور پھر کسی وقت ایسا ہی عمل دہرا کر قسمت کا اچھا یا برا حال معلوم کرتے۔

مشرکین کے ہاں تیروں کے ذریعے تقسیم کی دوسری صورت یہ تھی کہ کوئی دس آدمی مل کر ایک اونٹ خریدتے، اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت دس برابر برابر ڈھیریوں میں تقسیم کر دیتے پھر دس تیر

لے کران میں سے سات تیروں پر ایک سے لے کر سات تک ایک ایک نمبر لکھ دیتے اور باقی تین تیر خالی چھوڑ دیتے۔ پھر وہ سارے تیر ایک تھیلے میں ڈال دیتے اور اونٹ کا ہر حصہ دار ایک ایک تیر تھیلے میں سے نکالتا۔ جس حصہ دار کے ہاتھ میں جس نمبر والا تیر آ جاتا وہ گوشت کے اتنے ہی حصے لے جاتا۔ اس طریقے سے بعض حصہ داروں کو اپنے حصہ سے زیادہ گوشت مل جاتا اور بعض حصے دار محروم رہجاتے۔ اس عمل کو مشرک لوگ نیکی کا کام سمجھ کر کرتے اور حاصل شدہ گوشت میں سے غربا اور مساکین کو بھی دیتے۔ اس قسم کے عمل میں حصہ نہ لینے والے آدمی کو بخیل اور حقیر سمجھا جاتا۔ **(الازلام) القداح یستقسمون بها في الامور**: قداح سے مراد وہ تیر ہیں جو مشرک لوگ اپنی قسمت کا حال معلوم کرنے کے لئے استعمال کرتے تھے۔

(غیر متجانف) متعد لاثم: متجانف سے مراد ایسا شخص ہے جو گناہ کے لئے تجاوز کرنے والا ہو۔ اور غیر متجانف کا معنی ہوگا جو گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو۔ سورۃ کے ابتدائی حصے میں اشیائے خورد ونوش کی حرمت کا ذکر کیا ہے۔ اور پھر اسی سلسلے کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ اگر اضطراری حالت میں کوئی شخص حرام چیز کھانے پر مجبور ہو جائے تو اس کو اجازت ہے کہ وہ حرام چیز کو بقدرِ ضرورت استعمال کرے نہ کہ اس حیلے سے حرام چیز کو زیادہ استعمال کر کے گناہ کے لئے تجاوز کرنے والا شمار ہو۔ بہر حال گناہ سے بچتے ہوئے صرف اضطراری حالت میں قلیل تر مقدار میں حرام چیز کھانے والے کو مستثنا کر دیا گیا ہے۔ **(الجوارح) الكلاب ، والفهود والصقور و اشباهها**: جوارح سے مراد زخمی کرنے والے شکاری جانور ہوتے ہیں جن میں شکاری کتے، چیتے، شکرے اور باز وغیرہ شامل ہیں۔ **(مكلبين) ضراری**: جن شکاری جانوروں کو شکار کرنے کے لئے چھوڑا جاتا ہے وہ ضراری کہلاتے ہیں۔

(وطعام الذين اوتوا الكتاب) ذبائحهم: اہلِ کتاب کے کھانے سے مراد ان کے ہاتھ کا ذبیحہ ہے جو کہ اہلِ ایمان کے لئے کھانا حلال ہے بشرطیکہ جانور اللہ کا نام لے کر یعنی بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا گیا ہو۔ اگر مسیح علیہ السلام یا کسی دوسرے بزرگ کا نام لے کر جانور ذبح کیا گیا ہو تو وہ حرام ہوگا، اگرچہ اہلِ کتاب یہودی یا عیسائی مشرک اور کافر ہیں مگر وہ اپنے آپ کو آسمانی کتابوں کی طرف تو

منسوب کرتے ہیں اسی لئے ان کے لئے یہ رعایت ہے کہ ان کا ذبیحہ ایمان والوں کے لئے حلال ہے۔ اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح بھی اسی بنا پر جائز ہے کہ وہ تورات یا انجیل پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتی ہیں۔ اگر ایسی عورتیں بدکار نہ ہوں تو ان کے ساتھ ایک مسلمان آدمی نکاح کرسکتا ہے۔ (اجورھن) مھورھن: اجورھن سے عورتوں کا مہر مراد ہے جو بوقت نکاح مقرر کیا جاتا ہے اور جو عورتوں کا حق ہوتا ہے۔ (لا مستم) لمستم: لمس کا لغوی معنی چھونا ہوتا ہے مگر یہاں پر لمس کا مفہوم عورتوں سے مباشرت کرنا ہے۔ یہاں پر انہوں نے لا مستم کا معنی کیا ہے لمستم و تمسوھن و اللاتی دخلتم بھن و الافضاء النکاح کہ تم نے عورتوں کو چھوا ہو، مباشرت کی ہو اور نکاح کرلیا ہو۔ (تیمموا) تعمدوا: تیمم کا لغوی معنی قصد کرنا آتا ہے۔ تاہم فقہائے کرام ؒ کہتے ہیں کہ اس سے مراد قصد الصعید للتطھیر ہے یعنی طہارت کیلئے پاک مٹی کا قصد کرنا ہے۔

(وعزرتموھم) منعتموھم یعنی اللہ کے پیغمبروں کی تائید کرو اور دشمنوں کو ان سے ہٹاؤ۔ منعتموھم کا معنی ان کی حفاظت کرنا بھی آتا ہے۔ (فافرق) افصل: ہمارے اور مجرموں کے درمیان فیصلہ کردے۔ (الوسیلة) الحاجة: وسیلہ سے مراد حاجت ہے، یعنی اپنی حاجات اللہ تعالیٰ سے ہی طلب کرو، یہ مشہور معنی ہے۔ وسیلہ کا دوسرا معنی دوسری آیت سے اخذ ہوتا ہے یعنی کسی پیغمبر، ولی اللہ یا نیک آدمی کے واسطہ کا ذکر کرنا بشرطیکہ اس کو حاجت روا یا مشکل کشا نہ سمجھا جائے، بلکہ محض نیک آدمی سمجھ کر اپنی عقیدت کی بنا پر اس کا واسطہ ذکر کیا جائے۔ علمائے دیوبند اس واسطہ کو جائز سمجھتے ہیں جبکہ دوسرے حضرات اس کو جائز نہیں سمجھتے۔ (انما جزاء الذین یحاربون اللہ) ان لوگوں کی جزا جو اللہ تعالیٰ سے محاربہ یعنی لڑائی کرتے ہیں۔ نزلت فی قوم من عرینة وعکل یہ آیت قوم عرینہ اور عکل کے بارے میں نازل ہوئی۔ استوخموا المدینة فخرجوا الی ابل النبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ مدینہ طیبہ آئے مگر انہوں نے مدینہ کی آب وہوا کو نامناسب سمجھا اور باہر بادیہ میں چلے گئے جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اونٹ رکھے گئے تھے۔ فشربوا من ابوالھا و البانھا وصحوا پھر ان لوگوں نے اونٹوں کا پیشاب استعمال کیا اور ان کا دودھ پیا تو وہ صحت یاب ہوگئے۔ فقتلوا الراعی واطردوا الابل پھر ان لوگوں نے اونٹوں کے چرواہوں کو قتل کردیا اور

اونٹوں کو بھگا کر لے گئے۔ حضور ﷺ نے ان ڈاکوؤں کے تعاقب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعتوں کو بھیجا جنہوں نے ان کو پکڑ لیا۔ ان ڈاکوؤں کو دھوپ میں کھڑا کر کے مارا پیٹا گیا۔ جسطرح انہوں نے چرواہوں کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری تھیں، اسی طرح ان کی آنکھوں میں بھی گرم سلائیاں پھیری گئیں اور سخت سزا دی گئی۔ پھر ان کو سزائے موت دے دی گئی۔

یہاں پر اونٹوں کے پیشاب کا استعمال کرنے کا ذکر آیا ہے بعض کہتے ہیں کہ پیشاب کا استعمال استسقیٰ کی بیماری میں مفید ہوتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وہ لوگ پیشاب کا لیپ کرتے تھے اور دودھ پیتے تھے یعنی دونوں چیزیں استعمال کرتے تھے۔ بہر حال اس وقت تک پیشاب کا استعمال بھی مباح تھا کیونکہ ممانعت کا حکم بعد میں نازل ہوا تھا۔ **قال ابو قلابة: جوزوا بذلك لارتدادهم بمحاربة الله والكفر به** شام کے رہنے والے اہلِ علم تابعی قلابہ کہتے ہیں کہ بنی عرینہ اور عکل کے لوگوں کو سزائے موت اس لئے دی گئی تھی کہ وہ مرتد ہو گئے تھے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کا ارتکاب بھی کیا تھا اور محاربہ یعنی ڈاکہ بھی مارا تھا۔ **(ومن يرد الله فتنته) ضلاله**: جس کو اللہ تعالیٰ فتنہ میں ڈالنا چاہے یعنی گمراہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، آپ اس کے بارے میں کسی چیز کے مالک نہیں ہیں۔

(سماعون للكذب) يسمعون الكذب یعنی وہ جھوٹی بات کو سنتے ہیں۔ **(اكالون للسحت) وهو الوشوة**: اور حرام کھاتے ہیں جس سے مراد رشوت ہے۔ **(بما استحفظوا) استودعوا**: بایں وجہ کہ ان کو تورات کا محافظ قرار دیا گیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ان کے پاس بطور امانت تھی، مگر انہوں نے کتاب الٰہی کی حفاظت نہ کی۔ **(وقفينا على آثارهم) اتبعنا على آثار الانبياء اى بعثنا**: اور پہلے انبیاء علیہم السلام کے پیچھے ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا یعنی ہم نے ان کو مبعوث کیا۔ **(ومهيمناً) اميناً والقرآن امين على كل كتاب قبله**: امین اور حفاظت کرنے والا اور قرآن پاک پہلی تمام کتب سماویہ اور صحائف کا محافظ اور امین ہے قرآن پاک میں سابقہ تمام کتابوں کے مضامین شامل ہیں اور ان کے علاوہ بھی ہزاروں مضامین اللہ کی اس آخری کتاب کا حصہ ہیں۔

(شرعة و منهاجًا) سبيلاً و سنة: شریعت اور منہاج سے مراد راستہ اور سنت ہے **وقيل الشرعة الدين والمنهاج الطريق**: اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ شریعت دین ہوتا ہے اور منہاج سے مراد فروعاتِ

دین ہیں۔ اور فروعات تو بدلتی رہتی ہیں اور دین ہمیشہ مستحکم اور غیر تغیر پذیر ہوتا ہے، ملت بھی تقریباً محکم ہی ہوتی ہے اس میں تبدیلی کا عمل شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔

(فسوف یأتی اللہ بقول یحبھم ویحبونہ) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قومک یا ابا موسی: عنقریب اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جن سے وہ محبت کرتا ہے اور وہ لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔ اس سے کون لوگ مراد ہیں؟ حضور علیہ السلام نے اپنے عظیم المرتبت صحابی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ان لوگوں سے مراد تمہاری قوم کے لوگ ہیں جو ہجرت کر کے آئے تھے اور مدینہ کے اطراف میں آباد ہو گئے تھے۔ یہ لوگ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم المرتبت صحابی تھے۔ (اذلة علی المؤمنین) رحماء: یہ لوگ مومنوں کے حق میں نرم یعنی رحمدل ہیں نیز کافروں کے حق میں سخت ہیں۔ (ید اللہ مغلولة) یعنون انہ بخیل امسک ماعندہ تعالی اللہ من ذلک مغلولہ کا معنی جکڑے ہوئے یا بندھے ہوئے۔ یہودی کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ بایں وجہ بخیل ہے کہ اس کے ہاتھ جکڑے ہوئے ہیں کیونکہ اس نے اپنی نعمتیں ہماری قوم سے روک دی ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ اس کے ہاتھ تو کشادہ ہیں وہ اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرتا ہے۔ البتہ خود ان یہودیوں کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حق میں گستاخی اور بے ادبی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

قال رجل یا رسول اللہ: انی اذا اصبت اللحم انتشرت للنساء واخذتنی شھوة فحرمت علی اللحم ایک شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، حضور! جب میں گوشت کھا لیتا ہوں تو عورتوں کی طرف میرا رجحان بڑھ جاتا ہے اور مجھے شہوت پکڑ لیتی ہے یعنی مجھ پر شہوت کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا میں نے گوشت کھانا حرام کر لیا ہے۔ فانزل اللہ تعالیٰ: یاایھا الذین آمنوا لاتحرموا طیبات مااحل اللہ لکم ○ اس وقت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اے ایمان والو! اللہ نے جو پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال قرار دی ہیں ان کو از خود حرام نہ کر لیا کرو۔ البتہ اگر کوئی اعتقاداً کسی حلال چیز کو حرام نہ قرار دے بلکہ بطور پرہیز اس چیز کا استعمال کسی ڈاکٹر یا حکیم کے مشورہ پر ترک کر دے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ بعض اوقات اطباء طبی نقطہ نگاہ سے کوئی چیز کسی مریض کے لئے

نقصان دہ سمجھ کر اس سے پرہیز کراتے ہیں۔ ایسا کرنا درست ہے۔ اور اگر کوئی شخص عقیدۃً کسی حلال چیز کو حرام سمجھتا ہے تو یہ بدعت میں داخل ہوگا۔

قال عمر رضی اللہ عنہ اللھم بین لنا فی الخمر بیاناً شافیاً: حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی کہ مولا کریم! شراب کے متعلق ہمارے لئے کوئی واضح حکم نازل فرما۔ اس کے جواب میں فنزلت: "یسئلونك عن الخمر والمیسر" یہ آیت نازل ہوئی "اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم)! لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ ان کو کہہ دیجئے کہ ان دونوں چیزوں میں بہت سا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے فائدہ بھی ہے مگر ان کا نقصان ان کے فائدہ سے زیادہ ہے۔ ثم قال اللھم بین لنا فی الخمر بیاناً شافیاً) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا، اے اللہ! ہمارے لئے شراب کے بارے میں کوئی واضح حکم نازل فرما۔ فنزلت: "لا تقربوا الصلاۃ وانتم سکاری" پھر یہ آیت نازل ہوئی، اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ جبکہ تم نشہ کی حالت میں ہو۔ ثم قال: اللھم بین لنا فی الخمر بیاناً شافیاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا، اے اللہ ہمارے لئے شراب کے بارے میں واضح حکم نازل فرما۔ فنزلت: انما یرید الشیطان ...... الآیۃ" پھر یہ آیات نازل ہوئی جو کہ سورۃ مائدہ کی آیت نمبر ۹۰، ۹۱ ہیں۔ "اے ایمان والو! بے شک شراب، جوا، بت اور تقسیم کے تیر شیطان کے گندے کاموں میں سے ہیں، ان سے بچو تاکہ تم فلاح پا جاؤ" بیشک شیطان شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور نفرت پیدا کرنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے، پس کیا تم باز آ جاؤ گے؟" قال بعضھم: وقتل قوم وھی فی بطونھم پھر بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ شراب کی قطعی حرمت سے قبل بعض مسلمان فوت ہو چکے تھے اور اپنی زندگی میں شراب نوشی بھی کرتے تھے، ان کے متعلق کیا حکم ہے؟ فانزل اللہ تعالیٰ: "لیس علی الذین آمنوا وعملوا الصالحات جناح فیما طعموا ...... (آیت: ۹۳) اس اعتراض کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال انجام دیئے ان پر کچھ گناہ نہیں جو کچھ وہ کھا چکے ہیں"۔

سورۃ المائدہ میں صرف چند آیات کے شانِ نزول کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ

حرمت شراب والی آیات ہیں۔ یا پھر مشکل الفاظ کے وہ معانی بیان کئے گئے ہیں جو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ضحاک، مجاہد یا کسی دیگر تابعی رحمۃ اللہ علیہ سے معتبر اور ثقہ سند کے ساتھ ثابت ہیں۔ اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں۔ لما نزلت آیة الحج قالوا: یا رسول اللہ افی کل عام؟ قال لا ولو قلت نعم لوجب کہ جب فرضیت حج کی آیت نازل ہوئی وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیه سبیلاً ط (آلِ عمران : ۹۷) تو بعض اصحاب نے عرض کیا حضور! کیا حج ہر سال کرنا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، اگر میں ہاں کہہ دیتا تو میرے حکم پر حسبِ استطاعت عمل پیرا ہو جایا کرو، اور زیادہ سوال نہ کیا کرو ورنہ مشکل میں پڑ جاؤ گے۔ بہرحال حج کا حکم یہ ہے کہ صاحبِ استطاعت مسلمان پر عمر بھر میں ایک دفعہ بیت اللہ شریف کا حج فرض ہے، اگر کوئی شخص ایک سے زیادہ بار حج کرتا ہے تو وہ نفل شمار ہوں گے کیونکہ حج کا فریضہ پہلی ادائیگی پر ہی ادا ہو جاتا ہے۔ البتہ عمرہ سنت ہے جو کہ ایام حج کے پانچ دنوں کے علاوہ پورے سال میں کسی وقت بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔ الغرض! لوگوں کے فرضیت حج کے سوال پر فانزل اللہ تعالٰی: "یا ایها الذین آمنوا لاتسألوا عن اشیاء ان تبدلکم تسؤکم" (المائدہ : ۱۰۱) اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے متعلق مت سوال کیا کرو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار گزریں۔

وقیل: قال رجل: یا رسول اللہ من ابی؟ بعض کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ بھی پوچھا کہ میرا باپ کون ہے؟ وجہ یہ تھی کہ اس شخص کو لوگ اس کے باپ کے معاملہ میں مطعون کرتے تھے۔ ایسا سوال کرنا بھی درست نہیں تھا کیونکہ اللہ تعالٰی نے اس معاملہ میں پردہ رکھا ہوا ہے۔ تاہم شریعت کا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی بچہ جن والدین کے گھر میں پیدا ہو، اس کی نسبت انہی کی طرف ہوگی۔ کیونکہ اگر اس کی حقیقی ماں یا حقیقی باپ وہ نہ ہو جس کی طرف اس کی نسبت ہے اور جہاں وہ پیدا ہوا ہے تو وہ شخص ہمیشہ کیلئے بے عزت ہو جائے گا۔ اسی لئے اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ایسے سوال نہ کیا کرو جن کو ظاہر کرنے سے تمہیں تکلیف پہنچے۔ بہرحال اس شخص کے پوچھنے پر قال: ابوك فلان، فنزلت: اللہ کے نبی نے فرمایا کہ تمہارا باپ فلاں ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں یہ نازل ہوئی کہ ایمان والو! ایسے سوال نہ کیا کرو کہ جن کے اظہار سے تمہیں تکلیف پہنچے۔ ظاہر ہے کہ اگر اس سوال کا جواب

اس آدمی کے خلاف جاتا تو اس کی ماں بھی ناراض ہو جاتی کہ یہ بڑا نافرمان لڑکا ہے جس نے اپنی ماں کی عزت کو بھی خراب کر دیا۔ اس نے کہا کہ اگر مجھ میں کسی گناہ کی بات ثابت ہو جاتی تو اس کا ذکر ہمیشہ کے لئے قرآن میں آ جاتا اور ہم ہمیشہ بدنام ہوتے رہتے، لہٰذا ایسا سوال نہیں کرنا چاہیے تھا جو ہمارے لئے ہمیشہ کے لئے پریشانی کا باعث بن جاتا، یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے صحابہ بالعموم آپ ﷺ سے سوال نہیں کیا کرتے تھے۔ البتہ دیہاتی لوگ ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے اور وہ پوچھ لیا کرتے تھے، اور ان کے لئے سوال کرنے کی ممانعت بھی نہیں تھی۔

عن سعید ابن المسیب البحیرۃ التی یمنع درھا للطواغیث فلا یحلبھا احد من الناس۔ سید التابعین حضرت سعید ابن مسیب کہتے ہیں کہ بحیرہ سے وہ جانور مراد ہے جس کا دودھ معبودانِ باطلہ کے نام پر وقف کر دیا جاتا تھا لہٰذا کوئی شخص اس جانور کا دودھ نہیں نکالتا تھا اللہ نے فرمایا کہ اللہ نے تو کوئی بحیرہ نہیں ٹھہرایا بلکہ مشرکوں کا خود ساختہ طریقہ ہے۔ بعض مشرک جانور کے کان میں سوراخ کر کے اسے کھلا چھوڑ دیتے تھے اور وہ جدھر چاہتا جاتا۔ اس کے متعلق کہتے کہ یہ فلاں معبود باطلہ کے نام پر نامزد ہے۔ اس کو بحیرہ کہتے تھے۔

وقیل ھی الناقۃ اذا انتجت خمسۃ ابطن نظروا الی الخامس، فان کان ذکراً ذبحوہ فاکلہ الرجال دون النساء بعض کہتے ہیں کہ بحیرہ اس اونٹنی کو کہا جاتا تھا جو پانچ مرتبہ بچے جنتی۔ پھر اگر پانچواں بچہ نہ ہوتا تو اس کو ذبح کر لیتے اور اس کا گوشت عورتوں کے علاوہ صرف مرد ہی کھاتے، **وان کان انثی جدعوا اذنھا** اگر پیدا ہونے والا پانچواں بچہ مادہ ہوتا تو اس کا کان چھید کر اسے کھلا چھوڑ کر کسی معبودِ باطلہ کے نام پر نامزد کر دیتے۔

واما السائبۃ فکانوا یسیبون من الانعام لآلھتھم اور سائبہ وہ جانور ہوتا تھا جو کہ مشرک لوگ تکمیل منت پر اپنے مویشیوں میں سے معبودانِ باطلہ کے نام پر نامزد کر کے کھلا چھوڑ دیتے تھے۔ **لا یرکبون لھا ظھراً** وہ ایسے جانور کی پیٹھ پر سواری نہیں کرتے تھے۔ **ولا یحلبون لھا لبناً** اور نہ اس کا دودھ دوہتے تھے۔ **ولا یجزون لھا دبراً** نہ اس کی اون استعمال کرتے تھے **ولا یحملون علیھا شیئاً** اور نہ ہی اس پر بوجھ لادتے تھے۔

واما الوسيلة فالشاة اذا انتجت سبع ابطن نظروا الى السابع اورمشرک لوگ وصیلہ اس بکری کو کہتے تھے جو سات مرتبہ بچے جن لیتی پھر وہ ساتویں بچے کی طرف دیکھتے فان کان انثى فهو لهم اگر ساتواں بچہ مادہ ہوتا تو اسے اپنے لئے جائز مانتے۔ وان كان ذكرًا فهو لآلهتهم اور اگر وہ نر ہوتا تو اسے اپنے معبودانِ باطلہ کے نام پر نامزد کر دیتے اور اس سے کچھ فائدہ حاصل نہیں کرتے تھے۔ وان كان ذكرًا وانثى في بطن استحيوها وقالوا وصلت اخاها فحرمته علينا اور اگر ساتویں حمل سے نر اور مادہ دونوں پیدا ہوتے تو کہتے کہ اس نے اپنے بھائی کو ملا دیا ہے اور اسے ہم پر حرام ٹھہرا دیا ہے۔ غرضیکہ مشرکین نے اسی قسم کی خود ساختہ شریعت بنا رکھی تھی۔ اللہ نے اس کا رد فرمایا ہے۔

وقيل: الناقة البكر تبكر في اول نتاج الابل بذكر ثم تثنى بعده بانثى وكانوا يسيبونها لطواغيتهم ان وصلت احدهما باخرى ليس بينهما ذكر اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وصیلہ اس اونٹنی کو کہتے تھے جو پہلے حمل میں نر جنے پھر اس کے بعد مادہ جنے تو مشرک لوگ اسے اپنے معبودانِ باطلہ کے نام پر نامزد کر کے چھوڑ دیتے اور کہتے کہ اس نے ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا دیا ہے۔ واما الحام فالفحل من الابل اذا ولد لولده، قالوا: حمى ظهرهٗ فلا يحملون عليه شيئًا ولا يجزون له دبرا ولا يمنعونه من حمى رعاه ولا من حوض يشرب منه وان كان الحوض لغير صاحبه، اور حام اس اونٹ کو کہتے تھے جس کی جفتی سے دس بچے پیدا ہو جاتے۔ پھر کہتے کہ اس نے اپنی پشت آزاد کر لی ہے۔ لہٰذا اس پر نہ کوئی بوجھ لادتے نہ اس کی اون استعمال میں لاتے اور وہ جدھر بھی چرتا پھرتا یا جس حوض سے بھی پانی پیتا، اسکو کوئی نہیں روکتا تھا اگرچہ وہ حوض اپنے مالک کی بجائے کسی دوسرے مالک کا ہی کیوں نہ ہوتا۔

وقيل فحل الابل يضرب الضراب المعدود، فاذا قضى ضرابه دعوه الطواغيت واعفوه من الحمل وسموه الحامي اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مشرک لوگ کسی اونٹ کی جفتی کے لئے تعداد مقرر کر دیتے۔ پھر وہ مقررہ تعداد (آٹھ دس وغیرہ) پوری کر لیتا تو اسے بتوں کے نام پر نامزد کر کے چھوڑ دیتے اور اسے بار برداری سے مستثنیٰ کر دیتے اور اسے حامی کا نام دے

دیتے۔ سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ھذہ الآیة: "یا ایھا الذین آمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم" (المائدہ : ۱۰۵) حضور نبی کریم ﷺ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا۔ ''اے ایمان والو! اپنی جانوں کی حفاظت کرو۔ تمہیں کوئی گمراہ آدمی نقصان نہیں پہنچا سکے گا جبکہ تم ہدایت پر ہو''۔ فقال: بل ائتمروا بالمعروف ونھوا عن المنکر حتی اذا رایت شحا مطاعا وھوی متبعاو دینًا مؤثرة واعجاب کل ذی رای برایہ فعلیك بخاصة نفسك ودع العوام: حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہیں دھوکے میں نہ رہنا بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہنا حتی کہ جب تم دیکھو کہ بخل کی اطاعت کی جارہی ہے، اور خواہشات کا اتباع کیا جارہا ہے، اور آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دی جارہی ہے اور ہر رائے والا اپنی ہی رائے کو پسند کر رہا ہے اور دوسرے کی رائے کو کچھ نہیں سمجھتا تو اس وقت حکم ہے کہ اپنی جانوں کو بچاؤ اور دوسروں کی فکر چھوڑ دو۔ ایسے حالات میں اپنے آپ کو بچانا بھی غنیمت ہے کہ کہیں گمراہی میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔

(یآ ایھا الذین آمنوا شھادة بینکم) اے ایمان والو! گواہی تمہارے درمیان یہ شہادت علی الشہادت کا مسئلہ بھی آ گیا ہے۔ اگر کسی مقدمہ میں گواہی جھوٹی ثابت ہو جائے تو ان گواہوں پر مزید گواہ لانا ضروری ہو جاتا ہے۔ اور پھر پہلے گواہوں کی بجائے دوسرے گواہوں کی شہادت پر فیصلہ ہوتا ہے۔ نزلت فی تمیم الداری وعدی بن زید خانًا جامًا من فضة من ترکة بدیل یہ آیت تمیم داری اور عدی ابن زید کے معاملہ میں نازل ہوئی جنہوں نے بدیل کے ترکہ میں سے سونے یا چاندی کے ایک پیالے کی خیانت کی۔ تمیم داری رضی اللہ عنہ اس وقت عیسائی تھے مگر بعد میں مسلمان ہو گئے، دوسرا شخص عدی ابن زید بھی عیسائی یا مشرک تھا۔ یہ لوگ بدیل کے ساتھ سفر میں تھے کہ بدیل کی موت کا وقت قریب آ گیا۔ اس نے اپنے سامان کی فہرست بنا کر سامان کے اندر ہی رکھ دی اور مذکورہ دونوں ساتھیوں کے سپرد اپنا سامان کیا کہ وہ اس کے وارثوں تک پہنچا دیں۔ جب ورثا نے سامان حاصل کیا تو سامان کی فہرست کے مطابق ایک قیمتی پیالہ کم پایا۔ جب بدیل کے ورثا نے سامان لانے والوں سے اس پیالہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ پھر یہ معاملہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش

کیا گیا۔ **فحلفهما رسول الله صلى الله عليه وسلم** حضور ﷺ نے ان سے حلف لیا تو انہوں نے جھوٹی قسم اٹھائی کہ انہیں اس پیالہ کا کچھ علم نہیں ہے۔ **ثم وجدوا الجام بمكة فقيل اشتريناه منهما** پھر وہ پیالہ مکہ میں ایک سنار کے پاس پایا گیا جس نے بتایا کہ اس نے یہ پیالہ فلاں فلاں دو شخصوں سے خریدا ہے۔ چنانچہ شہادت علی الشہادت کی ضرورت پیش آئی۔

دریں اثنا تمیم داری تو مسلمان ہو چکا تھا اور اس کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا لہٰذا اس نے اپنا حصہ خوشی سے ادا کر دیا۔ دوسرا شخص عدی ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا چنانچہ یہ مقدمہ دوبارہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں لایا گیا۔ **فقام رجلان من اولياء السهمى فحلفا لشهادتنا احق من شهادتهما وان الجام لصاحبهم** چنانچہ سہمی کے ورثاء میں سے دو اشخاص نے کھڑے ہو کر گواہی دی کہ ان کی گواہی فائق ہے، اور یہ پیالہ ہمارے مورث کا تھا جس کا ذکر اس نے وصیت میں بھی کر دیا تھا۔ اس طرح وہ جھوٹے ثابت ہوئے اور انہیں خیانت شدہ پیالہ واپس کرنا پڑا۔ یہی اس آیت کا شانِ نزول ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے ایمان والو! تم پر سچی گواہی لازم ہے کیونکہ شہادت علی الشہادت بھی ہو سکتی ہے۔ اگر تمہاری گواہی غلط ثابت ہوئی تو تم سچی گواہی دینے کی بنا پر ذلت سے بچ جاؤ گے۔

---

(۶)(من سورة الانعام)

(ص ۷۷ تا ص ۷۹)

سورۃ الانعام لمبی سورتوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس سے پہلے سورۃ النساء میں زیادہ تر محرماتِ نکاحیہ کا بیان تھا، یعنی ان عورتوں کا ذکر تھا جن کے ساتھ ایک مومن آدمی کا نکاح حرام ہے۔ پھر سورۃ المائدہ میں آسمانی مائدہ اور اشیاء اکل و خورد کی حلت و حرمت کا ذکر ہوا۔ اب اس سورۃ الانعام میں مویشیوں کی حلت و حرمت اور شرک کی مختلف اقسام کا ذکر ہے، اس سورۃ میں مجوسیوں کا رد بھی کیا گیا ہے۔ اس سورہ مبارکہ میں سے بعض مشکل الفاظ کا انتخاب کر کے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے معانی بیان کیے ہیں۔

(**يعدلون**) **يجعلون له عدلاً**: عدل کا معنی انصاف بھی ہوتا ہے اور ''برابری'' بھی۔

یہاں پر مطلب یہ ہے کہ مشرک لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو بھی برابر شریک ٹھہراتے ہیں۔
(تمترون) تشکون: یعنی تم شک کرتے ہو۔ (مدرارًا) یتبع بعضها بعضًا: برسنے والا: بارش کے قطرے ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں گویا ایک دوسرے کا اتباع کرتے ہیں۔ یہاں پر موسلا دھار بارش مراد ہے۔ (وللبسنا) شبهنا: ملتبس کردیں گے یعنی مشتبہ کردیں گے۔ (ثم لم تکن فتنتهم) حجتهم: یہاں پر فتنہ سے مراد حجت ہے یعنی قیامت والے دن مشرکین جھوٹے ثابت ہوں گے کیونکہ ان کے پاس شرک کے حق میں کوئی دلیل یا حجت نہیں ہوگی، لہٰذا ان کا کوئی عذر قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ وقیل معذرتهم اور بعض نے یہاں پر فتنہ کا معنی عذر کیا ہے۔

(اساطیر) هی الترهات، واحدها اسطورة، واسطارة: اساطیر یعنی جھوٹے قصّے کہانیاں اس کا واحد اسطورة یا اسطارة آتا ہے۔ یہ یونانی یا سریانی زبان کا لفظ ہے۔ انگریزی زبان میں سٹوری (STORY) یعنی کہانی کے معنوں میں بولا جاتا ہے۔ بہرحال مشرک لوگ کہتے تھے کہ یہ قرآن پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ (وقرًا) صممًا، واما الوقر فانه الحمل: وقر سے مراد بوجھ ہے کہ جب کانوں پر پڑ جاتا ہے تو کان سماعت سے محروم ہو جاتے ہیں، وقر بوجھ کو کہتے ہیں (وهم ینهون عنه وینؤن عنه) مشرک لوگ دوسروں کو پیغمبر اسلام سے دور رکھتے تھے اور خود بھی آپ ﷺ سے دور رہتے تھے۔ نزلت فی ابی طالب کان ینهی المشرکین ان یؤذوه، وینأی عنه: یہ آیت حضور علیہ السلام کے چچا ابو طالب کے حق میں نازل ہوئی جو دوسروں کو تو روکتا تھا کہ وہ آپ کو تکلیف نہ پہنچائیں مگر خود اس نے کلمہ نہیں پڑھا۔ ینأون یتباعدون کا یہی مطلب ہے۔

(قال ابو جهل: قد نعلم یا محمد انك تصل الرحم و تصدق الحدیث ولا نکذبك ولکن نکذب الذی جئت به ابوجہل کہتا تھا، اے محمد! ہم جانتے ہیں کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں اور ہمیشہ سچی بات کرتے ہیں۔ ہم آپ کو تو نہیں جھٹلاتے بلکہ آپ کی لائی ہوئی چیز (قرآن) کی تکذیب کرتے ہیں۔ فانزل الله تعالی: "فانهم لا یکذبونك ولکن الظالمین بآیات الله یجحدون ○" پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔ وہ لوگ حضور علیہ السلام کا جھوٹ تو ثابت نہیں کر سکتے

تھے، لہٰذا اللہ کے کلام کو جھٹلاتے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ محض ظلم وزیادتی اور کفر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ (نفقًا) سربًا: چھپنے کی جگہ یعنی غار وغیرہ۔ (سلمًا) مصعدًا: اوپر چڑھنے کی جگہ۔

(البأساء) من الباس وتكون من البؤس وهو شدة الفقر: یہ بأس سے ہے اور بؤس سے ہو تو اس کا معنی فقر یعنی تنگدستی کی شدت ہوتا ہے۔ (الضراء) الامراض والاوجاع: ضراء کا تعلق جسمانی امراض کے ساتھ ہوتا ہے جیسے درد وغیرہ (فلما نسوا) تركوا: پھر جب وہ (ہماری نصیحت کو) بھول گئے یعنی اس کو چھوڑ دیا اور کچھ پرواہ نہ کی۔ (مبلسون) آيسون: ناامید ہو گئے۔ (يصدفون) يعدلون: اس سے ہٹتے ہیں۔ وقيل يعرضون عن الحق اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ حق سے اعراض کرتے ہیں۔ (او جهرة) معائنة: یعنی کھلے عام، تمہارے سامنے۔ (تدعون من دون الله) تعبدون: اللہ کے سوا دوسروں کو بلاتے ہو یعنی ان کی عبادت کرتے ہو۔ (ماجرحتم) كسبتم من الاثم: جو کچھ تم نے گناہ سے کمایا۔ (يفرطون) يضيعون: زیادتی کرتے ہیں، ضائع کرتے ہیں۔

(قل هو القادر على ان يبعث عليكم عذابًا): اللہ تعالیٰ کی ذات قادر ہے کہ وہ تم پر (اوپر یا نیچے سے) عذاب بھیج دے۔ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اما انها كائنة ولم يات تاويلها بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ باتیں آگے چل کر ظاہر ہوں گی، اور ابھی ان کا مصداق ظاہر نہیں ہوا۔ (ويلبسكم) يخلطكم: تم کو فرقوں میں تقسیم کر کے خلط ملط کر دے۔ (شيعًا) اهواء مختلفة وقيل فرقًا: اس سے مراد مختلف خواہشات ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد مختلف فرقے ہیں۔ (لكل نبا مستقر) حقيقة: ہر چیز کا استقرار یعنی حقیقت ہوتی ہے۔ وقيل وقت ومكان: بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وقت اور ٹھکانا ہے۔ (ان تبسل) تفضح: ابسال کا معنی رسوا کیا جانا۔ وقيل تحبس بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی حبس کرنا یعنی بند کیا جانا ہے، گویا یہ لفظ رسوا اور قید دونوں معنوں میں آتا ہے۔ (وان تعدل) تقسط: اگر تو انصاف کرے۔

(ابسلوا) فضحوا: ان کو رسوا کیا جائے گا۔ (استهوته) اضلته گمراہ کر دیا ہے اس کو۔

(فلما جن) اظلم: جب تاریکی چھا گئی۔ (افلت) زالت الشمس عن کبد السماء: جب سورج بھی آسمان کے وسط سے غائب ہو گیا۔ لما نزلت: "ولم یلبسوا ایمانهم بظلم" قال الصحابة: و اینالم یظلم؟ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ "انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہیں ملایا، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ آیت دشوار گزری، تو انہوں نے کہا" کہ وہ کون ہے جس نے اپنے اوپر زیادتی نہ کی ہو یعنی جس نے کوئی چھوٹا موٹا گناہ نہ کیا ہو؟ اس کے بعد فنزلت: "ان الشرك لظلم عظیم" یہ آیت نازل ہوئی کہ بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔ گویا پہلی آیت میں آمدہ ظلم سے مراد شرک ہے۔ یعنی جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ آلودہ نہیں کیا، ان کو امن حاصل ہوگا۔ اور وہی ہدایت یافتہ ہوں گے۔ ظلم کا لغوی معنی وضع شئ فی غیر محله کسی چیز کو اس کے اصلی مقام کے علاوہ کسی جگہ رکھنا۔ گویا ظلم کا اطلاق چھوٹی سے چھوٹی غیر اولیٰ بات سے لے کر بڑے سے بڑے جرم کفر، شرک، قتل وغیرہ پر ہوتا ہے۔ تو یہاں پر شرک سے مراد بڑا ظلم یعنی شرک ہے نہ کہ کوئی چھوٹا موٹا گناہ وقال علی رضی اللہ عنه: هٰذه فی ابراهیم واصحابه لیست فی هٰذه الامة حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی تھی، نہ کہ اس امت کے لوگوں کے بارے میں۔

(وما قدروا الله حق قدره) ما عظموه حق تعظیمه: یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ایسی تعظیم نہیں کی جیسا کہ اس کی تعظیم کا حق تھا۔ خدا تعالیٰ کو تو وہ بھی مانتے تھے مگر غلط طریقے پر جس میں شرک کی ملاوٹ ہوتی تھی۔ اللہ نے اس کی نفی کر دی ہے۔ (باسطوا ایدیهم) البسط الضرب بسط کا معنی پھیلانا اور مارنا بھی آتا ہے۔ تو معنی یہ ہے کہ فرشتے اپنے ہاتھ پھیلانے والے یعنی ان کو مارنے والے ہوں گے۔ فرمایا کہ علامات قیامت کے ظہور یا آدمی کے قریب المرگ ہونے کے وقت ایمان لانا قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ (عذاب الهون) الذی یقع به الهوان الشدید: ایسا عذاب مراد ہے جس سے شدید درجے کی ذلت لاحق ہو۔ (خولناكم) اعطیناكم: ہم نے تمہیں دیا۔ (فالق الاصباح) ضوء الشمس بالنهار وضؤ القمر باللیل: صبح کو پھاڑ کر لانے والا سورج کی روشنی دن کے وقت، اور چاند کی روشنی رات کے وقت۔

(حسبانًا) عدة الايام و الشهور والسنين: دنوں، مہینوں اور سالوں کی گنتی۔ وقيل مرامی و رجومًا للشياطين بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ فرشتے شیطانوں پر شہاب پھینکتے تھے۔ (مستقر) في الصلب: مستقر کا معنی ٹھکانا ہے۔ اور اس سے مراد انسان کا قطرۂ آب ہے جو انسان کی پشت میں ہوتا ہے جو کہ اس کا عارضی ٹھکانا ہے۔ (ومستودع) في الرحم: پشت پدر سے نکل کر قطرۂ آب انسانی کا رحمِ مادر میں پہنچنا مراد ہے جو کہ اس کا عارضی ٹھکانا ہوتا ہے۔ (قنوان دانية) قصار النخل اللاصقة عذوقها بالارض: جھکے ہوئے گچھے یعنی پست قد کھجوروں کے درخت جن کے پھل زمین کے قریب ہی ہوتے ہیں۔ وقيل القنوا لعذق، والاثنان والجماعة قنوان مثل صنو وصنوان۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد قنو العذق کھجوروں کا گچھا ہے جس کا اطلاق ایک دو یا سب پر ہوتا ہے جیسے صنو کا معنی ایک قسم اور صنوان اس کی جمع ہے یعنی اس کا اطلاق واحد، تثنیہ اور جمع سب پر ہوتا ہے۔ (وينعه) نضجه: اس کا پختہ ہونا یعنی پھل کا پک جانا مراد ہے۔ (وخرقوا له بنين) تخرصوا وافتعلوا ذلك كذبًا وكفرًا انہوں نے اللہ کے لئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لئے ہیں اندازے کے ساتھ اور اس طرح انہوں نے جھوٹ اور کفر بنایا ہے حالانکہ اللہ نے تو نہ کسی کو بیٹا بنایا، نہ اس کا حکم دیا ہے اور نہ ہی اس کی پرستش کرنے کے لئے کہا ہے۔ (درست) تعلمت: تو نے پڑھا ہے یا سیکھا ہے۔ (قبلاً) معاينة و مواجهة: آنے سامنے یعنی رو در رو۔ (ولتصغى) لتميل: تاکہ جھک جائیں، مائل ہو جائیں۔ (وليقترفوا) ليكتسبوا: تاکہ وہ کمائیں۔ (زخرف القول) كل شئ حسنه و سيئه وهو باطل فهو زخرف ملمع شدہ بات۔ ہر اچھی یا بری چیز جو ملمع شدہ ہو، وہ باطل ہے۔ کسی پتھر یا مٹی کے ڈھیلے پر سونے یا چاندی کا ورق چڑھا دیا جائے تو وہ ملمع شدہ کہلائے گا۔ اتى الناس النبى صلى الله عليه وسلم فقالوا: يا رسول الله ناكل مانقتل ولا ناكل ما يقتل الله فانزل: كلوا مما ذكر اسم الله عليه کچھ لوگ حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، اللہ کے رسول! جس جانور کو ہم خود مار ڈالتے ہیں یعنی ذبح کرتے ہیں اس کا گوشت تو کھا لیتے ہیں اور جس جانور کو اللہ مارتا ہے یعنی جو طبعی موت مر جاتا ہے اس کا گوشت کھانے کی ہمیں اجازت نہیں ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت

نازل فرمائی ''اس جانور کا گوشت کھاؤ جس پر بوقت ذبح اللہ کا نام لیا گیا ہو'' مطلب یہ تھا کہ بوقت ذبح اللہ کا نام لینے یعنی بسم اللہ کہہ کر ذبح کرنے سے جانور میں پاکیزگی آجاتی ہے مگر طبعی موت مرنے والے جانور پر یہ پاکیزگی نہیں آتی، اسی لئے اللہ نے حکم دیا ہے کہ جس چیز پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اس کو کھاؤ، اگر ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو ایسا جانور بھی مردار ہی شمار ہوتا ہے اور اس کا کھانا اہلِ ایمان کے لئے روا نہیں ہے۔ (میتًا فاحییناہ) ضالاً فھدیناہ انسان پہلے مردہ یعنی گمراہ تھا، ہم نے اس کو زندہ کیا یعنی اس کو ہدایت بخشی۔

(صغار) مذلۃ وھوان: صغار سے مراد ذلت اور رسوائی۔ (علی مکانتکم) ناحیتکم وحالتکم التی انتم علیھا: مکان کا عام فہم معنی جگہ ہوتا ہے۔ تاہم یہاں پر مراد حالت ہے۔ اللہ کے نبی کو حکم ہوا کہ آپ لوگوں پر واضح کر دیں کہ اے میری قوم کے لوگو! تم اپنی حالت پر رہتے ہوئے جو کچھ کرنا ہے کرتے چلے جاؤ۔ تاہم یہاں معنی یہ ہے کہ تم اپنی حالت پر برقرار رہتے ہوئے عمل انجام دیتے رہو، اور میں اپنے راستے پر چلتا رہوں گا عنقریب پتہ چل جائے گا کہ آخرت کا گھر کس کے حصے میں آتا ہے (وحرث حجر) حرام: مشرک لوگوں نے ازخود بعض مویشی اور کھیتی کی کچھ پیداوار حرام قرار دے رکھی تھی اور کہتے تھے کہ یہ چیزیں ہمارے معبودانِ باطلہ کے لئے مخصوص ہیں اور ہمارے لئے حرام ہیں۔ (حمولۃ) الابل والخیل والبغال والحمیر وکل شئ یحمل علیھا: حمولہ سے بار برداری والے جانور مراد ہیں جن میں اونٹ، گھوڑے، خچر اور گدھے اور ہر وہ جانور یا چیز مراد ہے جو بار برداری کے کام آتا ہے۔

(وفرشًا) الغنم: اس سے مراد وہ جانور ہیں جو زمین کے بالکل قریب ہوتے ہیں جیسے بھیڑ بکریاں جو پست قد ہونے کی وجہ سے زمین کے قریب ہوتی ہیں جب چاہو ان کو پکڑ کر ذبح کر لو۔

(معروشات) مایعرش من الکرم: اس سے مراد انگور کی بیلیں ہیں جن کو چھتریوں پر چڑھا دیا جاتا ہے سبزی اور پھلوں کی بعض دوسری بیلیں بھی ہیں جن کو زمین سے اٹھا کر ان کو خاص طور پر تیار کی گئی چھتریوں یا مچانوں پر چڑھا دیا جاتا ہے تاکہ ان سے زیادہ سے زیادہ سبزیاں یا پھل حاصل کئے جا سکیں۔ (کل ذی ظفر) البعیر والنعامۃ وغیر ذلک ہر ناخن والا جانور جیسے اونٹ اور شتر مرغ

وغیرہ جن کے کھر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ایسے جانور بنی اسرائیل پر حرام قرار دے دیئے تھے۔

(مسفوحًا) مھراقًا: بہایا ہوا خون جو بوقت ذبح جانور کے جسم سے بہہ نکلتا ہے، یہ حرام ہے۔

(ماحملت ظھورھما) ماعلق بھا من الشحم: وہ چربی بھی یہودیوں کے لئے حرام قرار دی گئی۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے یہودیوں پر بھیڑ بکریوں کی چربی بھی حرام قرار دے دی سوائے اس کے جوان جانوروں کی پشتوں کے ساتھ لگی ہوئی ہو البتہ یہودی بھیڑ بکریوں کا گوشت بخوبی کھا سکتے تھے۔ **(الحوایا) المبعر:** اور وہ چربی بھی یہودیوں کے لئے حلال تھی جو جانور کی آنتوں کے ساتھ لگی ہوئی ہو۔ **(املاق) فقر:** املاق سے مراد تنگدستی ہے جس کے ڈر سے مشرک لوگ بچوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالتے تھے۔ **(دراستھم) تلاوتھم:** ان کا پڑھنا پڑھانا یعنی تلاوت مراد ہے۔ **(صدف) اعراض:** اعراض کرنا، روگردانی کرنا۔ **(لا ینفع نفسًا ایمانھا لم تکن آمنت من قبل)** اس شخص کو اس کا ایمان لانا کوئی فائدہ نہیں دے گا جس نے پہلے ایمان قبول نہیں کیا تھا۔ **اذا طلعت الشمس من مغربھا:** اسی سے مراد اس وقت کا ایمان لانا ہے جس وقت سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہوگا۔ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا علاماتِ قیامت میں سے ہے۔ لہٰذا اس دن قیامت کے برپا ہو جانے کی وجہ سے لوگ ڈر جائیں گے اور ایمان قبول کرنا چاہیں گے مگر اللہ نے فرمایا کہ جس شخص نے علامات قیامت کے ظہور سے پہلے ایمان قبول نہیں کیا، اب اس کا ایمان قبول نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی کوئی دوسری نیکی قابلِ قبول ہوگی۔

---

(۷) (من سورۃ الاعراف)

(ص۷۹ تا ص۸۰)

سورۃ الفاتحہ اس لحاظ سے خلاصۃ القرآن ہے کہ قرآن پاک کے تمام مضامین کا لب لباب اس سورۃ مبارکہ میں آ گیا ہے، اس کے بعد دوسری سورۃ بقرہ ہے جس کا سب سے بڑا مضمون اصلاح یہود ہے۔ اس کے علاوہ خلافت کبریٰ کا مکمل نظام، حصول تقویٰ اور اہلِ ایمان کے لئے ضروری احکام اس سورۃ کے خاص مضامین ہیں۔ سورۃ آلِ عمران کا بنیادی مضمون اصلاحِ نصاریٰ ہے یعنی اس میں

عیسائیوں کے باطل عقائد کا رد کیا گیا ہے، مسئلہ توحید کو دلائل کے ساتھ واضح کیا گیا ہے اور غزوہ احد اور بدر کی کچھ تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ میں عربوں کی اصلاح کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ سورۃ النساء میں محرمات اور محللات نکاح کو واضح کیا گیا ہے یعنی کن عورتوں سے نکاح جائز ہے اور کن سے ناجائز ہے۔ عورتوں سے متعلق یہ بڑا اہم مسئلہ ہے جس کے متعلق عربوں میں سخت خرابیاں پائی جاتی تھیں۔ سورۃ المائدہ میں اشیائے اکل وخورد کی حلت وحرمت کے مسائل بیان کیے گئے ہیں، اس ضمن میں بھی عربوں میں بہت سی خرابیاں پائی جاتی تھیں جن کی اصلاح کی گئی ہے۔ اس کے بعد سورۃ الانعام میں آتش پرست مجوسیوں کی اصلاح کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ یہ لوگ دو خداؤں کو مانتے تھے، چنانچہ سورۃ کے آغاز ہی میں اس باطل نظریہ کی نفی کی گئی ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے اور اسی نے نور اور ظلمت کو پیدا کیا ہے۔ مجوسیوں میں دیگر صابی لوگ یعنی چینی جاپانی وغیرہ بھی شامل ہیں اور ان سب کے غلط عقائد کی اصلاح کی گئی ہے۔

سورۃ الاعراف کا موضوع اصلاح جمیع عالم یعنی پورے عالم کی اصلاح ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے اعلان کروادیا ہے کہ اے لوگو! خوب سن لو انی رسول اللہ الیکم جمیعًا یعنی میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول مبعوث ہوا ہوں۔ اس کے علاوہ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے انبیائے سابقین کے طریقہ تبلیغ کا ذکر بھی کیا ہے اور بتلایا ہے کہ وہ کس طریقے سے اپنی امتوں کی اصلاح کرتے تھے۔ اس کے بعد آگے دو سورتیں یعنی سورۃ الانفال اور سورۃ التوبہ آرہی ہیں جن میں جنگ اور صلح کے قوانین بیان کیے گئے ہیں۔ اس لئے پہلی سورتوں کے مضامین کے مطابق اصلاح اقوام عالم کا پروگرام مکمل ہونے کے بعد بھی جو قوم یا فرقہ راہِ راست پر نہیں آتا تو پھر اس کے ساتھ جنگ کی صورت بھی پیدا ہوسکتی ہے۔ اور پھر بعض حالات میں بعض اقوام کے ساتھ صلح کی ضرورت بھی پیش آسکتی ہے۔ چنانچہ اگلی دو سورتوں میں قوانین جنگ اور صلح بیان کیے گئے جن پر عمل کر کے مسلمان اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔

الغرض! سورۃ الاعراف میں اصلاح جمیع عالم اور انبیاء علیہم السلام کا طریقِ تبلیغ بیان کیا گیا ہے کہ وہ

اپنی قوموں کی کس طرح راہنمائی کرتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک جستہ جستہ انبیاء کا ذکر اس سورۃ مبارکہ میں آ گیا ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس سورۃ کے مشکل الفاظ کے معانی اس طرح بیان فرمائے ہیں۔ (ولقد خلقنکم ثم صورناکم) ہم نے تمہیں پیدا کیا اور پھر صورت بخشی۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں کہ خلقوا فی اصلاب الرجال وصوروا فی ارحام النساء یعنی پیدائش سے مراد مردوں کی پشتوں میں پیدائش ہے اور شکل وصورت کی بخشش عورتوں کے رحموں میں کی۔ انسان کی پیدائش سب سے پہلے اس کے باپ کی پشت میں ایک مادہ کی صورت میں ہوتی ہے۔ دراصل وہ پوری شکل وصورت کے ساتھ انسان تو نہیں ہوتا بلکہ اس مادے سے تعلق رکھنے والے اعصاب ہوتے ہیں جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ انسان پشت پدر میں تھا۔ پھر وہ مادہ اعضاء تناسلیہ کے ذریعے پشت پدر سے خارج ہو کر رحم مادر میں منتقل ہوتا ہے تو اس کو شکل وصورت بخشی جاتی ہے اور اس کے بعد اس دنیا میں پیدائش کا مرحلہ آتا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان پر اپنی اس نعمت کا ذکر ہے کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا اور پھر صورت بخشی۔

(صراطك) طريقتك: صراط کا عام فہم معنی راستہ ہوتا ہے مگر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہاں پر اللہ تعالیٰ کا وہ طریقہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو زندگی بسر کرنے کا حکم دیا ہے اور جس سے شیطان نے اسے دور کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ (مذء وما) ملوما: یعنی ملامت کیا ہوا۔ (یخصفان) یلفان الورق: درخت کے پتے توڑ کر اپنے اعضاء مستورہ کے گرد لپیٹنے لگے یعنی اپنی برہنگی کو چھپانے لگے۔ جب شیطان کے ورغلانے پر حضرت آدم اور حوا علیہما السلام نے ممنوعہ شجر کا پھل کھا لیا تو ان کا جنتی لباس اتر گیا اور وہ برہنہ ہو گئے۔ اس پر وہ سخت نادم ہوئے اور اپنے ستر کو درخت کے پتوں سے ڈھانپنے لگے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں، العری شین برہنگی عیب ہے۔ بلاشبہ ہر سلیم الفطرت انسان برہنگی کو عیب ہی جانتا ہے۔ البتہ فطرت سے انسلاخ کر کے ہی آج کے مہذب دور میں بھی عورتیں نیم برہنہ حالت میں سٹیج پر آ کر ناچ گانا پیش کرتی ہیں۔ یا پھر پچھلی صدی تک افریقہ کے بعض غیر مہذب جنگلوں میں رہنے والے غیر مہذب لوگ لباس سے محروم تھے اور وہ بھی برہنگی سے

شرم محسوس کرتے تھے اور اعضائے مستورہ کو درختوں کے پتے باندھ کر ڈھانپ لیتے تھے۔ ہمارے جد امجد حضرت آدم اور حوا علیہما السلام تو سلیم الفطرت تھے، لہٰذا جب جنت میں ان کا لباس اتر گیا، اور وہ برہنہ ہو گئے تو برہنگی سے بچنے کے لئے انہوں نے اپنے آگے پیچھے درخت کے پتے باندھ لئے۔ ایک روایت کے مطابق یہ دونوں تین سو سال تک اپنی غلطی پر روتے رہے۔ پھر انہیں زمین پر اتار دیا گیا اور انہیں بتلایا گیا کہ اس طریقے سے لباس تیار کر کے پردہ پوشی کرو۔

(سوآتھما) کنایة عن فرجیھما: سوئی کا لفظی معنی تو برہنگی ہوتا ہے۔ تاہم یہ دونوں اولین انسانوں کے اعضاء مستورہ کی طرف اشارہ ہے۔ برہنگی کی وجہ سے آدم اور حوا علیہما السلام کے اعضاء مستورہ نہ صرف ان دونوں کو نظر آنے لگے تھے بلکہ فرشتے، جنات اور خود شیطان بھی حیرت سے دیکھتے ہوں گے کہ ان کا لباس اتر گیا ہے اور یہ برہنہ ہو گئے ہیں جو کہ بڑی شرم کی بات تھی۔ **(قبیلہ) جیلہ الذی ھو منھم:** قبیلہ سے مراد شیطان کے خاندان کے افراد ہیں جس خاندان یا قبیلے کے ساتھ اس کا تعلق تھا۔ **(ریشًا) وقرئ ریاشًا ، مالاً:** لفظ ریشا کو بعض قراٰتوں میں ریاشا بھی پڑھا گیا ہے اور اس سے مراد زینت ہوتی ہے۔ جس طرح اللہ نے پرندوں کو خوبصورت رنگ برنگے پر عطا کر کے ان کے لئے لباس اور زینت کا سامان بنا دیا ہے، یا بعض درندوں کو خوبصورت کھال پہنا کر انہیں زینت بخشی ہے، اسی طرح انسان کا لباس اس کے لئے ستر پوشی اور زینت کا باعث ہے، ریشا کا اطلاق مال پر بھی ہوتا ہے جس کے ذریعے انسان اپنی ضروریات زندگی پوری کرتا ہے، اور لباس اور زینت بھی انسان کی ضروریات زندگی میں شامل ہیں۔

کانت المراۃ فی الجاھلیة تطوف وھی عریانة فنزلت: "قل من حرم زینة اللّٰہ" ...... القرآن زمانہ جاہلیت میں عورتیں بیت اللہ شریف کا طواف برہنہ حالت میں کرتی تھیں۔ پس یہ آیت نازل ہوئی اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ کس نے حرام قرار دیا ہے اس زینت کو جو اللہ نے نکالی ہے اپنے بندوں کے لئے اور پاکیزہ چیزیں رزق سے ......الخ (الاعراف : ۳۲) اللہ تعالیٰ نے برہنہ طواف کرنے والوں کی مذمت بیان کی ہے۔ دراصل مشرکوں نے از خود یہ نظریہ بنا رکھا تھا کہ خانہ کعبہ پاک ہے اور اس کا طواف اس لباس میں نہیں کرنا چاہیے جس میں ہم عام گناہوں کا ارتکاب

کرتے ہیں، لہٰذا وہ ننگ دھڑنگ طواف کرتے تھے۔ البتہ مرد دن کے وقت طواف کرتے تھے جبکہ عورتیں رات کے وقت برہنہ طواف کرتی تھیں، اور ساتھ ساتھ یہ اشعار بھی پڑھتی تھیں :

الیوم یبدؤ بعضہ او کلہ
وما بدا منہ فلا اُحِلُّہٗ

(مسلم شریف ج۲ ص۴۲۲)

ترجمہ :

(آج میرے جسم کا کچھ یا سارا حصہ ظاہر ہوگا، مگر جتنا حصہ ظاہر ہوگا میں اس کو حلال نہیں سمجھتی)۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے برہنہ طواف کی ممانعت فرمادی اور اسے شیطان کا وسوسہ قرار دیا۔ البتہ ان مشرکوں کے ہاں اتنی گنجائش موجود تھی کہ وہ اپنے لباس میں طواف کرنا تو درست نہیں مانتے تھے لہٰذا قریش کے پیرزادوں سے عاریتاً لباس لے لیتے تھے جس کسی کو وہ لباس مل جاتا، وہ پہن کر طواف کرتا اور جس کو قریش کا لباس مہیا نہ ہوتا، وہ برہنہ ہی طواف کرتا۔ اس قباحت کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ کی زینت یعنی لباس کس نے حرام قرار دیا ہے۔ اور اشیاء اکل وخورد کی پاک چیزوں کو بھی اللہ نے فرمایا کہ یہ نعمتیں دنیا میں بھی اہلِ ایمان کے لئے ہیں اور آخرت میں تو خاص طور پر ایمان والوں کو ہی میسر ہوں گی جب کہ کافر، مشرک ان سے محروم رہیں گے۔

قال حذیفة: اصحاب الاعراف قوم تجاوزت بھم حسناتھم عن النار وقصرت بھم سیآتھم عن الجنة بیناھم فی الاعراف اذ طلع علیھم ربك فیقول: قوموا فادخلوا الجنة فانی قد غفرت لکم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جنت اور دوزخ کے درمیان واقع مقامِ اعراف میں وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں ان کو دوزخ سے باہر کردیں گی مگر ان کی برائیاں ان کو جنت میں داخل نہیں ہونے دیں گی، اعراف کا یہ قیام دائمی نہیں ہوگا، تاہم حساب کتاب کی منازل میں ایسے معاملات دیر تک پیش آتے رہیں گے۔ پھر ایک وقت آئے گا جب اللہ تعالیٰ ان اعراف والوں کی طرف توجہ فرمائے گا اور کہے گا، اے اعراف والو! اٹھو اور جنت میں داخل

ہو جاؤ کیونکہ میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔ پھر وہ سارے اعراف والے جنت میں چلے جائیں گے۔

(غواش) ما غشوا به: اوپر ڈھانپنے والا، اور غواش وہ ہوتا ہے جس کے اوپر کوئی پردہ وغیرہ ڈال کر ڈھانپ دیا جائے۔ (نكدًا) قليلاً: تھوڑی، نکمی۔ (حثيثًا) سريعًا: تیزی سے۔ (اقلت) حملت: اٹھاتی ہیں۔ (قومًا عمين) كفارًا عميت قلوبهم: اندھی قوم یعنی نوح علیہ السلام کی قوم اندھی تھی کیونکہ ان کے دل اندھے ہو چکے تھے اگرچہ ان کی ظاہری بینائی موجود تھی۔ اللہ تعالیٰ کا دوسری جگہ فرمان ہے۔ فانها لا تعمى الابصار ولكن تعمى القلوب التي في الصدور ۝ (الحج : ۴۶) ان کی آنکھیں اندھی نہیں تھی بلکہ ان کے سینوں میں پڑے ہوئے دل اندھے تھے کہ ان کو نیکی کی سمجھ ہی نہیں آتی تھی۔ وہ خدا اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے سوائے ان چند آدمیوں کے جو نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے اور ہلاک ہونے سے بچ گئے۔ (بسطة) شدة کشادگی یا مضبوطی۔ (تنحتون الجبال) تشققونها: تم پہاڑوں کو تراشتے ہو یا پھاڑتے ہو۔

(الرجفة) الزلزلة الشديدة: شدید زلزلہ۔ (جاثمين) ميتين: گھٹنے ٹیک کر گرنے والے یعنی مردہ حالت میں۔ (لا تبخسوا) لا تظلموا: ناپ تول میں کمی نہ کرو یعنی لوگوں پر ظلم نہ کرو۔ (وتصدون) تصرفون: لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہو۔ (عوجًا) زيغًا: کجی یا ٹیڑھا پن۔ (افتح) اقض: فیصلہ کر دے۔ (كان لم يغنوا) لم يقيموا: گویا کہ وہ یہاں کبھی ٹھہرے ہی نہیں تھے۔ (آسى) احزن: کیا میں غم کھاؤں ان لوگوں پر جنہوں نے نصیحت کی کوئی بات نہ مانی۔ (عفوا) كثروا: زیادہ ہو گئے۔ (ارجه) اخر امره: مہلت دے دے یعنی اس کے معاملے کو مؤخر کر دے۔ (تلقف) تلقم: لقمہ بنا لے گا۔ موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی جادوگروں کی تمام رسیوں کو نگل لے گی جو بظاہر سانپ نظر آ رہے ہوں گے اور میدان صاف ہو جائے گا۔ (ويذرك و آلهتك) يترك عبادتك: تجھے اور تیرے باطل معبودان کو چھوڑ دیں گے اور ان کی عبادت نہیں کریں گے۔

(الطوفان) المطر: طوفان سے مراد بارش کا طوفان ہے۔ (القمل) الجراد التي ليس له اجنحة: جوئیں وغیرہ جن کے پر نہیں ہوتے۔ (يطيروا) يتشاء موا: وہ شگون لیتے ہیں۔

(الرجز) السخط : خداتعالیٰ کی سخت ناراضگی یا اس کا عذاب۔ (یعرشون) یبنون : چھپر بناتے ہیں جن پر بیلیں چڑھائی جاتی ہیں۔ (متبر) هالك، وقيل خسران : ہلاک ہونے والا، بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد نقصان ہے۔ (میقات ربه) الوقت الذی قدره الله : وہ وقت جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھا ہے۔ (دکا) مدقوقًا : کوٹا ہوا۔ (خوار) صوت : آواز۔ (سقط في ايديهم) كل من ندم فقد سقط يده : یہ نادم ہونے کی طرف کنایہ ہے۔ لفظی معنی تو یہ نہیں بنتا، بلکہ محاورہ کے طور پر بولا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ پشیمان ہو گئے کہ یہ ہم نے کیا کیا، ہم کس چیز کی پوجا کرتے رہے ہیں۔

(اسفًا) حزينًا : غمگین۔ (واختار موسى قومه) دعا موسى لقومه فجعل الله دعاءه لمن آمن بمحمد صلى الله عليه وسلم واتبعه كما قال : فساكتبها للذين يتقون : موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں سے ستر آدمیوں کا انتخاب کیا۔ پھر انہوں نے اپنی قوم کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کی دعا ان لوگوں کے حق میں قبول ہے۔ جو خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائیں گے اور آپ کی پیروی کریں گے۔ جیسا کہ اس نے فرمایا کہ میری رحمت ان لوگوں کے لئے ہے جو متقی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میری رحمت ان یہود و نصاریٰ کے حق میں ہوگی جو حضور خاتم النبیین کی بعثت پر ایمان لائیں گے۔ مگر یہ بدنصیب ابھی تک اپنی ضد پر قائم ہیں اور نزول مسیح تک انکار ہی کرتے رہیں گے۔ اسی لئے فرمایا کہ میں اپنی رحمت متقی لوگوں کے حق میں لکھ دوں گا۔

(فخذها بقوة) بجد و حزم : اس کو مضبوطی کے ساتھ لے لو یعنی کوشش اور احتیاط کے ساتھ۔ (ان هي الا فتنتك) ان هو الا عذابك نہیں ہے یہ مگر تیری آزمائش یعنی عذاب۔ (هدنا) رجعنا : ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔ (اصرهم) ثقل عهدهم ومواثيقهم : بوجھ سے مراد ان کے عہد و پیمان کا بوجھ ہے۔ (وعزروه) حموه و وقروه : اس کی تائید یعنی حمایت اور تعظیم کی۔ (فانبجست) انفجرت : پس پھوٹ پڑے اس سے بارہ چشمے۔ (يعدون في السبت) يتعدون، يتجاوزون فيه حدود الله له : اللہ کی حدود سے تعدی اور تجاوز کرتے تھے، لہٰذا

ان کی شکلیں مسخ کر دی گئیں۔ (نبا الذی اتیناہ آیاتنا) ھو بلعم بن باعوراء: یہ ایک شخص بلعم ابن باعوراء کا ذکر ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل ہی کا آدمی تھا۔ اللہ نے اس کو مستجاب الدعوات بنایا تھا، صاحب کرامت آدمی تھا مگر لالچ میں آکر آیاتِ الٰہی سے باہر نکل گیا اور سب کچھ گنوا بیٹھا۔

(شرعًا) ظاھرۃ علی الماء: پانی پر تیرنے والی۔ (بئیس) شدید: بئیس کا معنی سخت: اللہ نے نافرمانوں کو سخت عذاب میں مبتلا کیا اور انہیں خنزیروں اور بندروں کی شکلوں میں تبدیل کر دیا۔ (وبلوناھم) عاملناھم معاملۃ المختبر: ہم نے ان کو آزمایا یعنی ان کے ساتھ ویسا معاملہ کیا جیسا کہ مختبر کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ (نتقنا) رفعناہ: ان کے اوپر پہاڑ کو بلند کیا۔ (الاسباط) قبائل بنی اسرائیل: اسباط جمع ہے سبط کی جس سے بنی اسرائیل کے قبائل مراد ہیں۔ (واذ اخذ ربك) ...... الآیۃ۔ خلق اللہ آدم ثم مسح ظھرہ فاستخرج منہ ذریۃ فقال خلقت ھٰؤلا للجنۃ وبعمل اھل الجنۃ یعملون: سورۃ الاعراف کی آیت: ۱۷۲ کے حوالے سے عہد الست کا ذکر ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں کس طرح تمام روحوں سے اپنی ربوبیت کا اقرار کرایا۔ اس کی تفصیل اس طرح بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، پھر ان کی پشت پر اپنا دست قدرت پھیرا اور ان کی اولاد کو نکالا اور فرمایا کہ ان کو میں نے جنت کے لئے پیدا کیا ہے اور جنتیوں جیسے عمل انجام دینے کے لئے۔ ثم مسح ظھرۃ فاستخرج منہ ذریۃ فقال: خلقت ھٰؤلاء للنار وبعمل اھل النار یعملون اللہ تعالیٰ نے دوبارہ آدم علیہ السلام کی پشت پر اپنا ہاتھ پھیرا اور ان کی اولاد کو نکالا اور فرمایا یہ دوزخی ہیں، جہنمیوں جیسے عمل کرنے کیلئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان تمام ارواح سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا اور وجہ یہ بتائی کہ قیامت کے دن تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمیں تو اس بات کا علم ہی نہیں تھا۔ (ذرأنا) خلقنا: ہم نے پیدا کیا۔ (اخلد الی الارض) قعد ومال الی الدنیا: صاحب کرامت آدمی دنیا کی خواہشات کی وجہ سے زمین کی طرف ٹھہر گیا یعنی اس نے دنیا کے حقیر مفاد کو اللہ کے عظیم انعامات پر ترجیح دی تو اللہ نے اس کو عطا کردہ تمام انعامات واپس لے لئے اور وہ شخص ذلیل وخوار ہو کر رہ گیا۔

(سنستدرجھم) ناتیھم من مأمنھم: آئندہ ہم ان کو آہستہ آہستہ پرامن جگہ سے لے

آئیں گے۔ یہ آیات الٰہی کی تکذیب کرنے والوں کے متعلق کہا گیا ہے۔ (ایان مرساھا) متی وقوعھا و خروجھا: قیامت کے متعلق نبی علیہ السلام سے کہلوایا گیا ہے کہ مجھے وقوع اور خروج قیامت کے متعلق کچھ علم نہیں ہے اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ (حفی منھا) عالم بھا و مبالغ: حفی کا معنی جاننا ہوتا ہے، اور اس سے مراد اس کو جاننے والے اور مبالغہ کرنے والے۔ اللہ نے اس کی علامات تو بتلا دی ہیں مگر وقوع کا وقت اللہ کے پاس ہی ہے کہ قیامت کب واقع ہوگی۔ (خذ العفو) انفق الفضل: زائد چیز لے لو۔ (وامر بالمعروف) بالعرف الذی یعرف حسنہ: نیکی کا حکم دو جو کہ معروف چیز ہے۔ (ینزغنك) یستخفنك: تم کو خفیف العقل نہ بنادے شیطان کے شر سے بچنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

(طائف) لمۃ: چکر مارنے والی۔ (یمدونھم) یزینون لھم: ان کیلئے مزین کرتے ہیں۔ (ولولا اجتبیتھا) لو لا احدثتھا او تلقیتھا فانشاتھا: حضور علیہ السلام سے خطاب ہے کہ جب آپ ان کفار کے پاس کوئی نشانی نہیں لاتے تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ آپ نے کوئی نشانی کیوں نہیں ظاہر کی۔ لما حملت ھوٰاء طاف بھا ابلیس فکان لا یعیش لھا ولد فقال سمیہ عبد الحرث جب حضرت حوا علیہا السلام کو حمل ٹھہر گیا تو ابلیس اس کے پاس گردش کرنے لگا اور کہا کہ جب تمہارے ہاں بچہ پیدا ہوگا تو اس کا نام عبدالحرث یعنی شیطان کا بندہ رکھنا۔ فعاش و کان ذلك من وحی الشیطان وامرہ: انہوں نے شیطان کے وسوسے کے مطابق اس کی بات مان لی۔ و ذلك قولہٗ تعالٰی: فلما اتاھما صالحًا ...... الآیۃ جبکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان آیت نمبر ۱۸۹ اور ۱۹۰ میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا تا کہ وہ اس کی طرف سکون پکڑے۔ پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانپا تو عورت کو ہلکا سا حمل ٹھہر گیا جسے وہ لے کر چلتی پھرتی رہی پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو دونوں میاں بیوی نے اللہ کے سامنے دعا کی کہ اگر تو ہمیں اچھا بھلا بچہ دے گا تو ہم ضرور تیرے شکر گزار ہوں گے۔ پھر جب اللہ نے ان کو اچھا بھلا بچہ دے دیا تو دونوں نے اللہ کے شریک ٹھہرائے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ان چیزوں سے بلند ہے جن کو یہ لوگ شریک بناتے ہیں۔ (تضرعًا و خیفۃ) استکانۃ و خوفًا: عاجزی کے ساتھ گڑگڑاتے ہوئے اور

اللہ تعالیٰ کے جلال سے ڈرتے ہوئے۔

(۸) (من سورۃ الانفال)

(ص۸۰ تا ص۸۱)

اسلام کا قانون صلح وجنگ :

سورۃ الانفال اور اگلی سورۃ براۃ میں اسلام کا قانون جنگ اور صلح بیان کیا گیا ہے یہ بڑا اہم قانون ہے۔ چنانچہ فقہ کی تمام کتب ہدایہ، قدوری وغیرہ میں ''کتاب السیر'' موجود ہے جن میں حضور نبی کریم ﷺ کی سیرت، آپ کے طور طریقے اور صلح وجنگ کے سلسلہ میں آپ کا عمل بیان کیا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب السیر کے نام پر الگ کتاب لکھی ہے جس میں صلح وجنگ کا پورا نظام اور اس کے قوانین بیان کئے گئے ہیں۔ یہ اصل کتاب تو نایاب ہے، البتہ اس کا خلاصہ ملا ہے جو طالبان نے پھر سے شائع کیا ہے۔

مالِ غنیمت اور فئے :

اہلِ ایمان کی کفار کے خلاف جنگ کو جہاد یا قتال فی سبیل اللہ کا نام دیا جاتا ہے۔ پھر جنگ کے نتیجہ میں حاصل ہونے والا مال مالِ غنیمت یا مالِ فَے کہلاتا ہے۔ جو مال باقاعدہ جہاد کرنے کے نتیجے میں حاصل ہوا سے مالِ غنیمت اور جو مال لڑائی کئے بغیر کسی معاہدہ یا صلح نامہ کی صورت میں مسلمانوں کو ملتا ہے، وہ مالِ فَے کہلاتا ہے۔ بہرحال انفال، نَفل کی جمع ہے جس کا معنی زائد چیز ہوتا ہے اور اس کا اطلاق مالِ غنیمت اور مالِ فَے دونوں اقسام کے مال پر ہوتا ہے۔

یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ اگر کسی ملک یا خطے میں حکومت کا باقاعدہ نظم موجود ہو اور مسلمانوں کی طرف سے جہاد میں حصہ لینے والے مجاہدین کو باقاعدہ تنخواہ، وردی، راشن، اسلحہ وغیرہ مہیا کیا جاتا ہو، تو دشمن سے حاصل ہونے والا مالِ غنیمت یا مالِ فَے حکومت کے خزانہ میں جمع ہوتا ہے اور اگر باقاعدہ حکومت اور اس کی طرف سے مجاہدین کی کفالت کا انتظام نہ ہو بلکہ مجاہدین اپنے لوازمات

کے ساتھ جہاد میں شریک ہوں تو ایسی صورت میں دشمن سے حاصل ہونے والے انفال کی تقسیم کا طریق کار اللہ نے یہ مقرر فرمایا ہے کہ ایسے مال کے پانچ حصے کیے جاتے ہیں۔ چار حصے تو مجاہدین میں تقسیم کر دیئے جاتے ہیں جبکہ اس مال کا پانچواں حصہ خمس کہلاتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حصہ شمار ہوتا ہے۔ اللہ کا حصہ اس لئے کہ وہ ہر چیز کا مالک ہے اور رسول کا اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نائب ہے۔ اہلِ ایمان رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کے ہر حالت میں پابند ہیں۔

حضور خاتم النبیین ﷺ جب تک حین حیات تھے، اپنا اور اپنے ان قرابتداروں کو خمس میں سے حصہ ادا کرتے رہے جو ہر حالت میں آپ کے ساتھ رہے۔ اور اللہ کے حصے کے متعلق مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ کا نام محض تبرک کے لئے لیا گیا ہے، وگرنہ اللہ تعالیٰ تو ایسی مادی اشیاء سے مستغنی ہے ہاں یہ حصہ اللہ کے گھر بیت اللہ شریف یا دیگر مساجد پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔

غرائب القرآن :

(نزلت "الانفال" فی اھل بدر) سورۃ انفال غزوہ بدر میں شریک ہونے والوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ قال سعد: لما کان یوم بدر سالت سیفًا حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں شریک تھے۔ انہوں نے دورانِ جنگ ایک کافر کو قتل کر کے اس کی تلوار بھی اپنے قبضہ میں لے لی اور پھر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، حضور! یہ تلوار میں نے فلاں کافر کو قتل کر کے حاصل کی ہے۔ یہ ایک عمدہ قسم کی تلوار ہے، مہربانی فرما کر یہ تلوار مجھے ہی عنایت کر دیں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں فنزلت: "یسألونك عن الانفال": کہ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ انفال کی یہ پہلی آیت نازل فرمائی۔ "اے پیغمبر! لوگ آپ سے مالِ غنیمت کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ چونکہ یہ تلوار جنگ کے دوران دشمن سے چھینی گئی تھی، اس لئے یہ مالِ غنیمت میں شامل تھی، اس لئے اللہ کے نبی نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو جواب دیا کہ یہ تلوار مالِ غنیمت کی چیز ہے جسے کسی آدمی کو دینے کا اختیار میرے پاس نہیں ہے۔ ادھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ افسردہ تھے کہ یہ اچھی تلوار کسی دوسرے غازی کے حصے میں نہ آجائے اور اسی وجہ سے انہوں نے حضور علیہ السلام سے یہ تلوار دینے کی درخواست کی تھی۔ اسی مسئلے کی وضاحت کے لئے اللہ نے مالِ غنیمت کی تقسیم کے متعلق احکام نازل فرمائے۔ قل الانفال للہ

ورسولہ اے پیغمبر! ان لوگوں پر واضح کر دیں کہ مالِ غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا حق ہے اللہ کا حق تو اس کے مالک ہونے کی حیثیت سے اور رسول کا حق اس لئے ہے کہ وہ اللہ کا نائب ہے، وہ جو بھی فیصلہ کرے، اہلِ ایمان اس کے فیصلے کے پابند ہیں، کوئی ایماندار اس معاملہ میں اپنی مرضی نہیں چلا سکتا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جمع نافلة بمعنی عطية یعنی انفال لفظ نافلة کی جمع ہے جس کا معنی عطیہ ہوتا ہے۔ (وجلت) فزعت: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی تعریف میں فرمایا ہے وجلت قلوبهم کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل اللہ تعالیٰ کی گرفت کے خوف سے ڈر جاتے ہیں۔

(ذات الشوكة) الحدة: شوکہ کانٹے کو کہتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ غزوہ بدر کے لئے روانگی کے وقت مسلمانوں کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا اور یا تو انہیں مالِ غنیمت حاصل ہوگا یا اس جنگ میں فتح حاصل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی اس پیش کش کے ضمن میں فرمایا کہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں سے ایک گروہ کی خواہش تھی کہ وعدہ خداوندی۔ کے مطابق انہیں دونوں چیزوں میں سے وہ چیز حاصل ہو جو بغیر تکلیف اٹھائے مل جائے یعنی غیر ذات الشوکۃ جس میں کانٹا تک چبھنے کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے اور بغیر جنگ کئے انہیں مالِ غنیمت مل جائے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ذات الشوکۃ کا معنی الحدة یعنی تیزی جس میں اسلحہ وغیرہ بھی شامل ہوتا ہے، کرتے ہیں۔

(مردفین) متتابعين فوجًا بعد فوج: یکے بعد دیگرے آنے والے یعنی فوج در فوج ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے۔ (كل بنان) الاطراف: بنان کا معنی ہر طرف بھی ہوتا ہے اور اس کا معنی انگلیوں کے پورے بھی ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میدان بدر میں فرشتے بھیج کر ان کو حکم دیا کہ کافروں پر ہر طرف سے یلغار کر دو اور ان کے ایک ایک پورے پر ضرب لگاؤ۔ وقيل اطراف الاصابع: اور بعض کہتے ہیں کہ بنان سے مراد انگلیوں کے کنارے یعنی پورے ہیں۔ غرضیکہ دونوں معانی درست ہیں۔ (شاقوا الله ورسوله) باينوهما وخالفوهما: انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی یعنی ان سے الگ رہے اور مخالفت کی۔ (زحفًا) مجتمعين متدانين: زحفاً کا لغوی معنی سرین کے بل گھسٹ کر جانا ہے، مطلب یہ ہے کہ جب کافر لوگ مسلمانوں سے جنگ کے

لئے جمع ہونے والے اور قریب قریب ہونے والے ہوں۔

(متحرفا) منعطفا مستطردا لطلب العوذة: پینترا بدلنے والا یعنی دوبارہ تیاری کر کے آنے والا۔ (او متحیزا) منضماء اپنے گروہ کے ساتھ ملنے والا۔ (جاء کم الفتح) المدد: فتح سے مراد مدد ہے۔ (لما یحییکم) یصلحکم: جو چیز تمہیں زندگی بخشتی ہے یعنی تمہاری اصلاح ہوتی ہے۔ (یثبتوك) لیوثقوك تاکہ آپ کو پکڑ کر لے آئیں مشرکین مکہ نے حضور علیہ السلام کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے دارالندوہ میں مختلف تجاویز پر مشورہ کیا۔ ان میں سے ایک تجویز یہ بھی تھی کہ مشرکین آپ کو پکڑ کر لے آئیں اور آپ کو قید میں ڈال دیا جائے۔ اس کے علاوہ قتل کرنے یا ملک بدر کرنے کی تجاویز بھی زیرِ غور آئیں۔ (فرقانا) نصرا: فرقاناً کا عام فہم معنی تو فیصلہ کن ہوتا ہے جو کہ مشرکوں کے مقابلے میں اہلِ ایمان کے لئے مدد کی صورت میں ہوگا۔

قال ابو جهل :انكان هذا هو الحق من عندك ...... الخ فنزلت :وما كان الله ليعذبهم و انت فيهم: بدترین دشمن اسلام ابوجہل نے کہا تھا، اے اللہ! اگر محمد کا دین سچا ہے تو ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے بے شک تو ہم پر پتھر برسا دے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اسے اس سے بھی زیادہ ذلت ناک عذاب میں مبتلا کیا۔ وہ خود اور اس کے حواری غزوہ بدر میں مارے گئے، بہت سے زخمی ہوئے اور بہت سے قیدی بنا لئے گئے۔ البتہ بعض کو اللہ تعالیٰ نے بعد میں اسلام قبول کرنے کی توفیق بھی عطا کی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے ابوجہل کے خود عذاب طلب کرنے کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی ''اللہ تعالیٰ ان کو اس وقت تک عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا جب تک آپ ان کے درمیان موجود ہیں''۔

(مکاء و تصدیة) المكاء ادخال الاصابع فی افواهم، والتصدية الصفير سیٹیاں بجانا تالیاں پیٹنا یہ مشرکین مکہ کی بیت اللہ شریف کے پاس نمازوں کے متعلق کہا گیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ مکاء یہ ہے کہ منہ میں انگلیاں ڈال کر آواز نکالی جائے یعنی سیٹی بجانا، اور تصدیہ سے مراد خالی سیٹی بجانا ہے۔ (فیرکمه) یجمعه پس اس کو اکٹھا کرے گا۔ (یوم الفرقان) یوم بدر فرق الله فيه بين الحق و الباطل یوم الفرقان سے مراد بدر کا دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے حق

وباطل کے درمیان فیصلہ کردیا تھا۔ (اذ انتم بالعدوة الدنیا وھم بالعدوة القصوی) نزول بشفیر الوادی الادنی الی المدینة والعدو ونزول بشفیر الوادی الاقصی الی المکة: جبکہ تم اس کنارے پر تھے اور وہ کافر پرلے کنارے پر تھے۔ عدوة کنارے کو کہتے ہیں اور عدوة الدنیا سے مراد قریب والا کنارہ یعنی میدانِ جنگ کا وہ حصہ جو مدینہ سے قریب ہے اور مشرکین میدان کے اس کنارے پر تھے جو مدینہ سے نسبتاً دور ہے۔ یہ جنگ بدر کے میدان کا نقشہ یاد دلایا گیا ہے کہ مسلمانوں اور کافروں کے لشکر اس طریقے سے میدانِ بدر میں جنگ کے لئے تیار تھے۔

(والرکب) اصحاب الابل یعنی العیر: رکب سے مراد اونٹوں والا وہ قافلہ ہے جو ابو سفیان کی سرکردگی میں شام سے تجارت کا سامان لے کر آرہا تھا اور مسلمانوں کا لشکر اس تجارتی قافلے کے تعاقب میں نکلا تھا جبکہ کافروں کا لشکر اس قافلے کی حفاظت کیلئے مکہ سے آیا تھا اور پھر دونوں لشکروں کا آمنا سامنا اتفاقاً میدانِ بدر میں ہوگیا تھا۔ (فتفشلوا) تجبنوا: کمزور ہو جاؤ گے کیونکہ آپس میں جھگڑا کرنا خود کو کمزور کرنے والی بات ہے۔ (وتذھب ریحکم) دولتکم وغلبتکم: ہوا اکھڑ جائے گی یعنی تمہارا رعب اور غلبہ ختم ہو جائے گا۔ (بطرًا) طغیانًا: اکڑتے ہوئے جیسے مکہ والے نکلتے تھے۔ (جارلکم) حافظ: شیطان جو بنی کنانہ کے سردار سراقہ ابن مالک کی شکل میں مشرکین کے لشکر میں آیا تھا، اس نے مکے والوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا کہ تم فکر نہ کرو انی جارلکم میں تمہارا حمایتی، محافظ اور نگران ہوں۔

(نکص علی عقبیه) رجع مولیًا: پھر جب شیطان نے میدانِ جنگ میں حضرت جبریل اور میکائیل علیہما السلام کو مسلمانوں کی حمایت میں اترتے دیکھا تو میدان سے اپنی ایڑیوں کے بل بھاگ کھڑا ہوا۔ (وذوقوا) باشروا وجربوا، ولیس ھٰذا من ذوق الفم: ذوق کا عام فہم معنی چکھنا ہوتا ہے۔ مگر فرماتے ہیں کہ اس مقام پر کسی چیز کا منہ کے ذریعے چکھنا مراد نہیں بلکہ معنی یہ ہے کہ یہ کام کرو اور تجربہ کرو، گویا عذاب کا مزا چکھو یا اس کو برداشت کرو۔ (فشرد بھم من خلفھم) ففرق ونکل بھم من بعدھم یعنی فرق بھا جمع کل ناقض عھد: یعنی ان کو اور ان کے پچھلوں کو بھی سزا دیں جو کہ عہد شکنی کے مرتکب ہوئے۔

(خیانة) نقضًا للعهد: بدعہدی کرتے ہوئے۔ (وان جنحوا) طلبوا ومالوا: اگروہ صلح کی طرف مائل ہوں اور اس کے خواہشمند ہوں (حرض المؤمنین) حضهم: اہلِ ایمان کولڑائی کے لئے آمادہ کریں۔ (ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مأتین) اگرتم میں بیس صابر آدمی ہوں گےتو وہ دوسودشمنوں پر غالب آئیں گے۔ لما نزلت: کتب علیهم ان لا یفر واحد من عشرة جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں کے لئے ضروری قرار دے دیا گیا کہ ایک اہلِ ایمان دس کافروں کے مقابلے میں ڈٹ جائے اور بھاگنے کی کوشش نہ کرے۔ ثم نزلت: "الآن خفف الله" فکتب ان لا یفر مائة من مأتین پھر جب یہ آیت نازل ہوئی کہ "اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کردی ہے" تو مسلمانوں کے لئے ضروری قرار دیا گیا کہ اہلِ ایمان اگر ایک سو ہوں تو وہ دوسو کافروں کے مقابلے میں بھاگنے کی کوشش نہ کریں بلکہ ان کا مقابلہ کریں۔ اگر کافروں کی تعداد مسلمانوں سے دوگنا سے بھی زیادہ ہوتو پھر مسلمان انکا مقابلہ کرنے سے انکار کر سکتے ہیں۔

(ما استطعتم من قوة) قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :الا ان القوة الرمی دشمن کے مقابلے کے لئے طاقت کے ذریعے جتنی تیاری کر سکتے ہو، کرو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ خبردار! تیراندازی بہت بڑی قوت ہے۔ لما کان یوم بدر وقعوا فی الغنائم قبل ان تحل لهم غزوہ بدر کے موقعہ پر جبکہ ابھی مالِ غنیمت کی حلت کا حکم نہیں آیا تھا۔ فانزل الله تعالٰی: "لو لا کتاب من الله سبق" تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "اگر نہ ہوتی اللہ کی جانب سے ایک بات طے شدہ" کان الناس یوم بدر علی ثلاث منازل اس موقعہ پر مسلمانوں کے تین گروہ بن گئے۔ ثلاث یقاتل العدو ایک گروہ دشمن کے ساتھ جنگ کرتا تھا۔ وثلث یجمع المتاع ویاخذ الاساری اوردوسرا گروہ وہ تھا جو مالِ غنیمت جمع کرتا تھا اور قیدیوں کو پکڑتا تھا۔

وثلث عند الخیمة بحرس رسول الله صلی الله علیه وسلم :اور تیسرا گروہ خیمہ میں حضور علیہ السلام کی حفاظت کرتا تھا۔ فاختصموا، فانتزع الله الغنیمة من ایدیهم فجعلها الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقسمها علی السواء پھر ان تینوں گروہوں کا آپس میں جھگڑا پیدا ہوا کیونکہ ہر گروہ مالِ غنیمت میں سے زیادہ حصہ طلب کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے تقسیم غنیمت کا حق

مجاہدین سے لے کر نبی علیہ السلام کے سپرد کر دیا کہ آپ جس طرح مناسب سمجھیں، یہ مال مجاہدین میں تقسیم کر دیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں حاصل ہونے والا مالِ غنیمت سب مجاہدین میں برابر تقسیم کر دیا۔ (من ولایتھم) میراثھم: یہاں پر ولایت سے مراد ان کی وراثت ہے۔

---

(۹)(من سورۃ براۃ)

(ص ۸۱ تا ۸۳)

لم یکتبوا البسملة علی سورة براة اس سورۃ کے آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی جاتی کیونکہ اس سے پہلی سورۃ انفال اور اس سورۃ کا موضوع ایک ہی ہے یعنی "اسلام کے قوانین صلح و جنگ"۔ جب تلاوت کرنے والے نئی سورۃ کی تلاوت کرتے ہیں تو پہلے بسم اللہ پڑھتے ہیں، چنانچہ قرآن پاک کے ہر نسخہ میں ہر سورۃ سے پہلے بسم اللہ لکھی گئی ہے، سوائے اس سورۃ براۃ کے، کہ اس کا آغاز کرتے وقت بسم اللہ نہیں لکھی گئی۔ لہٰذا جب کوئی قاری سورۃ انفال کے اختتام پر سورۃ براۃ کی تلاوت کرتا ہے تو درمیان میں بسم اللہ نہیں پڑھتا ہاں اگر کوئی آدمی تلاوت کا آغاز ہی سورۃ براۃ سے کرے تو وہ بسم اللہ سے شروع کرتا ہے کیونکہ آدابِ تلاوت کے مطابق تلاوت قرآن پاک کے آغاز میں بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے خواہ تلاوت قرآنِ پاک کے کسی بھی حصہ سے شروع کی جائے۔

قال عثمان رضی اللہ عنه: کانت الانفال من اوائل مانزل بالمدینة و کانت براة من آخر القرآن، و کانت قصتها شبیهة بقصتها فظننت انها منها فقبض النبی صلی اللہ علیه وسلم ولم یبین لنا انها منها فمن اجل ذلك قرنت بینهما ولم اکتب بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جامع قرآن سے ان دونوں سورتوں کے درمیان بسم اللہ نہ لکھنے کی وجہ دریافت کی گئی تو انہوں نے بتلایا کہ سورۃ انفال مدنی زندگی کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی، جبکہ سورۃ براۃ قرآن پاک کی آخری سورۃ ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی۔ البتہ ان دونوں سورتوں کے مضامین ایک جیسے ہیں یعنی دونوں سورتوں میں اسلام کے قوانین صلح و جنگ بیان کئے گئے ہیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے خیال کیا کہ سورۃ براۃ سورۃ انفال ہی کا ایک حصہ

ہے۔ نیز میں نے حضور علیہ السلام کو ان دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ پڑھتے ہوئے نہیں سنا حتی کہ اللہ کے نبی اس دنیا سے رخصت ہو گئے مگر انہوں نے اس بات کی وضاحت بھی نہیں فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے قرآن پاک تحریر کراتے وقت سورۃ براۃ سے پہلے بسم اللہ نہیں لکھی۔

وقال علی رضی اللہ عنہ: البسملة امان، وھذہ السورۃ براۃ نزلت لرفع الامن بالسیف اس بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے استفسار کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ بسم اللہ تو امن کے لئے ہوتی ہے جبکہ سورۃ براۃ میں تو جہاد بالسیف کا اعلان کر کے امن کو اٹھا دیا گیا ہے، لہٰذا اس سورۃ سے پہلے بسم اللہ نہیں لکھی گئی۔

ولما نزل اولھا بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیًا فنادی باربع:
جب اس سورۃ مبارکہ کا پہلا حصہ نازل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حج کے موقع پر چار اعلانات کرنے کے لئے بھیجا۔ یہ ۹ھ کا واقعہ ہے مکہ فتح ہو چکا تھا تاہم عرب کے مشرکوں پر حج کرنے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ اس سال حضور علیہ السلام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسلمانوں کا حج وفد بھیجا جو مکہ مکرمہ پہنچ چکا تھا۔ اس دوران میں جب سورۃ براۃ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں تو حضور علیہ السلام نے اس سورۃ کی ۲۷، ۳۲ یا ۴۰ آیات دے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیچھے مکہ روانہ کیا اور فرمایا کہ مذکورہ چار اعلانات حج کے مختلف اجتماعات میں کر دیئے جائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حسب الحکم یہ چار اعلان کئے۔

(۱) **ذمة اللہ ورسولہ بریئة من کل مشرك فسیحوا فی الارض اربعة اشھر** اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہر مشرک سے بری الذمہ ہے۔ انہیں چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے کہ اس دوران میں وہ زمین میں گھوم پھر کر دیکھ لیں اور خوب سوچ بچار کر لیں۔ اس مہلت کے دوران یا تو ایمان قبول کر لیں یا از خود ملک چھوڑ جائیں ورنہ ان کے خلاف جنگ ہو گی۔

(۲) **ولا یحجن بعد العام مشرك** دوسرا اعلان یہ تھا کہ اس سال تو مشرک لوگ بھی حج کر رہے ہیں مگر اس کے بعد کسی مشرک کو بیت اللہ کا حج کرنے کی اجازت نہیں ہو گی۔

(۳) **ولا یطوفن بالبیت عریان:** کوئی مرد و زن بیت اللہ کا برہنہ طواف نہیں کرے گا۔

(۴) ولا یدخل الجنة الا مؤمن: مومنوں کے علاوہ کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ غرضیکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ چاروں اعلانات حج کے اجتماعات میں مکہ کی گلیوں، عرفات، منٰی اور منٰی کے مقامات پر کردیئے۔ (براءۃ) اذان واعلام: مشرکین سے بیزاری کا عام اعلان۔ (فسیحوا) سیروا: چل پھر لو یعنی چار ماہ تک خوب سوچ سمجھ لو اور پھر اس کے بعد خود فیصلہ کرو کہ تمہیں اسلام قبول کرنا ہے یا ملک بدر ہونا ہے۔ (کل مرصد) طریق: راستہ مطلب یہ ہے کہ اگر مقررہ مدت کے بعد بھی سرزمین عرب میں رہتے ہوئے اسلام قبول نہیں کرتے تو پھر ان کو کسی راستہ یا کسی بھی کمین گاہ میں پاؤ قتل کردو۔ (لا یرقبوا) لا یحفظوا: تمہارا کچھ لحاظ نہیں کرتے کہ ان کے غلبہ کی صورت میں وہ تمہاری حفاظت کرسکیں گے۔ (الا ولا ذمۃ) الال القرابۃ والذمۃ العھد: الال سے مراد قرابتداری اور ذمہ سے مراد عہد و پیمان ہے۔ اگر مشرک اہلِ ایمان پر غالب ہوں تو وہ مسلمانوں کو تنگ کرتے وقت نہ تو کسی رشتہ دار کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ ہی انہیں پہلے سے کئے گئے عہد و پیمان کا پاس ہوتا ہے۔ وہ عہد شکنی کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ (ولیجۃ) اولیاء واخلاء: ولی دوست اور راز دان، جس کو راز کی بات بھی بتائی جاسکے۔ (سقایۃ الحاج): سقیھم الشراب فی الموسم: موسم حج میں دور دراز سے حج کے لئے آنے والے حاجیوں کو پانی پلانا، یا ان کی کوئی دیگر خدمت بجالانا۔ (عیلۃ) فقرًا محتاجی، تنگ دستی۔

(یضاھؤن) یشبھون: مشابہت کرتے ہیں۔ (ذلک دین القیم) القضاء القیم ای قائم: دین اسلام ہی پختہ دین ہے جو ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ (انٰی یؤفکون) کیف یکذبون، وقیل کیف یصرفون عن الحق بعد وضوح الدلیل کدھر پھیرے جارہے ہو یعنی کیسے جھٹلاتے ہو، بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم کیسے انکار کرتے ہو جبکہ حق کی وضاحت دلیل کے ساتھ ہوچکی ہے۔ (ان یطفؤا) یخمدوا: مشرکین چاہتے ہیں کہ نورِ حق کو پھونک مار کر یعنی آسانی کے ساتھ بجھادیں۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے دین اسلام اور نورِ توحید کو مکمل کرنا چاہتا ہے۔ (کافۃ) جمیعًا: مکمل، پورے کے پورے۔ مشرکوں کے ساتھ پوری قوت کے ساتھ ٹکرا جاؤ تا کہ کفر و شرک کا مکمل طور پر خاتمہ ہوجائے۔ (لیواطؤا) یوافقوا ویشبھوا: پورا کریں یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق

حرمت والے مہینوں کی گنتی پوری کرلیں تا کہ موافقت اور مشابہت ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جو حرمت والے چار مہینے ٹھہرائے تھے یعنی رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم ان مہینوں میں کسی سے لڑائی بھڑائی حرام تھی مگر مشرک لوگ اگر ان مہینوں میں کسی سے جنگ کرنا چاہتے تھے تو از خود اللہ کے مقرر کردہ حرام مہینوں کی بجائے کسی دوسرے مہینے کو حرام قرار دے کر اپنی خواہش پوری کر لیتے تھے۔ اس کو نسی کہتے تھے۔ اللہ نے ایسا کرنے کو بھی حرام اور زیادتی قرار دیا ہے۔

(انفروا) اخرجوا: نکل کھڑے ہو، اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے کوچ کرو۔

(اثاقلتم) احببتم المقام: اے ایمان والو! جہاد کے لئے ہر وقت تیار رہو اور اپنے آپ کو بوجھل محسوس نہ کرو اور جہاد کرنے سے گریز نہ ہو۔ انہوں نے اثاقلتم کا معنی کیا ہے، گویا کہ تم اپنے مقام مدینہ کی طرف ہی بوجھل ہوئے جا رہے ہو۔ (عرض) غنیمة: یہاں پر عرض سے مراد مالِ غنیمت ہے۔ اگر منافقوں کو مالِ غنیمت ملنے کی امید ہوتی تو وہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد کے لئے نکلتے۔ (الشقة) المسير و المسافة، وقيل السفر: شقہ کا معنی مسافت کی مقدار۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد مطلق سفر ہے۔ (فثبطهم) حبسهم و خذلهم: اللہ نے منافقوں پر سستی طاری کر دی ہے یعنی وہ اپنے جسموں اور مدد حاصل ہونے میں کمزوری محسوس کرتے ہیں۔ (خبالاً) فساداً: خرابی، فتنہ فساد۔ (ولا وضعوا) لا سرعوا بالنميمة: اوضعوا کا لفظی معنی گھوڑے اور اونٹ کو تیز دوڑانا ہے مگر یہاں مراد یہ ہے کہ اگر منافق لوگ تبوک کے سفر پر مسلمانوں کے ساتھ جاتے تو یہ مسلمانوں کو فائدہ کی بجائے نقصان ہی پہنچاتے۔ یعنی مسلمانوں کے درمیان غلط فہمی پیدا کر کے ان کے درمیان نفرت اور کینہ پیدا کرتے۔

(وقلبوا لك الامور) اجتهدوا في الحيلة عليك و الكيد بك: منافق لوگ اس سے پہلے بھی بعض معاملات کو الٹ پلٹ کر کے آپ کے سامنے پیش کر چکے ہیں۔ آپ کے سامنے مختلف حیلے بہانے اور تدابیر کے ذریعے جہاد سے بچنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ (ولا تفتني) لا تخزني ولا توبخني: بعض منافق کہتے ہیں کہ مجھے فتنہ میں نہ ڈالیں یعنی مجھے وہاں لے جا کر ذلیل وخوار نہ کریں۔ (احدى الحسنين) الفتح او الشهادة: دو نیکیوں میں سے ایک یعنی فتح یا شہادت

مومن ہر صورت میں راضی ہیں۔ اگر فتح ہوگئی تو مال بھی ملے گا اور غازی بھی ہوں گے اور اگر شہادت نصیب ہوگئی تو پھر بھی اللہ کے ہاں سرخرو ہوں گے اور آخرت میں کامیابی حاصل ہوگی۔ (ملجأ) مھرباً: پناہ گاہ جہاں بھاگ کر پناہ حاصل کی جا سکے۔ الملجاء الحزر فی الجبل: پہاڑ میں چھپنے کی جگہ۔ (مغارات) الغیران والسرادیب: اس سے مراد غار یا تہہ خانہ وغیرہ ہے وقیل: السرداب فی الارض المخفیة: بعض کہتے ہیں کہ مغارات سے مراد زمین کے اندر خفیہ جگہ ہے جس میں پناہ حاصل کی جا سکے۔ (مدخلاً) السرب والماویٰ: داخل ہونے یعنی سر چھپانے کی جگہ جو پہاڑ کی غار یا زمین میں کوئی تہہ خانہ ہو سکتا ہے۔ (یجمحون) یسرعون: تیزی کے ساتھ پناہ گاہ میں جمع ہو جاتے۔ (یلمزك) یعیبك: آپ کی عیب جوئی کرتے ہیں۔ آپ کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں ویطعن علیك: آپ پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ (والعاملین علیھا) السعاۃ: نظامِ زکوٰۃ میں کام کرنے والے لوگ یعنی زکوٰۃ کی وصولی یا دیگر متعلقہ امور انجام دینے والے کارکن مراد ہیں۔ (والمؤلفة قلوبھم) یتألفھم بالعطیة: ان کے دلوں کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے لئے کوئی عطیہ دینا۔

(ھو اذن) یسمع من کل واحد: منافقین پیغمبر اسلام پر طعن کرتے تھے کہ ھو اذن یعنی آپ کان کے کچے ہیں۔ جو ہر ایک چھوٹے بڑے کی بات سن لیتے ہیں۔ (نسوا اللہ فنسیھم) ترکوا اطاعة اللہ فترکھم من ثوابه و کرامته: منافق لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو فراموش کر دیا یعنی اس کی اطاعت سے منہ موڑ لیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر اپنی رحمت اور مہربانی کرنا چھوڑ دی۔ (بخلاقھم) بنصیبھم فی الدنیا: یہاں پر خلاق سے مراد منافقوں کو ملنے والا مال اور اولاد کا وہ حصہ ہے جو انہیں اسی دنیا میں حاصل ہو جاتا ہے۔ (والمؤتفکات) قری قوم لوط ائتفکت انقلبت بھا الارض الٹی بستی والے اس سے قومِ لوط مراد ہے۔ پیغمبر اسلام کی کئی سال تک تبلیغ کے باوجود یہ لوگ ایمان نہ لائے بلکہ الٹے کام کرتے رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تو ان کی بستی کو الٹ دیا گیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش بھی کی گئی اور ان کو ہلاک کر دیا گیا۔ یہ لوگ الٹے کام یعنی ہم جنسی جیسے شنیع کام کے مرتکب ہوتے تھے۔ لہٰذا ان کی بستی کو بھی الٹ دیا گیا۔ اسی لئے ان کو مؤتفکات یعنی الٹی بستی والوں

کا نام دیا گیا۔ (عدن) خلد، عدنت بارض، اقمت بها: عدن سے مراد رہائش اختیار کرنا آتا ہے۔ اور جنت عدن سے وہ باغ مراد لیا جاتا ہے جس میں مالک خود رہائش بھی رکھتا ہو۔ اصلاحاً عدن سے بہشت مراد لیا جاتا ہے۔ (واغلظ) اذهب الرفق عنهم: ان پر یعنی کفار اور منافقین پر سختی کریں۔ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کی رفاقت یا مہربانی کا سلوک واپس لے لیں کیونکہ یہ لوگ مسلمانوں کی طرف سے کسی مراعت کے مستحق نہیں ہیں۔ لما توفی عبدالله ابن ابی قام رسول الله صلی الله علیه وسلم لیصلی علیه فانزل الله تعالٰی: "ولا تصل علی احد منهم" جب رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی مر گیا تو اللہ کے رسول ﷺ اس کا جنازہ پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ اس موقع پر اللہ تعالٰی نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اے پیغمبر! آپ کسی منافق کی نمازِ جنازہ نہ پڑھیں''۔

(وما نقموا) وما کرهوا: اور وہ نہیں عیب پاتے یعنی نہیں نفرت کرتے اہلِ ایمان سے مگر محض اس وجہ سے کہ اللہ تعالٰی نے اہلِ ایمان کو غنی کر دیا ہے۔ کفار اور منافقین مسلمانوں کو پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکتے تھے، لہٰذا اسی بنا پر وہ ان کی مخالفت کرتے تھے۔ (یلمزون) یعیبون ویغتابون ویطعنون: الزام لگانا، عیب جوئی، غیبت یا طعن کرنا۔ منافق لوگ مسلمانوں کی عیب جوئی کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے (الا جهدهم) وهو القلیل الذی یتعیش به: منافق لوگ کم آمدنی والے محنت مشقت سے روزی حاصل کرنے والے مسلمانوں کو بھی طعن کا نشانہ بناتے تھے۔ ایک غریب مسلمان نے ساری رات محنت سے کما کر نصف صاع کھجوریں جہاد فنڈ میں پیش کیں تو منافق کہنے لگے کہ یہ شخص لہو لگا کر شہیدوں میں نام لکھوانا چاہتا ہے۔

(اذا نصحوا لله و رسوله) اخلصوا اعمالهم من الغش: جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے خیر خواہ ہوں یعنی ان کے اخلاق اور عمل میں کھوٹ نہ ہو۔ (المعذرون) اهل العذر: معذور آدمی جبکہ ان کے پاس جہاد میں عدم شرکت کی معقول وجہ موجود ہو۔ (وصلوات الرسول) استغفاره: رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اللہ کی بارگاہ میں استغفار کی دعا۔ (مردوا علی النفاق) لجوا فیه وابوا غیره: جو نفاق پر اڑے ہوئے ہیں اللہ نے حضور علیہ السلام کو مدینے کے بعض منافقوں کے متعلق بتلایا جو نفاق میں پختہ ہیں اور نفاق کے علاوہ ہر چیز کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ نے اپنے نبی کو ان

سے خبردار رہنے کی تلقین کی ہے کیونکہ ان کو صرف اللہ ہی جانتا ہے، اللہ کا نبی نہیں جانتا جب تک اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی ان کو ظاہر نہ کردے۔ (**تطهرهم و تزكيهم بها**) **لفظان مترادفان ونحوهما كثير، والزكاة الطهارة والاخلاص**: اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول کو حکم ہوا کہ خطا کار مخلص مسلمانوں کی طرف سے صدقہ قبول کرلیں جو کہ ان کی ظاہری اور باطنی تطہیر کا باعث ہوگا۔ یہ دونوں لفظ بھی ہم معنی ہیں اور ان کے علاوہ زکات اور طہارت وغیرہ بھی انہی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں (**ان صلوٰتك سكن لهم**) **رحمة لهم**: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کے لئے دعا کرنا ان کے باعث تسکین اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ذریعہ ہوگی۔

(**مرجون لامر الله**) **مؤخرون ليقضى الله فيهم ماهو قاض**: اللہ نے فرمایا کہ منافقین جو جہاد میں مختلف حیلوں بہانوں سے تبوک کے سفر جہاد میں شریک نہیں ہوئے تھے، انہیں تو کسی حد تک معافی مل گئی۔ مگر ایک دوسرا گروہ ان مخلص مسلمانوں کا بھی تھا جو محض سستی کی وجہ سے جہاد کے لئے غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے ان کے متعلق فرمایا کہ ان کے لئے فیصلے کو حکم الٰہی کے نازل ہونے تک مؤخر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو سخت سزا دے گا یا پھر ان کی توبہ قبول کرے گا۔ چنانچہ یہ تین مخلص صحابہ رسول پچاس روز تک سخت ذہنی تکلیف میں مبتلا رہے اور پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کرکے ان کو معاف فرمادیا اسی لئے فرمایا کہ ان کا معاملہ حکم الٰہی کے انتظار میں مؤخر کیا گیا ہے۔ (**ضرارًا**) **يضارون به**: ضرر یا تکلیف پہنچانے والی۔ یہ محلہ بنی سالم میں تعمیر ہونے والی مسجد ضرار کے متعلق کہا گیا ہے جو کہ منافقوں نے مسجد قبا کے مقابلے میں اہلِ ایمان کے خلاف سازشیں کرنے کے لئے تیار کی تھی۔

(**وارصادًا**) **انتظارًا**: کمین گاہ مسجد ضرار کی تعمیر کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ یہ منافقوں کے لئے کمین گاہ یا انتظار گاہ ہوگی جہاں مخلص مسلمانوں کے خلاف منصوبہ بندی کی جائے گی۔

(**شفا جرف**) **على جرف مهواة، والشفا والشفير واحد**: شفا اور شفیرہ کا ایک ہی معنی ہے یعنی کنارہ۔ **والجرف مايجرف من السيول والاودية** اور جرف سے مراد دریا یا ندی کا وہ کنارہ ہوتا ہے جو سیلاب کی وجہ سے کاٹا جارہا ہو اور جس کے گرنے کا ہر وقت خطرہ لاحق ہو۔ اللہ نے

مسجد ضرار کے متعلق فرمایا کہ اس مسجد کی مثال دریا کے اس کمزور ترین کنارے پر بنائی گئی عمارت کی ہے جس کے انہدام کا ہر وقت خطرہ ہو اور جو تعمیر کرنے والے کی ہلاکت کا باعث بھی بن جائے۔ (ھــار) ھائر، يقال تهورت اذا انهدمت وانهارت مثله ھار کا معنی گرنے والی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد تہورت ہے کہ جب یہ کنارہ گرے گا تو وہ اپنے ساتھ دوسری چیز کو تباہ کر دے گا۔ (ريبة) شــکــا: شک اور تردد۔ اللہ نے فرمایا کہ منافقین مرتے دم تک مسجد ضرار کے معاملہ میں متردد ہی رہیں گے کہ ان کی گہری سازش کامیاب نہیں ہو سکی۔ (الا ان تـقـطـع قـلـوبـهـم) يعني الموت: منافقین دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے تک یعنی موت تک اپنی اس ناکام سازش کی بنا پر کڑھتے ہی رہیں گے۔

سـئـل رسـول الله صـلـى الله عـلـيه وسلم عن السائحين قال: هم الصائمون کسی نے حضور ﷺ سے سائحون کا معنی پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد روزے دار ہیں۔ سـائحون کا عام فہم معنی تو سیر و سیاحت کرنے والے آتا ہے، تاہم یہ لفظ روزے داروں پر بھی بولا جاتا ہے۔ قـال عـلـي رضـي الله عـنـه: سمعت رجلاً يستغفر لابويه وهما مشركان حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو اپنے مشرک والدین کے لئے بخشش کی دعا کرتے ہوئے سنا۔ فـقلت: اتستغفر لابويك وهما مشركان؟ تو میں نے کہا، کیا تو اپنے مشرک ماں باپ کے لئے استغفار کر رہا ہے؟ فـقـال: اليـس قـد استغفر ابراهيم عليه السلام لابيه وهو مشرك اس شخص نے جواب دیا، کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لئے بخشش کی دعا نہیں مانگی تھی، حالانکہ وہ بھی مشرک تھا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں فذكرته النبي صلى الله عليه وسلم: اس بات کا ذکر میں نے حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے کیا۔ فـنـزلت: "وما كان استغفار ابراهيم لابيه الاعن مـوعـدة وعدها اياه" اس موقع پر سورۃ برات کی آیت ۱۱۴ نازل ہوئی کہ ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ کے حق میں بخشش کی دعا اس وعدہ کی بنا پر تھی جو انہوں نے اپنے باپ سے کیا تھا۔ سـأسـتـغـفـر لك ربي انه كان بي حفياً میں اپنے پروردگار سے تیرے لئے بخشش کی دعا کروں گا بے شک وہ میرے ساتھ بہت مہربان ہے۔ تاہم جب ابراہیم علیہ السلام پر واضح ہو گیا کہ اس کا باپ دشمن خدا ہے تو آپ نے اس سے بریت کا اظہار کر دیا۔ پھر آپ نے کبھی باپ کے لئے دعا نہیں کی۔ فـقـال جابر لما مات ابو

طالب قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا ازال استغفر لك حتی ینهانی اللہ: فانزل اللہ: ما کان للنبی ...... الخ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام کا چچا ابو طالب مر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے چچا کے لئے اس وقت تک بخشش کی دعا مانگتا رہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ مجھے ایسا کرنے سے منع نہ کر دے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ''کسی نبی اور مومنوں کے لئے یہ روا نہیں ہے کہ وہ مشرکوں کے لئے بخشش طلب کریں اگرچہ وہ ان کے قرابتدار ہی کیوں نہ ہوں، جبکہ ان پر واضح ہو چکا ہو کہ یہ دوزخی لوگ ہیں''۔ (لا واہ) لمؤمن تواب، وقیل دعاء کثیر البکاء، وقیل بلسان الحبشة الرحیم شفقًا و فرقًا: اواہ کا عام فہم معنی نرم دل، اور آہ کرنے والا آتا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ اس کا معنی مومن، توبہ کرنے والا بھی آتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی کثرت سے رو رو کر دعا کرنا آتا ہے۔ اور حبشہ کی زبان میں شفقت کے اعتبار سے رحیم کو اواہ کہتے ہیں۔

(وعلی الثلاثة الذین خلفوا) کعب بن مالك وصاحبیه: اور وہ جو تین اشخاص پیچھے رہ گئے تھے یہ حضرت کعب بن مالک اور ان کے ساتھ دو مزید ساتھی تھے یہ تینوں پکے سچے مومن تھے مگر محض سستی کی وجہ سے جنگ تبوک کے لئے نہ جا سکے بعض منافق بھی پیچھے رہ گئے تھے۔ جب حضور علیہ السلام سفر تبوک سے واپس آئے تو منافقوں نے جھوٹے عذر پیش کر کے معافی حاصل کر لی مگر ان تین پکے مسلمانوں کا معاملہ اللہ کی طرف سے حکم آنے تک مؤخر کر دیا گیا۔ ان لوگوں نے پچاس روز تک سخت تکلیف برداشت کی۔ اس کے بعد اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان کو اپنا سابقہ مقام حاصل ہو گیا۔ (مخمصة) مجاعة: بھوک۔ (نصب) اعیاء من التعب: تھکاوٹ۔ (ولا یطؤن موطئًا) ولا یقفون موقفًا: اور نہیں پامال کرتے وہ کسی جگہ کو۔ (نیلاً) لفظی معنی کسی چیز کا پالینا۔ یہاں مراد ہے کسی کو قیدی بنا لینا یا قتل کر دینا یعنی اسرا او قتلاً۔ (طائفة) عصبة: یعنی گروہ۔ (غلظة) شدة: سختی۔ (یفتنون) یبتلون: آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں۔ یہ منافقوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ انہیں سال میں ایک دو مرتبہ جہاد کے لئے نکلنے کا حکم دے کر آزما لیا جاتا ہے۔ مگر یہ لوگ اس آزمائش میں ناکام ہونے کے باوجود اپنی بری حرکات سے تائب نہیں ہوتے۔ (عزیز) شدید:

گراں،شدید۔ (ماعنتم) ماشق علیکم: جو چیز تم کو مشقت میں ڈال دے، وہ اللہ کے نبی پر گراں گزرتی ہے۔

---

(۱۰) (سورۃ یونس)

(ص ۸۳)

گزشتہ دو سورتوں انفال اور براۃ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا تھا، چنانچہ سورۃ الانفال میں غزوہ بدر کا اور سورۃ براۃ میں غزوہ احد کا ذکر آ گیا۔ اللہ جل شانہ نے ان سورتوں میں جہاد کا حکم دیتے وقت قوانینِ صلح و جنگ بھی بیان فرمائے ہیں جن پر عمل کرنا اہلِ ایمان کے لئے ضروری ہے۔ کوئی مسلمان اپنی مرضی کے مطابق عمل نہیں کر سکتا کیونکہ قرآن کے بیان کردہ تمام قوانین قابل عمل اور ہمیشہ جاری و ساری ہیں جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

حسب عادت حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مصنف کتاب ہذا نے اس سورۃ مبارکہ میں آمدہ مشکل الفاظ کے وہی معانی بیان کئے ہیں جو صحیح روایات سے صحابہ کرام تابعین عظام اور دیگر آئمہ دین سے ثابت ہیں چنانچہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کا انتخاب کیا ہے۔ (لهم قدم صدق) سابقة من السعادة في الذكر، اہلِ ایمان کو خوشخبری دی جا رہی ہے کہ ان کے لئے ان کے پروردگار کے ہاں سچائی کا پایہ ہے، گویا نیک بختی انہی لوگوں کے حصے میں آئی ہے۔ وقيل محمد صلى الله عليه وسلم اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد حضور علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے۔ وقيل الاعمال الصالحة اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد انسان کے اعمال صالحہ ہیں۔ وقيل الخير اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی نیکی ہے۔ (دعواهم) دعاؤهم، ان کی دعا یعنی نیک لوگوں کی جنت میں پہنچ کر یہ دعا ہوگی۔ (ولا ادراكم) لااعلمكم، اگر خدا تعالیٰ کا حکم نہ ہوتا تو میں تم کو اس قرآنِ پاک کی خبر ہی نہ دیتا۔ (اذا اذقنا الناس رحمة) مطراً: جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں۔ یہاں پر رحمت سے مراد بارش ہے۔

(اذا لهم مكر) قول بالتكذيب اى اذا الخصبوا ابطروا اچانک ان کے لئے

سچائی کو جھٹلانے کے لئے یہ تدبیر ہوتی ہے کہ وہ اس کی تکذیب کرتے ہیں یا پھر اکڑ جاتے ہیں۔ (حتی اذا کنتم فی الفلك وجرین بهم: یہاں تک کہ جب تم کشتی یا بحری جہاز میں سوار ہوتے ہو اور وہ خوشگوار ہوا کے ساتھ چلتی ہیں۔ یہاں پر لهم سے مراد بکم ہے یعنی صیغہ حاضر کو صیغہ غائب کے ساتھ تبدیل کر دیا گیا ہے۔ (احیط بهم) دنوا من التهلكة: ان کو گھیر لیتی ہیں یعنی وہ ہلاکت کے قریب ہو جاتے ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی حکمت ہوتی ہے تو مسافروں کو طوفان کی نذر کر دیتا ہے اور وہ ہلاک ہو جاتے ہیں۔ پھر جب وہ توبہ کر کے بچ جاتے ہیں اور صحیح سلامت زمین پر اتر جاتے ہیں تو پھر اسی طریقے سے تکذیب کرنے لگتے ہیں۔ (فاختلط به نبات الارض) فنبت بالماء من كل لون: بارش کے ذریعے پودے زمین میں آپس میں مل جاتے ہیں، گویا پانی برسنے سے زمین کی خشکی دور ہوتی ہے تو پودے اُگ کر ایک دوسرے کے ساتھ مل جاتے ہیں، خلط ملط ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وجعلنا من الماء كل شيء حي ط (الانبیاء : ۳۰) ہم نے پانی ہی کے ذریعے ہر چیز کو زندگی بخشی ہے۔ چنانچہ ہر قسم کا رنگ پانی ہی کے ذریعے پیدا ہوتا ہے۔ (زخرفها) زينتها وحسنها: اس سے مراد زینت، حسن اور خوبصورتی ہے۔

(حصیدًا) لاشيء فيها: جس میں کوئی چیز نہ ہو۔ (کان لم تغن بالامس) لم تكن بالامس: آبادیاں یوں تباہ ہو جاتی ہیں گویا کبھی اس زمین پر آباد ہی نہیں تھیں۔ (ولا یرهق) لايغشى: اور نہیں ڈھانپتی۔ (قتر) سواد من الكابة: یعنی غم کی سیاہی۔ (ترهقهم ذلة) يصيبهم ذل وخزي وهوان: ان پر ذلت، حقارت اور رسوائی چھا جاتی ہے۔ (عاصم) مانع: روکنے والا، بچانے والا۔ (اغشيت) البست: ڈال دیئے گئے۔ (فزيلنا) فرقنا: ہم نے جدا کر دیا۔ (تبلوا) تخبر: آزمائے گا۔ (تفيضون فيه) تفعلونه: تم اس کام میں گھستے ہو، گویا تم یہ کام کرتے ہو۔ (وما يعزب) يغيب: جو غائب ہو جائے، نظروں سے اوجھل ہو جائے، (لهم البشرى) ان کے لئے خوشخبری ہے۔ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الرؤيا الصالحة يراها المسلم او ترى له: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ خوشخبری سے مراد اچھی خواب ہے جو کوئی مسلمان دیکھتا ہے یا کوئی دوسرا آدمی اس کے حق میں دیکھتا ہے۔

(الا یخرصون) یقولون مالایکون : ایسی بات کہتے ہیں جو ناممکن ہو۔ (مبصرًا) مضیئًا لتھتدوا به فی حوائجکم : روشنی کرنے والا تاکہ تم اس کے ذریعے اپنی ضروریات کا سامان پیدا کر سکو۔ (اجمعوا امرکم) اعزموا علی امر : جمع کر لو اپنے معاملے کو یعنی اپنے کام کے لئے پرعزم ہو جاؤ۔ (غمة) مخفیًا غیر ظاهر : پوشیدہ جو ظاہر نہ ہو۔ (ثم اقضوا الی و لاتنظرون) انھضوا الی و لا تؤخرون یعنی امضوا الی بمکرکم پھر میری طرف جو چاہو کر و اور مجھے مہلت بھی نہ دو۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی تدابیر کو میرے لئے مکمل طور پر بروئے کار لے آؤ اور اس ضمن میں مجھے اپنا دفاع کرنے کیلئے بے شک کوئی مہلت بھی نہ دو۔

(لتلفتنا) لتردنا : تاکہ تو ہمیں لوٹا دے ہمارے دین سے۔ (الکبریاء) الملك والعز : بڑائی جو بادشاہی اور عزت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ (اطمس علی اموالهم) یعنی امسخها واذهبها عن صورتها : ان کے مالوں کو مٹا دے کیونکہ جب نام اور مال مٹ جائے تو صورت بھی مسخ ہو جاتی ہے۔ (واشدد علی قلوبهم) اطبع علیها حتی تلین ان کے دلوں کو ایسا سخت کر دے کہ وہ دوبارہ نرم نہ ہو سکیں۔ (وعدوًا) ظلمًا : تعدی کرتے ہوئے یعنی ظلم کرتے ہوئے۔ (ننجیك) نلقیك علی نجوة من الارض وهو المکان المرتفع : ہم تجھ کو اونچی جگہ یعنی مقام مرتفع پر نکال دیں گے۔ قال رسول الله صلی الله علیه وسلم کان جبریل یدس الطین فی فم فرعون مخافة ان یقول لا اله الا الله حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام فرعون کے منہ میں مٹی ڈالتے تھے کہ وہ ظالم کہیں کلمہ طیبہ نہ پڑھ لے، بلکہ اسے ضرور سزا ملنی چاہیے۔ (حقت) سبقت، وقیل وجبت ثابت ہو چکی ہے اور بعض نے کہا کہ نافرمانوں پر ہلاکت واجب ہو چکی ہے، لہٰذا اب ان کا ایمان لانا قابلِ قبول نہیں ہے۔ (الرجس) العذاب : رجس کا عام فہم معنی گندگی ہوتا ہے، تاہم یہاں پر عذاب مراد ہے۔

(۱۱) (من سورة هود)

(ص۸۴ تا ص۸۵)

حضرت ہود علیہ السلام اللہ کے جلیل القدر نبی حضرت نوح علیہ السلام سے تقریباً دو سو سال بعد گزرے ہیں۔ ان کی قوم کا نام قومِ عاد تھا، جیسا کہ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا: وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا ط (الاعراف : ۶۵) اور ہم نے قومِ عاد کی طرف ان کے بھائی ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔ اس سورۃ مبارکہ میں بھی مختلف انبیائے کرام کا طریق تبلیغ بیان کیا گیا ہے۔ اور اس طرح یہاں بھی تاریخِ انبیاء کا ایک اچھا خاصہ حصہ آ گیا ہے۔ اس سورۃ میں سے حسب ذیل مشکل الفاظ کا انتخاب کر کے ان کے معانی بیان کئے گئے ہیں۔ (فصلت) بینت: بیان کی گئی ہے۔

(یثنون) یعطفون، کنایة عن الشك و لامتراء عن الحق: یثنون کا لفظی معنی ہے، وہ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں یعنی یعطفون۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ کنایہ ہے کفار کے شک کرنے کی طرف۔ گویا وہ حق میں شک و شبہات پیدا کر کے اس سے انکار کا بہانا تلاش کرتے ہیں۔ (لیستخوا منه) لیتواروا من اللہ ان استطاعوا: تا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے چھپ جائیں اگر ان کے بس میں ہو، مگر اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ وہ اپنے منصوبے میں کیسے کامیاب ہو سکتے ہیں۔ (یستغشون ثیابهم) یتدثرون و یتغطون بها: اپنے کپڑوں کو سمیٹتے ہیں، اکٹھا کرتے ہیں اور ڈھانپتے ہیں۔

(یعلم مستقرها) یؤتیها رزقها حیث کانت: اللہ تعالیٰ ہر جاندار کی روزی کا ذمہ دار ہے اور وہ اس ٹھکانے کو بھی جانتا ہے جہاں سے کسی کی روزی آتی ہے۔ (ومستودعها) حیث تموت: اللہ تعالیٰ ہر ذی روح کے سپرد کیے جانے یعنی اس کی موت کے بعد والے ٹھکانے کو بھی جانتا ہے۔ (ما یحبسهٗ) مایحبس العذاب عنا: یعنی ہم سے عذاب کو کیا چیز روکتی ہے۔ (حاق) نزل و احاط: احاطہ کرنا یعنی جس چیز کے ساتھ کفار ٹھٹھا کیا کرتے تھے، وہ چیز نازل ہو کر ان کو گھیر لے گی۔ (لا جرم) بلی: کیوں نہیں۔ لا جرم کا لفظ بلی کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ (واخبتوا) خافوا، وقیل: اطمأنوا، وقیل: تابوا: عاجزی کرتے ہیں یعنی خوف کھاتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی اطمینان کرنا اور بعض اس کو توبہ کرنے پر محمول کرتے ہیں۔ یہ نیک لوگوں کی صفات بیان کی گئی ہیں۔

(ارازلنا) اسقاطنا: ہم میں سے رذیل، گرے پڑے یا کمی لوگ۔ (بادی الرأی) ای اول ما ظھرلنا: جن کی رائے غیر مستقل اور سرسری ہوتی ہے، کیونکہ غریب آدمی کی رائے کو کون اہمیت دیتا ہے۔ وقیل: اتبعوك فی ظاھر الرأی وباطنھم علیٰ خلاف ذلك: بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ظاہری طور پر تو آپ کا اتباع کرتے ہیں اور ان کا باطن اس کے خلاف ہوتا ہے۔ (عمیت) خفیت لعنادکم الحق: ان کے لئے حق پوشیدہ ہو گیا ہے۔ کیونکہ وہ اس کے ساتھ عناد رکھتے ہیں، لہٰذا ان کو صحیح بات نظر نہیں آتی۔ (انلزمکموھا) نضطرکم الی معرفتھا: کیا ہم تم پر لازمی ٹھہرائیں گے کہ تم حق کی بات کو ضرور جان لو؟ ایسا نہیں ہوگا۔ (تزدری) تستصغر: جس کو تم حقیر سمجھتے ہو۔ (ان یغویکم) ان یضلکم: کہ تم کو گمراہ کردے۔ (اجرامی) ھو مصدر اجرمت یعنی عقوبة جرمی: یہ اجرمت کا مصدر ہے اور معنی یہ ہے کہ میرے جرم کی سزا میرے ہی ذمہ آئے گی۔ (الفلك) ھی السفینة: پانی میں تیرنے والی کشتی۔ (فلا تبتئس) لا تحزن: آپ غمگین نہ ہوں۔ (لا تخاطبنی) لا تراجعنی: مجھ سے مشرک لوگوں کے بارے میں مخاطبت نہ کرنا وہ ظالم لوگ ہیں اور انہیں غرق کیا جائے گا۔

(وفار التنور) نبع: تنور پھوٹ پڑا یعنی اس سے پانی نکلنے لگا۔ (مجریھا) مسیرھا، وھو مصدر اجریت: یہ لفظ اجریت کا مصدر ہے اور معنی ہے کشتی کا چلنا۔ (ومرساھا) موقفھا مصدر ارسیت: اس کا ٹھہر جانا، کھڑا ہو جانا۔ یہ ارسیت کا مصدر ہے۔ یعنی اس کا ٹھہرنا یا لنگر انداز ہونا اللہ کے نام کی برکت کے ساتھ ہی ہے۔ (معزل) ناحیة: کنارہ دور فاصلے پر۔ (ابلعی) اشربی: جذب کرلو، پی لو۔ اللہ نے زمین کو حکم دیا کہ پانی کو نگل لو۔ (اقلعی) امسکی: آسمان کو حکم دیا کہ بارش برسانا روک دو۔ (اعتراك) من عروته ای اصبت یعنی اصابك ومسك: جو تجھ کو لاحق ہوا ہے۔ یہ اصل میں عروتہ سے ہے قوم کا نبی سے خطاب ہے کہ جو تکلیف بھی تمہیں پہنچی ہے اس کی وجہ تمہاری طرف سے ہمارے کسی معبود کی توہین ہے۔ (اخذ بناصیتھا) ای فی ملکه وسلطانه:

اس کی پیشانی کو پکڑنے والا ہے جو کوئی بھی اس کے ملک اور سلطنت میں ہے۔

(عنید) وعاند و عنود واحد وھو الشدید التجبر: سخت جبر کرنے والا، انکار کرنے والا۔ عنید کے علاوہ عاند اور عنود کا بھی ایک ہی معنی ہے۔ (استعمرکم) جعلکم عماراً: اور اسی زمین میں تمہیں آباد کیا ہے یا تم زمین کو آباد کرتے ہو۔ (غیر تخسیر) التخسیر التضلیل: نقصان یا گمراہی کا سبب نہ ہو۔ (کان لم یغنوا) لم یعیشوا وقیل: کان لم یکونوا: گویا کہ وہ زندہ نہیں رہے۔ اور بعض نے کہا گویا کہ وہ یہاں تھے ہی نہیں یعنی نیست و نابود ہو گئے۔ (بعجل حنید) نضیج مما یشوی بالحجارۃ، تلا ہوا بچھڑا مہمانوں کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ تلا ہوا سے مراد وہ بچھڑا ہے جسے پتھروں کے اوپر گرم کیا جاتا ہے۔ (نکرھم) وانکرھم واستنکرھم واحد: ان کو اوپرا سمجھا۔ انکرھم اور استنکرھم سب کا ایک ہی معنی ہے۔ اوپرا، عجیب یا خلاف معمول۔

(واوجس) اضمر: اپنے جی میں رکھا یعنی محسوس کیا۔ (الروع) الفزع: خوف یا گھبراہٹ۔ (منیب) مقبل الی طاعۃ اللّٰہ تعالٰی: رجوع کرنے والا یعنی اللہ کی اطاعت کرنے والا (سیئ بھم) ساء ظنا بقومہ: ان کی وجہ سے غمگین ہو گئے۔ گویا اپنی قوم کے بارے میں ان کا گمان بہت ہی تنگ ہو گیا۔ (وضاق بھم) باضیافہ: اور مہمانوں کی وجہ سے لوط علیہ السلام کا دل تنگ ہو گیا۔ (ذرعا) صدراً: ذرع کا عام فہم معنی بازو ہے اور اس سے سینہ مراد لیا جاتا ہے محاورہ کے طور پر کیونکہ سینہ بازو کے اندر ہی ہوتا ہے۔ (یوم عصیب) شدید: بڑا مشکل اور دشوار دن۔ (یھرعون الیہ) یسرعون ویقبلون الیہ بالغضب: قوم لوط آپ کی طرف دوڑتے ہوئے آئی۔ غصے سے بھرے ہوئے تیزی کے ساتھ آپ کی طرف متوجہ ہوئے۔ (بقطع من اللیل) بسواد: یعنی رات کی تاریکی میں۔ (ولا یلتفت) یتخلف، وقیل لا ینظرون وراءہ: کوئی پلٹ کر نہ دیکھے اور بعض نے کہا ہے کہ کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے۔ (من سجیل) من طین طبخ: پتھروں کی بارش کی۔ ایسے پتھر جو مٹی سے بنے ہوئے روڑے ہوں جنہیں آگ میں پکایا گیا ہو یعنی کھنگر۔

(منضود) یتلو بعضہ بعضا: تہ بہ تہ یعنی یکے بعد دیگرے برسنے والے۔

(مسومۃ) معلمۃ: نشان زدہ کہ یہ کھنگر فلاں فلاں نافرمان کے سر پر لگے گا اور وہ ہلاک ہو جائے گا۔

(ولا تعثوا) ولا تسعوا: اور نہ دوڑو یعنی زمین میں فساد کرتے ہوئے مت دوڑو۔ (لایجرمنکم) لا یکسبنکم، تمہیں آمادہ نہ کرے (میری دشمنی برائی پر)۔ (رھتك) عشیرتك: آپ کا خاندان قبیلہ۔ (وراء کم ظھریًا) ای لم تلتفتو الیه والقیتموہ خلف ظھورکم: پشتوں کے پیچھے، گویا تم حکم الٰہی کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے اور اسے اپنی پشتوں کے پیچھے پھینک دیا ہے۔ (الورد المورود) الدخل المدخول: وارد ہونے کی جگہ یعنی داخل ہونے کی جگہ قومِ فرعون کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ وہ بہت برا گھاٹ ہے جس پر وہ پہنچیں گے۔ (الرفد المرفود) اللعنة بعد اللعنة: برا عطیہ یعنی لعنت بعد از لعنت وقیل: العون المعین رفدتہٗ اعنته بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد کافروں پر آنے والی لعنت اور عذاب کی مدد ہے کیونکہ رفدته کا معنی مدد کرنا ہوتا ہے۔ (تتبیب) بلاء وھلاك وتحسر: اس سے مراد بلاء، ہلاکت اور افسوس ہے (زفیر) صوت شدید: بڑی سخت آواز جیسے گدھے کی آواز ہوتی ہے۔ (شھیق) صوت ضعیف: کمزور اور نرم آواز۔ (غیر مجذوذ) غیر منقطع: نہ منقطع ہونے والی۔ (ولا ترکنوا) تداھنوا، وقیل تمیلوا اور مت جھکو، بعض نے کہا ہے، مت مائل ہو ظالم لوگوں کی طرف۔

(ورد ان رجلاً اصاب قبلة حرام من امرأة فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فذکر ذلك: ایک شخص نے ایک اجنبی عورت کا بوسہ لے لیا، پھر وہ اس غلط حرکت پر نادم ہو کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ واقعہ بیان کیا۔ فانزلت: (واقم الصلاة طرفی النھار وزلفًا من اللیل) ساعات بعد ساعات اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ''نماز قائم کرو دن کے اطراف (یعنی پہلے اور پچھلے پہر) اور رات کے کچھ حصے میں۔ جب یہ کام کرو گے تو صغیرہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔ چونکہ غیر عورت کا بوسہ لینا صغائر میں شامل ہے لہٰذا نیکی کے کام کرنے سے چھوٹے چھوٹے گناہ اللہ تعالیٰ خود ہی معاف فرما دے گا۔ اس شخص کے غلط کام پر اللہ نے اس کو معافی کی نوید سنائی کیونکہ وہ اس غلط حرکت پر از خود پشیمان ہو گیا تھا۔ اترفوا) اھلکوا: ان کو ہلاک کر دیا گیا۔ (اولو بقیة) دین و فضل و تمیز: یعنی صاحب عقل، صاحب دین اور صاحب فضل و تمیز مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ پہلی قوموں میں سے اہل عقل و خرد لوگوں نے فسادیوں کو ان کی بری حرکات سے

کیوں نہ منع کیا۔

(۱۲) (من سورۃ یوسف)

(ص۸۵ تا ص۸۶)

پچھلی سورۃ ہود میں تاریخ انبیاء کا ایک اچھا خاصا حصہ آ گیا ہے جس میں مختلف انبیاء کی اپنی قوم کے لوگوں کو تبلیغ، قوم کا جواب اور پھر عذابِ الٰہی کی آمد کا ذکر ہوا۔ اب سورۃ یوسف کے مشکل الفاظ کے معانی بیان ہو رہے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بڑا مشہور اور زبانِ زد عام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے احسن القصص کے نام سے موسوم کیا ہے۔ یہ واقعہ ہر خطے کے مسلمانوں کے ہاں بہت ہی مقبول ہے اور اس کی تفصیلات ہر زبان میں نثر اور نظم کی صورت میں بیان کی گئی ہیں۔ اگرچہ اکثر شعراء اور مصنفین نے اپنی اپنی کتابوں میں بعض غیر مصدقہ باتیں بھی شامل کر دی ہیں، تاہم اللہ کے جلیل القدر پیغمبر یوسف علیہ السلام سے عقیدت کا بھرپور اظہار ان کتابوں کا طرۂ امتیاز ہے۔

اس سورۃ مبارکہ کا موضوع ''حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا روشن مستقبل'' قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض واقعات میں کمال درجے کی مماثلت پائی جاتی ہے۔ یوسف علیہ السلام کو اپنے والدین سے جدائی کے چالیس سالہ دور میں جس قسم کے حالات سے گزرنا پڑا، اسی قسم کے حالات سے حضور علیہ السلام کو بھی واسطہ پڑا۔ جس قسم کا سلوک حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ آپ کے بھائیوں نے کیا، ویسا ہی تکلیف دہ سلوک حضور علیہ السلام کی برادری کے لوگوں نے مکہ میں روا رکھا۔ پھر جب مکے والوں نے اسلام قبول کر لیا، مکہ فتح ہو گیا اور آپ کو اذیتیں پہنچانے والے آپ کے سامنے مجرمین کی حیثیت سے پیش ہوئے تو اللہ کے آخری نبی رحمت نے ان کے لئے وہی الفاظ استعمال کیے جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے لئے استعمال کئے تھے جبکہ وہ اپنی کارکردگی پر ندامت کا اظہار کر رہے تھے۔ آپ نے عام معافی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا **لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا انتم الطلقاء** جاؤ آج تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، تم آزاد ہو۔ اب تم سے کوئی انتقام نہیں لیا جائے گا۔ بہرحال اس قسم کی مماثلت دونوں انبیاء کے واقعات میں پائی جاتی ہے۔ اب شاہ

صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس سورۃ کے مشکل الفاظ کا انتخاب کر کے اس کے وہ معانی بتلائے ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین عظام اور آئمہ دین رحمہم اللہ سے ثابت ہیں۔

(غیابة الجب) موضع مظلم من البئر: کنویں کا تاریک گڑھا یعنی کنویں کا وہ نچلا حصہ جس میں روشنی نہ پہنچتی ہو۔ وقیل: کل شیء غیب عنك شیئًا فھو غیابة: یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جو چیز تجھ سے کسی چیز کو غائب کردے وہ غیابۃ کہلاتی ہے۔ والجب الرکیة التی لم تطو اور جب اس گڑھے یا کنویں کو کہتے ہیں جس کی منڈیر نہ بنائی گئی ہو۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپس میں مشورہ کیا تھا کہ یوسف علیہ السلام کو کسی تاریک کنویں میں پھینک دیا جائے۔ (السیارة) مارة الطریق: راستہ گزرنے والا قافلہ۔ (سولت) زینت: مزین کیا ہے یعنی آمادہ کیا ہے تمہارے نفسوں نے یہ معاملہ (اشده) قبل ان یاخذ فی النقصان: اشدہ کا معنی اس کی قوت ہے اور اس سے مراد کسی شخص کی عمر کا وہ زمانہ ہوتا ہے کہ جس کے بعد اس کی سمجھ بوجھ کم ہونے لگتی ہے۔ یعنی شباب کی عمر۔

(وراودته) طلبت منه ان یواقعها: اور پھسلایا یوسف علیہ السلام کو اس عورت نے۔ کہتے ہیں کہ عورت نے آپ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ (هیت لك) هیأت لك، وقیل: هلم وتعال: جلدی کرو، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ "آؤ قریب ہو جاؤ" کے معنوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ (لو لا ان رای برهان ربه) اگر نہ دیکھتے یوسف علیہ السلام اپنے رب کا برہان تو ممکن ہے کہ ان کے دل میں بھی میلان پیدا ہو جاتا۔ مثل له یعقوب فضرب صدره فخرجت شهوته من انامله: برہانِ رب کی مختلف تفسیریں بیان کی گئی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ عین اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے باپ یعقوب علیہ السلام کی صورت نظر آئی جنھوں نے آپ کے سینہ پر ہاتھ مارا تو ان کی خواہش نکل گئی یا دب گئی۔ شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس وقت یوسف علیہ السلام کو اپنے باپ کی صورت نظر آئی جنھوں نے اپنی انگلی دانتوں میں دبائی ہوئی تھی اور کہا، خبردار! ایسی کوئی حرکت نہ کرنا۔ بہر حال نبی تو معصوم ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جس کو برائی سے بچانا چاہتا ہے اس کے لئے کوئی نہ کوئی ذریعہ پیدا کر دیتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس عورت کی پیش کش کے جواب میں یوسف علیہ السلام کی زبان سے نکلنے والے الفاظ معاذ اللہ یعنی پناہ بخدا کہ میں اپنی مالکہ اور محسنہ کے ساتھ برائی کا ارتکاب کروں

جس کے خاوند نے میری پرورش کی ہے۔ یہی برہانِ رب یوسف علیہ السلام کے سامنے آیا تھا اور انہیں یقین ہو گیا تھا کہ یہ حرام فعل نبی سے کیسے سرزد ہو سکتا ہے؟ (قدت قمیصه) قطعته: اس کی قمیص پھٹ گئی۔ (شغفها) غلبها: اس پر غالب آ گئی ہے (یوسف علیہ السلام کی محبت)

(متکأً) مجلسًا، وقیل طعامًا یقطع بالسکین، قیل: هو الاترج: متکأً کا معروف معنی تکیہ گاہ آتا ہے یعنی ایسے نشست گاہیں جہاں پر قالین بچھے ہوں اور مہمانوں کو بٹھانے کیلئے وہاں پر تکیے رکھے ہوں اور پھر ان کے سامنے کھانا پیش کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ عزیز مصر کی بیوی نے مہمان عورتوں کے لئے مجلسِ طعام کا اہتمام کیا، بعض کہتے ہیں کہ متکأً سے وہ کھانا مراد ہے جو چھری سے کاٹ کر کھایا جاتا ہے بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد ککڑی یا ترنج ہے جو کہ خوشبودار پھل ہوتا ہے اور چھری کے ساتھ کاٹ کر کھایا جاتا ہے۔ (اکبرنهٗ) اعظمنه: عورتوں نے یوسف علیہ السلام کو بڑا خیال کیا۔

(فاستعصم) امتنع وابی: وہ رک گیا اور انکار کر دیا۔ (اصب) امل: مائل ہو جاؤں میں۔ (قضی الامر الذی فیه تفتیان) جس معاملے کے بارے میں وہ دونوں پوچھتے تھے، اس کا فیصلہ کر دیا گیا۔ لما حکاما راياه وعبر یوسف فقال احدهما مارأینا شیئاً فقال قضی الامر: جب انہوں نے خواب بیان کیا اور یوسف علیہ السلام نے اس کی تعبیر بتا دی تو ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں نے تو کچھ نہیں دیکھا۔ یوسف علیہ السلام نے کہا کہ جو تعبیر دی گئی ہے وہ واقع ہو گئی ہے۔ (اضغاث احلام) مالا تاویل له، پریشان خیالات یا جھوٹے خواب جن کی کوئی تعبیر نہ ہو۔ (بعد امة) بعد حین: ایک مدت کے بعد۔ امت کے بہت سے معنی آتے ہیں جیسے مذہب، ملت امام، پیشوا، مدت وغیرہ۔ ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اللہ نے فرمایا ان ابراهیم کان امة قانتاً لله حنیفاً ط (النحل: ۱۲۰) بے شک ابراہیم علیہ السلام پیشوا، اللہ کے اطاعت گزار اور حنیف تھے۔ بہر حال یہاں پر امة کا معنی مدت ہے یعنی ایک مدت کے بعد۔ (تحصنون) تخزنون وتدخرون: جمع کر لوگے، ذخیرہ بنا لوگے۔ (یعصرون) الاعناب والدهن: انگور نچوڑ کر شیرہ بنائیں گے اور تیل نکالیں گے۔ (حصحص) تبین ووضح: بات واضح ہو گئی۔ (ونمیر اهلنا) نجلب الیهم الطعام: اپنے اہل کی طرف اناج

کھینچ کر لائیں گے (الا ان یحاط بکم) ان تموتوا کلکم: سوائے اس کے کہ تم سب گھیر لئے جاؤ یعنی سب کے سب مر جاؤ۔

(الا حاجۃ فی نفس یعقوب قضاھا) یعقوب علیہ السلام کے دل میں ایک بات تھی جس کو بیٹوں نے پورا کیا۔ اس حاجت سے مراد یعقوب علیہ السلام کی حفاظتی تدبیر تھی۔ کہتے ہیں لکن حاجۃ یعنی ان ذلك الدخول قضاء حاجۃ، وھی ارادتہ ان یکون دخولھم من ابواب متفرقۃ شفقۃ علیھم کہ یہ حاجت برادرانِ یوسف کی مصر میں مختلف دروازوں سے داخل ہونے سے متعلق تھی۔ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا کہ مصر میں داخل ہوتے وقت کسی ایک دروازے سے شہر میں داخل نہ ہونا کیونکہ ممکن ہے کہ تم جیسے کڑیل نوجوانوں کو اکٹھا دیکھ کر کسی کی نظر بد لگ جائے یا لوگ تمہیں چور ڈاکو خیال کریں، بہر حال بیٹوں نے باپ کی اس نصیحت پر عمل کیا۔ (آوی الیہ اخاہ) ضمہ الیہ: یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو اپنے پاس جگہ دی۔ (والعیر) الرفقۃ: قافلے والے۔

(صواع الملك) یعنی السقایۃ وھو المکوك الفارسی التی یلتقی طرفاہ کانت تشرب بہ الاعاجم: بادشاہ کا پیالہ جس میں کوئی مشروب ڈال کر پیتے تھے۔ یہ چاندی کا بنا ہوا فارسی پیالہ تھا جس کی دونوں طرف دستے لگے ہوئے تھے۔ ایسے برتن میں عجمی رؤسا مشروب پیا کرتے تھے، یہی وہ برتن تھا جسے یوسف علیہ السلام کے کارندوں نے آپ کے بھائی بن یامین کے سامان میں رکھ کر اس کی گمشدگی کا اعلان کیا تھا اور پھر خود ہی وہ برتن برآمد بھی کیا تھا۔ (خلصوا نجیا) انفردوا متناجین: اپنے بھائی بن یامین کے چوری کے الزام میں پکڑے جانے پر باقی بھائیوں نے علیحدگی میں مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ (تفتؤا) لا تزال: ہمیشہ۔ (حرضا) الدنف الھالك من شدۃ الوجع یذیبہ الھم: غم واندوہ کی وجہ سے گھل گھل کر کمزور ہو جانا یا مر جانا۔ (لا تثریب) لا تعییر: تم پر کوئی عیب یا طعن نہیں کیا جائے گا۔ (فصلت) خرجت: جدا کیا گیا ہے۔ (تفندون) تسفھونی وتجھلونی: اگر تم مجھے بے عقل یا جاہل نہ کہو تو مجھے تو یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔

(مزجاۃ) قلیلۃ: تھوڑی پونجی۔ برادرانِ یوسف کے پاس نقد رقم تو تھی نہیں۔ وہ غلہ حاصل کرنے کے لئے جنگلی پھل وغیرہ لے کر گئے تھے جسے ببضاعۃ مزجاۃ یعنی تھوڑی یا حقیر پونجی

کہا گیا ہے۔ (غاشية من عذاب الله) عقوبة عامة مجللة تغشاهم: اللہ کے عذاب میں سے کوئی ایسا عذاب جو نافرمانوں کو ڈھانپ لے یعنی ان پر پوری طرح چھا جائے ایسے سزا از قسم زلزلہ، طوفان، وبائی امراض وغیرہ جو مجرموں کو اس طرح ڈھانپ لے جیسے کوئی شخص جُل اوڑھ کر سارے جسم کو ڈھانپ لیتا ہے۔ (هٰذهٖ سبیلی) سنتی ومنهاجی ودعوتی: یہ ہے میرا راستہ یعنی سنت، طریقہ اور دعوت۔

(حتی اذا استیأس الرسل وظنوا انهم قد کذبوا) یہاں تک کہ جب اللہ کے رسول ناامید ہو گئے اور انہوں نے گمان کیا کہ وہ جھٹلائے گئے ہیں۔ قالت عائشة رضی الله عنها: کذبوا بالتشدید ولیست بالتخفیف لم یکن الرسل تظن ذلك بربها ولکن اتباع الرسل طال علیهم البلاء حتی ظنت الرسل انهم قد کذبوا اهم ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ رسولوں کی نرمی سے نہیں بلکہ سختی سے تکذیب کی گئی۔ مگر اللہ کے رسولوں کے پیروکاروں کا زمانہ لمبا ہو گیا تو رسولوں نے گمان کیا کہ ان کے پیروکار ہی ان کو جھٹلائیں گے۔ وقال ابن عباس بالتخفیف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کذبوا بالتخفیف بھی پڑھا ہے مگر مطلب وہی ہے کہ تکذیب انبیاء کی طرف راجع ہے هو کقوله: حتی یقول الرسول والذین آمنوا معه (متی نصر الله) جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''یہاں تک کہ رسول اور ان کے ساتھ ایمان والے پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ مگر اللہ نے فرمایا الا ان نصر الله قریب (البقرہ: ۲۱۴) خبردار! اللہ کی مدد قریب ہی ہے، تم گھبراؤ نہیں۔

---

(۱۳) (سورۃ الرعد)

(ص ۸۶)

اس سورۃ کا نام سورۃ الرعد ہے۔ رعد بادل کی گرج کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس سورۃ مبارکہ میں بادلوں کی گرج کا ذکر ہے، اس لئے اس کو رعد کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس سورۃ کا موضوع بھی بڑا اہم ہے یعنی ''حق وباطل کی کشمکش اور غلبۂ حق'' آگے چل کر آیت کے اندر ہی اس موضوع کو واضح کر

دیا گیا ہے۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: الرعد ملك من الملائکة مؤکل بالسحاب معه مخاریق من نار یسوق السحاب حیث شاء الله۔ رسول خدا ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ رعد فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مامور ہے اس کے پاس آگ کے کوڑے ہیں جن کے ذریعے وہ بادلوں کو چلاتا ہے تو گرج کی آواز پیدا ہوتی ہے جو کہ بعض اوقات سخت خوفناک ہوتی ہے۔

یہاں پر اعتراض ہوتا ہے کہ فرشتہ ان بادلوں کو کیسے چلاتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کی تدبیر کرتا ہے۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ فرشتہ اپنی مرضی سے بادلوں کو ہانک کر نہیں لے جاتا بلکہ اللہ تعالیٰ جس سرزمین میں بارش برسانا چاہتا ہے، فرشتے کو حکم ہوتا ہے کہ بادلوں کو اسی طرف ہانک کرلے جاؤ۔ فرشتے کا یہ عمل ظاہری اسباب کے طور پر ہوتا ہے ورنہ حقیقت میں تو اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق ہی ہر چیز انجام پاتی ہے۔ (جعل فیها رواسی) اوتدها بالجبال: اور رکھ دیئے ہیں زمین میں بوجھل پہاڑ تا کہ اس کا توازن برقرار رہے۔ یہ فرماتے ہیں کہ زمین میں پہاڑوں کو میخوں کے طور پر گاڑھ دیا گیا ہے۔

(قطع مجاورات) متدانیات بعضها قریب من بعض: یہ زمین کے ٹکڑے ہیں جو کہ ایک دوسرے کے قریب ہیں یعنی ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ (صنوان) مجتمع: ایسے درخت جن میں دو قسم کے خواص اکٹھے ہو جائیں۔ (نفضل بعضها علی بعض فی الاکل) ہم بعض پھلوں کو دوسرے پھلوں پر فضیلت دیتے ہیں کھانے میں۔ مطلب یہ ہے کہ تمام درختوں کو پانی تو ایک جیسا ہی ملتا ہے، مگر ان سے پیدا ہونے والے پھل مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں۔ اور کھانے میں بھی مختلف پھلوں کا رنگ اور ذائقہ مختلف ہوتا ہے۔ قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: الدقل والفارسی والحلو والحامض رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ قدرت کا شہکار ہے ایک ہی پانی سے سیراب ہونے والے کھجور کے درختوں کی کھجوریں بعض ناقص بعض میٹھی اور بعض کھٹی ہوتی ہیں۔

(المثلات) العقوبات، قیل: الامثال والاشباه: مثلات کا معنی سزائیں بعض کہتے

ہیں کہ اس سے مراد مثالیں یا ایسی چیزیں ہیں جن سے بات سمجھ میں آجائے وقیل ماأصاب القرون الماضية من عذاب الله: بعض کہتے ہیں کہ مثلات سے مراد سابقہ اقوام کو پہنچنے والا عذابِ الٰہی ہے۔ (هاد) نبي وداع الى الله: ہادی، نبی اور اللہ کی طرف بلانے والا۔ (ماتغيض الارحام) تنقصه من مدة العمل: جو مادرِ رحم میں سکڑ جاتے ہیں گویا ان کی مدتِ حمل کم ہو جاتی ہے۔ (عالم الغيب والشهادة) السر والعلانية: مخفی اور ظاہر سب چیزوں کو جاننے والا۔ (وسارب بالنهار) السارب الظاهر المار على طريقه دن کے وقت چلنے والا راستے پر۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کو اپنے کام میں مشغول ہونے والے اور دن کے وقت کام کاج کرنے والے، ظاہر باطن سب کو جانتا ہے (معقبات) الملائكة: آگے پیچھے آنے والے یعنی فرشتے۔ (يحفظونه من امر الله) باذنه: جو اللہ کے حکم سے آدمی کی حفاظت کرتے ہیں۔ (من وال) يلي امرهم: ان کے معاملے کا کوئی والی یا کارساز نہیں ہے۔ (ينشئ) يخلق: اٹھاتا ہے یا پیدا کرتا ہے۔ (شديد المحال) اى قوة: سخت قوت کا مالک وقيل شديد المكر والعداوة بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی عداوت میں بہت زیادہ تدبیر کرنے والا ہے۔ وقيل شديد العقوبة: اور بعض نے اس کا معنی سخت سزا ادا کیا ہے۔

(بقدرها) على طاقتها وبمقدار ما يملؤها: اپنے اندازے کے مطابق یعنی وادیاں اپنی طاقت اور مقدار کے مطابق پانی لے کر بہہ نکلتی ہیں۔ (زبدًا) مايعلو الماء: جھاگ جو پانی کے اوپر آجاتی ہے۔ (رابيًا) عاليًا من ربي يربو: اوپر بلند ہونے والی یا بڑھنے والی۔ جب شاخ پھوٹتی ہے تو اس کو بھی ربو کہتے ہیں۔ ربوا بھی اسی مادہ سے ہے۔ اور اس زائد کو کہا جاتا ہے جو بلا معاوضہ کھایا جاتا ہے یعنی سود۔ (فاما الزبد فيذهب جفاء) وهو مارمى به الوادى: وادی میں پانی بہہ نکلنے پر جو جھاگ پیدا ہوتی ہے وہ خشک ہو کر چلی جاتی ہے يقال: اجفأت القدر اذا غلت فعلاها الزبد ثم يسكن فتذهب الزبد بلامنفعة فكذلك يميز الحق من الباطل: یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب ہانڈی جوش مارتی ہے تو اوپر جھاگ آجاتی ہے، پھر وہ جھاگ جلدی ہی بلا فائدہ چلی جاتی ہے۔ اسی طریقے سے حق و باطل کی کشمکش میں اللہ تعالیٰ باطل کے مقابلے میں حق کو واضح کر دیتا ہے یعنی باطل

مٹ جاتا ہے اور حق قائم رہتا ہے۔

(المهاد) الفراش: ٹھکانا، فرش۔ **(ويدرؤن) يدفعون:** دھکیلتے ہیں، مٹاتے ہیں برائی کو نیکی کے ساتھ۔ **(الامتاع قليل) ذاهب يتمتع به ثم يفنى:** دنیا کا مال ومتاع آخرت کے مقابلے میں بالکل تھوڑا ہے جس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے، پھر وہ فنا ہو جاتا ہے **(طوبٰى) فرح وقرة عين:** خوش خبری اور آنکھوں کی ٹھنڈک۔ **(افلم ييأس) يعلم:** ییأس کا لفظی معنی تو مایوسی ہوتا ہے مگر یہاں پر جاننے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور مفہوم یہ بنتا ہے کہ کیا اہلِ ایمان کو معلوم نہیں ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو سب کو ہدایت پر لے آئے؟ **(المتاب) توبتي:** رجوع کرنا، توبہ کرنا۔ **(قارعة) داهية:** کھٹکھٹانے والی، آفت، مصیبت۔ **(فامليت) امهلت لهم من الاملاء:** میں نے مہلت دی ان کو یعنی ان کے معاملے میں تاخیر کر دی۔ یہ لفظ املاء سے مشتق ہے۔ **(من واق) مانع حاجز:** بچانے والے، غضب الٰہی کو روکنے والا۔ **(يمحوا الله مايشاء ويثبت)** اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہے ثابت رکھتا ہے۔ **يمحوا بالدعاء ما يشاء من القدر ويثبت مايشاء** اللہ تعالیٰ بعض ایسی چیزوں کو دعا کے ساتھ مٹا دیتا ہے جو قضاء مبرم میں نہ ہوں اور جس کو چاہتا ہے ثابت اور قائم رکھتا ہے۔

(ننقصها) بموت علمائها وفقهائها، وقيل :بالفتوح على المسلمين: ہم زمین کو گھٹا رہے ہیں۔ مشرکین کے متعلق کہا گیا ہے کہ ہم ان پر زمین تنگ کر رہے ہیں ان کے علماء اور فقہاء کے مر جانے کی وجہ سے۔ یعنی جب مشرکوں کے بڑے بڑے علماء نہیں رہیں گے تو یہ بھی عنقریب ختم ہو جائیں گے اور پھر ان کی مزید سیادت کرنے والا کوئی نہیں ہوگا اور وہ مغلوب ہو جائیں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ مسلمانوں کی فتوحات کی وجہ سے مشرکین مغلوب ہوتے چلے جائیں گے اور ان پر زمین تنگ ہو جائے گی۔ **(لا معقب) لا مغير:** اللہ کے حکم کو ٹالنے والا پیچھے دھکیلنے والا یا اس کو تبدیل کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔

(۱۴) (سورة ابراهيم)

(ص۸۶ تا ص۸۷)

سورۃ ابراہیم کا موضوع ''ملت ابراہیمیہ کے ضروری قواعداوران کی وضاحت'' ہے، جبکہ اگلی سورۃ الحجر اسی سورۃ ابراہیم کا تتمہ ہے۔اس سورۃ مبارکہ میں ملت ابراہیمیہ کے اہم ترین اصول بیان کیے گئے ہیں۔شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس سورۃ کے لغت اور شانِ نزول کے اعتبار سے مشکل الفاظ کا انتخاب کیا ہے جن کے بارے میں مفسرین نے کلام کیا ہے، اور پھران کے وہ معانی بیان کئے ہیں جو متقدمین اور متاخرین مفسرین سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہیں۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اذا سئل فى القبر يشهد ان لا اله الا الله وان محمدًا رسول الله۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ جب ایک مومن آدمی کو فوتیدگی کے بعد قبر میں دفن کیا جاتا ہے اور وہ قبر میں سوالات کے جواب میں گواہی دیتا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول برحق ہیں'' فذلك قوله: يثبت الله الذين آمنوا تو یہی ایمان والوں کی ثابت قدمی ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت فى الحيوٰة الدنيا وفى الآخرة (ابراهيم : ۲۷) یعنی کلمہ توحید ورسالت ہی وہ قولِ ثابت ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو دنیا اور آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے۔ یہاں پر آخرت سے مراد قیامت کا دن نہیں بلکہ برزخ کی زندگی ہے، جس میں ثابت قدمی کا ذکر کیا گیا ہے۔ (واذ تاذن ربكم) اعلمكم: اور جب اعلان کیا تمہارے پروردگار نے یعنی تم کو بتلایا کہ اگر تم شکر گزاری کرو گے تو میں مزید عطا کروں گا، اور اگر ناشکری کا اظہار کرو گے تو میرا عذاب بھی بہت سخت ہے۔

(لمن خاف مقامى) حيث يقيمه الله بين يديه: جو میرے سامنے کھڑا ہونے سے خوف کھاتا ہے۔یہ اس وقت کی بات ہے جب اللہ تعالیٰ ہر شخص کو سوال جواب کے لئے اپنے روبرو کھڑا کرے گا۔ (من ورائه) قدامه: یہ قیامت کے دن کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس دن ہر ضدی آدمی ذلیل و خوار ہوگا، اور اس کے آگے جہنم ہوگی وراء کا لفظ اضداد میں سے ہے اور عبارت کے سیاق وسباق میں

مطابق اس کا معنی آگے یا پیچھے کیا جاتا ہے یہاں پر اس لفظ سے آگے مراد ہے۔ (فردوا ایدیھم فی افواھھم) ھٰذا مثل کفوا عما امروا بہ:وقیل:عضوا علیھا یہ سابقہ نافرمان اقوام کا ذکر ہو رہا ہے کہ جب ان کے پاس ان کے رسول آئے تو انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں ڈال دیئے۔ جب اللہ کے نبیوں نے تبلیغ کا کام شروع کیا تو نافرمان اقوام نے اپنے ہاتھ رسولوں کے منہ پر رکھ دیئے کہ خبردار کوئی بات نہ کرنا کیونکہ ہم تمہاری بات سننے کے لئے بالکل تیار نہیں ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جس چیز کا ان کو حکم دیا گیا، وہ اس سے رک گئے۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کا معنی عضوا علیھا ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں کو منہ میں ڈال کر چباتے تھے جیسا کہ غصے کی حالت میں کیا جاتا ہے کہ تم کیسی باتیں کرتے ہو؟

(صدید) قیح و دم: صدید سے مراد قیح اور خون ہے جو جہنمیوں کو پلایا جائے گا۔ (ولا یکاد یسیغہ) ولا یجیزہ فی الحلق الا بعد ابطاء: مجرم آدمی کو خون اور پیپ آمیز پانی پینے میں سخت دقت پیش آئے گی۔ وہ اس پانی کو حلق میں نہیں اتار سکے گا مگر مشکل سے۔ (فی یوم عاصف) شدید ھبوب الریح: تیز ہوا والے دن یعنی جس دن سخت جھکڑ چل رہے ہوں گے۔ اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔ (لکم تبعًا) واحدھا تابع: ہم تمہارے تابع تھے۔ تبعًا جمع ہے تابع کی۔ (مغنون) دافعون: ہٹانے والے یعنی اللہ کے عذاب کو ہم سے ہٹانے والے۔ یہ سوال متبوعین اپنے پیشواؤں سے کریں گے کہ کیا آج تم ہمیں عذابِ الٰہی سے بچا سکتے ہو، مگر وہ اپنی بے بسی کا اظہار کر دیں گے۔

(بمصرخکم) بمغیثکم، استصرفہ استغاثہ، یستصرخہ من الصراخ: تمہاری فریاد رسی کرنے والا، مغیث اس ذات کو کہا جاتا ہے جس کے سامنے فریاد کی جائے جیسے اس سے بلند آواز سے فریاد کی کہ لوگو! میری مدد کرو۔ (اجتثت) استوصلت و انتزعت اکھاڑ دیا گیا ہے۔ (البوار) الھلاك: ہلاکت۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا من الذین بدلوا نعمة اللہ کفرًا واحلوا قومھم دار البوار (آیت : ۲۸) ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے اللہ کی نعمت کے بدلے میں کفر حاصل کیا، اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں اتار دیا۔ قال منافقوا قریش تو انہوں نے

جواب دیا کہ اس سے قریش کے وہ منافق لوگ مراد ہیں جو زبان سے تو اسلام کے متعلق اچھی باتیں کرتے ہیں، مگر ان کے دلوں میں کفر ہی بھرا ہوا ہے۔ (ولا خلال) مخالة وقرابة، مصدر خاللته خلالاً: دوستی اور قرابتداری۔ قیامت کے دن کوئی دوستی اور قرابتداری کام نہیں آئے گی جیسے مصدر ہے میں نے اس کے ساتھ دوستی کی۔ (دائبین) مقیمین علی طاعة الله: اللہ کی اطاعت پر قائم رہیں گے۔ یہ چاند اور سورج کے بارے میں ہے جن کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے کہ ہم نے تمہارے لئے چاند اور سورج کو مسخر کر دیا ہے۔

(مهطعین) ناظرین، وقیل مقلبین مذعنین خاشعین دوڑنے والے یا دیکھنے والے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی رخ کرنے والے، یقین کرنے والے اور عاجزی کرنے والے ہے۔ وقیل: مسرعین الی الداعی اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد اپنے بلانے والے کی طرف تیزی سے دوڑنے والے ہے۔ (مقنعی رؤسهم) رافعی رؤسهم الی السماء: اپنے سر اوپر آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ (هواء) خالیة: ہوا ہو جانا، اڑ جانا، قیامت کے مناظر میں سے ہے کہ ظالموں کے دل اڑے جا رہے ہوں گے۔ انہوں نے اس کا معنی خالیة کیا ہے یعنی ان کے دل خالی ہو جائیں گے۔ (مقرنین) موصلین بشیاطینهم: جکڑے ہوئے ہوں گے یا اپنے شیطانوں کے ساتھ ملے ہوئے ہوں گے۔ (فی الاصفاد) الوثاق، والاصفاد سلاسل الحدید والاغلال: اس سے مراد لوہے کی بنی ہوئی زنجیریں اور طوق ہے۔ وثاق کا معنی رسی بھی ہوتا ہے ان اشیاء کے ساتھ مجرموں کو جکڑ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ قیامت والے دن مجرموں کا یہ حال بیان کیا گیا ہے۔

(سرابیلهم) قمصهم: ان (مجرموں) کی قمیصیں یا کرتے جو پہنے جاتے ہیں (من قطران) النحاس المذاب: پگھلا ہوا تانبا، یہ لفظ گندھک کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مجرموں کو پہنائی جانے والی قمیصیں اس قسم کے مادے سے بنائی گئی ہوں گی جو فوراً آگ پکڑنے والی اشیاء ہیں۔

(۱۵)(سورۃ الحجر)

(ص ۸۷ تا ص ۸۸)

حجر ایک علاقہ کا نام ہے جہاں حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کے لوگ آباد تھے۔ وہ اپنے گھر پہاڑوں کو تراش تراش کر بناتے تھے، نقش و نگار کے بڑے ماہر اور صناع تھے۔ ان کی سترہ سو بستیاں تھیں، بڑے متمدن لوگ تھے مگر صالح علیہ السلام کی بات کو نہیں مانا، تو خدا تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل فرمایا۔ یہ سورۃ پچھلی سورۃ ابراہیم کا تتمہ ہی ہے۔ اس میں بھی وہی باتیں ہیں جو گزشتہ سورۃ میں بیان ہو چکی ہیں۔ اس سورۃ مبارکہ کے حسب ذیل مشکل الفاظ ہیں جن کے معانی بیان کئے گئے ہیں۔

(یلھھم الامل) یغشلھم: ان کو ان کی آرزو مشغول کر دے گی۔ (کتاب معلوم) اجل ینتھون الیه: مقدر کیا ہوا نوشتہ۔ (سکرت ابصارنا) ای سدت و غشیت: ہماری آنکھیں ڈھانپ دی گئی ہیں یعنی بند کر دی گئی ہیں۔ (بروجًا) منازل للشمس و القمر: سورج اور چاند کی منزلیں۔ (معایش) من الثمار و الحبوب: معیشت کے سامان یعنی پھل اور دانے (لواقح) حوامل لانها تحمل الماء و التراب و السحاب: بوجھل بادل جن میں بارش ہوتی ہے۔ بعض بادل خالی ہوتے ہیں جو پانی اٹھا کر لے جاتے ہیں اور ان میں باریک مٹی بھی ہوتی ہے۔

(من صلصال) طین خلط برمل یصلصل کما یصلصل الفخار: وہ مٹی جس کے ساتھ ریت ملی ہوئی ہو۔ وہ خشک ہو کر بجنے لگتی ہے اور اس سے فخار یعنی ٹھیکرے جیسی آواز نکلتی ہے۔ ویقال، منتن اور اسی کو بدبودار مٹی بھی کہا گیا ہے۔ اگر مٹی کو گوندھ کر کچھ عرصہ کے لئے چھوڑ دیا جائے تو اس میں ایک قسم کی بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ اس مٹی سے اللہ نے آدم علیہ السلام کا وجود بنایا، (من حماء) طین اسود، وقیل هو الطین المتغیر جمع حماۃ: بدلے ہوئے رنگ والی مٹی متغیر سڑا ہوا گارا، اس کی جمع حماۃ آتی ہے۔ (مسنون) مصبوب، وقیل متغیر الرائحة: بہائی ہوئی مٹی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد بدلے ہوئے رنگ والی مٹی ہے۔

(هٰذا صراط علی مستقیم) راجع الی الله یعنی هٰذا طریق مرجعه الی: مجھ تک آنے کا سیدھا راستہ۔ یعنی حضیرۃ القدس تک پہنچنے کا ذریعہ جہاں اللہ تعالیٰ کی تجلی اعظم واقع ہوتی

ہے۔ (نصب) اعیاء وقیل عناء: نصب کا معنی تھکاوٹ اور بعض کہتے ہیں مشقت اٹھانا (وجلون) فزعون: خوف کھانے والے۔ (لا توجل) لاتخف: مت ڈرو۔ (قوم منکرون) انکرھم لوط: اوپرے لوگ۔ لوط علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا کہ تم عجیب لوگ ہو۔ (واتبع ادبارھم) امش علی آثار بناتك واھلك لئلا یتخلف منھم احد: ان کے پیچھے لگ جاؤ یعنی آپ کی بیٹیاں اور گھر والے کوئی بھی پیچھے نہ رہے۔ (لعمرك) لعیشك وبحیاتك: تیری جان یعنی زندگی کی قسم۔ (سکرتھم) ضلالتھم: بدمستی یعنی گمراہی۔

(یعمھون) یتمادون: اندھے ہو رہے ہیں۔ (الصیحة) الھلکة: ہلاکت خیز چیخ۔ (مشرقین) داخلین فی وقت شروق الشمس: سورج نکلتے وقت داخل ہونے والے (للمتوسمین) للناظرین، وقیل المتفرسین المتثبتین فی النظر حتی یعرفوا حقیقة سمة الشیء: غور وفکر کرنے والوں کے لئے، پختہ نظر رکھنے والے حتی کہ کسی چیز کی حقیقت کو اس کی علامت سے پہچان لیں۔ (وانھا) یعنی مدینة قوم لوط: اور بے شک یہ یعنی قومِ لوط کا شہر۔ (لبسبیل مقیم) علی طریق قومك الی الشام وھو طریق لا یندرس ولا یخفی آباد شاہراہ جس پر چل کر آپ کی قوم شام کی طرف جاتی تھی اور وہ ایسی شاہراہ تھی جو نہ مٹی تھی اور نہ پوشیدہ تھی بلکہ اس سے سب لوگ واقف تھے۔ (لبامام مبین) کل ما ائتممت واھتدیت به یعنی بطریق واضح: کھلا راستہ، واضح راستہ جس پر چل کر تم راہ پا سکو۔ (الصفح الجمیل) اعراض بغیر فحش: اچھے طریقے سے درگزر کرنا جس میں کوئی فحش بات نہ ہو۔ (آتیناك سبعًا من المثانی والقرآن العظیم) یعنی الفاتحة وھی سبع آیات وتثنی فی کل صلاة امتن اللہ علی رسولہ بھٰذہ السورة کما امتن علیه بجمیع القرآن: ہم نے آپ کو سات دہرائی جانے والی آیات اور قرآنِ عظیم عطا فرمایا ہے۔ اس سے مراد سورۃ فاتحہ ہے جس کی سات آیات ہیں جو ہر نماز میں دہرائی جاتی ہیں۔ اللہ نے اپنے رسول پر یہ سورۃ نازل کر کے احسان فرمایا ہے جیسا کہ مکمل قرآن پاک کے نزول پر احسان فرمایا ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: ام القرآن ھی السبع المثانی: اللہ کے

رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ ام القرآن سے مراد یہی سات آیتوں والی سورۃ فاتحہ ہے اور سورۃ صلاۃ بھی یہی ہے۔ (المقتسمین) الذین حلفوا، ومنه لااقسم: جو قسم اٹھاتے ہیں اور ان میں سے بعض قسم نہیں اٹھاتے۔ (جعلوا القرآن عضین) هم اهل الكتاب جزؤه اجزاء فآمنوا ببعضه وكفروا ببعضه: انہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے بنا رکھا ہے۔ اس سے اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ مراد ہیں جو تورات انجیل کی کسی بات کو مان لیتے ہیں اور کسی کا انکار کر دیتے ہیں۔ وهو قول ابن عباس: اور یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ (فاصدع) اظهر: ظاہر کر دیں۔ (بما تؤمر) اجهر بامرك: جس چیز کا آپ کو حکم دیا گیا اس کو بلند آواز کے ساتھ یعنی واضح طور پر کہہ دیں۔

---

(١٦) (سورۃ النحل)

(ص٨٨ تا ص٨٩)

یہ سورۃ بھی بڑی لمبی اور اہم ہے۔ اس کا موضوع اس کی آیت نمبر ٩٠ میں بیان کر دیا گیا ہے۔ ان الله يامركم بالعدل والاحسان...... القرآن اس آیت میں چھ باتیں ذکر کی گئی ہیں جن کو دنیا کے انسانوں کے لئے عالمی پروگرام کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس پروگرام میں یہی باتیں بیان کی گئی ہیں کہ دینِ اسلام عدل و احسان کا حکم دیتا ہے، قرابتداروں کے حقوق ادا کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ پروگرام فحاشی، منکرات اور سرکشی سے روکتا ہے۔ اس سورۃ میں اسلام کا یہی عالمی پروگرام پیش کیا گیا ہے۔ باقی سب چیزیں ضمناً آئیں گی۔ اس سورۃ میں سے حسب ذیل مشکل الفاظ کے وہ معانی بیان کئے گئے ہیں جو صحابہ کرام، تابعین یا آئمہ دین سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہیں۔

(امر الله) عذابه: اللہ کا حکم۔ اس مقام پر حکمِ الٰہی سے عذابِ الٰہی مراد ہے۔ (بالروح) بالوحي: یہاں پر روح سے مراد وحی الٰہی ہے۔ (دفء) الثياب: گرمی کا سامان: اونٹ کی پشم اور بھیڑ بکری کی اون سے سردیوں میں پہننے کے لئے گرم کپڑے تیار کئے جاتے ہیں۔ اس لفظ سے گرم کپڑے مراد ہیں۔ وقيل مااستدفأت به من الاكسية والابنية: بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد

گرم لباس اور ایسی گرم عمارات ہیں جو خاص اس طرز پر بنائی جاتی ہیں کہ ان کے مکین سردی سے بچ سکیں۔ (جمال) زينة: خوبصورتی اور زینت۔

(تريحون) تردونها لى مراحها بالعشى تم پچھلے پہر جانوروں کو اپنے مکانوں کی طرف لاتے ہو۔ (حين تسرحون) تخرجونها الى المرعى بالغداة: جبکہ تم صبح کے وقت جانوروں کو چراگاہ کی طرف لے جاتے ہو۔ (الا بشق الانفس) يعنى المشقة: اگر جانور نہ ہوتے تو سواری اور بار برداری کے لئے تمہیں مشقت اٹھانا پڑتی۔ اللہ نے جانوروں کو پیدا کر کے تم پر احسان کیا ہے کہ وہ تمہیں سوار کر کے اور تمہارا سامان اٹھا کر دور دراز کے سفر اور تکلیف دہ مقامات تک پہنچاتے ہیں۔

(قصد السبيل) البيان: سیدھا راستہ۔ وقيل: الاسلام و الطريق المستقيم الذى يؤدى الى رضا الله تعالىٰ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد اسلام اور وہ سیدھا راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی طرف دعوت دیتا ہے۔ (ومنها جائر) عادل مائل الى الاهواء المختلفة: اور ان میں بعض راستے ٹیڑھے ہیں جو مختلف خواہشات کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ (تسيمون) ترعون مواشيكم: تم اپنے جانوروں کو چراتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرما کر درخت پیدا کرنے کا احسان جتلایا ہے جس میں تم جانوروں کو چراتے ہو۔ (لحمًا طريًا) السماك: تازہ گوشت۔ اس سے مراد پانی میں پائی جانے والی مچھلی ہے (مواخر) شواق الماء: کشتیاں جو پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں۔ (ان تميدبكم) التى تتحرك بكم وتكفأ: تاکہ تمہارے ساتھ حرکت نہ کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کی تخلیق کے ساتھ ہی اس میں بوجھل پہاڑ بھی نصب کر دیئے تاکہ زمین مضطرب نہ ہو یعنی ڈولنے نہ لگے۔ اگر پہاڑ نہ ہوتے تو زمین حرکت کرتی رہتی۔ تکلفا کا معنی الٹ پلٹ ہونا آتا ہے۔ مطلب یہی ہے کہ پہاڑوں کی وجہ سے پوری زمین پر سکون ہے۔

(وعلامات) يعنى الجبال وهن علامات للطريق بالنهار: یعنی نشانیاں، دن کے وقت راستوں کو پہچاننے کیلئے پہاڑ نشانات کا کام دیتے ہیں۔ (اوياخذهم فى تقلبهم) اختلافهم للسفر والتجارة: یا اللہ تعالیٰ پکڑے ان کو آنے کے وقت یعنی منکرین کو دورانِ سفر یا تجارت کے

لئے ادھر ادھر ہوتے وقت اپنی گرفت میں لے لے کیونکہ وہ قادرِ مطلق ہے۔ (فما هم بمعجزين) بـمـمتـنـعين على الله: وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے یعنی خدا تعالیٰ کو اس کے ارادہ سے روک نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ اپنی منشاء کے مطابق جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس کے راستے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ (على تـخوف) تنقص من اعمالهم: خوف کی حالت میں ان کی گرفت کر لے یا ان کے اعمال میں کمی کر دے۔

(يتـفيؤ) يتميل: ان کے سائے ڈھلتے ہیں یا مائل ہوتے ہیں۔ (ولـه الدين) الطاعة: اطاعت۔ (واصبًا) دائمًا: قائم، دائم۔ (تـجأرون) ترفعون اصواتكم بالاستغاثة: چلاتے ہو، آوازیں بلند کرتے ہو فریاد رسی کے لئے (وهـو كـظيـم) مـغموم: غم سے گھٹنے والا۔ (يـدسـه) يخفيه: اس کو ڈھانپ دے، مٹی میں پوشیدہ کر دے۔ (مفرطون) منسيون و متروكون: زیادتی کرنے والے، چھوڑے ہوئے۔ (سـائـغًا) جـائزا في حلوقهم: خوشگوار، حلق میں اترنے والا۔ (سكرًا) هو الخمر والسكر ماحرم الله من ثمرتها: نشہ آور شراب جو پھلوں کو نچوڑ کر بنائی جاتی ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ (ورزقًا حسنًا) ماحل الله وهو الخل والزبيب والتـمـر: اچھی روزی جسکو اللہ نے حلال قرار دیا ہے۔ اور وہ سرکہ منقی اور کھجوریں ہیں جو تم روزمرہ استعمال کرتے ہو۔

(واوحـى ربك الى الـنحل) الهمها وقذف في انفسها: تیرے رب نے شہد کی مکھیوں کی طرف وحی کی۔ یہ وحی نبوت کی وحی نہیں ہے کیونکہ وہ تو انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے۔ البتہ اس وحی سے الہام مراد لیا جا سکتا ہے جو انبیاء اور غیر انبیاء سب کو ہو سکتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کو الہام کیا اور ان کے دل میں یہ بات ڈال دی۔ (ذللاً) مـنـقـادة مسخرة: راستے تابع کئے ہوئے ہیں یعنی مسخر ہیں۔ (وحفدة) يعني ولد الولد: اولاد کی اولاد یعنی پوتے۔ وقيل: الاصهار وهم الاعوان اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد سسرال ہیں جو کہ انسانوں کے معاون ہوتے ہیں۔ (وهو كل) ثقيل ووبال: ناکارہ غلام اپنے مالک پر بوجھ اور وبال ہی ہوتا ہے۔

(تستـخفونها يوم ظعنكم) يخف عليكم حملها في اسفاركم: دورانِ سفر کوچ

کرتے وقت، ان کا بوجھ تمہیں ہلکا کر دیتا ہے۔ (اثاثا) تنافس اکسیة وبسطاً: کپڑوں، دری، فرش اور فرنیچر وغیرہ کا سامان (اکنانا) یعنی الغیران والاسراب: کوٹھڑیاں یا غار وغیرہ جن میں آدمی کچھ دیر آرام کر سکتا ہے اور دھوپ اور بارش وغیرہ جن میں آدمی کچھ دیر آرام کر سکتا ہے اور دھوپ اور بارش وغیرہ سے بچ سکتا ہے۔ (سرابیل) قمصًا: لڑائی کے وقت پہنی جانے والی قمیص یعنی زرہیں۔ موجودہ دور میں ایسی چیزیں گاڑیوں کے اوپر ڈال لیتے ہیں اور اندر سے ہی دشمن پر وار کرتے رہتے ہیں۔ ایسی گاڑیوں کو بکتر بند گاڑی کا نام دیا جاتا ہے۔ (تقیکم الحر) تمنعکم الحر: تمہیں گرمی سے بچاتی ہیں یعنی تم سے گرمی کو روکتی ہیں۔ واما السرابیل تقیکم بأسکم فانها الدروع تمنعکم شدة الطعن والضرب والرمی: اور جو قمیصیں یعنی زرہیں ہم نے بنائی ہیں وہ تمہیں لڑائی کے دوران بچاتی ہیں۔ ان سے مراد زرہیں ہیں جو تم کو بچاتی ہیں سخت جنگ وجدل کے وقت جبکہ نیزہ مارا جا رہا ہو، دست بدست لڑائی ہو یا تیر اندازی ہو رہی ہو۔

(ولا هم یستعتبون) یطلب منهم ان یرجعوا الی ما یرضی الله: اور ان کو موقع بھی نہیں دیا جاتا کہ وہ اللہ کو منا سکیں یعنی اس بات کی طرف لوٹ آئیں جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور اس سے راضی ہوتا ہے۔ (الفحشاء) الزنا: اس سے مراد بدکاری ہے۔ (یعظکم) یوصیکم: تم کو نصیحت کرتا ہے۔ (نقضت غزلها) افسدته، کانت امراة خرقاء اذا ابرمت غزلها نقضته اپنے کاتے ہوئے سوت کو توڑ دیتی ہے۔ ایک بیوقوف عورت دن بھر سوت کاتتی رہتی مگر رات کو اسے پھر سے توڑ پھوڑ دیتی تھی۔ عہد شکنی کرنے والوں کو اس عورت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

(من بعد قوة) للغزل بامراره وفتله: مضبوطی کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر دینا۔ (انکاثا) قطعًا خرقًا: توڑ پھوڑ دینا ٹکڑے ٹکڑے کر دینا۔ (دخلاً بینکم) ای غشا وخدیعة، وکل شئ لم یصلح فهو دخل: تمہارے درمیان فساد اور خرابی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ یعنی دھوکہ اور فریب کا سبب ہر وہ چیز جس کی اصلاح ممکن نہ ہو اس کو دخل کہا جاتا ہے۔ (اربی من امة) اکثر و اعلی من قوم: ایک قوم دوسری قوم سے زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔ لہٰذا ایک گروہ کا ساتھ چھوڑ کر دوسرے کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ (فتزل قدم بعد ثبوتها) نزل عن الایمان والمعرفة بالله: پختہ

ہونے کے بعد تمہارا قدم پھر پھسل جائے گا۔ گویا ایمان اور معرفت الٰہی حاصل ہونے کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے۔

(ینفد) یفنی وینقطع: فنا ہو جائے گا یا منقطع ہو جائے گا۔ (باق) لاینقطع: دائمی رہنے والی یعنی منقطع نہ ہونے والی۔ (فاذاقرأت القرآن فاستعذ باللہ) فاذااردت ان تقرأ القرآن فاسال اللہ ان یعیذك وھذا مقدم ومؤخر وذلك ان الاستعاذۃ قبل القراۃ ومعناھا الاعتصام باللہ: پس جب تو قرآن پڑھے تو پناہ مانگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم قرآن پاک کی تلاوت کرنا چاہو تو اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرو یعنی اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ تمہیں اپنی پناہ میں رکھے۔ یہ پناہ طلبی قرآن کی تلاوت کرنے کے بعد نہیں بلکہ تلاوت شروع کرنے سے پہلے ہونی چاہیے۔ اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پھر بسم اللہ الرحمن الرحیم اور اس کا معنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ تعلق کی مضبوطی ہے۔ (روح القدس) جبرائیل: روح القدس سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں یا حظیرۃ القدس کی جماعت کو بھی روح القدس پر محمول کرتے ہیں۔

(لسان الذی یلحدون الیہ) لغۃ الذی یمیلون القول الیہ ویزعمون انہ یعلمك وہ زبان جس کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں۔ یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ فلاں شخص اللہ کے نبی کو سکھلاتا ہے اور محمد ﷺ اسے آگے قرآن بنا کر پیش کرتے ہیں۔ (اعجمی) لا یفصح ولا یتکلم بالعربیۃ، قال الکفار: انما یعلم محمداً عبد ابن الحضرمی وھو صاحب الکتاب، فقال اللہ: لسان الذی یلحدون ...... القرآن عجمی سے مراد ایسا شخص ہے جو عربی زبان کی فصاحت اور بول چال سے بے بہرہ ہو کفار کہتے تھے کہ محمد ﷺ کو عبد ابن الحضرمی جو کہ سابقہ کتب سماویہ کا عالم تھا وہ آ کر محمد ﷺ کو سکھلاتا ہے حالانکہ وہ تو عربی زبان جانتا ہی نہیں تھا پھر یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ اس کے سکھانے سے محمد ﷺ فصیح و بلیغ عربی زبان میں قرآن پاک جیسا اعلیٰ وارفع کلام پیش کر سکتے۔ اسی تناظر میں فرمایا کہ یہ لوگ اس شخص کی طرف منسوب کرتے ہیں جو کہ عجمی آدمی ہے۔ (من بعد ما فتنوا) ای عذبوا: بعد اس کے کہ ان کو عذاب میں ڈالا گیا۔

(امۃً قانتاً) معلم الخیر مطیعاً: اس سے مراد ہے اچھائی کا معلم اطاعت گزار امت کا

معنی امام اور پیشوا بھی ہوتا ہے اور امت مذہب اور مدت کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ اس سے گروہ بھی مراد لیا جاتا ہے۔ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق بھی فرمایا ہے کہ وہ امام اور پیشوا تھے، سب سے ہٹ کر ایک طرف لگنے والے تھے۔ آپ یہودی، عیسائیوں، مشرکین اور مسلمانوں سب کے پیشوا تھے اور جدالانبیاء تسلیم کیے جاتے ہیں۔ یہ فضیلت تو ان کو دنیا میں ہی حاصل ہے کہ انکا ذکر جمیل ہر وقت ہوتا رہتا ہے جبکہ آخرت میں تو ان کے درجات بہت ہی بلند ہیں۔

(واتیناه فی الدنیا حسنة) یعنی الذکر والثناء الحسن فی الناس: ہم نے ان کو دنیا میں ہی بھلائی عطا فرمائی ہے یعنی اس دنیا میں ہی تمام مذاہب وملل والے ان کو ذکر خیر سے یاد کرتے ہیں اور ان کی تعریف کرتے ہیں۔

---

(۱۷) (سورة بنی اسرائیل)

(ص۸۹ تا ۹۱)

اب سورۃ بنی اسرائیل میں مشکل الفاظ کے معانی بیان ہورہے ہیں۔ گزشتہ سورۃ النحل میں اسلام کے عالمی پروگرام کا ذکر تھا جو اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کی آیت : ۹۰ میں بیان کیا ہے یعنی اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ...... القرآن باقی ساری چیزیں، احکام، مسائل، فضائل وغیرہ ضمنی چیزیں ہیں۔

اس کے بعد سورۃ بنی اسرائیل ہے جو کہ اپنے دور کی ایک عظیم قوم بنی اسرائیل کے نام پر ہے۔ سورۃ بقرہ، سورۃ آلِ عمران، سورۃ یونس، سورۃ ھود، سورۃ یوسف وغیرہ کی طرح یہ سورۃ بھی قوم بنی اسرائیل کے نام پر موسوم ہے۔ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے۔ جس کا معنی ''اللہ کا بندہ'' ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے اور جد الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے اور ان کی آگے اولاد دنیا میں خوب پھیلی۔ یہ سب بنی اسرائیل کہلاتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ہاجرہ کے بطن سے تھے جن کو

اللہ کے نبی نے حکمِ الٰہی کے مطابق مکہ کی بے آب و گیاہ سرزمین میں لا کر چھوڑ دیا تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بھی آگے بارہ بیٹے ہوئے اور ان کی اولاد بھی دنیا میں خوب پھیلی۔ اب دنیا کی ساری آبادی انہی دو پیغمبروں کی اولاد ہے۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو ان کی اولاد میں سے نہیں ہیں۔ غرضیکہ مشرق، مغرب، شمال، جنوب دنیا کے گوشے گوشے میں انہی کی اولاد آباد ہے۔

اس سورۃ بنی اسرائیل میں اسی قوم کا حال مذکور ہے۔ اس کے علاوہ اس سورۃ میں واقعہ معراج دو مقامات یعنی آیت ۱ اور آیت نمبر ۶۰ میں اجمالاً بیان ہوا ہے، جبکہ اس واقعہ کی تفصیلات احادیث میں مذکور ہیں۔ واقعہ معراج کا تیسری مرتبہ ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ النجم کے آغاز میں کیا ہے جس میں اوپر کے حالات کی کافی تفسیر بیان کی گئی ہے۔

اس سورۃ مبارکہ میں اسلامی ریاست کا منشور (MANIFESTO) اس کی ۲۲ تا چالیس آیات میں بیان کیا گیا ہے جس کا آغاز وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ سے ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جہاں اسلامی حکومت قائم ہوگی وہ انہی اصولوں پر عمل پیرا ہوگی۔ ہر حکومت اپنا منشور پیش کرتی ہے۔ چونکہ اسلامی حکومت کے قیام کا وقت قریب آ گیا تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں اس کے خدوخال بھی بیان کر دیے ہیں۔

(سبحان الذی) براءۃ لہٗ من السوء: پاک ہے وہ ذات ہر قسم کی برائی سے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہر قسم کی برائی، نقص، عیب یا کمزوری سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے واقعہ معراج کا ذکر اس لفظ سے کیا ہے تاکہ اس واقعہ میں اگر کسی کو کوئی شبہ ہو تو اسے جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات جس نے اپنے بندے کو معراج کرایا ہے، وہ تو ہر نقص اور عیب سے پاک ہے۔ وہ قادرِ مطلق ان اللہ علی کل شیء قدیر ہے، اپنے نبی کو معراج اس نے کرایا ہے۔ لہٰذا کسی کو اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔

(اسرٰی بعبدہٖ) سری بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم، اشارۃ الی قصۃ المعراج اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور پھر اس سے آگے اوپر آسمانوں کی طرف۔ یہ واقعہ معراج کی طرف اشارہ ہے۔ (انہ کان عبدًا شکورًا) وہ اللہ تعالیٰ کے شکرگزار بندے تھے۔ یہ حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے۔ عن سلمان کان نوح علیہ

السلام اذا اطعم طعامًا ولبس ثوبًا حمدالله فسمی عبدًا شکورًا سلمان سے روایت ہے کہ جب نوح علیہ السلام کھانا کھاتے اور لباس پہنتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انہیں عبداشکورا کے نام سے موسوم کیا۔ حضور خاتم النبیین علیہ السلام نے بھی امت کو یہی تعلیم دی ہے کہ جب کھانا کھاؤ یا کپڑا پہنو تو ان الفاظ کے ساتھ اللہ کی حمد بیان کرو۔ الحمدلله الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین۔ غرضیکہ حضرت نوح علیہ السلام اللہ کے شکر گزار بندے تھے۔ انہوں نے نوسو پچاس برس تک لوگوں کو دین حق کی تبلیغ کی مگر بہت تھوڑے لوگ ایمان لائے وہی جو ان کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے۔ باقی ساری قوم بمعہ ان کی بیوی اور بیٹے کے طوفان میں غرق ہوگئی۔

(وقضینا الی بنی اسرائیل) اوحینا الیهم واعلمناهم: ہم نے فیصلہ کیا بنی اسرائیل کی طرف یعنی ہم نے بنی اسرائیل کی طرف وحی کی اور انہیں بواسطہ انبیاء بتلا دیا تھا۔ (ولتعلن) لتبغن: اور تم سرکشی اور بغاوت کرو گے، غرور وتکبر میں مبتلا ہو گے۔ (وعداولاهما) یعنی اولی الفساد: پہلے وعدے یعنی سرکشی اور فساد والے وعدے کا وقت۔ (عبادًا لنا) یعنی جالوت وقومه: ہمارے بندے۔ ان سے مراد جالوت اور اس کی قوم ہے جو بڑے سخت لڑنے والے لوگ تھے جن کے ذریعے ہم تمہیں سزا دینا چاہتے تھے۔ (فجاسوا خلال الدیار) فمشوا وترددوا وسط منازلهم: پھر وہ ان کے شہروں کے درمیان گھس گئے۔ گویا ان کے شہروں میں پھرنے لگے اور بخت نصر جیسے ظالم بادشاہ کی فوجوں نے بنی اسرائیل کے شہروں کو روند ڈالا اور ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

(ثم رددنا لکم الکرة علیهم) رددنا الدولة لکم علیهم بقتل جالوت: پھر ہم نے تمہاری باری ان پر لوٹا دی یعنی تمہیں تمہاری حکومتیں لوٹا دیں جالوت کے قتل ہونے کے سبب۔ اسی طرح تمہاری قومی زندگی پھر بحال ہوگئی۔ (اکثر نفیرًا) اکثر عددًا من عددکم: تمہاری تعداد بھی پہلے سے زیادہ ہوگئی اللہ تعالیٰ نے کہا اے بنی اسرائیل! تم پر ایک دفعہ پھر احسان فرمایا اور تمہارے تمام نقصانات کو پورا کر دیا۔ (ولیتبروا) ولیدمروا ویخربوا ماغلبوا علیه: تاکہ وہ ملیا میٹ کر دیں۔ اور تباہ و برباد اور خراب کر دیں جس پر وہ غلبہ پائیں۔ (حصیرًا) سجنًا ومحبسًا گھیرنے والا یعنی جیل اور قید خانہ (عجولاً) یعجل بالدعاء فی الشر عجلة بالدعاء فی

الــخيــر : اللہ نے انسان کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ جلد باز ہے کہ جس طرح بھلائی طلب کرنے میں انسان جلد بازی کرتے ہیں۔اسی طرح برائی مانگنے میں بھی جلد بازی سے کام لیتے ہیں۔

(مبصرة) مضيئة يصبر فيها: روشن یعنی ایسی روشنی جس میں انسان کام کاج کر کے روزی کما سکے۔ (فصلناه) بيناه: ہم نے اس کو اچھی طرح بیان کر دیا ہے۔ (امرنا مترفيها) امرنا هم على لسان رسول بالطاعة، وعنى بالمترفين الجبارين والمسلطين: ہم خوشحال لوگوں کو ان کے نبی کی زبان پر اطاعت کا حکم دیتے ہیں۔اور ایسے لوگوں پر ہم نے جبار لوگوں کو ان پر مسلط کر دیا۔ وقيل: سلطانًا شرارها: اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان پر شرار یعنی برے لوگوں کو مسلط کر دیا، اسی لئے وہ مسلط کہلائے۔ (فحق) وجب: پس ثابت ہوگئی بات۔ (القول) العذاب: یعنی ان پر عذاب والی بات ثابت ہوگئی۔ (فدمرناها) اهلكناها: پس ہم نے ان کو تہس نہس یعنی ہلاک کر دیا۔ (العاجلة) الدنيا: جلدی، اس سے مراد دنیا ہے۔ (وسعى لها سعيها) عمل بفرائض الله: اور اس کے لئے کماحقہ کوشش کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ فرائض پر عمل کرتا ہے۔

(من عطاء ربك) يعني الدنيا، وهي مقسومة بين البر والفاجر: تیرے رب کی بخشش سے اور اس سے مراد دنیا کا مال ومتاع ہے جو ہر نیک وبد میں منقسم ہے۔ (محظورًا) ممنوعًا في الدنيا من المؤمنين والكافرين: روکا ہوا، یعنی دنیا میں ہر نیک وبد سے روکی ہوئی یا ہر کافر اور مومن سے تیری بخشش روکی ہوئی نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہر وقت جاری ہے اور سب کو ملتی رہتی ہے۔

(وقضى) امر: فیصلہ کیا ہے یعنی حکم دیا ہے۔یہاں سے اسلامی ریاست کے منشور کے پندرہ اصول شروع ہوتے ہیں۔ (ولا تقل لهما اف) يعني رديًا من الكلام ولا تستثقل شيئًا من امرها: اور اپنے والدین کو اف تک بھی نہ کہو۔اف کا معنی ''ہوں'' ہوتا ہے۔یعنی کوئی ایسی فضول بات نہ کرو جو تمہارے والدین کے لئے ناپسندیدہ ہو یعنی ثقیل ہو۔

(واخفض) الن جانبك: پست کرو اپنے پہلو کو۔ (للاوابين) الراجعين من المعاصي: معاصی یعنی گناہوں کو ترک کر کے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے اوابین کہلاتے

ہیں۔ (ولا تبذر) لا تنفق فی الباطل :فضول خرچی نہ کرو۔یعنی مال کو باطل اشیاءلہوولعب، کھیل تماشےاورحرام امورمیں خرچ نہ کرو۔ (ابتغاء رحمة) انتظار رزق : اللہ کی رحمت یعنی روزی تلاش کرتے ہوئے۔ (میسورًا) لینًا سھلاً :نرمی اورآسان۔ (ملومًا) تلوم نفسك وتلام: ملامت کیا ہوا۔تو اپنے نفس کوملامت کرے گا۔اوردوسرے بھی ملامت کریں گے۔

(محسورًا) لیس عندك شیٔ حسرت الرجل بالمسئلة اذا افنیت جمع ماعنده: خالی ہاتھ، جب کسی شخص کے ہاں سے سارا مال ختم ہوجائے تو وہ خالی ہاتھ ہوجاتا ہے۔ایسے شخص کومحسوراً کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ (خشیة املاق) مخافة الفقر :فقروتنگدستی کے ڈر سے، (اپنی اولادوں کوقتل نہ کرو)۔ (خطًا) اثمًا :گناہ،معصیت۔ (لولیه) لوارثه: اس کے ولی یعنی وارث کے لئے۔ (احسن تاویلاً) عاقبة :اچھاانجام۔ (ولا تقف) ولا تقل فی شیٔ بما لا تعلم: نہ پیچھے لگو۔یعنی جس چیز کوتم نہیں جانتے اس کے متعلق کچھ نہ کہو۔ (مرحًا) بالکبر والفخر: غروروتکبر کے ساتھ اتراتے ہوئے۔ (لن تخرق الارض) لن تشقھا :تم زمین کونہیں پھاڑ سکتے۔

(افاصفاکم) ای آثرکم واخلص لکم: کیا اللہ نے تمہیں منتخب کیا ہے،ترجیح دی ہے یا خالص بنایا ہےاس چیز کے لئے جس کوتم پسند کرتے ہو۔ (صرفنا) وجھنا وبینا :ہم نے پھیردیا ہےاپنا رخ اورہم نے دھیان کیا ہے۔ (من کل مثل) یوجب الاعتبار به والتفکر فیه: ہرقسم کی مثال سے جس کے ذریعے عبرت اورغوروفکر کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ (حجابًا مستورًا) ایسا حجاب جس کورکاوٹ بنادیا گیا ہو۔ (واذ ھم نجوی) مصدر من ناجیت فوصفھم بھا، والمعنی: یتناجون بالتکذیب والاستھزاء: جبکہ وہ الگ سرگوشی کرتے ہیں۔یہ ناجیت کا مصدر ہے، میں نے سرگوشی کی ان دونوں چیزوں کے ساتھ اورمعنی یہ ہے کہ وہ جھوٹی تدبیراورٹھٹھہ کرتے ہیں۔

(فسینغضون الیك رؤسھم) وہ اپنے سروں کوآپ کی طرف ہلاتے ہیں۔

(یحرکونھا تکذیبًا واستھزاء بھٰذا القول: یہ کہ وہ اپنے سروں کوتکذیب اوراستہزاء کی بناپر حرکت دیتے ہیں۔ وقیل :یھزؤن : بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ استہزاء یعنی ٹھٹھا کرتے ہیں۔ (فتستجیبون بحمده) تجیبون بحمدہٖ حین لا ینفعکم الحمد: جب اللہ تعالیٰ

تمہیں پکارے گا تو تم اس کی دعوت کا جواب اس کی حمد کرتے ہوئے دو گے۔ مگر اس دن تمہارا حمد الٰہی کے ساتھ جواب دینا کسی کام نہ آئے گا۔ (ینزغ) یفسد: بگاڑ دیتا ہے۔ (ولا تحویلاً) من السقم والفقر الی الصحة والغنی: بیماری تنگدستی، صحت اور غنا کی طرف تبدیل کرنے پر قادر نہیں ہیں۔

(اولٓئك الذین یدعون) کان ناس من الانس یعبدون ناسًا من الجن فاسلم الجن فتمسك ھؤلاء بدینھم: یہ وہ لوگ ہیں جو پکارتے ہیں۔ کچھ لوگ انسانوں میں سے جنوں کی طرف کوشش کرتے ہیں۔ وہ تو مسلمان ہو گئے مگر انسان انہی کی پوجا میں لگے رہے۔ اللہ نے ان کا یہاں رد کیا ہے۔ (الیھم اقرب) ھو اقرب الی رحمة اللہ: کون ان میں سے زیادہ قریب ہے اللہ کی رحمت کی طرف۔ (وما جعلنا الرؤیا التی ارینك) قال ابن عباس: ھی رؤیا عین اریھا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لیلة اسری به: اس سورۃ مبارکہ میں معراج سے متعلق یہ دوسری آیت ہے۔ رؤیا سے مراد تو خواب ہوتا ہے، مگر واقعہ معراج خواب نہیں بلکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یہ آنکھ کا دکھاوا تھا۔ جو حضور علیہ السلام کو دکھایا گیا۔ یہاں پر رؤیا سے مراد آنکھ کا دکھاوا ہے نہ کہ خواب کا دکھاوا۔ واقعہ معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جسم اور انہی آنکھوں کے ساتھ پیش آیا تھا۔

(والشجرة الملعونة) وھی الزقوم: لعنتی درخت اور وہ تھوہر کا درخت ہے جو کہ اہلِ جہنم کو کھانے کے لئے دیا جائے گا۔ تھوہر سخت کڑوا بدبودار اور بے فیض چیز ہے۔ (لاحتنکن ذریته) لاستاصلنھم بالاغواء ولا ستولین علیھم: شیطان نے قسم اٹھائی تھی کہ میں اولاد آدم کو لگام ڈالوں گا، ان کو گمراہ کروں گا اور ان پر چھا جاؤں گا۔ (واستفزز) ازعجه واستخفه: بے شک تو مجبور ہو کر انہیں خسیس العقل بنا لے جس کو تو چاہتا ہے۔ اللہ نے شیطان کو کھلی اجازت دی تھی۔ (بصوتك) وھو الغناء والمزامیر: اپنی آواز کے ساتھ یعنی آلات موسیقی کے ذریعے بھی اگر تو لوگوں کو گمراہ کر سکتا ہے تو کر لے۔

(واجلب علیھم) وصح: اور ان پر کھینچ کر لے آؤ۔ (بخیلك ورجلك)

بالفرسان والماشی علی رجلیه: اپنے سوار اور پیدل فوجیوں کو۔ (یزجی) یجری ویسیر: تمہارا پروردگار وہ ہے جو چلاتا ہے تمہارے لئے کشتیوں کو سمندر میں۔ (حاصبًا) ھو الریح العاصف: سخت اور تند و تیز ہوا۔ (قاصفًا من الریح) ریحًا شدیدۃ تقصف الفلك وتكسرہ: توڑنے والی ہوا یعنی ایسی سخت ہوا جو کشتیوں کو الٹ پلٹ کر کے توڑ پھوڑ دیتی ہے۔ (تبیعًا) ثائرًا وناصرًا: پیچھے آنے والا یعنی حامی و مددگار۔ (فتیلًا) وھو القشرۃ التی فی شق النواۃ: چھلکا جو گٹھلی کے درمیان ہوتا ہے۔ (واضل سبیلًا) ابعد حجۃ: راستے اور دلیل کے اعتبار سے گمراہ۔ (لیفتنونك) یستزلونك: تاکہ تم کو فتنے میں ڈال دیں (ضعف الحیاۃ وضعف الممات) عذاب الدنیا وعذاب الآخرۃ: دنیا کی زندگی میں بھی دگنی سزا اور آخرت میں بھی دگنی سزا۔ (لیستفزونك) لیزعجونك: آپ کے قدم اکھاڑتے ہیں۔ (واذا لا یلبثون خلافك) لم یلبثوا حتی یستاصلوا خلفك: وہ بھی آپ کے پیچھے نہیں ٹھہریں گے یہاں تک کہ آپ کے پیچھے ان کا بھی استیصال کر دیا جائے گا۔ مکے والوں نے پیغمبر کو شہر بدر کیا تو صرف ڈیڑھ سال کے عرصہ میں ان کو بھی تباہ و برباد کر دیا گیا۔ (لدلوك الشمس) من وقت زوالھا: سورج کے زوال یعنی ڈھلنے کے وقت۔ (الی غسق اللیل) اقبالہ بظلامہ: رات کی تاریکی چھا جانے تک۔ (وقرآن الفجر) صلوٰۃ الفجر: صبح کی نماز میں قرآن کی تلاوت۔ (مشھودا) تشھدہ ملائکۃ اللیل وملائکۃ النھار: حاضری کا وقت جبکہ فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ فجر اور عصر کی نماز کے وقت فرشتوں کی ڈیوٹیاں تبدیل ہوتی ہیں جس کو ان کی حاضری سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(نافلۃ) زیادۃ: زائد عبادت: حضور علیہ السلام کے لئے تہجد کی نماز فرض نمازوں کے علاوہ ایک زائد نماز تھی۔ (مقامًا محمودًا) یقیمك ربك فی مقام محمود، وھو مقام الشفاعۃ یوم القیامۃ: مقام محمود سے مراد وہ مقام ہے جہاں پر قیامت کے روز حضور علیہ السلام کھڑے ہو کر اللہ کے سامنے شفاعت کبریٰ اور شفاعت صغریٰ کریں گے۔ (وزھق الباطل) اضمحل الشرك: باطل کو مٹا دیا گیا یعنی شرک مضمحل ہو گیا۔ (زھوقًا) زائلًا: زائل ہونے والا، ہلاک یا ختم ہونے والا یعنی یزھق یھلك وقیل ذاھبًا: بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد جانے والا ہے یعنی باطل جانے ہی

والا ہے۔ (یؤسًا) قنوطًا ییئس من رحمة الله: اللہ کی رحمت سے مایوس۔ (علی شاکلته) علی مذهبه و طریقه، وقیل ناحیة: اپنے ڈھب پر یعنی اپنے مذہب اور طریقے کے مطابق۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی اپنی طرف یا اپنی جگہ پر کام کرنا ہے۔

(قل الروح من امر ربی) ای من علم ربی: آپ کہہ دیں کہ روح میرے رب کے حکم یعنی اس کے علم سے ہے۔ قالت الیهود: یا اباالقاسم حدثنا عن الروح؟ فنزلت: یہودیوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا تھا۔ اے ابو القاسم ہمیں روح کے بارے میں آگاہ کریں۔ تو اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی (کسفًا) قطعا: ٹکڑے ٹکڑے۔ (قبیلًا) عیانًا: سامنے۔ (خبت) طفئت: مٹ جانا۔ (ورفاتًا) عبارًا: گرد وغبار۔

(قتورًا) مقترًا بخیلًا: بخیل، کنجوس۔ (مثبورًا) ملعونًا: وقیل: محبوسًا عن الخیر: ملعون۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے بھلائی سے روکا ہوا۔ (فرقناه) فصلناه: ہم نے اسکو جدا جدا کر دیا یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا۔ (یخرون للاذقان) للوجوه: اللہ کے بندے ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں یعنی چہروں کے بل سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ (ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها) اطلب بین الجهر والاعلان وبین التخافت والخفض طریقًا لا جهرًا شدیدًا ولا خفضا لا تسمع اذنیك اور نماز کے دوران آپ اپنی آواز نہ تو بلند کریں اور نہ بہت پوشیدہ کریں بلکہ جہر اور تخویف کا درمیانی راستہ اختیار کریں۔ نہ تو آواز کو بہت اونچا کریں اور نہ بالکل پست کہ خود آپ کے کان بھی نہ سن سکیں۔ کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا رفع صوته بالقرآن سبه المشرکون ومن انزله ومن جاء به: حضور نبی کریم ﷺ قرآن پڑھتے وقت آواز کو بلند کرتے تو مشرک آپ کو گالیاں دیتے، اور اس کو بھی جس نے قرآن کو نازل کیا ہے اور جو اس کو لے کر آیا ہے یعنی جبریل امین۔ فانزل الله :ولا تجهر...... القرآن اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها وابتغ بین ذلك سبیلًا۝"

(ولی من الذل) لم یحالف احدًا: کمزوری میں کارساز۔ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنا حلیف نہیں بناتا جو کمزوری کے وقت اس کی مدد کر سکے۔ بلکہ وہ ہر کام اپنی مرضی سے اپنی حکمت کے مطابق

انجام دیتا ہے اور اسے کوئی روکنے ٹوکنے والا بھی نہیں ہے۔

(۱۸) (سورۃ الکھف)

(ص۹۱ تا ص۹۲)

سورۃ الکھف گزشتہ سورۃ بنی اسرائیل کے ساتھ ہی مربوط ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ مشرکین مکہ نے یہودیوں کے ایما پر حضور نبی کریم ﷺ سے تین سوال کیے تھے۔ ان میں سے ایک سوال روح کے متعلق تھا، دوسرا اصحابِ کہف کے بارے میں اور تیسرا سوال ذوالقرنین کے متعلق کیا گیا تھا۔ منکرین کا خیال تھا کہ محمد ﷺ ان سوالوں کے ٹھیک ٹھیک جوابات نہیں دے سکیں گے تو ان کے اور اسلام کے خلاف پراپیگنڈہ کرنے کا مزید موقع حاصل ہو جائے گا۔

روح کا جواب تو گزشتہ سورۃ بنی اسرائیل میں آ گیا ہے۔ دوسرے اور تیسرے سوال کا جواب اللہ نے اس سورۃ مبارکہ میں دے دیا ہے۔ اصحابِ کہف کا واقعہ سینکڑوں سال پہلے پیش آ چکا تھا اور اس کے متعلق صحیح صحیح معلومات کسی کے پاس بھی نہیں تھیں، لہٰذا ان کے متعلق وحی الٰہی کے بغیر ٹھیک معلومات کا حاصل ہونا ممکن نہیں تھا۔ تیسرا سوال ذوالقرنین کے متعلق تھا۔ تاریخ میں ایک نام تو سکندرِ اعظم مقدونی کا ملتا ہے جو کہ یونان کا مشرک بادشاہ تھا۔ مگر سوال اس شخص کے متعلق نہیں تھا بلکہ سکندر ذوالقرنین کے متعلق تھا جو کہ ایک مومن بادشاہ گزرا ہے اور جس نے دنیا کے تین اطراف یعنی مشرق، مغرب اور شمال پر قبضہ کر لیا تھا۔ چنانچہ اس سورۃ مبارکہ میں ذوالقرنین کی تینوں اطراف کی فتوحات کا ذکر موجود ہے۔

اس سورۃ اور اگلی سورۃ مریم کا ایک اہم موضوع عیسائیوں کے باطل عقائد کا رد ہے۔ مسلمانوں کا ان کے غلط عقائد سے آگاہ ہونا ضروری ہے کیونکہ اہلِ ایمان کو ان عیسائیوں کے ساتھ قیامت تک واسطہ پڑتا رہے گا۔ موجودہ دور میں بھی پوری دنیا کی پانچ چھ ارب کی آبادی میں نصاریٰ کی تعداد کم وبیش تین ارب ہے۔ اس وقت مسلمان ایک ارب سے کچھ زیادہ ہیں۔ چینیوں کی آبادی بھی ایک ارب کے لگ بھگ ہے۔ ہندوستان کی آبادی بھی ایک ارب ہو چکی ہے، تاہم وہاں پر مختلف قومیں

آباد ہیں۔غرضیکہ اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ تعداد عیسائیوں کی ہے۔ یہ لوگ برطانیہ، فرانس، امریکہ، روس، جرمنی غرضیکہ مشرق ومغرب میں ہر خطہ ارضی میں موجود ہیں۔اور دنیا میں عیسائیوں کی سب سے زیادہ تعداد کا ہونا علاماتِ قیامت میں سے ہے۔ یہودی تو دنیا میں ایک کروڑ بھی نہیں ہیں تاہم یہ ملعون اور سازشی لوگ ہیں جو چکر چلانے کے بڑے ماہر ہیں۔ پوری دنیا کی دولت پر یہودی چھائے ہوئے ہیں۔ دنیا بھر میں مشروبات کی صنعت کوکا کولا وغیرہ یہودیوں کے سرمایہ سے چل رہی ہے۔آپ یہ جو (بعض) جوس پیتے ہیں، یہ صنعت یہودیوں اور مرزائیوں کے مشترکہ سرمایہ کی مرہونِ منت ہے۔ یہودی لوگ عالمی بنک اور دیگر عالمی مالیاتی اداروں پر قابض ہیں جو پس ماندہ ممالک کو قرضوں کے جال میں پھنسا کر ان سے سود وصول کر کے کھاتے رہتے ہیں۔ پاکستان اور دیگر پس ماندہ مسلمان ریاستوں کے مسلمان بھی اس سودی لعنت میں گرفتار ہیں۔

چونکہ مسلمانوں کو عیسائیوں کے ساتھ قیامت تک واسطہ پڑنا تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو عیسائیوں کی خرابیوں اوران کے باطل عقائد سے آگاہ کر دیا ہے۔حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ مشرک لوگ یا تو ختم ہوگئے یا پھر ان میں سے بہت سے مسلمان ہوگئے۔ باقی اقوام کا حال بھی ایسا ہی ہے۔تاہم فرمایا کہ عیسائیوں کی بہت بڑی تعداد قیامت تک دنیا کے تختے پر موجود رہے گی۔ مسلمان ان کا مقابلہ کرتے رہیں گے۔کبھی مسلمان غالب ہوں گے اور کبھی عیسائیوں کو غلبہ حاصل ہوگا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ظہورِ اسلام کے بعد پہلے پانچ یا چھ صدیوں تک دنیا میں مسلمانوں کو غلبہ حاصل رہا اور عیسائی دبے رہے۔اب پھر گزشتہ کئی صدیوں سے دنیا بھر میں عیسائیوں کو غلبہ حاصل ہے۔فوجی، سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے عیسائی پوری دنیا پر چھائے ہوئے ہیں۔ قیامت کے قریبی زمانہ میں مسلمانوں پر سب سے زیادہ مظالم عیسائیوں کی وجہ سے ہوں گے۔ برصغیر میں ان کی تعداد بہت کم ہے، مگر اس کے باوجود انہوں نے آپ کو نکیل ڈال رکھی ہے۔ جب چاہتے ہیں آپ کا کام بند کرا دیتے ہیں اور اپنی پالیسی پر عمل کرواتے ہیں۔اتوار کی چھٹی بھی انہوں نے ہی بحال کرائی ہے۔الغرض! سورۃ الکھف میں اصحاب کہف کا ذکر ہے اور ضمناً مسئلہ توحید بیان ہوا ہے۔اس کے علاوہ عیسائیوں کی سازشوں سے پیدا ہونے والے خطرات کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے۔ اور ان کے باطل عقائد کا رد کیا گیا ہے۔ شاہ

صاحب رحمہ اللہ نے اس سورۃ کے مندرجہ ذیل مشکل الفاظ کا انتخاب کر کے ان کا سلف صالحین سے منقول صحیح صحیح معنی بیان کر دیا ہے۔

(عوجًا) التباسًا و اختلافًا: کجی، التباس یا اختلاف۔ ان میں سے کوئی چیز بھی قرآن میں نہیں پائی جاتی۔ **(قیمًا) عدلاً:** بلکہ یہ تو مضبوط، محکم اور انصاف پر مبنی کتاب ہے۔ **(باخع) مهلك:** ہلاک کرنے والا۔ **(اسفًا) ندمًا:** افسوس کرتے ہوئے، ندامت کا اظہار کرتے ہوئے۔ **(الكهف) الفتح في الجبل:** پہاڑ میں کھلی جگہ یعنی غار۔ **(الرقيم) الكتاب۔ وقيل: اللوح من رصاص:** رقیم کا معنی لکھی ہوئی چیز ہے رقیم جگہ کا نام بھی ہے جہاں کے اصحاب کہف رہنے والے تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد سیسے کی تختی ہے۔ **كتب عاملهم اسماء هم ثم طرحه في خزانة:** جس پر اصحاب کہف کے لواحقین نے ان کے نام لکھ کر سرکاری خزانے میں جمع کرادی تھی۔

اصحاب کہف چند ایماندار نوجوان تھے جن کو کافر لوگ دین حق سے پھیرنا چاہتے تھے۔ جب انہوں نے صحیح دین کو چھوڑنے سے انکار کر دیا تو کافر لوگ ان کی جان کے درپے ہو گئے۔ وہ جان بچانے کے لئے کسی پہاڑ کی غار میں جا چھپے وہ نوجوان بڑے خاندانوں کے لوگ تھے۔ جب ان کے لواحقین ان کو تلاش کرنے میں ناکام ہو گئے تو انہوں نے ان کے نام ایک تختی پر لکھ کر سرکاری خزانے میں جمع کرادی۔

اصحاب کہف تین سو نو سال تک غار میں سوئے رہے مگر کسی کو ان کی خبر نہ ہوئی۔ پھر جب تک اللہ کو منظور تھا وہ سوئے رہے اور اس کے بعد اللہ نے ان کو نیند سے بیدار کیا اور وہ غار سے باہر آئے، اس وقت کئی بادشاہیاں بدل ہو چکی تھیں اور پھر اتنے لمبے عرصہ کے بعد ان کی زندگی کو کوئی خطرہ نہیں رہا تھا۔ پھر جب تک اللہ کی حکمت تھی وہ لوگ دنیا میں زندہ رہے اور پھر اپنی طبعی موت مر گئے۔ اللہ رب العزت نے اصحاب کہف کی زندگی کا ضروری سامان غار کے اندر ہی کر دیا تھا، وہ گرمی سردی سے بچتے رہے اور سانس لینے کے لئے ہوا کی آمد و رفت بھی جاری رہی، ان کی کروٹیں بدلنے کا بھی اللہ نے مناسب انتظام کر دیا تھا حضرت عزیر علیہ السلام کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ اللہ نے ان کو ویران آبادی میں سو سال تک سلائے رکھا اور جب وہ بیدار ہوئے تو شہر دوبارہ آباد ہو چکا تھا مگر اس عرصہ میں کسی کو وہاں

پہنچنے نہیں دیا۔

اصحابِ کہف کے واقع سے منکرین کو یقین دلانا مقصود تھا کہ وقوعِ قیامت برحق ہے۔ اللہ تعالیٰ مردوں کو پھر سے زندہ کرنے پر قادر ہے۔ جس طرح اصحابِ کہف کو تین سو نو سال کے بعد دوبارہ زندہ کر دیا اسی طرح قیامت کو بھی تمام لوگ دوبارہ زندہ ہو کر اللہ کی عدالت میں پیش ہوں گے۔ سب کا حساب کتاب ہوگا اور ان کے لئے جزا یا سزا کے فیصلے ہوں گے۔ بہر حال یہ یہودیوں اور مشرکین کے سوال کے جواب میں اللہ نے اصحابِ کہف کا واقع بیان کیا ہے۔

(فضربنا علی آذانهم) فضرب الله علی آذانهم فناموا: اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کے کانوں پر تھپکی دی تو وہ سینکڑوں سال لمبی نیند میں سو گئے۔ **(ثم بعثناهم) احییناهم:** پھر ہم نے انہیں گہری نیند سے اٹھایا گویا دوبارہ زندہ کیا۔ **(امدًا) غایة:** مدت۔ **(ربطنا علی قلوبهم) الهمناهم صبرًا:** ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا یعنی ان کو صبر کا الہام کیا۔ **(شططًا) افراطًا:** زیادتی۔ یہ لوگ خدا تعالیٰ کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں۔ **(مرفقًا) کل ما ارتفقت به:** ہر فائدہ اٹھانے والی چیز۔ **(تزاور) تمیل:** مائل ہو جاتا ہے۔ یہ سورج کی دھوپ کے متعلق کہا گیا ہے۔ کہ اصحابِ کہف غار میں ایک کھلی جگہ پر پڑے ہوئے تھے۔ اور طلوع وغروب کے وقت سورج اس طریقے سے غار سے کترا کر دائیں اور بائیں طرف نکل جاتا کہ غار میں مقیم اصحابِ کہف کے لئے حسب ضرورت تھوڑی بہت دھوپ اندر پہنچتی اور پھر سورج دوسری طرف مائل ہو جاتا۔ اس طرح روشنی اور ہوا تو غار میں پہنچ رہی تھی مگر غار کے مکینوں کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی تھی۔ **(تقرضهم) تقطعهم:** کترا جاتا ہے کاٹ کر نکل جاتا تھا۔

(فجوة) متسع: کشادہ جگہ۔ **(بالوصید) بالفناء:** غار کی چوکھٹ۔ **(ازکی) اکثر:** پاکیزہ کھانا۔ **(ولا تعد عیناك عنهم) لا تتعدهم الی غیرهم:** آپ مساکین سے اپنی آنکھوں کو ادھر یا ادھر نہ ہٹائیں، اور انہیں اغیار کی طرف نہ سونپیں۔ **(فرطًا) ندمًا:** زیادتی۔ **(سرادقها) مثل السرادق والحجرة التی تطیف بالفساطیط:** اس کے خیموں نے، فسطاط خیمے کو کہتے ہیں۔ **(کالمهل) عکر الزیت:** پگھلا ہوا تانبے کی طرح یا تیل کی تلچھٹ کی مانند **(ولم تظلم)** لم

تنقص: نہیں کمی کرتا تھا۔ (وکان له ثمر) ذهب وفضة: اس کے پھل سنہری اور روپہلی تھے۔ (یحاوره) یفاخره من المحاورة: وہ اپنے ساتھی سے گفتگو کرتا تھا۔ (لٰکنا هو الله ربی) لکن انا هو الله ربی: لکنا اصل میں ہے لٰکن انا لیکن میں اعتقاد رکھتا ہوں کہ اللہ ہی میرا رب ہے۔ ثم حذف الالف وادغم احدی النونین فی الاخریٰ: لکنا دراصل لکن انا تھا پھر الف کو حذف کر کے ایک نون کو دوسرے نون میں مدغم کر دیا گیا تو لکنا بن گیا ہے۔

(حسبانًا من السماء) صواعق من نار: آسمان کی طرف سے آگ نے آ کر جلا دیا۔ (زلقًا) لایثبت فیه قدم: غیر مستقل پھسلنے والی جگہ۔ (هنالك الولایة) مصدر کالتولی: یہ مصدر ہے جیسا کہ تولی بھی مصدر ہے۔ اسی سے سمجھ لو کہ سارا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ (عقبًا) عاقبة وهی الآخرة: عاقبت یعنی آخرت۔ (الباقیات الصالحات) ذکر الله: اللہ کا ذکر مراد ہے۔ (موبقًا) مهلكًا: مہلک، ہلاک کر دینے والی چیز۔ (قبلًا) عیانًا وقبلًا جمع قبیل، وقبلًا بفتحتین مستقبلًا، وقیل مقابلة سامنے جو نظر آئے۔ یہ قبیل کی جمع ہے۔ قریب تھا کہ وہ پھسلائیں یا کمزور کر دیں، (لیدحضوا) لیزیلوا، والدحض الزلق: تا کہ وہ گرا دیں اس کے ساتھ حق کو۔ (موئلًا) دهرًا طویلًا: لمبا زمانہ۔

(سربًا) مذهبًا: یسرب یسلك: جانے کی جگہ۔ (قصصًا) رجعًا یقصان آثارهما: انہی قدموں پر واپس آنا۔ (عبدًا من عبادنا) خضر علیه السلام: ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ یعنی خضر علیہ السلام (فخشینا ان یرهقهما طغیانًا وكفرًا) ان یحملهما حبه علی ان یتابعاه علی دینه ہم نے خطرہ محسوس کیا کہ وہ والدین کو سرکشی میں ڈال دے گا، یعنی بچے کی محبت والدین کو کفر پر آمادہ کر دے گی۔ لہٰذا اس بچے کو قتل کر دیا۔ (واقرب رحمًا) من الرحم: وهو اشد مبالغة من الرحمة: شفقت میں زیادہ قریب۔ رحمًا، رحمت کا زیادہ مبالغے والا صیغہ ہے۔

(کان تحته کنز لهما) ذهب وفضة: دیوار کے نیچے بچوں کے لئے سونے چاندی کا خزانہ تھا۔ (من كل شئ سببًا) علمًا: ہر چیز کا سبب یعنی علم دیا۔ (عین حمئة) حارة: گرم پانی کا چشمہ۔ (الصدفین) الجبلین: دو پہاڑوں کے درمیان۔ (فما استطاعوا ان یظهروه) یعلوه:

اور نہ طاقت رکھی انہوں نے کہ وہ اس کے اوپر چڑھ جائیں۔ (**جعلہ دکا**) **زلزلہ، یقال: دکہ زلزلہ**: ہلا کرتہس نہس کردے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی زلزلہ دینا ہے۔ (**لا یستطیعون سمعًا**) **لایعقلون**: وہ سننے کی طاقت نہیں رکھیں گے یعنی بے سمجھ ہوں گے۔

(**یحسبون انھم یحسنون صنعًا**) **قال علی :منھم الحروریۃ**: وہ گمان کرتے ہیں کہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان سے مراد حروریہ یعنی خارجی فرقہ کے لوگ ہیں۔ یہ غلط کام کرتے ہیں مگر سمجھتے ہیں کہ نیکی کا کام کر رہے ہیں حالانکہ ان کا عمل اللہ کے حکم اور اس کی منشا کے خلاف ہوتا ہے۔ اور نبی کی سنت کے بھی خلاف ہوتا ہے۔ **قال سعد: لا ولکنھم اصحاب الصوامع** حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ان سے مراد کٹیوں، گرجوں، اور مندروں میں رہنے والے عبادت وریاضت کرنے والے لوگ ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے نیکی کے کام کر رہے ہیں حالانکہ وہ کفر وشرک میں مبتلا ہیں اور کفر وشرک کی موجودگی میں نیکی کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ (**والحروریۃ قوم زاغوا فازاغ اللہ قلوبھم**: حروریہ ایک قوم یا گروہ ہے جو گمراہ ہوگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا ہے۔ **قال ابی: لکن الخوارج ھم الفاسقون الذین ینقضون عھد اللہ من بعد میثاقہ**، حضرت ابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان سے مراد خارجی لوگ ہیں جو فاسق ہیں کہ جو اللہ کے عہد کو پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں۔ گویا قرآن پر ایمان کا دعویٰ ہے مگر تفسیر غلط کرتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں۔ مسلمانوں کا مال لوٹنا جائز سمجھتے ہیں۔ ان کی عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنانا درست تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم نہیں کرتے یہ سب گمراہ ہیں۔ حالانکہ چاروں خلفاء برحق ہیں۔ سب کا درجہ اور مرتبہ ایک سے لے کر چار تک ایسا ہی ہے جیسے وہ خلافت پر متمکن ہوئے۔ اس کے خلاف جو بھی فرقہ ہے وہ گمراہ، کافر یا فاسق ہے۔

(۱۹) (سورة مریم)

ص۹۲ تا ص۹۳)

سورۃ الکہف اور سورۃ مریم دونوں میں عیسائیت کا رد کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مسئلہ توحید واضح کیا گیا ہے۔ واقعہ اصحاب کہف توحید کے مسئلہ پر واضح دلیل ہے۔ حضرت مریمؑ کی پیدائش اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ طور پر غیر معمولی حالات میں ولادت آپ کی نبوت اور بچپن میں معجزات کا ظہور اور آپ کا قوم سے کلام کرنا، یہ ساری باتیں سورۃ مریم میں مذکور ہیں۔ اس سورۃ مبارکہ کے حسب ذیل مشکل الفاظ کے معانی جو صحیح اسناد کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام اور آئمہ دین سے ثابت ہیں، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائے ہیں۔

(لم نجعل له من قبل سمیًا) مثلاً: سمیًا کا معنی ہم نام ہونا۔ یعنی ہم نے اس سے پہلے یحییٰ علیہ السلام کا ہم نام نہیں بنایا۔ **(سویًا) من غیر خرس**: برابر سرابر، بالکل ٹھیک ٹھاک۔ اندازے کے برخلاف جو شکل سامنے نظر آئی۔ **(وحنانًا من لدنا) رحمة من عندنا**: ہماری طرف سے شفقت کرنے والا، گویا ہماری طرف سے خاص مہربانی۔ **(بشرًا سویًا) هو عیسی**: مکمل انسان۔ اس سے مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں یا اس سے مراد وہ فرشتہ ہے جو نہایت معتدل اور خوبصورت شکل میں خلوت کے دوران حضرت مریم کے سامنے آ گیا تھا۔ اس ضمن میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ فرشتہ حضور علیہ السلام کی شکل میں متشکل ہو کر آیا تھا کیونکہ پوری دنیا میں زیادہ معتدل اور خوبصورت جسم حضور علیہ السلام کی ذات مبارکہ کا تھا، لہٰذا اس کو بشرا سویا کا نام دیا گیا ہے یعنی نہایت معتدل اور خوبصورت انسان۔ شیخ ابن سینا رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے اعدل البشر دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے۔

(جبارًا شقیًا) عصیًا: جابر، بد بخت اور نافرمان۔ **(قالت الیهود: الستم تقرؤن: "یا اخت هارون، وقد کان بین موسی وعیسی ما کان، فأجاب رسول الله صلی الله علیه وسلم: انهم کانوا یسمون باسماء انبیائهم والصالحین قبلهم**: یہودیوں نے مسلمانوں کے سامنے یہ اعتراض کیا تھا کہ کیا تم قرآن میں مریم کے متعلق یہ نہیں پڑھتے "اے ہارون کی بہن" حالانکہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام جو کہ سگے بھائی تھے اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان ایک طویل عرصہ

حائل ہے۔ اس کے باوجود حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو حضرت ہارون کی بہن کیسے کہا گیا ہے۔ یہ اشکال حضور علیہ السلام کے سامنے بیان کیا گیا تو اس کے جواب میں حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ بلاشبہ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان چودہ سو سال کا عرصہ حائل ہے اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا اس ہارون کی بہن نہیں تھیں جو موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی اور اللہ کے نبی تھے۔ جبکہ ہارون کی بہن اس دور کے یہودیوں نے اس لئے کہا تھا کہ اس زمانے میں بھی ہارون نامی ایک شخص تھے جو حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے بھائی ہوتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی بنا پر ان لوگوں نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو ہارون کی بہن کہہ کر خطاب کیا تھا۔ اس طریقے سے یہودیوں کا اشکال حل ہو گیا۔

(**فجاء ها المخاض**) **الجاها وجع الولادة**: اور درد زہ نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو مجبور کر دیا کھجور کے ایک تنے کی طرف جانے پر (**سریًا**) **نهرًا صغيرًا**: چھوٹی نہر یعنی چشمہ۔ (**رطبًا جنيًا**) **طريًا**: پکی ہوئی تازہ کھجوریں۔ (**انتبذت**) **اعتزلت**: علیحدہ ہو گئی۔ (**شيئًا فريًا**) **عظيما**: گھڑی ہوئی اوپری چیز۔ انہوں نے کہا، مریم! تم بہت بڑا طوفان لے کر آئی ہو۔ (**اسمع بهم و ابصر**) **الكفار يومئذٍ اسمع شئ وابصر**: جس دن کافر لوگ ہمارے پاس آئیں گے تو اس دن یہ خوب سنتے اور دیکھتے ہوں گے۔ مطلب یہ ہیکہ اس دنیا میں تو کافر لوگ نہ تو صحیح بات کو سنتے ہیں اور نہ معجزات اور نشاناتِ الٰہیہ کو دیکھتے ہیں مگر قیامت والے دن ان پر ہر چیز واضح ہو جائے گی اور یہ لوگ سب کچھ سنیں گے اور دیکھیں گے اور پھر انجام کو پہنچ جائیں گے۔

(**وانذرهم يوم الحسرة**) **اذا نودی: يا اهل الجنة خلود ولا موت ويا اهل النار خلود ولا موت**: آپ ان منکرین کو حسرت والے دن سے ڈرا دیں اور وہ قیامت کا دن ہوگا جب اللہ رب العزت کی طرف سے اعلان ہوگا کہ اے جنت والو! تم یہاں ہمیشہ رہو گے اور اب موت نہیں آئے گی اور دوزخ والوں سے بھی کہا جائے گا کہ تمہیں یہاں ہمیشہ رہنا ہے اور اب کبھی موت بھی نہیں آئے گی۔ (**لأرجمنك**) **لأشتمنك**: میں تمہیں سنگسار کردوں گا یا برا بھلا کہوں گا (**لسان صدق عليًا**) **ثناء حسنًا**: اچھی زبان یعنی اچھی تعریف۔

ابراہیم علیہ السلام کو ان کی زندگی میں بھی عزت حاصل ہوئی اور بعد والے بھی ان کو ہمیشہ اچھائی

کے ساتھ ہی یاد کرتے ہیں۔ وہ جدالانبیاء ہیں اور یہودی، عیسائی اور مسلمان سبھی ان کے لئے اور ان کی اولاد کے لئے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں۔ جیسا کہ آپ ہر نماز میں پڑھتے ہیں کہ اے اللہ رحمت بھیج حضرت محمد ﷺ پر **کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم** اسی طرح آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ مولا کریم! تو برکت نازل فرما حضور علیہ السلام پر **کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انك حمید مجید** غرضیکہ یہ ثنائے جمیل، ذکر جمیل، شہرت اور مہربانی خاص طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی اولاد کو عطا فرمائی ہے۔ قوم تو ان کو برداشت نہ کر سکی مگر اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہمیشہ ان کے شامل رہی۔

(واھجرنی) وجنبنی: مجھ سے علیحدہ ہو جا، کنارہ کش ہو جا۔ **(حفیًا) لطیفًا:** مہربانی کرنے والا، لطافت والا۔ **(وبکیًا) جمع باك:** بکیا جمع ہے باک کی اور معنی ہے رونے والا۔ **(غیًا) خسرانًا:** گمراہی یا نقصان۔ **(لا یسمعون فیھا لغوًا) باطلاً:** اہلِ جنت جنت میں کوئی لغو یا باطل بات نہیں سنیں گے۔ **قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لجبریل:** حضور نبی کریم ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے کہا **مایمنعك ان تزورنا اکثر مما تزورنا "فنزلت" وما نتنزل الا بامر ربك:** حضور علیہ السلام نے جبرائیل علیہ السلام سے کہا کہ جس طرح تم پہلے ہمارے پاس اکثر آتے تھے، اب کیوں نہیں آتے کیونکہ ہم تو تمہاری ملاقات کے مشتاق رہتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ''ہم تمہارے رب کے حکم کے بغیر نہیں نازل ہوتے'' گویا اپنی مرضی سے تو نہیں آتے۔

(وما کان ربك نسیًا) حقیرًا: نسیا مبالغے کا صیغہ ہے اور معنی ہے بھول جانا فراموش کر دینا۔ بھولی بسری...... حقیراً کا معنی ناقابلِ التفات درست ہے۔ **(ھل تعلم له سمیًا) لم یسم احدًا "الرحمن" غیرہ:** کیا اس کے ہمنام کو تو جانتا ہے؟ یعنی اس کے علاوہ الرحمٰن نامی کوئی اسکا ہمنام نہیں ہے۔ **(عتیًا) عصیًا:** سرکش، نافرمان۔ **(صلیًا) من صلی یصلی یعنی دخولا واحتراقًا:** داخل ہونا یعنی دوزخ کی آگ میں داخل ہو کر جلنا۔ **(وان منکم الا واردھا) یردونھا ثم یصدرون باعمالھم:** اور نہیں ہے تم سے کوئی بھی مگر وہ جہنم میں وارد ہونے والا ہے۔ پھر ہم اسے اس کے اعمال کے مطابق پلٹائیں گے۔ **(حتمًا مقضیًا) الحتم الواجب:** حتم کا معنی واجب اور

معنی ہے قطعی فیصلہ شدہ۔ (احسن ندیًا) النادی المجلس: اچھی مجلس والا۔

(اثاثًا) مالاً: سامان، مال وغیرہ۔ (ورئیًا) منظر وقیل الری الشراب: رئیا کا معنی منظر جو کہ اچھے بھی ہو سکتے ہیں اور برے بھی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی شراب ہے۔ قال خباب: حضرت خباب کا قول ہے۔ جئت العاص بن وائل اتقاضی حقًا لی عندہٗ: قال لا اعطیك حتی تکفر بمحمد، قلت: لا حتی تموت ثم تبعث: کہ میں نے عاص ابن وائل کے پاس آ کر اس سے اپنا حق طلب کیا، تو وہ کہنے لگا کہ میں تمہیں تمہارا حق ادا نہیں کروں گا جب تک تم محمد ﷺ کے ساتھ کفر نہیں کرو گے۔ میں نے کہا کہ میں تو محمد ﷺ کا انکار نہیں کروں گا۔ حتی کہ تو مر جائے اور پھر دوبارہ اٹھایا جائے۔ قال: وانی لمیت ثم مبعوث: عاص ابن وائل کہنے لگا، کیا میں مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جاؤں گا۔ قلت نعم: میں نے کہا، ہاں تم دوبارہ اٹھائے جاؤ گے۔ قال ان لی هنالك مالاً و ولدًا: وہ شخص کہنے لگا، کوئی بات نہیں، وہاں بھی میرے پاس مال و دولت اور اولاد ہو گی، میں تمہارا حق تمہیں وہیں ادا کروں گا۔ فنزلت: افریت الذی کفر بآیٰتنا: اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا۔

(ادًا) قولاً عظیمًا: بڑی بات، یعنی خدا تعالیٰ کے لئے بیٹا ثابت کرنا بڑی ناگوار بات ہے۔ (تؤزھم ازًا) تغویھم اغواء: ان کو گمراہ کرتے ہیں گمراہ کرنا یعنی شیطان لوگوں کو کفر شرک پر امادہ کرتے ہیں۔ وقیل: تزعجھم ازعاجًا: بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی بے چین کرنا ہے۔ (نعد لھم عدًا) نعد انفاسھم التی یتنفسون فی الدنیا: ہم ان کے لئے شمار کرتے ہیں شمار کرنا۔ گویا ہم دنیا میں دن گن رہے ہیں کہ جب وہ پورے ہو جائیں تو ان کو سزا میں مبتلا کر دیں یا وہ سانس گن رہے ہیں جو وہ دنیا میں لے رہے ہیں تا کہ جب ان کی تعداد پوری ہو جائے تو کافر لوگ اپنے انجام کو پہنچ جائیں (وردًا) عطاشًا: پیاسے، ہم مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسے جانوروں کی طرح چلائیں گے۔ (عھدًا) شھادۃ ان لا الہ الا اللہ: عہد سے مراد کلمہ لا الہ الا اللہ کی گواہی ہے۔ (ھدًا) ھدمًا: گر جانا۔ (لدًا) عوجًا: کجی، ٹیڑھا پن۔ (رکزًا) صوتًا: وقیل حسًا: باریک آواز، اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد ذرا سی آہٹ ہے۔

(۲۰) (سورة طٰہٰ)

(ص ۹۳ تا ص ۹۴)

اس سورۃ مبارکہ میں توحید الٰہی کی طرف دعوت دی گئی ہے، اور حضور نبی کریم ﷺ کو اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچانے کیلئے ترغیب دی گئی ہے۔ اس ضمن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعاتِ زندگی کو خاص طور پر نمونے کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ فرعون کی سلطنت مصر میں موسیٰ علیہ السلام کی، غیر معمولی حالات میں پیدائش اور پھر فرعون ہی کے گھر میں آپ کی پرورش۔ سن بلوغت تک پہنچنے پر فرعون اور قومِ فرعون کا آپ کی جان کے درپے ہو جانا، آپ کا مصر سے مدین کی طرف ہجرت کرنا، پھر وہاں سے واپسی پر کوہ طور پر آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت عطا ہونا اور فرعون کے ساتھ مباحثہ کر کے بنی اسرائیل کو فرعون کے مظالم سے نجات دلانے کا حکم۔ پھر اس حکم کی تعمیل میں موسیٰ علیہ السلام کو جن جن مشکلات سے گزر کر اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہوئی، ان سب کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے حضور خاتم النبیین کو بھی اپنے ماحول کے نامساعد حالات کا مقابلہ کرنے اور تبلیغ حق میں ہمت و جرأت سے کام لینے کی ترغیب دی ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس سورۃ میں سے مشکل الفاظ کا انتخاب کر کے ان کے معانی بیان فرمائے ہیں۔

(الواد المقدس) المبارك، واسمه: طوى: وادى المقدس سے وہ بابرکت وادی مراد ہے جس کا نام طویٰ ہے۔ اسی مقام پر موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی تھی۔ **(اكاد اخفيها) لااظهر عليها احدًا غيرى:** قریب ہے کہ وقوعِ قیامت کے وقت کو مخفی رکھوں اور اپنے سوا سے کسی پر ظاہر نہ کروں۔ **(سيرتها) حالتها:** اس کی پہلی حالت پر۔ **(واحلل عقدة من لسانى) العقدة عدم النطق بالحرف:** اور میری زبان سے گرہ کھول دے۔ عقدہ سے مراد یہ ہے کہ بات اچھے طریقے سے نہ ہو سکے۔ بعض اوقات کسی لفظ میں ف یا ت کے حروف ہوں تو وہ بولنے والے کی زبان سے اچھے طریقے سے ادا ہوتے۔ جیسا کہ یہاں بیان ہوا ہے **وفيه تمتمة او فافاة**۔ **(ازرى) ظهرى:** میری پشت یعنی کمر۔

(ان يفرط) ان يعجل: ہم پر زیادتی نہ کرے۔ **(يطغى) اعتدى:** سرکشی نہ کرے۔

(فاوجس) اضمر خوفا: دل میں خوف کھایا۔ (وفتناك فتونا) اختبرناك اختبارًا: آزمایا ہم نے آپ کو آزمانا۔ (ولا تنیا) تضعفا: اور میری یاد میں سستی نہ کرنا۔ (واعطى كل شيءٍ خلقه) خلق كل شيء زوجه: ہر چیز کی پیدائش صحیح شکل وصورت کے ساتھ کی۔ یا اس کے قوی ظاہرہ اور باطنہ کو اعتدال کے ساتھ پیدا کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا جوڑا بھی پیدا کیا۔ (ثم هدى) لمنكحه، ومطعمه ومشربه ومسكنه: پھر اسے ہدایت کا راستہ بھی بتلا دیا، تاکہ وہ نکاح کرے، اپنے لئے کھانے پینے اور رہائش کا مناسب انتظام کر سکے۔ (لا يضل) لا يخطي: خطا نہیں کرتا۔ (في جذوع) على جزوع: کھجوروں کے تنوں میں یعنی کھجور کے تنوں پر لٹکاؤں گا

(النهى) التقى: متقی یعنی تقوی والے اور سمجھدار لوگ۔ (تارةً) حالة: ایک حالت۔ (فيسحتكم) فيهلككم: پس وہ تمہیں ہلاک کر دے۔ (السلوىٰ) طائر يشبه بالسمانى: سلویٰ ایک پرندہ ہے جو بٹیر کے مشابہ ہوتا ہے (ولا تطغوا) لا تضلوا: سرکشی نہ کرو۔ (فقد هوى) شقي: وہ گڑھے میں گر پڑا یعنی شقی اور بدبخت بن گیا۔ (بملكنا) بامرنا: اپنے اختیار یا حکم کے ساتھ۔ (ظلت) اقمت: جھک جانا، نیچے رہنا۔ (لننسفنه في اليم) لنذرينه في البحر: ہم اس کو جلا کر اس کی راکھ کو سمندر میں بکھیر دیں گے۔ (ساء) بئس: بہت برا۔ (يتخافتون) يتساررون: آہستہ آہستہ بات کرنا۔ (قاعًا) مستويًا: ہموار جگہ۔ وقيل: الاملس: بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی چکنی جگہ ہے۔ وقيل: يعلوه الماء: بعض کہتے ہیں کہ ایسی زمین جس پر پانی چڑھ جائے۔ (صفصفًا) الصفصف مالا نبات فيه: ایسی زمین جس پر سبزہ نہ ہو۔ وقيل: المستوى من الارض: اور بعض اسے ہموار زمین پر محمول کرتے ہیں۔

(عوجًا) واديًا: ٹیڑھی وادی۔ (امتا) رابية: ابھرا ہوا ٹیلہ۔ (مكانًا سوى) منصفًا بينهم: ہر طرف سے برابر سرابر جگہ۔ (يبسا) يابسًا: خشک۔ (على قدر) موعد: ایک اندازے یا وعدے کے مطابق۔ (ماخطبك) مابالك: تیرا کیا حال ہے۔ (مساس) مصدر مسه مساسا: یہ مس يمسه کا مصدر ہے اور اس کا معنی چھونا ہے۔ (معيشة ضنكا) الضنك الشديد: تنگ گزران۔ وقيل: الشقاء بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد زخمی ہے۔ قال رسول الله صلى الله

علیـه و سلـم هـو عـذاب القبـر : رسولِ خدا ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس سے عذابِ قبر مراد ہے۔
(خشـعت الاصوات) سکنت : آوازیں دب گئیں، خاموش ہو گئیں۔ (همسا) صوتا خفیا :
بہت باریک آواز۔ وقیل حس الاقدام والوطء الخفی ، والکلام الخفی : بعض کہتے ہیں کہ
اس کا معنی پاؤں کی آہٹ زمین کو آہستہ آہستہ روندنا اور مخفی بات بھی آتا ہے۔

(وعنـت الوجوه) ذلت : چہرے پست ہو جائیں گے، یعنی ذلت وخواری کا سامنا ہوگا۔

(ولا یخاف ظلما) ان یظلم فیزاد فی سیآته : وہ کسی زیادتی کا خوف نہیں کھائے گا یعنی کہ اس کی زیادتی کی وجہ سے اس کے گناہوں کو زیادہ کر دیا جائے (مـن زینة القوم) الحلی الذی استعاروہ مـن آل فـرعون : قوم کی زینت سے مراد قوم فرعون کے زیورات ہیں جو بنی اسرائیل کے لوگ عاریتاً ان سے لے گئے تھے۔ پھر اس کو ڈھال کر بچھڑا بنایا جس سے آواز نکلتی تھی۔ (فـقـذفـناها) القینا ها : اس کے اندر جبریل کے گھوڑے کے پاؤں کی مٹی ڈال دی تو اس سے کرشمہ ظاہر ہو گیا۔ (الـقـى السـامری) صنع : اس کو سامری نے بنایا۔ (الـمثـلـى) تانیث الامثل، یقول بدینکم العدل : بہتر چیز، بعض کہتے ہیں کہ تمہارا عدل والا دین مراد ہے۔

(امثلهم طریقة) اعدلهم : ان میں سے اچھے راستے والا۔ (هضما) لایظلم فیهضم مـن حسـناتـه : اس پر ظلم نہیں کیا جائے گا کہ اس کی نیکیوں کو توڑ کر کم کر دیا جائے۔ (خـوار) صیاح : آواز۔ (حشـرتنی اعمی) عن حجتی : اٹھایا تو نے مجھے اندھا۔ (کـنـت بصیرًا) فی الدنیا : دنیا میں تو میں بینا تھا۔ (لا تـظمأ) لا تعطش : تم پیاسے نہیں ہو گے۔ (ولا تـضحی) لایصیبك حر : دھوپ اور گرمی سے بھی محفوظ رہو گے۔

---

(۲۱) (سورۃ الانبیاء)

(ص ۹۴)

سورۃ الانبیاء میں بہت سے انبیاء علیہم السلام کے واقعات مذکور ہیں۔ ان اللہ کے نبیوں کے طریقہ تبلیغ پر خاص طور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس سورۃ مبارکہ میں اسلام کے کچھ اصولوں کا ذکر

بھی آ گیا ہے۔اس سورۃ کے حسب ذیل مشکل الفاظ کے معانی جو صحیح اسناد کے ساتھ پایۂ ثبوت کو پہنچتے ہیں، وہ صاحبِ کتاب نے بیان کردیئے ہیں۔

(فلما احسوا) توقعوا، من احسست: جب انہوں نے محسوس کیا یا توقع ظاہر کی۔ احسست کا معنی میں محسوس کرنا ہی ہے جو کہ محاورے سے ہی ہے (خامدین) میتین: بجھنے والے مرنے والوں کیلئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ (لعلکم تسئلون) تستفھمون: شاید تم سے پوچھا جائے، سوال کیا جائے۔ (الویل) واد فی جھنم: ہلاکت اور تباہی۔جہنم کی ایک وادی کا نام بھی ہے۔ (ولا یستحسرون) لا یعیون: اور نہ وہ تھکتے ہیں۔ (ارتضی) رضی: راضی ہوگیا۔ (فی فلك) دوران: ایک آسمان میں۔ (یسبحون) یجرون، وقیل:یدورون: وہ تیرتے ہیں۔بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے، وہ گردش کرتے ہیں۔ (ولا ھم یصحبون) لایجاورون: نہ ہماری طرف سے ان کی رفاقت ہوگی، ان کا کوئی پڑوسی نہیں ہوگا۔

(ننقصھا من اطرافھا) ننقص اصلھا وبرکتھا: ہم زمین کو اس کے اطراف سے کم کرتے ہیں۔بعض اوقات زمین دریا برد ہو کر گھٹ جاتی ہے سیلاب کی نذر ہو جاتی ہے۔ یا کم کرنے سے یہ مطلب بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اس خطہ زمین سے برکت اٹھالی جاتی ہے اور اس سے اس قدر فوائد حاصل نہیں ہو پاتے جو قبل ازیں ہوتے تھے۔ (التماثیل) الاصنام: تماثیل سے مراد وہ بت ہیں جن کی شرک لوگ پوجا کرتے ہیں (جذاذًا) حطاما ٹکڑے ٹکڑے کر دینا۔ (ثم نکسوا) ردوا: پھر وہ اوندھے کر دیئے گئے ہیں۔ (نفشت) النفش :الرعی باللیل: رات کے وقت کھیت کو روند ڈالنا یعنی جانوروں کا رات کے وقت کھیت میں چر کر اس کو روند ڈالنا۔ (صنعة لبوس لکم) الدروع: تمہارے لباس بنانے کا فن یعنی لڑائی کے دوران پہنی جانے والی زرہ بنانے کا ہنر۔ (ان لن نقدر علیه) لن ناخذه بالعذاب الذی اصابه: گویا ہم اس پر قادر ہی نہیں ہیں کہ اس کو پہنچنے والے عذاب کے ساتھ پکڑ سکیں۔

(امتکم امة واحدة) دینکم دین واحد: تمہاری امت ایک ہی امت ہے۔یا تمہارا دین ایک ہی دین ہے۔امت کے بہت سے معنے آتے ہیں جیسے پیشوا، مدت ملت اور دین وغیرہ۔ملت

اور دین میں فرق یہ ہے کہ دین کے بنیادی اصول ہوتے ہیں جبکہ ملت کے قوانین کلیہ ہوتے ہیں جو کہ اکثر انبیاء میں یکساں رہے ہیں۔ وحدتِ ملت انبیاء اسی لئے کہتے ہیں۔ (وتقطعوا امرهم) اختلفوا: انہوں نے اپنے معاملہ کوٹکڑے ٹکڑے کر دیا یعنی اپنے معاملات میں اختلاف کیا۔ (حدب) شرف: ٹیلہ، پہاڑ۔ (ينسلون) يقبلون: پھسلتے ہوئے۔ (حصب) شجر: وقيل حطب: حصب کا معنی درخت۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد لکڑیاں ہیں۔ لما نزلت "انكم وما تعبدون من دون الله حصب جهنم انتم لها واردون" جب یہ آیت نازل ہوئی کہ "تم اللہ کے سوا تم جن کی عبادت کرتے ہو جہنم کا ایندھن ہو جس میں تم وارد ہونے والے ہو"۔

قال المشركون: الملائكة وعيسى وعزير يعبدون من الله: تو مشرکوں نے کہا کہ اللہ کے ملائکہ، حضرت عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام کی بھی تو پوجا کی جارہی ہے، تو کیا وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ اس کے جواب میں فنزلت: "ان الذين سبقت لهم منا الحسنى" یہ آیت نازل ہوئی کہ "جن کو ہماری طرف سے بھلائی پہنچی ہے وہ جہنم سے دور رہیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے فرشتے اور اس کے مقربین انبیاء جہنم میں نہیں جائیں گے بلکہ کافر اور مشرک ہی جہنم رسید ہوں گے۔ (الحسيس) والحس واحد وهو الصوت الخفي: حسیس اور حس ہم معنی الفاظ ہیں اور اس کا معنی باریک آواز ہے۔ (السجل) الصحيفة: سجل کا معنی صحیفہ ہے۔ (كطي السجل للكتب) كطي الصحيفة على الكتاب: جس طرح کسی صحیفہ کا تحریر کنندہ منشی صحائف کو اکٹھا کر کے اوپر فیتہ باندھ کر محفوظ کر لیتا ہے یا کسی فائل کور میں باندھ دیتا ہے۔

(قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يا ايها الناس انكم محشورون الى الله عـراة غرلاً" اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا "اے لوگو! تم اللہ کے سامنے برہنہ اور بے ختنہ اکٹھے کئے جاؤ گے۔ ثم قرأ: "كما بدأنا اول خلق نعيده" پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی "جس طرح ہم نے ابتدائی طور پر مخلوق کو پیدا کیا اسی طرح ہم ان کو دوبارہ لوٹائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح اس دنیا میں پیدا ہونے والا ہر بچہ برہنہ اور بے ختنہ پیدا ہوتا ہے، اسی طرح قیامت والے دن جب مخلوق کو دوبارہ اٹھائیں گے تو اس وقت بھی وہ برہنہ اور بے ختنہ ہی ہوں گے۔ (آذنتكم)

اعلمتکم: میں نے تم کو بتلا دیا ہے یعنی آگاہ کر دیا ہے۔

---

(۲۲) (سورۃ الحج)

(ص ۹۴ تا ص ۹۵)

جیسا کہ سورۃ کے نام سے ہی ظاہر ہے اس میں حج کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اگرچہ حج کی فرضیت تو مکی زندگی میں ہی ہو گئی تھی، تاہم حج کی بعض تفصیلات سورۃ بقرہ، سورۃ آل عمران اور اس سورۃ مبارکہ میں بھی آ گئی ہیں۔ اس کے علاوہ جہاد اور انبیاء کرام علیہم السلام پر ہونے والے بعض اعتراضات کا ذکر ہے۔ نیز اسلام کے بعض اہم ترین اصول بھی اس سورۃ میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اس سورۃ کے حسب ذیل مشکل الفاظ کے معانی شاہ صاحب نے بیان کئے ہیں۔ **(ان زلزلة الساعة شيء عظيم)** قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے **(قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ذلك يوم يقول الله لآدم: ابعث بعث النار، تسعمائة وتسعة و تسعين في النار وواحد في الجنة:** رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کا دن وہی دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو فرمائے گا کہ دوزخ میں جانے والے لوگوں کو اٹھاؤ۔ آدم علیہ السلام تعمیل حکم کریں گے تو معلوم ہو گا کہ ہزار میں سے ۹۹۹ انسان دوزخی ہیں جبکہ صرف ایک آدمی جنتی ہو گا۔ یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت تشویش ہوئی کہ ان حالات میں پتہ نہیں ہمارا کیا حال ہو گا، اور ہم میں سے بھی کوئی جنت میں جا سکے گا یا نہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس پریشانی کو دیکھتے ہوئے اللہ کے نبی نے فرمایا، میرے صحابہ! گھبراؤ نہیں دوزخیوں کی اس تعداد میں یاجوج ماجوج بھی شامل ہیں جن کی تعداد تمہارے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے یعنی تعداد کے لحاظ سے یاجوج ماجوج اور تمہاری نسبت بھی ۹۹۹/۱ کی ہے۔ ہیں تو یاجوج ماجوج بھی انسان ہی مگر وہ سخت شرارتی اور فسادی ہیں لہٰذا زیادہ تر وہی جہنم کے مستوجب ہوں گے۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو تسلی دی۔ **(تذهل) تشتغل:** مشغول ہو جائے گی۔ **(بهيج) حسن:** خوبصورت، اچھی۔

(ثاني عطفه) متكبراً في نفسه: اپنا پہلو پھیرنے والا یعنی اپنے دل میں تکبر رکھنے والا۔

(یصھر) بعذاب: عذاب کی صورت میں اہل دوزخ کے پیٹوں میں جو کچھ ہوگا اسے پگھلایا جائے گا۔

(من یعبد اللہ علی حرف)شك: بعض لوگ اللہ کی عبادت ایک کنارے پر یعنی شک کے ساتھ کرتے ہیں۔ وقیل:یقدم الرجل المدینة بعض کہتے ہیں کہ ایک کنارے پر عبادت کرنے کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص مدینہ میں آیا۔ فان ولدت امرته غلامًا ونتجت خیله قال:ھٰذا دین صالح: اگر اسلام میں داخل ہونے کے بعد اس کی عورت نے بچہ جنا اور اسے کچھ مال واسباب بھی مل گیا،تو کہنے لگا، یہ دین اسلام ایک اچھا دین ہے۔ وان لم تلد امراته ولم تنتج خیله قال:ھٰذا دین سوء: اور اگر اس کی عورت نے نہ تو بچے کو جنم دیا اور نہ ہی اسے مال ومتاع حاصل ہوا تو کہنے لگا کہ یہ برا دین ہے۔مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ دوادیان کے کنارے پہ کھڑے ہوتے ہیں، جس طرف کوئی مفاد نظر آیا اسی طرف پلٹ گئے۔

(ھٰذان خصمان اختصموا فی ربھم) یہ دو گروہ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے معاملہ میں آپس میں جھگڑا کیا۔ فنزلت:فی الذین بارزوا یوم بدر حمزة وعلیًا وعبیدة، وھم عتبة وشیبة والولید: یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے میدانِ بدر (سن ۲ ہجری میں مبارزت کی تھی۔ کفر واسلام کا سب سے پہلا معرکہ انہی لوگوں کے درمیان پیش آیا تھا۔ کفر واسلام کی فوجیں آمنے سامنے جنگ کے لئے تیار کھڑی تھیں۔عرب کے دستور کے مطابق کفار کی طرف سے عتبہ، شیبہ اور ولید میدان میں اترے اور مسلمانوں کی طرف سے مدمقابل طلب کئے۔ چنانچہ اسلام کے تین انصاری نوجوان ان کے مقابلے کے لئے نکلے۔مگر قریش نے کہا، اے محمد! ہمارے مقابلے کے لئے ہمارے مدمقابل قریش نکالو۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم کو مشرکوں سے مقابلہ کے لئے بھیجا۔اس لڑائی کے نتیجہ میں حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے جبکہ کفار کے تینوں بدبختوں کو حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے جہنم رسید کردیا۔ کہتے ہیں کہ ھٰذان خصمان ...... القرآن والی آیت اسی سلسلہ میں نازل ہوئی تھی۔

(فلیمدد بسبب الی السماء) بحبل الی سقف البیت: جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیاوآخرت میں مدد سے مایوس ہو چکا ہے، اسے چاہیے کہ گھر کی چھت کے اوپر آسمان تک ایک رسی

دراز کرے اور پھر اس کو کاٹ کر دیکھ لے کہ اس کا غصہ کس حد تک ٹھنڈا ہوا ہے یا نہیں غرضیکہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے مایوسی کی سخت مذمت کی گئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے رسولوں اور اہلِ ایمان کی دنیا و آخرت میں مدد کا وعدہ کر رکھا ہے۔ (وھدوا الی الطیب) الھموا القرآن: اہلِ ایمان کے متعلق فرمایا کہ ان کو پاک بات یعنی قرآن پاک کی معرفت ہدایت دی گئی ہے۔ (وھدوا الی صراط الحمید) الاسلام: اور ان تعریفوں والے راستے یعنی دینِ اسلام کی طرف ہدایت دی گئی ہے۔ (من کل فج عمیق) طریق بعید: حج کرنے کیلئے لوگ دور دراز راستوں سے چل کر بیت اللہ شریف میں آئیں گے۔

(البائس الفقیر) الذی لا یجد شیئاً من شدۃ الحال: قربانی کے گوشت کے متعلق حکم ہے کہ خود بھی کھاؤ اور محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔ محتاج یا فقیر سے وہ شخص مراد ہے جس کے پاس تنگدستی کی وجہ سے کوئی چیز نہ ہو۔ (تفثھم) مواجب حجھم من حلق الراس ولبس الثیاب وقص الاظفار ونحو ذلك: دسویں ذی الحجہ کو حاجیوں کے لئے حکم ہے وہ قربانی کرنے کے بعد اپنی میل کچیل صاف کریں یعنی سر منڈائیں، ناخن کٹوائیں اور نہا دھو کر کپڑے بدلیں وغیرہ۔ (بالبیت العتیق) پھر اللہ تعالیٰ کے پرانے گھر کا طواف کریں۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما سمی "البیت العتیق" لانه لم یظھر علیه جبار: حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ خانہ کعبہ کا نام بیت العتیق بایں وجہ ہے کہ آج تک کوئی جبار اس پر غالب نہیں آیا، بلکہ اللہ کا یہ گھر ہمیشہ آزاد ہی رہا ہے۔

(منسکا) عیداً: منسک کا معنی طریقہ ہوتا ہے اس لئے ارکانِ حج کو مناسک حج بھی کہا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد عید قربانی ہے جس میں لوگ اچھا کھاتے پیتے اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ (المخبتین) المطمئنین: عاجزی کرنے والے اللہ کے سامنے، جن کو اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے۔ (القانع) المتعفف والذی یقنع بما اعطی: قانع سے مراد وہ شخص ہے جو پاک باز ہے، اور جو کچھ مل جائے اس پر قناعت کرتا ہے۔ (المعتر) السائل: معتر سے مراد سائل ہے، فرمایا قربانی کا گوشت قانع اور سائل سب کو دو۔ (اذن للذین یقاتلون) ھی اول آیة نزلت فی

القتال: اہلِ ایمان کو کفار و مشرکین کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے یہ پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کو بھی اجازت دی گئی ہے کہ وہ بھی ان کفار و مشرکین کے ساتھ جنگ کریں جو ان کے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔ (قصر مشید) بالجص و الآجر: پختہ محل جو چونے اور اینٹوں سے تعمیر کیا گیا ہو۔ (اذا تمنی القی الشیطان فی امنیته) اذا حدث القی الشیطان فی حدیثه فیبطل الله ما یلقی الشیطان ویحکم الله آیاته: جب بھی کوئی ایسی بات کرتا ہے یا آرزو کرتا ہے تو شیطان اس میں دخل اندازی کر کے اس میں اپنا باطل خیال ڈال دیتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ شیطان کے باطل خیالات کو مٹا کر صحیح بات قائم رکھتا ہے۔ اور اپنے حکم کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ (یسطون) یفرطون من السطوة: اللہ کا نام لینے والے توحید پرست پر مشرک لوگ حملہ کر دیتے ہیں اور اسے جان سے مار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ گویا اہلِ ایمان پر حملہ آور ہو کر ان پر زیادتی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ البتہ کفر و شرک میں ملوث لوگ جھوٹے قصے کہانیاں سن کر بڑے خوش ہوتے ہیں۔

---

(۲۳) (سورۃ المؤمنون)

(ص ۹۵ تا ص ۹۶)

گزشتہ سورۃ الحج میں جہاد کا حکم اور بہت سی دیگر باتیں اور اسلام کے بنیادی اصولوں کا ذکر تھا۔ اس سورۃ المؤمنین میں انسانوں کی فلاح کا ذکر ہے۔ جو اس کی ابتدائی اور آخری آیات سے بالکل واضح ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس سورۃ مبارکہ کے حسب ذیل مشکل الفاظ کا انتخاب کر کے ان کے مصدقہ معانی بیان کئے ہیں۔

(قد افلح المؤمنون) فازوا وسعدوا: مومن لوگ کامیاب ہو گئے یعنی فائز المرام اور سعادت مند گئے۔ (خاشعون) ساکنون خائفون: عاجزی کرنے والے، خاموشی اختیار کرنے اور خوف کھانے والے۔ (من سلالة) نطفة: نطفہ یعنی مرد کی پشت سے نکلنے والا قطرۂ آب جو آگے رحمِ مادر میں پہنچ کر بچے کی پیدائش کا ذریعہ بنتا ہے۔ (سبع طرائق) سماوات: سات آسمان جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے اوپر پیدا فرمائے۔ (تنبت بالدهن) هو الزيت: طورِ سینا میں زیتون کا

درخت اگتا ہے۔ جس سے تیل نکالا جاتا ہے جو کھانے اور دیگر کاموں میں استعمال ہوتا ہے۔ (واترفناھم) وسعنالھم: ہم نے ان کو وسعت دی یعنی آسودہ حال بنایا۔ (ھیھات ھیھات) بعد: بعید ہے یہ بات جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ (غثاء) زبدًا، وھو ماارتفع علی الماء، اوما لا ینفع بہ: اس سے مراد جھاگ ہے جو پانی کے اوپر اٹھتی ہے۔ یا ایسی چیز مراد ہے جو غیر مفید ہوتی ہے۔ (ربوۃ) المکان المرتفع: بلند مکان، حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے الفردوس ربوۃ الجنۃ واوسطھا وافضلھا فردوس جنت میں ایک بلند مقام ہے۔ جو درمیان میں ہے اور افضل ہے۔ لہٰذا جب بھی اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا ہی سوال کرو۔ (تتری) یتبع بعضھا بعضا: پے درپے گویا بعض بعض کے پیچھے آتے ہیں۔ (ذات قرار) خصب: قرار والی جگہ یعنی سرسبز جگہ جس میں سبزہ گھاس اناج پیدا ہو۔ (ومعین) ماء طاھر: صاف ستھرا پاک پانی۔

(امتکم) دینکم: امت کے کئی معنے آتے ہیں تاہم یہاں پر تمہارا دین مراد ہے۔

(وقلوبھم وجلۃ) خائفین: ان کے دل ڈرنے والے یعنی خوف کھانے والے ہیں۔ سألت عائشۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ھٰذہ الآیۃ: "والذین یؤتون ماأتوا وقلوبھم وجلۃ" اھم الذین یشربون الخمر ویسرقون؟ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس آیت کے متعلق پوچھا "وہ لوگ جو دیتے ہیں وہ چیز جو وہ دیتے ہیں اور ان کے دل ڈرنے والے ہوتے ہیں کہ انہوں نے اپنے پروردگار کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے"۔ عرض کیا، حضور! کیا اس سے وہ گنہگار لوگ مراد ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں؟ قال: لا، یابنت الصدیق، ولکنھم الذین یصومون ویتصدقون وھم یخافون ان لا یقبل منھم: حضور علیہ السلام نے جواباً فرمایا، صدیق (رضی اللہ عنہ) کی بیٹی! اس سے معصیت والے لوگ مراد نہیں ہیں۔ بلکہ وہ نیک لوگ مراد ہیں جو روزے رکھتے ہیں اور صدقہ خیرات کرتے ہیں مگر اس کے باوجود ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کا یہ عمل درجہ قبولیت کو پہنچا ہے یا نہیں۔ وہ لوگ ڈرتے ہیں کہ ممکن ہے ان کے نیک عمل کا اخلاص اس قدر نہ ہو جو عمل کو درجہ قبولیت تک پہنچا سکے۔

(اولٰئک الذین یسارعون فی الخیرات وھم لھا سابقون) سبقت لھم

السعادة: یہی وہ لوگ ہیں جو نیکی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور وہ اس کے لئے سبقت کرنے والے ہوتے ہیں، یہی سبقت ان کے لئے سعادت و نیک بختی ہوتی ہے۔ (یجأرون) یستغیثون: چیخیں چلائیں گے اور فریاد کریں گے۔ (سامرًا تھجرون) حول البیت، وتقولون حجرًا: بیت اللہ شریف کے ارد گرد بیٹھ کر قصہ گوئی کرنے والے جو کہ فضول باتیں کیا کرتے تھے۔ (تنکصون) تدبرون: تم پیچھے ہٹتے تھے اور اللہ کا فرمان سننے کے لئے بھی تیار نہ تھے۔ (عن الصراط لناکبون) عن الحق عادلون: سیدھے راستے یعنی حق کے راستے سے پلٹنے والے گویا اعراض کرنے والے۔

(تسحرون) تخدعون: تم دھوکہ دیتے ہو۔ جاء رجل الی ابن عباس فقال: یا ابن عباس ان فی نفسی من القرآن شیئًا، اسمع اللہ یقول: وکان اللہ علی کل شیٔ قدیرًا: ایک شخص حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، اے ابن عباس! میرے دل میں قرآن پاک کے متعلق کچھ شکوک ہیں، ان کی وضاحت فرما دیں۔ عرض کیا، جب میں یہ آیت سنتا ہوں کہ ''اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے'' کان ھٰذا امر قد کان، وقال: فلا انساب بینھم یومئذٍ ولا یتساء لون: یہ تو ہوا جیسا بھی ہوا۔ اور اللہ کا یہ فرمان بھی ہے کہ ''قیامت والے دن کوئی قرابتداری کام نہیں آئے گی اور نہ کوئی ایک دوسرے کا حال پوچھ سکے گا۔ وقال فی آیة اخری: واقبل بعضھم علی بعض یتساء لون: اور دوسری آیت میں یہ بھی اللہ کا فرمان ہے کہ ''وہ آمنے سامنے بیٹھے ایک دوسرے کا حال احوال دریافت کریں گے'' قال ابن عباس: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سائل کو جواب دیتے ہوئے فرمایا اما قولہ: وکان اللہ علی کل شیٔ قدیرا کہ رب تعالیٰ کا یہ فرمان کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے فانہ لم یزل ولا یزال اس وجہ سے ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہر چیز پر قادر ہے جس کو کبھی زوال نہیں ہوگا۔ واما قولہ: ''فلا یتساء لون'' ففی النفحة الاولی: اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ کوئی ایک دوسرے کو نہیں پوچھے گا، یہ پہلی دفعہ صور پھونکنے کے وقت کی بات ہے۔ اس وقت افراتفری کا عالم ہوگا اور کوئی ایک دوسرے کا پرسانِ حال نہیں ہوگا۔ واما قولہ ''یتساء لون'' فاذا دخلوا الجنة: اور ایک دوسرے کا حال احوال پوچھنے والی بات اس وقت ہوگی جب جنتی

لوگ جنت میں پہنچ جائیں گے ان کو سکون حاصل ہوگا اور پھر وہ ایک دوسرے کی خیریت دریافت کریں گے۔

(کالحون) عابسون: ترش رو ہونے والے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ھم فیھا کالحون تشوب احدھم النار فتقلص شفتہ العلیا حتی تبلغ وسط رأسہ، وتسترخی شفتہ السفلی حتی تضرب سرتہ: حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ کالحون کا مطلب یہ ہے کہ جب اہلِ جہنم کو آگ جلائے گی تو ان میں سے ہر ایک کا اوپر والا ہونٹ اوپر تک چلا جائے گا یہاں تک کہ نصف سر تک پہنچ جائے گا۔ اور نیچے والا ہونٹ لٹک کر ناف تک چلا جائے گا۔ ان کی شکلیں اس قدر بگڑ جائیں گی۔

---

(۲۴) (سورۃ النور)

(ص ۹۶)

سورۃ نور بڑی اہم سورۃ ہے۔ اللہ نور السمٰوٰت والارض ...... القرآن والی آیت اسی سورۃ میں ہے۔ اس سورۃ کا ایک اہم موضوع ''اسلام کا نظامِ عفت وعصمت'' ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں زنا اور قذف کی حدود کا ذکر بھی ہے، بعض فرائض کا حکم، کھانے پینے کے آداب اور اللہ تعالیٰ کی نورانیت کا ذکر ہے۔ اس سورۃ کے حسب ذیل مشکل الفاظ کے معانی بیان کئے گئے ہیں۔

(انزلناھا) بیناھا: ہم نے اس سورۃ کو نازل کیا ہے یعنی اس کو بیان کیا ہے۔

(وفرضناھا) انزلنا فیھا فرائض مختلفۃ، ہم نے اس کو فرض ٹھہرایا ہے یعنی اس میں مختلف فرائض نازل فرمائے ہیں۔ قال مرثد: یا رسول اللہ انکح عناقا وکانت من البغایا بمکۃ؟ فنزلت: الزانی لا ینکح الا زانیۃ۔ حضور علیہ السلام کے ایک صحابی حضرت مرثد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، حضور! کیا میں عناق نامی عورت سے نکاح کرسکتا ہوں جو کہ مکہ کی ایک بدکار عورت تھی اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ''زناکار مرد زناکار عورت سے ہی نکاح کرتا ہے پاک مرد کے لئے ایسی عورت لائق نہیں ہے جب تک کہ وہ اپنے اس فعل شنیع سے تائب نہ ہو۔ (یرمون المحصنات) الحرائر: جو

پاکدامن یعنی آزاد عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اور پھر اس کے ثبوت میں چار گواہ پیش نہیں کر سکتے، ان پر حد قذف جاری ہوگی۔

(والذین یرمون ازواجھم) وہ لوگ جو اپنی بیویوں پر بدکاری کی تہمت لگاتے ہیں اور پھر وہ اپنے علاوہ کوئی شہادت بھی پیش نہیں کر سکتے، تو اس صورت میں لعان کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ ایسا شخص قاضی کی عدالت میں پانچ قسمیں اٹھا کر اپنے دعویٰ کا ثبوت پیش کرے گا تو قاضی میاں بیوی میں جدائی ڈال دے گا اور ان کا نکاح فسخ ہو جائے گا۔ نزلت فی ھلال ابن امیة قذف امراته عند النبی صلی الله علیه وسلم فی شریك ابن سحماء کہتے ہیں کہ یہ آیت ہلال ابن امیہ کے بارے میں نازل ہوئی جس نے حضور علیہ السلام کے سامنے اپنی بیوی کو شریک ابن سحماء کے ساتھ متہم کیا تھا۔ وقیل: فی عویمر اور بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت عویمر کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ پھر لعان سے متعلقہ تمام احکام جاری ہوئے۔ (ان الذین جاء و ابالافك) نزلت فی قصة عائشة رضی الله عنها: بے شک وہ لوگ جنہوں نے ایک بڑا طوفان کھڑا کیا۔ یہ آیت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ میں نازل ہوئی۔ سفر سے واپسی پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اکیلی رہ گئی تھیں اور ان کو صفوان ابن معطل رضی اللہ عنہ اونٹ پر بٹھا کر لائے تو منافقوں نے تہمت لگائی۔ اللہ تعالیٰ نے ام المؤمنین کی بریت کے بارے میں اس سورۃ میں دو رکوع نازل فرمائے۔ جن مومن لوگوں نے اس معاملہ میں بے احتیاطی کا مظاہرہ کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کو سخت تنبیہ فرمائی اور اہلِ ایمان کو خبردار کیا کہ آئندہ کبھی ایسی بات نہ کریں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں ملوث منافقوں کے لئے عذاب عظیم کی وعید فرمائی۔

(اذ تلقونه) تقولونه برواية بعضكم عن بعض: ایک دوسرے سے روایت کی بنا پر تم ایسی بات اپنی زبانوں سے کیوں کرتے ہو۔ تم اسے معمولی بات سمجھتے ہو حالانکہ اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑی بات ہے۔ (ما زکی) ما اھتدی: نہ پاک ہوتا یا نہ پاک کرتا یعنی نہ ہدایت پاتا۔ (ولا یاتل) لایقسم: نہ قسم اٹھائیں طاقت والے لوگ کہ وہ غریبوں پر احسان نہیں کریں گے۔ (دینھم) حسابھم: ان کا دین یعنی حساب اللہ کے ذمہ ہے۔ (تستأنسوا) تستاذنوا: مانوس ہو جاؤ یعنی

اجازت طلب کرو۔ اس کے بعد دوسروں کے گھر میں جاؤ۔ (ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن) وہ اپنی زینت ظاہر نہ کریں سوائے اپنے خاوندوں وغیرہ کے۔ لا تبدی خلخالھا و معضدھا ونحرھا وشعرھا الا لزوجھا، یعنی نہ ظاہر کریں اپنے پازیب، کڑے، سینے میں ڈالنے والے ہار اور اپنے بال سوائے اپنے خاوند کے۔ قال ابن مسعود: لا خلخال ولا قرط ولا قلادة الا ماظھر منھا: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ نہ ظاہر کریں عورتیں خلخال (پاؤں میں پہننے والے پازیب) اور نہ قرط (کانوں میں پہنی جانے والی بالیاں) ولا قلادة اور نہ ہار جو گلے میں پہنے جاتے ہیں مگر وہ جو اس سے کھلی ہے۔ قال: الثیاب: بعض کہتے ہیں کہ زینت سے مراد کپڑے ہیں۔ عورتیں اپنے خاوندوں کے علاوہ اپنے کپڑوں کی زیب وزینت بھی غیر محرموں پر ظاہر نہ کریں۔

(غیر اولی الاربة) المغفل الذی لایشتھی النساء: ناسمجھ بچے جن کو میاں بیوی کے تعلقات کا شعور نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ مرد ہیں جو عورتوں کی خواہش نہیں رکھتے۔ (او الطفل الذین لم یظھروا) لم یدروا لما بھم من الصغر: یا وہ بچے جن پر کم سنی کی وجہ سے یہ باتیں ظاہر نہ ہوں۔ بالغ ہونے پر انہیں سمجھ آئے گی۔ (ان علمتم فیھم خیرًا) ان علمتم لھم حیلة: اگر تم غلاموں میں بہتری معلوم کرلو۔ یا اگر آپ سمجھتے ہیں کہ وہ کسی حیلہ سے چھٹکارا حاصل کر سکیں گے تو ان کو مکاتیب بنالو۔ (فتیاتکم) اماتکم: تمہاری لونڈیاں۔ (البغاء) الزنا: بدکار۔ (نور السماوات) ھادی اھل السماوات والارض: آسمانوں اور زمین کو روشن کرنے والا یعنی اہلِ آسمان اور زمین کو ہدایت دینے والا۔ (مثل نورہ) ھداہ فی قلب المومن: اس کے نور کی مثال مومن کے دل میں ہدایت کے مطابق ہے۔

(کمشکاة) موضع الفتیلة: جیسے طاقچہ ہوتا ہے جس میں چراغ جلا کر رکھا جاتا ہے، وقیل: الکوة بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی طاقچہ ہے۔ (فی بیوت) مساجد: یہاں پر گھروں سے مراد مسجدیں ہیں۔ (ان ترفع) تکرم: اللہ نے ان کو بلند کرنے کا حکم دیا ہے یعنی کہ ان کی عزت کی جائے۔ (ویذکر فیھا اسمہ) یتلی فیھا کتابہ: ان میں اللہ کا ذکر کیا جائے یعنی اس کی کتاب کی

تلاوت کی جائے۔ (بالغدو) صلاۃ الغداء: صبح کی نماز۔ (والآصال) صلاۃ العصر: عصر کی نماز۔ (رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله: ایسے مرد جن کو ان کی تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی۔ قال ابن عباس: كانوا اتجر الناس وابيعهم ولكن لم تكن تلهيهم تجارتهم ولا بيعهم عن ذكر الله: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ مکہ کے لوگ بہت زیادہ تاجر پیشہ اور بہت زیادہ خرید و فروخت کرنے والے لوگ تھے، مگر ان کی تجارت اور خرید و فروخت ان کو اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی تھی۔ بلکہ وہ ہر نماز وقت پر ادا کرتے تھے۔

(بقيعة) ارض مستوية: سرسبز و شاداب زمین۔ (سنا برقه) ضوؤه: بجلی کی چمک یعنی اس کی روشنی۔ (من خلاله) من بين اضعاف السحاب: بادلوں کے درمیان میں سے عذاب کی آمد۔ (مذعنين) مطيعين: ماننے والے، اطاعت گزار۔ (تحية) سلامًا: سلام، دعا۔

---

(۲۵) (سورة الفرقان)

(ص ۹۶ تا ص ۹۷)

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نزولِ برکات کا ذکر ہے۔ اس میں قرآن پاک کی تشریح اور تفسیر کے بارے میں بعض قوانین بھی بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے دیگر ضروری احکام بھی اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں بیان فرمائے ہیں۔ اس سورۃ مبارکہ میں سے مندرجہ ذیل مشکل الفاظ کے معانی جو کہ صحیح اسناد کے ساتھ معلوم ہیں، وہ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بیان کر دیے ہیں۔

(تبارك) تفاعل من البركة: تبارک تفاعل کے باب سے ہے اور معنی بابرکت ہے۔ (تملى) تقرأ: پڑھی جاتی ہیں۔ (ثبورًا) ويلًا: ہلاک ہونے والے۔ (عتوًا) طغوا: سرکشی۔ (هباءً منثورًا) ماينسف الريح: گرد و غبار جس کو ہوا اڑا کر لے جاتی ہے۔ (الذين يحشرون على وجوههم) وہ لوگ جن کو چہروں کے بل اٹھایا جائے گا۔ قيل: يا نبي الله كيف يحشر الكافر على وجهه يوم القيامة: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا، اللہ کے نبی! قیامت والے دن کسی کافر کو چہرے کے بل کیسے اٹھایا جائے گا؟ قال: اليس الذى امشاه على الرجلين فى

الدنیا بقادر علی ان یمشیه علی وجهه یوم القیامة؟ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا، جس ذات نے کافر کو دنیا میں دو پاؤں پر چلایا، کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ قیامت والے دن اسے چہرے کے بل چلا دے۔

(الرس) المعدن: کنواں یا معدن۔ (مدالظل) مابین طلوع الفجر الی طلوع الشمس: سایہ کا دراز ہونا۔ طلوعِ فجر سے لے کر طلوعِ شمس تک کا درمیانی عرصہ۔ (ساکناً) دائمًا: ہمیشہ کے لئے ایک جگہ ٹھہرا ہوا۔ (علیه دلیلاً) فلو لا الشمس ما عرف الظل: سورج سائے کے لئے بطورِ دلیل کے ہے اگر سورج نہ ہوتا تو سائے کا کوئی تصور بھی نہ ہوتا۔ (قبضًا یسیرًا) سریعًا: آہستہ آہستہ مگر جلدی سے سمیٹ لینا۔ (جعل اللیل و النهار خلفة) من فاته شئ من اللیل ان یعمله ادرکه بالنهار اومن النهار ادرکه باللیل: رات اور دن کو آگے پیچھے آنے والا بنایا ہے۔ تا کہ اگر کوئی چیز (نماز وغیرہ) رات کے وقت فوت ہو جائے تو اس کو دن کے وقت پا لے اور دن کو فوت ہونے والی چیز کو رات کے اوقات میں انجام دیا جا سکے۔

(وعباد الرحمن) المؤمنون: اللہ کے بندوں سے مراد اہلِ ایمان ہیں۔ (هونًا) بالطاعة و العفاف و التواضع: هونًا کا معنی وقار یعنی اطاعت، رفعت اور تواضع ہے۔ (غرامًا) ملازمًا شدیدًا کلزوم الغریم، وقیل هلاکا: لازمی طور پر واقع ہونے والا۔ ایسا لازمی جیسے کوئی قرض خواہ اپنے قرض کی وصولی کے لئے مقروض کو لازمًا پکڑ لیتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ غرامًا کا معنی ہلاک ہونا ہے۔ (لا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق) جس جان کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے۔ لما نزلت قال اهل مکة: فقد عدلنا باللہ و قتلنا النفس التی حرم اللہ وزنینا، فانزل اللہ عزوجل: "الا من تاب و آمن" ......الآیة جب یہ آیت نازل ہوئی تو اہلِ مکہ کہنے لگے کہ ہم نے تو زمانہ جاہلیت میں اللہ کے ساتھ شریک بھی بنائے اور ہم نے وہ نفس بھی قتل کئے جن کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اور بدکاری کا ارتکاب بھی کیا، ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ کیسا سلوک فرمائیں گے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ نے آیت کا اگلا حصہ نازل فرمایا "سوائے ان کے جنہوں نے توبہ کر لی، ایمان لے آئے اور اعمالِ صالحہ انجام دیئے، اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل

کردے گا۔ مطلب یہ کہ عذابِ الٰہی کے مستوجب وہ لوگ ہوں گے جو گناہوں کا ارتکاب کرنے کے بعد ایمان نہیں لائے۔ کیونکہ ایمان قبول کرنے کے بعد سابقہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

(اثامًا) عقوبة: عقوبت یعنی گناہوں کی سزا۔ **(هب لنا من ازواجنا و ذرياتنا قرة اعين)** ہمیں ہمارے ازواج اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرمادے۔ **في طاعة الله، وما شيء اقر لعين مومن ان يرى حبيبه في طاعة الله:** اللہ کی اطاعت کے ذریعے آنکھوں کی ٹھنڈک مراد ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک مومن شخص کی آنکھوں کی ٹھنڈک اس سے زیادہ کسی چیز سے نہیں ہوتی کہ وہ اپنے پیارے کو اطاعت الٰہی میں مصروف پائے۔ **(ما يعبأ) لا يعتدبه: يقال: ماعبأت به شيئًا:** اللہ تعالیٰ پرواہ نہیں کرتا، جیسے کہا جاتا ہے کہ میں نے اس کی کچھ پرواہ نہیں کی۔ **(لزامًا) هلكة:** ہلاک ہونے والا۔

---

(۲۶) (سورة الشعراء)

(ص ۹۷)

اس سورۃ کے آخر میں شاعروں کی مذمت کی گئی ہے کیونکہ اکثر شاعر بے عمل ہوتے ہیں اور ان کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مسئلہ توحید سمجھایا ہے، قرآنِ کریم کی صداقت وحقانیت کا بیان ہے، اور اصولِ دین کے سلسلہ میں تبلیغ انبیاء کا ذکر بھی آگیا ہے، اس سورۃ کے ان مشکل الفاظ کے معانی بیان کئے گئے ہیں۔

(كالطود) كالجبال: جیسے پہاڑ۔ **(ازلفنا) جمعنا:** ہم نے پایا۔ **(لشرزمة) طائفة قليلة:** چھوٹا گروہ۔ **(فكبكبوا) جمعوا:** جمع کئے گئے۔ **(ريع) شرف:** اونچی جگہ۔ **(مصانع) كل بناء فهو مصنعة:** ہر بنی ہوئی چیز مصنعہ کہلاتی ہے، فیکٹری کو بھی مصنعہ کہتے ہیں۔ اور اس سے اونچی جگہ بھی مراد لی جاتی ہے۔ **(لعلكم) كانكم تخلدون:** بڑی بڑی عمارات اسی لئے بناتے ہو، گویا کہ تم ہمیشہ رہو گے۔ **(خلق الاولين) دين الاولين:** پہلے لوگوں کا اخلاق یعنی دین۔ **(فارهين) حاذقين، وقيل مرحين:** ماہر لوگ، اور بعض کے نزدیک اس کا معنی اترانے والے لوگ

ہیں۔ (تعثوا) العثوا شد الفساد: زیادہ فساد کرنے والے۔ (تعبثون) تلعبون: تم کھیلتے ہو۔ (ھضیم) منضم بعضه الى بعض: ایک دوسرے کے ساتھ ملا ہوا۔ وقیل: یتفتت اذا مس: جب چھوا جائے تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے والا۔ (مسحرین) مسحورین: تابع کئے ہوئے۔ (الایکة) الغیضة: وقیل: ھی شجرة: بن جس میں جنگل ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ درخت ہوتے ہیں۔ (الجبلة) الخلق: اخلاق طبیعت، مزاج وغیرہ۔ (یوم الظلة) اظلال العذاب: سائبان کا دن جس دن عذاب آیا تھا، بادل کی شکل میں آگ برسی تھی۔ (واخفض جناحك) الن جانبك: اپنا بازو پست رکھیں اپنے آدمیوں کے لئے (فی کل واد یھیمون) فی کل لغو یخوضون: ہر وادی میں دوڑتے ہیں، ہر لغویات میں گھستے ہیں اور مدح قدح کرتے ہیں۔

---

(۲۷) (سورة النمل)

(۹۷ تا ص ۹۸)

اس سورة مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمال عالم الغیب اور قادر مطلق ہونے کا ذکر ہے۔ اس میں بہت سے معجزات کا ذکر بھی آیا ہے۔ یہ سورة النمل کے نام سے موسوم ہے۔ نمل چیونٹی کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس سورة مبارکہ میں سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں چیونٹی کا ذکر بھی آتا ہے، لہٰذا یہ سورة النمل کے نام سے موسوم کی گئی ہے۔ اس کے مشکل الفاظ اور ان کے مصدقہ معانی بیان کئے جاتے ہیں۔

(بورك) قدس: برکت دی گئی یعنی پاک کیا گیا۔ (شھاب قبس) شعلة من النار تقتبسون منه: آگ کا شعلہ یا چنگاری جو جلتی ہوئی آگ سے حاصل کیا جاتا ہے۔ (اوزعنی) اجعلنی: بنا دے مجھے۔ (یخرج الخبٔ) یعلم کل خفیة فی السماء والارض: جانتا ہے چھپی ہوئی ہر چیز کو آسمان و زمین میں۔ (لا قبل لھم) لا طاقة لھم: ان میں مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ (الصرح) کل ملاط اتخذ من القواریر: ہر فرش جو شیشے کا بنایا گیا ہو۔ والصرح القصر وجماعته: صروح: صرح کا معنی محل اور اس کی جمع صروح یعنی محلات کہلاتی ہے۔ (عرش عظیم) سریر کریم: بڑا تخت عزت والا جیسا کہ ملکہ سبا کا تھا۔ جو معجزانہ طور پر سلیمان علیہ السلام کے دربار

میں لایا گیا تھا۔ (یاتونی مسلمین) طائعین: وہ آئیں میرے پاس اطاعت گزار بن کر۔ (نکروا) غیروا: تخت بلقیس کو تبدیل کر دو۔

(طائرکم) مصائبکم: تمہارا شگون یعنی تمہارے مصائب ومشکلات۔ (ادراك علمهم) غاب علمهم: ان کا علم غائب ہو گیا۔ (ردف) قرب: قریب ہو گیا۔ (یوزعون) یحبسون، وقیل یدفعون: تقسیم کئے جاتے تھے یا قید کئے جاتے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ ہٹائے جاتے تھے۔ وقیل: یحبس اولهم علی آخرهم حتی تنام الطیر: اور بعض کہتے ہیں کہ ان کے پہلے دوسروں کے مقابلے میں روک لئے جاتے تھے یہاں تک کہ پرندے بھی سو جاتے تھے۔ غرضیکہ ہر چیز کا الگ الگ انتظام کیا ہوا تھا۔ (داخرین) صاغرین: ذلیل ہونے والے۔ (جامدة) قائمة: قائم ہونے والی چیز۔ (اتقن) احکم: ہر چیز کو پختہ اور محکم بنایا ہے۔

---

(۲۸) (سورۃ القصص)

(ص ۹۸)

اسی سورۃ مبارکہ میں مختلف انبیاء علیہم السلام کے کئی واقعات بیان کئے گئے ہیں خاص طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ ان واقعات میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی عبرت ناک باتیں بیان کی ہیں۔ اس کے علاوہ اسلام کے بعض اصولوں کا ذکر بھی آ گیا ہے۔ اس سورۃ مبارک میں سے حسب ذیل مشکل الفاظ کے معانی بیان کئے گئے ہیں۔

(قصیه) اتبعی آثره: اس کا سراغ لگاؤ۔ اس کے نقشِ قدم پر پیچھے جاؤ۔ (عن جنب بعد: دور سے موسیٰ علیہ السلام کی بہن ان کو دیکھتی رہیں۔ (آنست) ابصرت: میں نے دیکھا ہے۔ (جذوة) قطعة غلیظة من الخشب لیس فیها لهب: انگارہ، لکڑی کا موٹا ٹکڑا جس میں شعلہ نہ ہو۔ وقیل: شهاب اور بعض کہتے ہیں کہ جذوہ کا معنی شعلہ یا انگارہ ہے۔ یہ لفظ دونوں معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (ردأ) معینا: معاون اور مددگار۔ (سنشد عضدك) سنعینك العضد: المعین: آپ کا بازو مضبوط کریں گے یعنی آپ کی مدد کریں گے۔ عضد کا معنی مددگار اور معاون

ہوتا ہے۔ قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لعمه قل:"لا اله الا الله" اشهدلك بها یوم القیامة قال:لولا ان تعیرنی قریش انما حمله علیها الجزع لا قررت بها عینك فانزل الله تعالیٰ:"انك لاتهدی من احببت" اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب سے مرض الموت میں فرمایا، چچا لا الہ الا اللہ پڑھ لو تا کہ میں اس بنا پر قیامت والے دن اللہ کے دربار میں تیرے لئے گواہی دے سکوں۔ ابوطالب کہنے لگا اگر یہ قریش کے لوگوں کی طرف سے مجھے عار دلانے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں کلمہ پڑھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا، مگر ان لوگوں کی طرف سے مجھے عار دلانے کا خدشہ ہے کہ میں نے ڈر کے مارے مرتے وقت کلمہ پڑھ لیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "اے پیغمبر! جس کو آپ چاہیں اس کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچا سکتے۔ بلکہ یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے کہ جس کو چاہے ہدایت سے نواز دے"۔ (القصص : ۵۶)

(فعمیت علیهم الانباء) الحجج: تاریک ہو جائیں گی ان پر خبریں اور وہ کوئی دلیل نہیں پیش کر سکیں گے۔ (سرمدًا) دائمًا: ہمیشہ کے لئے۔ (لتنؤ) تشقل: بوجھل کرتی تھیں۔ (لرادك الی معاد) الی مكة: آپ کو معاد کی طرف لوٹا دیں گے۔ عام طور پر معاد کا معنی قیامت والا دن کیا جاتا ہے۔ مگر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں پر معاد سے مراد مکہ مکرمہ کی سرزمین ہے۔ حضور علیہ السلام مشرکین کی زیادتیوں کی وجہ سے ہجرت پر مجبور ہو گئے تھے۔ مگر اللہ نے اس موقع پر آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ آپ مکہ چھوڑنے پر دل برداشتہ نہ ہوں، ہم آپ کو دوبارہ مکہ مکرمہ میں لے آئیں گے۔ چنانچہ اللہ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور ۸ھ میں مکہ فتح ہو گیا اور آپ ﷺ فاتح کی حیثیت سے اپنے وطن مالوف میں دوبارہ داخل ہوئے۔

(كل شیٔ هالك الا وجهه) الا ملكه، ویقال الا ماارید به وجه الله: اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ بعض نے وجہ کا معنی ملک کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی بادشاہی کے سوا ہر چیز ناپید ہونے والی ہے۔ اس کا معنی یہ بھی کیا جاتا ہے، ہر چیز فنا ہونے والی ہے مگر وہ چیز جس کے ذریعے اللہ کی رضا چاہتا ہوں، گویا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کئے جانے والے کسی عمل کو فنا نہیں ہے، وہ قائم رہے گا۔

(۲۹)(سورۃ العنکبوت)

(ص ۹۸)

عنکبوت مکڑی کو کہتے ہیں۔اس سورۃ میں مکڑی کے جالے کا ذکر ہے لہٰذا اس سورۃ کو اسی نام سے موسوم کیا گیا ہے۔اللہ نے فرمایا کہ مشرکین کا عقیدہ اس قدر بودا اور کمزور ہے جیسا کہ مکڑی کا تنا ہوا باریک باریک تاروں کا جالا ہوتا ہے جو ذرا سی تیز ہوا یا بارش وغیرہ میں ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے۔

(تخلقون افکا) تصنعون کذبا: تم جھوٹ گھڑتے ہو۔ (اثقالاً) اوزاراً: بوجھ، **قالت ام سعد لسعد: الیس قد امر اللہ بالبر؟ واللہ لااطعم طعاما ولا اشرب شراباً حتی اموت او تکفر** حضرت سعد رضی اللہ عنہ تو ایمان لے آئے مگر ان کی والدہ نہ صرف خود کفر پر اڑی رہی بلکہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ایمان سے محروم کرنے کی کوشش کرتی رہتی۔ایک موقع پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہا، کیا اللہ تعالیٰ نے نیکی کرنے کا حکم نہیں دیا۔اللہ کی قسم، میں نہ کھاؤں گی اور پیوں گی یہاں تک کہ مرجاؤں یا تم اسلام چھوڑ کر دوبارہ کفر میں آجاؤ۔ **فنزلت: "ووصینا الانسان بوالدیہ حسنا وان جاھداك لتشرك بی** ...... القرآن اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی "ہم نے انسان کو تاکیدی حکم دیا ہے اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا اور اگر وہ زور ڈالیں تجھ پر کہ تو میرے ساتھ شریک بنائے اس چیز کو جس کا تجھے علم نہیں ہے، پس ان کی بات مت مانو۔میری طرف ہی تمہیں لوٹ کر آنا ہے، پھر میں تمہیں بتادوں گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے"۔ (آیت : ۸)۔

(تاتون فی نادیکم المنکر) کانوا یخذفون اھل الارض ویسخرون منھم اپنی مجلسوں میں منکر باتیں کرتے ہو۔کہتے ہیں کہ یہ لوگ لوگوں پر کنکریاں پھینکتے تھے، گالیاں دیتے تھے، گوز مارتے تھے اور ایک دوسرے کو مذاق کرتے تھے۔ایسے ہی منکر یعنی برائی کے کام کرتے تھے۔

(۳۰) (سورۃ الروم)

(ص۹۸ تا ص۹۹)

روم عیسائیوں کی بادشاہی کا نام ہے۔ ادھر ایران میں مجوسی مشرکوں کی سلطنت تھی۔ رومی اور ایرانی آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ عرب کے مشرک ایرانی مشرکوں کے ہم نوا تھے جبکہ مسلمان اہلِ کتاب ہونے کی وجہ سے رومیوں کو پسند کرتے تھے اور مشرکوں کے مقابلہ میں ان کی کامیابی کے خواہش مند ہوتے تھے۔ نزولِ قرآن کے زمانہ میں ایرانیوں نے رومیوں پر حملہ کر کے ان کے کچھ علاقہ پر قبضہ کر لیا اور اس طریقے سے مشرکوں کو ایک حد تک اہلِ کتاب عیسائیوں پر غلبہ حاصل ہو گیا۔ اسی دور میں یہ سورۃ الروم نازل ہوئی جس میں واضح کیا گیا کہ رومی مغلوب ہو چکے ہیں تاہم یہ پیشین گوئی بھی کی گئی کہ چند ہی سالوں میں رومیوں کو دوبارہ غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ چنانچہ اس دوران میں حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ مکہ سے مدینہ ہجرت کر چکے تھے اور ۲ھ میں مقامِ بدر میں انہوں نے عرب کے مشرکوں کو زبردست شکست دی، ادھر رومی بھی اپنی تدبیر کے ذریعے ایرانیوں پر دوبارہ غالب آگئے۔ اور اس طریقے سے قرآن پاک کی پیشین گوئی پوری ہو گئی۔ غرضیکہ مسلمانوں اور عیسائیوں کا مشرکین پر غلبہ حاصل ہونا مسلمانوں کے لئے باعثِ مسرت تھا۔ اس سورۃ مبارکہ کے حسب ذیل مشکل الفاظ اور ان کے معانی بیان کئے گئے ہیں۔

كانت فارس يوم نزلت هٰذه الآية (الم غلبت الروم) قاهرين للروم جب یہ آیت نازل ہوئی "الم، رومی مغلوب ہو گئے" اس دوران میں ایرانیوں کو رومیوں پر غلبہ حاصل ہو گیا۔ **وكان المسلمون يحبون ظهور الروم، وكانت قريش تحب ظهور فارس:** مسلمان رومیوں کے غلبہ کو پسند کرتے تھے کیونکہ رومی عیسائی کم از کم برائے نام آسمانی کتاب کی طرف تو منسوب تھے۔ اس کے برخلاف عرب کے مشرک قریش ایرانیوں کے غلبہ کے خواہش مند تھے **فانزل الله هٰذه الآية فظهرت غلبة الروم على فارس في السنة السابعة:** اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ پھر اس کے بعد ساتویں سال میں رومیوں کو فارسیوں پر دوبارہ غلبہ حاصل ہو گیا، اور مسلمانوں کو خوشی حاصل ہوئی۔

(ادنی الارض) طرف الشام: قریب کی سرزمین جس سے ملک شام مراد ہے جوکہ رومیوں کے قبضہ میں آ گیا۔ (اھون) ایسر: آسان۔ (یصدعون) یتفرقون: جدا جدا ہونا۔ (فلا یربو) من اعطی یبتغی الفضل فلا اجر له فیھا: نہیں بڑھتا۔ یعنی جو دیا گیا ہے وہ تلاش کرتا ہے کہ اور زیادہ ملے مگر اس کو زیادہ نہیں ملے گا جیسا کہ سودخوار خواہش رکھتے ہیں۔ (یحبرون) ینعمون: آؤ بھگت کرنا، خوش آمدید کہنا، اور اپنی نعمت عطا کرنا۔ (یمھدون) یھیؤن المضاجع: جگہ کو سنوارتے ہیں تا کہ آرام کر سکیں۔ لیٹنے کیلئے بستر کو ٹھیک کر دیا جائے۔ (الودق) المطر: بارش۔ (السوآی) الاساءۃ: برائی۔ (لا تبدیل لخلق اللہ) لدین اللہ: خلق سے مراد فطرت اور دین ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ (الفطرۃ الاسلام: فطرت سے مراد اسلام ہے۔

---

(۳۱)(سورۃ لقمان)

(ص ۹۹)

یہ سورۃ ایک شخص لقمان کے نام سے موسوم ہے لقمان کون تھا، اس کے متعلق دو اقوال پائے جاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ لقمان اللہ کا نبی تھا۔ تاہم بعض کہتے ہیں کہ یہ شخص حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ایک دانا آدمی تھا مگر نبی نہیں تھا۔ ایک لقمان ابن عادیہ بھی گزرا ہے جو کہ بادشاہ تھا مگر اس سورۃ مبارکہ میں جس لقمان کا ذکر ہے وہ ایک مومن، نیک اور صالح آدمی تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کو نہایت بیش قیمت نصیحتیں کیں جن کو اللہ نے اس سورۃ میں نقل کر دیا ہے۔ ان نصائح میں سرفہرست شرک کی تردید اور والدین کی اطاعت ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم ہے حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو صبر کی تعلیم، غرور سے اجتناب اور اپنی چال اور آواز میں میانہ روی اختیار کرنے کی نصیحت کی۔ اس کے علاوہ اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ اور اس کی عظمت کا بیان ہے۔ آباؤ اجداد کی اندھی تقلید سے منع کیا گیا ہے۔ اور شرک کے رد میں کشتی کی مثال بیان کی گئی ہے۔ اس سورۃ کے آخر میں ان پانچ چیزوں کا ذکر ہے جن کا علم اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا۔ (ولا تصعر خدك للناس) لاتتکبر فتحقر عباد اللہ وتعرض عنھم بوجھك اذا کلموك۔ والتصعر

الاعراض بالوجه: اورلوگوں کے سامنے اپنے گال نہ پھیلاؤ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تکبر نہ کرو، لوگوں کو حقیر سمجھ کران سے اعراض نہ کرو، یعنی جب کوئی تم سے چھوٹا آدمی کلام کرے تو تم اپنا چہرہ دوسری طرف نہ پھیرلو۔ غرضیکہ تصعر سے مراد چہرہ کو حقارت کی وجہ سے پھیر لینا ہے۔

(الغرور) الشیطان: غرور مصدر ہےاور معنی دھوکہ باز ہے۔ شیطان کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس سے بچ کر رہنا کیونکہ وہ بڑا دھوکہ باز ہے۔ ولا یغرنکم باللہ الغرور (آیت : ۳۳)اور نہ دھوکے میں ڈالے تمہیں اللہ کے ساتھ بڑے دھوکے باز۔ (ختار) غدار: عہد شکن، ناشکر گزار۔ یا غدار۔

---

(۳۲) (سورة الٓمٓ السجدة)

(ص۹۹)

اس سورۃ میں اسلام کے بنیادی عقائد کا ذکر ہے، نیز اہلِ ایمان اور دوسروں کا تقابل بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کی بڑائی اور اہلِ ایمان کی کامیابی کا خاص طور پر ذکر ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس سورۃ کے حسب ذیل الفاظ کا انتخاب کر کے ان کے مصدقہ معانی بیان کیے ہیں۔

(تتجافٰی جنوبھم عن المضاجع) نزلت فی انتظار الصلوٰۃ: نیک بندوں کی صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ رات کے وقت اپنے پہلو بستروں سے دور رکھتے ہیں۔ جب لوگ گہری نیند سو رہے ہوتے ہیں تو یہ لوگ اٹھ کر اللہ کے سامنے عجز و نیازمندی، مناجات اور دعائیں کرتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ آیت نماز کے انتظار کے بارے میں نازل ہوئی۔ (نسینا کم) ترکنا کم: ہم نے تمہیں فراموش کردیا ہے یعنی چھوڑ دیا ہے (العذاب الادنی) مصائب الدنیا و اسقامھا و بلاؤھا: قریبی عذاب یعنی دنیا کے آلام و مصائب، بیماریاں اور آزمائشیں۔ (مھین) ضعیف: کمزور۔ اس سے قطرہ آب کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے انسان کو حقیر قطرۂ آب سے پیدا کر کے کڑیل جوان بنا دیا۔ یہ وہی قطرۂ آب ہے جس سے نفرت کی جاتی ہے اور جو پیشاب کی نالی سے گزر کر رحمِ مادر میں پہنچتا ہے۔ مگر اس حقیر اور ناپاک نطفہ سے اللہ نے انسان جیسی کمال چیز پیدا کی ہے۔

وهو نطفة الرجل اس سے آدمی کا نطفہ مراد ہے۔

(الجرز) التی لا تمطر الا مطرًا لا یغنی عنهم شیئًا: چٹیل میدان جس میں بالعموم بارش نہیں ہوتی۔ اور اگر بارش ہو بھی تو بے سود جیسا کہ کسی چکنے پتھر پر بارش ہونے کا کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ (اولم یهد) اولم یبین: کیا ان لوگوں پر واضح نہیں ہوا، ظاہر نہیں ہوا؟۔

---

(۳۳) (سورۃ الاحزاب)

(ص۹۹ تا ص۱۰۰)

اس سورۃ کا نام سورۃ الاحزاب ہے۔ احزاب حزب کی جمع ہے جسکا معنی گروہ ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں غزوہ احزاب یا غزوہ خندق کا خاص طور پر ذکر ہے۔ مشرکین کی پندرہ سے بیس ہزار تک کی فوج نے مدینہ پر چڑھائی کر دی تھی جبکہ اس وقت مسلمان مجاہدوں کی تعداد صرف چار اور پانچ ہزار کے درمیان تھی۔ چونکہ اس دور میں مشرکوں کے بہت سے گروہ حملہ آور ہوئے تھے اس لئے اس جنگ کو غزوۂ احزاب کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بہر حال حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے اہلِ ایمان نے مدینہ کے تین اطراف میں دس فٹ چوڑی اور قدِ آدم گہری خندق کھود کر مدینہ کا دفاع کیا۔ اکا دکا جس مشرک نے خندق عبور کرنے کی کوشش کی دوسری طرف موجود مجاہدین اسے جہنم رسید کرتے۔ مشرکین کا یہ محاصرہ ایک ماہ تک جاری رہا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرشتے اور تیز ہوا بھیج کر محاصرین کو تتر بتر کر دیا اور وہ اپنا مقصد حاصل کئے بغیر ہی محاصرہ چھوڑ کر چلے گئے۔

اس کے علاوہ اس سورۃ مبارکہ میں حضرت زید کو متبنیٰ بنانے، حضور علیہ السلام کا اپنی پھوپھی زاد بہن کا حضرت زید رضی اللہ عنہ سے نکاح، پھر طلاق اور پھر مطلقہ کا نکاح خود حضور علیہ السلام سے ہونے کا ذکر ہے۔ اس سورۃ میں حضور علیہ السلام کے بعض خانگی امور کا بھی ذکر ہے۔ اہلِ بیت کی تطہیر اور ختم نبوت کا مسئلہ بھی بیان ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم اور آپ پر درود و سلام پڑھنے کا حکم ہے۔

کان الناس یدعون زید ابن حارثة: زید بن محمد حتی نزل القرآن: "ادعوهم لآبائهم" لوگ حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ کو زید ابن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر پکارتے تھے۔ یہاں

تک کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حکم نازل فرمایا "ان کو اپنے باپوں کے نام سے ہی پکارو"۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بچپن میں ہی حضور علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ گئے تھے ان کو کسی طریقے سے غلام بنالیا گیا اور یہ بکتے بکاتے ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ گئے۔ پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے زید کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید رضی اللہ عنہ کو اپنا متبنیٰ یعنی منہ بولا بیٹا بنالیا۔ عربوں کے دستور کے مطابق منہ بولا بیٹا بھی حقیقی بیٹا ہی تصور ہوتا تھا اور اس کو حقیقی بیٹے والے سارے حقوق حاصل ہوتے تھے۔

جب حضرت زید رضی اللہ عنہ کے خاندان والوں کو زید کے قریش مکہ کی تحویل میں ہونے کا علم ہوا تو ان کے چچا اور بھائی نے مکہ پہنچ کر اپنا تعارف کرایا اور فدیہ دے کر زید کی آزادی کی خواہش ظاہر کی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے کسی فدیہ وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر زید اپنے خاندان میں واپس جانا چاہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، وہ میری طرف سے آزاد ہے۔ مگر حضرت زید رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی کریمانہ رفاقت کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوئے اور اپنے لواحقین کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ لہٰذا آپ کے لواحقین سخت مایوس ہوگئے۔ اسی اثنا میں حضور علیہ السلام نے اعلان کر دیا کہ میں نے زید رضی اللہ عنہ کو آزاد کر کے اسے اپنا متبنیٰ بنالیا ہے اور فرمایا کہ یہ میرا وارث ہوگا اور میں اس کا وارث ہوں گا، اس اعلان پر زید رضی اللہ عنہ کے چچا اور بھائی مطمئن ہوگئے اور وہ بخوشی اپنے وطن چلے گئے۔ اس کے بعد لوگ آپ کو زید ابن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر پکارنے لگے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر متبنیٰ کا مسئلہ حل فرمادیا اور واضح کر دیا کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹے کی طرح نہیں ہوتا۔ لہٰذا لے پالک بیٹوں کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارا کرو۔ چنانچہ اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زید ابن محمد کی بجائے زید ابن حارثہ کہنے لگے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ واحد صحابی ہیں جن کا نام قرآن میں ذکر کیا گیا ہے۔

وعن ابن عباس: كان المنافقون يقولون: لمحمد قلبان، قلب معهم وقلب معكم، فانزل الله "ما جعل لرجل من قلبين" حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ منافقوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دو دل ہیں، ایک ہمارے ساتھ اور دوسرا مخلص مومنوں کے ساتھ ہے۔ اس بات کی تردید کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "اللہ تعالیٰ نے کسی کے

سینے میں دو دل نہیں بنائے"۔ البتہ کبھی انسان سے بھول بھی ہو جاتی ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے۔ انسانوں کے جد امجد سے بھول ہوگئی تھی لہٰذا ان کی اولاد بھی بھولتی ہے۔ اگر بھول ہو جائے تو اس کا علاج بھی بتلا دیا گیا ہے۔ چنانچہ نماز میں بھول جانے پر بعض سورتوں میں سجدہ سہو سے بھول کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ **(فمنهم من قضىٰ نحبهٗ) اجله الذى قدر له:** ان میں سے وہ بھی ہے جس نے اپنی مدت پوری کر لی۔ یعنی وہ مدت جو اس کے مقدر میں تھی۔ **قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: طلحة ممن قضى نحبه:** حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ انہی لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنی مدت پوری کر لی ہے۔ جنگ احد کے موقع پر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کے دفاع کا حق ادا کر دیا۔ آپ کی طرف آنے والا ہر تیر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ پر روکتے رہے حتی کہ آپ کا ہاتھ بالکل شل ہو گیا۔ اسی لئے فرمایا کہ طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنی مدت یا اپنا عہد پورا کر دیا ہے۔ آپ ان کو زندہ شہید کہا کرتے تھے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ انہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا وہ پورا کر دیا ہے مگر شہید نہیں ہوئے بلکہ زندہ سلامت رہے۔ فرمایا، اللہ نے آپ کے ہاتھ پر دوزخ کی آگ کو حرام کر دیا ہے اور جنت کو واجب قرار دے دیا ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی کا دور نہایت جرات و بہادری کے ساتھ پورا کیا ہے۔ بالآخر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ جنگ جمل میں شہید ہوئے۔

(صياصيهم) قصورهم: ان کے قلعے۔ **(سلقوكم) استقبلوكم:** وہ کاٹتے ہیں تم کو۔ یعنی جب منافق لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو تم کو کاٹتے ہیں۔ **(بالسنة حداد) اى فى طعن:** تیز زبانوں یعنی چرب زبانی سے آپ کو طعن و ملامت کرتے ہیں۔ **(فيطمع الذى فى قلبه مرض) فجور وزنا:** جس کے دل میں روگ ہے وہ فجور اور بدکاری کیلئے طمع کرے گا۔ مطلب یہ ہے کہ مومن عورتیں اجنبی مردوں سے سختی اور تلخی سے بات کریں، نہ کہ نرمی اور محبت سے۔ **قالت امراة: ما ارى كل شىء الا للرجال، وما ارى النساء يذكرن بشىء؟ فنزلت: "ان المسلمين والمسلمات"** ایک عورت نے کہا، میں نہیں خیال کرتی مگر ہر چیز مردوں میں۔ یعنی فضیلت کی ساری باتیں مردوں کے لئے آ رہی ہیں۔ اور میں نہیں خیال کرتی کہ عورتوں کا بھی کسی چیز میں ذکر ہو گا۔ اس پر

یہ آیت نازل ہوئی: "ان المسلمین والمسلمات ...... القرآن" بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ...... اللہ تعالیٰ نے یہاں پر مردوں اور عورتوں کی دس صفات بیان کرنے کے بعد آخر میں فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ اس طریقے سے عورتیں بھی فضیلت اور درجات میں داخل ہوگئیں۔

(وتخفی فی نفسك) نزلت فی شان زینب بنت جحش وزید بن حارثة: آپ اپنے جی میں چھپاتے ہیں۔ یہ آیت ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اور زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی آپ اپنے دل میں یہ بات چھپا رہے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے، مگر اللہ نے اس کو ظاہر کر دیا۔ مشرکوں کا رسم ورواج تو غلط ہے، صحیح بات اللہ ہی کی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ صحیح بات کو ظاہر کر دیتا ہے۔ **(یصلون) یبرکون:** نماز میں بیٹھنے کی طرح گھٹنے ٹیکتے ہیں۔ **(ترجی) تؤخر:** آپ پیچھے ہٹا دیں۔ **بنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بزینب فدعا قومًا الی الطعام فلما اکلوا وخرجوا بقی رجلان یتحدثان:** ام المؤمنین، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی رخصتی پر حضور علیہ السلام نے دعوت ولیمہ کا اہتمام کیا جس میں بہت سے لوگوں کو مدعو کیا جب کھا چکے اور چلے گئے تو دو آدمی بیٹھے پھر بھی باتیں کرتے رہے۔ **فانزل اللہ: "یا ایها الذین آمنوا لا تدخلوا بیوت النبی ...... الآیة۔** اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "اے ایمان والو! مت داخل ہو نبی کے گھروں میں مگر یہ کہ تمہیں اجازت دی جائے کھانے کے لئے، اس حال میں کہ کھانے کے پکنے کا انتظار کرنے والے نہ ہو۔ لیکن جب تم کو بلایا جائے تو داخل ہو جاؤ، اور جب کھا چکو تو چلے جاؤ، اور آپس میں بات چیت کے لئے جی لگا کر بیٹھنے والے نہ ہو"

(لنغرینك بهم) لنسلطنك علیهم: ہم آپ کو منافقوں کے مقابلے میں ابھاریں گے یعنی ان پر مسلط کر دیں گے۔ ان کی پٹائی ہوگی یا ان کو قید کر دیا جائے گا کیونکہ وہ مسلمانوں کے خلاف غلط پراپیگنڈا کرتے تھے۔ **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان موسی کان رجلًا حییًا ستیرًا من جلده شیء، فقالوا: ما یستتر الا من عیب،** حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام حیادار آدمی تھے، وہ پردے میں غسل کرتے تھے اور جسم کے کسی حصہ کو ظاہر نہیں کرتے تھے اس

پر لوگوں نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کے جسم میں کوئی عیب ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے جسم کا کوئی حصہ ظاہر نہیں کرتے۔ وانہ خلا یومًا وحدہ فوضع ثیابہ علی حجر واغتسل وان الحجر عدا بثوبہ فطلب موسی الحجر یقول: ثوبی حجر، ثوبی حجر، حتی انتھی الی ملأ من بنی اسرائیل فرأوہ عریانًا احسن الناس خلقًا: ایک روز موسیٰ علیہ السلام نے غسل کرنے کے لئے خلوت اختیار کی اور اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے اور نہانے لگے۔ اس دوران میں پتھر معجزانہ طور پر آپ کے کپڑے لے کر چل دیا۔ موسیٰ علیہ السلام افراتفری میں پتھر کے پیچھے یہ کہتے ہوئے دوڑے، پتھر میرے کپڑے چھوڑ دو، پتھر میرے کپڑے چھوڑ دو۔ اتنے میں پتھر بمعہ کپڑوں کے بنی اسرائیل کے سرداروں کے ایک گروہ کے پاس پہنچ گیا۔ اس موقع پر جب انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو برہنہ دیکھا تو آپ کو بہتر خلقت پر پایا، گویا ان کے زعم کے خلاف موسیٰ علیہ السلام کے جسم میں کوئی عیب والی چیز نہیں تھی۔

فذلک قولہ: ''فبراہ اللہ مما قالوا'' اس بنا پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو لوگوں کے الزام سے بری کر دیا'' لوگ خیال کرتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام کو ادرہ کی بیماری ہے جس کی وجہ سے جسم کے فوطے پھول جاتے ہیں مگر جب لوگوں نے آپ کو بالکل برہنہ حالت میں دیکھا تو آپ کے جسم میں کسی عیب کو نہ پایا۔ اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس عیب کے اتہام سے چھٹکارا دلایا۔ (سدیدًا) قولاً عدلاً حقًا: سچی یعنی حق وانصاف پر مبنی بات۔ (الامانۃ) الفرائض: امانت سے مراد فرائض ہیں۔ (جھولاً) غرًا بامر اللہ: جاہل یعنی اللہ کے حکم کے ساتھ دھوکہ کھانے والا ایسا آدمی جس کو یقین نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ کس طریقے سے پورا ہو جاتا ہے اس کو کہتے ہیں کہ جھول انسان ہے۔

(۳۴) (سورۃ سبا)

(ص ۱۰۰)

سبا ایک شخص، قوم اور ملک کا نام تھا عربوں میں جس کے نام پر یہ سورۃ سبا موسوم ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: هو رجل ولد له عشرة من العرب، فتيا من منهم ستة و تشاء م منهم اربعة، حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ سبا نامی عربوں میں ایک شخص تھا جس کے دس نوجوان بیٹے تھے۔ ان میں سے چھ تو یمن کی طرف چلے گئے اور چار شام کی طرف۔ پھر آگے ان کی اولادیں ہوئیں اور پوری دنیا میں پھیلتی چلی گئیں اور یہ شاخ در شاخ ہزاروں کی تعداد میں آباد ہوتے چلے گئے۔

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور انبیاء ؊ کا طریق تبلیغ بیان کیا گیا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ بھی ہے جو اپنے شیشے سے بنے ہوئے عبادت خانہ میں لاٹھی سے ٹیک لگا کر عبادت میں مصروف تھے اور ادھر آپ کے حکم سے جنات بیت المقدس کی تعمیر کر رہے تھے۔ اسی اثنا میں سلیمان علیہ السلام کی موت کا وقت آ گیا اور لاٹھی کی ٹیک لگائے کھڑے کھڑے ہی ان کی روح قبض کر لی گئی۔ پھر جب آپ کی لاٹھی کو دیمک نے چاٹ لیا تو لاٹھی ٹوٹ گئی اور آپ کا جسم زمین پر آ گرا۔ اس وقت جنات کو معلوم ہوا کہ سلیمان علیہ السلام تو فوت ہو چکے ہیں اور وہ ابھی تک ان کے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں۔ اس وقت جنات نے کہا تھا کہ اگر ہمیں سلیمان علیہ السلام کی وفات کا پہلے علم ہو جاتا تو وہ اسی وقت کام چھوڑ کر چلے جاتے۔ بہرحال اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے لئے علم غیب کی نفی فرمائی ہے۔ اصلاح اخلاق اور تہذیب انسانی پر زور دیا گیا ہے۔ قومِ سبا کی خوشحالی اور جب اللہ کا غضب نازل ہوا تو ان کا بنایا ہوا پانی کے لئے بند ٹوٹ گیا اور ان کی تمام کھیتیاں اور باغات تباہ ہو گئے اور لوگ دوسرے علاقوں کی طرف چلے گئے۔ اسی سورۃ میں حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی اور ان کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والے معجزات کا ذکر بھی موجود ہے۔ اس سورۃ کے حسب ذیل مشکل الفاظ کے معانی شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بیان کئے ہیں جو صحیح اسناد کے ساتھ ثابت ہیں۔

(منساته) عصاه: سلیمان علیہ السلام کی لاٹھی۔ (سيل العرم) الشدید: سخت تباہ کن

سیلاب۔ (خمط) الاراك: کسیلا پھل جس کا نہ ذائقہ ہوتا ہے اور نہ خوشبو جیسے پیلو کا درخت۔ (ھل یجازی) یعاقب: نہیں گرفت کی جاتی اور نہ سزادی جاتی ہے مگر ناشکرگزاروں کو (الاثل) الطرفاء: جھاؤ کا درخت جس کی لمبی لمبی شاخیں ہوتی ہیں مگر پھول یا پھل کچھ بھی نہیں ہوتا۔ (اوبی معہ) سبحی: تسبیح بیان کرو۔اللہ نے پہاڑوں درختوں اور پرندوں کو حکم دیا کہ وہ داؤد علیہ السلام کے ساتھ مل کر تسبیح بیان کریں۔ (وقدر فی السرد) المسامیر والحلق: اور کڑیوں کے جوڑنے میں اپنے فن کے کمال کا مظاہرہ کرو۔سرد سے مراد لوہے کے وہ لمبے تار اور حلقے ہیں جن کو جوڑ کر زرہ بنائی جاتی ہے جو جنگ کے دوران جسم کی حفاظت کے لئے پہنی جاتی ہے۔ (واسلنا لہ عین القطر) اذبنا لہ الحدید ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لئے لوہے کا چشمہ بہادیا۔یعنی لوہے کو پگھلا دیا۔ وقیل: الصفر: اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد پیتل یا تانبا ہے۔

(محاریب) بنیان مادون القصور: بڑے بڑے قلعے تعمیر کرتے تھے (وجفان کالجواب) کحیاض الابل، والجوابی: الحیاض الواسعة حوضوں کی مانند بڑے بڑے پیالے جو اونٹوں کو پانی پلانے کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ والجوابی، جابیہ کی جمع ہے۔اس سے مراد بھی اونٹوں کی سیرابی کے لئے استعمال ہونے والے ٹب یا پیالے مراد ہیں۔ (فزع) جلی: جب گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے۔ (الفتاح) القاضی: کھولنا یا فیصلہ کرنا۔ (معشار) عشر: دسواں حصہ۔ (اعظکم بواحدۃ) بطاعة اللہ: میں تمہیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ (وبین مایشتھون) من مال و ولد وزھرۃ: اس کے درمیان جو وہ چاہتے ہیں یعنی مال، اولاد اور دنیا کی رونق۔

(باشیاعھم) بامثالھم: ان جیسے لوگوں کے ساتھ۔یعنی ان کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوا جو ان جیسوں کے ساتھ ہو چکا تھا۔ (فلا فوت) فلا نجاۃ: نکلنے یا نجات حاصل کرنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ (انی لھم التناوش) فکیف لھم بالرد، ای من الآخرۃ الی الدنیا: اس وقت ان کا پالینا کیسے ممکن ہوگا یعنی وہ آخرت سے دنیا کی طرف کیسے واپس آ سکتے ہیں۔دارالجزا میں پہنچ کر دنیا میں واپسی کی خواہش پوری نہ ہو سکے گی۔

(۳۵) (سورة الملائكة)

(ص۱۰۰)

اس سورۃ کا نام سورۃ الملائکہ اور سورۃ الفاطر ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو قاصد بنانے کا ذکر کیا ہے۔ اس کا دوسرا نام مفسرین سورۃ الفاطر بھی بیان کرتے ہیں جو کہ اس کی پہلی ہی آیت میں آمدہ لفظ فاطر سے ماخوذ ہے۔ اس سورۃ کے مضامین بھی گزشتہ سورۃ سبا کے ساتھ ہی ملتے جلتے ہیں۔ اس سورۃ میں سے شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ان مشکل الفاظ کے مصدقہ معانی بیان کئے ہیں۔

(**الكلم الطيب**) **ذكر الله**: اس سے مراد پاک کلمہ یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ (**والعمل الصالح**) **اداء الفرض**: نیک عمل سے مراد فرض کی ادائیگی ہے۔ (**قطمير**) **هو جلد الذى يكون على ظهرة النواة**: اس سے مراد وہ چھلکا ہے جو کھجور کی گٹھلی کے اوپر ہوتا ہے۔ (**لغوب**) **اعياء**: تھک جانا، تھکاوٹ ہو جانا۔ (**جدد**) **هى الطرائق**: مختلف راستے۔ (**الحرور**) **بالنهار**: دن کے وقت چلنے والی گرم ہوا یعنی لُو۔ **وقيل: الحرور بالليل والسموم بالنهار مع الشمس**: بعض کہتے ہیں کہ حرور سے مراد رات کو چلنے والی ہوا، اور سموم سے مراد دن کے وقت دھوپ میں چلنے والی ہوا ہے۔ (**مثقلة**) **بالوزر**: بوجھ۔

(**غرابيب سود**) **الشديد السواد**: سخت سیاہ۔ جھاڑیاں، پتے، مٹی وغیرہ سخت سیاہ ہوتے ہیں۔ (**ثم اورثنا الكتٰب الذين اصطفينا**) **قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كلهم فى الجنة**: پھر ہم نے منتخب لوگوں کو کتاب کا وارث بنایا۔ اس سے مراد آخری امت کے لوگ ہیں۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اپنے نفس پر زیادتی کی اور بعض وہ ہیں جنہوں نے میانہ روی اختیار کی اور تیسرا گروہ وہ ہے جو نیکیوں میں سبقت کرنے والا ہے۔ اللہ کے رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ سب کے سب گروہ جنتی ہیں۔

(۳۶) (سورۃ یٰسٓ)

(ص۱۰۰ تا ص۱۰۱)

اس سورۃ کا نام سورۃ یٰسین ہے۔ یٰسین قرآن کا نام بھی ہے اور پیغمبر ﷺ کا بھی اور اس کا معنی سردار آتا ہے۔ اس سورۃ اور سورۃ الواقعہ کے مضامین یکساں ہیں اس سورۃ میں بھی وہی چار اصول بیان ہوئے ہیں جن کو اصول الکلام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یعنی توحید، رسالت، قیامت اور صداقت قرآن۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور صاحب کتاب شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ان اصولوں کو اصول اربعہ کا نام دیتے ہیں۔ اس سورۃ مبارکہ کے حسب ذیل مشکل الفاظ اور ان کے مصدقہ معانی بیان کئے گئے ہیں۔

کانت بنو سلمة فی ناحیة المدینة فارادوا النقلة الی قرب المسجد فنزلت: "انا نحن نحی الموتٰی ونکتب ما قدموا وآثارهم" قبیلہ بنو سلمہ مدینے کے کنارے پر رہائش پذیر تھے۔ پھر انہوں نے ارادہ کیا کہ وہاں سے نقل مکانی کر کے مسجد نبوی کے قریب آجائیں۔ ظاہر ہے کہ ان کا مقصد مسجد نبوی میں نماز کی ادائیگی اور حضور نبی کریم ﷺ کی صحبت سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونا تھا۔ اس موقع پر اس سورۃ مبارکہ کی یہ آیت نازل ہوئی۔ "بے شک ہم مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور لکھتے ہیں جو کچھ انہوں نے آگے بھیجا، اور ان کے نقش قدم بھی" مقصد یہ ہے کہ مسجد میں جتنی دور سے کوئی آئے گا، اس کے لئے اتنا ہی زیادہ اجر ہوگا۔ ہر ہر قدم پر نیکی لکھی جائے گی، برائی مٹائی جائے گی اور مرتبہ بلند کیا جائے گا۔

(مقمحون) المقمح الشامغ بانفه، المنکس راسه: ان کے سر اوپر کو اٹھ رہے ہیں یعنی ناک تک طوق پڑے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے کافروں کو کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ **(طائرکم) مصائبکم:** تمہارا شگون یعنی تمہارے مصائب و آلام۔ **(احصیناہ) حفظناہ:** ہم نے اس کو شمار کر رکھا ہے یعنی محفوظ کر لیا ہے۔ **(فعززنا) شددنا:** ہم نے بخشی ہے یعنی مضبوط کیا ہے۔ **(یا حسرۃ ویل لهم وحسرة علیهم لاستهزائهم بالرسل:** افسوس ہے بندوں پر، ان کے لئے ہلاکت اور افسوس ہے کیونکہ وہ اللہ کے رسولوں کے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے۔ **(کالعرجون القدیم) اصل العذق العتیق:** پرانی شاخ کی مانند ٹیڑھا۔ شاخ کی طرح آخر میں چاند بھی ٹیڑھا سا ہو جاتا ہے۔

(المشحون) المملی: بھری ہوئی کشتی۔ (ان تدرك القمر) لا یستضی احدهما بضوء الاخر ولا ینبغی ذلك لهما: نہ تو سورج چاند کو پاسکتا ہے اور نہ چاند سورج کو بلکہ دونوں اپنے اپنے مدار میں چل رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کی روشنی سے منور نہیں ہو سکتا۔

(ولا اللیل سابق النهار) یتطالبان حثیثین: نہ ہی رات دن سے سبقت کرتی ہے دونوں ایک دوسرے سے طلب کرتے ہوئے آگے پیچھے آتے ہیں۔ (نسلخ منه النهار) فخرج احدهما من الآخر ونجری کل واحد منهما من الاخر: رات کی تاریکی سے ہم دن کو کھینچ کر لاتے ہیں، اور ہم ہر ایک کو دوسرے سے نکالتے اور ہر ایک کو دوسرے سے الگ کرتے ہیں۔ (من مثله ما یرکبون) من الانعام: ایسے ہی جانور جن پر وہ سواری کرتے ہیں (جند محضرون) عند الحساب: حساب کتاب کے وقت حاضر کئے جائیں گے۔ (الاجداث) القبور: قبریں۔ (ینسلون) یخرجون: نکلیں گے۔ (من مرقدنا) مخرجنا: ہمارے لیٹنے یا نکلنے کی جگہ سے یعنی قبروں سے۔

---

(۳۷) (سورة الصافات)

(ص ۱۰۱)

اس سورۃ میں بنیادی عقائد کے علاوہ انبیاء علیہم السلام حضرت نوح، ابراہیم، موسیٰ، ہارون، الیاس اور یونس علیہم السلام کا خاص طور پر ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شرک کی تردید فرمائی ہے، خاص طور پر فرشتوں کو معبود ماننے کی نفی کی گئی ہے۔ خدا کے مخلص بندوں کے انعامات اور جنتیوں اور دوزخیوں کے مکالمے اور اہلِ جہنم کو ملنے والی سزا کی جھلکیاں بھی دکھائی گئی ہیں۔

(واصب) دائم: دائمی عذاب: (لا زب) ملتزق: چپکنے والا۔ (یستسخرون) یسخرون: ٹھٹھہ کرتے ہیں۔ (فاهدوهم) وجوههم: چلاؤ ان کو چہروں کے بل۔ (وقفوهم) احبسوهم: کھڑا کرو ان کو قیدی کی صورت میں۔ (انهم مسؤلون) محاسبون: ان سے پوچھا جائے گا یعنی ان کا محاسبہ کیا جائے گا۔ (مالکم لا تناصرون) تمانعون: کیا ہوا تمہیں، ایک

دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے، کس چیز نے تمہیں منع کیا ہے۔ (مستسلمون) مسخرون: نرم، ڈھیلے، مسخر ہوں گے۔ (غول) صداع، وقیل: لانتن ولا کراھة کخمر الدنیا: دردِسر۔ شراب طہور کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس دنیا کی شراب کی طرح اس میں نہ تو بدبو ہوگی اور نہ ہی اس سے کراہت آئے گی۔ (بیض مکنون) هو اللؤلؤا المکنون: چھپا ہوا موتی جس پر ذرا بھی گردوغبار نہ ہو۔ (سواء الجحیم) وسط الجحیم: جہنم کی طرف سیدھا راستہ جو جہنم کے درمیان تک لے جائے۔ (شوبا) یخلط طعامهم ویساط بالحمیم: ان کے کھانے میں ملاوٹ ہوگی اور گرم پانی میسر ہوگا۔ (الفوا) وجدوا: وہ پائیں گے۔ (وجعلنا ذریته هم الباقین) قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: حام و سام و یافث ان کی اولاد کو ہم نے باقی رکھا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ نوح علیہ السلام کی اس اولاد سے مراد آپ کے بیٹے حام، سام اور یافث ہیں۔ اب پوری دنیا کے انسان انہی تین بیٹوں کی اولاد ہیں۔

(وترکنا علیه فی الآخرین) لسان صدق للانبیاء کلهم: ہم نے ان کو پچھلوں میں باقی رکھا۔ ابراہیم علیہ السلام کے متعلق کہا گیا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی زبان پر ان کا ذکر خیر رہا ہے۔ (وان من شیعته) اهل دینه: وہ اس کے گروہ یعنی اس کے دین میں تھا۔ (یزفون) ینسلون فی المشی: تیزی سے بڑھتے ہیں یعنی تیزی سے آگے نکل جاتے ہیں۔ (بلغ معه السعی) العمل: اس کے ساتھ بھاگ دوڑ کی حد تک پہنچ گیا اور کام کاج کے قابل ہوگیا۔ (وتله) صرعه: اس کو نیچے پچھاڑ دیا۔ (وهو ملیم) مسیئ مذنب: وہ ملامت کرنے والا یا ملامت کیا ہوا تھا۔ یعنی برائی کرنے والا گنہگار۔ (فی الغابرین) فی الباقین: پیچھے رہنے والوں یعنی باقی رہنے والوں میں۔ (الفلك المشحون) السفینة الممتلئة: بھری ہوئی کشتی۔

(فنبذناه بالعراء) القیناه بالساحل، وقیل: وجه الارض: ہم نے اس کو چٹیل میدان یعنی ساحل پر ڈال دیا۔ اس سے مطلق زمین کا چہرہ بھی مراد لیتے ہیں۔ (من یقطین) من غیر ذات اصل وهو الدباء ونحوه: ایسا درخت جس کے نیچے تنا نہیں ہوتا۔ اس سے کدو وغیرہ کی بیل مراد ہے۔ اسکے دو خواص ہیں کہ کھدرا پن نہیں ہوتا، نیز اس پر مکھی نہیں بیٹھتی۔ ایسی ہی بیل کے پاس

یونس علیہ السلام کا نرم جسم ڈال دیا گیا۔ مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے یونس علیہ السلام کا جسم بالکل نرم ہو چکا تھا۔ اور وہ ذرا سی سختی بھی برداشت کرنے کے قابل نہیں تھا۔ اللہ نے اپنی حکمت سے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ آپ کو ساحل پر نرم ریتلی زمین پر کدو کی بیل کے پاس پھینک دے۔ پھر جب آپ کا جسم قدرے شدت برداشت کرنے کے قابل ہو گیا تو آپ وہاں سے اپنے مقام کی طرف چل دیئے۔ (**بفاتنین**) **مضلین**: گمراہ کرنے والے۔ (**لنحن الصافون**) **هم الملائكة**: فرشتوں کی طرح صف بستہ۔

---

(۳۸) (سورۃ ص)

(ص ۱۰۱ تا ص ۱۰۲)

اس سورۃ میں بھی تقریباً اسی قسم کے مضامین آئے ہیں جیسے گزشتہ دو سورتوں میں انبیاء علیہم السلام کی آزمائش کے واقعات اور پھر اصول اربعہ یعنی توحید، رسالت معاد اور قرآن کریم کی حقانیت کا ذکر ہے۔ ان سب سورتوں میں انہی اصولوں کا تذکرہ ہے، کہیں کم اور کہیں زیادہ۔ اس سورۃ مبارکہ کے حسب ذیل مشکل الفاظ کے معانی بیان کیے گئے ہیں۔

(**فی عزة**) **نفار**: نفرت سے ناک منہ چڑھانا۔ (**الملة الآخر**) **وهی ملة قریش**: آخری ملت یعنی قریش جن کے دور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ (**ولات حین مناص**) **لیس حین فرار**: اب فرار کا وقت نہیں بلکہ محاسبہ اعمال اور گرفت کا وقت ہے۔ (**عجاب**) **عجب**: تعجب مراد ہے۔ (**الاختلاق**) **الكذب والتخريص**: جھوٹ اور گھڑی ہوئی بات۔ (**فليرتقوا فی الاسباب**) **السماء، وقيل طرف السماء وابوابها**: چاہیے کہ وہ اوپر آسمان کی طرف چڑھ کر دیکھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد آسمان کے کنارے اور اس کے دروازے ہیں۔ (**جند ما هنالك مهزوم**) **يعنی قريشا**: یہ تھوڑا سا شکست خوردہ لشکر ہے یعنی قریش مکہ۔ (**اولئك الاحزاب**) **القرون الماضية**: یہ سابقہ قرون والے مختلف گروہ ہیں۔ (**فواق**) **رجوع وترداد**: رجوع کرنا اور لوٹانا۔ (**قطنا**) **القط العذاب، وقيل: الجزاء، وقيل الصحيفة**: اس سے مراد عذاب ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جزا مراد ہے، اور بعض کے نزدیک صحیفہ ہے۔ (**ولا تشطط**)

لاتسرف: فضول خرچی نہ کرو۔

(وعزنی) غلبنی: مجھ پر غالب آ گیا۔ (الخلطاء) الشرکاء: اس سے مراد شریک لوگ ہیں۔ (الصافنات) صفن الفرس رفع احدی رجلیه تکون علی طرف الحافر: گھوڑے کے پاؤں کو باندھ دینا۔ جب گھوڑا پاؤں اٹھاتا ہے تو اس کا دوسرا پاؤں زمین کے کنارے پر ہوتا ہے۔ (الجیاد) السراع: تیز رفتار گھوڑا۔ (فطفق مسحًا) جعل بمسح اعراف الخیل وعراقیبها: انہوں نے گھوڑوں کی گردن کے بالوں اور اس کی پنڈلیوں کو ہاتھ لگانا شروع کیا۔ (جسدًا) شیطانًا: شیطان ملعون۔ (رخاء) طیبة مطیعة له: پاکیزہ اور مطیع اس کے لئے۔

(حیث اصاب) حیث اراد: جب بھی ارادہ کرتے تھے۔ (الاصفاد) القیود: بندش، قیود۔

(فامنن) اعط: عطا کریں، احسان کریں۔ (ارکض) اضرب، یرکضون یعدون: اپنے پاؤں کو ماریں جو پاؤں مارتے ہیں۔ (ضغثًا) حزمة: بندھا ہوا گٹھا۔ (اولی الایدی) القوة: طاقت ور لوگ۔ (والابصار) الفقه فی الدین، وقیل: التبصر فی امر اللّٰہ: دین میں سمجھ رکھنے والے لوگ۔ بعض کہتے ہیں کہ حکم الٰہی میں بصیرت رکھنے والے لوگ۔ (قاصرات الطرف عن غیر ازواجهن: اپنے خاوندوں کے علاوہ دوسروں سے نگاہیں نیچی رکھنے والی۔ (اتراب) مستویات، وقیل: امثال: ہم عمر یعنی جنت میں میاں بیوی کی عمر میں کوئی تفاوت نہیں ہوگا یعنی ان کی عمریں برابر ہوں گی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہم مثل یعنی ایک جیسے ہوں گے۔ (غساق) الزمهریر: بدبودار پیپ، انتہائی ٹھنڈی چیز۔ (من شکله ازواج) الوان من العذاب: اس سے ملتے جلتے مختلف قسم کے عذاب۔ (اتخذناهم سخریًا) احطنابهم: ہم ان کو ٹھٹھا کیا کرتے تھے، ان کا احاطہ کر رکھا تھا۔

(۳۹) (سورۃ الزمر)

(ص۱۰۲)

اس سورۃ مبارکہ میں جنتیوں اور دوزخیوں کے دو گروہوں کا بیان ہے۔ یہ سورۃ دراصل اگلی سورتوں کی تمہید ہے۔ آگے حوامیم سبعہ یعنی سات وہ سورتیں آ رہی ہیں جن کی ابتدا حم سے ہوتی ہے۔ ہر چیز کا خلاصہ ہوتا ہے اور قرآنِ پاک کا خلاصہ یہ حوامیم سبعہ ہیں جن میں اصولی مضامین مختلف طریقوں کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ اس سورۃ مبارکہ کے حسب ذیل مشکل الفاظ اور ان کے معانی بیان کئے گئے ہیں۔

(یکور) یحمل: لپیٹ دیتا ہے، اٹھالیتا ہے۔ (زلفی) مصدر کقربی: یہ مصدر ہے اور معنی ہے قریب۔ (کتابًا متشابهًا) لیس من الاشتباه ولٰکن یشبه بعضًا بعض فی التصدیق: ایک دوسرے سے ملنے والی کتاب۔ متشابہاً، اشتباہ یعنی شک وشبہ مراد نہیں ہے بلکہ ایک دوسری سے مشابہت رکھنے والی اور تصدیق کرنے والی مراد ہے۔ (یتقی بوجهه) یجر علی وجهه فی النار: اس کو چہرے کے بل دوزخ کی طرف کھینچا جائے گا۔ (غیر ذی عوج) لبس: کجی، ٹیڑھا پن، خامی۔ (متشاکسون) الشکس العسر لا یرضی بالانصاف: ایسے لوگ جو ضدی قسم کے ہوں اور انصاف پر راضی نہ ہوں۔ (رجلاً سلمًا) خالصًا یقول: سائمًا صالحًا: مکمل طور پر نیکو کار اور ایک ہی شخص کی ملکیت۔

(والذی جاء بالصدق) القرآن: جو قرآن لے کر آیا ہے اور جس نے اس کی تصدیق کی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قرآن پاک حضور علیہ السلام لائے ہیں اور تصدیق کرنے والے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ (وصدق به) المؤمن یجئ یوم القیامة یقول: هٰذا الذی وعظنی بما فیه: قیامت والے دن مومن آئیں گے اور کہیں گے کہ یہی وہ چیز (قرآن) ہے جس کے ساتھ مجھے نصیحت کی گئی تھی۔ (ویخوفونك بالذین من دونه) الاوثان: اللہ کے سوا دوسروں سے آپ کو ڈراتے ہیں یعنی بتوں اور ٹھاکروں سے۔ کہتے ہیں کہ تو نے ان بتوں کی توہین کی ہے اسی لئے تمہیں نقصان پہنچا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ بت تو بے جان چیزیں ہیں جو کسی کے نفع نقصان کے مالک نہیں ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ

قادرِ مطلق ہے۔ (اشمازت) نفرت: بدکتے ہیں،نفرت کرتے ہیں۔

(ثم اذا خولناہ) اعطیناہ: پھرہم نے اس کوعطا کیا، (وردان ناسًا من اهل الشرك قد قتلوا واكثروا وزنوا واكثروا فاتوه صلى الله عليه وسلم فقالوا :ان الذى تقول وتدعو اليه لحسن لووجدنا لما عملنا كفارة فنزل :"ياعبادى الذين اسرفوا على انفسهم" ...... الآية: اس ضمن میں وارد ہوا کہ کچھ مشرک لوگوں نے بہت سے قتل کئے تھے اور بہت زیادہ زنا کئے تھے۔ وہ لوگ حضورعلیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ تو بہت اچھی بات کہتے ہیں جس کی طرف آپ دعوت بھی دیتے ہیں مگر ہم بھی تو اپنے اعمال کا کفارہ پائیں جو ہم جاہلیت میں کر چکے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ''اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتی کی ہے اپنی جانوں پر، میری رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ بے شک اللہ تعالیٰ سارے گناہ بخش دیتا ہے، وہ بہت بخشش کرنے والا اور مہربان ہے''۔

(ان كنت لمن الساخرين) المستهزئين: بے شک میں ٹھٹھہ کرنے والوں میں تھا۔

(لو ان لى كرة) رجعة: اگر مجھے دوبارہ پلٹنے کا موقع ملتا۔ (المحسنين) المهتدين: ہدایت یافتہ نیکوکار لوگ۔ (بمفازتهم) من الفوز: اپنی کامیابی کے ساتھ۔ (والارض جميعًا قبضته) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:يقبض الله الارض ويطوى السماوات بيمينه ثم يقول:انا الملك، اين ملوك الارض؟ ساری زمین اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہوگی،حضورعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین کو قبض کرے گا اور آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا اور فرمائے گا ''آج میں ہی بادشاہ ہوں، آج دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ کہاں ہیں؟ جو بڑے بڑے دعوے کرتے تھے''۔

(ونفخ فى الصور) قال اعرابى:يا رسول الله ماالصور؟ قال قرن ينفخ فيه اور صور میں پھونکا جائے گا۔ ایک دیہاتی نے عرض کیا، اللہ کے رسول! صور کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ ایک سینگ ہے جو ایک طرف سے باریک اور دوسری طرف سے کھلا ہوا ہے۔ وہ بہت بڑا صور ہوگا اور سارے آسمان اور زمین اس کے دہانے میں ہوں گے۔ پھونک مارنے پر ہر چیز درہم برہم ہو جائے

گی۔ (حافین) مطیفین بحوافیه، بجوانیه: اس کے اطراف میں طواف کرنے والے۔

(۴۰)(سورۃ المؤمن)

(ص۱۰۲ تا ص۱۰۳)

سورۃ المؤمن حوامیم سبعہ کی پہلی سورۃ ہے۔ان سورتوں میں اصولِ اربعہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔تاہم کسی سورۃ میں توحید و رسالت کے موضوع پر زیادہ توجہ کی گئی ہے، اور کسی میں قیامت کے بارے میں زیادہ تفصیل ذکر کی گئی ہے۔کسی سورۃ میں قرآن پاک کی حقانیت وصداقت کا زیادہ ذکر ہے اور کسی میں معاد اور حقانیت قرآن کو جمع کر دیا گیا ہے بہر حال ان سورتوں کو قرآنِ پاک کا لب لباب کہا گیا ہے۔سورۃ المؤمن کے حسب ذیل مشکل الفاظ کے معانی بیان کئے گئے ہیں۔

(ذی الطول) السعة والغنی، وقیل: التفضل: طاقت والا، یہ وسعت اور غنا کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی مہربانی کرنا ہے۔ (داب) حال: عادت اور حال۔ (تباب) خسران: تباہی وبربادی یا نقصان۔ (ادعونی) وحدونی، قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: الدعاء هو العبادة: مجھے پکارو اور وحدہٗ لاشریک مانو۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے دعا ہی عبادت ہے بلکہ عبادت کا نچوڑ ہے۔ (داخرین) خاشعین: عاجزی یعنی خشوع وخضوع کرنے والے۔ (النجاة) الایمان: نجات سے مراد ایمان ہے کیونکہ ایمان ہی باعث نجات ہے۔ (ولیس له دعوة) یعنی الوثن: یعنی کوئی دعوت نہیں ہے۔بت کسی کی پکار کا کیا جواب دے سکتے ہیں جو کہ بے جان چیزیں ہیں۔ (یسجرون) توقد بهم النار: ان کو آگ میں گرم کیا جائے گا۔ (تمرحون) تبطرون: تم تکبر کرتے ہو، اتراتے ہو۔

(۴۱) (سورۃ حٰم السجدۃ)

(ص ۱۰۳)

یہ سورۃ حوامیم سبعہ میں سے ہے ان تمام سورتوں میں اسلام کے چار بنیادی اصولوں یعنی توحید، رسالت، معاد اور قرآن پاک کی صداقت وحقانیت کا ذکر ہے۔ وقوعِ قیامت اور جزائے عمل کو بھی اس سورۃ مبارکہ میں خاصی اہمیت دی گئی ہے۔ اس سورۃ میں نافرمان اقوام کا اپنے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ سلوک اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کا ذکر موجود ہے۔ اس لحاظ سے نافرمانوں کی تاریخ کا ایک حصہ بھی اس سورۃ میں آ گیا ہے۔ **استقامت علی الدین** کا بیان ہے اور ہر شخص کو اپنے گناہوں اور خطاؤں کی معافی طلب کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

(فصلت) بینت تفصیل کی گئی ہے یعنی واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ **(غیر ممنون) محسوب**: غیر منقطع، نہ ختم ہونے والا۔ **(وقدر فیھا اقواتھا) ارزاقھا**: اور ان میں ان کی خوراکیں یعنی روزی مقرر کی ہے۔ **(آتیا طوعًا او کرھًا) وافقا ارادتی**: دونوں آؤ خوشی سے یا ناخوشی سے میرے ارادے سے موافقت کرتے ہوئے۔ **(قالتا آتینا طائعین) وافقنا**: دونوں (دھوئیں اور زمین) نے کہا کہ ہم آ گئے ہیں رب تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے یعنی ہم رب تعالیٰ کے اطاعت گزار ہیں۔ **(فی کل سماء امرھا) ما امرنا بہ**: ہر آسمان کے لئے اللہ نے اس کے کام کے متعلق حکم دے دیا کہ فلاں آسمان میں یہ کام ہوگا اور فلاں میں یہ کام انجام پائے گا۔ چنانچہ اللہ کے فرشتے حکمِ الٰہی کی تعمیل کر رہے ہیں۔

(نحسات) مشائم: منحوس۔ **(فھدیناھم) بینالھم**: ہم نے ان کو ہدایت دی یعنی ان پر واضح کر دیا۔ **اختصم عند البیت ثلاثۃ نفر، قال احدھم: اترون اللّٰہ یسمع مانقول؟ فقال الآخر: یسمع ان جھرنا ولا یسمع ان اخفینا وقال الآخر: ان کان یسمع اذا جھرنا فھو یسمع ان اخفینا**: بیت اللہ شریف کے قریب تین آدمی جھگڑنے لگے۔ ان میں سے ایک نے کہا، کیا تم خیال کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہماری ہر بات کو سنتا ہے؟ دوسرے شخص نے جواب دیا کہ اگر ہم بلند آواز سے کلام کریں تو اللہ تعالیٰ سنتا ہے اور اگر ہم پوشیدہ طور پر کوئی بات کریں تو وہ نہیں سنتا۔

پھر تیسرا آدمی بولا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہماری ظاہری بات کو سنتا ہے تو وہ پوشیدہ بات کو بھی سنتا ہے۔ فانزل الله تعالیٰ: "وما كنتم تستترون ان يشهد عليكم سمعكم ولا ابصاركم ولا جلودكم ولكن ظننتم ...... الآية" اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "اور تم تو یہ خیال بھی نہیں کرتے تھے کہ تم پر تمہارے کان اور نہ تمہاری آنکھیں اور نہ تمہاری کھالیں گواہی دیں گی۔ لیکن تم نے گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ وہ بہت سی باتیں نہیں جانتا جو تم کرتے ہو"۔ مطلب یہ ہے کہ تم تو خود اپنے اعضاء سے بھی نہیں چھپ سکتے جو قیامت والے دن تمہارے خلاف گواہی دیں گے۔

(والغوافيه) عيبوه: اس میں شور وشر کرو یعنی اس میں عیب جوئی کرو تا کہ قرآن پاک کی آواز لوگوں کے کانوں تک نہ پہنچ سکے۔ قرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا" حضور نبی کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی "بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ اس پر مستقیم رہے" قال: قد قالها الناس ثم كفرا كثرهم فمن مات عليها فقد استقام: اس بات کی وضاحت میں اللہ کے نبی نے فرمایا کہ اس کلمہ کا یعنی "ہمارا رب اللہ ہے" کا اقرار کیا لوگوں نے پھر ان میں سے اکثر نے انکار کر دیا۔ پس جو شخص اس حالت میں موت سے ہمکنار ہوا کہ وہ اس کلمہ پر ثابت قدم تھا تو اس شخص کو استقامت نصیب ہوئی۔ (ادفع بالتي هي احسن) الصبر عند الغضب والعفو عند الاساءة: آپ اچھی خصلت کے ساتھ بری بات کو ہٹائیں کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ غصے کے وقت صبر کرو اور برائی کے وقت معاف کر دو۔

(لا يسأمون) لايفترون: دیگر یا تنگ دل نہیں ہوتے اور تھکاوٹ محسوس نہیں کرتے۔

(ولي حميم) هو القريب: مخلص قرابت دار یا دوست۔ (اعملوا ما شئتم) يعني الوعيد: تم جو چاہو عمل کرو، گویا یہ وعید ہے۔ (مالهم من محيص) حاص عند حاد: ان کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے جس کے ذریعے وہ بچ سکیں۔ (مرية) امتراء: شک وشبہ۔

(۴۲) (سورة الشوریٰ)

(ص ۱۰۴۳)

سورۃ الشوریٰ حوامیم سبعہ میں تیسری سورۃ ہے اور اس میں مشاورت کا اہم اصول بیان کیا گیا ہے۔ جہاں معاملہ میں وحیِ الٰہی موجود ہو وہاں اللہ کا نبی اور پوری امت اللہ کے حکم پر عمل کرنے اور کرانے کی پابند ہوتی ہے۔ البتہ اجتہادی اور انتظامی معاملات میں جہاں وحی الٰہی کا حکم موجود نہیں ہے، وہاں نبی اور امت سب کے لئے مشاورت کا حکم ہے۔ ایسے معاملات میں باہمی مشورہ سے کسی کام کے متعلق فیصلہ کیا جائے اور ایسا فیصلہ کرتے وقت کثرت رائے کو پیش نظر رکھا جائے۔ اس سورۃ مبارکہ میں اصولِ اربعہ اور دیگر بہت سی اہم باتیں بھی آ گئی ہیں۔

(یذرؤکم فیه) نسلاً بعد نسل: پھیلاتا ہے تم کو نسل در نسل۔ نسل انسانی کی نشو ونما کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے جس نے انسانوں اور جانوروں کے جوڑے بنا کر ان کو بڑھانے کا انتظام کر دیا ہے۔ اس کے برخلاف دنیا بھر میں آبادی کو بڑھنے سے روکنے کے لئے بڑی کوشش ہو رہی ہے اور فیملی پلاننگ والے اس مقصد کے لئے کروڑوں روپے صرف کر رہے ہیں ان کا خیال ہے کہ انسانی آبادی کو بڑھنے سے نہ روکا گیا تو خوراک کی کمی واقع ہو جائے گی اور لوگ بھوکوں مرنے لگیں گے۔

بلاشبہ یہ قانونِ قدرت کے ساتھ مقابلہ ہے جس نے آبادی کے پھیلاؤ کا خود انتظام کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آبادی کو گھٹانے کی بجائے اگر خوراک کی تقسیم کا نظام ٹھیک کر دیا جائے تو کوئی آدمی بھوکا نہیں مرے گا اس فیملی پلاننگ کے بڑے بڑے ماہرین بمعہ امریکی ماہرین دن میں چھ چھ مرتبہ کھاتے ہیں، گویا چھ آدمیوں کا کھانا ایک آدمی کھا جاتا ہے، پھر کہتے ہیں کہ آبادی گھٹاؤ کیونکہ خوراک پوری نہیں آ رہی، اگر خوراک کی تقسیم کا انتظام ٹھیک کر دیا جائے تو آبادی پر کنٹرول کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اسلامی تعلیم تو یہ ہے کہ چار آدمیوں کا کھانا آٹھ آدمیوں کے لئے کفایت کرتا ہے۔ اگر خوراک کی تقسیم اس اصول کے تحت ہو تو پھر کوئی آدمی رات کو بھوکا نہیں سوئے گا۔ مگر یہ خبیث لوگوں کا خبیث دھندا ہے کہ آبادی کو کم کرو تا کہ ان کے لئے کھانے پینے کا سامان وافر

مقدار میں میسر آسکے اور وہ لوگوں کو اسی طریقے سے بیوقوف بناتے ہیں۔

(لا حجة) لا خصومة: ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا یا مخاصمت والی بات نہیں ہے۔ (شرعوا) ابتدعوا: مقرر کیا ہے۔ (الا المودة فی القربٰی) قرابت داروں میں دوستی۔ قال سعید بن جبیر: قربی آل محمد: حضرت سعید ابن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قربٰی سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہیں۔ فقال ابن عباس: عجلت ان النبی صلی اللہ علیه وسلم لم یکن بطن من قریش الا کان له فیهم قرابة، فقال: الا ان تصلوا مابینی و بینکم من القرابة: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ تم نے یہ تفسیر جلدی میں کر دی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کی تو قریش کے ہر خاندان میں رشتہ داری تھی، لہٰذا مؤدة فی القربی کا معنی یہ ہوگا کہ میرے اور تمہارے درمیان جو قرابت داری ہے کم از کم اس کا تو لحاظ کرو۔ چونکہ حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات کا تعلق مختلف خاندانوں کے ساتھ تھا لہٰذا فرمایا کہ ہر ایک کا لحاظ رکھو۔

(بما کسبت ایدیکم) جو کچھ تمہارے ہاتھوں نے کمایا ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لا تصیب عبدًا نکبة فما فوقها الا بذنب وما یعفو اللہ اکثر: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسی بندے کو کوئی بھی چھوٹی بڑی تکلیف نہیں پہنچی مگر گناہ کی وجہ سے۔ مگر اللہ تعالیٰ جن گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے وہ ان کی نسبت بہت زیادہ ہیں جن کی وجہ سے کسی کو تکلیف پہنچتی ہے۔

(فیظللن رواکد علی ظهره) فلا یتحرکن ولا یجرین فی البحر: اللہ نے کشتیوں کے متعلق فرمایا ہے کہ اگر وہ چاہے تو ہوا کو روک کر سمندر کی پشت پر چلنے والی کشتیوں کو ٹھہرا دے اور وہ کشتیاں نہ تو حرکت کر سکیں اور نہ سمندر میں چل سکیں۔ سٹیمر جہازوں کی ایجاد سے پہلے بادبانی کشتیوں کے ذریعے ہی سمندر میں نقل وحمل ہوتی تھی۔ جب ہوا چلتی تھی تو کشتیاں اپنی منزل کی طرف چل پڑتی تھیں۔ اللہ نے فرمایا کہ ہوا بھی اس کے حکم سے چلتی ہے۔ اگر وہ ہوا کو روک دے تو کشتیاں بھی کھڑی کی کھڑی رہ جائیں اور اپنی منزل پر نہ پہنچ سکیں۔

(یوبقهن) یهلکهن: ہم ان کو ہلاک کرتے ہیں۔ (من طرف خفی) ذلیل: شرم کے مارے چھپی ہوئی آنکھ جو ذلت کی علامت ہوتی ہے۔ (عقیمًا) لاتلد: بانجھ بے اولاد۔ (او حینا

الیک روحًا من امرنا) ...... القرآن: ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح یعنی قرآن کو وحی کیا۔

---

(۴۳) (سورۃ الزخرف)

(ص۱۰۴)

سورۃ الزخرف حوامیم سبعہ میں سے چوتھی سورۃ ہے۔زخرف کا معنی ملمع کرنا یعنی کسی دوسری دھات پر سونے کا پانی چڑھانا آتا ہے۔اس سورۃ مبارکہ میں توحید کے عقلی اور نقلی دلائل پیش کیے گئے ہیں۔اور مختلف عنوانات اور مثالوں سے شرک کا رد کیا گیا ہے،نیز تبلیغ دین کے لئے بہترین طریق کار کی وضاحت کی گئی ہے۔اس سورۃ مبارکہ کے حسب ذیل مشکل الفاظ کے مصدقہ معانی بیان کیے گئے ہیں۔

(ام الکتاب) اصل الکتاب: اصل کتاب اس کا معنی لوح محفوظ بھی آتا ہے۔ (مضی مثل الاولین) عقوبۃ الاولین: پہلے لوگوں کی مثالیں یعنی ان کو دی جانے والی سزاؤں کا تذکرہ۔ (مقرنین) مطیقین ضابطین، یقال: فلان مقرن لفلان ضابط لہ: قابو میں رکھتے ہوئے جکڑے ہوئے اور پکڑے ہوئے یا پابند کیے ہوئے۔جیسا کہتے ہیں کہ فلاں آدمی فلاں قانون کا پابند کیا ہوا ہے۔ (وجعلوا لہ من عبادہ جزاً) عدلاً: انہوں نے اس کے بندوں میں ایک حصہ بنا لیا ہے۔یعنی ان کو اللہ کے برابر ٹھہرالیا ہے۔ (کظیم) ممتلئ غمًا: غم سے بھرا ہوا ہے یعنی غم سے گھٹ رہا ہے۔ (اومن ینشأ فی الحلیۃ) یعنی الجواری: وہ مخلوق (بیٹی) جو زیورات میں نشوونما پاتی ہے، وہ مردوں کے برابر کیسے ہوسکتی ہے۔(لو شاء الرحمن ماعبدناھم) یعنون الاوثان: اگر رحمان چاہتا تو ہم ان کی یعنی بتوں کی پوجا نہ کرتے۔

(علی امۃ) علی امام: امت کے بہت سے معانی آتے ہیں یعنی قوم، ملت، امام پیشوا وغیرہ یہاں پر امت سے مراد امام لیا گیا ہے مشرک کہتے تھے کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ایک امام پر پایا اور ہم انہی کے نقش قدم پر ہدایت پانے والے ہیں۔ (معارج) ھی الدرج: سیڑھی جس کے ذریعے

کسی اونچے مقام پر چڑھ سکتے ہیں۔ (وزخرفًا) هو الذهب: سونا جس سے ملمع کیا جاتا ہے۔ (ومن یعش) یعم: جو اعراض کرتا ہے یعنی قرآن پاک کو دیکھنے سے اندھا ہو جائے۔ (وانه لذکر لك) شرف: قرآن پاک آپ کے لئے باعث نصیحت یا شرف ہے۔ (آسفونا) اسخطونا: انہوں نے ہمیں ناراض کیا۔ (یصدون) یضجون: وہ چیختے ہیں۔

(ملائکة فی الارض یخلفون) یخلف بعضهم بعضًا: فرشتے زمین پر ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں یعنی پے در پے اترتے ہیں۔ (تحبرون) تکرمون: عزت افزائی کی جائے گی۔ (واکواب) اباریق لاخراطیم لها: پانی پینے کے لئے گلاس یعنی لوٹے جن کی ٹوٹیاں نہ ہوں۔ (فانا مبرمون) مجمعون: ہم بھی قصد کرنے والے ہیں۔ (وقیله یا رب) تفسیره ایحسبون انا لا نسمع سرهم ونجواهم ولا نسمع قیلهم: اور قسم ہے نبی کی اس بات کی کہ پروردگار، یہ لوگ تو ایمان نہیں لاتے۔ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ کیا یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ اور سرگوشی والی بات کو نہیں سنتے؟۔

---

(۴۴) (سورة الدخان)

(ص ۱۰۴)

سورۃ الدخان حوامیم سبعہ میں سے پانچویں سورۃ ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں ارض وسما کی پیدائش کا ذکر ہے۔ اس سے پہلے ایک دھواں سا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس میں سے ایک حصے کو آسمان اور دوسرے کو زمین میں تبدیل کر دیا۔ اس سورۃ کے حسب ذیل مشکل الفاظ کے معانی بیان کئے گئے ہیں۔

(رهوًا) ساکنًا، وقیل: طریقًا یابسًا: تھما ہوا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد خشک راستہ ہے۔ (فاعتلوه) ادفعوا: اس کو دھکا دے دو۔ (زوجنا هم بحور عین) انکحنا هم حورًا عینًا یحار فیها الطرف: ہم ملا دیں گے ان کو موٹی موٹی آنکھوں والی خوبصورت حوروں کے ساتھ یعنی ان کے ساتھ نکاح کر دیں گے۔ ایسی آنکھیں کہ ان کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، اتنی خوبصورت

آنکھیں ہیں۔ (قوم تبع) ملوك اليمن، وكل واحد منهم يسمى تبعًا: بادشاہ یمن کی قوم، یمن کا ہر بادشاہ تبع کہلاتا تھا۔ یہ لفظ لقب کے طور پر اختیار کر لیا گیا تھا مثلاً فرعون یا جیسے ہمارے ہاں بھی راجہ، سردار وغیرہ جیسے القاب اختیار کئے جاتے ہیں حالانکہ اس لقب کے علاوہ ہر شخص کا اپنا ذاتی نام بھی ہوتا ہے۔

(فارتقب) فانتظر: انتظار کرو۔ قال ابن مسعود: ان قريشًا لما استعصوا على النبي صلى الله عليه وسلم دعا عليهم بسنين كسني يوسف فاصابهم قحط وجهد حتى اكلوا العظام فجعل الرجل ينظر الى السماء فيرى ما بينه وبينها كهيئة الدخان من الجهد: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ قریش مکہ نے جب حضور علیہ السلام کی نافرمانی کی تو آپ نے بددعا کی کہ اے اللہ! ان پر قحط مسلط کر دے جیسے کہ یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں قحط پڑا تھا۔ چنانچہ قریش کو قحط اور مشقت پہنچی حتی کہ وہ ہڈیاں کھانے پر مجبور ہو گئے۔ پھر ان کا کوئی آدمی آسمان کی طرف نظر اٹھاتا تھا تو اسے اپنے اور آسمان کے درمیان قحط اور مشقت کی وجہ سے دھواں سا نظر آتا تھا۔ فانزل الله تعالٰى: "فارتقب يوم تاتي السماء بدخان مبين" اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "اس دن کا انتظار کرو جس دن آسمان واضح دھواں لے آئے گا"۔ فقيل: يا رسول الله استسق الله لمضر؟ فاستسقى فسقوا فعادوا الى حالهم حين جاء تهم الرفاهية: پھر قریش نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا، اللہ کے رسول، اللہ تعالیٰ کے حضور بارش کی دعا کریں تاکہ قحط سالی دور ہو۔ پس آپ نے بارش کے لئے دعا کی تو اللہ نے ان کو سیراب کر دیا۔ اور پھر وہ اسی حالت پر آ گئے جس حال میں انہیں آسودگی میسر تھی۔ فنزلت: "انكم عائدون" اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ "بے شک تم پھر پلٹنے والے ہو یعنی نافرمانی کرو گے"۔ ثم انزل الله: يوم نبطش البطشة الكبرى انا منتقمون يعني يوم بدر: پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ "جس دن ہم بڑی گرفت کریں گے بے شک ہم انتقام لینے والے ہوں گے۔ چنانچہ وہ انتقام بدر کے دن لے لیا گیا جس دن بڑے بڑے سرغنہ مشرکین جہنم رسید ہوئے۔

(۴۵) (سورة الجاثية)

(ص۱۰۴)

جاثیہ کا معنی گھٹنے ٹیکنے کا آتا ہے جو کہ اس سورۃ کی آیت : ۲۸ سے ماخوذ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت اور محاسبہ اعمال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ قیامت والے دن ہر گروہ اور قوم اللہ کے دربار میں گھٹنے ٹیکتے ہوئے حاضر ہوں گے اور سب کو ان کے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا۔ اس سورۃ مبارکہ کے حسب ذیل مشکل الفاظ کے معانی بیان کئے گئے ہیں۔

(اضله الله على علم) في سابق علمه: اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے علم کے مطابق بہکا دیا ہے۔ **(جاثية) مستوفزين على الركب:** گھٹنے ٹیکنے والے۔ **(نستنسخ) نكتب:** ہم لکھتے ہیں۔

---

(۴۶) (سورة الاحقاف)

(ص۱۰۵)

سورۃ الاحقاف حوامیم سبعہ کی آخری سورۃ ہے۔ احقاف، حقف کی جمع ہے جس کا معنی ریت کا ٹیلہ ہوتا ہے۔ اقوام عاد اور ثمود جزیرۃ العرب کے ربع خالی میں آباد تھیں جہاں ریت کے بڑے بڑے ٹیلے ہوتے ہیں چونکہ اس سورۃ میں مذکورہ اقوام کا ذکر ہے، اس لئے اس سورۃ کو احقاف کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کے حسب ذیل مشکل الفاظ اوران کا ترجمہ بیان کیا گیا ہے۔

(فيما ان مكناكم) مالم نمكن لكم: البتہ ہم نے قومِ عاد اور ثمود کو ان چیزوں میں اس قدر قدرت دی جتنی تم کو نہیں دی گئی۔ یہ اہلِ مکہ سے خطاب ہے۔ **(اثارة) بقية من علم:** علم کی کوئی باقیماندہ بات۔ **(ما كنت بدعًا من الرسل) ماكنت باول الرسل:** میں کوئی انوکھا رسول تو نہیں ہوں یعنی میں کوئی پہلا رسول تو نہیں ہوں کہ تم رسولوں کے حالات سے واقف نہیں ہو۔ مجھ سے پہلے بھی اللہ نے بہت سے رسول بھیجے ہیں۔ میں بھی تو وہی تعلیم لے کر آیا ہوں، پھر تم میری باتوں کو

عجیب کیوں سمجھ رہے ہو؟ (ارأیتم) تعلمون: کیا تم دیکھتے ہو یعنی کیا تم کو علم ہے؟ (عارضًا) ھو السحاب: عارضًا سے مراد بادل ہے جو عذاب کی صورت میں نازل ہوا۔ قال ابن مسعود: افتقدنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ وھو بمکۃ فقلنا: اعتل او استمطر مافعل بہ: صحابی رسول حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک رات ہم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گم پایا، آپ اس وقت مکہ میں مقیم تھے۔ ہم نے کہا کہ شاید آپ بیمار ہوگئے ہیں یا کسی بارش اور طوفان میں گھر گئے ہیں نامعلوم آپ کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا ہے؟ فبتنا بشر لیلۃ حتی اذا اصبحنا اذا نحن بہ یجیئ من قبل حراء: راوی کہتے ہیں کہ ہم نے وہ رات بہت بری طرح گزاری۔ یہاں تک کہ جب صبح ہوئی تو ہم نے دیکھا کہ حضور علیہ السلام حراء کی طرف سے آرہے ہیں جب ہم نے آپ کو اپنی تشویش سے آگاہ کیا۔ فقال: اتانی داعی الجن فاتیتھم فقرأت علیھم: تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے پاس جنوں میں سے بلانے والا آیا تھا تو میں ان کے پاس چلا گیا۔ اور ان کو قرآن پڑھ کر سنایا۔ جس مقام پر اللہ کے نبی نے جنوں سے ملاقات کی وہاں پر یادگار کے طور پر مسجد بنادی گئی ہے جو مسجد جن کے نام سے مشہور ہے۔ حضور علیہ السلام نے چھ مرتبہ جنوں کو تعلیم دی۔ ایک موقع پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔ اور یہ بھی ایسا ہی ایک واقعہ ہے۔ اسی طرح کل چھ مواقع کا ذکر آتا ہے۔ سورۃ جن میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔

---

(۴۷) (سورۃ محمدؐ)

(ص ۱۰۵)

اس سورۃ مبارکہ کے دو نام ذکر کیے جاتے ہیں یعنی سورۃ محمد اور سورۃ القتال۔ محمد اس لئے کہ اس سورۃ میں حضور علیہ السلام کا اسم گرامی آیا ہے۔ اور قتال اس لئے کہ اس میں جنگ لڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ قتال کے بارے میں یہ تیسرا مقام ہے قتال کے متعلق سب سے پہلے سورۃ بقرہ میں لمبا ذکر آیا ہے۔ وہاں پر قتال کے اسباب اور دیگر بہت سی باتیں کی گئی ہیں۔ پھر سورۃ آل عمران اور سورۃ مائدہ میں قتال کا ذکر ہے۔ اس کے بعد سورۃ الانفال اور سورۃ التوبہ میں قتال کا ذکر ہے اور پھر سورۃ الحج

میں بھی ذکر ہے قتال کے بارے میں ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے تفصیل سے ذکر کیا اور پھر آہستہ آہستہ مختصر ہوتا چلا گیا ہے اس سورۃ مبارکہ میں قتال کے متعلق متوسط درجے کا ذکر ہے اور کچھ تھوڑی بہت بات آ گئی ہے۔ پھر آخر میں دو دو چار چار الفاظ میں خلاصہ اور لب لباب ہی آتا ہے۔

اس سورۃ کا مضمون تو پہلی پانچ سورتوں میں آ چکا ہے، اب یہ بھی دیکھ لیں۔ یہ مدنی سورۃ ہے جو ۶ ھ میں نازل ہوئی۔ اس کے الفاظ بڑے جاندار ہیں مگر مختصر طریقے پر بیان کیے گئے ہیں۔ گزشتہ سورۃ کے آخر میں الا الفاسقون کے الفاظ ہیں۔ فاسقون کے فسق کو سب اہلِ ایمان تسلیم کرتے ہیں مگر اس کا علاج کیا ہے؟ یہ کہ ان کے ساتھ لڑائی کرو۔ پھر لڑائی لڑنے کے بعد اگلی سورۃ الفتح میں اہلِ ایمان کو غیر مسلموں پر فتح کی خوشخبری دی گئی ہے۔ پھر اس کے بعد اگلی سورۃ الحجرات ہے جس میں دین کے اہم پندرہ اصول بتلائے گئے ہیں۔ نہ تو لڑائی مقصود بالذات چیز ہے اور نہ ہی محض صلح۔ اصل بات یہ ہے کہ پورے ملک اور قوم کا نظامِ سلطنت ان اصولوں پر قائم رہنا چاہیے۔ اس سورۃ مبارکہ کے ان مشکل الفاظ کے مصدقہ معانی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کئے ہیں۔

(آسن) متغیر: آسن کا معنی متغیر ہو جانے والا۔ اس سورۃ مبارکہ میں جنت کے انعامات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا ہے۔ فیھا انھار من ماء غیر آسن: جنت میں ایسے پانی کی نہریں ہوں گی جو کبھی متغیر یا خراب نہیں ہو گا۔ اور اس میں بدبو وغیرہ پیدا نہیں ہو گی۔ اس دنیا میں صاف پانی بھی کسی تالاب میں دیر تک رکا رہے تو اس میں تعفن پیدا ہو جاتا ہے۔ مگر جنت کا پانی ہر قسم کی بدبو، تعفن یا سڑاند سے پاک یعنی غیر آسن ہو گا۔ (اوزارھا) آثامھا: ان کے بوجھ یعنی گناہ۔ (عرفھا) بینھا: بیان کر دیا ان کو۔ (مولی الذین آمنوا) ولیھم: اہلِ ایمان کا آقا۔ ولی کا معنی کارساز وغیرہ آتا ہے۔ (یستبدل قومًا غیرکم) ضرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: منکب سلمان ثم قال: اللہ نے فرمایا کہ اگر تم قرآن کے پروگرام سے روگردانی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو کھڑا کر دے گا جو تم سے بہتر ہو گی۔ مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جب مکے والوں نے انکار کیا تو اللہ نے مدینے والوں کو کھڑا کر دیا جن کے ذریعے اللہ نے اپنے دین کو آگے چلایا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی مثال بیان کی۔ آپ نے اپنے صحابی کے

کندھے پر ضرب لگا کر فرمایا ھذا و قومہ یعنی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی زندہ مثال حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور آپ کی قوم کے لوگ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم دین کو آگے نہیں چلاؤ گے تو اللہ تعالیٰ ایرانیوں کو اسلام قبول کرنے کی توفیق بخش کر ان سے دینِ اسلام کی خدمت لے لے گا۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کی علمی خدمات میں ایرانی علماء، فقہاء اور محدثین پیش پیش ہیں۔ جب عربوں کی علمی استعداد کمزور ہوگئی تو اللہ نے یہ کام ایرانیوں سے لے لیا۔ امام بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد رحمہم اللہ وغیرہ کے اکابر سب پہلے مجوسی دین پر تھے۔ ایران کے رہنے والے ان لوگوں سے اللہ نے دین کی بڑی خدمت لی۔ عربوں میں تو امام شافعی رحمہ اللہ اور مالک رحمہ اللہ ہوئے ہیں باقی تو اکثر عجمی اہلِ علم تھے۔ بہرحال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر تم دین کی خدمت نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا۔ **(عزم الامر) جد الامر** : کام پختہ اور سنجیدہ ہو جائے۔ **(اضغانهم) حسدهم**: ان کا حسد۔ **(ولن يتركم) لاينقصكم** : تمہارے اعمال میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔

---

(۴۸) (سورة الفتح)

(ص ۱۰۵)

گزشتہ سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا۔ جب اہلِ ایمان نے احکامِ الٰہی پر عمل درآمد شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ الفتح کے ذریعے ان کو فتح کی بشارت بھی سنا دی۔ اور حضور علیہ السلام کی تمام اگلی پچھلی لغزشوں سے معافی کا وعدہ بھی فرما دیا۔

(ليغفر لك الله ماتقدم) اللہ تعالیٰ نے آپ کی تمام لغزشیں معاف کر دی ہیں جو پہلے ہو چکی ہیں، اور جو بعد میں ہوں گی۔ **قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: قد نزلت على آية احب الى مما على وجه الارض ثم قرأ:** جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ میرے اوپر ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے روئے زمین کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔ اور پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی "**ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك و ما تاخر**"۔

فقالوا: هنیئاً لك یا رسول الله، فما ذا یفعل بنا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے خوشخبری سن کر عرض کیا، حضور! آپ کو اس خوشخبری پر مبارک ہو، مگر ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟ فنزلت: لیدخل المؤمنین والمؤمنات جنات ...... القرآن اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ''اللہ تعالیٰ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بھی جنت میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے ان کی برائیاں دور کردے گا، اور یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی کامیابی ہے''۔ (دائرة السوء) العذاب: بری گردش یعنی عذاب۔ (تعزروه) تنصروه: اس کی مدد کرو۔ روی ان ثمانین هبطوا علی رسول الله صلی الله علیه وسلم واصحابه من جبل التنعیم عند صلاة الصبح وهم یریدون ان یقتلوه: یہ حدیبیہ کا واقعہ ہے۔ روایت کی گئی ہے کہ صبح کی نماز کے وقت جب کہ آپ جبل تنعیم کے پاس مقیم تھے، اسی آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے پاس اترے۔ وہ لوگ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنا چاہتے تھے، پوری تفصیل بخاری شریف میں موجود ہے۔ بہرحال جب وہ لوگ آئے فاخذوهم اخذاً تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان لوگوں کو پکڑ لیا۔ اس وقت ڈیڑھ ہزار کی تعداد میں اس مقام حدیبیہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ صلح کا معاہدہ ہوچکا تھا اور اس کے بعد یہ لوگ برے ارادے سے آئے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا حکم یہی تھا کہ ان بدبختوں کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ مسلمانوں کی مصلحت اسی میں تھی۔ فاعتقهم رسول الله صلی الله علیه وسلم: چنانچہ اللہ کے رسول نے ان کو چھوڑ دیا۔

فانزل الله: ''وهو الذی کف ایدیهم منکم ...... القرآن اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ''اللہ تعالیٰ کی وہی ذات ہے جس نے روک دیا ان مشرکین مکہ کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے مکہ شہر کے قریب بعد اس کے کہ تم کو ان پر کامیاب کردیا۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کردہ امور کو دیکھتا ہے''۔ صلح حدیبیہ کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے حق میں فتح مبین قرار دیا۔ اس صلح نامہ کے بعد لوگ کثرت سے اسلام میں داخل ہونے لگے اور پھر دو سال کے اندر اندر مکہ فتح ہوگیا اور پھر سارا عرب فتح ہوگیا اور کفر کا غلبہ ٹوٹ گیا۔ جب مسلمانوں نے ایران کی طرف توجہ کی تو ایران فتح ہوا اور پھر روم بھی فتح ہوگیا، مصر فتح ہوگیا اور اسلام پوری دنیا میں طاقت ور دین کی حیثیت سے پھیل گیا،

اور پھر صرف پچاس سال کے قلیل عرصہ میں مسلمان آدھی دنیا پر چھا گئے۔اس کے بعد مسلمانوں کی آپس کی لڑائیوں نے فتوحات کا سلسلہ کسی حد تک روک دیا۔صفین میں حضرت معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی جنگ نے مسلمانوں کا راستہ روک دیا اور پھر اس کے بعد جستہ جستہ کام ہی ہوا۔

(کلمة التقوى) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا اله الا الله تقویٰ کا کلمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس کلمہ سے مراد کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ ہے (سيماهم في وجوههم) التواضع: مومنوں کی نشانیاں ان کے چہروں سے ظاہر ہوں گی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور خوشنودی سے خاص قسم کی نورانیت پیدا ہوتی ہے یعنی نماز پڑھنے والے اور احکامِ الٰہی کی بجا آوری سے مسلمانوں کے چہرے ہی ان کی نورانیت کو ظاہر کرتے ہیں۔اس سے تواضع بھی مراد لی جاتی ہے۔

(شطأه) فراخه: پودا جو اپنا پٹھہ نکالتا ہے۔ شطاء السنبل: ان تنبت الحبة عشرًا وثمانيًا وسبعًا فيقوى بعضه ببعض ولو كانت واحدة لم تقم على ساق: کھیتی کا پٹھہ جو ایک دانے سے دس دانے آٹھ یا سات دانے اگاتا ہے جو ایک دوسرے کی تقویت کا باعث بنتے ہیں۔اور اگر ایک ہی پٹھہ ہو تو اپنی پنڈلی پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔اس طریقے سے اللہ نے مسلمانوں کی جماعت کا پورا نظام سمجھا دیا کہ اجماعیت کے ذریعے ہی اللہ تعالیٰ مضبوطی بخشتا ہے جو اپنے مقصد میں کامیابی کا ذریعہ بنتی ہے۔

(فآذره) قواه: پھر اس کو مضبوط کر دیتی ہے۔ (فاستغلظ) غلظ: پھر وہ موٹی ہو جاتی ہے۔ (على سوقه) الساق: حامل الشجر: اپنی پنڈلی پر، درخت کا پورا بوجھ پودے کی پنڈلی یعنی اس کے پٹھہ پر ہوتا ہے۔

(۴۹) (سورۃ الحجرات)

(ص ۱۰۵ تا ص ۱۰۶)

یہ سورۃ مبارکہ حجرات کے نام سے موسوم ہے کیونکہ اس میں نبی علیہ السلام کی ازواجِ مطہرات کے حجروں یعنی رہائشی کمروں کا ذکر ہے جو کہ مسجد نبوی کے ساتھ ہی تعمیر کئے گئے تھے۔ یہ بالکل معمولی سے کمرے تھے۔ انہی کمروں میں ایک کمرہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ اسی کمرہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر مبارک بھی ہے۔ اس سورۃ کے حسب ذیل مشکل الفاظ کے مصدقہ معانی بیان کئے گئے ہیں۔

(لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ) لا تقولوا خلاف الکتاب والسنۃ: اہلِ ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید اور نبی علیہ السلام کی سنت کے خلاف کوئی بات نہ کرو۔ گویا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا اتباع کرو اور ان کے حکم کے مطابق عمل کرو۔ **روی ان الاقرع بن حابس قدم علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ابوبکر: یا رسول اللہ استعملہ علی قومہ، فقال عمر: لا تستعملہ یا رسول اللہ فتکلما عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی ارتفعت اصواتھما:** روایت کیا گیا ہے کہ بنی تمیم کا اقرع ابن حابس رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، حضور اس کو اپنی قوم کا سردار مقرر کر دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی رائے کی مخالفت کی اور عرض کیا، حضور! اس شخص کو اپنی قوم کا سردار مقرر نہ کریں۔ اس بحث وتکرار میں دونوں اصحاب یعنی حضرت صدیق اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہما کی آوازیں بلند ہوگئیں۔ **فنزلت: "یا ایھا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم"۔** اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی علیہ السلام کی آواز سے بلند نہ کرو بلکہ نبی کے احترام کو ملحوظ رکھو"۔ اسی بنا پر اس سورۃ کو سورۃ الادب بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس سورۃ مبارکہ میں نبی علیہ السلام کے ادب کی تعلیم دی گئی ہے۔

(ولا تجسسوا) ھو ان یتبع عورات المؤمن: تجسس نہ کرو یعنی کسی بات کا کھوج نہ لگاؤ۔ اس سے مراد اہلِ ایمان کے عیب تلاش کرنا ہے۔ **(امتحن اللہ) اخلص:** اللہ نے خالص بنا

لیا ہے۔ (ولا تنابزوا) تدعوا بالکفر بعد الاسلام، برے القاب سے مت پکارو۔ یعنی اسلام لانے کے بعد کسی کو کفر کے لقب سے مت پکارو۔ کان الرجل یکون لہ الاسمان والثلاثۃ فیدعی ببعضھا فعسی ان یکرھہ فنزلت: ایک شخص کے دو دو تین تین نام ہوتے تھے جس کے ذریعے ان کو زمانہ جاہلیت میں پکارا جاتا ہے۔ مگر ہوسکتا ہے کہ جاہلیت والا نام اس کو ناپسند ہو، لہٰذا اہلِ ایمان کو کسی کے ناپسندیدہ نام کے ساتھ پکارنے سے منع کر دیا گیا۔ ایمان لانے کے بعد برے نام سے پکارنا بہت بری بات ہے۔ (الشعوب) النسب البعید، والقبائل دون ذلک: اوپر والا بڑا نسب جس کو شعب کہتے ہیں اس سے قبائل بھی مراد لئے جاتے ہیں۔

---

(۵۰) (سورۃ قٓ)

(ص۱۰۶)

اس سورۃ کا نام حرف مقطع کے نام پر ق رکھا گیا ہے جو کہ اس کے آغاز میں آتا ہے۔ قٓ قف والقرآن المجید ○ سورۃ ہٰذا میں قرآن پاک کی قسم اٹھا کر حضور علیہ السلام کی رسالت کی گواہی دی گئی۔ وقوعِ قیامت اور محاسبہ اعمال پر دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ اور قرآنِ پاک کی حقانیت اور صداقت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ کی اس کتاب کے بارے میں بہت سی باتیں آئی ہیں اور نافرمان اقوام کی حجت بازی اور ان کی سزا کا ذکر ہے۔

(المجید) الکریم: بزرگ۔ (مریج) مختلف ملتبس: خلط ملط بات۔ وقیل: باطل: اس کا معنی باطل بھی کیا گیا ہے۔ (باسقات) طوال: لمبے درخت جیسے کھجور کا درخت ہوتا ہے۔ (لبس) شک: شک۔ (حبل الورید) عرق العنق: رگِ گردن۔ (ذلک رجع بعید) رد بعید: مرنے کے بعد واپسی بڑی دور کی بات ہے کافر لوگ اعتراض کرتے تھے۔ (فروج) فتوق: کشادہ جگہ۔ (ماتنقص الارض منھم) من عظامھم: زمین جو کچھ ان کے اجسام میں سے گھٹاتی ہے یعنی ان کی ہڈیاں وغیرہ سب اللہ کے علم میں ہیں، اللہ تعالیٰ سب کو زندہ کر کے ان کی ہر چیز پھر سے نکال لے گا۔ (حب الحصید) الحنطۃ: کاٹے جانے والے دانے جیسے گندم کو کاٹ کر

دانے نکالے جاتے ہیں۔ (قرینه) الشیطان الذی قیض له: قرینہ سے مراد وہ شیطان ہے جو اس پر مسلط کیا گیا ہے۔ (تبصرة) تبصیراً: بصیرت اور نصیحت۔

(فنقبوا) هربوا، وقیل: ضربوا: وہ بھاگتے تھے شہروں میں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد سفر کرنا ہے۔ (القی السمع) لایحدث نفسه بغیره: کان لگا کر بات کو سننا، اور وہ وہی بات کرتا ہے جو اس کا نفس کرتا ہے۔ (لغوب) نصب: تھکاوٹ۔ (نضید) الکفری مادام فی اکمامه، ومعناه منضود بعضه علی بعض: تہہ بہ تہہ خوشے۔ کفری کے اندر پھل چھپا ہوا ہوتا ہے۔ کفر الحق سے یہی مراد ہوتا ہے کہ اس نے کفر کیا ہے یعنی حق کو چھپایا ہے اور ظاہر نہیں ہونے دیا۔

---

(۵۱) (سورة الذاریات)

(ص۱۰۶)

اس سورۃ مبارکہ میں بھی دو تین قسم کے مضامین بیان ہیں جن میں پچھلے مضمون کی تائید بھی شامل ہے۔ یہاں پر مختلف تمثیلوں کے ذریعے بات سمجھائی گئی ہے۔ مختلف انبیاء کے واقعات اور قوم ِ ثمود پر عذاب کا نزول زمین و آسمان کی تخلیق جنوں اور انسانوں کا مقصد تخلیق اور رب العزت کے قادر مطلق اور طاقت کا سرچشمہ ہونے کا ذکر ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کے حسب ذیل مشکل الفاظ اور ان کے مصدقہ معانی بیان کئے گئے ہیں۔

(والزاریات) الریاح، تذروه تفرقه: قسم ہے اڑانے والی ہواؤں کی جو بھوسہ اور گردوغبار وغیرہ اڑا کر لے جاتی ہیں۔ ان کی قسم اٹھا کر بات سمجھائی گئی ہے۔ (فالحاملات وقراً) السحاب: قسم ہے بوجھ اٹھانے والے بادلوں کی۔ بادل پانی کا بوجھ اٹھا کر لے جاتے ہیں اور پھر جہاں حکمِ الٰہی ہوتا ہے، وہاں بارش برسا دیتے ہیں (ذات الحبك) ذات الطرائق والخلق الحسن: جالی دار آسمان جس میں رات کے وقت آسمان میں مختلف راستے نظر آتے ہیں۔ یہ بہترین تخلیق معلوم ہوتی ہے جس میں مختلف رنگوں والے خوبصورت ستارے نظر آتے ہیں۔ وقیل

استواؤھا و حسنھا: بعض کہتے ہیں کہ اس سے آسمان کی برابری اور خوبصورتی مراد ہے۔
(قتل الخراصون) لعن المرتابون: تباہ و برباد ہوئے اٹکل پچو باتیں کرنے والے۔
توحید و رسالت اور وقوع قیامت کے معاملہ میں شک کرنے والے ہلاک ہوئے اور ملعون ہو گئے۔
(فی غمرۃ ساھون) فی ضلالۃ یتمادون: جو کہ غفلت میں ہی بھولے ہوئے ہیں۔ (یفتنون)
یعذبون: آزمائے جائیں گے یعنی عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔ (یھجعون) ینامون: سوتے
ہیں۔ متقین کے متعلق فرمایا کہ وہ رات کو بہت کم سوتے ہیں بلکہ راتیں اللہ کی عبادت میں گزارتے
ہیں۔ (وفی انفسکم افلا تبصرون) تاکلون وتشربون فی مدخل واحد یخرج من
موضعین: تمہارے اپنے اندر بہت سے دلائل قدرت موجود ہیں، کیا تم غور نہیں کرتے؟ فرماتے ہیں
کہ کیا یہ نشانی کم ہے کہ تم ہر چیز ایک ہی راستے یعنی منہ میں ڈال کر کھاتے پیتے ہو مگر ہر خوراک کا فضلہ دو
مختلف راستوں سے باہر نکلتا ہے۔

(فراغ الی اھلہ) فرجع: اپنے گھر کی طرف فارغ ہوئے یعنی لوٹے۔ (صرۃ)
صیحۃ: چیخ مارنا یا شور مچانا۔ (فصکت) لطمت: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام نے
اپنا ماتھا پیٹ لیا۔ (برکنہ) بقوتہ: اپنی قوت اور طاقت کے ساتھ۔ (کالرمیم) نبات الارض اذا
دیس ویبس زمین کا سبزہ جب وہ خشک ہو کر چورہ چورہ ہو جائے۔ (بأید) بقوۃ: طاقت اور قوت
کے ساتھ۔ (انا لموسعون) لذو وسعۃ: ہم وسعت والے یعنی قدرت رکھنے والے ہیں۔ (خلقنا
زوجین) صنفین کالذکر والانثی: ہم نے دو جوڑے بنائے یعنی مذکر و مونث کی دو صنفیں پیدا
کیں۔ واختلاف الالوان الی حلو وحامض مثلاً فھما زوجان: اس سے رنگوں کا اختلاف
بھی مراد ہے اور میٹھا اور کھٹا بھی مراد ہو سکتا ہے۔ اس طریقے سے گویا مرد اور عورت کے دو جوڑے
ہوتے ہیں۔ (ففروا الی اللہ) معناہ من اللہ الیہ: پس بھاگو اللہ کی طرف۔ مطلب یہ ہے کہ ایک
دن ہر ایک نے اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے۔

(وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون) اھل السعادۃ من الفریقین الا
لیوحدون: میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ دونوں فریقوں میں سے

جو سعادت مند ہیں، وہ تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرتے ہیں کیونکہ وحدانیت کو مانے بغیر کوئی بات معتبر نہیں ہوتی۔ (اتواصو) تواطوا: کیا پچھلے لوگ تمہیں وصیت کر گئے تھے کہ تم بھی رسولوں کا انکار کرنا۔ (المتین) الشدید: شدید، سخت۔ (ذنوبًا) دلوًا: بڑا ڈول جس کے ذریعے کنوئیں سے پانی نکالا جاتا ہے۔

---

(۵۲) (سورة الطور)

(ص ۱۰۷)

(الطور) الجبل: طور پہاڑ کا نام ہے۔ (مسطور) مکتوب: لکھا ہوا۔ (رق منشور) صحیفة: کشادہ ورق یعنی صحیفہ۔ (المسجور) المحبوس: بند کیا ہوا۔ وقیل: الموقد یسجر حتی یذهب ماء ه فلا یبقی فیه قطرة: اور بعض کہتے ہیں کہ سمندر کو گرم کیا ہوا۔ یہاں تک کہ اس میں پانی کا ایک قطرہ بھی باقی نہ رہے، یعنی بالکل خشک ہو جائے۔ (تمور) تتحرك وتدور: جو حرکت کرتا ہے یعنی گردش کرتا ہے۔ (یدعون) یدفعون: دھکیل دیا جائے گا، دفع کر دیا جائے گا۔ (فاکھین) معجبین: خوشی کے ساتھ تعجب کرنے والے۔ (ما التناھم) مانقصناھم: نہیں کم کیا ہم نے ان کو۔ (یتنازعون) یتعاطون: جھگڑا کریں گے، تنازعہ کا معنی چھینا جھپٹی یا خوشی کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ بہرحال اہلِ جنت ایک دوسرے کو شراب طہور کے پیالے پیش کرنے میں پیش پیش ہوں گے۔

(تاثیم) کذب: تاثیم کا عام فہم معنی گناہ ہوتا ہے، تاہم یہاں پر جھوٹ مراد ہے۔ (ریب المنون) الموت: زمانے کی گردش یعنی موت۔ (المسیطرون) المسلطون: مسلط کیے ہوئے۔ (کسفًا) قطعًا: ٹکڑا۔

---

(۵۳) (سورۃ النجم)

(ص ۱۰۷)

اس سورۃ مبارکہ میں واقعہ معراج کی تفصیلات دلکش انداز میں بیان کی گئی ہیں جبریل علیہ السلام کی زیارت اور رؤیت الٰہی کا مسئلہ، علم غیب، زندگی اور موت سابقہ اقوام عاد اور ثمود کی ہلاکت کا تذکرہ بھی اس سورۃ میں آ گیا ہے۔ اس سورۃ کے حسب ذیل مشکل الفاظ کے مصدقہ معانی بیان کئے گئے ہیں۔

(اذ اھوی) غاب: جب وہ غائب ہو جاتا ہے یعنی غروب ہو جاتا ہے۔ **(ذو مرۃ) منظر حسن، وقیل ذو شدۃ وقوۃ فی امر اللہ:** قوت والا اچھے منظر والا، بعض کہتے ہیں کہ حکم الٰہی کے معاملہ میں شدت اور طاقت والا جو کسی کی رورعایت نہیں کرتا۔ **(قاب قوسین) حیث الوتر من القوسین:** وہ کمان کے برابر یعنی دو کمانوں کے وتروں کے برابر فاصلہ۔ اس سے مراد حضور علیہ السلام کا معراج کی رات جبریل علیہ السلام یا اللہ تعالیٰ کے درمیان فاصلہ کا ذکر ہے کہ اس قدر رہ گیا تھا۔ **(افتمارونہٗ) افتجادلونہ:** کیا تم پیغمبر علیہ السلام سے جھگڑا کرتے ہو؟ **قال ابن عباس: رای محمد ربہ:** حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اللہ کے نبی نے اپنے رب کو دیکھا۔ **واورد علیہ: لاتدرکہ الابصار:** حالانکہ اس بات پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **لا تدرکہ الابصار:** (الانعام : ۱۰۳) کہ انسانی آنکھیں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتیں۔ **فقال: ویحك ذلك اذا تجلی بنور الذی ھو نورہ،** اس اعتراض کے جواب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم پر افسوس ہے، اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے حقیقی نور کے ساتھ ظاہر ہوگا تو اس کو کوئی آنکھ برداشت نہیں کر سکے گی۔ **وقالت عائشۃ: انما ھو جبریل لم یرہ فی صورتہ الامرتین، مرۃ عند سدرۃ المنتھی، ومرۃ عند اجیاد لہ ستمائۃ جناح:** ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس سورۃ میں مذکورہ جس رؤیت کے متعلق کفار جھگڑا کرتے تھے اس سے مراد جبریل علیہ السلام کی رؤیت ہے۔ حضور علیہ السلام نے جبریل علیہ السلام کو اپنی اصلی صورت میں صرف دو مرتبہ دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جس کا ذکر اس سورۃ میں آیا ہے اور دوسری مرتبہ اجیاد پہاڑ کے قریب جو کہ مکہ میں حرم شریف کے قریب ہی ایک پہاڑ ہے۔

اس موقعہ پر حضور علیہ السلام نے جبریل علیہ السلام کے چھ سو پر دیکھے۔ یہ ابتدائے وحی کی بات ہے۔ ان دو مواقع کے علاوہ جبریل علیہ السلام انسانی شکل میں آتے رہے جیسا کہ احادیث میں دحیہ ابن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کا ذکر ملتا ہے۔ باقی نبیوں میں سے تو کسی نبی نے بھی جبریل علیہ السلام کو اصلی صورت میں نہیں دیکھا (ما زاغ البصر) بصر محمد صلی الله علیه وسلم: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ ٹیڑھی نہیں ہوئی (وماطغی) ولا جاوز مارأی: اور نہ حد سے بڑھی ہے۔ یعنی جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ہے وہ بالکل برحق ہے، اس میں آپ کو کوئی ابہام نہیں رہا۔ (قسمة ضيزى) جائرة، وقيل عوجاء: کھوٹی تقسیم۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ٹیڑھی تقسیم۔ (اکدی) کدره بمنه: وقيل قطع عطاءه: وہ سخت نکلا ایمان قبول کرنے کے سلسلہ میں بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی اس نے دینا بند کر دیا۔ کسی کنجوس آدمی سے کچھ مانگا جائے تو وہ نہیں دیتا۔ مطلب یہ ہے کہ بے سمجھ آدمیوں کے دماغ ایسے ڈل ہوتے ہی کہ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔

(الذی وفی) مافرض علیه: جو کچھ اس کے لئے لازم تھا، وہ اس نے پورا کر دیا۔ (اغنی و اقنی) اعطی وارضی: غنی بنایا اور محتاج بنایا یعنی غنی بنایا اور راضی کیا۔ (رب الشعری) هو مرام الجوزاء: شعریٰ سیارے کا رب۔ شعری کو جوزاء بھی کہتے ہیں۔ یہ بہت بڑا سیارہ ہے جو کہ سورج سے بھی بیس ہزار گنا بڑا ہے۔ مگر اس کا رب بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ (أزفت الآزفة) اقتربت الساعة، الآزفة من السماء يوم القيامة: قریب آنے والی یعنی قیامت قریب آ گئی ہے۔ قیامت والے دن یہ آسمان سے آئے گی۔ (سامدون) لاهون، والسمود اللهو: غفلت میں پڑے ہو یعنی لہو لعب میں مبتلا ہو۔

(۵۴) (سورة القمر)

(ص ۱۰۷ تا ص ۱۰۸)

اس سورۃ مبارکہ میں وقوعِ قیامت اور چاند کے پھٹنے کا ذکر ہے۔قرآن پاک کو بطورِ نعمت اور نصیحت حاصل کرنے والوں کا ذکر ہے۔سابقہ نافرمان اقوام کی تباہ کاریوں، اہلِ جنت کے ٹھکانے، ان کے آسائش و آرام اور راحت واطمینان کا ذکر ہے اس سورۃ کے مشکل الفاظ اور ان کے حسب ذیل معانی بیان کئے گئے ہیں۔

انشق القمر على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فرقتين: فرقة فوق الجبل وفرقة دونه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اشهدوا: حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا، ایک ٹکڑا پہاڑ (حرا) کے اوپر تھا جبکہ دوسرا ٹکڑا اس سے نیچے تھا۔ نبی علیہ السلام نے اس موقع پر فرمایا، گواہ رہنا۔ مشرک لوگ آپ سے نبوت کی نشانیاں طلب کرتے تھے۔ اس واقعہ شق القمر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تو تم نے یہ بہت بڑی نشانی دیکھ لی ہے، اس پر گواہ رہنا۔ **(مستمر) دائم:** چلتا ہوا یعنی دائمی۔ **(عذاب مستقر) حق:** قائم رہنے والی بالکل سچی سزا۔ **(مزدجر) متناهي:** ڈانٹ پلانے والی یا روکنے والی بات۔ **(وازدجر) افتعل من زجرت:** ڈانٹ دیا گیا تنبیہ کے طور پر یہ دوبارہ استعمال ہوا ہے۔ **(ودسر) جمع دسار الذی تحرض به السفينة، وقيل اضلاع السفينة:** دسر لفظ دسار کی جمع ہے جس کا معنی لکڑی کے تختے ہوتے ہیں جن کو جوڑ کر کشتی تیار کی جاتی ہے۔اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد کشتی کے اضلاع ہیں۔

(اشر) مرح: اترانے والا۔ **(شرب محتضر) يحضرون الماء:** پانی کی تقسیم کے مطابق ہر ایک کو اپنی باری پر پہنچنا چاہیے۔ **(فتعاطى) تعاطاها بيده فعقرها:** اس نے ہاتھ اٹھایا اور اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے۔ **(المحتظر) الذی يجعل لغنمه حظيرة، والهشيم المحترق:** محتظر یا حظیرہ بکریوں کے باڑے کو کہتے ہیں۔قومِ صالح پر جب عذاب آیا تو وہ روندی ہوئی باڑ کی طرح ریزہ ریزہ ہو گئے۔ **(يسرنا القرآن) هونا قراء ته:** ہم نے قرآن کو آسان بنا دیا ہے یعنی اس کی قرات کو آسان کر دیا ہے۔ **(فتماروا) كذبوا:** انہوں نے جھگڑا کیا یعنی جھٹلایا۔

(سیھزم الجمع ویولون الدبر) تلاھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یوم بدر یعنی ھٰذا مصداق ھٰذاالوعد: کفار کی جماعت کو شکست دی جائے گی۔ اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ یہ آیت کریمہ نبی علیہ السلام نے بدر کے موقع پر پڑھی تھی کہ اللہ نے کافروں کو کمزور کر دیا، انہوں نے شکست کھائی ہے اور بعض مارے گئے ہیں۔ اللہ کا وعدہ پورا ہو گیا۔

جاء مشرکو قریش یخاصمون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القدر فنزلت: "یوم یسحبون فی النار علی وجوھھم ذوقوا مس سقر ○ انا کل شیٔ خلقناہ بقدر" قریش مشرک لوگ حضور علیہ السلام کے پاس تقدیر کے معاملہ میں جھگڑتے تھے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "جس دن ان کو گھسیٹا جائے گا دوزخ کی آگ میں چہروں کے بل اور ان سے کہا جائے گا کہ چکھو آگ کا جلانا۔ ہم نے ہر چیز کو اندازے یعنی تقدیر کے مطابق پیدا کیا ہے۔

---

(۵۵) (سورۃ الرحمٰن)

ص ۱۰۸)

اس سورۃ مبارکہ کو عروس القرآن یعنی قرآنِ پاک کی زینت کہا گیا ہے۔ اس میں اصولِ اربعہ کا موضوع بتایا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے مختلف انعامات کا ذکر کر کے جنوں اور انسانوں کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلاتے ہوئے کہا گیا ہے کہ تم دونوں اللہ تعالیٰ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اس سورۃ کے حسب ذیل مشکل الفاظ کے مصدقہ معانی بیان کئے گئے ہیں۔

(النجم) ما ینبسط علی الارض: نجم کا معنی ستارہ بھی ہوتا ہے اور چھوٹا پودا بھی جس کا تنا بہت چھوٹا ہو جو کہ زمین کے ساتھ ہی لگا ہوا ہو۔ (الشجر) القائم علی ساق: شجر سے مراد بڑا درخت ہے جو اپنے تنے پر کھڑا ہو۔ (الوزن) یرید لسان المیزان: وزن کا معنی بوجھ ہوتا ہے جو ترازو میں تولا جاتا ہے تاہم یہاں پر ترازو ہی مراد ہے اور زندگی کے ہر معاملے میں ترازو یعنی عدل کو قائم رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (الانام) الخلق: مخلوق مراد ہے۔ (العصف) التبن: وقیل بقل الزرع وقیل: ورق الحنطۃ والتبن: بھوسہ، یعنی گندم اور انجیر کا چھلکا۔ (الریحان) خضرۃ

الزرع وورقة والحب الذي يؤكل منه: خوشبودار پودے۔ سرسبز کھیتی اور پتے اور خوراک کے طور پر استعمال ہونے والے دانے۔ (فبای آلاء ربکما) بای نعم اللہ: اے جنوں اور انسانوں، اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

(صلصال) طین خلط برمل: مٹی جس میں ریت کی ملاوٹ ہو۔ (کالفخار) کما یصنع الفخار: ٹھیکرے کی طرح جو کھنکھنانے لگتا ہے۔ (مارج) لھب اصفر، وقیل خالص النار: زرد رنگ کی شعلہ مارنے والی آگ۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے خالص آگ مراد ہے۔ (مرج) ارسل: بھیجے گئے۔ (برزخ) حاجز: آڑ یا رکاوٹ۔ (لا یبغیان) لایختلطان: جو سرکشی کرتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ مل نہیں جاتے۔ (المنشآت) مارفع شراعه من السفن: یہ بادبان جن کو کشتی کے اوپر باندھ دیا جاتا ہے اور کشتیاں ان بادبانوں کو ہوا کے رخ پر چلاتی تھیں۔ یعنی جب ہوا چلتی تھی تو کشتی اسی رخ پر آگے بڑھتی تھی۔ (ذو الجلال) ذو العزة والکبریاء: عزت اور بڑائی والا خدا تعالیٰ۔ (سنفرغ لکم) ھٰذا وعید من اللہ لعبادہ، ولیس باللہ شغل یعنی یحاسبکم: اے جنو اور انسانو! ہم عنقریب تمہارے محاسبے کے لئے فارغ ہوں گے یعنی تمہارا محاسبہ کریں گے۔

اس ضمن میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ جملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں کے لئے محض ایک تنبیہ ہے وگرنہ اللہ تعالیٰ کا کام محاسبہ کرنا نہیں ہے۔ (لا تنفذون) لا تخرجون من سلطانی: تم نہیں نکل سکتے یعنی اللہ تعالیٰ کی سلطنت سے نکل جانے کی طاقت نہیں رکھتے تمہیں بہرحال اللہ تعالیٰ کے قوانین کی پابندی کرنا ہوگی۔ (شواظ) لھب النار: آگ کے شعلے۔ وقیل: اللھب الذی لا دخان له: اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ شعلہ ہے جس میں دھواں نہ ہو۔ (ونحاس) دخان النار: آگ کا دھواں۔ وقیل: الدخان الذی لالھب له: بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ دھواں ہے جس میں آگ کا شعلہ نہ ہو۔ وقیل: الصفر یصب علی رؤسھم یعذبون به: اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد زرد رنگ کا وہ عذاب ہے جو ان کے سروں تک پہنچے گا۔

(ولمن خاف مقام ربه جنتان) یھم بالمعصية فیذکر اللہ فیترکھا: جو اپنے رب

کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا، اس کے لئے دو جنت ہوں گے۔ یعنی اس نے معصیت سے ڈر کر اللہ کا ذکر کیا اور گناہوں کو چھوڑ دیا یعنی اس نے اپنی زندگی کو اللہ کے سامنے درست کرلیا۔ (افنان) اغصان: گھنی شاخوں والے باغات۔ (وجنی الجنتین دان) مایجتنی قریب: ان باغوں کے پھل بالکل قریب ہوں گے اہلِ جنت جب کسی درخت کا کوئی پھل کھانا چاہیں گے، اسے اپنے قریب پائیں گے اور اس کے حصول میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ (قاصرات الطرف) لا یعاین غیر ازواجھن: نیچی نگاہ رکھنے والی پاکباز عورتیں، جنہوں نے اپنے شوہروں کے سوا کسی کی طرف دیکھا بھی نہیں ہوگا۔ (لم یطمثھن) لم یدن منھن: ان کو کسی نے چھوا نہیں ہوگا، یعنی اس سے قبل کوئی بھی ان کے قریب نہیں گیا ہوگا۔ (مدھامتان) سوداوان من الری: وہ سرسبز باغات جو دیکھنے میں بوجہ سرسبزی سیاہ نظر آئیں گے۔

(نضاختان) فائضتان: ابلنے والے چشمے۔ (مقصورات) ھی الحور، وقیل محبوسات قصر طرفھن وانفسھن علی ازواجھن: مقصورات سے مراد جنت کی حوریں ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد محلوں میں مقیم حوریں ہیں جو اپنی نگاہیں اور اپنے آپ کو صرف اپنے خاوندوں کے لئے مخصوص رکھتی ہیں۔ (رفرف خضر) مجالس: سبز رنگ کی مسندوں پر بیٹھنے والے ہوں گے۔

---

(۵۶) (سورة الواقعة)

(ص ۱۰۸ تا ص ۱۰۹)

سورۃ الواقعہ بڑی فضیلت والی سورۃ ہے۔ سورۃ یٰسین کی طرح اس سورۃ میں بھی اصولِ اربعہ ہی بیان ہوئے ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس کو علم اصول سے تعبیر کرتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جو شخص اس سورۃ کی روزانہ تلاوت کرے گا وہ فاقہ سے محفوظ رہے گا۔ چنانچہ خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو پیش کش کی کہ آپ کے لئے بیت المال سے کچھ وظیفہ مقرر کردوں جو تمہارے اور تمہاری بچیوں کے لئے کفایت کرسکے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ سورۃ الواقعہ کی تلاوت کرنے والے کو اللہ تعالیٰ فاقوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ لہٰذا میں نے اپنی بچیوں کو یہ سورۃ سکھلا دی ہے، اللہ تعالیٰ ضرور ان کو فاقوں سے محفوظ رکھے گا۔ بہر حال یہ بڑی فضیلت والی سورۃ ہے۔ اس کے مشکل الفاظ اور ان کے مستند معانی حسب ذیل ہیں۔

(خافضة) لقوم الی النار رافعة لآخرین الی الجنة: قیامت کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ یہ بعض لوگوں کو پست کرنے والی ہے یعنی دوزخ میں جانے کا سبب بنے گی۔ اور بعض کے لئے رافعۃ ہوگی یعنی ان کو بلند کرنے والی ہے اور جنت کی طرف لے جائے گی۔ (رجت) زلزلت: زمین کو ہلا دیا جائے گا۔ جب قیامت کا صور پھونکا جائے گا تو زمین میں زلزلے آئیں گے، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے حتی کہ سب چیزیں درہم برہم ہو جائیں گی۔ (وبست) فتتت: اور پہاڑ ٹکڑے ٹکرے ہو جائیں گے۔ (ثلة) امة: گروہ یا امت۔ (موضونة) منسوجة: سونے چاندی سے بنے ہوئے نقش ونگار والے تخت یا پلنگ جن پر جنتی لوگ بیٹھیں گے۔ (واکواب) الکوب اناء لا اذن له ولا عروة: اکواب کوب کی جمع ہے جس سے مراد ایسا برتن ہوتا ہے جس میں نہ تو دستہ ہو اور نہ ہی ٹوٹی ہو۔ اس سے گلاس مراد لیا جا سکتا ہے جو مشروب پینے کے لئے پیش کئے جائیں گے۔

(واباریق) ذوات العری والاذان: مشروب پینے کا ایسا برتن جس میں ٹوٹی اور دستہ بھی ہو۔ ایسے برتن کو صراحی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ (ولا ینزفون) لا یقیؤن ولا یسکرون: اہلِ جنت کو پینے کے لئے شراب طہور میسر ہوگی جس کے پینے سے نہ تو سر درد ہوگی اور نہ ہی قے آئے گی۔ گویا شرابِ طہور نشہ آور بھی نہیں ہوگی اس دنیا کی شراب تو نشہ آور ہوتی ہے جس کو پی کر لوگ مدہوش ہو جاتے ہیں اور پھر واہی تباہی اور دنگا فساد پر اتر آتے ہیں جبکہ شراب طہور سے فرحت، راحت اور سرور ہی حاصل ہوگا۔ (لغواً) باطلاً: فضول اور لایعنی بات نہیں ہوگی۔ (تاثیماً) کذباً: گناہ والی اور جھوٹی بات بھی نہیں ہوگی۔ (فی سدرٍ مخضود) لیس له شوك ویقال المخضود الموقر حملاً بغیر کانٹوں کے بیری کے درخت جو پھلوں سے بوجھل ہو چکے ہوں گے۔ (وطلح منضود) الموز: تہہ بہ تہہ کیلے۔ (وماء مسکوب) جار: اور بہتا ہوا پانی۔ (مترفین) متمتعین: آسودہ حال لوگ جو دنیا میں عیش وعشرت اور آرام وراحت کی زندگی بسر کرتے تھے۔

(یحموم) دخان اسود: سیاہ دھواں۔ (انا انشأناھن انشاءً) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: عن المنشآت اللاتی کن فی الدنیا عجائز عمشاء، رمصاء: ہم ان عورتوں کو دوبارہ اٹھائیں گے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اس دنیا میں جو پا کباز عورتیں بوڑھی تھیں، آنکھیں خراب ہو چکی تھیں اور ان سے پانی بہتا تھا، جب انہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا تو جوان عمر ہر قسم کے عارضے سے پاک اور نہایت خوبصورت آنکھوں والی ہوں گی۔ (یصرون) یدومون: گناہوں پر اصرار کرنے والے اور ان پر مسلسل قائم رہنے والے۔ (الحنث العظیم) الشرك: بڑے بڑے گناہ جن میں شرک سرفہرست ہے۔ (الھیم) الابل الظماء: پیاسے اونٹ جو پانی کی طرف جلدی کرتے ہیں۔ (ما تمنون) تریقون من النطف یعنی فی ارحام النساء: جو تم ٹپکاتے ہو یعنی نطفہ آب جو تم عورتوں میں گراتے ہو، جس سے پھر بچہ پیدا ہوتا ہے۔

(انا لمغرمون) لملزمون: ہم پر الزام لگایا گیا ہے، تاوان ڈال دیا گیا ہے۔ (تورون) تسجرون، اوریت او قدت: تم گرم کرتے ہو، میں نے گرم کیا۔ (للمقوین) المسافرین: مسافر۔ (بمواقع النجوم) بحکم القرآن: قرآن کے نازل شدہ احکام۔ اس سے پہلے انبیاء بھی مراد لئے جاسکتے ہیں جن کی مثال ستاروں جیسی ہے۔ جس طرح سورج طلوع ہونے پر ستارے غروب ہو جاتے ہیں، اسی طرح نبی آخر الزمان کی بعثت کے ساتھ ہی سابقہ انبیاء کی شرائع ختم ہو گئیں۔ (مدھنون) مکذبون: مداہنت کرنے والے یعنی جھٹلانے والے۔ (وتجعلون رزقکم) شکرہ: قرآن کے بارے میں اپنا حصہ ٹھہراتے ہو یعنی شکر کی بجائے ناشکری کرتے ہو۔ (انکم تکذبون) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: تقولون: مطرنا بنوء کذا و کذا: تم جھوٹ بولتے ہو۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس جھوٹ کی نوعیت یہ ہے کہ جب بارش ہوتی ہے تو کہتے ہو کہ فلاں ستارے یا فلاں نچھتر کے طلوع ہونے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے یعنی بارش کو ان کی طرف منسوب کرتے ہو۔ یہ کفران ہے اگر ستاروں کو مؤثر بالذات سمجھتے ہو تو یہ صریحاً کفر ہے۔ اور مؤثر بالذات نہیں سمجھتے تو پھر بھی یہ اللہ تعالیٰ کا کفرانِ نعمت ہے۔

(غیر مدینین) محاسبین: بدلہ نہیں دیا جائے گا یعنی تمہارا محاسبہ نہیں ہوگا۔ (فروح)

راحة : آرام وراحت۔ (وجنة نعيم) رخاء بنعمتوں کا باغ یعنی آسودگی۔ (فسلام لك) ای يسلم عليك اخوانك اصحاب اليمين: تمہیں سلام کریں گے تمہارے وہ بھائی جن کو ان کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں ملا اور وہ دائیں طرف ہی ہوں گے۔

---

(۵۷) (سورة الحديد)

(ص ١٠٩)

یہ درمیانے درجے کی سورۃ ہے اور اس میں بوقت ضرورت جہاد کے لئے خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور ایسا نہ کرنے والے کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ اس سورۃ میں لوہے کے استعمال کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے، خاص طور پر دورانِ جنگ لوہے کی افادیت کو تسلیم کیا گیا ہے لوہے کے عام استعمال کی وجہ سے گزشتہ دو صدیوں کو "لوہے کا زمانہ" (IRON AGE) کہا گیا ہے۔ جبکہ اس سے بڑھ کر موجودہ دور کو ایٹمی دور (ATOM AGE) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تاہم لوہے کی افادیت اب بھی کم نہیں ہوئی بلکہ عام مشینوں سے لے کر ہر قسم کی سواری، بائیسکل، موٹر سائیکل، کار، ہوائی جہاز، بڑے بڑے بحری جہاز وغیرہ سب لوہے کے مرہونِ منت ہیں۔ چنانچہ اس سورۃ میں لوہے کے خواص کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

(نبرأها) نخلقها: ہم اس کو پیدا کریں یا ظاہر کریں (مستخلفين) معمرين: تعمیر کرنے والے معمار۔ (فيه بأس شديد) جنة وسلاح: اس میں سخت گرفت ہے کیونکہ اس سے مختلف قسم کا سامان اور اسلحہ تیار ہوتا ہے۔ (مولاكم) اولى بكم: وہی تمہارا آقا و مولا اور ہر کام میں بہتری لانے والا ہے۔

---

(۵۸) (سورۃ المجادلۃ)

(ص۱۰۹)

مجادلہ کا معنی جھگڑا کرنا ہوتا ہے۔اس سورۃ مبارکہ میں خولہ نامی عورت کا ذکر ہے جس کے خاوند نے اسے ماں بہن کہہ کر اس سے ظہار کرلیا تھا۔وہ بوڑھی عورت بال بچوں والی تھی۔ظہار کی وجہ سے اسے سخت پریشانی لاحق ہوئی اور وہ اپنے خاوند کی شکایت لے کر حضور علیہ السلام کے پاس آئی اور اس مسئلہ کا حل دریافت کیا۔اس موقع پر اللہ نے یہ سورۃ نازل فرمائی۔اور مسئلہ ظہار کا حل بتلا دیا۔ظہار کی صورت میں طلاق تو نہیں ہوتی البتہ خاوند کو بیوی کے ساتھ سلسلہ جنابی دوبارہ شروع کرنے سے پہلے کفارہ ادا کرنا ضروری ہوتا ہے جس کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں یعنی خاوند ایک غلام آزاد کرے اگر اس کی استطاعت نہیں تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے۔اگر اس کی طاقت بھی نہیں تو ساٹھ مساکین کو دو وقت کا اوسط درجے کا کھانا کھلائے۔بہرحال اس سورۃ مبارکہ میں خولہ کی شکایت،مسئلہ ظہار اور اس کے کفارے کا ذکر کیا گیا ہے۔

قالت عائشة رضي الله عنها: تبارك الذي وسع سمعه كل شئ اني لا اسمع قول خولة بنت ثعلبة ويخفى علي بعضه وهي تشتكي زوجها الى رسول الله صلى الله عليه وسلم: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات وہ ہے جو ہر چیز کو سننے پر قادر ہے۔میں بھی خولہ بنت ثعلبہ کی وہ بات سن رہی تھی جو وہ بعض سے مخفی رکھنا چاہتی تھی،اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے خاوند کی شکایت کررہی تھی۔ **تقول: يا رسول الله! اكل شبابي و نشرت له بطني حتى اذا كبرت له سني وانقطع له ولدي ظاهر مني،** خولہ کہہ رہی تھیں،اللہ کے رسول! میری ساری جوانی اس شخص کے ساتھ گزری ہے میں نے اس دوران میں اپنا پیٹ اس کے لئے پھیلا دیا یعنی بہت سی اولاد بھی ہوئی۔اب میں بوڑھی ہوچکی ہوں اور اولاد پیدا کرنے سے بھی قاصر ہوں تو اس نے میرے ساتھ ظہار کرلیا ہے۔وہ عورت کہہ رہی تھی، **اللهم اني اشكو اليك:** اے اللہ! میں تیرے ہی سامنے شکوہ کررہی ہوں یعنی میری مدد فرما۔ **قالت عائشة: فما برحت حتى نزل جبريل عليه السلام بهؤلاء الآيات: "قد سمع الله قول التي ......**

الآیــات": حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ جبریل علیہ السلام یہ آیات لے کر نازل ہوئے۔ تحقیق سن لی اللہ نے اس عورت کی بات جو جھگڑتی تھی آپ کے ساتھ اپنے خاوند کے بارے میں اور شکایت کرتی تھی اللہ کے سامنے، اور اللہ تعالیٰ سنتا ہے تمہاری گفتگو، بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا اور دیکھنے والا ہے"۔

(یحادون اللہ) یشاقونہ: جو مخالفت کرتے ہیں اللہ کی، اور اس کے رسول کی۔ (کبتوا) اخزوا من الخزی: رسوا کیے جائیں گے۔ قال علی رضی اللہ عنہ: نزلت: "یا ایھا الذین آمنوا اذا ناجیتم الرسول" ...... الآیۃ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ آیت نازل ہوئی، "اے ایمان والو! جب تم رسول اللہ کے ساتھ سرگوشی کرنا چاہو تو سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ دے لیا کرو"۔ تاکہ اس سے غرباء و مساکین کو بھی فائدہ حاصل ہو۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ماتری أدینار؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا یہ صدقہ ایک دینار ہونا چاہیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے قلت لایطیقونہ: میں ...... عرض کیا، حضور! اگر اتنی طاقت نہ ہو۔ قال نصف دینار فرمایا نصف دینار سہی۔ قلت: لایطیقونہ: عرض کیا، اگر نصف دینار صدقہ دینے کی وسعت بھی نہ ہو، فقال: فکم: آپ نے پوچھا پھر کتنا ہونا چاہیے؟ قلت: شعیرۃ: میں نے عرض کیا ایک جو کے برابر ہونا کافی ہے۔ قال: انک لذھید، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ تو بہت ہی کم مقدار چاہتے ہو۔ فنزلت: أأشفقتم ...... الآیۃ: اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "کیا تم سرگوشی سے قبل صدقہ دینے سے ڈرتے ہو۔ اگر تم نے نہیں کیا، تو اللہ نے تم پر مہربانی سے رجوع فرمایا ہے، پس نماز پڑھو، زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو، اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے باخبر ہے"۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: خفف اللہ بی عن ھٰذہ الامۃ: اس آیت کے نزول پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوال و جواب کی وجہ سے اس امت پر تخفیف فرما دی ہے اور اب نبی کے ساتھ سرگوشی سے قبل صدقہ دینا ضروری نہیں رہا بلکہ یہ مستحبات میں داخل ہو گیا۔ ہاں اگر کوئی صدقہ دے دے تو بہتر ہے۔ جیسے اب، لوگ سفر حج پر روانہ ہونے سے پہلے دو نفل ادا کر لیتے ہیں جو کہ صدقہ کا نعم البدل ہے۔ (استحوذ) غلب: شیطان ان پر

غالب آگیا ہے، چھا گیا ہے۔

(۵۹) (سورة الحشر)

(ص ۱۱۰)

یہ سورۃ الحشر ہے، حشر کا معنی اکٹھا کرنا ہوتا ہے۔ اور حشر دو قسم کے ہیں۔ ایک حشر تو قیامت کے دن ہوگا جب سب لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا اور پھر محاسبہ اعمال کی نوبت آئے گی۔ اس سورۃ سے مراد دوسرا حشر ہے جو حضور علیہ السلام نے بنی نضیر کے یہودیوں کے خلاف اکٹھا کیا تھا۔ اس کو اول الحشر یعنی پہلے حشر سے تعبیر کیا گیا۔ قیامت والے دن جو حشر ہوگا وہ حشر ثانی ہوگا۔ یہودیوں کی بدعہدی کی وجہ سے مسلمانوں نے ان کے خلاف جنگ کرنے کا فیصلہ کیا اور اس مقصد کے لئے مجاہدین کا لشکر جمع کیا۔ چنانچہ بنی نضیر کے یہودیوں کا محاصرہ کر لیا گیا۔ انہوں نے تنگ آ کر ہتھیار ڈال دیئے اور ان کی جلاوطنی کا فیصلہ ہوا۔ اس سورۃ مبارکہ میں اسی غزوہ کی تفصیل ہے۔ اس سورۃ کے حسب ذیل مشکل الفاظ اور ان کے مستند معانی بیان کئے گئے ہیں۔

(الجلاء) الاخراج من الارض الی الارض: جلاء سے مراد یہودیوں کی مدینہ سے جلاوطنی ہے۔ قال ابن عباس: نزلت في بني النضير امر المسلمون بقطع النخل فحاك في صدورهم فقالوا: قد قطعنا بعضًا وتركنا بعضًا: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہ آیت بنی نضیر کے یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب بنی نضیر کے محاصرہ نے طول پکڑا تو مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ ان کے کھجوروں کے درخت کاٹ دو کیونکہ یہودی قلعہ بند ہو چکے تھے اور مقابلہ کے لئے باہر نہیں نکلتے تھے۔ مسلمانوں نے خیال کیا کہ جب وہ اپنی کھجوروں کے قیمتی درخت ضائع ہوتے دیکھیں گے تو باہر نکل کر مقابلہ کریں گے یا پھر ہتھیار ڈال دیں گے۔ بہر حال کچھ درخت تو کاٹ دیئے گئے مگر مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات کھٹکی کہ انہوں نے بعض درختوں کو کاٹ دیا ہے اور بعض کو چھوڑ دیا ہے اور کھجور کے درختوں کا کٹ جانا بڑے نقصان کی بات ہے۔ صحابہ کہتے ہیں فلنسألن رسول الله صلى الله عليه وسلم، فانزل الله: "ماقطعتم من لينة ...... الآية" کہ

ہم نے حضور علیہ السلام کو اپنی تشویش سے آگاہ کیا اور اس بارے میں حکم معلوم کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ''تم نے کھجور کے جو درخت کاٹ دیئے ہیں یا جن کو اپنی جڑوں پر قائم رہنے دیا ہے، یہ تم نے اللہ کے حکم سے ہی کیا ہے اور مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو رسوا کر دے''۔ مطلب یہ ہے کہ صحابہ کے اس عمل کو اللہ نے جائز قرار دے دیا۔ قالت عائشة: وكانوا من سبط لم يصبهم جلاء فيما خلا، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ان یہودیوں میں کچھ نرم مزاج لوگ بھی تھے جن کو جلاوطن نہیں کیا گیا تھا۔

(لينة) نخلة ما لم تكن عجوة او برنية: کھجور کا وہ درخت جو عجوہ یا برنی کھجوریں نہ اگاتا ہو۔ عجوہ یا برنی کھجوریں اعلیٰ قسم کی کھجوریں ہیں جو مدینہ کے ایک علاقہ میں ہی پائی جاتی ہیں۔ آج کل یہ کھجور منڈی میں سب سے مہنگی فروخت ہوتی ہے۔ اس کی یہ خاصیت ہے کہ اس کھجور کے سات دانے کھانے والے پر سارا دن زہر یا سحر کا اثر نہیں ہوتا پہلے یہ کھجور سستی ہوتی تھی، اب مانگ زیادہ ہونے کی وجہ سے مہنگی ہوگئی ہے (حاجةً) حسدًا: حسد۔ (خصاصة) فاقة: خصاصہ سے مراد بھوک اور فاقہ ہے۔ روى ان رجلاً من الانصار بات به ضيف فلم يكن عنده الا قوته و قوت صبيانه فقال لامراته نومى الصبية واطفئ السراج وقربى للضيف ماعندك: روایت کی گئی ہے ایک انصاری آدمی کے ہاں رات کے وقت مہمان آگیا، اس کے ہاں اس کے لئے اور اس کے بچوں کے لئے تھوڑا سا کھانا موجود تھا۔ اس شخص نے مہمان کی خاطر کے لئے اپنی بیوی سے کہا کہ بچوں کو کسی طریقے سے بہلا پھسلا کر سلا دینا، پھر چراغ بجھا دینا اور جو کچھ کھانا تیرے پاس موجود ہے وہ مہمان کے سامنے رکھ دینا تاکہ مہمان سیر ہو کر کھالے اور اسے گھر والوں کے فاقہ کا علم نہ ہو سکے، چنانچہ بیوی نے ایسا ہی کیا اور مہمان کو سارا کھانا کھلا دیا۔ فنزلت: اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ويؤثرون على انفسهم ولو كان بهم خصاصة ''جو اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود بھی حاجت مند ہوں''۔ پھر جب اگلی صبح وہ انصاری صحابی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیری رات کی کیفیت کو اللہ نے قرآن میں بیان کر دیا ہے۔ اسی طرح گویا اپنی ضرورت کے باوجود دوسروں پر خرچ کرنے والوں کی اللہ نے تعریف بیان کی ہے۔

یہاں پر دشمن کی جائیداد مثلاً کار آمد درختوں کو کاٹنا یا کسی عمارت کو گرا دینا کس حد تک اسلام میں جائز ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب سیر الکبیر میں بیان کرتے ہیں کہ اگر مسلمان کسی ایسی پراپرٹی سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں تو اس کو ضائع نہیں کرنا چاہیے اور اگر دشمن کا سخت غلبہ اور عام طریقے سے ان پر قابو پانا مشکل ہو تو پھر دشمن کے درخت کاٹنے جانور ہلاک کرنے یا عمارات گرانے کی اجازت ہے۔ بہر حال حالات کے مطابق کبھی ایسا کرنے کی اجازت ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔ (المفلحون) الفائزون بالخلود، والفلاح البقاء: فلاح پانے والے، کامیاب ہونے والے۔ (المھیمن) الشاھد: نگران یا گواہ۔ (العزیز) المقتدر علی مایشاء: ہر چیز پر قادر۔ (الحکیم) المحکم لما اراد: جس چیز کا ارادہ کرے اسے پختہ کرنے والا۔ الفاظ محکم اور مستحکم بھی انہی معانی میں استعمال ہوتے ہیں۔

---

(٦٠) (سورۃ الممتحنۃ)

(ص ١١٠)

سورۃ ممتحنہ کا معنی امتحان لینے والی، جانچنے اور پرکھنے والی سورۃ ہے۔ ہجرت نبوی کے بعد جو عورتیں مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچ جاتی تھیں اور اپنے خاوندوں کو چھوڑ کر ایمان لے آنے کا دعوٰی کرتی تھیں، ان کے متعلق اللہ نے اس سورۃ مبارکہ میں حکم دیا ہے کہ انہیں مسلمانوں میں شامل کرنے سے پہلے اچھی طرح جانچ پڑتال کر لیا کرو کہ کیا ایسی عورتیں واقعی ایمان لے آئی ہیں۔ یا وہ کوئی دوسرا حیلہ کر رہی ہیں۔ اگر وہ واقعی ایمان لے آئی ہیں تو پھر انہیں واپس مکہ نہ بھیجو بلکہ اب وہ تمہارے لئے حلال ہیں۔

مدینہ میں مقیم ایک شخص حاطب ابن ابی بلتعہ تھا جس کے بیوی بچے مکہ میں تھے۔ مکہ میں اس کے کوئی رشتہ دار بھی نہیں تھے جو اس کے بچوں کی دیکھ بھال کرتے، لہٰذا اس نے ایک حیلہ کے ذریعے اپنے اہل وعیال کی حفاظت کرنا چاہی۔ چنانچہ اس نے قریش مکہ کے نام ایک خط لکھا جس میں اس نے قریش کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کے کچھ راز بھی ان پر ظاہر کیے، جس میں

مسلمانوں کی طرف سے مکہ پر حملہ کا ذکر بھی تھا۔ جب یہ خط لے کر مکہ کی ایک عورت مدینہ سے روانہ ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اپنے نبی کو اس راز سے مطلع کر دیا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے اپنے آدمی کو بھیج کر اس عورت کو راستے میں پکڑ لیا اور اس سے حاطب کا خط حاصل کر کے واپس لے آئے۔ خط موصول ہونے پر حضور علیہ السلام نے حاطب ابن ابی بلتعہ کو طلب کیا اور اس سے پوچھ گچھ کی تو اس نے صاف بتا دیا کہ میں پکا سچا مسلمان ہوں، صرف اپنے اہل وعیال کی حفاظت کی غرض سے ایسا کیا ہے۔ باقی صحابہ کرام اس شخص کی اس حرکت سے سخت مشتعل ہوئے مگر حضور علیہ السلام نے بدری صحابی ہونے کے ناطے اسے معاف کر دیا البتہ آئندہ کے لئے اس قسم کی حرکت سے باز رہنے کے لئے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو سخت وعید سنائی کہ مسلمانوں کا کوئی راز کافروں تک نہیں پہنچنا چاہیے۔ اس سورۃ مبارک کے مندرجہ ذیل مشکل الفاظ اور ان کا مستند ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

نزلت فی کتاب حاطب ابن ابی بلتعة الی المشرکین یخبرهم ببعض امر النبی صلی اللہ علیه وسلم: یہ سورۃ حاطب ابن ابی بلتعہ کے اس خط کے بارے میں نازل ہوئی جو اس نے مشرکین مکہ کی طرف بھیجا تھا اور اس میں مسلمانوں اور پیغمبر اسلام کے بعض امور کی خبر دی گئی تھی۔ **(لا تجعلنا فتنة للذین کفروا) لا تسلطهم علینا فیفتنونا:** اے اللہ! ہمیں کافروں کے لئے ذریعہ آزمائش نہ بنا یعنی ان کو ہم پر مسلط نہ کر کہ وہ ہمیں فتنہ میں ڈال دیں۔

قدمت ام اسماء بنت ابی بکر الصدیق بهدایا، فابت ان تقبلها وتدخلها: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بڑی بیٹی اسماء جو آپ کی پہلی بیوی سے تھی اور ابھی تک مشرکہ تھی، اس کی ماں صلح حدیبیہ کے زمانہ میں اپنی بیٹی اسماء کی ملاقات کے لئے مدینہ آئی اور کچھ تحائف بھی اپنے ساتھ لائی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنی ماں سے تحائف قبول کرنے اور اسے گھر میں داخل کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ عورت اپنی بیٹی سے کچھ خدمت کی امیدوار بھی تھی۔ جب یہ مسئلہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ **فانزل اللہ تعالیٰ: "لا ینهاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم ...... الآیة"** اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جو دین کے معاملہ میں تم سے نہیں لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، کہ تم ان سے نیکی کا سلوک کرو اور ان کے ساتھ

انصاف کرو، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

(ولا یأتین ببھتان یفترینه) لایلحقن بازواجھن غیر اولادھم: ان عورتوں کی اس شرط پر زبانی بیعت لے لیں کہ وہ ایسی بہتان تراشی نہیں کریں گی کہ کسی دوسرے شخص کے بچے کو اپنے خاوند کی طرف منسوب کریں۔

---

(٦١) (سورۃ الصف)

(ص ١١٠)

اس سورۃ کا نام صف ہے جس سے قطار مراد ہے۔ اسلام میں صف بندی کی دو مقامات پر تاکید کی گئی ہے یعنی نماز کے لئے اور میدانِ جنگ میں جنگی حکمت عملی کے مطابق۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے صف بندی نماز کا حصہ ہے۔ اگر نماز کے لئے صف درست نہیں ہے تو نماز میں خلل آئے گا اسی طرح میدانِ جنگ میں بھی مجاہدین کی صف بندی جنگی حکمت عملی کا ایک حصہ ہوتی ہے لہٰذا یہ صف بندی بھی جنگ ہی کا ایک حصہ ہوتی ہے۔ اس سورۃ کے حسب ذیل مشکل الفاظ اور ان کا مستند ترجمہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کیا ہے۔

قال عبداللہ بن سلام: قعدنا نفرًا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتذاکرنا فقلنا: لو نعلم ای الاعمال احب الی اللہ لعملناہ؟ صحابی رسول حضرت عبداللہ ابن سلام کہتے ہیں کہ ہم اصحابِ رسول ﷺ کا ایک گروہ کسی جگہ بیٹھے تھے اور ہم نے ذکر کیا اور کہا کہ اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ ہمارے اعمال میں سے اللہ کے ہاں کون سا عمل زیادہ پسندیدہ ہے تو ہم اسی کو اختیار کریں۔ فانزل اللہ تعالی: "سبح للہ ما فی السماوات وما فی الارض" السورۃ۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ صف نازل فرمائی۔ (مرصوص) ملصق بعضه ببعض: سیمنٹ، ریت، چونا وغیرہ سے بنائی ہوئی مضبوط دیوار جس کی اینٹیں ایک دوسری کے ساتھ پھنسی ہوئی ہوں۔ (من انصاری الی اللہ) من یتبعنی: اللہ کے راستے میں کون میرا مددگار ہوگا یعنی کون میری پیروی کرے گا۔

---

(٦٢) (سورة الجمعة)

(ص ١١٠ تا ص ١١١)

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نمازِ جمعہ کی اہمیت اور دیگر اجتماعی احکام بیان فرمائے ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حسب ذیل مشکل الفاظ اوران کے معانی بیان کئے ہیں۔

(و آخرین منهم لما یلحقوا بهم) اور دوسرے لوگ ان میں سے جو نہیں ملے ان (پہلے لوگوں) سے۔ قیل: من یا رسول اللہ؟ حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ اللہ کے رسول، وہ کون لوگ ہیں؟ فوضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدہ علی سلمان: جواباً اللہ کے نبی نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر رکھ دیا۔ ثم قال: لو کان الایمان عند الثریا لنا له رجال من هؤلاء: پھر فرمایا کہ اگر ایمان ثریا جیسے بلند سیارے کے پاس بھی ہوگا تو یہ لوگ اسے ڈھونڈ لائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی قوم کے لوگ دین کی بڑی خدمت کریں گے اور کارہائے نمایاں انجام دیں گے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ایران کے رہنے والے عجمی صحابی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عجمیوں کی تعریف فرمائی کہ یہ دین کے شیدائی لوگ ہوں گے جو تمہارے بعد آئیں گے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تمام فقہائے کرام رحمہم اللہ اور محدثین اسی علاقے سے ہوئے ہیں۔ جنہوں نے دین کی باریک سے باریک باتیں بھی اخذ کیں اور لوگوں کو دین کا علم سکھایا، ان میں سب سے بڑے فقیہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تھے جو اسی طرف کے باشندے تھے۔ اقبلت عیر یوم الجمعة وھم مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتبادر الناس الا اثنی عشر رجلاً: جمعہ کے روز مدینہ میں غلہ لے کر تجارتی قافلہ آگیا، اس وقت مدینہ میں اناج کی سخت قلت پائی جاتی تھی۔ قافلے کی اطلاع پا کر حضور علیہ السلام کے پاس موجود تمام صحابہ آپ کو چھوڑ کر چلے گئے اور صرف بارہ آدمی آپ کے پاس رہ گئے۔ فانزل اللہ: "واذا رأوا تجارۃ اولھوا" ...... الآیة: اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "اور جب یہ لوگ تجارت یا کھیل تماشے کو دیکھتے ہیں تو متفرق ہو جاتے ہیں اس کی طرف اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کھیل تماشے اور تجارت سے بہتر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے"۔

(٦٣) (سورة المنافقين)

(ص ١١١)

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس سورۃ مبارکہ کی شانِ نزول اور اس کے چند مشکل الفاظ اور ان کے مستند معانی بیان فرمائے ہیں۔

نزلت فی الرد علی عبداللہ ابن ابی المنافق: فیما قال: ولتصدیق زید بن ارقم فیما حکاہ عنہ: یہ سورۃ مبارکہ رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی کے بارے میں نازل ہوئی اور حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ بات کی تصدیق کے لئے اللہ نے یہ سورۃ نازل فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی سازشوں کا پردہ فاش کیا ہے اور حضور علیہ السلام کو ان سازشوں سے آگاہ کیا ہے۔ عبداللہ ابن ابی مدینہ کا بہت بڑا منافق تھا جسے رئیس المنافقین کا خطاب دیا گیا تھا۔ مگر اس کا بیٹا عبداللہ ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ پکا سچا مسلمان اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی تھا۔ حضور علیہ السلام کے مجاہدین کے ہمراہ ایک سفر سے واپس آرہے تھے کہ رئیس المنافقین نے کہا کہ ہم مدینہ پہنچ کر ان رذیل لوگوں یعنی مہاجرین کو مدینہ سے نکال دیں گے۔ یہ بات آپ کے ایک کم سن صحابی زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ نے سن لی اور حضور علیہ السلام کے سامنے اس بات کا ذکر کیا۔

اللہ کے نبی نے عبداللہ ابن ابی کو طلب کر کے حضرت زید کی بات کی تصدیق کرنا چاہی تو منافق صاف مکر گیا کہ میں نے کوئی ایسی بات نہیں کی۔ حضور علیہ السلام نے اس کی بات پر اعتماد کرتے ہوئے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو سخت ڈانٹ پلائی کہ تم نے ایسی غلط بات کیوں کی۔ بہر حال زید رضی اللہ عنہ کو اس پر سخت صدمہ ہوا کہ منافق نے اپنی بات سے انکار کر کے میری پوزیشن خراب کی ہے۔ بہر حال جب یہ قافلہ مدینہ کے قریب پہنچا تو حضرت عبداللہ ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے تلوار سونت لی اور حضور علیہ السلام سے اجازت طلب کی کہ میں اپنے گستاخ باپ کی گردن اڑا دوں، مگر اللہ کے نبی نے ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔

پھر جب عبداللہ ابن ابی مر گیا تو اس کے بیٹے اور اپنے مخلص صحابی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی دلجوئی کے لئے حضور علیہ السلام نے اپنی قمیص بھی اتار کر ان کے باپ کے کفن کے لئے دے دی، اس کے منہ میں لعاب دہن بھی ڈالا اور اس کا جنازہ بھی پڑھا، نیز اس کی قبر پر کھڑے ہو کر دعا بھی کی۔ پھر اس واقعہ

کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو کسی منافق کا جنازہ پڑھنے یا اس کی قبر پر کھڑے ہو کر دعا مانگنے سے منع فرما دیا۔ بہر حال رئیس المنافقین کا جنازہ پڑھنے سے حضور علیہ السلام کے اخلاقِ عالیہ کا اس قدر مظاہرہ ہوا کہ مفسر قرآن ابوبکر ابن عربی نے لکھا ہے کہ اس منافق کی برادری کے ایک ہزار افراد بیک وقت ایمان لے آئے۔

حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ کو حضور علیہ السلام کی طرف سے سخت سست کہنے کی وجہ سے سخت صدمہ پہنچا تھا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ عبداللہ ابن ابی نے ایسی غلط بات کی ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جا کر مکر گیا ہے۔ حضرت زید کہتے ہیں کہ دورانِ سفر حضور علیہ السلام میرے قریب سے گزرے اور میرا کان مروڑا اور مسکرا کر چلے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پوچھنے پر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ اللہ کے نبی نے میرے ساتھ کوئی بات تو نہیں کی، صرف میرا کان مروڑا ہے اور مسکرا کر چلے گئے ہیں۔ پھر کچھ دیر بعد حضور علیہ السلام نے حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ کو خوشخبری دی کہ اللہ نے تمہاری بات کی تصدیق کر دی ہے اور پھر یہ سورۃ پڑھ کر سنائی۔

(قاتلهم الله) لعنهم الله: اللہ تعالیٰ ان کو تباہ و برباد کرے یعنی ان پر لعنت کرے۔ **و كل قتل في القرآن مضاف الى الله فهو لعن**: قرآن پاک میں جہاں بھی لفظ قتل مضاف الی اللہ آیا ہے تو یہ لعنت کے معنوں پر محمول ہوتا ہے یعنی اللہ ان پر لعنت کرے جو جھوٹی قسمیں اٹھا کر شر پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ **(خشب مسندة) نخل قيام**: منافقوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی لکڑی باہر سے تو بڑی خوبصورت اور مضبوط معلوم ہو مگر اندر سے دیمک خوردہ ہو۔ **وقيل: كانوا رجالاً اجمل شيء** اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لوگ بظاہر بڑے خوبصورت اور کھاتے پیتے نظر آتے ہیں مگر ایمان سے خالی ہوتے ہیں یعنی دیمک خوردہ لکڑی کی طرح اندر سے کھوکھلے ہوتے ہیں۔ **(لووا رؤسهم) حركوها استهزاء بالنبي صلى الله عليه وسلم**: منافقوں کی اس قبیح حرکت کا ذکر کیا گیا ہے کہ جب اللہ کا نبی کوئی بات کرتا ہے تو منافق لوگ اپنے سروں کو اس طریقے سے ہلاتے ہیں گویا نبی کی بات کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ **(ينفضوا) يتفرقوا**: جدا ہو جائیں، پراگندہ ہو جائیں۔

(٦٤) (سورة التغابن)

(ص ١١١)

اس سورة کا نام سورة التغابن ہے جو اس کی آیت ۹ سے ماخوذ ہے۔ تغابن زیادتی کو کہتے ہیں اور یوم التغابن سے مراد ہار جیت کا دن یعنی قیامت کا دن مراد لیا جاتا ہے۔ جس میں بعض لوگ ہار جائیں گے اور دوزخ رسید ہوں گے اور بعض جیت جائیں گے اور اللہ کے انعامات کے مستحق ٹھہریں گے۔

(یوم التغابن) غبن اهل الجنة اهل النار: قیامت کا دن یعنی اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ کے لئے وہ دن ہار جیت کا دن ہوگا جب محاسبہ اعمال کے بعد ان کے بارے میں آخری فیصلے ہوں گے۔ **(ومن یؤمن باللہ یهدقلبه) هو الذی اذا اصابته مصیبة رضی وعرف انها من عند اللہ**: جو اللہ تعالیٰ پر صحیح طریقے سے ایمان لے آتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ہدایت سے نوازتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس سے وہ شخص مراد ہے کہ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو وہ جزع فزع کرنے کی بجائے اس پر راضی ہوتا ہے اور خوب جانتا ہے کہ یہ تکلیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے، لہٰذا وہ اسے خوشی سے قبول کرتا ہے۔ یہی شخص ہے کہ جس کے دل کو اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب فرماتا ہے اور یہی شخص کامیابی حاصل کرتا ہے۔

(من ازواجکم واولادکم عدوًا لکم) تمہاری بعض عورتیں اور بعض اولادیں تمہاری دشمن ہیں۔ **قال ابن عباس رضی اللہ عنهما: هٰؤلآء رجال اسلموا فی اهل مکة وارادوا ان یاتوا النبی صلی اللہ علیه وسلم فابی ازواجهم واولادهم**: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو مکہ میں رہتے ہوئے اسلام سے مشرف ہوئے۔ پھر انہوں نے مدینہ میں نبی علیہ السلام کے پاس ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو ان کی بیویوں اور بچوں نے مکہ چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ اولاد کی وجہ سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کی فرمائش پر ناجائز ذرائع آمدنی اختیار کرنا پڑتے ہیں اور پھر اخراجات بھی غلط کاموں میں کئے جاتے ہیں انہی کی وجہ سے لوگ جہاد سے رہ جاتے ہیں اور عبادت بھی انہماک کے ساتھ نہیں کر سکتے۔ وگرنہ تو ایسے بیوی بچوں

سے قطع تعلق کرنا درست ہے اور نہ اصل مقصد کو فراموش کرنا۔ چونکہ ان کی وجہ سے آدمی آزمائش میں پڑ جاتا ہے اس لئے دوسرے مقام پر ان کو فتنہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۶۵) (سورۃ الطلاق)

(ص ۱۱۱)

طلاق کے بیشتر مسائل سورۃ البقرہ میں بیان ہو چکے ہیں۔ تاہم اس سورۃ الطلاق میں بھی کچھ مسائل بیان ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ طلاق صغریٰ کہلاتی ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کے حسب ذیل مشکل الفاظ اور ان کے معانی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کئے ہیں۔ (انفقوا) تصدقوا: خرچ کرو، صدقہ کرو۔ (ومن یتق اللہ یجعل له مخرجًا) ینجیه من کل کرب فی الدنیا والآخرة جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈر جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے خلاصی کا کوئی راستہ بنا دیتا ہے یعنی دنیا و آخرت کی ہر تکلیف سے بچا لیتا ہے۔ (ان ارتبتم) ان لم تعلموا: اگر تم نے نہیں جانا۔ (وبال امرہ) جزاء ھا، اس کے معاملہ کا وبال یعنی اس کی جزا۔ (واولات الاحمال) واحدتھا ذات حمل: حمل والی عورتیں اس کا مفرد حاملہ عورت آتی ہے۔ بین النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الحامل اذا وضعت بعد وفاۃ زوجھا بقریب فقد انقضت عدتھا، نبی علیہ السلام نے وضاحت فرما دی کہ اگر حاملہ عورت اپنے خاوند کی وفات کے بعد قریبی زمانے میں بچے کو جنم دے تو اس کی عدت ختم ہو جاتی ہے۔ ایسی عورت وضع حمل پر نکاح تو کر سکتی ہے کیونکہ اس کی عدت ختم ہو چکی ہے مگر اسے نفاس وغیرہ کے لوازمات کا خیال رکھنا ہوگا۔

البتہ حاملہ عورت کا خرچہ اس کے خاوند کے ذمہ ہوتا ہے جس کا ادا کرنا ضروری ہے۔ حمل کی وجہ سے بعض اوقات عدت لمبی بھی ہو سکتی ہے اور چھوٹی بھی۔ بہر حال دورانِ عدت خرچہ کی ذمہ داری اس کے خاوند پر عائد ہوتی ہے۔ (فحکم اولات الحمل مخصص لحکم المتوفی عنھا زوجھا: وضع حمل تک کی مدت کے لئے عدت کا یہ حکم خاص طور پر ان حاملہ عورتوں کے لئے جن کے خاوند فوت ہو جائیں۔ سورۃ البقرہ میں آمدہ حکم کے مطابق بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ تاہم اللہ

نے اب تخفیف کردی ہے اور جس حاملہ عورت کا خاوند فوت ہو جائے، وہ وضع حمل پر عدت پوری کرلیتی ہے۔ (عتت عن امر ربها) ابتہ: اس نے اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی یعنی اس کا انکار کردیا۔

(٦٦) (سورة التحريم)

(ص ١١١ تا ص ١١٢)

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں کو ازخود اپنے آپ پر حرام قرار دے لینے کے سلسلے میں احکام نازل فرمائے ہیں۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يشرب عسلاً عند زينب ويمكث عندها: حضور نبی کریم ﷺ ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں شہد نوش فرمایا کرتے تھے اور وہاں کچھ دیر ٹھہر جاتے تھے۔ شہد آپ ﷺ کو بہت مرغوب تھا اور بالعموم آپ نمازِ عصر کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے جاتے تھے۔ **فتواطأت ازواجه وقلن: نجد منك ريح المغافير؟** حضور علیہ السلام کی بعض دوسری ازواج مطہرات نے آپس میں مشورہ کیا کہ کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہیے کہ حضور علیہ السلام حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں نہ جائیں اور نہ ہی وہاں کوئی شہد نوش فرمائیں۔ چنانچہ ازواجِ مطہرات میں طے یہ ہوا کہ حضور علیہ السلام جس بھی بیوی کے پاس آئیں وہ کہے کہ آپ سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ مغافیر ایک ایسی بوٹی ہوتی ہے جس سے بدبو آتی ہے مگر اس کا رس شہد کی مکھیاں بھی چوس لیتی ہیں جس کی وجہ سے مغافیر سے حاصل کردہ شہد سے بو کا آنا بھی ایک فطری امر ہے۔ چونکہ حضور علیہ السلام کو بدبو سے سخت نفرت تھی۔ لہٰذا بیویوں کے توجہ دلانے پر آپ نے قسم اٹھالی کہ میں آئندہ شہد نہیں پیوں گا۔ اس موقع پر **فنزلت:** یہ آیت نازل ہوئی۔ **واللتان تظاهرتا على رسول الله صلى الله عليه وسلم عائشة وحفصة:** جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یہ معاملہ کیا تھا، وہ ام المومنین حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما تھیں۔

وقيل: كانت لرسول الله صلى الله عليه وسلم: امة يطؤها فلم تزل به حفصة

حتی جعلها علی نفسه حراماً: بعض نے اس سورۃ کا شانِ نزول یہ بتایا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنی ایک لونڈی کے ساتھ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر مباشرت کی جو ام المؤمنین کو ناگوار گزرا۔ چنانچہ انہوں نے اس لونڈی کو چھڑوانے کا منصوبہ بنایا۔ جس کی بنا پر حضور علیہ السلام نے اس لونڈی کو اپنے اوپر حرام قرار دے لیا۔ **فانزل الله: "یا ایها النبی لم تحرم"** اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی۔ "اے نبی! جس چیز کو اللہ نے آپ پر حلال کیا ہے، آپ اس کو اس کو کیوں حرام کرتے ہیں۔ کیا آپ اپنی بیویوں کی خوشنودی کی خاطر ایسا کرتے ہیں؟" بہر حال حضور علیہ السلام کے شہد یا اپنی لونڈی کو اپنے اوپر حرام کر لینے کے سلسلہ میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔ **(صغت قلوبکم) مالت:** تمہارے دل توبہ کی طرف مائل ہو چکے ہیں۔

(ظهیر) عون: مددگار۔ **(قوا انفسکم واهلیکم ناراً) اوصوا اهلیکم بتقوی الله وادبوهم:** خود کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ یعنی ان کو تقویٰ کی وصیت کرو، اور ادب سکھاؤ۔

---

(٦٧) (سورة الملك)

(ص ١١٢)

اس سورۃ کا نام سورۃ الملک ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ، اس کی توحید اور قدرت کی نشانیوں کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ قیامت کا حال اور جزا اور سزا کا ذکر بھی ہے۔ اس سورۃ کے حسب ذیل مشکل الفاظ کے معانی بیان کئے گئے ہیں۔

(فسحقاً) بعداً: دوری ہو جانا۔ **(من فطور) شقوق:** دراڑیں۔ **(حسیر) کلیل ضعیف:** تھکی ہوئی، کمزور۔ **(تفاوت) اختلاف:** اختلاف۔ **(تمیز) تقطع:** جدائی اور علیحدگی۔ **(مناکبها) جوانبها:** اطراف۔ **(تفور) تغلی:** جوش مارتی ہے۔

---

(٦٨) (سورة ن)

(ص۱۱۲)

سورۃ ''ن'' بھی ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔ اس کا دوسرا نام سورۃ القلم ہے۔ بعض لوگ نبی علیہ السلام سے بعض غیر ضروری چیزوں کا مطالبہ کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کیا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کے حسب ذیل مشکل الفاظ کے مستند معانی بیان کئے گئے ہیں۔

(لو تدھن فیدھنون) لو ترخص لھم فیرخصون: اگر آپ کافروں کے ساتھ مداہنت کریں گے یعنی اپنے اصولوں سے ڈھیلے پڑ جائیں گے تو وہ بھی ڈھیلے ہو جائیں گے۔ مشرک کہتے تھے کہ آپ ہمارے بزرگوں کی مذمت نہ کریں حالانکہ شرک کی تردید کے لئے معبودانِ باطلہ کی مذمت ضروری تھی۔ لو ترخص لھم فیرخصون: اگر آپ ان کو اجازت دیں گے تو وہ بھی ایسا ہی کریں گے۔ (عتل) متکبر: غرور و تکبر کرنے والا۔ (زنیم) ولد الزنا، ویقال: ظلوم: ولد الزنا، متہم یا بدنام۔ یہ لفظ ظالم کے معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ (کالصریم) کالصبح انصرم من اللیل واللیل انصرم من النھار، والصریم الذاھب: کٹی ہوئی فصل کی طرح جیسا کہ رات صبح سے الگ ہو جاتی اور دن صبح سے الگ ہوتا ہے۔ (یتخافتون) یتناجون: پوشیدہ طور پر سرگوشی کرتے ہیں۔ (علی حرد) منع للفقراء: وہ محتاجوں کو نہ دینے پر قادر تھے۔ (قال اوسطھم) اعدلھم: ان میں سے درمیانے درجے والے یعنی انصاف پسند بھائی نے کہا کہ تم نے غلط کام کیا، تمہیں اللہ کی تسبیح بیان کرنا چاہیے تھی۔ (یوم یکشف عن ساق) کنایة عن الامر الشدید المفظع من الھول یوم القیامة، جس دن پنڈلی کھولی جائے گی۔ یہ کنایہ امر شدید سے ہے یعنی قیامت کا دن بہت ڈرانے والی چیز ہے۔ قال ابن مسعود: ھٰذا یوم کرب: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ قیامت کا دن سخت تکلیف کا دن ہے۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکشف ربنا عن ساقه فیسجد له کل مومن ومومنة ویبقی من کان یسجد فی الدنیا ریاء، وسمعة فیذھب لیسجد فیعود ظھره طبقًا واحدًا: حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جب ہمارا پروردگار اپنی پنڈلی کھولے گا تو تمام مومن مرد اور مومنہ عورتیں سجدہ میں گر جائیں

گے، اور باقی وہی آدمی رہ جائے گا جو دنیا میں ریا کاری سے سجدہ کرتا تھا۔ پھر جب وہ سجدہ کرنے کے لئے جائے گا تو اس کی پشت تختہ بن جائے گی اور وہ سجدہ نہیں کر سکے گا۔

(وھو مکظوم) مغموم: وہ غمزدہ یعنی غم سے بھرپور ہوگا۔ (وھو مذموم) ملوم: وہ ملامت کیا ہوا ہوگا۔ (لیزلقونک) ینقصونک: قریب ہے کہ وہ آپ کو پھسلائیں، آپ کی تنقیص کریں۔

---

(۶۹) (سورۃ الحاقۃ)

(ص ۱۱۲)

اس سورۃ مبارکہ کا نام الحاقہ ہے۔ حاقہ ثابت شدہ چیز کو کہتے ہیں اور یہاں پر حاقہ سے مراد وقوع قیامت کا حادثہ ہے جو کہ ایک ثابت شدہ امر ہے۔ اس سورۃ میں چھوٹے چھوٹے حادثات کا ذکر کر کے قیامت والے بڑے حادثہ پر دلیل قائم کی گئی ہے کہ وہ بھی واقع ہونے والا ہے۔ سابقہ اقوام کی نافرمانی اور ان پر آنے والے عذاب کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

(صرصر) شدیدۃ: سخت، شدید۔ (عاتیۃ) عتت علی الخزان: حد سے بڑھنے والی۔ موسم خزاں میں ہوا اپنی جگہ سے زائل ہو جاتی ہے۔ (حسوما) متتابعۃ: پے در پے۔ (خاویۃ) سقط اعلاھا علی ما سافلھا: گرے پڑے۔ اوپر والے حصے نیچے آ پڑے ہوں۔ (طغی الماء) کثر: پانی میں طغیانی آ گئی یعنی پانی کثرت سے آ گیا۔ (داعیۃ) حافظۃ: محفوظ رکھنا۔ (انی ظننت) ایقنت: ظن کا لفظ گمان اور یقین دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ معنی ہوگا میں گمان کرتا تھا یا یقین رکھتا تھا۔

(دانیۃ) قریبۃ: قریب۔ (کانت القاضیۃ: فیصلہ کرنے والی ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ پہلی موت ہی میرے لئے آخری اور فیصلہ کرنے والی ہوتی اور مجھے دوبارہ زندہ ہو کر محاسبے کی منزل سے نہ گزرنا پڑتا۔ الموتۃ الاولی التی متھا لا احیا بعدھا: کا یہی مطلب ہے۔ (غسلین) صدید اھل النار: غسلین خون اور پیپ کا ملا جلا مرکب جو دوزخیوں کی خوراک ہوگا۔ (الوتین) نیاط

القلب: دل سے اوپر کی طرف آنے والی رگ جسے رگِ گردن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(۷۰) (سورۃ المعارج)

(ص ۱۱۳)

اس سورۃ میں بھی گزشتہ سورۃ کی طرح کے مضامین ہی بیان ہوئے ہیں اور مرکزی نقطہ وقوع قیامت ہی ہے۔ (سأل سائل) هو النضر ابن الحارث: کسی سائل نے سوال کیا۔ اس سے مراد نضر ابن حارث ہے جو کہ مکہ کا ایک بڑا سردار تھا اور کفر میں حد سے بڑھا ہوا تھا۔ یہ اور اسکے دوسرے ساتھی آنحضرت ﷺ سے الٹے سیدھے سوال کیا کرتے تھے۔ یہ شخص بڑا جہاں گشت آدمی تھا۔ روم، شام اور ایران وغیرہ کے سفر پر جاتا رہتا تھا اور وہاں کے سابقہ بادشاہوں کے واقعات سنتا رہتا تھا۔ پھر مکہ واپس آکر کہتا کہ لوگو! محمد ﷺ تمہیں عاد وثمود کے قصے سناتے ہیں آؤ میں تم کو رستم واسفندیار کے قصے سناؤں۔ مگر اللہ نے اس کی مذمت فرمائی۔ پھر کافر لوگ کہتے تھے۔ قال: اللهم انكان هٰذا هو الحق ...... الآية (الانفال : ۳۲) ''اے اللہ! اگر محمد ﷺ سچ کہتا ہے تو پھر ہم پر پتھروں کی بارش برسایا ہم پر سخت ترین عذاب نازل فرما''۔ سائل کے سوال کرنے سے یہی مراد ہے کہ اس نے اپنے منہ سے عذابِ الٰہی طلب کیا تھا۔

(المعارج) العلو و الفضل: بلندی اور فضیلت۔ (كالمهل) هو كقوله تعالىٰ: ''يغاثوا بماء كالمهل'' تلچھٹ کی طرح جو تانبہ پگھلانے سے پیچھے رہ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اہلِ دوزخ کو تلچھٹ کا گرم پانی پینے کے لئے مہیا کیا جائے گا۔ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كعكر الزيت فاذا قربه الىٰ وجهه سقطت فروة وجهه: نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ مهل سے مراد زیتون کا راب ہے جو اس قدر گرم ہوگا کہ جب وہ کسی دوزخی کے منہ کے قریب کیا جائے گا تو تپش کی وجہ سے اس کے چہرے کی کھال جل کر نیچے گر پڑے گی۔ (فصيلته) اقرب آبائه الذی اليه ينتهي: خاندان اور قبیلہ جو اس کے آباؤ اجداد کے نام پر ختم ہوتا ہے۔ (نزاعة اللشوى) اليدين و الرجلين و الاطراف و جلدة الرأس، يقال لها شواة: شواہ کو کھینچنے والی اور شواہ سے

مراد انسانی جسم کے اعضاء دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں اور اطراف اور سر کی کھال وغیرہ ہے۔ جہنم ان سب کو اپنی طرف کھینچنے والی ہوگی۔ (عزین) حلقًا وجماعات، واحدتها عزة: گروہ در گروہ یا جماعت در جماعت۔ عزین کا مفرد عزۃ آتا ہے۔

(۷۱) (سورة نوح عليه السلام)

(ص ۱۱۳)

اس سورۃ مبارکہ میں حضرت نوح علیہ السلام کے حالات و واقعات مکمل طور پر بیان ہوئے ہیں۔ اللہ کے نبی کا طویل عرصہ تک قوم کو حق کی دعوت دینا مگر قوم کا مسلسل انکار۔ آپ کا صبر و استقلال اور قوم پر عذاب کی آمد اور پوری قوم کی غرقابی سوائے ان نفوس کے جو نوح علیہ السلام کی تیار کردہ کشتی میں سوار ہو گئے۔ اس سورۃ کے حسب ذیل مشکل الفاظ کے معانی بیان کئے گئے ہیں۔

(مدرارًا) يتبع بعضه بعضًا پے در پے یعنی موسلا دھار بارش۔ (لا ترجون لله وقارًا) لاتخشون لله عظمته: کیا تم اللہ کے وقار کی امید نہیں رکھتے؟ رجی کا معنی خوف بھی ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے معنی ہوگا کیا تم اللہ تعالیٰ کی عزت سے ڈرتے نہیں؟ کیا تم اللہ کے وقار سے امید یا خوف نہیں رکھتے؟ (سبلًا) فرقًا: جدا جدا راستے۔ (فجاجًا) مختلفة، والكبار اشد من الكبار: مختلف، ایک کبار (کانٹے دار درخت) دوسرے کبار سے زیادہ شدید ہوتا ہے۔ (ودًّا ولا سواعًا) ...... الآية: نوح علیہ السلام کی تبلیغ حق کے جواب میں قوم کے سرکردہ لوگوں نے اپنی قوم سے کہا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے کہنے پر اپنے خودساختہ معبودوں ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو نہ چھوڑ دینا۔ قال ابن عباس: السماء رجال صالحين من قوم نوح فلما هلكوا اوحى الشيطان الى قومهم ان انضبوا الى مجالستهم التى كانوا يجلسون فيها انصابًا وسموها باسمائهم ففعلوا ولم تعبد حتى اذاهلك اولئك ونسخ العلم عبدت: ابن عباس رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ ود، سواع وغیرہ قوم نوح کے نیک لوگ تھے۔ جب وہ مر گئے تو شیطان نے قوم کو ورغلایا کہ ان صالحین کے بت بنا کر اپنی مجالس میں رکھ لو اور ان کے وہی نام رکھ لو تاکہ تم ان کا طریقہ یاد رکھ سکو۔

قوم نے ایسا ہی کیا مگر ان کی عبادت نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ جب وہ مر گئے اور علم منسوخ ہو گیا تو لوگوں نے ان کی عبادت کرنا شروع کر دی۔ (تبارًا) **هلاكًا**: تباہی، بربادی، ہلاکت۔

---

(۷۲) (سورة الجن)

(ص ۱۱۴)

اس سورۃ مبارکہ میں جنات کا ایمان لانے کا ذکر کر کے اس سورۃ کا شانِ نزول بیان کیا گیا ہے۔ **انطلق رسول الله صلى الله عليه وسلم في طائفة من اصحابه عامدين الى سوق عكاظ**: حضور نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ایک گروہ کے ساتھ مکہ سے عکاظ کی منڈی کی طرف روانہ ہوئے۔ اس زمانہ میں عرب کے مختلف مقامات مثلاً عکاظ، مجنہ، منیٰ وغیرہ میں ہر سال بڑی بڑی منڈیاں لگتی تھیں جہاں علاقے بھر کا سامان جانور وغیرہ خرید و فروخت کے لئے آتے۔ یہ منڈیاں سال بھر میں ایک ایک دو دو ماہ تک جاری رہتیں۔ تجارتی سامان کے علاوہ ان میلوں میں بڑے بڑے شعراء اور خطباء بھی شرکت کرتے اور اپنے اپنے فن کے جوہر دکھاتے۔ اسلام کا ابتدائی دور تھا۔ حضور علیہ السلام ان منڈیوں کے اجتماعات سے فائدہ اٹھا کر وہاں جاتے اور لوگوں کو دینِ حق کی تبلیغ کرتے، اسی طرح کی ایک منڈی عکاظ کے مقام پر منعقد ہوئی تو حضور علیہ السلام اپنے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ اس منڈی میں شرکت کے لئے روانہ ہوئے۔

وقد حيل بين الشياطين وبين خبر السماء وارسلت عليهم الشهاب: یہ وہ زمانہ تھا جب کہ شیاطین اور آسمانی خبروں کے درمیان رکاوٹ ڈال دی گئی تھی اور جب شیطان اوپر آسمان کی طرف جانے کی کوشش کرتے تھے تو فرشتے ان پر شہابِ پھینکتے تھے۔ شیطانوں کو شہاب تو پہلے بھی مارے جاتے تھے مگر وہ جو کچھ بھی فرشتوں کی زبان سے سن پاتے تھے، وہ لا کر اپنے کاہنوں کے کان میں ڈال دیتے جو اس میں سو جھوٹ ملا کر آگے لوگوں کو بتاتے۔ تاہم حضور علیہ السلام پر وحی کا سلسلہ شروع ہونے پر شیطانوں کی نگرانی زیادہ سخت کر دی گئی تھی اور فرشتوں کے شہاب مارنے سے بعض شیاطین مر جاتے اور بعض زخمی ہو کر واپس آ جاتے۔ اس صورت حال کے پیش نظر شیاطین کو فکر لاحق

ہوئی۔(فرجعت الشیاطین فقالوا: اضربوا مشارق الارض ومغاربها فانظروا ماھذا الامر الذی حال بیننا وبین خبر السماء: چنانچہ جب شیطان فرشتوں سے مسلسل مار کھا کر واپس آئے تو انہوں نے ایک دوسرے کو کہا کہ زمین کے مشرق و مغرب میں پھیل جاؤ اور معلوم کرو کہ کیا معاملہ ہے جو ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان رکاوٹ ڈال دی گئی ہے۔(فانطلق الذین توجهوا نحو تهامة الی رسول الله صلی الله علیه وسلم بنخلة وهو یصلی باصحابه الفجر: چنانچہ شیطانوں کے ایک گروہ نے جو تہامہ (اطراف مکہ میں ایک مقام) کی طرف گیا تھا۔ انہوں نے نخلہ کے مقام پر حضور نبی کریم ﷺ کو اپنے صحابہ کے ہمراہ فجر کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ یہ اسی سفر کا ذکر ہے جب اللہ کے نبی صحابہ کے ہمراہ عکاظ کی منڈی کی طرف تشریف لے جا رہے تھے اور راستے میں نخلہ کے مقام پر فجر کی نماز ادا کر رہے تھے۔

(فلما سمعوا القرآن قالوا: ھذا الذی حال بینکم وبین خبر السماء: جب جنات نے حضور علیہ السلام کو دورانِ نماز قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو کہنے لگے کہ یہی وہ چیز ہے جو تمہارے اور آسمانی خبروں کے درمیان حائل ہو گئی ہے اور جس کی وجہ سے فرشتے ہم پر شہاب پھینکتے ہیں۔ گویا اس پاک کلام کی حفاظت کی خاطر ہمارا اوپر جانا بند کر دیا گیا ہے۔ وھنالك رجعوا الی قومهم فقالوا: "یا قومنا انا سمعنا الآیات" بہر حال وہ جنات وہیں سے اپنی قوم کی طرف واپس لوٹ گئے اور ان کو جا کر بتایا کہ اے ہماری قوم! ہم نے بڑا عجیب قرآن سنا ہے جو نیکی کی طرف راہنمائی کرتا ہے لہٰذا ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے"

مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ اس وقت تو حضور علیہ السلام کو پتہ نہ چل سکا کہ جنوں کی ایک جماعت نے ان کی زبان سے قرآن سنا ہے اور آپ پر ایمان لے آئے ہیں۔ تاہم بعد میں ایک قریبی درخت نے آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دی۔ پھر اس کے بعد یہ سورۃ الجن نازل ہوئی جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو اس واقعہ کی تفصیل سے آگاہ کر دیا۔ (جد ربنا) فعله وامره وعظمته وقدرته: ہمارے پروردگار کی شان یعنی اس کا حکم، اس کی عظمت اور اس کی قدرت بلند ہے۔(فلا یخاف بخسًا) نقصًا من حسناته: اپنی نیکیوں میں کسی نقصان کا خوف نہیں کھائے گا۔

(ولا رهقًا) زيادة من سيآته: اور نہ ہی اس کے گناہوں میں کسی زیادتی کا اسے خطرہ ہوگا۔

(طرائق قددًا) منقطعة في كل وجه: ہر طرف سے منقطع مختلف راستوں میں بٹے ہوئے۔

(لبدًا) اعوانًا: چمٹنے والے یا معاون جیسا کہ وہ لوگ اردگرد جمع ہو گئے تھے۔

---

(۷۳) (سورة المزمل)

(ص ۱۱۴)

یہ بالکل ابتدائی دور کی سورۃ ہے۔ سب سے پہلے سورۃ العلق، پھر سورۃ فاتحہ اور اس کے بعد سورۃ المزمل نازل ہوئی۔ اس کے بعد بعض کہتے ہیں کہ سورۃ القلم نازل ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ درمیان میں تین سال فترۃ (وقفہ) آ گیا۔ اس دوران میں آپ عبادت میں مصروف رہتے اور اپنے ساتھیوں سے خفیہ ملاقاتیں کرتے اور ضروری ہدایات دیتے۔ تین سال کے وقفہ کے بعد پھر سورۃ مدثر نازل ہوئی اور اللہ کے نبی کو کھلے عام پیغامِ الٰہی پہنچانے کا حکم ہوگیا۔ سورۃ المزمل تربیت کی سورۃ ہے۔ آپ کو نماز تہجد ادا کرنے کا حکم ہوا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ رات کے وقت لمبا قیام کرتے تھے۔ ابتداء میں انقلابی لوگوں کے لئے قیام اللیل فرض تھا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو قیام کرتے کیونکہ تعلق باللہ کی درستگی کے لئے رات کا قیام ضروری تھا۔

سورۃ المزمل اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔ سال بھر تک قیام اللیل کا حکم نافذ رہا اور اہلِ ایمان یہ فرض ادا کرتے رہے۔ پھر اس کے بعد اسی سورۃ کا آخری رکوع نازل ہوا جس کے ذریعے رات کے قیام میں تخفیف کر دی گئی۔ اب یہ قیام فرض نہیں تھا بلکہ نوافل میں شامل ہوگیا۔ بایں ہمہ نمازِ تہجد افضل ترین نفل نماز شمار ہوتی۔ بعض کہتے ہیں کہ آخری رکوع میں آمدہ تخفیف کے باوجود یہ نماز حضور علیہ السلام کے لئے تو واجب تھی مگر امت کے لئے یہ ضروری نہیں رہی۔ چونکہ دن کے وقت دیگر اشغال بھی ہوتے ہیں اور رات کے وقت سکون ہوتا ہے لہٰذا رات کے وقت پڑھنے کی خاص طور پر ترغیب دی گئی۔

لما نزلت: "يا ايها المزمل" قاموا سنة حتى تورمت اقدامهم فانزل الله تعالى: "فاقرء وا ما تيسر منه" جب سورۃ مزمل کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اور آپ کے صحابہ سال بھر تک طویل قیام اللیل کرتے رہے حتی کہ آپ کے پاؤں سوجھ جاتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ''پس اتنا ہی پڑھیں جتنا آسان ہو'' چنانچہ لمبا قیام ضروری نہ رہا۔ (وتبتل) اخلص: صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہی علیحدہ ہونا یعنی رجوع کرنا۔ خالص اللہ تعالیٰ کی طرف ہی توجہ کریں۔ (انکالاً) قیودًا: قیود اور بندشیں۔ (کثیبًا مھیلاً) ھو الرمل السائل: جیسے بہنے والی ریت۔ (اخذًا و بیلاً) شدیدًا لیس له ملجا: سخت گرفت جس کا کوئی ٹھکانا نہ ہو۔ (منفطر به) مثقلة به: آسمان پھٹ جائے گا۔ ویقول: متصدعة من خوف یوم القیامة: اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خوف خدا سے پھٹ جانے والا ہوگا قیامت کے دن۔

(۷۴) (سورة المدثر)

(ص ۱۱۴)

یہ سورۃ گزشتہ سورۃ المزمل کے تین ماہ بعد نازل ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کمبل اوڑھے آرام فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا یا ایھا المدثر ○ قم فانذر ○ اے کمبل اوڑھنے والے، آپ اٹھ کھڑے ہوں اور مخلوق کو ڈرائیں۔ (الرجز) الاوثان: رجز کا معنی گندگی ہوتا ہے اور یہاں بت مراد ہیں کہ ان کو دور کریں۔ (یوم عسیر) شدید: سخت دن۔ (صعودًا) اوپر چڑھنا۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الصعود جبل یتصعد فیه الکافر سبعین خریفًا، ثم یھوی به کذلك ابدًا: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ صعود ایک پہاڑ ہے جس پر کافروں کو چڑھایا جائے گا۔ یہ پہاڑ ستر سال کی مسافت پر ہوگا اور پھر ان کو نیچے گرایا جائے گا۔ اس طریقے سے ان کو ہمیشہ سزا ملتی رہے گی۔

(لواحة) محرقة: جلانے والی۔ (اتانا الیقین) الموت: یقینی بات سے موت مراد ہے۔ (مستنفرة) نافرة مذعورة: نفرت کرنے والے، ڈراتے ہوئے۔ (قسورة) ھی الاسد، ویقال ای رکز الناس واصواتھم: قسورۃ کا معنی شیر ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا معنی لوگوں کے پاؤں کی آواز ہے۔

(۷۵) (سورۃ القیامۃ)

(ص ۱۱۴)

اس سورۃ مبارکہ میں نفس کی مختلف حالتوں نفس امارہ، نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ کے اعتبار سے قیامت کا ذکر ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس سورۃ میں سے حسب ذیل مشکل الفاظ کا انتخاب کر کے ان کے مستند معانی بیان کئے ہیں۔

(لیفجر امامه) یقول: سوف اتوب وسوف اعمل: ڈھٹائی کے ساتھ آگے آنے والی قیامت کا انکار کرتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ کوئی بات نہیں میں عنقریب توبہ کرلوں گا اور اچھے اعمال کرنے لگوں گا۔ (لا وزر) لا ملجأ: کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ کان النبی صلی الله علیه وسلم: اذا نزل علیه الوحی حرك به لسانه "فانزل الله تعالی: لا تحرك به لسانك: جب نبی علیہ السلام پر وحی کا نزول ہوتا، تو آپ اپنی زبان کو تیزی سے حرکت دیتے تا کہ وحی کے الفاظ کو اچھی طرح یاد کرلیں اور ان میں سے کوئی حصہ بھولنے نہ پائے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "آپ اپنی زبان کو زیادہ حرکت نہ دیں" (فاذا قرأناه فاتبع قرآنه) اعمل به: بلکہ جب ہم یعنی ہمارا فرشتہ وحی کے الفاظ پڑھے تو آپ اس کے بعد پڑھیں، ہم آپ کو ایسا پڑھا دیں گے کہ آپ فراموش نہیں کرسکیں گے۔ یعنی آپ یاد کریں اور ہمارے احکام پر عمل شروع کر دیں۔

(باسرة) کالحة: ست رو۔ (والتفت الساق بالساق) اور پنڈلی پنڈلی کے ساتھ مل جائے گی، یہ موت کے وقت کا ذکر ہے۔ آخر یوم من ایام الدنیا، واول یوم من ایام الآخرة، فیلقی لشدة: یہ انسان کا اس دنیا کا آخری دن اور آخرت کے ایام کا پہلا دن ہوگا اس وقت بڑی سختی محسوس ہوگی۔ (یتمطی) یختال: اکڑتا ہے۔ (اولی لك فاولی) توعد: ہلاکت ہے تیرے لئے ہلاکت۔ یہ وعید سنائی گئی ہے۔ (سدًی) مهملاً: بیکار، فضول۔

(٧٦) (سورة الدهر)

(ص ١١٤)

اس سورۃ مبارکہ میں بھی قیامت ہی کا ذکر ہے مگر انسان کی پیدائش کے مختلف مادوں کے پیشِ نظر وقوع قیامت اور محاسبہ اعمال کا حال بیان کیا گیا ہے۔ (امشاج) مختلفة الالوان: مختلف رنگوں کے ملے جلے قطرہ آب سے انسان کی پیدائش ہوتی ہے۔ یعنی خاوند اور بیوی کے ابدان کے پانی میں دونوں کے ملے جلے عناصر ہوتے ہیں جو آگے بچے کی پیدائش کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ویقال: ماء الرجل وماء المرأة اذا وقع فی الرحم: اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مرد اور عورت کا مرکب پانی مراد ہے جب وہ رحم مادر میں داخل ہوتا ہے۔ (مستطیرًا) فاشیًا ضیقًا: پھیلی ہوئی اور تنگ۔ وقیل: ممتد البلاء: اور اس کا معنی لمبا بھی کیا جاتا ہے۔ (عبوسًا قمطریرًا) هو الذی ینقبض وجهه من شدة الوجع: ترش رو اور سخت جس کا چہرہ شدت فکر کی وجہ سے سکڑ جاتا ہے۔ وقیل: قمطریرًا طویلاً: اور بعض کہتے ہیں کہ قمطریرا سے مراد لمبا ہے۔ وقیل: شدیدًا: اور بعض کے نزدیک اس کا معنی شدید اور سخت ہوتا ہے۔

(سلسبیلاً) حدیدة الجریة: تیز بہنے والا چشمہ۔ (شددنا اسرهم) احکمنا ربط مفاصلهم بالاعصاب: ہم نے انسان کی جوڑ بندی مضبوط بنائی۔ اور ان میں پٹھے لگا دیئے تاکہ ان میں ربط رہے اور وہ گر نہ جائیں۔

---

(٧٧) (سورة المرسلات)

(ص ١١٥)

اس سورۃ میں بھی قیامت ہی کا ذکر ہے مگر اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ نبیوں کے لئے وقت مقرر فرمائے گا، اور وہ اپنی امتوں کے ساتھ دربارِ الٰہی میں حاضر ہوں گے اور پھر محاسبہ کی منزل آئے گی اور سزا و جزا کے حتمی فیصلے ہوں گے۔ اس سورۃ کے ان مشکل الفاظ کے معانی بیان کئے گئے ہیں۔

(کفاتًا) کافتة ضامة: کفایت کرنے والی سمیٹنے والی۔ یہ قبر کے متعلق کہا گیا ہے۔ جو مرنے کے بعد آدمی اور دوسری چیزوں کو بھی اپنے دامن میں سمیٹ لیتی ہے۔ (رواسی شامخات) جبالاً مشرفات: اونچے اونچے پہاڑ۔ (فراتًا) عذبًا: میٹھا پانی۔ (جمالات صفر) جمال السفن تجمع حتی تکون کاوساط الرجال: زرد رنگ کے اونٹ بڑی بڑی چنگاریاں دھوئیں سے نکلیں گی، یہاں تک کہ آدمیوں کے وسط جسم جیسا ہوگا۔

---

(۷۸) (سورة النبأ)

(ص ۱۱۵)

نبأ کا معنی خبر اور نبأ عظیم سے مراد بڑی خبر یعنی وقوعِ قیامت ہے۔ قیامت کا ذکر پورے قرآن پاک کے ایک تہائی حصے پر مشتمل ہے۔ قرآن پاک کے باقی دو تہائی حصے میں باقی چیزوں کا ذکر ہے۔ سابقہ کتب سماویہ میں قیامت کا ذکر موجود تھا مگر قرآن کی نسبت بہت کم۔ اس سورۃ مبارکہ میں قیامت کا ذکر کاشتکاروں کی ذہنیت کو سامنے رکھ کر بیان کیا گیا۔ آگے آنے والی بہت سی سورتوں میں قیامت ہی کا تذکرہ ہے جو کہ مختلف ذہنیتوں کو پیش نظر رکھ کر کیا گیا ہے اس سورۃ مبارکہ کے حسب ذیل مشکل الفاظ کے مستند معانی بیان کئے گئے ہیں۔

(سراجًا وھاجًا) مضیئًا: چمکنے والا چراغ۔ (المعصرات) السحاب یعصر بعضھا بعضًا فیخرج الماء من بین السحابین: نچڑنے والے بادل۔ جب پانی سے بھرے ہوئے بادل ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں تو ان کے درمیان سے بارش کی صورت میں پانی نکلتا ہے۔ (ثجاجًا) منصبًا: زور سے بہنے والا۔ (الفافًا) مجتمعة: گھنے۔ (غساقًا) غسقت عینه وغسق الجرح سال۔ بیمار آنکھ یا زخموں سے نکلنے والا پانی یا پیپ جو کہ جہنمیوں کی خوراک بنے گا۔ (جزاء وفاقًا) وافق اعمالھم: پورا پورا بدلہ بمطابق اعمال۔ (لا یرجون حسابًا) لایخافونه: محاسبہ اعمال کا خوف نہیں تھا یا انہیں محاسبہ کی امید نہیں تھی۔ (مفازًا) متنزھًا: مکمل کامیابی، دکھ اور تکلیف سے چھٹکارا۔ (وکواعب) نواھد: نوخیز عورتیں، ابھرے ہوئے پستانوں والی۔ (اترابًا)

فی سن واحد ثلاثة وثلاثین سنة: تینتیس سالہ ہم عمر مرد اور عورتیں۔

وکاسًا دھاقًا) ممتلئًا: لبریز پیالے۔ (عطاءً حسابًا) جزاء کافیًا: اعمال کے مطابق دیا ہوا بدلہ۔ (لا یملکون منه خطابًا) لا یملکونه الا ان یاذن لھم: مخلوق میں سے کسی کو اپنے پروردگار سے بات کرنے کی قدرت نہیں ہوگی، سوائے اس کے کہ ان کو اجازت دی گئی ہو۔

(الروح) ملك من اعظم الملائکة خلقًا: روح سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں جو تمام فرشتوں کے سردار ہیں۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فلسفے کے مطابق وہ روحِ اعظم مراد ہے جو حظیرۃ القدس میں ہے اور دنیا میں پائی جانے والی تمام روحیں اس کی شاخیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تجلی اعظم سب سے پہلے روحِ اعظم پر پڑتی ہے اور پھر اس کے واسطے سے دنیا کی تمام روحوں میں اس کا اثر اترتا ہے۔ (وقال صوابًا) حقًا وقیل: لا الٰہ الا اللہ: اور اجازت بھی اس کو ملے گی جو صحیح بات کرے گا یعنی جس نے دنیا میں کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ پر ایمان رکھا۔

---

(۷۹) (سورۃ والنازعات)

(ص ۱۱۵)

گزشتہ سورۃ کا طرزِ بیان سیدھا سادھا اور آسان تھا اس سورۃ میں دقیق فلسفہ بیان کیا گیا ہے یعنی قانونِ جذب وکشش کے مطابق قیامت کا مسئلہ پیش کیا گیا ہے۔ جو کہ عام آدمی کی نہیں بلکہ حکماء، فضلاء اور فلسفیوں کے سمجھنے کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کا نظام قانون جذب وکشش کے ذریعے قائم رکھا ہے جس کی وجہ سے ہر چیز کا توازن قائم ہے۔ اگر یہ قانون فیل ہو جائے تو تمام ستارے اور سیارے آپس میں ٹکرا جائیں اور کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔

(الرادفة) النفخة الثانیة: اس سے مراد نفخہ ثانیہ یعنی دوسری مرتبہ صور کا پھونکا جانا ہے، جب پہلا نفخہ ہوگا تو ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ پھر جب دوسرا نفخہ ہوگا تو سب لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ الرادفه سے یہی مراد ہے۔ (واجفة) خائفة: خوف کھانے والے، ڈر جانے والے۔ (فی الحافرة) الی امرنا الاول ای الحیاۃ: پہلی زندگی کی طرف لوٹنا۔ (نخرة) بالیة: بوسیدہ،

پرانی۔ (بالساھرۃ) وجہ الارض: چٹیل میدان۔ (متاعًا لکم) منفعة: تمہارے لئے فائدہ یعنی نفع ہوگا۔ (سمکھا) بناء ھا: بلندی۔ (واغطش) اظلم: تاریک بنادیا۔ (مرساھا) منتھاھا: قیامت کب لنگر انداز ہوگی یعنی واقع ہوگی؟۔

(۸۰) (سورۃ عبس)

(ص ۱۱۵)

اس سورۃ مبارکہ میں قیامت کا مسئلہ انسانی رشتوں اور تعلقات باہمی کو سامنے رکھ کر بیان کیا گیا ہے۔ قیامت والے دن بھائی بھائی سے بھاگے گا، باپ بیٹے سے راہِ فرار اختیار کرے گا اور ہر آدمی اپنی ہی فکر میں مبتلا ہوگا اور کسی دوسرے کے کچھ کام نہ آئے گا۔ سورۃ کی ابتداء میں ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کا واقعہ ذکر کیا گیا کہ صحابی رسول آپ سے کچھ ہدایت کی باتیں سیکھنا چاہتے تھے۔ اس وقت حضور علیہ السلام کے پاس مشرک زعماء بیٹھے تھے اور آپ ان سے گفتگو فرمارہے تھے۔ لہٰذا آپ نابینا صحابی کی طرف خاطر خواہ توجہ نہ دے سکے۔

اس سورۃ کے شانِ نزول کے متعلق ارشاد فرمایا: انزلت: عبس وتولی فی ابن ام مکتوم اعمی اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یقول: یا رسول اللہ! ارشدنی: سورۃ عبس نابینا صحابی عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جبکہ صحابی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، حضور! مجھے کچھ ہدایت کی باتیں بتلائیں۔ وعند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: رجل من عظماء المشرکین: اس وقت اللہ کے نبی کی مجلس میں مشرکوں کے کچھ بڑے لوگ موجود تھے۔ فجعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یعرض عنہ و یقبل علی الآخر: لہٰذا اس وقت حضور علیہ السلام نابینا صحابی سے اعراض کرتے ہوئے مشرکین سرداروں کی طرف متوجہ رہے کہ شاید ان میں سے کوئی ایمان قبول کرلے۔

(تصدی) تغافل عنہ: صحابی سے غفلت برتتے ہیں۔ (تلھی) تشاغل: مشغول ہوتے ہوئے۔ (سفرۃ) کتبة: نوشتے، کتابیں۔ (لما یقض) لم یقض الانسان ما امر بہ:

نہیں فیصلہ کیا یعنی انسان نے اپنے رب کے حکم کو پورا نہیں کیا۔ **(وقضبًا) القت الرطب**: چبائی جانے والی ترکاریاں جیسے گاجر، مولی وغیرہ۔ **(حدائق) بساتین**: باغیچے۔ **(وفاکھۃ) ھی الاثمار والرطبۃ**: پھل فروٹ وغیرہ۔ **(وأبًا) ما تعلف منہ الدواب**: جانوروں کی خوراک، چارہ، گھاس، بھوسہ وغیرہ۔ **(مسفرۃ) مشرقۃ**: روشن، چمکدار۔ **(ترھقھا قترۃ) تغشاھا شدۃ**: ان پر سخت سیاہی چڑھی ہوئی ہوگی۔

---

(۸۱) (سورۃ کورت)

(ص ۱۱۶)

اس سورۃ مبارکہ میں قیامت کا مسئلہ نظامِ قدرت کے پیش نظر سمجھایا گیا ہے۔ اور ساتھ ساتھ انسان کی غفلت کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

(کورت) اظلمت: تاریک کردیئے جائیں گے۔ **(انکدرت) تغیرت وانتثرت**: متغیر ہوجائیں گے، بکھر جائیں گے۔ **(سجرت) ذھب ماؤھا: وقیل المسجور المملوء**: گرم کیے جائیں گے تو ان کا پانی اڑ جائے گا بعض کہتے ہیں کہ مسجور کا معنی بھرا ہوا بھی ہوتا ہے۔ **(واذا النفوس زوجت) قرنت بنظائرھا من اھل الجنۃ، او اھل النار**: جب نفوس کو ملا دیا جائے گا یعنی نکاح کر دیا جائے گا یا ارواح کو اجسام کے ساتھ ملا دیا جائے گا اس کا یہ معنی بھی ہے کہ نیک لوگوں یعنی اہلِ جنت کو جنتیوں کے ساتھ اور برے لوگوں یعنی جہنمیوں کو جہنمیوں کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔

(الخنس الجوار الکنس) ترجع وتکنس کما یکنس الظبی: خنس کا معنی چھپ جانا اور کنس کا معنی پیچھے پلٹ آنا۔ ستاروں کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ تیزی سے پیچھے پلٹ کر چھپ جاتے ہیں جیسے ہرنی اپنی خوابگاہ کی طرف پلٹ کر چھپ جاتی ہے۔ **(عسعس) ادبر**: پیچھے پلٹنا۔ **(والصبح اذا تنفس) ارتفع النھار**: اور صبح سانس لیتی ہے یعنی بلند ہوتی ہے اور دن چڑھ جاتا ہے۔ **(بضنین) بخیل او بظنین ای متھم**: بخل کرنے والا یا بظنین کا معنی متہم بھی آتا ہے۔

---

(۸۲) (سورة انفطرت)

(ص ۱۱۶)

اس سورۃ میں بھی قیامت ہی کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے مگر یہاں پر انسانی غفلت کو دور کرنے کے لئے مختلف چیزوں کے انقلاب کو سامنے رکھ کر بات سمجھائی گئی ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں سے حسب ذیل مشکل الفاظ کا انتخاب کر کے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے معانی بیان کئے ہیں جو صحیح اسناد کے ساتھ سلف سے ثابت ہیں۔

(فجرت) فتح بعضها فى بعض وقيل فاضت: جاری کر دیئے جائیں یعنی دریاؤں کو ایک دوسرے پر کھول دیا جائے گا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے کشادہ کر دیئے جائیں گے۔ **(بعثرت) بحثت:** قبریں اکھاڑ دی جائیں گی اور ان میں سے لوگوں کو اٹھایا جائے گا۔ **(فعدلك) جعلك معتدل الخلق:** تمہیں معتدل صورت میں بنایا، یعنی انسان کے اعضاء و جوارح کو صحیح صحیح اور برابر سرابر بنایا۔ سورۃ التین میں ارشاد خداوندی ہے۔ **لقد خلقنا الانسان فى احسن تقويم ○** ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا۔ **فعدلك** کا بھی قریب قریب یہی معنی ہے۔

---

(۸۳) (سورة المطففين)

(ص ۱۱۶)

اس سورۃ مبارکہ میں تاجر حضرات کی ذہنیت کو مدنظر رکھ کر قیامت کا مسئلہ سمجھایا گیا ہے۔ تاجر لوگ خوب مال کماتے ہیں اور پھر آرام سے آرام دہ نشستوں پر بیٹھ کر خوب کھاتے پیتے اور شراب نوشی کرتے ہیں مگر آخرت کی طرف سے غافل رہتے ہیں۔ اللہ نے نتیجہ کے طور پر فرمایا ہے کہ کامیاب ہونے والے لوگ جنت میں جائیں گے اور وہاں انہیں عیش و راحت اور ہر قسم کی نعمتیں حاصل ہوں گی اور معاد سے غافل لوگ جہنم رسید ہوں گے اور طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اللہ نے لوگوں کو یاد دلایا ہے کہ ان کے ہر ہر عمل کا ریکارڈ رکھا جا رہا ہے اور انہیں ہر نیک و بد عمل کی جزا یا سزا مل کر

رہے گی۔

(المطفف) الذی لا یوفی الکیل او المیزان: مطفف سے مراد ایسا تاجر ہے جو ناپ تول پورا نہیں کرتا۔ جب دوسرے سے چیز لینی ہوتی ہے تو پورا پورا لیتا ہے اور جب دوسرے کو دینی ہوتی ہے تو ناپ میں کمی کرتا ہے یا ترازو میں ہیرا پھیری کر کے وزن میں کم مال مہیا کرتا ہے جبکہ بظاہر گاہک کو پورا دیتا ہے مگر حقیقت میں ڈنڈی مار جاتا ہے۔ **(یوم یقوم الناس)** جس دن لوگ کھڑے ہوں گے۔ **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یقوم احدھم فی الرشح الی انصاف اذنیہ:** حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ قیامت والے دن لوگ نصف کانوں تک پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے بعض ٹخنوں تک، بعض گھٹنوں تک، بعض کمر تک اور بعض منہ تک پسینے میں ڈوبے ہوں گے، یہ ایسا سخت دن ہوگا۔

(بل ران) ثبتت الخطایا: بلکہ زنگ آلود ہو گئے ہیں ان کے دل کیونکہ ان پر گناہ ثابت ہو چکے ہیں۔ **(علیین) الجنۃ:** یعنی جنت۔ **(الارائك) السرر:** تخت، پلنگ یا صوفہ سیٹ جس پر لوگ بیٹھتے ہیں۔ **(رحیق) خمر:** شراب۔ **(ختامہ) طینہ:** مہر شدہ کسی چیز کو بند کر کے اس پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ **(من تسنیم) یعلو شراب اھل الجنۃ:** چشمہ جس کا پانی اہلِ جنت کے مشروب میں ملایا جائے گا تا کہ ان کے مشروب کا لطف دوبالا ہو جائے۔ جس طرح یہاں پر کسی مشروب میں کیوڑا، خوشبو یا تخم ملنگاں ملا کر مشروب کے لطف میں اضافہ کر دیا جاتا ہے اسی طرح جنتیوں کے مشروب میں تسنیم چشمہ کا پانی ملا کر مزید لطف اندوز بنایا جائے گا۔ **(ثوب) جوزی:** بدلہ دیا جائے گا، ان کے اعمال کی جزا یا سزا دی جائے گی۔

---

(۸۴) (سورۃ انشقت)

(ص ۱۱۶)

اس سورۃ مبارکہ میں قیامت اور جزائے عمل کا مسئلہ انسان کی فطری ترقی کے مطابق سمجھایا گیا ہے۔ اگر انسان اپنی فطری صلاحیتوں کے مطابق ترقی کی منازل طے کرتا چلا جائے تو وہ سیدھا اپنی

منزل مقصود جنت میں پہنچ جائے گا۔ اور اگر اس نے اپنی فطری صلاحیتوں سے فائدہ نہ اٹھایا اور غلط راستے پر چل نکلا تو اس کی ترقی کے راستے میں رکاوٹ کھڑی ہو جائے گی، وہ راستے ہی میں پھنس جائے گا اور اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکے گا۔ **(اذنت) سمعت و اطاعت**: سنے گا اور اطاعت کرے گا۔ **(والقت) اخرجت مافیها من الموتی**: قیامت والے دن زمین اپنے اندر موجود جو کچھ بھی ہے نکال دے گی، یعنی مردے، خزانے اور معدنیات وغیرہ۔

(وتخلت) عنها: اور تمام مدفون چیزوں سے خالی ہو جائے گی۔ **(حسابًا یسیرًا)** آسان حساب۔ **قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ذلك العرض يعني بغير مناقشة**: حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ آسان حساب سے مراد یہ ہے کہ انسان سے صرف عرض کیا جائے گا کہ اے بندے! تو نے فلاں فلاں کام کیا، وہ اقرار کرے گا اور بچ جائے گا یعنی اس سے مناقشہ نہیں ہوگا۔ اور جس سے مناقشہ ہو گیا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا، تو وہ پھنس جائے گا۔ **(لن یحور) لن یرجع ویبعث**: گمان کرتا تھا کہ لوٹ کر نہیں جائے گا اور نہ دوبارہ اٹھایا جائے گا اور اس کا محاسبہ ہوگا۔ **(وما وسق) جمع من دابة**: جو کچھ رات اپنے اندر سمیٹتی ہے، جانور اور ہر قسم کی چیزیں۔

(والقمر اذا اتسق) اور چاند جب پورا ہو جائے پہلے ہلال کی صورت میں نظر آتا ہے۔ پھر بڑھتے بڑھتے چودہ تاریخ کو بدر یعنی پورا چاند ہو جاتا ہے۔ **(لترکبن طبقًا عن طبق) حالاً بعد حال**: تم ایک سیڑھی سے دوسری سیڑھی پر چڑھو گے، گویا ایک حالت سے دوسری حالت میں پہنچو گے۔ پہلے باپ کی پشت میں تھے، پھر ماں کے پیٹ میں منتقل ہوئے، پھر دنیا میں آئے، جوان ہوئے بوڑھے ہو کر موت سے ہمکنار ہوئے۔ پھر قبر کی برزخی زندگی سے واسطہ پڑا اس کے بعد قیامت کو دوبارہ اٹھائے جاؤ گے اور اس طریقے سے ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتے رہو گے۔ اور بالآخر اپنی آخری منزل جنت یا دوزخ میں پہنچ جاؤ گے۔ **(اجر غیر ممنون) غیر منقوص**: غیر منقطع یعنی دائمی اجر و ثواب۔

(۸۵) (سورة البروج)

(ص۱۱۶ تا ص۱۱۷)

اس سورۃ مبارکہ میں اہلِ ایمان پر ظلم کرنے والوں کا انجام بیان کیا گیا ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ ہر شخص کو اسکے نیک یا برے اعمال کا بدلہ مل کر رہے گا۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی گرفت بڑی سخت ہے۔ اس سورۃ میں کھڈے کھدوا کر ایمان والوں کو آگ میں پھینکنے والے ظالم بادشاہ کا ذکر کیا گیا ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ ایسے لوگ ہماری سزا سے بچ نہیں سکیں گے۔

(اصحاب الاخدود) الاخدود الشق فی الارض: اخدود سے مراد زمین میں کھدائے گئے وہ گڑھے ہیں جو کہ ایک ظالم بادشاہ نے کھدوا کر ان میں آگ جلائی اور اہلِ ایمان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے کے جرم میں ان گڑھوں میں ڈال کر ہلاک کر دیا گیا۔ اس واقعہ میں بعض کرامات کا ذکر بھی آتا ہے۔ اسلم غلام کانوا امروہ بتعلم السحر علی یدراھب فعلموا بذلك فاخذوه وظهرت علی یده الکرامة فآمن الناس فقتلوه وخدوا خدودًا من لم یرجع من دینه القوه فیها: یہ واقعہ حضور علیہ السلام کی بعثت سے تقریباً ستر سال پہلے پیش آیا تھا۔

بادشاہِ یمن نے ایک ہونہار بچہ منتخب کر کے اسے بڑے ساحر کے پاس جادو سیکھنے کے لئے مامور کیا۔ جس راستے پر وہ بچہ ساحر کے پاس جاتا تھا، وہاں راستے میں ایک راہب کا عبادت خانہ تھا جو اس وقت عیسیٰ علیہ السلام کے صحیح دین پر تھا۔ لڑکا اس راہب کے پاس آنے جانے لگا حتی کہ اس سے متاثر ہو کر اس نے جادو سیکھنے کی بجائے عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ اسی دوران میں لڑکا صاحب کرامت بن چکا تھا۔ کسی شارع پر کسی موذی جانور نے لوگوں کا راستہ روک رکھا تھا اور لوگ سخت پریشان تھے۔ جب اس لڑکے کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے ایک بڑا پتھر ہاتھ میں اٹھا کر دعا کی کہ اے اللہ! اگر راہب کا دین سچا ہے تو اس پتھر سے اس موذی جانور کو ہلاک کر دے۔ چنانچہ وہ جانور ہلاک ہو گیا اور لوگوں کا راستہ کھل گیا۔ اسی طرح ایک نابینا لڑکے نے راہب کے اس شاگرد سے بینائی ملنے کے لئے دعا کی درخواست کی۔ اللہ کی قدرت کہ وہ لڑکا پھر بینا ہو گیا اور اس طریقے سے وہ لڑکا بطور صاحبِ کرامت

مشہور ہو گیا۔

جب بادشاہ کو علم ہوا تو اس نے صاحب کرامت لڑکے کو اپنے پرانے شرکیہ دین میں واپس آنے کے لئے کہا مگر لڑکے کے انکار پر اسے قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ بادشاہ کے کارندوں نے ہر چند اس لڑکے کو پہاڑ سے گرا کر اور پھر دریا میں غرق کرنے کی کوشش کی مگر ہر مرتبہ خود کارندے ہی ہلاک ہوئے اور لڑکا بچ گیا۔ بچے کی کرامات دیکھ کر لوگ دھڑا دھڑ ایمان لانے لگے جس سے بادشاہ کو مزید تشویش لاحق ہوئی اور اس نے ہر صورت میں بچے کو مروانے کی کوشش کی۔ جب اس لڑکے کو قتل کرنے کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو خود لڑکے نے بادشاہ کو ترکیب بتلائی کہ اگر تم مجھے ضرور ہی قتل کرنا چاہتے ہو تو مجھے کسی اونچی جگہ پر کھڑا کرو اور یہ کہہ کر تیر چلاؤ بسم اللہ رب الغلام یعنی اس بچے کے رب کے نام پر تیر چلاتا ہوں۔ چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اس طرح وہ ایماندار لڑکا ہلاک ہو گیا۔ یہ نظارہ ہزاروں لوگ دیکھ رہے تھے جو سب کے سب ایمان لے آئے۔ اور اس طریقے سے بادشاہ کی آتشِ انتقام مزید بھڑک اٹھی۔ اس نے بڑے بڑے گڑھے کھدوائے، ان میں آگ جلائی اور تمام ایمان لانے والوں کو اس آگ میں پھینکوا کر ہلاک کر دیا جن لوگوں نے بادشاہ کے حکم پر کھڈے کھوائے اور بیگناہ لوگوں کو شہید کیا ان کو اصحاب الاخدود کا نام دیا گیا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور ظالموں کے فتنہ کا ذکر کر کے قیامت کا مسئلہ سمجھایا ہے کہ قیامت اور محاسبہ اعمال برحق ہے۔ اور ایسے ظالموں کو ہرگز یہ زعم نہیں ہونا چاہیے کہ ان کے فتنوں کی کوئی باز پرس نہیں ہوگی، انکا یقیناً محاسبہ ہوگا اور انہیں اپنے کردہ اعمال کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ (فتنوا) عذبوا: فتنے میں ڈالا یعنی ان کو آگ میں ڈال کر سزا دی۔ (الودود) الحبیب: الودود اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے جس کا معنی محبت کرنے والا ہے۔

(۸۶) (سورة الطارق)

(ص ۱۱۷)

اس سورۃ مبارکہ میں انسان کی روح اور جسم کے حوالے سے وقوعِ قیامت اور جزائے عمل کا مسئلہ سمجھایا گیا ہے۔

(الترائب) هو موضع القلادة من المرأة: ترائب سے مراد سینے کی ہڈیاں ہیں جہاں پر عورتیں ہار وغیرہ پہنتی ہیں۔ **(ذات الرجع) السحاب يرجع بالمطر:** گردش کرنے والا آسمان یعنی بارش برسانے والے بادل۔ **(والارض ذات الصدع) تتصدع بالنبات:** زمین پھٹ کر اس سے پودے نکلتے ہیں۔ **(لقول فصل) حق:** حق بات۔ **(وما هو بالهزل) بالباطل:** اور یہ غلط بات نہیں ہے۔

---

(۸۷) (سورة الاعلىٰ)

(ص ۱۱۷)

انسان پر اللہ تعالیٰ کے دو قسم کے انعامات ہیں، ایک مادی اور دوسرے روحانی۔ مادی انعامات از قسم نشوونما، روزی، خوراک، مکان، سواری وغیرہ اللہ تعالیٰ کے اسم پاک عظیم کا مظہر ہیں، اس لئے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ رکوع کے دوران **سبحان ربی العظیم** کہو، کیونکہ ساری مادی نعمتیں اسم عظیم کی برکت سے حاصل ہوتی ہیں۔ اسی طرح تمام روحانی نعمتیں اللہ تعالیٰ کے اسم اعلیٰ کی تجلی سے حاصل ہوتی ہیں۔ اسی لئے ہم سجدہ کی حالت میں **سبحان ربی الاعلی** کی تسبیح پڑھتے ہیں۔ اس سورۃ کے حسب ذیل مشکل الفاظ اور ان کے معانی پیش ہیں۔

(غثاءً) هشيمًا: خشک گھاس یا تنکے وغیرہ۔ **(احوى) متغيرًا:** سیاہ، تغیر پذیر۔ **(من تزكى) عن الشرك:** جس نے تذکیہ حاصل کر لیا یعنی شرک سے بچ گیا۔ **(وذكر اسم ربه) وحد الله:** جس نے اپنے رب کا نام لیا، یعنی اس کو وحدہٗ لاشریک تسلیم کیا۔ **(فصلى) الصلوات**

الخمس: پنجگانہ نمازیں پڑھیں۔

(۸۸) (سورة الغاشية)

(ص ۱۱۷)

الغاشيه الطامة الكبرى، الساخة، الحاقة، القارعة وغیرہ سب قیامت ہی کے نام ہیں۔ جس کا ذکر انسانی اذہان کے اعتبار سے مختلف عنوانات کے تحت کیا گیا ہے۔ اس سورۃ میں قیامت ہی کے عنوان سے بہت سی چیزیں بیان ہوئی ہیں۔

الغاشية، والطامة، والصاخة، والحاقة والقارعة من اسماء يوم القيامة: یہ سب قیامت کے دن ہی کے مختلف نام ہیں۔ (عاملة ناصبة) هم النصارى: اس دن کئی چہرے کام کرنے والے ہوں گے۔ ان سے مراد نصاریٰ ہیں جو بڑی عبادتیں اور ریاضتیں کرتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، راہب بنتے ہیں اور پرہیز کرتے ہیں مگر وہ قیامت والے دن تھکے ماندے ہوں گے، ان کی عبادات کسی کام نہیں آئیں گی کیونکہ دنیا میں ان کا ایمان صحیح نہیں تھا۔ (عين آنية) بلغت اناها وحان شربها: ابلتے ہوئے گرم پانی کا چشمہ۔ (ضريع) نبت يقال له: الشبرق وقيل: شجر من نار: کانٹے دار جھاڑ جس کو عربی میں شبرق کہتے ہیں جو دوزخیوں کو کھانے کے لئے دیا جائے گا۔ (لا تسمع فيها لاغية) شتمًا: اہلِ جنت جنت میں کوئی لغوبات، گالی گلوچ نہیں سنیں گے۔ (ونمارق) مرافق: آرام کرنے کے لئے تکئے وغیرہ۔ (بمصيطر) بجبار ومسلط: داروغہ، جابر، مسلط یعنی زبردستی منوانے والا۔

(۸۹)(سورة الفجر)

(ص ۱۱۷)

سورۃ الفجر کو مضامین کے لحاظ سے تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ آخری حصے میں محاسبہ اعمال اور مختلف مراتب کا ذکر ہے درمیانی حصے میں انسانوں کو ایسا پروگرام سمجھایا گیا ہے جس پر دنیا کی زندگی میں عمل کیا جا سکے۔ اور کامیابی کے اصول بھی بتلا دیئے ہیں اور سورۃ کے ابتدائی حصے میں اللہ تعالیٰ نے چند چیزوں کی قسمیں کھا کر اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ وہ کس طرح انسانوں کی نگرانی کرتا ہے اور پھر مجرموں کو سزا بھی دیتا ہے۔

سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم: عن "الشفع والوتر": حضور نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ شفع اور وتر کیا ہے؟ قال: هي الصلوٰة بعضها وتر، وقيل: الوتر الله: آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس سے مراد نمازیں ہیں جن میں بعض وتر ہوتی ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وتر تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور باقی سب مخلوق شفع ہے۔ (ارم ذات العماد) ذات البناء الرفيع: بڑے بڑے ستونوں والے قوم عاد کے لوگ جو بڑی بڑی اونچی عمارات تعمیر کرتے تھے۔

(جابوا الصخر) نقبوا الحجارة في الجبال فاتخذوها بيوتاً: اور قومِ ثمود کے لوگ جنہوں نے پہاڑیوں میں پتھروں کو تراش تراش کر عمارتیں بنائیں۔ ان کی نقش و نگار والی خوبصورت عمارات کے کھنڈرات آج بھی تبوک اور وادی قریٰ میں موجود ہیں۔ جنوبی ہندوستان میں بھی اجنتا اور الورا کی تہذیبوں کے نمونے سیاح لوگ بڑے شوق سے دیکھنے کے لئے جاتے ہیں۔ جب ان لوگوں نے اللہ کی نافرمانی کی تو اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا۔ (سوط عذاب) اللہ نے ان پر عذاب کا کوڑا برسا دیا۔ كلمة تفسرها العرب بكل نوع من العذاب: عرب لوگ سوط عذاب کو ہر قسم کی سزا پر محمول کرتے ہیں۔ (لبالمرصاد) يسمع ويرى، وقيل: اليه المصير: گھات میں، جیسا کہ کوئی شکاری شکار کے گھات میں رہتا ہے اور جونہی شکار غافل ہوتا، شکاری اس کو پکڑ لیتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی لوگوں کی گھات میں رہتا ہے یعنی ان کی نگرانی کرتا ہے، گویا ان کی ہر بات کو

سنتا اور ہر عمل کو دیکھتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

(ولا تحاضون علی طعام المسکین) تامرون باطعامه: تم کسی مسکین کو کھانا کھلانے کے لئے برانگیختہ نہیں کرتے، ترغیب نہیں دیتے یا حکم نہیں کرتے بلکہ صرف اپنا ہی پیٹ پالتے رہتے ہو۔ (اکلا لما) جامعًا: سارے کا سارا مال سمیٹ سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔ (حبًا جمًا) شدیدًا کثیرًا: پوری دلجمعی کے ساتھ محبت کرنا۔ سخت اور کثرت کے ساتھ محبت کرنا۔ (وانی له) کیف له: وہ کیسے نصیحت حاصل کرے گا۔ جب قیامت برپا ہو جائے گی تو اس وقت نصیحت کچھ مفید نہ ہوگی۔ (المطمئنة) المؤمنة: اے اللہ کی ذات پر اطمینان رکھنے والے نفس یعنی اللہ کی ذات پر ایمان لانے والے نفس۔

---

(۹۰) (سورۃ البلد)

(ص ۱۱۸)

اس سورۃ کا مرکزی مضمون انسان کا مکلّف ہونا ہے۔ اور جب انسان مکلّف ٹھہرا تو پھر اس کا محاسبہ بھی ضروری ہو گیا اور وہ جزا یا سزا کا مستحق بھی ہوگا جو کہ اس کے اعمال پر منحصر ہوگا۔

(فی کبد) فی اعتدال و استقامة: اعتدال اور استقامت میں۔ انسان پیدائشی طور پر اول سے آخر تک مشقت میں ہی مبتلا رہتا ہے۔ آدم اور آپ کی اولاد سب مشقت میں مبتلا ہیں۔ اللہ کے مقرب انبیاء بھی اس دنیا میں آ کر مشقت اٹھاتے رہے۔ حضرت آدم، ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام اور خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر مشقت برداشت کی۔ اسی لئے اس سورۃ میں اللہ نے فرمایا ہے لقد خلقنا الانسن فی کبد یعنی ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔ گویا انسان کی فطرت ہی مشقت میں ہوئی ہے جس کا نتیجہ آگے چل کر نکلے گا۔

(مالًا لبدًا) کثیرًا: اللہ تعالیٰ جب انسان کو بہت سا مال دیتا ہے تو پھر وہ بالعموم اس کو لہو ولعب اور رسم ورواج جیسے غلط کاموں میں صرف کرتا ہے مگر اس کو کبھی آرام وسکون حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا فلا اقتحم العقبة یعنی انسان اونچی گھاٹی پر کیوں نہیں چڑھتا۔ وہ اونچی گھاٹی

کیا ہے؟ اس کا پہلا جزو ہے **فك رقبة** یعنی غلام کو آزاد کرنا۔ کوئی آدمی غلامی کی زنجیروں میں پھنسا ہوا ہے تو اس کو فطری حالت میں آزادی کی طرف لے آؤ۔ کوئی مقروض ہے تو اس کو قرضہ سے نجات دلا دو، جاہل آدمی کی جہالت کو دور کر کے مہذب بنا دینا، یہ سب غلام کی آزادی کی مختلف صورتیں ہیں۔

اونچی گھاٹی کا دوسرا جزو مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے جب کوئی شخص اونچی جگہ مثلاً شاہی مسجد کے مینار پر کھڑا ہو کر دیکھے گا اسے اردگرد کی ہر چیز واضح دکھائی دے گی اسی طرح اگر آدمی خود غرض اور نفس کے بخل سے بلند ہو کر دیکھے گا تو اسے مساکین کی حالت نظر آئے گی اور وہ ان کو کھانا کھلانے یا دیگر ضروریات کی تکمیل کے لئے آمادہ ہوگا۔ گویا وہ اپنا مال صحیح مقامات پر خرچ کرے گا اور ناجائز امور میں خرچ نہیں کرے گا۔ **(النجدين) الخير والشر**: دوگھاٹیاں یعنی نیکی اور بدی کی گھاٹی۔ **وقيل: الضلالة والهدى** بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد گمراہی اور ہدایت ہے۔ **(فلا اقتحم العقبة) فلم يقتحم العقبة في الدنيا ثم فسرها بقوله:"وما ادراك ...... الآية"** اونچی گھاٹی پر کیوں نہیں چڑھتا یعنی دنیا میں اونچی گھاٹی، اس کی تفصیل آگے آرہی ہے، آپ کو "کس نے بتلایا کہ اونچی گھاٹی کیا ہے"؟۔

(ذا مسغبة) مجاعة: بھوکوں کو کھانا کھلاؤ۔ **(ذا متربة) هو الساقط في التراب**: گرے پڑے لوگ یعنی مٹی میں ملے ہوئے۔ **وقيل ذا حاجة وجهد**: بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد حاجتمند لوگ ہیں۔ **(مؤصدة) مطبقة**: بند کی ہوئی جس سے کوئی راہِ فرار نہ ہو۔

---

(۹۱) (سورة الشمس)

(۱۱۸)

اس سورۃ میں قیامت کا ہی مسئلہ بیان کیا گیا ہے اور نافرمانوں کی سزا کا ذکر ہے۔

(وضحٰها) ضوئها: اس کی روشنی۔ **(طحاها) قسمها**: زمین کو بچھایا ہے۔ **(فالهمها فجورها وتقواها) بين لها الخير والشر**: اس کو نیکی اور بدی کا الہام کیا ہے یعنی خیر وشر کی وضاحت کر دی ہے۔ **(بطغواها) بمعاصيها**: اس کی سرکشی یعنی گناہوں کی وجہ سے۔ **(اذا نبعث**

اشقاها) رجل جبار اسمه قدار و كان منيعًا في رهطه: جب قومِ ثمود کا ایک بد بخت آدمی اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ ایک جبار شخص تھا جس کا نام قدار ابن ثعلب تھا۔ وہ اپنے قبیلے کا بڑا محفوظ آدمی تھا جس کے گرد اس کا جتھہ تھا۔ اس نے اونٹنی کے پاؤں کاٹ دیئے اللہ نے اس کو ہلاک کر دیا۔ اللہ ایسے ہی لوگوں کو ہلاک کرتا ہے۔ **(و لا يخاف عقباها) لايخاف تبعتها:** اللہ کو کچھ پرواہ نہیں کہ اس شخص کا انجام کیا ہوتا ہے۔

---

(۹۲) (سورة الليل)

(ص ۱۱۸)

اس سورة مبارکہ میں بھی قیامت ہی کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ اور انسان کے اعمال کے مختلف ہونے کا ذکر کیا۔ اگر انسان کے خیالات مختلف ہوں گے تو اس کے اعمال بھی اسی طریقے سے مختلف ہوں گے جن میں نیکی اور برائی دونوں قسم کے خیالات اور اعمال شامل ہوں گے اور پھر آگے چل کر ان کا نتیجہ بھی اعمال کے اچھے یا برے ہونے کے مطابق ہی برآمد ہوگا۔ اس سورۃ کے حسب ذیل مشکل الفاظ اور ان کے مستند معانی بیان کئے گئے ہیں۔

(اذا تردیٰ) اذا مات وتردى في النار: جب وہ مرجائے گا تو جہنم کے گڑھے میں ہی گرے گا۔ **(بالحسنى) بالحلف:** اچھی بات کے ساتھ یعنی حلف کے ساتھ۔ **(تلظى) توهج:** شعلہ مارنا، بھڑکنا۔

---

(۹۳) (سورة الضحٰی)

(ص ۱۱۸)

اس سورۃ مبارکہ کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان ہمیشہ علم کی روشنی میں ترقی کرسکتا ہے۔ اسی لئے فرمایا **والضحی** قسم ہے چاشت کے وقت کی جب خوب روشنی ہوتی ہے اور آدمی ہر قسم کی چیزیں دیکھ سکتا ہے۔ اسی طرح جب انسان میں علم کی روشنی آتی ہے تو اچھائی اور برائی کو سمجھ سکتا ہے اور پھر ترقی کی منازل طے کرسکتا ہے۔ **(سجی) اظلم وسکن:** جب رات چھا جائے یعنی اندھیرا اور سکون ہوجائے۔ **وقیل: ذھب** اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی چلے جانا ہے۔

(ما ودعك ربك وما قلی) ما ترکك وما ابغضك: آپ کو آپ کے پروردگار نے نہ تو چھوڑا ہے اور نہ دشمنی کی ہے۔ **ولما ابطأ جبریل قال المشرکون: قد ودع محمد، فانزل اللہ: "ما ودعك ربك" ...... الآیة:** جب نزول وحی میں دیر ہوگئی تو مشرکوں نے کہنا شروع کردیا کہ محمد ﷺ کو اس کے رب نے چھوڑ دیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوگیا ہے۔ اس موقع پر یہ سورۃ نازل فرمائی کہ "آپ کے پروردگار نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ ہی آپ سے عداوت کی ہے"۔ یہ مشرک باطل خیالات میں پھنسے ہوئے ہیں۔ **(عائلاً) ذاعیال:** مفلس یا کثیر الاولاد آدمی۔ ایسا آدمی بھی بالعموم محتاج ہی ہوتا ہے۔

---

(۹۴) (سورة الم نشرح)

(ص ۱۱۸)

اس سورۃ میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ پر کیے گئے بعض انعامات اور احسانات کا ذکر کیا ہے اور آخر میں بعض احکام نازل فرمائے ہیں۔ اس سورۃ کے حسب ذیل مشکل الفاظ اور ان کے مستند معانی بیان کیے گئے ہیں۔ **(انقض) اثقل:** توڑ دیا تھا یعنی آپ کی پشت کو بوجھل کردیا تھا۔ **(فانصب) فی الدعا:** آپ اپنے پروردگار کی عبادت وریاضت میں محنت اٹھائیں یعنی اللہ کے حضور

دعا کرنے میں خوب دل لگائیں۔

(۹۵) (سورة التين)

(ص ۱۱۸)

اس سورۃ مبارکہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے انسان سے دو بنیادی چیزوں کا مطالبہ کیا ہے۔
پہلی بات یہ ہے کہ انسان کو اپنی فطرت کو درست رکھنا ہوگا اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ انسان کا ایمان باللہ صحیح ہوگا۔ ایمان کے باقی اجزاء یعنی کتب سماویہ، ملائکہ، تمام انبیاء اور تقدیر پر ایمان، ایمان باللہ کے تحت ہی آجاتے ہیں۔ یا انسان کے لئے اہم ترین چیز اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے۔
دوسری چیز جس کا اللہ تعالیٰ نے انسان سے مطالبہ کیا ہے وہ قیامت کا محاسبہ اعمال پر ایمان ہے۔ اگر انسا کا ان چیزوں پر ایمان درست ہوگا تو اس کا نتیجہ اس کے حق میں بہتر نکلے گا، ورنہ ہلاکت وبربادی اس کا مقدر ہوگی۔ (في احسن تقويم) في احسن خلقٍ: ارشادِ خداوندی ہے کہ ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے یعنی انسان کو بہترین شکل وصورت اور اعضاء وجوارح کی بہترین جوڑ بندی کے ساتھ پیدا کیا ہے، جس میں کوئی کجی نہیں ہے۔ اگر انسان اللہ کے بتلائے ہوئے پروگرام کے مطابق زندگی بسر کرے گا تو وہ ابدی زندگی کے لئے کامیاب ہو جائے گا۔ ورنہ جو شخص اس پروگرام کو نظر انداز کرے گا وہ ذلیل ترین انسان شمار ہوگا اور ایسے لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا هم شر البرية کہ یہ لوگ بدترین مخلوق ہیں۔

(٩٦) سورة القلم (العلق)

(ص١١٩)

یہ ابتدائی سورۃ ہے جس کی پہلی پانچ آیات ابتدائے وحی میں غارِ حرا میں نازل ہوئیں۔ سورۃ کے اگلے حصے میں انسان کی دو اقسام کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک فطرتِ سلیمہ پر چلنے والا صاحبِ ایمان آدمی، اور دوسرا اللہ کا سرکش اور طاغی آدمی، اور پھر ان کے ساتھ معاملہ کرنے کے لئے ہدایات دی گئی ہیں۔

(الرجعی) المرجع: لوٹ کر جانا: (لنسفعًا) لناخذن: ہم اس کو پکڑ لیں گے۔ (نادیة) عشیرته: اپنی مجلس یا خاندان والے۔ قال ابو جهل: لئن رایت محمدًا یصلی لأطأن علی عنقه: ابو جہل نے کہا کہ اگر میں نے محمد (ﷺ) کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو اس کی گردن پامال کروں گا۔ فقال النبی صلی الله علیه وسلم: لو فعل لاخذته الملائکة عیانًا: حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس نے ایسا کیا تو فرشتے اس کو فوراً پکڑ لیں گے۔ وفی روایة: قال ابو جهل: انك لتعلم مابها من ناد اکثر منی، ایک روایت میں ہے کہ ابو جہل نے کہا کہ تم جانتے ہو کہ مکہ کی مجالس میں میرے آدمیوں کی اکثریت ہوتی ہے۔ فانزل الله: "فليدع ناديه ○ سندع الزبانيه ○" اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "پھر بلائے وہ اپنی مجلس والوں کو، ہم اس کے مقابلے میں پیدل سیاست کرنے والوں یعنی الملائکۃ فرشتوں کو بلا لیں گے۔

اس سورۃ میں قلم کے ذریعے تعلیم کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ تمام انسانوں کی نوشت وخواند قلم ہی کے ذریعے ممکن ہوتی ہے۔ ابتدائی درجہ سے لے کر اعلیٰ درجہ کی تعلیم قلم پر ہی موقوف ہے تعلیم ہی کے ذریعے انسان میں صحیح فہم، اور شعور پیدا ہوتا ہے۔

(۹۷) (سورۃ القدر)۔

(یہ کتاب کے متن سے زائد ہے صرف ترتیب سور کے لحاظ سے لکھ دی گئی ہے۔
کتاب میں نہیں ہے)..........(فیاض)۔

(ص۱۱۹)

سورۃ القدر میں تعلیم کے اعلیٰ ترین ذریعہ کی نشاندہی کی گئی ہے۔ انا انزلنٰه فی لیلة القدر
○ یعنی تعلیم کا بہترین ذریعہ قرآن پاک ہے جس کو ہم نے لیلۃ القدر میں نازل کیا۔ پھر اسی سورۃ میں لیلۃ القدر کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ خیـر من الف شهـر یعنی یہ ایک رات ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس رات میں فرشتے اور روح اپنے رب کے حکم سے ہر معاملہ میں اترتے ہیں۔ روح سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں جو فرشتوں کی جماعت کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں اور زمین پر پھیل جاتے ہیں اور جو آدمی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف پاتے ہیں، ان کے لئے خیر و برکت کی دعائیں مانگتے ہیں، اور یہ سلسلہ ساری رات طلوع فجر تک جاری رہتا ہے۔

---

(۹۸) (سورۃ لم یکن)

(ص۱۱۹)

یہ بڑی جامع مانع اور مختصر سورۃ ہے۔ اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو سیکھنے کی بہت تاکید فرمائی ہے اللہ نے وحی کے ذریعے حضور علیہ السلام کو حکم دیا کہ یہ سورۃ امت کے بڑے قاری حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کو ضرور پڑھا دیں۔ اس سورۃ مبارکہ کا موضوع یہ ہے کہ جب تک تعلیم انسانی شکل میں متشکل ہو کر نہیں آئے گی دنیا میں انقلاب نہیں آسکتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کے ذریعے تعلیم نازل کر کے پیغمبر اسلام کو اس تعلیم کا عملی نمونہ بنا دیا ہے۔

اس سورۃ کا دوسرا نام البینہ ہے یعنی واضح دلیل۔ اور اس سورۃ میں واضح دلیل سے مراد اللہ کا رسول ہے۔ تمام کتب سابقہ کا خلاصہ اس کے ذہن میں موجود ہے جس کا جامع یہی قرآن پاک ہے،

اورقرآن کا عملی نمونہ پیغمبر کی ذات مبارکہ ہے مطلب یہ ہے کہ جب تک تعلیم انسانی شکل میں متشکل نہیں ہوگی ،انقلاب برپا نہیں ہوسکتا۔ (منفکین) زائلین : باز آنے والے،اپنے نظریہ سے ہٹ جانے والے۔یعنی مشرکین اپنی کافرانہ ہٹ دھرمی سے باز آنے والے نہیں تھے جب تک کہ ان کے پاس اللہ کے رسول کی صورت میں واضح دلیل نہ آجائے۔

(۹۹) (سورۃ زلزلت)

(ص ۱۱۹)

اس سورۃ میں بھی وقوع قیامت اور محاسبہ اعمال کا ذکر ہے جب قیامت برپا ہوگی جو زمین اپنے تمام مدفون خزانے نکال باہر کرے گی ،اور پھر محاسبہ اعمال شروع ہوجائے گا۔ (تحدث اخبارھا) اس دن زمین اپنی تمام خبریں ظاہر کردے گی، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اخبارھا ان تشھد علی کل عبد وامۃ بما عمل علی ظھرھا: حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ زمین کی خبریں ظاہر کرنے سے مراد یہ ہے کہ قیامت والے دن زمین اپنی پشت پر ہوئے ہر بندے اور امت کے اعمال کی گواہی دے گی۔یعنی ہر شخص نے اپنی زندگی میں جو بھی عمل کئے ہیں وہ سب محفوظ ہیں۔

فرشتوں کے پاس اور لوح محفوظ میں ہر عمل کا ریکارڈ موجود ہے۔زمین نے بھی تمام اعمال محفوظ کرر کھے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے محافظ قوتیں قائم کرر کھی ہیں۔ جہاں انسان کے تمام عمل محفوظ ہیں۔ پھر جب اللہ کا حکم ہوگا تو یہ محافظ قوتیں ان اعمال کو ظاہر کردیں گی جس طرح گراموفون ریکارڈ یا ٹیپ میں محفوظ کلام اشارہ کرنے پر فورا بولنے لگتا ہے،اسی طرح قیامت کے روز انسان کا عمل خود اپنے آپ پر گواہی دے گا۔اور ذرہ ذرہ کا عمل سامنے آجائے گا۔

(۱۰۰) (سورة العادیات)

(ص ۱۱۹)

عادیات کا معنی گھوڑے کی قسمیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پانچ قسم کے گھوڑوں کی قسم اٹھا کر فرمایا کہ انسان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکر گزار ہے اور اس کی اپنی حالت اس بات پر گواہ ہے کہ وہ ناشکر گزار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ناشکر گزاری کی بنیاد پر ہی قوع قیامت پر دلیل قائم کی ہے۔ اور پھر محاسبہ اعمال اور جزا و سزا کا مسئلہ بتلایا ہے۔

(فاثرن به نقعًا) رفعن به غبارًا: گرد و غبار کو ابھارنے والے گھوڑے۔ (لکنود) لکفور: ناشکر گزار، انعام الٰہی کا منکر۔ (لحب الخیر لشدید) انسان مال کی محبت میں بڑا سخت ہے یعنی اس کو مال کے ساتھ بہت زیادہ پیار ہے اور اسے ہر وقت اکٹھا کرنے کی فکر میں رہتا ہے بخیل: بعض نے اس کا معنی کنجوس کیا ہے کیونکہ ایسے ہی شخص کو مال کے ساتھ غیر معمولی محبت ہوتی ہے۔ (حصل) میز: کھول دیئے جائیں گے، ممیّز کر دیئے جائیں گے۔

---

(۱۰۱) (سورة القارعة)

(ص ۱۱۹)

قارعہ قیامت ہی کا ایک نام ہے جس کا لفظی معنی کھٹکھٹا دینے والی آتا ہے۔ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کی قہری تجلی نازل ہوگی جس کا اثر ہر چیز پر پڑے گا اور کوئی بھی اپنے ٹھکانے پر قائم نہیں رہے گی بلکہ ہر چیز ایک دوسری سے ٹکرا کر درہم برہم ہو جائے گی۔ اسی بنا پر قیامت کا یہ نام القارعہ تجویز کیا گیا ہے۔

(کالفراش المبثوث) کغوغاء الجراد یرکب بعضه بعضًا، کذالك الناس یجول بعضهم فی بعض: قیامت والے لوگ بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح ہو جائیں گے۔ جس طرح آگ جلانے پر کیڑے مکوڑے پروانے وغیرہ ادھر ادھر بھاگنے لگتے ہیں اسی طرح لوگوں میں

انتشار اور بدنظمی پیدا ہوجائے گی، وہ افراتفری کی حالت میں ادھر ادھر بھاگنے لگیں گے۔ جس طرح ٹڈیاں افراتفری میں ایک دوسری پر چڑھ جاتی ہیں، اسی طریقے سے انسان بھی ایک دوسرے کے ساتھ باہم گردش کریں گے۔

(کالعهن) کالوان العهن: پہاڑ رنگی ہوئی اون کی طرح ہوجائیں گے۔ عهن رنگی ہوئی اون کو کہتے ہیں جس میں مختلف رنگ ہوں۔ لوگوں کی حالت ایسی ہوجائے گی جیسے مختلف رنگ گڈمڈ ہو کر منظر پیش کرتے ہیں۔ وقرأ عبداللہ کالصوف: حضرت عبداللہ کی قرأت میں اس کا معنی اون آتا ہے۔ یعنی لوگ اون کی طرح بکھر جائیں گے۔

---

(۱۰۲) (سورة التكاثر)

(ص ۱۱۹)

گزشتہ سورۃ میں وقوعِ قیامت اور محاسبہ اعمال کا ذکر کرتے ہوئے واضح کیا گیا تھا جس شخص کے اچھے اعمال بھاری ہوں گے، وہ کامیاب ہوجائے گا وہ جنت کی ابدی نعمتوں سے پسندیدہ عیش میں ہوگا۔ اور جس شخص کے نیک اعمال وزن میں برے اعمال کی نسبت ہلکے ہوں گے، اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ اب اس سورۃ میں انسان کی ناکامی کی ایک وجہ اس کی مال و دولت کے ساتھ غیر ضروری محبت ہے، جو اسے ہلاکت میں ڈال سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسی صورتِ حال سے خبردار کیا ہے اور محاسبہ اعمال کی توجہ دلائی ہے۔

(الهكم التكاثر) اى من الاموال والاولاد: مال واولاد کی کثرت طلبی نے لوگوں کو ہلاک کردیا ہے۔ یعنی لوگ مال و دولت اور اولاد کی محبت کی وجہ سے ہر جائز ناجائز طریقے سے مال اکٹھا کرتے ہیں اور پھر اہل وعیال کی ناجائز خواہشات کی تکمیل کرتے ہیں۔ جو کہ ان کی ناکامی اور بربادی کا سبب بن جاتی ہے۔ اگر انسان کا عقیدہ درست ہے اور نیک اعمال بھی وزنی ہیں تو اسے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ بصورت دیگر انسان مال واولاد کی فکر میں ہی رہتا ہے حتی کہ اس کا وقت پورا ہوجاتا ہے اور قبر میں جا پہنچتا ہے۔

---

(۱۰۳) (سورۃ والعصر)

(ص ۱۱۹)

والعصر ○ ان الانسان لفی خسر ○ قسم ہے عصر کی، بے شک انسان البتہ خسارے میں ہے۔ مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے عصر کے کئی معانی بیان کئے ہیں۔ عام طور پر عصر کا معنی زمانہ کیا جاتا ہے۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کے مطابق عصر سے مراد نماز عصر کا وقت ہے جو کہ تاجر حضرات کا مشغولیت کا وقت ہوتا ہے اور وہ اپنے کاروبار میں نفع نقصان کا حساب لگانے میں مصروف ہوتے ہیں۔ عصر سے انسان کی عمر بھی مراد لی جاتی جو کہ ہر لمحہ گھٹ رہی ہے۔ بہر حال اس سورۃ مبارکہ میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ سارے انسان خسارے میں جارہے ہیں سوائے ان کے جن میں یہ باتیں پائی جائیں یعنی ایمان، اعمالِ صالحہ، ایک دوسرے کو حق کی وصیت اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین۔ ان چار اصولوں کی مثال گاڑی کے چار پہیوں کی ہے جس پر گاڑی کے کام کرنے کا انحصار ہوتا ہے۔ اسی طرح زندگی کی گاڑی کو چلانے کے لئے بھی مذکورہ چار اصولوں پر کار بند ہونا ضروری ہے، اس پروگرام کو نگاہ میں رکھ کر زندگی کی گاڑی کو چلاؤ تو کامیابی سے منزل مقصود تک پہنچ جاؤ گے اور آخر میں نتیجہ بھی صحیح نکلے گا۔ اس کے بغیر سارے انسان گھاٹے میں جارہے ہیں۔ (العصر) الدھر: زمانہ۔ (خسر) ضلال: گمراہی، نقصان، گھاٹا۔

---

(۱۰۴) (سورۃ الھمزۃ)

(ص ۱۲۰)

قرآن پاک کے آخر میں آنے والی چھوٹی چھوٹی سورتیں دراصل پہلے گزرنے والی بڑی بڑی سورتوں کا خلاصہ ہیں۔ جس طرح کوئی مصنف یا مقرر کتاب یا تقریر کے آخر میں اپنی تحریر و تقریر کا لب لباب بیان کرتا ہے۔ اسی طرح قرآن پاک کی آخری سورتیں یعنی سورۃ العلق سے لے کر آخر تک مختلف مضامینِ قرآن کا خلاصہ ہیں۔

اس سورۃ کا نام ھمزہ ہے، یعنی پسِ پشت عیب جوئی کرنا یا روبرو طعن کرنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے والے آدمی کے لئے ہلاکت و بربادی کی وعید سنائی ہے۔ ایسے شخص کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے کہ وہ مال جمع کر کے اسے گنتا رہتا ہے، مگر یہ مال اسے کبھی بھی محاسبہ اعمال سے نہیں بچا سکے گا بلکہ ایسے شخص کو روندنے والی جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ بہر حال اس سورۃ کا خلاصہ یہ ہے کہ کامیابی کا مدار صرف مال پر نہیں ہے بلکہ کامیابی کا مدار ایمان، اخلاق اور عقیدے کی درستگی پر ہے۔

(الحطمة) اسم النار: مثل سقر ولظى: حطمه دوزخ کی آگ کا نام ہے، جس طرح سقر اور لظی دوزخ کے مختلف نام ہیں اسی طرح حطمه بھی دوزخ ہی کے ایک طبقہ کا نام ہے۔

---

(۱۰۵) (سورۃ الفیل)

(ص ۱۲۰)

اس سورۃ مبارکہ میں ایک تاریخی واقعہ بیان کیا گیا ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت سے پچاس یا پچپن دن پہلے پیش آیا۔ یمن کا بادشاہ ابرہہ ہاتھیوں کے لشکر کے ساتھ بیت اللہ شریف کو گرانے کے ارادے سے مکہ معظمہ پر حملہ آور ہوا۔ جب یہ لشکر منیٰ سے آگے وادی محسر میں پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے چھوٹے چھوٹے پرندے بھیج کر ابرہہ کی فوج اور اس کے ہاتھیوں کی تباہی کا سامان مہیا کر دیا۔ ہر پرندے کی چونچ اور دونوں پاؤں میں ایک ایک سنگریزہ تھا جو انہوں نے حملہ آور لشکر پر پھینکے۔ یہ سنگریزہ جس فوجی یا ہاتھی پر پڑتا ایٹم بم کا کام کرتا اور مضروب یا تو فوراً مر جاتا یا زخمی ہو کر آہستہ آہستہ اپنے انجام کو پہنچ جاتا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے ابرہہ کی اتنی بڑی فوج کو چھوٹے چھوٹے پرندوں کے ذریعے ہلاک کر کے نشانِ عبرت اور ضرب المثل بنا دیا۔ اس سورۃ سے یہی سبق ملتا ہے کہ ایک مومن آدمی کسی بادشاہ کی ہم نوائی نہیں کر سکتا کیونکہ بادشاہت خلاف فطرت چیز ہے۔ ہر بادشاہ اپنی طاقت کے زور پر کمزور طبقات کو کچل دینا چاہتا ہے۔ اس سورۃ کے حسب ذیل مشکل الفاظ اور ان کا مستند ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

(الم تر) الم تعلم: کیا تم نے نہیں دیکھا یعنی کیا تمہیں معلوم نہیں؟ گویا تمہیں خوب علم

ہے اور تم اس واقعہ کو جانتے ہو۔ (طیراً ابابیل) متتابعة: جھنڈ در جھنڈ یا پے در پے آنے جانے والے پرندے۔ وقیل: ذاھبة وجائیة تنقل الحجارة بمناقیرھا و ارجلھا فتبلبل علیھم فوق رؤسھم: اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے پرندے جاتے اور آتے تھے جن کی چونچوں اور پنجوں میں سنگریزے تھے جو وہ اصحاب فیل کے سروں پر پھینکتے تھے۔ (من سجیل) معرب من سنك كلِ سجیل فارسی کے لفظ سنگِ گل کا معرب ہے جس کا معنی ایسے پتھر ہیں جن میں مٹی مل کر سخت ہو گئے ہوں۔ ہماری زبان میں اسے کھنگر بھی کہا جاتا ہے۔

---

(۱۰۶) (سورة قریش)

(ص ۱۲۰)

یہ سورۃ قریش سابقہ سورۃ الفیل کا تتمہ ہی ہے۔ ابرہہ ہاتھیوں کا لشکر لے کر مکہ پر حملہ آور ہوا تا کہ اللہ کے قدیم گھر بیت اللہ شریف کی بے حرمتی کر سکے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی تدبیر ناکام بنا دی اور وہ ہاتھیوں سمیت تباہ و برباد ہو گیا۔ بیت اللہ شریف کی اس غیر معمولی حفاظت کی وجہ سے دنیائے عرب میں خاندانِ قریش کی مزید عزت افزائی ہوئی اور لوگوں کے دلوں میں قریش کی عزت و احترام مزید بڑھ گئی۔ (لایلاف قریش) لنعمتی علی قریش: لوگوں کو قریش کے ساتھ مانوس کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل کو شکست دی یعنی اس طریقے سے اللہ تعالیٰ نے خاندانِ قریش پر اپنا انعام کیا کہ بیت اللہ شریف کے متولی اور پیرزادے ہونے کی بنا پر قریش کی عزت و احترام کیا جاتا تھا اور ان سے کوئی تعرض نہیں کرتا تھا۔

(ایلافھم) لزومھم: وقیل الفوا الرحلة فلا تشق علیھم فی الشتاء والصیف: لوگوں کے دلوں میں قریش کی محبت کی وجہ سے دورانِ سفر بھی ان سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کرتا تھا۔ قریش بالعموم سردیوں کے موسم میں یمن کی طرف اور موسم گرما میں شام اور فلسطین کی طرف تجارتی سفر کرتے تھے مگر اللہ نے لوگوں کے دلوں میں اس قدر قریش کے لئے الفت ڈال دی تھی کہ ان لئے تمام راستے پر امن تھے اور دوسرے ممالک والے ان سے تجارتی مال کا محصول بھی نہیں لیتے تھے، کیونکہ بیت اللہ

شریف کے متولی اور پیرزادے کے ناطے ان کی عزت کی جاتی تھی۔

(وآمنھم من خوف) من عدوھم: اس طریقے سے اللہ تعالیٰ نے خاندانِ قریش کو ہر قسم کے خوف سے نجات دے دی تھی۔ وہ ہر موسم میں جدھر چاہتے سفر کرتے اور انہیں راستے میں کسی چوری یا ڈاکے کا خطرہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح گویا اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے دشمنوں سے بھی آمان دے دی تھی۔ اسی احسان کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے قریش سے مطالبہ کیا۔ فالیعبدوا رب ھٰذا البیت ○ الذی اطعمھم من جوع ○ وآمنھم من خوف ○ کہ وہ اپنے پروردگار کی عبادت کریں وہی پروردگار جو بیت اللہ شریف کا رب ہے اور جس کی تولیت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا یعنی قحط سالی میں بھی ان پر فاقہ کی نوبت نہیں آتی اور انہیں سامان خوردونوش آسانی سے میسر آجاتا ہے۔ نیز اللہ نے انہیں ہر قسم کے خوف اور خطرے سے مامون کر دیا ہے۔ لہٰذا انہیں بھی چاہیے کہ وہ اس بیت اللہ کے رب کی عبادت کریں، جس نے ان پر اس قدر مہربانی فرمائی ہے۔ اس سورۃ مبارکہ سے یہ بھی سبق حاصل ہوتا ہے کہ قومیت پرستی لعنت ہے اور یہ اسی حد تک ہونی چاہیے جس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت شامل ہو۔

---

(۱۰۷) (سورۃ الماعون)

(ص ۱۲۰)

سورۃ الفیل میں بادشاہت کا رد تھا اور سورۃ القریش میں قومیت پرستی کی تردید کی گئی تھی۔ اب اس سورۃ الماعون میں جھوٹی مذہبیت کا رد ہے۔ غلط کار مولوی اور پیر لوگوں کا مال غلط طریقے پر کھا جاتے ہیں۔ ان کو ان کا حق دینے کی بجائے ان کو دھکے دیتے ہیں، اس لئے دوسروں کی حق تلفی کرنے والے تمام لوگوں کو وعید سنائی گئی ہے۔

(یدع الیتیم) یدفعہ عن حقہ: یتیم کو دھکے دیتا ہے یعنی اس کو اس کے حق سے محروم رکھتا ہے۔ (ساھون) لاھون: غافل ہیں۔ (الماعون) المعروف کلہ: برتنے کی ہر قسم کی اشیاء۔ وقال بعض العرب: الماء بعض عرب لوگ ماعون سے پانی مراد لیتے ہیں۔ قیل اعلاہ

الزكاة المفروضة و ادناه عارية المتاع: بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد فرض زکات ہے کہ ایسے بد بخت لوگ زکوٰۃ بھی ادا نہیں کرتے۔ اور بعض کے نزدیک عام قسم کی اشیاء کسی کو عاریۃً نہیں دیتے کہ کوئی برتن وغیرہ استعمال کر کے واپس کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے خود پرست لوگوں کی مذمت بیان کی ہے۔

(۱۰۸) (سورۃ الکوثر)

(ص ۱۲۰)

کوثر سے مراد خیر کثیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام پر بہت بڑا احسان فرمایا ہے کہ آپ کو ہر قسم کی بھلائیوں سے نوازا ہے۔ قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: هو نهر في الجنة: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے وعدہ کر رکھا ہے کہ قیامت والے دن حضور علیہ السلام کے ہاتھوں اس کو حوضِ کوثر کا پانی نصیب ہوگا۔ دنیا میں خیرِ کثیر کا نمونہ قرآنِ پاک ہے۔ اس میں بیان کردہ پروگرام پر عمل کرنے سے کامیابی یقینی ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آگے چل کر یہی قرآن پاک حوضِ کوثر کی شکل میں حاصل ہوگا۔ جو آدمی دنیا میں قرآنِ پاک پر ایمان لایا، اس کی اشاعت میں حصہ لیا، اس کو حوضِ کوثر کا پانی نصیب ہوگا۔

(شانئك) عدوك: آپ کا دشمن، بدخواہ۔ حضور علیہ السلام پر خیر کثیر کے انعام کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس احسان کا تقاضا ہے۔ فصل لربك وانحر: یعنی آپ اپنے رب کی عبادت کرنے کے لئے نماز پڑھیں کہ اس طرح حق اللہ ادا ہوگا۔ اور قربانی کریں اور غریبوں مسکینوں کو بھی اس میں شامل کریں تا کہ حق اللہ کے ساتھ حق العباد بھی ادا ہو، اور غربا کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں مدد ملے۔

(۱۰۹) (سورۃ الکافرون)

(کتاب میں مذکور نہیں)

(ص ۱۲۰)

اس سورۃ مبارکہ میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ کفر و شرک نوع انسانی کی ایک عظیم بیماری ہے جس کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے پے در پے پیغمبر بھیجے اور کتابیں نازل فرمائیں۔ پیغمبر آخر الزمان اس سلسلہ کی آخری کڑی ہیں۔ آپ نے کفر و شرک کی بیخ کنی کے لئے اپنی پوری پوری کوشش کی۔ اگر کافر اور مشرک اپنی ہٹ دھرمی سے اب بھی باز نہیں آتے تو یہ سورۃ ان کے خلاف اعلانِ جنگ کا حکم رکھتی ہے۔ اس سورۃ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ اے کافرو! میں تمہارے معبودانِ باطلہ کی عبادت نہیں کر سکتا اور نہ ہی تم ہمارے سچے معبود کی عبادت کرنے پر آمادہ ہو۔ ہمارا اور تمہارا پروگرام ایک نہیں ہے لہٰذا اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان کھلی جنگ ہوگی، لہٰذا اس کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اب اس کے بعد کیا ہوگا وہ اگلی سورۃ النصر میں آرہا ہے۔

---

(۱۱۰) (سورۃ النصر)

(ص ۱۲۰)

اذا جاء نصر اللہ و الفتح ○ جب اللہ تعالیٰ کی مدد آ گئی اور فتح حاصل ہوگئی تو آپ نے لوگوں کو اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے دیکھ لیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس انعام پر اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کریں اور کثرت سے استغفار کریں یعنی اگر آپ سے کوئی خلافِ اولیٰ بات ہو جائے تو اس کے لئے بھی استغفار کریں اور امت کے لئے عام استغفار کریں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی غلطیاں، کوتاہیاں معاف فرمائے۔ اس فتح سے مراد مکہ کی فتح ہے۔ جب مکہ فتح ہوگیا تو سارا عرب اسلام کے زیرِ نگین آ گیا اور کفر و شرک مٹ گیا۔ باقی جو تھوڑا بہت کام رہ گیا تھا، وہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں مکمل ہوگیا۔

اس لحاظ سے یہ سورۃ حضور علیہ السلام کی دنیا سے رحلت کرنے کی سورۃ ہے۔ اب دینِ اسلام کا

سارا کام آپ کی جماعت نے سنبھال لیا تھا۔ قال ابن عباس :انما هو اجل رسول الله صلی الله علیه وسلم اعلمه الله ایاه فصدقه: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے کہ اس سورۃ سے مراد حضور علیہ السلام کی دنیا سے رخصتی ہے جو اللہ کے علم میں تھی اور اللہ نے اس کی تصدیق کر دی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی کے آخری دن صبح کی نماز کے وقت حجرہ سے باہر آئے اور لوگوں کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں نماز پڑھتے دیکھ کر خوش ہوئے کیونکہ جس مقصد کے لئے اللہ نے آپ کو مبعوث فرمایا تھا اس کی تکمیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔

---

(۱۱۱) (سورۃ تبت)

(ص ۱۲۰ تا ص ۱۲۱)

اسلام کی سیاسی فتح تو ہو چکی تھی، اب اقتصادی فتح کی ضرورت تھی۔ حضور علیہ السلام کا حقیقی چچا ابولہب ایک مالدار آدمی تھا جس نے لوگوں پر اقتصادی برتری حاصل کر رکھی تھی۔ اللہ تعالیٰ کو اس کا غرور توڑنا مقصود تھا، لہٰذا اس کی مذمت میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔ صعد رسول الله صلی الله علیه وسلم الصفا ونادی :یا صباح: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت ملنے کے بعد کوہِ صفا پر چڑھے اور اہلِ مکہ کو یا صباح کہہ کر آواز دی۔ یہ نعرہ نہایت خطرے کے وقت لگایا جاتا تھا جس پر لوگ فوراً جمع ہو جاتے تھے۔

فاجتمعت الیه قریش : یہ نعرہ سن کر قریشِ مکہ حضور علیہ السلام کے پاس جمع ہو گئے کہ معلوم کر سکیں کہ کون سی مصیبت پیش آئی ہے۔ فقال :انی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید : اللہ کے نبی نے قریش کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تم کو اللہ کے سخت عذاب سے ڈرانے والا ہوں جو آگے آ رہا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ کفر و شرک کو چھوڑ کر ایک اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کر لو، ورنہ سخت سزا میں مبتلا ہو گے۔ فقال ابولهب :الهٰذا جمعتنا تبًا لك: کیا تو نے ہمیں اس مقصد کے لئے جمع کیا تھا تیرے لئے ہلاکت ہو۔ فانزل الله تعالٰی :تبت یدا ابی لهب وتب ○ اس موقع پر اللہ نے یہ سورۃ نازل فرمائی۔ ”ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوئے اور وہ خود بھی ہلاک ہوا۔ اس کا مال اس کے

کسی کام نہ آیا وہ بمعہ اپنی بیوی کے جہنم رسید ہوگا۔ (من مسد) لیف المقل، وهي السلسلة التي في النار: منج یا کھجور کے پتوں کی بنی ہوئی مضبوط رسی اور یہ دوزخ ہی کی ایک کڑی ہے۔

(۱۱۲) (سورۃ الاخلاص)

(ص ۱۲۱)

اس سورۃ مبارکہ کو نظریہ اسلام کی معمورہ کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں اسلام کے بنیادی اصولوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ قل هو الله احد ○ آپ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے، اس کی وحدانیت، اس کی بے نیازی، اور اس کے والد اور مولود ہونے سے منزہ ہونا ہے۔ اور پھر آخر میں اس کی ہمسری کی نفی کی گئی ہے۔ ولم یکن له کفواً احد ○ اور اس کا کوئی ہمسر، برابر یا معین نہیں ہے۔ اس سورۃ کو ثلث قرآن کہا گیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن پاک میں تین قسم کے مضامین یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا عقیدہ، شریعت کا بیان اور آخرت کا ذکر ہے چونکہ اس سورۃ مبارکہ میں ذات و صفات خداوندی کا ذکر ہے اس لئے اسے قرآن کا تیسرا حصہ کہا گیا ہے۔

قال المشركون: انسب لنا ربك: فانزل الله: قل هو الله احد: مشرکین نے کہا تھا کہ اے محمد! اپنے پروردگار کا ہمارے سامنے نسب بیان کرو۔ تو ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی، اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے نہ وہ کسی کا والد ہے، نہ اس کی کوئی اولاد ہے۔ الله الصمد وہ بے نیاز ہے۔ صمد وہ ہوتا ہے جو کسی کا محتاج نہ ہو بلکہ سب اسی کے محتاج ہوں۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صمد وہ ہے جو سب کی حاجت برآری کرنے والا ہو مگر اس کی اپنی کوئی حاجت نہ ہو۔ (الصمد) الذي كمل سؤدده: صمد وہ ہے جس کی سرداری مکمل ہو۔

(۱۱۳) (سورۃ الفلق)

(ص ۱۲۱)

قرآن پاک کی آخر دو سورتیں یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس معوذتین کہلاتی ہیں۔ صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں سورتیں اکٹھی نازل ہوئی اور اس کی بہت فضیلت آئی ہے۔ محدثین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ تعوذ کے باب یعنی برائیوں سے پناہ مانگنے کے سلسلے میں یہ دو سورتیں سب سے زیادہ مؤثر ہیں۔ مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت بیان کر کے چار چیزوں کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے جن کا تعلق دنیا کے ساتھ ہے یعنی اس سورۃ میں چار دنیوی آفات وبلیات کے شر سے پناہ طلب کی گئی ہے۔ (الفلق) الصبح اذا انفلق من ظلمة الليل: فلق کا معنی صبح کا پھٹنا ہے، یعنی رات کے اندھیرے سے صبح کی روشنی کی آمد مراد ہے۔ وقيل: الخلق: بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی پیدائش ہے۔ (غاسق) شديد الظلمة، وقيل الليل: غاسق کا معنی سخت اندھیرا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد رات کا اندھیرا ہے۔

(اذا وقب) اذا دخل ظلامه في كل شئ بغروب الشمس: جب چھا جائے یعنی غروب آفتاب کے بعد ہر چیز اندھیرے میں داخل ہو جائے۔ نظر رسول الله صلى الله عليه وسلم الى قمر فقال: يا عائشة استعيذي بالله من شر هٰذا، فان هٰذا الغاسق اذا وقب: حضور ﷺ نے رات کو چاند کی طرف دیکھ کر فرمایا، عائشہ! اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگو کیونکہ جب سے غروب ہو جاتا ہے تو پھر اندھیرا ہی اندھیرا رہ جاتا ہے۔

(۱۱۴) (سورۃ الناس)

(ص ۱۲۱)

گزشتہ اور یہ سورۃ دونوں معوذتین یعنی پناہ مانگنے والی سورتیں کہلاتی ہیں کہ ان کے ذریعے دنیوی اور دینی آفات سے پناہ طلب کی جاتی ہے۔ سورۃ الفلق میں دنیا کے مصائب سے پناہ پکڑنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے اور اس سورۃ کا موضوع **الاستعاذۃ من الآفات الدینیۃ** یعنی دینی معاملات میں پناہ طلبی ہے۔ چنانچہ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کی تین صفات بیان کر کے ایک چیز وسوسہ شیطانی سے پناہ طلب کی گئی ہے۔ پہلی سورۃ میں تمام کائنات کا ربط اللہ کی ذات کے ساتھ قائم کیا گیا ہے اور اس سورۃ میں انسانیت کا ربط اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ (**الوسواس الخناس**) **اذا ولد المولود حضرہ الشیطان فاذا ذکر اللہ خنس وتأخر واذا لم یذکر اللہ ثبت فی قلبہ**: جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان حاضر ہوتا ہے۔ پھر اگر اللہ کا نام لے لیا جائے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اور دبک جاتا ہے۔ اور اگر اللہ کا نام نہ لیا جائے تو وہ پختہ ہو جاتا ہے اور نومولود کے دل میں وسوسہ ڈال دیتا ہے۔

وھٰذا آخر ما اوردناہ فی الرسالۃ المسماۃ "بفتح الخبیر مما لا بد منہ فی علم التفسیر" رسالہ مسمی بہ "**فتح الخبیر ما لا بد منہ فی علم التفسیر**" کا یہ آخری حصہ ہے جو ہم نے غرائب القرآن کی صورت میں پیش کر دیا ہے۔ **والحمد للہ اولاً و آخراً، باطناً و ظاھراً، وصلی اللہ علی سیدنا محمد و آلہ وصحبہ اجمعین**۔ سب تعریفیں اول وآخر اور باطن وظاہر اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں۔ اور رحمت کاملہ نازل ہو ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل پر اور آپ کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر۔

علم الانسان مالم یعلم
سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم
مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ